وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اصحابِ بدرؓ

جلد 3

سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ISLAM
INTERNATIONAL
PUBLICATIONS LTD

اصحابِؓ بدر

جلد سوم

(*The Guiding Stars of Badr - Vol. 3)*
(Urdu)

by
Hazrat Mirza Masroor Ahmad,
Khalifatul-Masih V (may Allah be his Helper)

First published in the UK, 2024

© Islam International Publications Ltd.

Published by:
Islam International Publications Limited
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

For further information, please visit www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-507-1

فہرست مضامین

2۔ حضرت عمرؓ بن خطاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	xv
2	دیباچہ	xvii
3	نام ونسب، تاریخ پیدائش	1
4	کنیت، لقب	2
5	حلیہ مبارک	4
6	بطور سفیر	4
7	آپؓ کے اسلام کے لیے آنحضور ﷺ کی دعائیں	6
8	قبول اسلام کی وجہ بننے والے واقعات وروایات	7
9	قبول اسلام کا عام اعلان اور مخالفت	19
10	حضرت عمرؓ کو بھی سختیاں جھیلنی پڑیں	21
11	مدینہ کی طرف ہجرت	22
12	مؤاخات	23
13	اذان کی ابتداء اور حضرت عمرؓ کا ایک رؤیا	24
14	حضرت عمرؓ اور غزوات	25
15	جنگ بدر	25
16	حضرت حفصہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی	28
17	جنگ احد	30
18	غزوۂ حمراء الاسد	33

19	غزوۂ بنو مصطلق	34
20	رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ	37
21	جنگ خندق	37
22	صلح حدیبیہ	39
23	فتح مکہ......اور ابو سفیان کو امان کا ملنا	44
24	پہلی مرتبہ پرچم کا لہرایا جانا اور جنگ خیبر	45
25	غزوۂ تبوک	49
26	آپؓ کی آخری بیماری میں وصیت کا اظہار اور صحابہ کا ردعمل	50
27	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حضرت عمرؓ کا جوش دیوانگی	51
28	اجماع صحابہؓ	56
29	خلافت ابو بکرؓ	56
30	مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں اظہار رائے	57
31	لشکر اسامہؓ کی روانگی	58
32	جمع قرآن	58
33	حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارہ میں مشاورت	59
34	حضرت ابو بکرؓ کی وفات	62
35	خلافت کے بعد پہلا خطاب	63
36	خلیفہ منتخب ہونے کے تیسرے روز خطاب	64
37	حضرت عمرؓ کی اہلِ بیت سے عقیدت کا کیا اظہار تھا؟	67
38	دَارُ الدَّقِيْق	70
39	عورت کا اپنے بچے کا زبردستی دودھ چھڑوانا	73
40	حضرت عمرؓ کا درخت لگانا	74
41	اسلامی مساوات	77
42	جنگی قیدیوں کے علاوہ غلام بنانے کی ممانعت	79
43	قحط پر آپؓ کی بے قراری	79

44	قحط کے سال آپؓ کا رنگ سیاہ ہو گیا	81
45	نماز استسقاء پڑھی جائے گی	82
46	مسجد نبوی کی توسیع	83
47	مردم شماری	84
48	ہر شخص کے لیے روٹی کپڑے کا انتظام	85
49	ملکی حقوق کا قیام	88
50	ممالک کی صوبہ جات میں تقسیم	88
51	عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت کا حق	89
52	عاملین کی تقرری اور ان کے لیے ہدایات	89
53	عاملین کی شکایات	90
54	محاصل کا نظام	91
55	خراج کے قواعد	91
56	زراعت کی ترقی	91
57	محکمہ قضا کا اجرا	91
58	افتاء کا محکمہ	92
59	محکمہ پولیس کا اجرا	92
60	بیت المال کا قیام	93
61	رفاہِ عامہ کے کام	95
62	مختلف تعمیرات	95
63	محکمہ فوج	96
64	ماتحت غیر اقوام اعلیٰ عہدوں پر	97
65	مارکیٹ کنٹرول، پرائس کنٹرول	98
66	ناجائز حد تک قیمت گرانا	98
67	تعلیم کا نظام	99
68	ہجری کیلنڈر کا آغاز کس طرح ہوا؟	99

69	ہجری کیلنڈر کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟	99
70	ہجری کیلنڈر کے لیے ہجرت سے آغاز کیوں؟	100
71	ربیع الاول کی بجائے محرم سے سال کا آغاز کیوں کیا؟	100
72	نبی کریم ﷺ مدینہ کب تشریف لائے؟	101
73	تقویم ہجری کس سال میں ہوئی؟	101
74	اسلامی سکّہ	101
75	اولیات فاروقی	101
76	فتوحات	104
77	حضرت ابو بکرؓ کی ایک اہم وصیت	105
78	عراق پر چڑھائی کے لئے لشکر کی تیاری	105
79	جنگ نمارق / کسکر	107
80	معرکہ سَقَاطِیَہ 13 ہجری	108
81	جنگ بِارُوسَمَا	108
82	جنگِ جِسر	109
83	جنگ بویب / یوم الاعشار	111
84	ایرانیوں کے مقتولین کی تعداد ایک لاکھ	112
85	اس جنگ کو یَوْمُ الْاَعْشَار بھی کہا جاتا ہے	112
86	مسلمان خواتین کی ہمت و دلیری	113
87	جنگ قادسیہ	113
88	رستم کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار	119
89	بیماری کے باوجود لشکر کی کمان......	120
90	فتح مدائن	125
91	جنگ جَلُولَاء 16 ہجری	128
92	مَاسَبَذَان کی فتح	130
93	خُوْزَسْتَان کی فتوحات	131

94	اَھْوَاز کا معرکہ	132
95	جنگ رَامَھُرمُزْ اور تُسْتَر	132
96	جنگ جندی سابور	138
97	جنگ نِہَاوَنْد / فتح الفتوح	140
98	اصفہان کی فتح	149
99	ھَمَذَان کی بغاوت اور دوبارہ فتح	150
100	جنگ رَے	151
101	فتحِ قُوْمِیْس اور جُرْجَان	151
102	فتحِ آذربائیجان	152
103	آرمینیا کی مصالحت	153
104	فتح خُرَاسَان 22 ہجری	154
105	فتحِ اِصْطَخَر	158
106	فَسَا اور دَارَابْجِرْد	159
107	فتح کَرْمَان	161
108	فتح سِجِسْتَان	162
109	فتح مُکْرَان	162
110	بقاع کی مہم	163
111	فتح فِحل	164
112	فتحِ طَبَرِیَّہ	166
113	فتح حِمْص	166
114	مَرْجُ الرُّوْم	167
115	لَاذِقِیَّہ کی فتح	168
116	فتح قِنِّسْرِیْن	169
117	فتح قَیْسَارِیّہ	170
118	جنگ یرموک	173

119	بیت المقدس کی فتح 15 ہجری	186
120	مسلمانوں اور اہلِ ایلیا کے درمیان صلح نامہ	191
121	حضرت عمرؓ بیت المقدس میں	192
122	حضرت بلالؓ کا ایک بار پھر اذان دینا	194
123	فتح بِلْبِیْس	202
124	اُمّ دُنَیْن	203
125	عَیْنُ الشَّمْس میں مقابلہ	205
126	معرکہ قلعہ بَابِلْیُون یافُسْطَاط کی فتح	205
127	اسکندریہ کی فتح کس طرح ہوئی؟	206
128	فتح بَرْقَہ وطرابلس	211
129	فتوحات کے اسباب وعوامل	214
130	آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کی شہادت کی دعا	220
131	حضرت عمرؓ کی وفات اور صحابہ کے رؤیا	222
132	حضرت عمرؓ کی شہادت	224
133	عمر بن خطاب اجازت چاہتا ہے کہ... ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے	226
134	حضرت عمرؓ کے قاتل کا ذکر	228
135	کیا حضرت عمرؓ کی شہادت سازش کا نتیجہ تھی؟	228
136	فتنہ کے وقت نماز کے موقع پر حفاظت کا انتظام	238
137	عجز وانکسار	242
138	تدفین اور نماز جنازہ	244
139	وفات پر بعض صحابہ کرام کے تاثرات	245
140	حضرت عمرؓ کی ازواج اور اولاد	247
141	مستشرقین کے تبصرے	247
142	عشرہ مبشرہ میں سے ایک	250
143	فضائل حضرت عمرؓ	251

144	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ تعلق	259
145	دنیا سے بے رغبتی اور زہد	264
146	تقویٰ کے معیار	267
147	عاجزی اور انکساری	269
148	حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی فضیلت	274
149	خشیت الٰہی	277
150	پرانے خدمت اور قربانی کرنے والوں خیال رکھنا	278
151	قربانی کرنے والوں کے قریبیوں کو نوازنا	278
152	بوڑھی، معذور عورتوں اور ضرورتمند لوگوں اور بچوں کا خیال رکھنا	279
153	اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لیے معیار	281
154	بازار کی قیمتوں سے کسی کے حقوق متاثر نہ ہوں	282
155	طاعون عَمَوَاس اور لوگوں کی جانوں کی فکر	282
156	قبولیتِ دعا کے چند واقعات	285
157	دعائیں	288
158	مالی قربانی	289
159	علم رکھنے والوں کے لئے خاص مقام	290
160	بچوں کی تربیت	290
161	بیت المال کے اموال کی حفاظت اور نگرانی	291
162	مساوات کا قیام	292
163	وسعتِ حوصلہ	293
164	مذہبی امور میں آزادی	294
165	جانوروں پر شفقت اور رحم دلی کا واقعہ	295
166	آپؓ کا شاعرانہ ذوق	296
167	فضائل اور مناقب	299

3۔ حضرت عثمانؓ بن عفان

168	نام ونسب وکنیت	304
169	ذوالنورین	304
170	قبول اسلام	305
171	بنت رسول ﷺ حضرت رقیہؓ سے شادی	305
172	ہجرت حبشہ	306
173	حضرت لوطؑ سے ہجرت میں مشابہت	307
174	ہجرت مدینہ	311
175	مؤاخات	311
176	حضرت رقیہؓ کے بعد حضرت ام کلثومؓ سے شادی	312
177	تیسری بیٹی ہوتی تو اس کی شادی بھی......	313
178	غزوات میں شمولیت	313
179	غزوۂ غطفان	314
180	غزوۂ احد	314
181	صلح حدیبیہ	316
182	بیعت رضوان	321
183	غزوۂ ذات الرقاع	326
184	فتح مکہ	327
185	غزوۂ تبوک	329
186	حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں کردار	331
187	حضرت عمرؓ کے عہد میں کردار	333
188	خلافت کی بابت آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی	334
189	انتخاب خلافت کے لیے مجلس شوریٰ کا قیام	334
190	خلافت پر متمکن ہونے کے بعد پہلا خطاب	337
191	دورِ خلافت کی فتوحات	338

192	مہمات اور فتوحات کی تفصیل	339
193	برصغیر پاک و ہند تک اسلام پہنچنا	341
194	فتنہ کی بابت آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیاں	342
195	اختلافات کا آغاز اور اس کی وجوہات	343
196	حضرت اُمّ حبیبہؓ مدد کے لیے آئیں	350
197	بنوامیہ کے یتامیٰ کے ولی	350
198	آخری حج	359
199	عزم وہمت	359
200	تم کبھی متحد نہ ہو سکو گے	360
201	شہادت سے قبل کی تفصیلات	361
202	شہادت کا دردناک واقعہ	362
203	آج شام کو روزہ ہمارے ساتھ کھولنا	363
204	اسلامی حکومت کا تخت خلیفہ سے خالی	364
205	قاتلین کی بدتہذیبی	365
206	جرأت و بہادری	365
207	خلافت کا عظیم الشان سلسلہ	367
208	فضائل و مناقب	367
209	تجہیز و تکفین اور تدفین	369
210	شہادت کے بعد کے واقعات	370
211	آنحضور ﷺ کی پیشگوئیاں	370
212	ترکہ	371
213	واقعہ شہادت	371
214	لباس اور حلیہ	371
215	آنحضور ﷺ کی انگوٹھی	372
216	عشرہ مبشرہ	373

217	آنحضور ﷺ کے ساتھ جنت میں رفاقت	373
218	مسجد نبویؐ کی توسیع اور بئر رومہ کا کنواں	375
219	حضرت سلیمانؑ کے ساتھ مشابہت	380
220	مسجد الحرام کی توسیع	380
221	پہلا اسلامی بحری بیڑا	380
222	آنحضرت ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت	381
223	عفت اور حیا	381
224	تواضع اور سادگی	383
225	سخاوت اور فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ	384
226	کتابتِ وحی	386
227	اشاعت قرآن	387
228	حضرت عثمانؓ کا مقام	392
229	جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ	394
230	عید کے روز جمعہ کی نماز سے رخصت	395
231	حضرت عثمانؓ کی شادیاں اور اولاد	397
	4۔ حضرت علیؓ	
232	نام و نسب اور کنیت ابو تراب	400
233	آنحضرت ﷺ کی کفالت میں	400
234	قبول اسلام	401
235	مردوں میں سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟	402
236	حضرت ابو طالبؓ کی حمایت	404
237	قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ	404
238	ہجرت کے موقع پر قربانی کا واقعہ	407
239	مؤاخات کب کب ہوئی؟	410
240	غزوات میں شمولیت اور جرأت و بہادری	411

241	غزوہ عُشَیرہ	411
242	غزوۂ سَفْوَان	412
243	غزوۂ بدر	412
244	حضرت فاطمہؓ سے شادی	414
245	زہد و قناعت کرنے والا جوڑا	417
246	غزوہ احد	422
247	غزوۂ خندق	423
248	معاہدہ صلح حدیبیہ کی تحریر لکھنے والے	425
249	غزوہ خیبر، میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے!!!	426
250	آنحضرتؐ کا دست شفا	428
251	فتح مکہ	432
252	غزوۂ حنین	433
253	سریہ حضرت علیؓ بطرف بنوطیّ	433
254	غزوۂ تبوک	433
255	یمن کی طرف	434
256	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری میں آپؐ کی خدمت	435
257	حضرت ابو بکرؓ کی بیعت	436
258	خلافت راشدہ کے دوران امیر مدینہ	440
259	خلافت عثمانؓ میں مخلصانہ دفاعی کوششیں	441
260	حضرت عثمانؓ کے گھر حضرت حسنؓ و حسینؓ کا پہرا	442
261	حضرت علیؓ کی بیعت خلافت	444
262	حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات	446
263	مسلمانوں کی تباہی کے اسباب	448
264	مرکز اور خلافت سے تعلق	449
265	جنگِ جمل	449

266	حضرت طلحہؓ کی شہادت	454
267	جنگ صِفّین	454
268	جنگِ نہروان (اس جنگ میں تمام خوارج مارے گئے)	457
269	شہادت اور اس کا پس منظر	458
270	واقعہ شہادت	459
271	وصیت	461
272	حضرت حسن بن علیؓ کا خطبہ	464
273	عمر میں اختلاف	465
274	حضرت علیؓ کا مزار کہاں واقع ہے؟	465
275	شادی اور اولاد	466
276	فضائل و مناقب	466
277	حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے	469
278	قضائی فیصلے	480
279	حضرت علیؓ کے فضائل و مقام و مرتبہ	482

پیش لفظ

جنگ بدر کو تاریخ اسلام میں ایک نمایاں اہمیت اور فضیلت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے اس دن کو "یوم الفرقان" کہہ کر اس کی تاریخی فضیلت کو دوام بخشا اور اس فضیلت اور عظمت کا تاج اپنے وفاشعار جاں نثار بدری صحابہؓ کے سروں پر سجاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ اور تمہیں یہ کیا خبر کہ اللہ نے آسمان سے اہل بدر کو جھانک کر دیکھا اور فرمایا کہ تم جو کچھ کرتے رہو میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔ (بخاری) اس جنگ میں شامل ہونے والے 313 صحابہؓ خود بھی اپنے آخری سانسوں تک اس سعادت اور اعزاز پر خدا کا شکر بجالاتے ہوئے فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مشہور مستشرق ولیم میور صاحب لکھتے ہیں:

"بدری صحابی اسلامی سوسائٹی کے اعلیٰ ترین رکن سمجھے جاتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص جب اسّی سال کی عمر میں فوت ہونے لگے تو انہوں نے کہا کہ مجھے وہ چوغہ لاکر دو جو میں نے بدر کے دن پہنا تھا اور جسے میں نے آج کے دن کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی سعد تھے جو بدر کے زمانہ میں بالکل نوجوان تھے اور جن کے ہاتھ پر بعد میں ایران فتح ہوا اور جو کوفہ کے بانی اور عراق کے گورنر بنے مگر ان کی نظر میں یہ تمام عزتیں اور فخر جنگِ بدر میں شرکت کے عزت و فخر کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھیں اور جنگِ بدر والے دن کے لباس کو وہ اپنے واسطے سب خلعتوں سے بڑھ کر خلعت سمجھتے تھے اور ان کی آخری خواہش یہی تھی کہ اسی لباس میں لپیٹ کر ان کو قبر میں اتارا جاوے۔" (بحوالہ سیرت خاتم النبیین صفحہ 373)

یہ خوش نصیب صحابہ کون کون تھے؟ رہتی دنیا تک آسمان پر چمکنے والے یہ چاند ستارے کون تھے؟؟ ان کے نام، ان کے والدین کے نام ان کے سوانح کیا تھے اور ان کی سیرت کے نمایاں کام اور کارنامے کیا کیا تھے۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے

خطبات میں بڑی تفصیل سے ان کا ذکر فرمایا ہے۔ گویا کہ ان صحابہؓ کی سوانح اور سیرت کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

سیرت صحابہؓ کا یہ تاریخی بیان حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 4 مئی 2018ء کو شروع فرمایا اور پھر یہ تابناک علمی اور تحقیقی مواد خدا کے اس پیارے مقدس وجود کے لب مبارک سے ادا ہو تا رہا۔ آخری خطبہ 24 فروری 2023ء کو ارشاد فرماتے ہوئے کل 173 خطبات میں یہ ذکر مکمل ہوا۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر خطبات دینے کا سلسلہ شروع فرمایا جو ابھی تک جاری و ساری ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے یہ تمام خطبات جلد اول میں پیش کئے جائیں گے،

اس سے قبل جلد دوم خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت و سوانح پر مشتمل شائع ہوئی تھی، اس جلد میں خلفائے ثلاثہ حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی سیرت و سوانح شامل ہے اور اس کے علاوہ دو جلدیں بدری صحابہؓ کی سیرت و سوانح پر مشتمل قارئین کی خدمت میں پیش ہوں گی۔ انشاء اللہ

اس علمی و تحقیقی کام میں معاونت کرنے والے تمام افراد اور دفاتر خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

منیر الدین شمس
ایڈیشنل وکیل التصنیف

جولائی ۲۰۲۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

تبرک تحریر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کے اخلاص وفا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"خدا تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف میں کیا خوب فرمایا ہے مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ (الاحزاب:24) مومنوں میں سے ایسے مرد ہیں جنہوں نے اس وعدے کو سچا کر دکھایا جو انہوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض اپنی جانیں دے چکے اور بعض جانیں دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔" پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "صحابہ کی تعریف میں قرآن شریف سے آیات اکٹھی کی جائیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اسوۂ حسنہ نہیں۔" (ملفوظات جلد 7 صفحہ 431 تا 433) اور ان آیات میں صحابہ کی نیکیوں کے اور قربانیوں کے جو نمونے بیان ہوئے ہیں وہ ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔

چند سال قبل جب میں نے صحابہ کے حالات بیان کرنے شروع کئے تو ان میں بدری صحابہ بھی تھے اور چند دوسرے صحابہ کا بھی ذکر ہوا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ پہلے صرف بدر کی جنگ میں شامل ہونے والے صحابہ کا ذکر کروں۔ کیونکہ ان کا ایک خاص مقام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک سلسلہ وار خطبات میں مجھے ان پاک طینت عشاقِ رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

غزوہ بدر کے صحابہ وہ لوگ تھے جو غریب اور کمزور ہونے کے باوجود دین کی

حفاظت کرنے والوں میں صف اوّل میں تھے۔ وہ کبھی دشمن کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ ان کا تمام تر توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا اور محبت کا عہد کیا تو اس کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اپنے عہد وفا کو نبھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی جنت کی بشارت دی اور ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "یہی وہ جنگ ہے جس کا نام قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرقان رکھا ہے اور یہی وہ جنگ ہے جس میں عرب کے وہ سردار جو اس دعویٰ کے ساتھ گھر سے چلے تھے کہ اسلام کا نام ہمیشہ کے لئے مٹا دیں گے خود مٹ گئے اور ایسے مٹے کہ آج ان کا نام لیوا کوئی باقی نہیں۔"

(سیرۃ النبی ﷺ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 610)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب اور ملفوظات میں دو بدری اَدوار کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"اب اس چودھویں صدی میں وہی حالت ہو رہی ہے جو بدر کے موقع پر ہو گئی تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ** (آل عمران:124)۔ اس آیت میں بھی دراصل ایک پیشگوئی مرکوز تھی یعنی جب چودھویں صدی میں اسلام ضعیف اور ناتوان ہو جائے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اس وعدہ حفاظت کے موافق اس کی نصرت کرے گا۔"

(لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 280)

پھر آپؑ فرماتے ہیں "اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بدر ہی میں مدد کی تھی اور وہ مدد أَذِلَّةٌ کی مدد تھی جس وقت تین سو تیرہ آدمی صرف میدان میں آئے تھے اور کل تین لکڑی کی تلواریں تھیں اور ان تین سو تیرہ میں زیادہ تر چھوٹے بچے تھے۔ اس سے زیادہ کمزوری کی حالت کیا ہوگی اور دوسری طرف ایک بڑی بھاری جمعیت تھی اور وہ سب کے سب چیدہ چیدہ جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے جوان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ظاہری سامان کچھ نہ تھا۔ اس وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جگہ پر دعا کی اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔ یعنی اے اللہ! اگر آج تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ سنو! میں بھی یقیناً اسی طرح کہتا ہوں کہ آج وہی بدر والا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک جماعت تیار کر رہا ہے۔ وہی بدر اور اَذِلَّةٌ کا لفظ موجود ہے۔" (ملفوظات جلد 2 صفحہ 190-191)

غزوۂ بدر تاریخِ اسلام کا نہایت اہم واقعہ ہے۔ احبابِ جماعت کو چاہیئے کہ اس حوالہ سے میرے خطبات کے اس مجموعے کو ضرور پڑھیں تا کہ یہ ایمان افروز واقعات ہمیشہ آپ کے ذہنوں میں مستحضر رہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام بھی ہے جو تذکرہ میں یوں درج ہے: "آج رات حضرتؑ نے خواب بیان فرمایا **کسی نے کہا کہ جنگ بدر کا قصہ مت بھولو**۔" (تذکرہ ص668)

اللہ تعالیٰ ہم میں خاص طور پر بدر کی اہمیت کا ادراک پیدا فرمائے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کی آمد کو سمجھنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ مسلمان امت بھی اس واقعہ بدر کی حقیقت کو سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آئے ہوئے مسیح موعود کو پہچانے تا کہ مسلمان دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے قابل بن جائیں۔ آمین

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

عالمگیر جماعت احمدیہ

25 اپریل 2024ء

2

حضرت عمرؓ بن خطاب

نام و نسب

حضرت عمرؓ کا تعلق قبیلہ بنو عدی بن کعب بن لُؤی سے تھا۔ آپؓ کے والد کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ ایک قول کے مطابق آپؓ کی والدہ کا نام حَنْتَمَہ بنت ہاشم تھا۔ اسی طرح آپؓ کی والدہ ابو جہل کی چچازاد ہمشیرہ بنتی ہیں اور دوسرے قول کے مطابق ان کی والدہ کا نام حَنْتَمَہ بنت ہشام تھا۔ اس طرح وہ ابو جہل کی بہن بنتی ہیں لیکن یہ روایت جو بہن والی ہے یہ زیادہ تسلیم نہیں کی جاتی۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ جو یہ کہتا ہے کہ ابو جہل کی بہن تھیں تو اس نے خطا کی۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو جہل اور حارث کی بہن ہوتیں جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ وہ ان دونوں کی چچا کی بیٹی تھیں۔ ان کے والد کا نام ہاشم ہے۔[1]

حضرت عمرؓ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں مختلف روایات بیان ہوئی ہیں جن کے مطابق حضرت عمرؓ کی تاریخ پیدائش کا سال الگ الگ بنتا ہے۔

چنانچہ ایک رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بڑی جنگِ فجار سے چار سال قبل پیدا ہوئے تھے جبکہ دوسری جگہ لکھا ہے کہ بڑی جنگ فجار کے چار سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ اسے جنگ فجار اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لڑائی حرمت والے مہینے میں ہوئی جو بہت فسق و فجور والی بات ہے۔ یہ جنگ چار مرحلوں میں ہوئی تھی۔ چوتھی جنگ کو اَلْفِجَارُ الْاَعْظَم، بڑی جنگ فجار کے علاوہ اَلْفِجَارُ الْاَعْظَمُ الْاٰخِر آخری بڑی جنگ فجار بھی کہتے ہیں۔ یہ قریش اور بنو کنانہ نیز ہوازن کے درمیان ہوئی تھی۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ عام الفیل کے تیرہ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔[2]

عام الفیل 570 عیسوی کا سال ہے اور اس کے تیرہ سال بعد کے حساب سے حضرت عمرؓ کی پیدائش کا سال 583ء بنتا ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے 6/ نبوی میں اسلام قبول کیا اور اس وقت ان کی عمر 26 سال تھی۔[3]

سنہ عیسوی کے اعتبار سے 6/ نبوی 616/ عیسوی کا سال بنتا ہے۔ اگر اس وقت حضرت عمرؓ 26 سال کے تھے تو ان کی پیدائش کا سال 590ء بنتا ہے۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تب پیدا ہوئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیس سال کے تھے۔[4]

بہر حال یہ مختلف آرا ہیں، تقریباً اکیس اور چھبیس سال کے درمیان کی عمر بنتی ہے جب انہوں نے

اسلام قبول کیا۔ **حضرت عمرؓ کی کنیت ابو حفص تھی۔**[5]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو ہاشم اور کچھ دوسرے لوگ قریش کے ساتھ مجبوراً آئے ہیں وہ ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ پس تم میں سے جو کوئی بنو ہاشم کے کسی آدمی سے ملے تو اس کو قتل نہ کرے اور جو اَبُو الْبَخْتَرِی سے ملے وہ اس کو قتل نہ کرے اور جو عباس بن عبد المطلب جو رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں ان سے ملے تو وہ ان کو بھی قتل نہ کرے کیونکہ یہ لوگ مجبوراً قریش کے ساتھ آئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت ابو حُذَیفہؓ بن عُتْبہ نے کہا کہ ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں۔ اللہ کی قسم! اگر مَیں اسے یعنی عباسؓ کو ملا تو میں تلوار سے ضرور اسے قتل کر دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا۔ اے ابو حفص! حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ **اللہ کی قسم! یہ پہلا دن تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابو حفص کی کنیت سے مخاطب فرمایا تھا۔**

آپؐ نے فرمایا کیا رسول اللہ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں جس نے یہ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! اس نے یعنی ابو حذیفہؓ نے منافقت دکھائی ہے۔ حضرت ابو حذیفہؓ بعد میں کہا کرتے تھے کہ مَیں اس کلمہ کی وجہ سے جو میں نے اس دن کہا تھا چین میں نہیں رہا اور ہمیشہ اس سے ڈرتا رہا سوائے اس کے کہ شہادت میری اس بات کا کفارہ کر دے چنانچہ حضرت ابو حذیفہؓ جنگ یمامہ کے دن شہید ہو گئے تھے۔[6]

فاروق لقب عطا کیا جانا

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو 'فاروق' کے لقب سے نوازا تھا۔[7] اس لقب کا پس منظر کیا تھا؟ اس کے بعد یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ آپؓ کا لقب فاروق کس طرح رکھا گیا؟

انہوں نے فرمایا کہ حضرت حمزہؓ نے مجھ سے تین روز قبل اسلام قبول کیا تھا۔ میں اتفاقاً مسجد حرام کی طرف جا نکلا تو ابو جہل تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس گالیاں دیتے ہوئے گیا۔ پھر انہوں نے حضرت حمزہؓ کی وہ ساری بات بیان کی جو انہوں نے کیا کہ جب حضرت حمزہؓ کو خبر ہوئی تو اپنی کمان لے کر خانہ کعبہ کی طرف چلے اور قریش کے اس حلقے میں جس میں ابو جہل بیٹھا تھا اس کے سامنے اپنی کمان پر سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اس کو مسلسل گھورنے لگے۔ ابو جہل نے آپؓ کے چہرے سے ناراضگی محسوس کی تو اس نے کہا اے ابو عمارہ! یہ حضرت حمزہؓ کی کنیت تھی، کیا معاملہ ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت حمزہؓ نے اپنی کمان زور سے اس کی گال پر ماری کہ وہ کٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا۔ اور ان کے غصہ کے

خوف کی وجہ سے قریش نے فوراً جھگڑا ختم کروا دیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ اس طرح ہوا جو میں نے بھی دیکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے تیسرے دن میں باہر نکلا تو راستے میں مجھے بنو مخزوم کا ایک شخص ملا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر مَیں نے کر لیا ہے تو اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ اس نے بھی تو کر لیا ہے جس پر تم کو مجھ سے زیادہ حق ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے کہا وہ کون ہے؟ اس نے کہا تمہاری بہن اور بہنوئی۔ یہ سن کر جب میں اپنی بہن کے گھر گیا تو میں نے دروازے کو بند پایا اور مجھے وہاں کچھ پڑھنے کی سرگوشیاں سنائی دیں۔ میرے لیے دروازہ کھولا گیا اور میں اندر داخل ہو گیا اور ان سے کہا یہ میں نے تم سے کیا سنا ہے؟ انہوں نے کہا تم نے کیا سنا ہے؟ اس مکالمے میں بات بڑھ گئی اور میں نے بہنوئی کا سر پکڑ لیا اور اس کو مارا اور اسے لہولہان کر دیا۔ میری بہن اٹھی اور اس نے مجھے سر سے پکڑ لیا اور کہا یہ تمہاری خواہش کے خلاف ہوا ہے یعنی ہمارا اسلام لانا تمہاری خواہش کے خلاف ہے۔ بہرحال دوسری روایت میں بہن کے زخمی ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے جب بہنوئی کا خون دیکھا یا ہو سکتا ہے کہ اس وقت بہن کا بھی ہو گیا ہو تو **مجھے شرمندگی ہوئی اور میں بیٹھ گیا اور کہا مجھے یہ کتاب دکھاؤ۔** میری بہن نے کہا کہ اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اگر سچ بول رہے ہو تو جاؤ اور غسل کرو۔ چنانچہ میں نے غسل کیا اور آ کر بیٹھ گیا تو انہوں نے وہ صحیفہ میرے لیے نکالا۔ اس میں تھا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں نے کہا یہ نام تو بڑے طیب اور پاکیزہ ہیں۔ اس کے بعد تھا طٰہٰ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی یہاں سے لے کر لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی تک، طٰہٰ کی آیت 2 سے 9 تک تھیں۔ کہتے ہیں میرے دل میں اس کلام کی بڑی عظمت پیدا ہوئی۔ میں نے کہا قریش اس سے بھاگتے ہیں۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ میری بہن نے بتایا کہ وہ دارِ ارقم میں ہیں۔ میں وہاں پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو وہاں موجود صحابہ جمع ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ نے ان سے کہا تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا عمرؓ۔ حضرت حمزہؓ نے کہا کہ خواہ عمرؓ ہی ہو اس کے لیے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ باہر دروازے پہ کھڑا ہے۔ اگر وہ اچھے ارادے سے آئے ہیں تو ہم انہیں قبول کر لیں گے اور اگر وہ بری نیت سے آئے ہیں تو ہم اسے قتل کر دیں گے۔

یہ باتیں رسول کریم ﷺ نے بھی سن لیں۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو **حضرت عمرؓ نے کلمہ شہادت پڑھا** اس پر گھر میں موجود تمام صحابہ نے بلند آواز سے اللہ اکبر! کہا جس کو اہل مکہ نے سنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہؐ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا پھر یہ اخفاء کیوں ہے؟ ہم اپنے دین کو چھپا کے کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ اس کے بعد ہم وہاں سے دو صفوں میں ہو کر نکلے۔

ایک صف میں مَیں تھا اور دوسری صف میں حضرت حمزہؓ تھے یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اس پر قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو دیکھا اور ان کو ایسا شدید دکھ اور تکلیف پہنچی کہ اس طرح کی تکلیف پہلے کبھی نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ اس دن رسول کریم ﷺ نے میرا نام 'فاروق' رکھا کیونکہ اسلام کو تقویت پہنچی اور حق اور باطل کے درمیان امتیاز پیدا ہو گیا۔[8]

ایوب بن موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو عمرؓ کی زبان و دل پر قائم کر دیا اور وہ 'فاروق' ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ سے حق و باطل میں فرق کر دیا۔[9]

حلیہ مبارک

حضرت عمرؓ دراز قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے۔ رنگ سرخی مائل اور مونچھیں گھنی تھیں جن کے کناروں پر سرخی جھلکتی تھی اور آپؓ کے رخسار ہلکے پھلکے تھے۔[10]

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمرؓ کے جو شغل تھے ان کے بارے میں اس طرح ذکر ملتا ہے کہ گھڑ سواری اور کُشتی حضرت عمرؓ کے محبوب مشاغل میں سے تھے۔ عُکاظ کے میلے میں ہر سال کُشتی کا مقابلہ عموماً حضرت عمرؓ ہی جیتا کرتے تھے۔ نوجوانی میں عرب کے عام رواج کے مطابق اپنے والد کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔[11]

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہیں تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ **حضرت عمرؓ نے اس وقت اس زمانے میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا۔**[12]

حضرت عمرؓ اشرافِ قریش میں سے تھے۔ قبل از اسلام قریش کی طرف سے سفارت کا عہدہ آپؓ کے سپرد تھا اور قریش کا دستور تھا کہ جب ان کے درمیان یا ان کے اور غیروں کے درمیان کوئی جنگ ہوتی تو وہ **حضرت عمرؓ کو بطور سفیر بھیجتے تھے۔**[13]

رقّتِ قلبی کا ایک منظر اور اسلام دشمنی کی مثال

جب حبشہ کی طرف بعض مسلمانوں نے ہجرت کی تو اس وقت حضرت عمرؓ کے جو واقف تھے ان کو ہجرت کرتے دیکھ کے حضرت عمرؓ کا جو ردّ عمل تھا باوجود اس کے کہ آپؓ ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور سخت طبیعت کے بھی مالک تھے لیکن ردّ عمل نہایت رِقّت والا تھا۔ اس بارے میں حضرت امّ عبد اللہ بنت ابو حَثْمَہؓ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم! جب ہم سر زمین حبشہ کی جانب روانہ ہونے لگے اور میرے شوہر عامر بن رَبِیْعَہ اپنے کسی کام سے گئے ہوئے تھے تو اسی دوران حضرت عمر بن خطابؓ آئے اور میرے پاس

کھڑے ہو گئے اور وہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی قائم تھے اور ہمیں ان کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کرنی پڑتی تھیں۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے مجھ سے کہا۔ اے ام عبد اللہ! لگتا ہے کہیں روانگی کا ارادہ ہے۔ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ہاں اللہ کی قسم! ضرور ہم اللہ کی زمین میں نکل جائیں گے۔ کہیں جا رہے ہیں۔ تلاش کرتے ہیں کہ کہاں جانا ہے۔ بڑی وسیع زمین ہے اللہ کی۔ تم لوگوں نے تو ہمیں بہت ستایا ہے اور ہم پر بہت ظلم ڈھائے ہیں یہاں تک کہ اللہ نے ہمارے لیے اب نجات کی راہ پیدا کر دی ہے۔ ام عبد اللہ بیان کرتی ہیں کہ وہ کہنے لگے اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ ام عبد اللہ کہتی ہیں کہ جیسی رقّت اس وقت میں نے ان پر طاری دیکھی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے نکلنے نے انہیں غمگین کر دیا تھا۔ ام عبد اللہ کہتی ہیں کہ جب عامر بن ربیعہ اپنے کام سے واپس آئے تو میں نے ان سے کہا اے عبد اللہ! کاش ابھی تم عمر کی حالت دیکھتے اور ہمارے لیے ان کی رِقّت اور غم کو دیکھتے۔ عامر بن ربیعہ نے کہا کیا تم ان کے اسلام لانے کی امید رکھتی ہو؟ اس بات سے متاثر ہو گئی ہو گی کہ وہ اسلام لے آئیں گے۔ وہ کہتی ہیں میں نے کہا ہاں۔ اس پر اس نے یعنی عامر بن ربیعہ نے کہا کہ وہ کبھی اسلام قبول نہیں کرے گا۔ جسے تم نے دیکھا ہے وہ اسلام قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ خطاب کا گدھا اسلام قبول کر لے۔ ام عبد اللہ کہتی ہیں حضرت عمرؓ کی اسلام کے متعلق سختی اور شدت کو دیکھ کر اس سے مایوس ہوتے ہوئے عامر بن ربیعہ نے یہ بات کہی تھی۔[14]

اتنا سخت دشمن ہو تو کس طرح ہو سکتا ہے وہ اسلام قبول کر لے۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ”حضرت عمرؓ کو اسلام سے شدید دشمنی تھی۔“ آپؓ فرماتے ہیں ”لیکن ان میں روحانی قابلیت بھی موجود تھی یعنی باوجود آپؓ میں شدید غصہ ہونے کے، باوجود رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کو تکالیف پہنچانے کے ان کے اندر جذبہ رِقّت بھی موجود تھا۔ چنانچہ جب حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی تو مسلمانوں نے نماز فجر سے پہلے مکہ سے روانگی کی تیاری کی تا کہ مشرک انہیں روکیں نہیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ مکہ میں یہ رواج تھا کہ رات کو بعض رؤساء شہر کا دورہ کیا کرتے تھے تا کہ چوری وغیرہ نہ ہو۔“ جائزہ لیتے تھے گلیوں میں۔ ”اسی دستور کے مطابق حضرت عمرؓ بھی رات کو پھر رہے تھے کہ آپؓ نے دیکھا۔ ایک جگہ گھر کا سب سامان بندھا پڑا ہے۔“ سارا سامان۔ ”آپؓ آگے بڑھے۔ ایک صحابیہؓ سامان کے پاس کھڑی تھیں۔ اس صحابیہؓ کے خاوند کے ساتھ شاید حضرت عمرؓ کے تعلقات تھے۔ اس لئے آپ نے اس صحابیہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔ بی بی یہ کیا بات ہے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی لمبے سفر پر جا رہی ہو۔ اس صحابیہؓ کا خاوند وہاں نہیں تھا۔ اگر وہ وہاں ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ مشرکینِ مکہ کی عداوتوں اور دشمنیوں کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر وہ کوئی بہانہ بنا دیتا۔“ کہ جا رہے ہیں کہ نہیں جا رہے۔ یا تھوڑا سفر ہے یا کس جگہ جا رہے ہیں یا قریب ہی کوئی جگہ

ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”لیکن عورت کو یہ حِس نہیں تھی۔“اس عورت کو یہ خیال نہیں آیا۔ یا تھی بھی تو اس نے سچائی سے کام لیا۔”اس صحابیہؓ نے کہا عمرؓ! ہم تو مکہ چھوڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا تم مکہ چھوڑ رہی ہو؟ صحابیہؓ نے کہا ہاں ہم مکہ چھوڑ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کیوں مکہ چھوڑ رہے ہو؟ صحابیہؓ نے جواب دیا کہ عمرؓ! ہم اس لئے مکہ چھوڑ رہے ہیں کہ تم اور تمہارے بھائی ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے اور ہمیں خدائے واحد کی عبادت کرنے میں یہاں آزادی میسر نہیں۔ اس لئے ہم وطن چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جارہے ہیں۔ اب باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے شدید دشمن تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ خود مسلمانوں کو مارنے پر تیار رہتے تھے۔ رات کے اندھیرے میں اس صحابیہؓ سے یہ جواب سن کر کہ ہم وطن چھوڑ رہے ہیں اس لئے کہ تم اور تمہارے بھائی ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے اور ہمیں خدائے واحد کی عبادت آزادی سے نہیں کرنے دیتے حضرت عمرؓ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔“ یہ بات سن کے ”اور اس صحابیہؓ کا نام لے کر کہا کہ اچھا جاؤ خدا تمہارا حافظ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ پر رقّت کا ایسا جذبہ آیا کہ آپؓ نے خیال کیا کہ اگر میں نے دوسری طرف منہ نہ کیا تو مجھے رونا آجائے گا۔ اتنے میں اس صحابیہؓ کے خاوند بھی آگئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عمرؓ! اسلام کے شدید دشمن ہیں۔ انہوں نے جب آپؓ کو وہاں کھڑا دیکھا تو خیال کیا یہ ہمارے سفر میں کوئی روک پیدا نہ کر دیں۔ انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ یہ یہاں کیسے آگیا؟ اس نے بتایا کہ وہ اِس اِس طرح آیا تھا اور اس نے سوال کیا تھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ کوئی شرارت نہ کردے۔“ اس وقت جانے لگے ہوں گے، وہاں کھڑے دیکھا ہو گا۔ اس کے بعد ان کے آنے سے پہلے ہی یا قریب پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عمرؓ وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ یا ان کے ملنے کے بعد روانہ ہوئے۔ بہرحال انہوں نے کہا کوئی شرارت نہ کر دے۔ ”اس صحابیہؓ نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے (عرب عورتیں عام طور پر اپنے خاوندوں کو چچا کا بیٹا کہا کرتی تھیں) تم تو یہ کہتے ہو کہ وہ کہیں کوئی شرارت نہ کر دے مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کسی دن مسلمان ہو جانا ہے کیونکہ جب میں نے کہا عمرؓ! ہم اس لئے مکہ چھوڑ رہے ہیں کہ تم اور تمہارے بھائی ہمیں خدائے واحد کی عبادت آزادی سے نہیں کرنے دیتے تو اس نے منہ پھیر لیا اور کہا۔ اچھا جاؤ خدا تمہارا حافظ ہو۔ اس کی آواز میں ارتعاش تھا اور میں سمجھتی ہوں کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ **اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور کسی دن مسلمان ہو جائیگا۔**“[15]

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے لیے آنحضور ﷺ نے دعائیں بھی کی تھیں۔

اس بارے میں روایت میں آتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِيْ جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

اے اللہ! تو ان دو اشخاص ابو جہل اور عمر بن خطاب میں سے اپنے زیادہ محبوب شخص کے ذریعہ

اسلام کو عزت عطا کر۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے اللہ کو زیادہ محبوب حضرت عمرؓ تھے۔[16]

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ أَیِّدِ الدِّیْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعہ سے دین کی تائید فرما۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً کہ اے اللہ! خاص طور پر عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت عطا کر۔[17]

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے ایک دن پہلے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ أَیِّدِ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ الرَّجُلَیْنِ إِلَیْكَ، عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ عَمْرِو بْنِ هِشَامٍ اے اللہ! ان دو لوگوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔ عمر بن خطابؓ یا عمرو بن ہشام۔ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَوْ عَمْرِو بْنِ هِشَامٍ عمر بن خطابؓ سے یا عمرو بن ہشام سے۔ جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ! عمرؓ کے اسلام لانے سے آسمان والے بھی خوش ہیں۔ طبقات الکبریٰ کی یہ روایت ہے۔[18]

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بارے میں مزید یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ذوالحجہ 6/ نبوی میں اسلام قبول کیا تھا۔[19]

قبول اسلام کی وجہ بننے والے متعدد واقعات و روایات

قبول اسلام کی وجہ بننے والے متعدد واقعات و روایات کتب حدیث اور سیرت میں مذکور ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے متعلق ایک روایت یہ ہے۔ سیرة الحلبیة میں یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے لوگوں سے کہا کہ اے گروہِ قریش! محمد ﷺ تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور تمہیں بے عقل ٹھہراتا ہے۔ نیز تمہارے بزرگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔ اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص محمد ﷺ کو قتل کرے گا میری طرف سے وہ ایک سو سرخ و سیاہ اونٹوں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی کے انعام کا حق دار ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا یعنی تقریباً 126 گرام اور بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بنتی ہے لیکن بہرحال ایک بہت بڑی رقم تھی جو اس نے (اوقیہ جو ہے 126 گرام ہے تو یہ بہت بڑی رقم بنتی ہے) انعام کے طور پر مقرر کی تھی اور <u>ایک دوسری روایت جو ہے</u> وہ اس طرح ہے کہ جو شخص محمد ﷺ کو قتل کرے اس کو اتنے اوقیہ سونا اور اتنے اوقیہ چاندی اور اتنا مشک اور اتنے قیمتی کپڑے اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی چیزیں دینے کا اعلان کیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے کہ میں اس انعام کا حق دار بنوں گا۔ لوگوں نے کہا بے شک عمرؓ یہ انعام تمہارا ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے اس بارے میں باقاعدہ معاہدہ کیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ننگی تلوار اپنے کندھے سے لٹکا کر رسول اللہؐ کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں ایک جگہ

سے گزرا جہاں ایک بچھڑا ذبح کیا جا رہا تھا۔ میں نے اس بچھڑے کے پیٹ میں سے آواز سنی۔ اے آلِ ذَرِیح! (ذَرِیح اس بچھڑے کا نام تھا جو ذبح کیا جا رہا تھا) ایک پکارنے والا پکار رہا ہے اور صاف آواز میں کہہ رہا ہے اور اس بات کی گواہی کی طرف بلا رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ سے کہا اس میں میری طرف ہی اشارہ ہے۔ [20]

اگر سیرۃ الحلبیۃ کی یہ روایت صحیح ہے تو لگتا ہے کوئی کشفی نظارہ تھا جو آپؓ نے وہاں اس وقت دیکھا یا کسی طرف سے آواز آئی۔

تیسری روایت حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں جو ملتی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ:

ایک دن میں حرم میں طواف کرنے کے ارادے سے آیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو ملک شام کی طرف منہ کر لیا کرتے تھے یعنی بیت المقدس کے پتھر کی طرف اس طرح کہ آپؐ کعبہ کو اپنے اور شام یعنی بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح آپؐ کی نماز کی جگہ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان ہوا کرتی تھی۔ رکن یمانی کعبہ کا جنوب مغربی کونہ ہے جو یمن کی طرف ہے کیونکہ اس کے بغیر بیت المقدس کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں نے سوچا کہ آج کی رات میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سنوں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر میں سننے کے لیے ان کے قریب گیا تو میں انہیں ہوشیار کر دوں گا اس لیے میں حجر اسود کی طرف سے آیا اور خانہ کعبہ کے غلاف کے پیچھے ہو گیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے ہو گیا جس طرف آپؐ نے منہ کیا ہوا تھا۔ میرے اور آپؐ کے درمیان غلاف کعبہ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ جب میں نے قرآن کریم سنا تو میرا دل اس کی وجہ سے پگھل گیا اور میں رو پڑا اور اسلام میرے اندر داخل ہو گیا۔ میں اسی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مکمل کی اور وہاں سے واپس تشریف لے گئے تو میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیروں کی آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھے کہ میں آپؐ کو کوئی تکلیف پہنچانے کے لیے آپؐ کا پیچھا کر رہا ہوں۔ آپؐ نے مجھے ڈانٹا اور پھر کہا: اے ابن خطاب! تم اتنی رات گئے کس ارادے سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس پر جو اللہ کی طرف سے آیا ہے ایمان لانے کے لیے آیا ہوں۔

ایک چوتھی روایت جو ہے وہ اس طرح ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں ایک رات میری بہن کو دردِ زہ اٹھا تو میں گھر سے نکل آیا اور دعا کرنے کے لیے کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے اور حجرِ اسود کے پاس جتنی اللہ نے چاہی نماز پڑھی اور پھر تشریف لے گئے۔ اس وقت میں نے ایسا کلام سنا جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ وہاں سے نکلے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ عمر ہوں تو آپؐ نے فرمایا اے عمر! تم مجھے نہ رات کو چھوڑتے ہو اور نہ دن کو۔ یہ سن کر میں ڈرا کہ کہیں آپؐ میرے لیے بددعا نہ فرما دیں تو میں نے فوراً کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تب آپؐ نے مجھ سے فرمایا اے عمر! کیا تم اپنے اسلام کو چھپانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے کہ میں اپنے اسلام کا بھی اسی طرح اعلان کروں گا جیسے اپنے شرک کا اعلان کیا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا اے عمر! اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت پر قائم رکھے۔ اس کے بعد آپؐ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلا گیا اور آپؐ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔[21]

اسلام قبول کرنے کے متعلق جو پانچویں اور مشہور روایت ہے اس کی کچھ مختصر تفصیل پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ تلوار سونتے ہوئے نکلے۔ راستے میں بنو زُہرہ کا ایک آدمی ملا اس نے آپؓ سے پوچھا عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا محمد ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں (نعوذ باللہ)۔ اس نے کہا محمد ﷺ کو قتل کر کے کیا تم بنو ہاشم اور بنو زُہرہ سے امن پا لو گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم صابی ہو گئے ہو۔ اس کو بھی کہا اور اپنے دین سے پھر گئے ہو جس پر تم تھے۔ اس آدمی نے کہا کہ اے عمر! کیا میں تمہیں اس سے زیادہ تعجب کی بات نہ بتاؤں۔ مجھے تم کہہ رہے ہو کہ صابی ہو گئے ہو تو اس سے بھی بڑی بات بتاتا ہوں کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں صابی ہو گئے ہیں اور اس دین سے منحرف ہو گئے ہیں جس پر تم ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ دونوں کو ملامت کرتے ہوئے ان کے گھر آئے۔ دونوں کے پاس مہاجرین میں سے ایک صحابی حضرت خَبَّابؓ تھے۔ حضرت خبابؓ کے ضمن میں یہ واقعہ میں نے پہلے بیان بھی کیا ہے۔[22] انہوں نے جب حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے تو کہا تم کیا پڑھ رہے تھے؟ یہ کیا آواز تھی جو میں نے تمہاری طرف سے سنی ہے؟ اس وقت وہ لوگ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا ایک بات کے سوا کچھ نہ تھا جو ہم آپس میں کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں نے سنا ہے کہ تم دونوں اپنے دین سے منحرف ہو گئے ہو۔ حضرت عمرؓ کے بہنوئی نے کہا اے عمرؓ! کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ حق تمہارے دین کے سوا دوسرے دین میں ہو۔ سچائی کی تلاش کرنی ہے ناں تو کبھی تم نے غور کیا ہے کہ شاید دوسرے دین میں سچائی ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا اور سختی سے زدوکوب کیا۔ آپؓ کی بہن اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آئیں تو حضرت

عمرؓ نے ان پر بھی ہاتھ اٹھا دیا جس سے ان کے چہرے سے (بہن کے چہرے سے) خون بہنے لگا۔ انہوں نے غصہ سے کہا اے عمرؓ! اگر سچائی تیرے دین کے علاوہ کسی اور دین میں ہے تو تُو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب حضرت عمرؓ عاجز آ گئے تو کہنے لگے کہ مجھے وہ کتاب دو جو تمہارے پاس ہے تاکہ میں اسے پڑھوں اور حضرت عمرؓ پڑھنا جانتے تھے۔ آپؓ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور اسے کوئی ناپاکی کی حالت میں نہیں چھو سکتا۔ پس اٹھو اور غسل کرو یا وضو کر لو۔ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر وضو کیا۔ پھر کتاب لے کر پڑھنے لگے وہ سورۂ طٰہٰ تھی۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ:15) یقیناً میں ہی اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لیے نماز کو قائم کر۔ اس آیت کو پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے محمد ﷺ کا پتہ بتاؤ۔ یہ بات سن کر حضرت خَبَّابؓ بھی گھر سے نکلے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ! تمہیں خوشخبری ہو۔ میری خواہش ہے کہ رسول کریم ﷺ کی جمعرات کی رات کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ کہ اے اللہ! اسلام کو عمر بن خطابؓ یا عمرو بن ہشام کے ذریعہ سے عزت دے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت اس گھر میں تھے جو کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ حضرت عمرؓ چلے یہاں تک کہ اس گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت گھر کے دروازے پر حضرت حمزہؓ، حضرت طلحہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر صحابہؓ تھے۔ حضرت حمزہؓ نے ان کو دیکھا کہ یہ لوگ عمرؓ سے ڈر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اچھا تو یہ عمرؓ ہیں۔ اگر اللہ ان کو خیر سے لایا ہے تو یہ اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں گے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ارادہ ہو تو ان کو قتل کرنا ہم پر آسان ہے۔ نبی کریم ﷺ گھر کے اندر تھے اور آپؐ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ آپؐ بھی باہر نکلے اور عمرؓ کے پاس آئے اور ان کو سینے سے پکڑا اور فرمایا اے عمرؓ! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تم پر رسوائی اور دردناک عذاب نازل نہ کر دے جس طرح ولید بن مغیرہ کے لیے نازل کیا۔ پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے اللہ! یہ عمر بن خطابؓ ہے۔ اے اللہ! دین کو عمر بن خطابؓ کے ذریعہ عزت دے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اسلام کی اشاعت کے لیے باہر نکلیں۔ مَعْمَر اور زُہری سے رِوایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دَارِ اَرْقَم میں آنے کے بعد اسلام قبول کیا اور دَارِ اَرْقَم میں مسلمان ہونے والے چالیسویں یا چالیس سے کچھ زیادہ مرد و خواتین کے بعد اسلام قبول کرنے والے تھے۔ دَارِ اَرْقَم وہ مکان یا مرکز ہے جو ایک نو مسلم ارقم بن ارقم کا مکان تھا اور مکہ سے ذرا باہر تھا۔ وہاں مسلمان جمع ہوتے تھے اور یہ دین سیکھنے اور عبادت وغیرہ کرنے کے لیے ایک مرکز تھا اور اسی شہرت کی وجہ سے اس کا نام ''دارالاسلام'' بھی مشہور ہوا اور یہ مکہ میں تین سال تک مرکز رہا۔ وہیں خاموشی سے عبادت کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی مجلسیں لگا

کرتی تھیں اور پھر جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو پھر کھل کر باہر نکلنا شروع کیا۔
روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس مرکز میں اسلام لانے والے آخری شخص تھے جن کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور وہ دار ارقم سے نکل کر برملا تبلیغ کرنے لگ گئے۔[23]

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا یہی واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ایک اَور جگہ بھی ملتا ہے۔ اس جگہ سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے جبکہ دوسری جگہ سورۃ الحدید کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے جن کی حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے گھر میں تلاوت کی تھی۔[24]

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک چھٹی روایت بھی ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قبول اسلام سے پہلے مَیں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ مجھ سے پہلے مسجد میں پہنچ گئے ہیں۔ میں آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

آپ ﷺ نے سورۃ الحاقۃ کی تلاوت شروع کی۔ میں قرآن کریم کی بناوٹ اور ترکیب سے متعجب ہوا اور میں نے کہا بخدا یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب میں نے یہ سوچا تو آپؐ نے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (الحاقۃ:41-42) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ کی تلاوت فرمائی۔ یعنی یقیناً یہ عزت والے رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ بہت کم ہے جو تم ایمان لاتے ہو۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ تو کاہن ہے، جادوگر ہے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ پڑھا کہ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ:43تا48) تو پھر آپؐ نے اس سورت کی آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور نہ یہ کہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ بہت کم ہے جو تم نصیحت پکڑتے ہو۔ ایک تنزیل ہے تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اور اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اسے ضرور داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم یقیناً اس کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ایک بھی اس سے ہمیں روکنے والا نہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس وقت سے اسلام میرے دل میں گھر کر گیا۔[25]

اور ایک ساتویں روایت بھی ملتی ہے جو بخاری کی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے جب بھی حضرت عمر کو کسی چیز کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میرا خیال ہے کہ یہ ایسے ہے تو وہ ویسے ہی ہوتی ہے جیسا کہ وہ گمان کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس سے ایک خوبصورت شخص گزرا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ شاید میرا گمان غلط ہو یا تو یہ شخص جاہلیت والے اپنے دین پر ہے یا یہ ان لوگوں کا کاہن تھا۔ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اسے آپؓ کے پاس بلا کر لایا گیا تو انہوں نے اس شخص سے وہی کہا۔ اس نے کہا کہ میں نے آج کی مانند کوئی دن نہیں دیکھا

جس میں کسی مسلمان شخص کا یوں استقبال کیا گیا ہو۔ یہ شخص بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مَیں قسم دیتا ہوں کہ تمہیں مجھے ضرور بتانا ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ان کا کاہن تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کوئی بہت عجیب بات جو تمہاری جِنّی تمہارے پاس لائی ہو۔ کاہن تھے جادو کرتے تھے۔ کوئی جِنّی تمہارے پاس کوئی عجیب بات لائی ہو۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ جبکہ میں بازار میں تھا کہ وہ میرے پاس آئی تو میں نے اس میں گھبراہٹ معلوم کی۔ اس جِنّی نے کہا۔ کیا تم نے جِنّوں کو نہیں دیکھا اور ان کی پریشانی اور حیرت کو اور اونٹنیوں اور ان کے پالانوں سے ان کے جا ملنے کو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نے سچ کہا۔ ایک بار مَیں ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ ایک شخص گائے کا بچھڑا لایا اور اس نے اسے ذبح کیا تو ایک آواز دینے والے نے چیخ لگائی۔ میں نے اس سے بلند آواز میں چیخنے والا کبھی نہیں سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے حد سے بڑھے ہوئے دشمن! ایک بامراد اور عمدہ کام ہے۔ ایک خوش بیان شخص ہے وہ کہتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس پر لوگ اٹھے۔ میں نے کہا میں نہیں نکلوں گا یہاں تک کہ میں جان لوں کہ اس کے پیچھے کون ہے۔ پھر آواز آئی اے حد سے بڑھے ہوئے دشمن! ایک بامراد اور عمدہ کام ہے۔ ایک خوش بیان شخص ہے وہ کہتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس پر میں بھی کھڑا ہو گیا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ کہا جانے لگا کہ یہ نبی ہیں۔ بخاری کے بعض نسخوں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی جگہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ بھی آتا ہے۔ تو یہ بخاری کی روایت ہے۔[26]

بہرحال حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بارے میں تاریخ و سیرت کی کتب میں مختلف روایات ملتی ہیں اور ان میں سب سے مشہور یعنی جو اکثر کتب میں مذکور ہے وہ وہی روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کے لیے نکلے تھے تو راستہ میں کسی نے بتایا کہ اپنے گھر کی خبر لیں، تو آپ اپنے بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور یہی روایت زیادہ ترمانی جاتی ہے اور اس کا ہی اکثر جگہوں پہ ذکر ہے۔ گو بے شمار روایتیں اَور بھی ہیں جو مَیں نے بیان کی ہیں۔ بہرحال مَیں نے جو روایتیں بیان کی ہیں اپنی اپنی ان روایتوں کو جنہوں نے بھی صحت پر سمجھا ہے، مؤرخین نے بھی اور سیرت لکھنے والوں نے بھی، اس پر بڑی بحثیں کی ہیں لیکن بہرحال ہم تو اسی روایت کو صحیح مانتے ہیں جو بہن اور بہنوئی کے گھر والا معاملہ تھا اور پھر وہاں سے دار ارقم میں آپؓ گئے۔ یہ کہا جا سکتا ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی مذکورہ تمام روایات ہی اپنی جگہ درست ہوں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مختلف مواقع پر حضرت عمرؓ کے دل میں تبدیلی کے واقعات ہوتے رہے۔ بعض دفعہ تبدیلی کے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن آخری قدم نہیں اٹھایا جاتا اور آخری واقعہ وہی ہوا جب اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں قرآن کریم سنا اور اسلام قبول کرنے کے لیے دربار رسالت میں حاضر ہو گئے۔ بہرحال اللہ بہتر جانتا ہے۔

”حضرت عمرؓ کی عمر اس وقت تینتیس سال کی تھی اور آپ اپنے قبیلہ بنو عدی کے رئیس تھے۔“

جب آپؓ نے بیعت کی ہے، اسلام قبول کیا ہے تو "قریش میں سفارت کا عہدہ بھی انہی کے سپرد تھا۔" اور ویسے بھی نہایت بارعب اور جری اور دلیر تھے۔

ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی اور انہوں نے دارِ ارقم سے نکل کر برملا مسجد حرام میں نماز ادا کی۔ حضرت عمرؓ آخری صحابی تھے جو دار ارقم میں ایمان لائے اور یہ بعثت نبوی کے چھٹے سال کے آخری ماہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت مکہ میں مسلمان مردوں کی تعداد چالیس تھی۔"[27]

حضرت مصلح موعودؓ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق جس طرح بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

"حضرت عمرؓ اسلام کی برابر سختی سے مخالفت کرتے رہے۔" یعنی جب تک اسلام نہیں لائے مسلسل مخالفت کر رہے تھے۔ "ایک دن ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس مذہب کے بانی کا ہی کام تمام کر دیا جائے اور اس خیال کے آتے ہی انہوں نے تلوار ہاتھ میں لی اور رسول کریم ﷺ کے قتل کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں کسی نے پوچھا کہ عمرؓ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنے کیلئے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے ہنس کر کہا اپنے گھر کی تو پہلے خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ جھوٹ ہے۔ اس شخص نے کہا تم خود جا کر دیکھ لو۔ حضرت عمرؓ وہاں گئے۔ دروازہ بند تھا اور اندر ایک صحابیؓ قرآن کریم پڑھا رہے تھے۔ آپ نے دستک دی۔ اندر سے آپؓ کے بہنوئی کی آواز آئی۔ کون ہے؟ عمرؓ نے جواب دیا عمر۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ آئے ہیں اور وہ جانتے تھے کہ آپ اسلام کے شدید مخالف ہیں تو انہوں نے صحابیؓ کو جو قرآن کریم پڑھا رہے تھے کہیں چھپا دیا۔ اسی طرح قرآن کریم کے اوراق بھی کسی کونہ میں چھپا کر رکھ دیئے اور پھر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ چونکہ یہ سن کر آئے تھے کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔" یعنی ان کے بہنوئی اور بہن۔ "اس لئے انہوں نے آتے ہی دریافت کیا کہ دروازہ کھولنے میں دیر کیوں کی ہے؟ آپ کے بہنوئی نے جواب دیا آخر دیر لگ ہی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یہ بات نہیں۔ کوئی خاص امر دروازہ کھولنے میں روک بنا ہے۔ مجھے آواز آ رہی تھی کہ تم اس صابی کی باتیں سن رہے تھے۔ (مشرکین مکہ رسول کریم ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے) انہوں نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی" ان کے بہنوئی نے "لیکن حضرت عمرؓ کو غصہ آیا اور وہ اپنے بہنوئی کو مارنے کیلئے آگے بڑھے۔ آپ کی بہن اپنے خاوند کی محبت کی وجہ سے درمیان میں آ گئیں۔ حضرت عمرؓ چونکہ ہاتھ اٹھا چکے تھے اور ان کی بہن اچانک درمیان میں آ گئیں وہ اپنا ہاتھ روک نہ سکے اور ان کا ہاتھ زور سے ان کی ناک پر لگا" یعنی بہن کی ناک پر "اور اس سے خون بہنے لگا۔ حضرت عمرؓ جذباتی آدمی تھے یہ دیکھ کر کہ انہوں نے عورت پر ہاتھ اٹھایا ہے جو عرب کے طریق کے خلاف تھا اور پھر بہن پر ہاتھ اٹھایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بات ٹلانے کیلئے کہا اچھا مجھے بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ بہن نے سمجھ لیا کہ عمرؓ کے

اندر نرمی کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا جاؤ تمہارے جیسے انسان کے ہاتھ میں مَیں وہ پاک چیز دینے کیلئے تیار نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر مَیں کیا کروں؟ بہن نے کہا وہ سامنے پانی ہے نہا کر آؤ تب وہ چیز تمہارے ہاتھ میں دی جا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نہائے اور واپس آئے۔ بہن نے قرآن کریم کے اوراق جو وہ سن رہے تھے آپ کے ہاتھ میں دیئے چونکہ حضرت عمرؓ کے اندر ایک تغیر پیدا ہو چکا تھا اس لئے قرآنی آیات پڑھتے ہی ان کے اندر رقت پیدا ہوئی اور جب وہ آیات ختم کر چکے تو بے اختیار انہوں نے کہا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ الفاظ سن کر وہ صحابیؓ بھی باہر نکل آئے جو حضرت عمرؓ سے ڈر کر چھپ گئے تھے۔

پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ رسول کریم ﷺ آج کل کہاں مقیم ہیں؟ رسول اللہ ﷺ ان دنوں مخالفت کی وجہ سے گھر بدلتے رہتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل آپؐ دارِ ارقم میں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فوراً اسی حالت میں جب کہ ننگی تلوار انہوں نے لٹکائی ہوئی تھی اس گھر کی طرف چل پڑے۔ بہن کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ شاید وہ بُری نیت سے نہ جا رہے ہوں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا خدا کی قسم! مَیں تمہیں اس وقت تک نہیں جانے دوں گی جب تک تم مجھے اطمینان نہ دلا دو کہ تم کوئی شرارت نہیں کرو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مَیں پکا وعدہ کرتا ہوں کہ مَیں کوئی فساد نہیں کرونگا۔ حضرت عمرؓ وہاں پہنچے۔" یعنی اس جگہ جہاں رسول پاک ﷺ تھے" اور دستک دی۔ رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ اندر بیٹھے ہوئے تھے دینی درس ہو رہا تھا۔ کسی صحابیؓ نے پوچھا کون؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا عمر! صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! دروازہ نہیں کھولنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی فساد کرے۔ حضرت حمزہؓ نئے نئے ایمان لائے ہوئے تھے وہ سپاہیانہ طرز کے آدمی تھے۔ انہوں نے کہا دروازہ کھول دو۔ مَیں دیکھوں گا وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عمر! تم کب تک میری مخالفت میں بڑھتے چلے جاؤ گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! مَیں مخالفت کیلئے نہیں آیا مَیں تو آپؐ کا غلام بننے کیلئے آیا ہوں۔ وہ عمرؓ جو ایک گھنٹہ پہلے اسلام کے شدید دشمن تھے اور رسول کریم ﷺ کو مارنے کیلئے گھر سے نکلے تھے ایک آن میں اعلیٰ درجہ کے مومن بن گئے۔ حضرت عمرؓ مکہ کے رئیسوں میں سے نہیں تھے لیکن بہادری کی وجہ سے نوجوانوں پر آپ کا اچھا اثر تھا۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو صحابہؓ نے جوش میں آ کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ اس کے بعد نماز کا وقت آیا اور رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھنی چاہی تو وہی عمرؓ جو دو گھنٹے قبل گھر سے اس لئے نکلا تھا کہ رسول کریم ﷺ کو مارے۔ اس نے دوبارہ تلوار نکال لی اور کہا۔ یا رسول اللہؐ! خدا تعالیٰ کا رسول اور اس کے ماننے والے تو چھپ کر نمازیں پڑھیں اور مشرکین مکہ باہر دندناتے پھریں یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ مَیں دیکھوں گا کہ ہمیں خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے سے کون روکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ جذبہ تو بہت اچھا ہے لیکن ابھی حالات ایسے ہیں کہ ہمارا باہر نکلنا مناسب نہیں۔"[28]

پہلی بار خانہ کعبہ میں نماز

لیکن اس کے بعد پھر خانہ کعبہ میں نماز بھی ادا کی گئی جیسا کہ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کو حضرت مصلح موعودؓ نے بھی بیان فرمایا ہے کہ ”ابتدائے زمانہ اسلام میں صرف دو شخص مسلمانوں میں بہادر سمجھے جاتے تھے۔ ایک حضرت عمرؓ اور دوسرے امیر حمزہؓ۔ جب یہ دونوں اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے رسول کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہم گھروں میں چھپ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں۔ جب کعبہ پر ہمارا بھی حق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے اس حق کو حاصل نہ کریں اور کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ جو کفار کو فساد کے جرم سے بچانے کے لئے گھر میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے خانہ کعبہ میں عبادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ کے ایک طرف حضرت عمرؓ تلوار کھینچ کر چلے جا رہے تھے اور دوسری طرف امیر حمزہؓ اور اس طرح رسول کریم ﷺ نے خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز ادا کی۔“[29]

حضرت عمرؓ پر مصائب اور تکالیف

جب حضرت عمرؓ کے اسلام کی خبر قریش میں پھیلی تو وہ سخت جوش میں آ گئے اور اسی جوش کی حالت میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ باہر نکلے تو ان کے ارد گرد لوگوں کا ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور قریب تھا کہ بعض جوشیلے ان پر حملہ آور ہو جائیں لیکن حضرت عمرؓ بھی نہایت دلیری کے ساتھ ان کے سامنے ڈٹے رہے۔ آخر اسی حالت میں مکہ کا رئیس اعظم عاص بن وائل وہاں آ گیا اور اس ہجوم کو دیکھ کر اس نے اپنے سردارانہ انداز میں آگے بڑھ کر پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا: عمر صابی ہو گیا ہے۔ اس رئیس نے موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا: تو خیر، پھر بھی اس ہنگامے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں عمرؓ کو پناہ دیتا ہوں۔ اس آواز کے سامنے عربی دستور کے مطابق لوگوں کو خاموش ہونا پڑا اور وہ آہستہ آہستہ منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ چند دن تک امن میں رہے کیونکہ عاص بن وائل کی پناہ کی وجہ سے کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا تھا لیکن اس حالت کو حضرت عمرؓ کی غیرت نے زیادہ دیر تک برداشت نہ کیا۔ چنانچہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ انہوں نے عاص بن وائل سے جا کر کہہ دیا کہ مَیں تمہاری پناہ سے نکلتا ہوں۔ **حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں مکہ کی گلیوں میں بس پٹتا اور پیٹتا ہی رہتا تھا۔** یعنی لڑائی جھگڑا ہی رہتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے کبھی کسی کے سامنے آنکھ نیچی نہیں کی۔[30]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”دیکھو رسول کریم ﷺ کے کتنے کتنے شدید دشمن تھے مگر پھر ان میں کیسی تبدیلی پیدا ہوئی۔ نہ صرف ان کی اصلاح ہوئی بلکہ وہ روحانیت کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے کہ ان کا پہچاننا بھی مشکل ہو گیا۔“ یعنی بالکل کایا پلٹ گئی۔ پہچانے نہیں جاتے تھے کہ یہ وہی لوگ

ہیں۔ ”حضرت عمرؓ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لٹھ لئے پھرتے تھے جب انہیں اسلام لانا نصیب ہوا تو ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ دنیا کے فائدہ کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے لگے اور دن رات اسلام کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔“[31]

یہاں ”جان جوکھوں میں ڈالنے لگے“ دین کے فائدہ کے لیے ہونا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں: ”حضرت عمرؓ سے دیکھو کس قدر فائدہ پہنچا۔ ایک زمانہ میں یہ ایمان نہ لائے تھے اور چار برس کا توقف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب مصلحت سمجھتا ہے کہ اس میں کیا سرّ تھا۔ ابوجہل نے تلاش کی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جاوے جو رسول اللہؐ کو قتل کر دے۔ اس وقت حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور دلیر مشہور تھے اور شوکت رکھتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے رسول اللہؐ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور معاہدہ پر حضرت عمرؓ اور ابوجہل کے دستخط ہو گئے اور قرار پایا کہ اگر عمرؓ قتل کر آویں تو اس قدر روپیہ دیا جاوے۔“ فرماتے ہیں دیکھو ”اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ عمرؓ جو ایک وقت رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کے لئے جاتے ہیں دوسرے وقت وہی عمرؓ اسلام میں ہو کر خود شہید ہوتے ہیں۔ وہ کیا عجیب زمانہ تھا۔ غرض اس وقت یہ معاہدہ ہوا کہ مَیں قتل کرتا ہوں۔ اس تحریر کے بعد آپؐ کی تلاش اور تجسس میں لگے راتوں کو پھرتے تھے۔“ یعنی آپ ﷺ کی تلاش میں حضرت عمرؓ تجسس میں لگے رہتے تھے، راتوں کو پھرتے تھے ”کہ کہیں تنہا مل جاویں تو قتل کر دوں“ آپ ﷺ کو۔ ”لوگوں سے دریافت کیا کہ آپؐ تنہا کہاں ہوتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ نصف رات گزرنے کے بعد خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں آ کر چھپ رہے۔ جب تھوڑی دیر گزری تو جنگل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی اور وہ آنحضرت ﷺ ہی کی آواز تھی۔ اس آواز کو سن کر اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ادھر ہی کو آ رہی ہے۔ حضرت عمرؓ اور بھی احتیاط کر کے چھپے اور یہ ارادہ کر لیا کہ جب سجدہ میں جائیں گے تو تلوار مار کر سر مبارک تن سے جدا کر دوں گا۔ آپؐ نے آتے ہی نماز شروع کر دی۔ پھر اس سے آگے کے واقعات خود حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں۔“ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ ”اس سے آگے کے واقعات حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ میں اس قدر رو رو کر دعائیں کیں کہ مجھ پر لرزہ پڑنے لگا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی کہا کہ سَجَدَ لَکَ رُوْحِیْ وَجَنَانِیْ۔ یعنی اے میرے مولیٰ! میری روح اور میرے دل نے بھی تجھے سجدہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دعاؤں کو سن سن کر جگر پاش پاش ہوتا تھا۔ آخر میرے ہاتھ سے ہیبت حق کی وجہ سے تلوار گر پڑی۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی اس حالت سے سمجھ لیا کہ یہ سچا ہے اور ضرور کامیاب ہو جائے گا مگر نفس امارہ برا ہوتا ہے۔“ بار بار ابھارتا ہے۔ ”جب آپؐ نماز پڑھ کر نکلے مَیں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پاؤں کی آہٹ جو آپؐ کو معلوم ہوئی۔ رات اندھیری تھی۔ آنحضرت ﷺ نے

پوچھا کون ہے؟ مَیں نے کہا عمر۔ آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ! نہ تو رات کو پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ دن کو۔ اس وقت مجھے رسول اللہؐ کی روح کی خوشبو آئی اور میری روح نے محسوس کیا کہ آنحضرت ﷺ بد دعا کریں گے۔ مَیں نے عرض کیا: یا حضرت! بد دعا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ وقت اور وہ گھڑی میرے اسلام کی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے مجھے توفیق دی کہ میں مسلمان ہو گیا۔"[32]

یہ ایک روایت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور ایک اَور جگہ دوسری بھی اسی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک وقفہ کے بعد آپؑ نے بیان فرمائی ہے۔ وہ بھی یہی باتیں ہیں لیکن اس میں آخر میں ایک دو الفاظ ذرا مزید مختلف نتیجہ نکالے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے ساتھ اسلام سے پہلے ملتے تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے منصوبہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی بطور انعام مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمرؓ کو پتہ ملا کہ آدھی رات کو آپؐ کعبہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ چنانچہ یہ کعبہ میں آکر چھپ رہے اور انہوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آتی ہے اور وہ آواز قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں آداخل ہوئے اور آپؐ نے نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے سجدہ میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی جرأت نہ رہی۔ چنانچہ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ آگے چلے۔ پیچھے پیچھے مَیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ مَیں نے کہا کہ عمر۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ! نہ تُو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ آنحضرت ﷺ کے اس قول سے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے محسوس کیا کہ آپؐ بد دعا کریں گے۔ اس لیے میں نے کہا کہ حضرت آج کے بعد میں آپؐ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ وعدہ کا لحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے یقین کر لیا مگر دراصل حضرت عمرؓ کا وقت آپہنچا تھا۔" یہ باتیں پچھلے حوالے سے ذرائد ہیں۔ "آنحضرتؐ کے دل میں گذرا کہ اس کو خدا ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ آخر حضرت عمر مسلمان ہوئے اور پھر وہ دوستیاں وہ تعلقات جو ابوجہل اور دوسرے مخالفوں سے تھے یکلخت ٹوٹ گئے اور ان کی جگہ ایک نئی اخوت قائم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہؓ ملے اور پھر ان پہلے تعلقات کی طرف کبھی خیال تک نہ آیا۔"[33]

ایک جگہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا وہی واقعہ اسی طرز پہ بیان کرتے ہوئے پھر آپؑ نے بیان فرمایا ہے۔ ہلکے سے چند ایک الفاظ مختلف ہوں گے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کا آنحضرت ﷺ کے قتل کے لیے جانا آپ لوگوں نے سنا ہو گا۔ ابوجہل نے ایک قسم کا اشتہار قوم میں دے رکھا تھا کہ جو جناب رسالت مآب کو قتل کرے گا وہ بہت کچھ انعام و اکرام کا مستحق ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ابوجہل سے معاہدہ کیا اور قتل حضرت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس کو کسی عمدہ وقت

کی تلاش تھی۔ دریافت پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت نصف شب کے وقت خانہ کعبہ میں بغرض نماز آتے ہیں۔ یہ وقت عمدہ سمجھ کر حضرت عمرؓ سر شام خانہ کعبہ میں جا چھپے۔ آدھی رات کے وقت جنگل میں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز آنا شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گریں تو اس وقت قتل کروں۔ آنحضرت ﷺ نے درد کے ساتھ مناجات شروع کی اور سجدہ میں اس طرح حمدِ الٰہی کا ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ کا دل پسیج گیا۔ اس کی ساری جرأت جاتی رہی اور اس کا قاتلانہ ہاتھ سست ہو گیا۔" یہاں اس میں حضرت عمرؓ کی نرمی کو آپؓ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ "نماز ختم کر کے جب آنحضرت ﷺ گھر کو چلے تو ان کے پیچھے حضرت عمرؓ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے آہٹ پا کر دریافت کیا اور معلوم ہونے پر فرمایا کہ اے عمرؓ! کیا تُو میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ حضرت عمرؓ بد دعا کے ڈر سے بول اٹھے کہ حضرت مَیں نے آپؐ کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ میرے حق میں بد دعا نہ کیجئے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ پہلی رات تھی جب مجھ میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی۔"[34]

یہ بتانے کے لیے اب مَیں نے تین مختلف حوالے پڑھے ہیں۔ ایک جنوری 1901ء کا ہے، ایک اگست 1902ء کا، ایک جون 1904ء کا ہے یا شاید 1907ء کا ہے۔

بہر حال ان تینوں جگہوں پر رات کو خانہ کعبہ میں حملے کا ذکر آپؐ نے فرمایا ہے۔ شاید اس کے بعد پھر نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دن کو بھی نکلے ہوں گے اور وہ بہن بھائی والا واقعہ پیش آیا جس کو عام بیان کیا جاتا ہے لیکن بہر حال آپ نے تینوں دفعہ یہی فرمایا اور یہ ہوا کیونکہ نفس امارہ کا بھی آپ نے ذکر کیا۔ ہو سکتا ہے پھر ایک جوش آیا ہو اور اس وقت نکلے ہوں اور دونوں واقعات میں یہ ذکر تو بہر حال ہے چاہے وہ بہن والا واقعہ، بہن بہنوئی والا یا یہ رات کو قتل والا کہ ابوجہل کے بھڑکانے اور انعام مقرر کرنے پہ آپؓ نے، حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا تھا۔

ابوجہل فرعون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"ابوجہل کو فرعون کہا گیا ہے مگر میرے نزدیک وہ تو فرعون سے بڑھ کر ہے فرعون نے تو آخر کہا۔ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس:91) مگر یہ آخر تک ایمان نہ لایا مکہ میں سارا فساد اسی کا تھا اور بڑا متکبر اور خود پسند، عظمت اور شرف کو چاہنے والا تھا اس کا اصل نام بھی عمرو تھا اور یہ دونوں عمر مکہ میں تھے۔ خدا کی حکمت کہ ایک عمرؓ کو کھینچ لیا اور ایک بے نصیب رہا۔ اس کی روح تو دوزخ میں جلتی ہو گی اور حضرت عمرؓ نے ضد چھوڑ دی تو بادشاہ ہو گئے۔"[35]

حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کرتے ہوئے آپؓ کے سینے پر تین دفعہ ہاتھ مارا۔ اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْ مَا فِیْ صَدْرِہٖ مِنْ غِلٍّ، وَ اَبْدِلْہُ اِیْمَانًا۔ اے اللہ! اس کے سینے میں جو کچھ بھی بغض ہے اس کو دور کر دے اور اس کو ایمان سے بدل

دے۔ آپؐ نے یہ دعا تین دفعہ فرمائی۔[36]

جیسا کہ ہم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے کی زندگی میں دیکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے سخت خلاف تھے لیکن جب آپؓ اسلام لائے تو **آپ کا اسلام قبول کرنا مسلمانوں کے لیے فتح اور تنگی سے نجات کا ذریعہ ثابت ہوا۔** حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس وقت تک کھل کر اللہ کی عبادت نہیں کی جب تک کہ حضرت عمرؓ ایمان نہ لے آئے۔[37]

قبول اسلام کا عام اعلان اور مخالفت

عبدالرحمٰن بن حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس رات مَیں نے اسلام اختیار کیا تو مَیں نے سوچا کہ اہلِ مکہ میں سے رسول کریم ﷺ کی عداوت میں سب سے زیادہ کون بڑھا ہوا ہے کہ مَیں اس کے پاس جاؤں اور اس کو بتاؤں کہ مَیں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے سوچا وہ ابوجہل ہی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب صبح ہوئی تو مَیں اس کے پاس گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؓ کہتے ہیں کہ ابوجہل میرے پاس آیا اور کہا: اے میرے بھانجے خوش آمدید۔ حضرت عمرؓ کو اس نے کہا کہ میرے بھانجے خوش آمدید۔ تم کس لیے آئے ہو؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے کہا کہ مَیں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ مَیں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور مَیں نے اس کی تصدیق کی ہے جو وہ لایا ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس نے دروازہ مجھ پر بند کر دیا اور کہا کہ اللہ تجھ کو اور اس چیز کو جو تُو لایا ہے برباد کرے۔[38]

یہ ابوجہل کے الفاظ تھے۔

حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ قریش میں سب سے زیادہ باتیں پھیلانے کی عادت کس شخص کو ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جمیل بن مَعْمَرْ جُمَحِی۔ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ آپؓ صبح صبح اس کے پاس چلے گئے اور مَیں بھی آپؓ کے پیچھے پیچھے گیا اور مَیں دیکھ رہا تھا کہ آپؓ کیا کرتے ہیں اور مَیں کم عمر تو تھا لیکن جو کچھ دیکھتا تھا اس کو سمجھتا تھا۔ یہ ابنِ عمرؓ کہہ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپؓ اس کے پاس پہنچے تو اس سے کہا کہ اے جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ مَیں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور دینِ محمد ﷺ میں داخل ہو چکا ہوں۔ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! آپؓ نے اس بات کو دہرایا نہیں تھا یعنی دوسری دفعہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ وہ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے نکل پڑا اور حضرت عمرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں بھی اپنے والد کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ جب وہ یعنی وہ شخص جمیل خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے پھر چیخا کہ اے قریش کے گروہ! اس نے کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کے یہ اعلان کیا کہ اے قریش کے گروہ! اور وہ لوگ کعبہ کے گرد اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے کہا کہ سن لو عمرؓ بن خطاب صابی ہو گیا

ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے سے یہ کہہ رہے تھے کہ اس نے جھوٹ کہا ہے۔ مَیں نے تو اسلام قبول کیا ہے۔ صابی نہیں ہوا بلکہ مَیں نے اسلام قبول کیا ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر قریش آپؓ پر جھپٹے۔ آپؓ ان سے اور وہ آپؓ سے برابر لڑتے رہے یعنی پھر لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ سورج ان کے سروں پر آگیا۔ راوی نے کہا کہ آپ تھک گئے یعنی حضرت عمرؓ تھک گئے تو بیٹھ گئے اور لوگ آپؓ کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ آپؓ کہہ رہے تھے تم جو چاہو کرو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو مرد ہو گئے تو ہم اسے یعنی مکہ کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم اسے ہمارے لیے چھوڑ دو گے۔ یعنی پھر ہم آزادی سے ہر چیز کریں گے۔ راوی نے کہا کہ وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ قریش میں سے ایک بوڑھا شخص آیا جو یمنی کپڑے کا نیا لباس اور نقش و نگار والی قمیص پہنے ہوئے تھا یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ عمر صابی ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا ہوا۔ ایک شخص نے اپنے لیے ایک بات اختیار کر لی ہے۔ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنو عدی بن کعب اپنے آدمی کو اس طرح تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اس شخص کو چھوڑ دو۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! پھر وہ لوگ آپ سے یکدفعہ الگ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد سے یعنی حضرت عمرؓ سے پوچھا جبکہ انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تھی۔ بہت عرصہ بعد مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ان سے پوچھا کہ اے میرے باپ! وہ شخص کون تھا جس نے مکہ میں آپؓ کے اسلام قبول کرنے کے دن لوگوں کو جھڑک کر آپ سے دُور کر دیا تھا جبکہ وہ آپ سے لڑ رہے تھے۔ فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! وہ عاص بن وائل سَہْمِی تھا۔[39]

بخاری میں ایک روایت یہ بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ اپنے گھر میں خوفزدہ بیٹھے تھے کہ اتنے میں ابو عمرو عاص بن وائل سَہْمِی آیا اور وہ ایک نقش دار چادر اور ایک ریشمی حاشیہ دار قمیص پہنے ہوئے تھا اور وہ بنو سہم قبیلہ میں سے تھا جو زمانہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ عاص نے حضرت عمرؓ سے کہا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا تمہاری قوم یہ خیال کرتی ہے کہ مَیں مسلمان ہو گیا تو مجھے مار ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ جب عاص نے یہ بات کہی تو میں مطمئن ہو گیا۔ عاص چلا گیا اور لوگوں سے ملا۔ یہ حالت تھی کہ وادی مکہ ان لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس خطاب کے بیٹے کی طرف جا رہے ہیں جو بے دین ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کے پاس نہیں جانا۔ یہ سن کر لوگ واپس آ گئے۔[40]

عاص بن وائل سہمی کی پناہ اور۔۔۔

حضرت عمرؓ کے خوفزدہ ہونے والی یہ بات جو روایت میں آتی ہے وہ صحیح نہیں لگتی۔ یہ تو حضرت عمرؓ

کی طبیعت کے خلاف بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پریشانی کے آثار ہوں جسے راوی نے خوف سمجھا ہو جیسا کہ پہلے بھی ایک روایت میں آچکا ہے کہ کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ نے یہ پناہ واپس بھی کر دی تھی اور اس کا ذکر آگے بھی ملے گا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کی روایات کی تشریح میں عاص بن وائل سَہْمِی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ لکھتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے چند لوگ جو ایمان لائے تھے ان پر سختی کیے جانے کا بھی ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی مسلمان ہونے پر سختی کا نشانہ بنتے اگر عاص بن وائل سہمی انہیں اپنی پناہ میں لینے کا اعلان نہ کرتا۔ عاص بن وائل قریش کے معزز ترین اشخاص میں سے تھا اور بنو سہم قبیلہ میں سے تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے۔ عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم۔ ہجرت سے قبل بحالت کفر ہی فوت ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ بنو عدی خاندان میں سے تھے اور بنو عدی اور بنو سہم کے خاندان ایک دوسرے کے حلیف تھے اور اس معاہدہ اور دوستی اور مدد کی وجہ سے عاص بن وائل نے اپنا اخلاقی فرض جانا کہ حضرت عمرؓ کی مدد کریں۔ [41]

جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا کہ **حضرت عمرؓ نے عاص بن وائل کی پناہ کو ایک وقت میں ردّ کر دیا تھا۔** چنانچہ اس بارے میں حضرت عمرؓ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ مَیں نہیں چاہتا تھا کہ کسی مسلمان کو مار پڑتے ہوئے دیکھتا رہوں اور مجھے نہ مارا جائے۔ آپؓ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا یہ تو کوئی بات نہیں۔ یہاں تک کہ مجھے بھی وہی تکلیف پہنچے جو دوسرے مسلمانوں کو پہنچ رہی ہے۔ آپؓ کہتے ہیں میں اس وقت تک رکا رہا یہاں تک کہ وہ لوگ کعبہ میں اکٹھے ہوئے۔ مَیں اپنے ماموں عاص بن وائل کے پاس گیا۔ مَیں نے کہا میری بات سنیں اس نے کہا مَیں کیا بات سنوں۔ آپؓ کہتے ہیں مَیں نے کہا کہ آپ کی پناہ آپ کو واپس لوٹاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس نے کہا کہ اے میرے بھانجے ایسا نہ کر۔ میں نے کہا: بس ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا: جیسے تمہاری مرضی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے پناہ واپس لوٹا دی تو اس کے بعد بس مَیں مار کھاتا اور مارتا ہی رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا کی۔ [42]

محمد بن عبید بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے ہم بیت اللہ میں نماز ادا نہیں کر سکتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو آپؓ نے ان کفار سے لڑائی کی یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم نماز ادا کرنے لگے۔ [43]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے ہم عزت سے ہی رہے۔ [44]

جو بعد کی سختیاں تھیں سختیاں تو وہی جاری رہی ہیں لیکن پہلی سختیوں کے مقابلے میں یہ لوگ ان سختیوں کو سختیاں نہیں سمجھتے تھے حالانکہ تاریخ بتاتی ہے کہ **حضرت عمرؓ کو بھی سختیاں جھیلنی پڑیں۔** حضرت عبداللہ بن ہشامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؓ حضرت عمر بن

خطابؓ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میرے نفس کے۔ نبی کریم ﷺ نے آپ سے فرمایا: نہیں۔ اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمہارا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک مَیں تمہارے نفس سے زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ بڑی ضروری چیز ہے۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا۔ اللہ کی قسم! اب آپؐ مجھے میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اب ہے عمرؓ، اب ہے عمرؓ۔[45] یعنی اب ٹھیک ہے۔ یہ ہے ایمان کی حالت۔

مدینہ کی طرف ہجرت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مجھے علی بن ابوطالبؓ نے بتایا کہ مَیں مہاجرین میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے چھپ کر ہجرت نہ کی ہو سوائے حضرت عمر بن خطابؓ کے۔ جب آپؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو آپؓ نے تلوار لٹکائی، کندھے پر اپنی کمان رکھی، تیر ہاتھ میں لیے اور نیزہ پکڑے ہوئے کعبہ کی طرف گئے۔ سردارانِ قریش اس کے صحن میں تھے۔ آپؓ نے وقار کے ساتھ کعبہ کے سات چکر لگائے۔ پھر آپؓ مقام ابراہیم پر آئے اور اطمینان سے نماز ادا کی۔ پھر آپؓ ہر گروہ کے پاس ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے اور ان سے کہا: چہرے بگڑ جائیں اللہ ناکوں کو خاک آلودہ کر دے۔ جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے کھوئے اس کی اولاد یتیم ہو اور اس کی بیوی بیوہ ہو وہ اس وادی کے پار مجھے مل لے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا سوائے چند کمزور مسلمانوں کے کسی نے پیچھا نہ کیا اور آپؓ نے انہیں معلومات فراہم کیں اور ان کی رہنمائی کی۔ پھر اپنے رستے پر چل پڑے۔[46]

حضرت عمرؓ کی اس طرح کھل کے ہجرت کرنے کے بارے میں حضرت علیؓ کی صرف یہی ایک روایت ہے جو بیان کی جاتی ہے **لیکن کئی سیرت نگار اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔** محمد حسین ہیکل نے حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے اس بحث کو اٹھایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ خاموشی سے چپکے سے اور چھپ کر مکہ سے نکلیں تاکہ مخالفین کو علم نہ ہو مبادا وہ روک پیدا کریں اور مزید تنگ کریں۔ تو اس واضح حکم کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کیسے اس کی نافرمانی کر سکتے تھے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ طبقات ابن سعد اور ابن ہشام میں وضاحت سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح چپکے سے ہجرت کی تھی۔ بہرحال اگر حضرت علیؓ کی روایت کو کسی طرح صحیح قرار دینا بھی ہے تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا ہو اور اس وقت ہجرت نہ کی ہو۔ کعبہ میں کھڑے ہو کر سرداروں کے سامنے جو اعلان کیا تھا کہ مَیں جا رہا ہوں مجھے روک لینا لیکن ہجرت نہ کی ہو اور جب ہجرت کا پروگرام بنا تو خاموشی سے

ہجرت کی۔ بہر حال ہیکل کی یہ بات اپنے اندر وزن رکھتی ہے۔

اور جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ طبقات ابن سعد اور ابن ہشام بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔ لگتا یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق خاموشی سے ہجرت کی ہو گی کیونکہ مکہ میں جیسے حالات تھے ان کے پیش نظر کھلم کھلا ایسا کرنا ممکن نہیں تھا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ تک جس نے بھی ہجرت کی اس نے خاموشی سے ہجرت کرنے میں ہی عافیت جانی۔ بہر حال اگر حضرت علیؓ کی اس روایت کو صحیح بھی مانا جائے تو ہو سکتا ہے کہ انفرادی فعل ہو **لیکن بظاہر شواہد یہی ہیں کہ لگتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔**[47]

حضرت بَرَاء بن عَازِب ؓ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے مہاجرین میں سے جو ہمارے پاس آئے وہ حضرت مُصْعَب بن عُمیرؓ تھے جو بنو عبد الدار میں سے تھے۔ پھر حضرت ابن ام مکتومؓ آئے جو نابینا تھے اور بنو فِہر میں سے تھے۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ بیس لوگوں کے ساتھ سوار ہو کر آئے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپؐ میرے پیچھے ہی ہیں یعنی کچھ عرصہ بعد آ جائیں گے۔ پھر کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ابو بکرؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔[48]

اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر زیادہ قوی امکان یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی وقت مجلس میں ہجرت کا ذکر کر دیا ہو اور جوش میں کہہ دیا ہو کہ مجھے روک کر دکھانا لیکن ہجرت خاموشی سے ہی کی ہے کیونکہ یہ روایت بھی آتی ہے کہ بیس لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ بہر حال واللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قُبَا میں رِفَاعہ بن عبد المنذِر کے مہمان ہوئے۔[49]

قُبَا جیسا کہ ہم جانتے ہیں مدینے سے تین میل کے فاصلے پر اس کی بالائی آبادی ہے اور یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ ان سب میں ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ اس خاندان کے سردار کلثوم بن ہِدْم تھے۔ قُبَا پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے انہی کے مکان پر قیام فرمایا تھا۔[50]

مؤاخات

حضرت عمرؓ کی مؤاخات کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی **لیکن یہ مؤاخات بھی دو مواقع پر ہوئی تھی ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں۔** مکہ میں جو مؤاخات قائم فرمائی تھی اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ کو رکھا تھا اور حضرت ابو بکرؓ کی حضرت عمرؓ کے ساتھ مؤاخات قائم فرمائی تھی۔ بہر حال مؤاخات قائم ہونے کے یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ مدینہ میں مہاجر اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عُوَیم بن سَاعِدَہؓ کے درمیان

مؤاخات قائم فرمائی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ کی مؤاخات حضرت عِتْبَان بن مالکؓ کے ساتھ قائم فرمائی تھی۔ ایک اَور روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کی مؤاخات حضرت مُعَاذ بن عَفْرَاءؓ سے قائم فرمائی تھی۔[51]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مؤاخات حضرت عِتْبَان بن مالکؓ سے ہوئی تھی۔[52]

اذان کی ابتداء اور حضرت عمرؓ کا ایک رؤیا

اذان کی ابتدا کے بارے میں ایک روایت یوں ملتی ہے کہ محمد بن عبداللہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

ہم صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور میں نے آپؐ کو خواب سنائی۔ یہ حضرت عبداللہ کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔[53]

تو یہاں بھی حضرت عمرؓ کا کیونکہ ذکر ہے اس لیے کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کر دیتا ہوں یا دوسری روایات میں دیکھ کے کر دیتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً یہ رؤیا سچی ہے جو خواب بیان کی۔ تم بلالؓ کے ساتھ جاؤ کیونکہ وہ تمہاری نسبت زیادہ بلند آواز والے اور منادی کرنے والے ہیں۔ ان کو بتاتے جاؤ جو تمہیں بتایا گیا ہے۔ پس وہ اس کی منادی کرے۔ وہ یعنی حضرت عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ نے نماز کے لیے حضرت بلالؓ کی آواز سنی تو حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہؐ! اس کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے یقیناً مَیں نے بھی وہی دیکھا ہے جیسا کہ اس نے اذان میں کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہ بات زیادہ پختہ ہے۔[54]

حضرت مصلح موعودؓ اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ ایک صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رؤیا کے ذریعہ سے اذان سکھائی اور رسول کریم ﷺ نے انہی کی رؤیا پر انحصار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اذان کا رواج ڈالا۔ بعد میں قرآنی وحی نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے یہی اذان سکھائی تھی مگر بیس دن تک میں خاموش رہا۔ اس خیال سے کہ ایک اَور شخص رسول کریم ﷺ سے یہ بات بیان کر چکا ہے۔“

کیونکہ یہ پہلے بیان ہو چکی تھی اس لیے میں خاموش رہا کہ بیان کی ضرورت نہیں۔ ”اسی کی طرف رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی اَوْ یُرٰی لَہٗ۔ یعنی مومن کو کبھی تو براہ راست خبر دی جاتی ہے کبھی دوسروں کی معرفت اسے خبر پہنچائی جاتی ہے۔“[55]

حضرت عمرؓ اور غزوات

حضرت عمر بن خطابؓ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ متعدد سرایا میں بھی شریک ہوئے جن میں سے بعض سرایا کے آپؓ امیر بھی تھے۔[56]

جنگ بدر

غزوۂ بدر کے لیے روانگی کے وقت صحابہ کے اونٹوں کی تعداد جو ان کے پاس تھے ستر تھی۔ اس لیے ایک ایک اونٹ تین تین آدمیوں کے لیے مقرر کرنا پڑا اور ہر ایک باری باری سوار ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔[57]

بدر کے لیے جب آنحضرت ﷺ نے روانگی فرمائی تو اس کے ذکر میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ابوسفیان کے قافلہ کی روک تھام کے لیے مدینہ سے نکلے جو شام کی طرف سے آ رہا تھا۔ جب مسلمانوں کا قافلہ ذَفِرَانُ پہنچا، یہ مدینہ کے نواح میں وادی صفراء کے قریب ایک وادی ہے، تو آپؐ کو خبر ملی کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا اور ان کو یہ خبر دی کہ مکہ سے ایک لشکر انتہائی تیز رفتاری سے نکل پڑا ہے۔ اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ کیا لشکر کے مقابلہ میں تجارتی قافلہ تم کو زیادہ پسند ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یعنی ایک گروہ نے کہا ہم دشمن کے مقابلے میں تجارتی قافلے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ذکر ملتا ہے کہ ایک گروہ نے کہا کہ اگر آپؐ ہم سے جنگ کا ذکر کرتے تو ہم اس کی تیاری کر لیتے۔ ہم تو تجارتی قافلے کے لیے نکلے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ کو تجارتی قافلے کی طرف ہی جانا چاہیے اور آپؐ دشمن کو چھوڑ دیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب بھی یہی واقعہ ہے کہ كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ ۖ وَ اِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ (الانفال:6) کہ جیسے تیرے رب نے تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکالا تھا حالانکہ مومنوں میں سے ایک گروہ اسے یقیناً ناپسند کرتا تھا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور گفتگو کی اور بہت عمدہ گفتگو کی۔ پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور گفتگو کی اور بہت عمدہ گفتگو کی۔ پھر مقدادؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! جس کا اللہ نے آپؐ کو حکم دیا ہے اس کی طرف چلیے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپؐ سے یہ نہ کہیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا کہ فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ (المائدة:25) پس جا تُو اور تیرا رب دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم لوگ آپؐ کے ساتھ

قتال کریں گے جب تک کہ ہم میں جان ہے۔[58]

بدر کے قیدی اور حضرت عمرؓ کا مشورہ

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے قیدیوں کو پکڑا یعنی بدر کے موقع پر مسلمانوں نے قیدیوں کو پکڑا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ! وہ ہمارے چچازاد اور رشتہ دار ہیں۔ میرا خیال ہے آپؐ ان سے فدیہ لے لیں۔ وہ ہمارے لیے ان کفار کے مقابلے میں قوت کا باعث ہو گا اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اسلام کی طرف راہنمائی فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں یا رسول اللہؐ! اللہ کی قسم! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابو بکرؓ کی رائے ہے، بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپؐ انہیں ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم ان کی گردنیں مار دیں اور علیؓ کے سپرد عقیل کو کریں کہ وہ اس کی گردن مارے اور میرے سپرد فلاں کو کریں جو نسباً حضرت عمرؓ کا رشتہ دار تھا تو مَیں اس کی گردن مار دوں کیونکہ یہ سب کفار کے لیڈر اور ان کے سردار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی بات کو ترجیح دی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری بات کو ترجیح نہ دی۔ اگلے دن مَیں آیا تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ بیٹھے رو رہے تھے۔ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے بتایئے کس چیز نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھی کو رلایا ہے۔ اگر مجھے رونا آیا تو مَیں بھی روؤں گا وگرنہ مَیں آپ دونوں کے رونے کی طرح رونے کی صورت بناؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے رونے کی وجہ یہ ہے جو تمہارے ساتھیوں نے میرے سامنے ان سے فدیہ لینے کی تجویز پیش کی تھی۔ میرے سامنے ان کا عذاب اس درخت سے زیادہ قریب پیش کیا گیا ہے جو درخت اللہ کے نبی ﷺ کے قریب ہی تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ (الانفال:68) یعنی کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کے بغیر قیدی بنائے اور پھر اگلی دو آیتیں چھوڑ کے ہے کہ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (الانفال:70) یعنی پس جو مال غنیمت تم حاصل کرو اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔ پس اللہ نے ان کے لیے غنیمتیں جائز کر دیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔[59]

روایات میں ایک ابہام اور اس کا حل

اس حدیث کے شروع کے الفاظ جو ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ رو رہے تھے اور پھر آگے جو قرآنی آیات کے الفاظ ہیں ان میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ اس روایت کو مبہم سا کر دیتا ہے۔ واضح نہیں کرتا، بات واضح نہیں ہوتی۔ بہر حال اس روایت کو صحیح سمجھ کے اکثر کتب تاریخ اور سیرت اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گویا جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے والے فیصلے پر

ناراضگی کا اظہار فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح لکھنے والے جب ایک الگ باب باندھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے پر کون کون سے قرآنی احکام نازل ہوئے تو ان میں سے ایک یہ بھی درج کیا جاتا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی، لیکن یہ مبہم ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا واضح نہیں ہوتا بلکہ لگتا ہے کہ سیرت نگاروں اور مفسرین کو اس کو سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ بہرحال حضرت مصلح موعودؓ نے اس کو جو بیان فرمایا ہے تو آپؓ کے غیر مطبوعہ تفسیری نوٹس میں سے **ایک نوٹ ملا ہے جو ان روایات کی تردید کرتا ہے اور حضرت مصلح موعودؓ کی جو یہ وضاحت ہے وہی صحیح لگتی ہے۔** بلاوجہ حضرت عمرؓ کے مقام کو اونچا کرنے کے لیے لگتا ہے کہ انہوں نے یہ روایت بنادی یا اس کو غلط سمجھا گیا۔ بہرحال حضرت مصلح موعودؓ سورۂ انفال کی آیت نمبر اڑسٹھ 68 کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب میں رواج تھا اور لکھتے ہیں کہ افسوس ہے کہ دنیا کے بعض حصوں میں اب تک یہ چلا آتا ہے کہ اگر جنگ نہ بھی ہو اور لڑائی نہ بھی ہو تب بھی قیدی پکڑ لیتے ہیں اور ان کو غلام بنا لیتے ہیں۔ یہ آیت اس قبیح رسم کو منسوخ کرتی ہے اور صاف صاف الفاظ میں حکم دیتی ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں اور لڑائی کے بعد ہی دشمن کے آدمی قیدی بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر لڑائی نہ ہو رہی ہو تو کسی آدمی کو قیدی بنانا جائز نہیں۔ اس آیت کی بڑی غلط تفسیر کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے جنگِ بدر کے موقع پر مکہ والوں کے کچھ قیدی پکڑ لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان کو قتل کر دینا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور یہ سورۂ انفال کی 68 آیت ہے جس میں یہ ہے کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کرے۔

بہرحال حضرت مصلح موعودؓ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو رائے لی گئی تھی اس میں تو حضرت ابوبکرؓ کی رائے مختلف تھی، حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ لیکن (مفسّرین) کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو گویا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ناپسند فرمایا۔ قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے تھا اور فدیہ نہیں لینا چاہیے تھا۔ یہ طبری کی تفسیر میں ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ اوّل اس وقت تک خدا نے کوئی ایسا حکم نازل نہیں کیا تھا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر نہ چھوڑا جائے۔ اس لیے فدیہ قبول کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام نہیں آسکتا تھا۔ دوم اس سے پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلہ کے مقام پر دو آدمیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تھا اور خدا نے آپؐ کے اس فعل کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔ سوم صرف دو آیتیں اور آگے چل کر خدا مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے کہ مالِ غنیمت سے جو کچھ تم کو ملے اس کو کھاؤ وہ حلال اور طیب ہے۔ یہ بات کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدیہ لینے کو

خدا ناپسند کرے اور اس طرح جو روپیہ حاصل ہو اس کو حلال اور طیب فرمائے اس لیے یہ تفسیر ہی غلط ہے اور صحیح تفسیر یہی ہے کہ اس آیت میں ایک عام اصول مقرر فرما دیا ہے کہ قیدی اسی صورت میں پکڑے جا سکتے ہیں کہ باقاعدہ جنگ ہو اور دشمن کو کاری ضربیں لگا کر مغلوب کر دیا گیا ہو۔[60]

مفسرین قرآن میں سے علامہ امام رازی اور معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کا بھی یہی موقف ہے جو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا ہے۔[61]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ”مدینہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ عرب میں بالعموم قیدیوں کو قتل کر دینے یا مستقل طور پر غلام بنا لینے کا دستور تھا مگر آنحضرت ﷺ کی طبیعت پر یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی اور پھر ابھی تک اس بارہ میں کوئی الٰہی احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میری رائے میں تو ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ آخر یہ لوگ اپنے ہی بھائی بند ہیں اور کیا تعجب کہ کل کو انہی میں سے فدایانِ اسلام پیدا ہو جائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ دین کے معاملہ میں رشتہ داری کا کوئی پاس نہیں ہونا چاہئے اور یہ لوگ اپنے افعال سے قتل کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پس میری رائے میں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے بلکہ حکم دیا جاوے کہ مسلمان خود اپنے ہاتھ سے اپنے اپنے رشتہ داروں کو قتل کریں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے فطری رحم سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور قتل کے خلاف فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ جو مشرکین اپنا فدیہ وغیرہ ادا کر دیں انہیں چھوڑ دیا جاوے۔ چنانچہ بعد میں اسی کے مطابق الٰہی حکم نازل ہوا۔“ جب الٰہی حکم بھی فدیہ دینے کے بارے میں نازل ہو گیا جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی لکھا ہے تو پھر اس حدیث کو بنیاد بنا کر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے رونے کا جواز پیدا کرنا تو عجیب سی بات لگتی ہے۔

بہرحال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں ”چنانچہ ہر شخص کے مناسب حال ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک اس کا فدیہ مقرر کر دیا گیا اس طرح سارے قیدی رہا ہوتے گئے۔“[62]

حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی

حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی آنحضرت ﷺ سے شادی کے بارے میں جو ذکر ملتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کے شوہر جنگ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ سے واپسی پر بیمار ہو کر انتقال کر گئے تو بعد میں آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے ساتھ شادی کی۔ اس کی تفصیل بخاری میں یوں درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ جب حضرت حفصہ بنت عمرؓ خُنَیْس بن حُذَافَہ سَہْمِی سے بیوہ ہوئیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے جو بدر میں شریک تھے۔ مدینہ میں انہوں نے وفات پائی تو حضرت عمرؓ نے کہا: مَیں حضرت عثمان بن عفانؓ سے ملا ان کے پاس حفصہ کا ذکر کیا اور کہا کہ

اگر آپ چاہیں تو حفصہ بنت عمرؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مَیں اپنے اس معاملے پر غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں چنانچہ میں کئی روز تک ٹھہرا رہا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کچھ دنوں کے بعد کہا کہ مجھے یہی مناسب معلوم ہوا ہے کہ میں ان دنوں شادی نہ کروں۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے۔ پھر مَیں حضرت ابوبکرؓ سے ملا کہ اگر آپؓ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمرؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے اور مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ عثمانؓ کی نسبت مَیں نے ان سے زیادہ محسوس کیا یعنی احساس زیادہ ہوا کہ انہوں نے بھی انکار کر دیا ہے۔ پھر مَیں کچھ دن ٹھہرا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کا پیغام بھیجا اور مَیں نے آپؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔ جب نکاح ہو گیا تو پھر حضرت ابوبکرؓ مجھ سے ملے اور کہا جب آپؓ نے حفصہؓ کا ذکر کیا تھا اور میں نے آپؓ کو کوئی جواب نہ دیا تو شاید آپؓ نے مجھ سے میرے نہ کرنے پہ، انکار کرنے پہ کچھ محسوس کیا تھا۔ مَیں نے کہا جی ہاں مَیں نے محسوس کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ دراصل جو بات آپؓ نے پیش کی تھی اس کی نسبت آپؓ کو جواب دینے سے مجھے نہیں روکا تھا مگر اس بات نے کہ مجھے علم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کا ذکر کیا تھا اور مَیں ایسا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ راز ظاہر کرتا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کو یہ علم تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے رشتہ کا اظہار کیا تھا۔ تو کہتے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کا راز تھا مَیں اس کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا اور اگر آنحضرت ﷺ اسے ترک کر دیتے تو مَیں ضرور تمہارے اس رشتہ کو قبول کر لیتا۔[63]

یہ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ اس واقعہ کی کچھ تفصیل سیرت خاتم النبیین میں بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ ”حضرت عمر بن خطابؓ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام حفصہؓ تھا۔ وہ خُنَیس بن حُذَافہؓ کے عقد میں تھیں جو ایک مخلص صحابی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ بدر کے بعد مدینہ واپس آنے پر خُنَیس ؓ بیمار ہو گئے اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کو حفصہ کے نکاح ثانی کا فکر دامن گیر ہوا۔ اس وقت حفصہؓ کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی فطرتی سادگی میں خود عثمان بن عفانؓ سے مل کر ان سے ذکر کیا کہ میری لڑکی حفصہ اب بیوہ ہے آپ اگر پسند کریں تو اس کے ساتھ شادی کر لیں مگر حضرت عثمانؓ نے ٹال دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بھی خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو بہت ملال ہوا اور انہوں نے اسی ملال کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے ساری سرگذشت عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ عمر! کچھ فکر نہ کرو۔ خدا کو منظور ہوا تو حفصہ کو عثمان وابوبکر کی نسبت بہتر خاوند مل جائے گا اور عثمان کو حفصہ کی نسبت بہتر بیوی ملے گی۔ یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا کہ آپؐ حفصہ کے ساتھ شادی کر لینے اور اپنی لڑکی ام کلثوم کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ بیاہ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے جس سے حضرت ابوبکرؓ

اور حضرت عثمانؓ دونوں کو اطلاع تھی اور اسی لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کی تجویز کو ٹال دیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت عثمانؓ سے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی فرمادی...... اور اس کے بعد آپؐ نے خود اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کو حفصہ کے لئے پیغام بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے بڑھ کر اَور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے نہایت خوشی سے اس رشتہ کو قبول کیا اور شعبان تین ہجری میں حضرت حفصہؓ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے نکاح میں آکر حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔ جب یہ رشتہ ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی ملال ہو۔ بات یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ارادے سے اطلاع تھی لیکن میں آپؐ کی اجازت کے بغیر آپؐ کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر آپؐ کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو میں بڑی خوشی سے حفصہ سے شادی کر لیتا۔

حفصہؓ کے نکاح میں ایک تو یہ خاص مصلحت تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں جو گویا حضرت ابو بکرؓ کے بعد تمام صحابہ میں افضل ترین سمجھے جاتے تھے اور آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے مقربین خاص میں سے تھے۔ پس آپس کے تعلقات کو زیادہ مضبوط کرنے اور حضرت عمرؓ اور حفصہؓ کے اس صدمہ کی تلافی کرنے کے واسطے جو خُنَیْس بن حُذَافَہؓ کی بے وقت موت سے ان کو پہنچا تھا آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مناسب سمجھا کہ حفصہؓ سے خود شادی فرمالیں اور دوسری عام مصلحت یہ مد نظر تھی کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی عورتوں میں جو بنی نوع انسان کا نصف حصہ بلکہ بعض جہات سے نصف بہتر حصہ ہیں دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا کام زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ آسانی سے اور زیادہ خوبی کے ساتھ ہو سکے گا۔"[64]

حضرت عمرؓ اور جنگ احد

حضرت عمرؓ کے حوالے سے غزوۂ احد کے بارے میں لکھا ہے۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب خالد بن ولید نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمان اس اچانک حملے سے سنبھل نہ سکے۔ اس کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں لکھی ہے کہ قریش کے لشکر نے قریباً چاروں طرف گھیر اڈال رکھا تھا اور اپنے پے درپے حملوں سے ہر آن دباتا چلا آتا تھا۔ اس پر بھی مسلمان شاید تھوڑی دیر بعد سنبھل جاتے مگر غضب یہ ہوا کہ قریش کے ایک بہادر سپاہی عبد اللہ بن قمئہ نے مسلمانوں کے علمبر دار مصعب بن عمیرؓ پر حملہ کیا جنہوں نے جھنڈا اٹھایا ہوا تھا اور اپنی تلوار کے وار سے ان کا دایاں بازو کاٹ گرایا۔ مصعبؓ نے فوراً دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لیا اور ابن قمئہ کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے مگر اس نے دوسرے وار میں ان کا دوسرا ہاتھ بھی قلم کر دیا۔ اس پر مصعبؓ نے اپنے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کر گرتے ہوئے اسلامی جھنڈے کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اسے چھاتی سے چمٹا لیا جس پر ابن قمئہ نے ان پر تیسرا وار کیا اور اب کی دفعہ مصعب شہید ہو کر گر گئے۔ جھنڈا تو کسی دوسرے مسلمان نے فوراً

آگے بڑھ کر تھام لیا مگر چونکہ مصعبؓ کا ڈیل ڈول آنحضرت ﷺ سے ملتا تھا ابن قمئہ نے سمجھا کہ میں نے محمد ﷺ کو مار لیا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی طرف سے یہ تجویز محض شرارت اور دھوکا دہی کے خیال سے ہو۔ بہر حال اس نے مصعبؓ کے شہید ہو کر گرنے پر شور مچا دیا کہ میں نے محمد ﷺ کو مار لیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے اور ان کی جمعیت بالکل منتشر ہو گئی۔ بہت سے صحابیؓ سراسیمہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔ اس وقت مسلمان تین حصوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر میدان سے بھاگ گیا تھا مگر یہ گروہ سب سے تھوڑا تھا۔ لیکن جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر آتا ہے اس وقت کے خاص حالات اور ان لوگوں کے دلی ایمان اور اخلاص کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ دوسرا گروہ جو تھا اس گروہ میں وہ لوگ تھے جو بھاگے تو نہیں تھے مگر آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر یا تو ہمت ہار بیٹھے تھے اور یا اب لڑنے کو بیکار سمجھتے تھے اور اس لیے میدان سے ایک طرف ہٹ کر سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے تھے اور تیسرا گروہ وہ تھا جو برابر لڑ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو آنحضرت ﷺ کے اردگرد جمع تھے اور بے نظیر جان نثاری کے جوہر دکھا رہے تھے اور اکثر وہ تھے جو میدان جنگ میں منتشر طور پر لڑ رہے تھے۔ ان لوگوں اور نیز گروہِ ثانی کے لوگوں کو جوں جوں آنحضرت ﷺ کے زندہ موجود ہونے کا پتہ لگتا جاتا تھا یہ لوگ دیوانوں کی طرح لڑتے بھڑتے آپؐ کے اردگرد جمع ہوتے جاتے تھے۔

بہر حال اس وقت نہایت خطرناک لڑائی ہو رہی تھی اور مسلمانوں کے واسطے ایک سخت ابتلا اور امتحان کا وقت تھا اور جیسا بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر بہت سے صحابہ ہمت ہار چکے تھے اور ہتھیار پھینک کر میدان سے ایک طرف ہو گئے تھے۔ انہی میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو مایوس ہو کے ایک طرف ہو کے بیٹھ گئے تھے۔

چنانچہ یہ لوگ اسی طرح میدان جنگ کے ایک طرف بیٹھے تھے کہ اوپر سے ایک صحابی اَنَس بن نَضَر انصاریؓ آ گئے اور ان کو دیکھ کر کہنے لگے کہ تم لوگ یہاں کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی۔ اب لڑنے سے کیا حاصل ہے؟ انس نے کہا کہ یہی لڑنے کا وقت ہے تا جو موت رسول اللہ ﷺ نے پائی وہ ہمیں بھی نصیب ہو اور پھر آپؐ کے بعد زندگی کا بھی کیا لطف ہے! اور پھر ان کے سامنے سعد بن معاذؓ آئے تو انہوں نے یعنی حضرت انسؓ نے کہا کہ سعدؓ مجھے تو پہاڑی سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ کہہ کر انسؓ دشمن کی صف میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے اور جنگ کے بعد دیکھا گیا تو ان کے بدن پر اسّی سے زیادہ زخم تھے اور کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔ آخر ان کی بہن نے ان کی انگلی دیکھ کر شناخت کیا۔[65]

احد کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے ہی تھے کہ کفار کے ایک گروہ نے گھاٹی پر حملہ کیا۔ ان میں خالد بن ولید بھی تھا۔ حضور ﷺ نے اس وقت دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ

إِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ أَنْ يَّعْلُوْنَا اے اللہ! یہ لوگ ہمارے پاس نہ پہنچ سکیں۔ **اس پر حضرت عمر بن خطابؓ نے چند مہاجرین کے ساتھ ان مشرکین کا مقابلہ کیا اور مارتے مارتے ان کو بھگا دیا۔**[66]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس درہ کی طرف بڑھا جہاں مسلمان جمع تھے اور اس کے قریب کھڑے ہو کر پکار کر بولا کہ مسلمانو! کیا تم میں محمدؐ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کوئی جواب نہ دے۔ چنانچہ سب صحابہ خاموش رہے۔ پھر اس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کا پوچھا مگر اس پر بھی آپ کے ارشاد کے ماتحت کسی نے جواب نہ دیا۔ جس پر اس نے بلند آواز سے فخر کے لہجہ میں کہا کہ یہ سب لوگ مارے گئے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس وقت **حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور وہ بے اختیار ہو کر بولے۔ اے عَدُوَّاللّٰہِ! تو جھوٹ کہتا ہے۔** ہم سب زندہ ہیں اور خدا ہمارے ہاتھوں سے تمہیں ذلیل کرے گا۔ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کی آواز پہچان کر کہا کہ عمر سچ سچ بتاؤ کیا محمد زندہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہاں ہاں خدا کے فضل سے وہ زندہ ہیں اور تمہاری یہ باتیں سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کسی قدر دھیمی آواز میں کہا۔ تو پھر ابنِ قمِئَہ نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ مَیں تمہیں اس سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے نہایت بلند آواز سے پکار کر کہا۔ اُعْلُ هُبَلْ یعنی اے ہبل تیری شان بلند ہو۔ صحابہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا خیال کر کے خاموش رہے مگر آنحضرت ﷺ جو اپنے نام پر تو خاموش رہنے کا حکم دیتے تھے اب خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بت کا نام آنے پر بے تاب ہو گئے اور فرمایا کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! کیا جواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ یعنی بلندی اور بزرگی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ ہمارے ساتھ عزیٰ ہے اور تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہو اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ عزیٰ کیا چیز ہے۔ ہمارے ساتھ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارے ساتھ کوئی مددگار نہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ لڑائی ایک ڈول کی طرح ہوتی ہے جو کبھی چڑھتا اور کبھی گرتا ہے۔ پس یہ دن بدر کے دن کا بدلہ سمجھو اور تم میدان جنگ میں ایسی لاشیں پاؤ گے جن کے ساتھ مُثلہ کیا گیا ہے۔ مَیں نے اس کا حکم نہیں دیا مگر جب مجھے اس کا علم ہوا تو مجھے اپنے آدمیوں کا یہ فعل کچھ بُرا بھی نہیں لگا۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان آئندہ سال انہی ایام میں بدر کے مقام میں پھر جنگ کا وعدہ رہا۔ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے ماتحت جواب دیا کہ بہت اچھا یہ وعدہ رہا۔ بہر حال یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر نیچے اتر گیا اور پھر قریش کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔[67]

مدینہ کے منافقین اور یہود کے متعلق حضرت عمرؓ کا جوش

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد کے بعد مدینہ پہنچے تو منافقین اور یہود خوشیاں منانے لگے اور

مسلمانوں کو برا بھلا کہنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ بادشاہت کے طلبگار ہیں اور آج تک کسی نبی نے اتنا نقصان نہیں اٹھایا جتنا انہوں نے اٹھایا۔ خود بھی زخمی ہوئے اور ان کے اصحاب بھی زخمی ہوئے۔ اور کہتے تھے کہ اگر تمہارے وہ لوگ جو قتل ہوئے ہمارے ساتھ رہتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ان منافقین کے قتل کی اجازت چاہی جو اس طرح یہ باتیں کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

کیا وہ اس شہادت کا اظہار نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مَیں اللہ کا رسول ہوں۔ کلمہ تو پڑھتے ہیں ناں یہ لوگ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ تو کہتے ہیں لیکن ساتھ منافقانہ باتیں بھی کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا لیکن یہ تلوار کے خوف سے اس طرح کہتے ہیں۔ پس ان کا معاملہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اب جب ان کے دل کی باتیں نکل گئی ہیں اور اللہ نے ان کے کینوں کو ظاہر کر دیا ہے تو پھر ان سے انتقام لینا چاہیے۔ ان کو سزا دینی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اُس کے قتل سے منع کیا گیا ہے جو اس شہادت کا اظہار کرے۔[68]

جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا مجھے ایسے شخص کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔[69]

غزوۂ حمراء الاسد کے بارے میں آتا ہے کہ غزوۂ احد کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور کفار نے مکہ کی راہ لی مگر آپؐ کو قریش کی دوبارہ لشکر کشی کی خبر ملی تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ حمراء الاسد مقام تک تشریف لے گئے۔ حمراء الاسد مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔

اس غزوہ کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو تحریر فرمایا ہے وہ اس طرح ہے، کچھ حصہ بیان کرتا ہوں کہ بظاہر لشکرِ قریش نے مکہ کی راہ لے لی تھی۔ یہ اندیشہ تھا کہ ان کا یہ فعل مسلمانوں کو غافل کرنے کی نیت سے نہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک لوٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں۔ لہٰذا اس رات کو مدینہ میں پہرہ کا انتظام کیا گیا اور آنحضرت ﷺ کے مکان کا خصوصیت سے تمام رات صحابہ نے پہرہ دیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ اندیشہ محض خیالی نہ تھا کیونکہ فجر کی نماز سے قبل آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی کہ قریش کا لشکر مدینہ سے چند میل جا کر ٹھہر گیا ہے اور رؤسائے قریش میں یہ سرگرم بحث جاری ہے کہ اس فتح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیوں نہ مدینہ پر حملہ کر دیا جائے اور بعض قریش ایک دوسرے کو طعنہ دے رہے ہیں کہ نہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنایا اور نہ ان کے مال ومتاع پر قابض ہوئے بلکہ جب تم ان پر غالب آئے اور تمہیں یہ موقع ملا کہ تم ان کو ملیا میٹ کر دو تو تم انہیں یونہی چھوڑ کر واپس چلے آئے تا کہ وہ پھر زور پکڑ جائیں۔ پس اب بھی موقع ہے واپس چلو اور مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی جڑ کاٹ دو۔ ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ جو کچھ ہو گیا ہے اسے غنیمت جانو اور مکہ واپس لَوٹ چلو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شہرت جو تھوڑی سی جنگ کے جیتنے کی حاصل ہوئی ہے یہ بھی کھو بیٹھو اور یہ فتح شکست کی صورت میں بدل جائے لیکن بالآخر جوشیلے لوگوں کی رائے

غالب آئی اور قریش مدینہ کی طرف لَوٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فوراً اعلان فرمایا کہ مسلمان تیار ہو جائیں مگر ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ سوائے ان لوگوں کے جو اُحُد میں شریک ہوئے تھے اَور کوئی ہمارے ساتھ نہ نکلے۔[70]

یہ بھی ایک جگہ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب قریش کے اس مشورہ کی اطلاع موصول ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور انہیں معاملے سے آگاہ فرمایا۔ دونوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کے تعاقب میں جانا چاہیے۔[71]

"چنانچہ احد کے مجاہدین جن میں سے اکثر زخمی تھے اپنے زخموں کو باندھ کر اپنے آقا کے ساتھ ہو لئے اور لکھا ہے کہ اس موقعہ پر مسلمان ایسی خوشی اور جوش کے ساتھ نکلے کہ جیسے کوئی فاتح لشکر فتح کے بعد دشمن کے تعاقب میں نکلتا ہے۔ آٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے آپؐ حمراء الاسد میں پہنچے ...... اب چونکہ شام ہو چکی تھی آپؐ نے یہیں ڈیرا ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میدان میں مختلف مقامات پر آگ روشن کر دی جاوے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے حمراء الاسد کے میدان میں پانچ سو آگیں شعلہ زن ہو گئیں جو ہر دور سے دیکھنے والے کے دل کو مرعوب کرتی تھیں۔ غالباً اسی موقعہ پر قبیلہ خزاعہ کا ایک مشرک رئیس مَعۡبَد نامی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے احد کے مقتولین کے متعلق اظہار ہمدردی کی اور پھر اپنے راستہ پر روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن جب وہ مقام رَوۡحَاء میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ قریش کا لشکر وہاں ڈیرا ڈالے پڑا ہے اور مدینہ کی طرف واپس چلنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مَعۡبَد فوراً ابوسفیان کے پاس گیا اور اسے جا کر کہنے لگا کہ تم کیا کرنے لگے ہو؟ واللہ! مَیں تو ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر کو حمراء الاسد میں چھوڑ کر آیا ہوں اور ایسا بارعب لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا اور احد کی ہزیمت کی ندامت میں ان کو اتنا جوش ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی بھسم کر جائیں گے۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں پر مَعۡبَد کی ان باتوں سے ایسا رعب پڑا کہ وہ مدینہ کی طرف لَوٹنے کا ارادہ ترک کر کے فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو لشکر قریش کے اس طرح بھاگ نکلنے کی اطلاع موصول ہوئی تو آپؐ نے خدا کا شکر کیا اور فرمایا کہ یہ خدا کا رعب ہے جو اس نے کفار کے دلوں پر مسلط کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حمراء الاسد میں دو تین دن اَور قیام فرمایا۔"[72]

غزوۂ بنو مُصۡطَلِق

غزوۂ بنو مصطلق شعبان پانچ ہجری میں ہوا۔ اسے غزوۂ مُرَیۡسِیۡع بھی کہتے ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں لکھا ہے کہ "قریش کی مخالفت دن بدن زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتی جاتی تھی۔ وہ اپنی ریشہ دوانی سے عرب کے بہت سے قبائل کو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف کھڑا کر چکے تھے لیکن اب ان کی عداوت نے ایک نیا خطرہ پیدا کر دیا اور وہ یہ کہ حجاز کے وہ

قبائل جو مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے اب وہ بھی قریش کی فتنہ انگیزی سے مسلمانوں کے خلاف اٹھنے شروع ہو گئے۔ اس معاملہ میں پہل کرنے والا مشہور قبیلہ بنو خزاعہ تھا جن کی ایک شاخ بنو مصطلق نے مدینہ کے خلاف حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی اور ان کے رئیس حارث بن اَبِی ضِرَارْ نے اس علاقہ کے دوسرے قبائل میں دورہ کر کے بعض اَور قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مزید احتیاط کے طور پر اپنے ایک صحابی بُرَیْدَہ بن حُصَیب نامی کو دریافتِ حالات کے لئے" پتہ کرنے کے لیے "بنو مصطلق کی طرف روانہ فرمایا اور ان کو تاکید فرمائی کہ بہت جلد واپس آکر حقیقت الامر سے آپ کو اطلاع دیں۔ بُرَیْدَہ گئے تو دیکھا کہ واقعی ایک بہت بڑا اجتماع ہے اور نہایت زور شور سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے فوراً واپس آکر آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی اور آپؐ نے حسب عادت مسلمانوں کو پیش قدمی کے طور پر دیار بنو مصطلق کی طرف روانہ ہونے کی تحریک فرمائی اور بہت سے صحابہ آپؐ کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے بلکہ ایک بڑا گروہ منافقین کا بھی جو اس سے پہلے اتنی تعداد میں کبھی شامل نہیں ہوئے تھے" وہ بھی "ساتھ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ اپنے پیچھے ابوذر غفاریؓ یا بعض روایات کی رو سے زید بن حارثہؓ کو مدینہ کا امیر مقرر کر کے اللہ کا نام لیتے ہوئے شعبان 5/ھ میں مدینہ سے نکلے۔ فوج میں صرف تیس گھوڑے تھے۔ البتہ اونٹوں کی تعداد کسی قدر زیادہ تھی اور انہی گھوڑوں اور اونٹوں پر مل جل کر مسلمان باری باری سوار ہوتے تھے۔ راستہ میں مسلمانوں کو کفار کا ایک جاسوس مل گیا جسے انہوں نے پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور آپؐ نے اس تحقیق کے بعد کہ وہ واقعی جاسوس ہے اس سے کفار کے متعلق کچھ حالات وغیرہ دریافت کرنے چاہے مگر اس نے بتانے سے انکار کیا اور چونکہ اس کا رویہ مشتبہ تھا اس لئے مروجہ قانون جنگ کے ماتحت" قانون جنگ جو تھا اس کے ماتحت "حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے بعد لشکر اسلام آگے روانہ ہوا۔ بنو مصطلق کو جب مسلمانوں کی آمد آمد کی اطلاع ہوئی اور یہ خبر بھی پہنچی کہ ان کا جاسوس مارا گیا ہے تو وہ بہت خائف ہوئے کیونکہ اصل منشاء ان کا یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ پر اچانک حملہ کرنے کا موقعہ مل جائے مگر آنحضرت ﷺ کی بیدار مغزی کی وجہ سے اب ان کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ پس وہ بہت مرعوب ہو گئے اور دوسرے قبائل جو ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ جمع ہو گئے تھے وہ تو خدائی تصرف کے ماتحت کچھ ایسے خائف ہوئے کہ فوراً ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر خود بنو مصطلق کو قریش نے مسلمانوں کی دشمنی کا کچھ ایسا نشہ پلا دیا تھا کہ وہ پھر بھی جنگ کے ارادے سے باز نہ آئے اور پوری تیاری کے ساتھ اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے آمادہ رہے۔ جب آنحضرت ﷺ مریسیع میں پہنچے جس کے قریب بنو مصطلق کا قیام تھا اور جو ساحل سمندر کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے تو آپ" ﷺ "نے ڈیرہ ڈالنے کا حکم دیا اور صف آرائی اور جھنڈوں کی تقسیم وغیرہ کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر بنو مصطلق

میں یہ اعلان کریں کہ اگر اب بھی وہ اسلام کی عداوت سے باز آجائیں اور آنحضرت ﷺ کی حکومت کو تسلیم کر لیں تو ان کو امن دیا جائے گا اور مسلمان واپس لَوٹ جائیں گے۔ مگر انہوں نے سختی کے ساتھ انکار کیا اور جنگ کے واسطے تیار ہو گئے۔ حتی کہ لکھا ہے کہ سب سے پہلا تیر جو اس جنگ میں چلایا گیا وہ انہی کے آدمی نے چلایا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو آپؐ نے بھی صحابہ کو لڑنے کا حکم دیا۔" جنگ انہوں نے دوسروں نے مخالفین نے، دشمنوں نے شروع کر دی تھی۔ "تھوڑی دیر تک فریقین کے درمیان خوب تیز تیر اندازی ہوئی۔ جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو یکلخت دھاوا کر دینے کا حکم دیا" ایک دم حملہ کر دو۔ "اور اس اچانک دھاوے کے نتیجے میں کفار کے پاؤں اکھڑ گئے مگر مسلمانوں نے ایسی ہوشیاری کے ساتھ ان کا گھیر اڈالا کہ ساری کی ساری قوم محصور ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی اور صرف دس کفار اور ایک مسلمان کے قتل پر اس جنگ کا جو ایک خطرناک صورت اختیار کر سکتا تھا خاتمہ ہو گیا۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سیرت خاتم النبیین میں لکھتے ہیں کہ "اس موقعہ پر یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اسی غزوہ کے متعلق صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو مصطلق پر ایسے وقت میں حملہ کیا تھا کہ وہ غفلت کی حالت میں اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے مگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ روایت مورخین کی روایت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت دو روایتیں دو مختلف وقتوں سے تعلق رکھتی ہیں یعنی واقعہ یوں ہے کہ جب اسلامی لشکر بنو مصطلق کے قریب پہنچا تو اس وقت چونکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمان بالکل قریب آگئے ہیں (گو انہیں اسلامی لشکر کی آمد آمد کی اطلاع ضرور ہو چکی تھی) وہ اطمینان کے ساتھ ایک بے ترتیبی کی حالت میں پڑے تھے اور اسی حالت کی طرف بخاری کی روایت میں بھی اشارہ ہے لیکن جب ان کو مسلمانوں کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنی مستقل سابقہ تیاری کے مطابق فوراً صف بند ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور یہ وہ حالت ہے جس کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے اور اس اختلاف کی یہی تشریح علامہ ابن حجر اور بعض دوسرے محققین نے کی ہے اور یہی درست معلوم ہوتی ہے۔"[73]

غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر ایک اَور واقعہ بھی ہوا۔ صحیح مسلم میں اس کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ یعنی غزوہ بنو مصطلق میں تھے کہ مہاجروں میں سے کسی آدمی نے انصار میں سے کسی آدمی کی پیٹھ پر مارا۔ انصاری نے کہا اے انصار! اور مہاجر نے کہا اے مہاجرو! یعنی دونوں نے مدد کے لیے اپنے اپنے لوگوں کو بلایا۔ انصار نے بھی، مہاجروں نے بھی۔ آنحضرت ﷺ تک یہ معاملہ پہنچا اور جب آپؐ نے یہ شور سنا تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی آوازیں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مہاجروں میں سے ایک آدمی نے انصار میں سے ایک آدمی کی پیٹھ پر مارا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا اس بات کو چھوڑ دو۔ یہ گندی بات ہے۔

یہ فضول باتیں نہ کیا کرو کہ ذرا ذرا سی بات پہ لڑائی جھگڑے شروع کر دو۔ جب عبداللہ بن اُبَی نے یہ سنا، وہ بھی وہاں ساتھ تھا تو اس نے کہا کہ انہوں نے تو ایسا کر لیا کہ ایک مہاجر نے انصار کی کمر پر مارا، چاہے ایک تھپڑ ہی مارا ہو، دو ہتھڑ ہی مارا ہو لیکن اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف لَوٹے تو ضرور معزز ترین شخص (نعوذ باللہ) ذلیل ترین شخص کو وہاں سے باہر نکال دے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے اجازت دیجیے کہ مَیں اس منافق کی گردن مار دوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جانے دو۔ لوگ یہ باتیں نہ کرنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔[74]

اس واقعہ کی تفصیل سیرت خاتم النبیین میں بیان ہوئی ہے جو مَیں چھوڑتا ہوں۔ یہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔ بہرحال عبداللہ بن اُبَی کی آخری زمانے کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ اس کے بعد عبداللہ بن اُبی جب کوئی ایسی ویسی بات کہتا اسی کی قوم اس کو سخت سست کہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کے حالات کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ! جس دن تم نے مجھ سے اس کے قتل کرانے کے واسطے کہا تھا، اجازت مانگی تھی کہ مَیں قتل کر دوں اگر مَیں اس کو قتل کرا دیتا تو لوگ ناک منہ چڑھاتے اور یہی لوگ جو ناک منہ چڑھانے والے تھے، اب اگر انہی لوگوں کو مَیں اس کے قتل کا حکم کروں تو وہ خود اس کو قتل کر دیں گے۔ دیکھو صبر کی وجہ سے اور حالات سامنے آنے کی وجہ سے وہی جو اس کے حمایتی تھے آج اس کے خلاف ہو گئے ہیں اور یہ اس کو قتل بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! مَیں نے جان لیا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کی بات برکت کے لحاظ سے میری بات سے بہت عظیم تھی۔[75]

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کی نماز جنازہ اور حضرت عمرؓ

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی کی نماز جنازہ جب آنحضرت ﷺ پڑھنے لگے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منافقین کی نماز جنازہ سے منع کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ مَیں ان کے لیے استغفار کروں یا نہ کروں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کی نماز جنازہ پڑھنے کی کلیۃً ممانعت فرما دی تو پھر آنحضرت ﷺ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانی بند کر دی تھی۔[76]

حضرت عمرؓ اور جنگ خندق

ابوسلمہ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطابؓ غزوۂ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! مجھے تو عصر کی نماز بھی نہیں ملی یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بخدا! مَیں نے بھی نہیں پڑھی۔ اس پر ہم اٹھ کر بُطحان کی طرف گئے۔ بطحان بھی مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی

ہے اور آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔[77]

جنگ خندق اور نماز۔۔۔

اس بارے میں یہ بحث چلتی ہے کہ غزوۂ خندق کے دوران نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے تھے۔ اس بارے میں متفرق روایات ملتی ہیں۔

چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ خندق کے دن ان کافروں کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا مجھے عصر کی نماز نہیں ملی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ کہتے تھے اس پر ہم بُطحان میں اتر گئے اور انہوں نے سورج غروب ہونے کے بعد نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ بھی بخاری میں ہی روایت ہے۔ یعنی پہلی میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ساتھ تھے۔[78]

پھر حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے خندق کے موقع پر فرمایا:

اللہ ان کافروں کے لیے ان کے گھر اور ان کی قبریں آگ سے بھر دے۔ انہوں نے ہمیں مصروف رکھا اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز کا موقع نہیں دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔[79]

حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی بخاری کی ہے۔

پھر ابوعبیدہ بن عبداللہ اپنے والد سے یہ روایت کرتے ہیں کہ:

خندق کے دن مشرکین نے نبی ﷺ کو چار نمازوں سے روکے رکھا یہاں تک کہ رات کا حصہ جتنا اللہ نے چاہا گزر گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو ارشاد فرمایا تو انہوں نے اذان دی۔

پھر آپؐ نے اقامت کا ارشاد فرمایا اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کا ارشاد فرمایا اور عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے اقامت کا ارشاد فرمایا اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے اقامت کا ارشاد فرمایا اور عشاء کی نماز پڑھائی۔ یہ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے۔[80]

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیتے ہوئے

صرف ایک روایت کو درست قرار دیا ہے جس میں عصر کی نماز معمول سے تنگ وقت میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ جنگ خندق میں آنحضور ﷺ کی چار نمازیں قضا کرنے پر پادری فتح مسیح کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”آپ کا یہ شیطانی وسوسہ کہ خندق کھودنے کے وقت چاروں نمازیں قضا کی گئیں اول آپ لوگوں کی علمیت تو یہ ہے کہ قضا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اے نادان قضا نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں۔“ چھوڑنے کو نہیں کہتے۔ ”ترک نماز کا نام قضا ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی نماز ترک ہو جاوے تو اس کا نام فوت ہے“ یعنی نماز فوت ہو گئی۔ ”اسی لئے ہم نے پانچ ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا کہ ایسے بے وقوف بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جن کو ابھی تک

قضا کے معنی بھی معلوم نہیں۔ جو شخص لفظوں کو بھی اپنے محل پر استعمال نہیں کر سکتا وہ نادان کب یہ لیاقت رکھتا ہے کہ امور دقیقہ پر نکتہ چینی کر سکے۔ باقی رہا یہ کہ خندق کھودنے کے وقت چار نمازیں جمع کی گئیں اس احمقانہ وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں حرج نہیں ہے یعنی ایسی سختی نہیں جو انسان کی تباہی کا موجب ہو۔ اس لئے اس نے ضرورتوں کے وقت اور بلاؤں کی حالت میں نمازوں کے جمع کرنے اور قصر کرنے کا حکم دیا ہے مگر اس مقام میں ہماری کسی معتبر حدیث میں چار جمع کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ واقعہ صرف یہ ہوا تھا کہ ایک نماز یعنی صلوٰۃ العصر معمول سے تنگ وقت میں ادا کی گئی۔ اگر آپ اس وقت ہمارے سامنے ہوتے تو ہم آپ کو ذرہ بٹھا کر پوچھتے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ مخالف کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں "کہ کیا یہ متفق علیہ روایت ہے کہ چار نمازیں فوت ہو گئی تھیں۔ چار نمازیں تو خود شرع کی رو سے جمع ہو سکتی ہیں یعنی ظہر اور عصر۔ اور مغرب اور عشاء۔ ہاں ایک روایت ضعیف میں ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھی گئی تھیں لیکن دوسری صحیح حدیثیں اس کو رد کرتی ہیں اور صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ عصر تنگ وقت میں پڑھی گئی تھی۔"[81]

صلح حدیبیہ اور حضرت عمرؓ

صلح حدیبیہ کے تعلق میں حضرت عمرؓ کے کردار کے بارے میں جو لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو بلایا تا کہ وہ انہیں مکہ بھیجیں اور وہ اَشرافِ قریش کو بتائیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کس لیے تشریف لائے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھ کو قریش سے اپنی جان کا خوف ہے کیونکہ وہ میرے ان سے عداوت کے حال سے واقف ہیں۔ ان کو پتہ ہے کہ مَیں قریش کا کتنا دشمن ہوں۔ مَیں جس قدر ان پر سختی کرتا ہوں اور میری قوم بنو عدی بن کعب میں سے بھی کوئی مکہ میں نہیں ہے جو مجھے بچائے۔ اس لیے انہوں نے کچھ تھوڑا سا انقباض کا اظہار کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ پسند فرماتے ہیں تو میں ان کے پاس چلا جاتا ہوں تاہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے مزید عرض کیا کہ میں آپؐ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو قریش کے نزدیک مجھ سے زیادہ معزز ہے یعنی حضرت عثمان بن عفانؓ۔ تب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عثمانؓ کو طلب کیا اور ابوسفیان اور دیگر اَشرافِ قریش کے پاس بھیجا تا کہ عثمانؓ ان کو خبر دیں کہ حضور جنگ کے واسطے نہیں آئے۔ آپؐ صرف زیارتِ کعبہ اور اس کی حرمت کی تعظیم کی خاطر تشریف لائے ہیں۔[82]

اس کی یہ تفصیل حضرت عثمانؓ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔[83]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ "جب صلح حدیبیہ کی شرائط لکھی جا رہی تھیں تو اس

دوران قریش مکہ کے سفیر سُہیل بن عمرو کا لڑکا ابوجندَل بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا اس مجلس میں گرتا پڑتا آ پہنچا۔ اس نوجوان کو اہلِ مکہ نے مسلمان ہونے پر قید کر لیا تھا اور سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے اس قدر قریب تشریف لائے ہوئے ہیں تو وہ کسی طرح اہلِ مکہ کی قید سے چھوٹ کر اپنی بیڑیوں میں جکڑا ہوا گرتا پڑتا حدیبیہ میں پہنچ گیا اور اتفاق سے پہنچا بھی اس وقت جب کہ اس کا باپ معاہدہ کی یہ شرط لکھا رہا تھا کہ ہر شخص جو مکہ والوں میں سے مسلمانوں کی طرف آئے وہ خواہ مسلمان ہی ہو اسے واپس لَوٹا دیا جائے گا۔ ابوجندل نے گرتے پڑتے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے لا ڈالا اور دردناک آواز میں پکار کر کہا کہ اے مسلمانو! مجھے محض اسلام کی وجہ سے یہ عذاب دیا جا رہا ہے۔ خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ مسلمان اس نظارہ کو دیکھ کر تڑپ اٹھے مگر سہیل بھی اپنی ضد پر اڑ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ یہ پہلا مطالبہ ہے جو میں اس معاہدہ کے مطابق آپ سے کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ابوجندل کو میرے حوالہ کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابھی تو معاہدہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔" ابھی تو بات ہو رہی ہے کوئی فائنل تو نہیں ہوا۔" سُہیل نے کہا کہ اگر آپؐ نے ابوجندل کو نہ لَوٹایا تو پھر اس معاہدہ کی کارروائی ختم سمجھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" معاملہ کو ختم کرنے کے لیے کہ "آؤ آؤ۔ جانے دو اور ہمیں احسان و مروت کے طور پر ہی ابوجندل کو دے دو۔ سُہیل نے کہا نہیں نہیں یہ کبھی نہیں ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا سُہیل! ضد نہ کرو میری یہ بات مان لو۔ سُہیل نے کہا میں یہ بات ہرگز نہیں مان سکتا۔ اس موقع پر ابوجندل نے پھر پکار کر کہا اے مسلمانو! کیا تمہارا ایک مسلمان بھائی اس شدید عذاب کی حالت میں مشرکوں کی طرف واپس لَوٹا دیا جائے گا؟ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس وقت ابوجندل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپیل نہیں کی بلکہ عامۃ المسلمین سے اپیل کی جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خواہ کتنا ہی درد ہو آپؐ کسی صورت میں معاہدہ کی کارروائی میں رخنہ نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ مگر غالباً عامۃ المسلمین سے وہ یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ شاید غیرت میں آکر اس وقت جبکہ ابھی معاہدہ کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں کوئی ایسا رستہ نکال لیں جس میں اس کی رہائی کی صورت پیدا ہو جائے مگر مسلمان خواہ کیسے ہی جوش میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ آپؐ نے کچھ وقت خاموش رہ کر ابوجندل سے دردمندانہ الفاظ میں فرمایا۔ اے ابوجندل! صبر سے کام لو اور خدا کی طرف نظر رکھو۔ خدا تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ کے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے ضرور خود کوئی رستہ کھول دے گا لیکن ہم اس وقت مجبور ہیں کیونکہ اہلِ مکہ کے ساتھ معاہدہ کی بات ہو چکی ہے اور ہم اس معاہدہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔

مسلمان یہ نظارہ دیکھ رہے تھے اور مذہبی غیرت سے ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سہم کر خاموش تھے۔ آخر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: کیا آپؐ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہاں ضرور

ہوں۔ عمرؓ نے کہا: کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہاں ضرور ایسا ہی ہے۔ عمرؓ نے کہا تو پھر ہم اپنے سچے دین کے معاملہ میں یہ ذلّت کیوں برداشت کریں؟ آپؐ نے حضرت عمرؓ کی حالت کو دیکھ کر مختصر الفاظ میں فرمایا دیکھو عمرؓ! مَیں خدا کا رسول ہوں اور مَیں خدا کے منشاء کو جانتا ہوں اور اس کے خلاف نہیں چل سکتا اور وہی میرا مددگار ہے" یعنی اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار ہے۔ "مگر حضرت عمرؓ کی طبیعت کا تلاطم لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جارہا تھا۔ کہنے لگے کیا آپؐ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں مَیں نے ضرور کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ طواف ضرور اسی سال ہو گا؟ عمرؓ نے کہا نہیں ایسا تو نہیں کہا۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر انتظار کرو تم ان شاء اللہ ضرور مکہ میں داخل ہو گے اور کعبہ کا طواف کرو گے۔ مگر اس جوش کے عالم میں حضرت عمرؓ کی تسلی نہیں ہوئی لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کا خاص رعب تھا اس لئے حضرت عمرؓ وہاں سے ہٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ بھی اسی قسم کی جوش کی باتیں کیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسی قسم کے جواب دیئے مگر ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ نے نصیحت کے رنگ میں فرمایا۔ دیکھو عمر سنبھل کر رہو اور رسولِ خدا کی رکاب پر جو ہاتھ تم نے رکھا ہے اسے ڈھیلانہ ہونے دو کیونکہ خدا کی قسم یہ شخص جس کے ہاتھ میں ہم نے اپنا ہاتھ دیا ہے بہر حال سچا ہے۔ **حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میں اپنے جوش میں یہ ساری باتیں کہہ تو گیا مگر بعد میں مجھے سخت ندامت ہوئی اور میں توبہ کے رنگ میں اس کمزوری کے اثر کو دھونے کے لئے بہت سے نفلی اعمال بجالایا۔ یعنی صدقے کئے، روزے رکھے، نفلی نمازیں پڑھیں اور غلام آزاد کئے تاکہ میری اس کمزوری کا داغ دھل جائے۔**"[84]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جلسہ پر اپنی خلافت سے پہلے ایک تقریر کی تھی۔ جلسہ پہ تقریر کیا کرتے تھے۔ اُس کا اِس تعلق میں ایک حصہ میں بیان کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ درد و کرب کی وہ چیخ جو سوال بن کر حضرت عمرؓ کے دل سے نکلی دوسرے بہت سے سینوں میں بھی گھٹی ہوئی تھی۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن جذبات کو عمرؓ نے زبان دی وہ صرف ایک عمرؓ ہی کے جذبات نہیں بلکہ اَوروں کے بھی تھے اور سینکڑوں سینوں میں اسی قسم کے خیالات ہیجان بپا کئے ہوئے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے جو ان کے اظہار کی جرأت کی، یہ ایک ایسی چوک ہو گئی کہ بعد ازاں عمر بھر حضرت عمرؓ اس سے پشیمان رہے۔ بہت روزے رکھے۔ بہت عبادتیں کیں۔ بہت صدقات دیئے اور استغفار کرتے ہوئے سجدہ گاہوں کو تر کیا لیکن پشیمانی کی پیاس نہ بجھی۔ حدیبیہ کا اضطراب تو عارضی تھا جسے بہت جلد آسمان سے نازل ہونے والی رحمتوں نے طمانیت میں بدل دیا مگر وہ اضطراب جو اس بے صبری کے سوال نے عمرؓ کے دل میں پیدا کیا وہ ایک دائمی اضطراب بن گیا جس نے کبھی آپؓ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہمیشہ حسرت سے یہی کہتے رہے کہ کاش میں نے آنحضورؐ سے وہ سوال نہ کیا ہوتا۔" کہتے ہیں کہ "بارہا میں یہ سوچتا ہوں کہ بسترِ مرگ پر آخری سانسوں میں حضرت عمرؓ جب لَا لِيَ وَلَا عَلَيَّ کا ورد کر رہے

تھے کہ اے خدا! میں تجھ سے اپنی نیکیوں کا بدلہ نہیں مانگتا تو میری خطائیں معاف کر دے تو سب خطاؤں سے بڑھ کر اس ایک خطا کا تصور آپؐ کو بے چین کئے ہوئے ہو گا جو میدان حدیبیہ میں آپؓ سے سرزد ہوئی۔ صلح نامہ کی تحریر کے دوران صحابہؓ کی بے چینی اور دل شکستگی کا عالم دیکھ کر آنحضورؐ کے دل کی کیفیت کا راز آپؐ کے آسمانی آقا اور بیحد محبت کرنیوالے رفیقِ اعلیٰ کے سوا اَور کوئی نہیں جانتا لیکن ان تین سادہ سے جملوں میں جو عمرؓ کے جواب میں آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے آپؐ نے غور کرنے والوں کے لئے بہت کچھ فرما دیا۔"[85]

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس پر حضرت عمرؓ کے بھی دستخط تھے۔ اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ "اس معاہدہ کی دو نقلیں کی گئیں اور بطور گواہ کے فریقین کے متعدد معززین نے ان پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والوں میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ...... عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہؓ تھے۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد سُہَیل بن عمرو معاہدہ کی ایک نقل لے کر مکہ کی طرف واپس لوٹ گیا اور دوسری نقل آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس رہی۔"[86]

صلح حدیبیہ سے واپسی کے بارے میں سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے کہ "قربانی وغیرہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مدینہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ اس وقت آپؐ کو حدیبیہ میں آئے کچھ کم بیس یوم ہو چکے تھے۔ جب آپؐ واپسی سفر میں عُسفَان کے قریب کُرَاعُ الْغَمِیْم میں پہنچے۔" عُسفَان مکہ سے 103 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اور کُرَاعُ الْغَمِیْم، عُسفَان سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے۔ "اور یہ رات کا وقت تھا تو اعلان کرا کے صحابہ کو جمع کروایا" آپ نے "اور فرمایا کہ آج رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اور وہ یہ ہے۔" سورۂ فتح کے بارے میں۔ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا" (الفتح:2-4)...... سورۂ فتح کی یہ دوسے چار آیتیں ہیں۔ پھر اسی طرح چلتا ہے اور اٹھائیسویں آیت یہ ہے کہ "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ" (الفتح:28)

"یعنی اے رسول! ہم نے تجھے ایک عظیم الشان فتح عطا کی ہے تا کہ ہم تیرے لئے ایک ایسے دور کا آغاز کرا دیں جس میں تیری اگلی اور پچھلی سب کمزوریوں پر مغفرت کا پردہ پڑ جائے اور تا خدا اپنی نعمت کو تجھ پر کامل کرے اور تیرے لئے کامیابی کے سیدھے رستے کھول دے اور ضرور خدا تعالیٰ تیری زبردست نصرت فرمائے گا... حق یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسول کی اس خواب کو پورا کر دیا جو اس نے رسول کو دکھائی تھی۔ کیونکہ اب تم انشاء اللہ ضرور ضرور امن کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہو گے اور قربانیوں کو خدا کی راہ میں پیش کر کے اپنے سر کے بالوں کو منڈواؤ گے یا کترواؤ گے اور تم پر کوئی خوف نہیں ہو گا۔

یعنی اگر تم اس سال مکہ میں داخل ہو جاتے تو یہ داخلہ امن کا نہ ہوتا بلکہ جنگ اور خون ریزی کا داخلہ ہوتا مگر خدا نے خواب میں امن کا داخلہ دکھایا تھا۔ اس لئے خدا نے اس سال معاہدہ کے نتیجہ میں امن کی صورت پیدا کر دی ہے اور اب عنقریب تم خدا کی دکھائی ہوئی خواب کے مطابق امن کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب آپؐ نے یہ آیات صحابہ کو سنائیں تو چونکہ بعض صحابہ کے دل میں ابھی تک صلح حدیبیہ کی تلخی باقی تھی وہ حیران ہوئے کہ ہم تو بظاہر ناکام ہو کر واپس جا رہے ہیں اور خدا ہمیں فتح کی مبارک باد دے رہا ہے حتیٰ کہ بعض جلد باز صحابہ نے اس قسم کے الفاظ بھی کہے کہ کیا یہ فتح ہے کہ ہم طواف بیت اللہ سے محروم ہو کر واپس جا رہے ہیں؟ آنحضرت ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ایک مختصر سی تقریر میں جوش کے ساتھ فرمایا: یہ بہت بیہودہ اعتراض ہے کیونکہ غور کیا جائے تو واقعی حدیبیہ کی صلح ہمارے لئے ایک بڑی بھاری فتح ہے۔ قریش جو ہمارے خلاف میدان جنگ میں اترے ہوئے تھے انہوں نے خود جنگ کو ترک کر کے امن کا معاہدہ کر لیا ہے اور آئندہ سال ہمارے لئے مکہ کے دروازے کھول دینے کا وعدہ کیا ہے اور ہم امن و سلامتی کے ساتھ اہلِ مکہ کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ ہو کر اور آئندہ فتوحات کی خوشبو پاتے ہوئے واپس جا رہے ہیں۔ پس یقیناً یہ ایک عظیم الشان فتح ہے۔ کیا تم لوگ ان نظاروں کو بھول گئے کہ یہی قریش احد اور احزاب کی جنگوں میں کس طرح تمہارے خلاف چڑھائیاں کر کر کے آئے تھے اور یہ زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی تھی اور تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آتے تھے مگر آج یہی قریش تمہارے ساتھ امن و امان کا معاہدہ کر رہے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہم سمجھ گئے۔ ہم سمجھ گئے۔ جہاں تک آپؐ کی نظر پہنچی ہے وہاں تک ہماری نظر نہیں پہنچتی مگر اب ہم نے سمجھ لیا ہے کہ واقعی یہ معاہدہ ہمارے لئے ایک بھاری فتح ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اس تقریر سے پہلے حضرت عمرؓ بھی بڑے پیچ و تاب میں تھے۔ چنانچہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کی واپسی پر جب کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت سفر میں تھے تو اس وقت مَیں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کچھ عرض کرنا چاہا مگر آپؐ خاموش رہے۔ مَیں نے دوبارہ سہ بارہ عرض کیا مگر آپؐ بدستور خاموش رہے۔ مجھے آنحضرتؐ کی اس خاموشی پر بہت غم ہوا اور میں اپنے نفس میں یہ کہتا ہوا کہ عمر تُو تو ہلاک ہو گیا کہ تین دفعہ تُو نے رسول اللہؐ کو مخاطب کیا مگر آپؐ نہیں بولے۔ چنانچہ مَیں مسلمانوں کی جمعیت میں سے سب سے آگے نکل آیا اور اس غم میں پیچ و تاب کھانے لگا کہ کیا بات ہے؟ اور مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں میرے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل نہ ہو جائے۔ اتنے میں کسی شخص نے میرا نام لے کر آواز دی کہ عمر بن خطابؓ کو رسول اللہؐ نے یاد فرمایا ہے۔ مَیں نے کہا کہ بس ہو نہ ہو میرے متعلق کوئی قرآنی آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ مَیں گھبرایا ہوا جلدی جلدی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کر کے آپؐ کے پہلو میں

آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر اِس وقت ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپؐ نے سورۂ فتح کی آیات تلاوت فرمائیں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! کیا یہ صلح واقعی اسلام کی فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں یقیناً یہ ہماری فتح ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ تسلی پاکر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔"[87]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے مشرکین مکہ سے صلح کر لی جس کی وجہ سے صحابہؓ کے اندر اس قدر بے چینی پیدا ہو گئی کہ حضرت عمرؓ جیسا آدمی رسول کریم ﷺ کے پاس گیا اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم طواف کعبہ کریں گے یا کیا اسلام کے لئے غلبہ مقدر نہیں تھا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم نے دب کر صلح کیوں کر لی؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بے شک خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم طواف کریں گے مگر یہ نہیں تھا کہ اسی سال کریں گے۔"[88]

فتح مکہ۔۔۔ اور ابوسفیان کو امان کا ملنا

صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب بنو بَکر نے جو قریش کے حلیف تھے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خُزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے ہتھیاروں اور سواریوں سے بنو بکر کی مدد بھی کی اور صلح حدیبیہ کی شرائط کا پاس نہ کیا تو اس وقت ابوسفیان مدینہ میں آیا اور صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید چاہی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا لیکن آپؐ نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر وہ ابوبکرؓ کے پاس گیا ان سے بات کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں لیکن انہوں نے بھی کہا کہ مَیں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر ابوسفیان حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے بات کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں رسول اللہؐ کے پاس تیری سفارش کروں؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تنکا بھی ہو تب بھی مَیں اس کے ساتھ تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔[89]

فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر علی محمد صلابی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مَرُّ الظَّهْرَان پہنچے تو ابوسفیان کو اپنے بارے میں فکر ہونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے اسے مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کر لو۔ حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ابوسفیان سے کہا تیرا بُرا ہو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ لوگوں میں موجود ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان! اس سے بچنے کی کیا ترکیب ہے؟ مَیں نے کہا اللہ کی قسم! اگر وہ تمہیں گرفتار کر لیں تو یقیناً تمہیں قتل کر دیں گے۔ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ مَیں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاتا ہوں اور پھر تمہارے لیے آپؐ سے امان طلب کروں گا۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ میرے پیچھے سوار ہو گیا۔

مَیں جب بھی مسلمانوں کی آگوں میں سے کسی آگ کے پاس سے گزرتا تو وہ پوچھتے یہ کون ہے؟ رات کا وقت تھا، آگیں جلی ہوئی تھیں۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھتے اور یہ کہ مَیں اس پر سوار ہوں تو وہ کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپؐ کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب مَیں عمر بن خطابؓ کی آگ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا یہ کون ہے؟ اور وہ میرے پاس کھڑے ہوئے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو کہا ابوسفیان، اللہ کا دشمن! ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھ پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔ پھر حضرت عباسؓ کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یعنی ابوسفیان کو اور حضرت عمرؓ بھی آپؐ کے پاس داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مَیں نے اس کو پناہ دی ہے۔ جب حضرت عمرؓ اپنی بات پر اصرار کرتے رہے تو مَیں نے کہا اے عمرؓ! ٹھہرو۔ اللہ کی قسم! اگر اس کا تعلق بنو عَدِی سے ہوتا تو تم ایسا نہ کہتے اور تم جانتے ہو کہ وہ بنو عَبدِ مَناف میں سے ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ اے عباسؓ! ٹھہرو۔ اللہ کی قسم! جب تم نے اسلام قبول کیا تھا تو مجھے اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اگر میرا باپ خطاب بھی ایمان لاتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی اور مَیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارا ایمان لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا۔ اگر وہ اسلام قبول کرتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباسؓ! ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور صبح لے کر آنا۔[90]

بہرحال حضرت عمرؓ کا اور حضرت عباسؓ کا یہ مکالمہ ہوتا رہا اور آخر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو یہی کہا کہ اس کو لے جاؤ۔ پناہ میں دے دیا ہے تو لے جاؤ۔ کچھ نہیں کہنا اس کو۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ شعبان سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو ایک سریہ میں تیس آدمیوں کے ساتھ تُرَبَہ میں قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ کی طرف روانہ فرمایا۔ تُرَبَہ مکہ سے دو دن کی مسافت پر ایک وادی ہے جہاں بنو ہوازن آباد تھے۔ جب دو دن کی مسافت وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ دو دن کے حوالے سے میری مراد یہ ہے کہ جب دنوں کے حوالے سے کہیں بھی حوالہ آئے، بات ہو۔ تو یہ پرانے زمانے کی سواریاں گھوڑے یا اونٹ تھے ان کے حوالے سے ذکر ہوتا ہے۔ بُرَیْدَہ اسلمی سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر کے میدان میں اترے تو آپؐ نے جھنڈا حضرت عمر بن خطابؓ کو دیا۔[91]

سب سے پہلی مرتبہ پرچم کا لہرایا جانا اور جنگ خیبر

کتبِ سیرت میں لکھا ہے کہ سب سے پہلی مرتبہ غزوۂ خیبر میں پرچم کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے قبل صرف جھنڈے ہوتے تھے۔ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ بُریدہ اسلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر

کے میدان میں اترے تو آپؐ نے جھنڈا حضرت عمر بن خطابؓ کو دیا۔ آگے اس کی کتبِ سیرت میں سے وضاحت ہے کہ سب سے پہلی مرتبہ غزوۂ خیبر میں پرچم کا ذکر ملتا ہے، جھنڈے یعنی بڑے پرچم کا اس سے قبل صرف چھوٹے جھنڈے ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا پرچم سیاہ رنگ کا تھا جو امّ المومنین حضرت عائشہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ اس کا نام عُقَاب تھا اور آپؐ کا ایک جھنڈا سفید رنگ کا تھا جو آپؐ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ ایک جھنڈے کا پہلے ذکر ہوا ہے جو سیاہ رنگ کا تھا جو امّ المومنینؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ پھر دوسرے جھنڈے کا ذکر ہے جو سفید رنگ کا تھا یہ حضرت علیؓ کو آپؐ نے عطا فرمایا۔ ایک پرچم آپؐ نے حضرت حُبَابؓ بن مُنذِرؓ کو اور ایک حضرت سعد بن عُبادہؓ کو عطا فرمایا۔ نیز جب آنحضرت ﷺ خیبر میں تشریف فرما ہوئے تو آپؐ کو دردِ شقیقہ ہو گیا اور آپ باہر تشریف نہ لا سکے۔ اس موقع پر پہلے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنا پرچم عطا فرمایا پھر وہی پرچم حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔ اس روز شدید لڑائی ہوئی تاہم مسلمان قلعہ فتح نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اگلے روز وہ پرچم آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔[92]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مَیں نے ابنِ شہاب زُہری سے دریافت کیا کہ **حضورؐ نے خیبر کی کھجوروں کے باغات کس شرط پر یہودیوں کو عطا کیے تھے؟** زُہری نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کے بعد خیبر پر فتح حاصل کی تھی اور خیبر مالِ فَے میں سے تھا جو اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا۔ اس کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا اور اسے آپؐ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمایا اور یہود میں سے جو لوگ لڑائی کے بعد جلا وطنی پر آمادہ ہوتے ہوئے اپنے قلعوں سے نیچے اترے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلایا اور بلا کر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ اموال تمہارے سپرد کیے جا سکتے ہیں اس شرط پر کہ تم ان میں کام کرو اور اس کا پھل ہمارے اور تمہارے درمیان تقسیم ہو گا۔ اس جائیداد کا بٹائی پر کام ہو جائے گا اگر تم چاہو تو یہاں رہنا۔ اور میں تم لوگوں کو ٹھہراؤں گا جہاں اللہ تم لوگوں کو ٹھہرائے گا تو یہود نے قبول کر لیا۔ یہود ان میں کام کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت عبد اللہ بن رَوَاحہؓ کو بھیجا کرتے تھے کہ وہ ان باغات کے پھل تقسیم کرتے اور یہود کے لیے پھلوں کا اندازہ کرنے میں عدل سے کام لیا کرتے تھے۔ یہ نہیں کہ اچھا والا پھل اپنے لیے رکھ لیا بلکہ انصاف سے تقسیم ہوتی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وفات دے دی تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد اسی طرح یہود سے معاملہ رکھا جس طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدا میں یہی معاملہ رکھا پھر حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس بیماری میں آپؐ کی وفات ہوئی تھی اس میں فرمایا تھا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہ رہیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تحقیق کی اور جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ تب انہوں نے خیبر کے یہود کو لکھا کہ اللہ عزوجل نے تمہاری جلا وطنی کے بارے میں حکم

دیا ہے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہ رہیں گے۔ پس یہود میں سے جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد ہے تو وہ اسے لے کر میرے پاس آئے تا کہ مَیں اس کے لیے اسے نافذ کر دوں اور جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد نہیں وہ جلاوطنی کے لیے تیاری کر لے۔ اگر کسی نے کوئی عہد لیا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ نے رہنے کا کوئی وعدہ کیا تھا تو ٹھیک ہے اس کو مَیں پورا کروں گا لیکن اگر کوئی نہیں تو پھر تمہیں یہ جگہ چھوڑنی ہو گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں جلاوطن کر دیا جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں، حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ خیبر میں اپنا مال دیکھنے گئے اور وہاں پہنچ کر ہم الگ الگ اپنے اموال کے پاس گئے۔ رات کے وقت مجھ پر حملہ کیا گیا جبکہ مَیں اپنے بستر میں سو رہا تھا۔ میرے بازوؤں کے جوڑ کہنیوں سے اتر گئے۔ جب صبح ہوئی تو میرے دونوں ساتھی چیختے ہوئے میرے پاس آئے اور دونوں نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ مَیں نے کہا مَیں نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں ان دونوں نے میرے بازو درست کیے پھر مجھے لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ یہودیوں کا فعل ہے۔ پھر وہ یعنی حضرت عمرؓ لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ جب ہم چاہیں گے ان کو نکال دیں گے۔ اب یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر حملہ کیا اور اس کے بازوؤں کے جوڑ نکال دیے جیسا کہ تم تک یہ بات پہنچ چکی ہے۔ اس سے پہلے انصاری پر بھی ان لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ ہم کو اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ ان کے ہی ساتھی ہیں۔ وہاں ان کے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ پس جس کا خیبر میں کوئی مال ہے تو وہ اسے سنبھال لے کیونکہ میں یہود کو نکالنے والا ہوں اور آپؓ نے انہیں نکال دیا۔ عبداللہ بن مَکْنَف بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے یہود کو خیبر سے نکالا تو خود انصار اور مہاجرین کے ساتھ سوار ہوئے اور حضرت جَبَّار بن صَخْرؓ اور حضرت یزید بن ثابتؓ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ حضرت جبارؓ اہلِ مدینہ کے لیے پھلوں کا اندازہ لگانے والے اور ان کے محاسب تھے۔ ان دونوں نے خیبر کو اس کے اہل کے درمیان اسی تقسیم کے موافق تقسیم کیا جو پہلے سے تھی۔[93]

حضرت حاطبؓ کا ایک خط

حضرت حاطبؓ کے حوالے سے ایک عورت کو خط دے کر مکہ روانہ کرنے کا یہ واقعہ ملتا ہے کہ انہوں نے جب خط دے کر خفیہ طور پر مکہ کے مشرکوں کو آنحضرت ﷺ کے بعض ارادے کے بارے میں خبر بھیجی اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ہوئی اور حضرت علیؓ کو آپؐ نے بھیجا اور وہ عورت راستے میں پکڑی گئی۔ اس کے بعد جب حاطب سے آنحضرت ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے اپنا عذر پیش کیا اور اپنے ایمان کے بارے میں بتایا کہ ایمان میں میرے کوئی لغزش نہیں ہے

بلکہ میرا کامل ایمان ہے۔ حضرت حاطبؓ نے اس کی یقین دہانی کرائی تو آنحضرت ﷺ نے اسے تسلیم فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے اور تمہیں کیا علم کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا جو بدر میں شریک ہوئے اور فرمایا جو چاہو کرو مَیں نے تمہارے گناہوں سے پردہ پوشی کر کے تم سے درگذر کر دیا ہے۔[94]

ایک اَور واقعہ ہے جس کا حضرت عمرؓ سے براہ راست تو تعلق نہیں ہے لیکن ضمناً حضرت عمرؓ کا ذکر آتا ہے اس لیے بیان کرتا ہوں۔ حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ جب حنین کا واقعہ ہوا تو مَیں نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک مشرک شخص سے لڑ رہا ہے اور ایک اَور مشرک ہے جو دھوکا دے کر چپکے سے اس کے پیچھے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے کہ اس کو مار ڈالے۔ یہ دیکھ کر مَیں اس شخص کی طرف جلدی سے لپکا جو ایک مسلمان پر اس طرح دھوکے سے جھپٹنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مَیں نے اس کے ہاتھ پر وار کر کے اس کو کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے مجھے بھینچا کہ مَیں بے بس ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا وہ ڈھیلا پڑ گیا اور مَیں نے اس کو دھکا دیا اور اس کو مار ڈالا۔ ادھر یہ حال ہوا کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مَیں بھی ان کے ساتھ بھاگ گیا۔ پھر مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطابؓ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ مَیں نے ان سے کہا لوگوں کو کیا ہوا کہ بھاگ کھڑے ہوئے؟ انہوں نے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ کا منشا۔ پھر لوگ لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مقتول کے متعلق یہ ثبوت پیش کر دے کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے تو اس مقتول کا سامان اس کے قاتل کا ہو گا۔ مَیں اٹھا کہ اپنے مقتول کے متعلق کوئی شہادت ڈھونڈوں مگر کسی کو نہ دیکھا جو میری شہادت دیتا اور مَیں بیٹھ گیا۔ پھر مجھے خیال آیا اور مَیں نے اس مقتول کا واقعہ رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا اس مقتول کے ہتھیار جس کا یہ ذکر کرتے ہیں میرے پاس ہیں۔ آپ ان ہتھیاروں کی بجائے ان کو کچھ دے دلا کر راضی کر دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ قریش کے ایک معمولی سے شخص کو تو سامان دلا دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو چھوڑ دیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لڑ رہا ہو۔ حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے مجھے وہ سامان دلا دیا۔ مَیں نے اس سے کھجوروں کا ایک چھوٹا سا باغ خرید لیا اور یہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں بطور جائیداد پیدا کیا۔[95]

حضرت عمرؓ کی اعتکاف کی نذر

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب ہم حنین سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک نذر کے بارے میں پوچھا جو انہوں نے جاہلیت میں مانی ہوئی تھی یعنی اعتکاف بیٹھنے کی۔

نبی کریم ﷺ نے وہ نذر پوری کرنے کا ارشاد فرمایا۔[96]

کہ چاہے وہ جاہلیت کے زمانے کی تھی اسے پورا کرو۔ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ اسلامی تعلیم کے اندر رہتے ہوئے جو بھی شرط ہو سکتی ہے اسے پورا کرنا ضروری ہے۔

غزوۂ تبوک میں حضرت عمرؓ کا کیا کردار تھا۔ اس کے بارے میں کیا ذکر ملتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے چندے کی ایک خاص تحریک ہوئی تو اس کے متعلق حضرت عمرؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کریں۔ اس وقت میرے پاس مال تھا۔ مَیں نے کہا اگر مَیں کسی دن حضرت ابو بکرؓ سے سبقت لے جاسکا تو آج لے جاؤں گا تو مَیں اپنا نصف مال لایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے اہل کے لیے کیا باقی چھوڑ آئے ہو؟ مَیں نے کہا جتنا لے کے آیا ہوں اتنا ہی چھوڑ کے آیا ہوں۔

اور حضرت ابو بکرؓ سب کچھ جو اُن کے پاس تھا لے آئے۔ مَیں تو نصف لے آیا اور حضرت ابو بکرؓ جو کچھ تھا لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھی پوچھا۔ اپنے اہل کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا مَیں ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے سوچا کہ مَیں آپؓ سے کسی چیز میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔[97]

اس واقعہ کو حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"ایک جہاد کے موقع کے متعلق **حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ مجھے خیال آیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ مجھ سے بڑھ جاتے ہیں۔** آج مَیں ان سے بڑھوں گا۔ یہ خیال کر کے مَیں گھر گیا اور اپنے مال میں سے آدھا مال نکال کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے لے آیا۔ وہ زمانہ اسلام کے لئے انتہائی مصیبت کا دور تھا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے اور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول کریم ﷺ نے پوچھا۔ ابو بکرؓ! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسولؐ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہ سن کر مجھے سخت شرمندگی ہوئی اور مَیں نے سمجھا کہ آج مَیں نے سارا زور لگا کر ابو بکرؓ سے بڑھنا چاہا تھا مگر آج بھی مجھ سے ابو بکرؓ بڑھ گئے۔"[98]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ "ایک وہ زمانہ تھا کہ الٰہی دین پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکری کی طرح نثار کرتے تھے مالوں کا تو کیا ذکر۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک سے زیادہ دفعہ اپنا کُل گھر بار نثار کیا۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا واقعہ نہیں ہے ایک سے زیادہ دفعہ "حتی کہ سوئی تک کو بھی اپنے گھر میں نہ رکھا اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے اپنی بساط و انشراح کے موافق اور عثمانؓ نے اپنی طاقت و حیثیت کے موافق۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاسِ عَلٰی قَدْرِ مَرَاتِب۔ تمام صحابہؓ اپنی جانوں اور مالوں سمیت اس دینِ الٰہی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔" پھر آگے اس وقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جماعت کے بارے میں بات فرماتے ہیں کہ "ایک وہ ہیں کہ بیعت تو کر جاتے ہیں اور اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دنیا پر دین کو مقدم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقعہ پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں۔ بھلا ایسی محبتِ دنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے؟ اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں ہر گز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 93) جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء اللہ جل شانہ کی راہ میں خرچ نہ کرو تب تک تم نیکی کو نہیں پا سکتے۔"[99]

نبی ﷺ کی بیماری میں وصیت کا اظہار اور صحابہ کا ردِ عمل

آنحضرت ﷺ کا جب وصال ہوا، آپؐ کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت عمرؓ کا کیا ردّ عمل تھا؟ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا اور گھر میں کچھ مرد تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ آؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ آنحضرت ﷺ کی بیماری کے آخری دنوں کی بات ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا جو ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سخت بیمار ہیں اور تمہارے پاس قرآن بھی ہے۔ تمہارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ گھر میں موجود لوگوں نے اختلاف کیا اور تکرار کی۔ بحث شروع ہو گئی۔ اس پر ان میں سے بعض کہتے تھے کہ کاغذ قلم قریب لے آؤ کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں ایسی تحریر لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اور ان میں سے بعض وہ بات کہہ رہے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہی کہ آنحضرت ﷺ کو تکلیف نہ دو۔ پھر جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت باتیں کیں یعنی بحث شروع ہو گئی اور اختلاف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چلے جاؤ یہاں سے۔[100]

یہ مسلم کی روایت ہے۔ اس کی کچھ تفصیل بخاری میں بھی ہے۔ وہاں عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب نبی ﷺ پر آپؐ کی بیماری نے سخت حملہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی لکھنے کا سامان لاؤ تا میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم بھولو نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ارد گرد لوگوں کو کہا نبی ﷺ پر اس وقت بیماری نے غلبہ کیا ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے یعنی قرآن کریم ہے جو ہمارے لیے کافی ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ اس پر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور شور بہت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑنا نہیں چاہیے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ باہر چلے گئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بڑا نقصان سارے کا سارا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے سے روک دیا۔[101]

اس کی تشریح میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے جو لکھا ہے۔ اس کا کچھ حصہ

بیان کرتا ہوں کہ "لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ۔" یہ الفاظ جو حدیث میں ہیں "...... یہ امر واضح کر دیا ہے کہ آخری وقت میں بھی آنحضرت ﷺ کو اس بات کی فکر رہی۔ لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ۔ کہ کہیں تم بھول نہ جاؤ۔ تحریر لکھ دوں۔ ضلال کے معنی بھولنا" بھی ہوتے ہیں "بھول کر راہ سے بے راہ ہو جانا" بھی ہیں۔ "...غَلَبَهُ الْوَجَعُ۔ یعنی آپؐ کو بیماری نے نڈھال کر دیا ہے کہیں تکلیف بڑھ نہ جائے۔" عمرؓ نے جو بات کی تھی یہ اس کے الفاظ ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آپؐ کے فوت ہو جانے کا تو وہم بھی حضرت عمرؓ کو نہیں تھا۔ عِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا۔ حضرت عمرؓ نے" جب یہ کہا تھا تو "یہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:39)" یہ سورت انعام میں ہے اور پھر "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:90) یعنی یہ کتاب ہر بات کو واضح کر کے بیان کرتی ہے۔ ہم نے اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔" پھر لکھتے ہیں کہ لَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ۔ یعنی بعض لوگ جن کے جذبات حضرت عمرؓ کی طرح رقیق تھے انہوں نے کہا کہ ایسے وقت میں تکلیف نہیں دینی چاہئے اور بعض نے کہا کہ حکم کی تعمیل کرنی چاہئے" آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا تو لے آؤ قلم دوات۔ "مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو چلے جانے کا حکم دیا" جب آپس میں بحث شروع ہو گئی "اور فرمایا کہ میرے پاس شور نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو کتاب اللہ کی عزت کا اس حالتِ بیقراری میں بھی اس قدر پاس تھا کہ حضرت عمرؓ کی بات سننے کے بعد کاغذ، قلم، دوات منگوانے کا ارادہ نہیں فرمایا جیسا کہ بخاری کی دوسری روایتوں سے معلوم ہو گا کہ آپؐ اس واقعہ کے بعد بھی چند روز زندہ رہے اور اس دن کچھ اَور وصیتیں بھی کی ہیں مگر اس خیال کا اعادہ نہیں فرمایا" یعنی اس بات کو دوبارہ نہیں فرمایا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن احکام کے لکھوانے کی ضرورت سمجھی تھی وہ کتاب اللہ میں موجود تھے۔ گویا کہ قرآن مجید سے چمٹے رہنے کی تاکید فرمانا چاہتے تھے اور آپؐ نے حضرت عمرؓ کی تائید کی اور خاموش ہو رہے۔ یہ وہ ادب ہے جس کی پروا نام نہاد علماء کو نہیں ہوتی۔" آنحضرت ﷺ کا قرآن کریم کا یہ ادب تھا جس کی پروا نام نہاد علماء کو نہیں ہوتی۔ شاہ صاحب آگے لکھتے ہیں۔ "ایک رائے کا جو اظہار کر بیٹھیں تو پھر وہ اسے وحی الٰہی کی طرح سمجھتے ہیں۔" پھر لکھتے ہیں کہ "ہمیں اس پاکیزہ نمونہ کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے" جو آنحضرت ﷺ کا پاکیزہ نمونہ تھا۔ "کتاب اللہ کے سامنے سب دوسری باتیں کالعدم ہیں۔"[102]

نبی ﷺ کی وفات اور حضرت عمرؓ کا جوش دیوانگی

عروہ بن زبیر نے نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ اس وقت سُنح میں تھے۔ سُنح بھی مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔ اسماعیل نے کہا یعنی مضافات میں تھے۔ جب وفات کی خبر سنی تو حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ تو باہر مضافات میں گئے ہوئے تھے لیکن جب وفات کی خبر ہوئی تو یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ کھڑے

ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے بخدا! میرے دل میں یہی بات آئی تھی۔ اور انہوں نے کہا یعنی حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ آپؐ کو ضرور ضرور اٹھائے گا تا بعض آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ حضرت عمرؓ یہ ماننے کو تیار نہیں تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا۔ آپؐ کو بوسہ دیا۔ کہنے لگے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ آپ ﷺ زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی پاک و صاف ہیں۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپؐ کو کبھی دو موتیں نہیں چکھائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت ابو بکرؓ باہر چلے گئے یعنی لوگوں کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ اے قسم کھانے والے ٹھہر جا۔ یعنی حضرت عمرؓ کو مخاطب کیا اور فرمایا قسم کھانے والے ٹھہر جا۔ جب حضرت ابو بکرؓ بولنے لگے تو حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حمد و ثنا بیان کی اور کہا کہ اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ کہ دیکھو جو محمد ﷺ کو پوجتا تھا سن لے کہ محمد ﷺ تو یقیناً فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو اسے یاد رہے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اور حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر:31) کہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:145) کہ محمد صرف اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں تو پھر کیا اگر آپؐ فوت ہو جائیں یا قتل کیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا۔ سلیمان کہتے تھے **یہ سن کر لوگ اتنے روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔** [103]

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہوا کہ گویا لوگ اس وقت تک کہ حضرت ابو بکرؓ نے وہ آیت پڑھی جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے یہ آیت بھی نازل کی تھی۔ گویا تمام لوگوں نے ان سے یہ آیت سیکھی۔ پھر لوگوں میں سے جس آدمی کو بھی مَیں نے سنا یہی آیت پڑھ رہا تھا۔ زُہری کہتے تھے سعید بن مُسَیِّبْ نے مجھے بتایا کہ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم! جونہی کہ مَیں نے ابو بکر کو یہ آیت پڑھتے سنا مَیں اس قدر گھبرایا کہ دہشت کے مارے میرے پاؤں مجھے سنبھال نہ سکے اور مَیں زمین پر گر گیا۔ جب مَیں نے حضرت ابو بکرؓ کو یہ آیت پڑھتے سنا تو مَیں نے جان لیا کہ نبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ [104]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں۔ عربی کے الفاظ بھی حدیث میں آپؑ نے

quote فرمائے ہیں تو اس کے بجائے مَیں ترجمہ پڑھ دیتا ہوں۔ الفاظ تو جب چھپے گا اس میں آ جائیں گے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں جو اَصَحُّ الکتب کہلاتی ہے مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ خَرَجَ وَ عُمَرُ یُکَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اِجْلِسْ یَا عُمَرُ فَاَبٰی عُمَرُ اَنْ یَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَیْہِ وَتَرَکُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَمَّا بَعْدُ مَنْ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔ قَالَ اللّٰہُ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اِلَی الشّٰکِرِیْنَ وَقَالَ وَاللّٰہِ کَاَنَّ النَّاسَ لَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ حَتّٰی تَلَاھَا اَبُوْ بَکْرٍ فَتَلَقَّاھَا مِنْہُ النَّاسُ کُلُّھُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا یَتْلُوْھَا اَنَّ عُمَرًا قَالَ وَاللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ اَبَا بَکْرٍ تَلَاھَا فَعَقِرْتُ حَتّٰی مَا یُقِلُّنِیْ رِجْلَایَ وَحَتّٰی اَھْوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ حَتّٰی سَمِعْتُہٗ تَلَاھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔ یعنی۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ نکلا (یعنی بروز وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور عمرؓ لوگوں سے کچھ باتیں کر رہا تھا (یعنی کہہ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں) پس ابو بکرؓ نے کہا اے عمرؓ! بیٹھ جا۔ مگر عمرؓ نے بیٹھنے سے انکار کیا۔ پس لوگ ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔ پس ابو بکرؓ نے کہا کہ بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ جو شخص تم میں سے محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہے اس کو معلوم ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو گئے اور جو شخص تم میں سے خدا کی پرستش کرتا ہے تو خدا زندہ ہے جو نہیں مرے گا اور آنحضرت ﷺ کی موت پر دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ محمدؐ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے تمام رسول اس دنیا سے گذر چکے ہیں یعنی مر چکے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ نے الشّٰکِرِیْنَ تک یہ آیت پڑھ کر سنائی۔" پھر آپ لکھتے ہیں کہ "کہا راوی نے پس بخدا گویا لوگ اس سے بے خبر تھے کہ یہ آیت بھی خدا نے نازل کی ہے اور ابو بکرؓ کے پڑھنے سے ان کو پتہ لگا۔ پس اس آیت کو تمام صحابہؓ نے ابو بکرؓ سے سیکھ لیا اور کوئی بھی صحابی یا غیر صحابی باقی نہ رہا جو اِس آیت کو پڑھتا نہ تھا اور عمرؓ نے کہا کہ بخدا میں نے یہ آیت ابو بکرؓ سے ہی سنی جب اس نے پڑھی۔ پس میں اس کے سننے سے ایسا بے حواس اور زخمی ہو گیا ہوں کہ میرے پیر مجھے اٹھا نہیں سکتے اور میں اس وقت سے زمین پر گرا جاتا ہوں جب سے کہ میں نے یہ آیت پڑھتے سنا اور یہ کلمہ کہتے سنا کہ آنحضرت ﷺ فوت ہو گئے۔" حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اور اس جگہ قسطلانی شرح بخاری کی یہ عبارت ہے۔ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یُکَلِّمُ النَّاسَ یَقُوْلُ لَھُمْ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَا یَمُوْتُ حَتّٰی یَقْتُلَ الْمُنَافِقِیْنَ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے اور جب تک منافقوں کو قتل نہ کر لیں فوت نہیں ہوں گے۔" پھر آپؑ فرماتے ہیں "اور مِلَل وَ نِحَل شہرستانی میں اس قصہ کے متعلق یہ عبارت ہے۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَنْ قَالَ اَنَّ مُحَمَّدًا مَاتَ فَقَتَلْتُہٗ بِسَیْفِیْ ھٰذَا۔ وَاِنَّمَا رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ کَمَا رُفِعَ عِیْسٰی

ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اَبُوْبَكْرِ بْنُ قُحَافَةَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اِلٰهَ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران:145) فَرَجَعَ الْقَوْمُ اِلٰى قَوْلِهٖ۔

اس کا ''...... ترجمہ یہ ہے کہ عمر خطاب کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں اپنی اِسی تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا بلکہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں جیسا کہ عیسیٰ بن مریم اٹھائے گئے اور ابو بکرؓ نے کہا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے تو وہ تو ضرور فوت ہو گئے ہیں اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے۔ نہیں مرے گا یعنی ایک خدا ہی میں یہ صفت ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ ہے اور باقی تمام نوع انسان و حیوان پہلے اس سے مر جاتے ہیں کہ ان کی نسبت خلود کا گمان ہو۔'' ہمیشہ رہنے کا گمان بھی ہو۔ وہ اس سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ ''اور پھر حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی جس کا یہ ترجمہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہیں اور سب رسول دنیا سے گذر گئے۔ کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا قتل کئے گئے تو تم مرتد ہو جاؤ گے۔ تب لوگوں نے اس آیت کو سن کر اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔ اب سوچو کہ حضرت ابو بکرؓ کا اگر قرآن سے یہ استدلال نہیں تھا کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں اور نیز اگر یہ استدلال صریح اور قَطْعِيَّةُ الدَّلَالَتْ نہیں تھا تو وہ صحابہ جو بقول آپ کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔'' یعنی وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام دلیل دے رہے ہیں اور بتانے والے کو بتا رہے ہیں کہ صحابہؓ جو بقول آپ کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے، ''محض ظنی اور شکی امر پر کیونکر قائل ہو گئے اور کیوں یہ حجت پیش نہ کی کہ یا حضرت! یہ آپ کی دلیل ناتمام ہے اور کوئی نص قطعیۃ الدلالت آپ کے ہاتھ میں نہیں۔ کیا آپ اب تک اِس سے بے خبر ہیں کہ قرآن ہی آیت رَافِعُكَ اِلَیَّ میں حضرت مسیح کا بِجِسْمِهِ الْعُنْصُرِی آسمان پر جانا بیان فرماتا ہے۔ کیا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بھی آپ نے نہیں سنا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر جانا آپ کے نزدیک کیوں مُسْتَبْعَدْ ہے بلکہ صحابہ نے جو مذاقِ قرآن سے واقف تھے آیت کو سن کر اور لفظ خَلَتْ کی تشریح فقرہ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ میں پا کر فی الفور اپنے پہلے خیال کو چھوڑ دیا۔ ہاں ان کے دل آنحضرتؐ کی موت کی وجہ سے سخت غمناک اور چُور ہو گئے اور ان کی جان گھٹ گئی اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے سننے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے جسم کو میرے پیر اٹھا نہیں سکتے اور مَیں زمین پر گرا جاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیسے سعید اور وَقَّافٌ عِنْدَ الْقُرآن تھے کہ جب آیت میں غور کر کے سمجھ آ گیا کہ تمام گذشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں تب بجز اس کے کہ رونا شروع کر دیا اور غم سے بھر گئے اور کچھ نہ کہا۔''[105]

پھر ایک اَور موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''**حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ جو شخص حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کلمہ منہ پر لائے گا کہ وہ مر گئے ہیں تو مَیں اس کو اپنی اسی تلوار سے قتل کر دوں گا۔** اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اپنے کسی خیال کی وجہ سے

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی پر بہت غلو ہو گیا تھا اور وہ اس کلمہ کو جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مر گئے، کلمہ کفر اور ارتداد سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ ہزارہا نیک اجر حضرت ابو بکر کو بخشے کہ جلد تر انہوں نے اس فتنہ کو فرو کر دیا اور نص صریح کو پیش کر کے بتلا دیا کہ گذشتہ تمام نبی مر گئے ہیں۔ اور جیسا کہ انہوں نے مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی وغیرہ کو قتل کیا۔ در حقیقت اس تصریح سے بھی بہت سے فیج اعوج کے کذّابوں کو تمام صحابہ کے اجماع سے قتل کر دیا۔" یعنی جس طرح وہ جھوٹا قتل کیا اسی طرح یہ جو ایک نظریہ تھا اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ "گویا چار کذاب نہیں بلکہ پانچ کذاب مارے۔" پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "یا الٰہی ان کی جان پر کروڑہا رحمتیں نازل کر۔ آمین۔ اگر اِس جگہ خَلَتْ کے یہ معنے کئے جائیں کہ بعض نبی زندہ آسمان پر جا بیٹھے ہیں تب تو اِس صورت میں حضرت عمرؓ حق بجانب ٹھہرتے ہیں اور یہ آیت ان کو مضر نہیں بلکہ ان کی مؤید ٹھہرتی ہے۔ لیکن اس آیت کا اگلا فقرہ جو بطور تشریح ہے یعنی اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ (آل عمران:145) جس پر حضرت ابو بکرؓ کی نظر جا پڑی ظاہر کر رہا ہے کہ اس آیت کے یہ معنے لینا کہ تمام نبی گذر گئے گو مر کر گذر گئے یا زندہ ہی گذر گئے یہ دجل اور تحریف اور خدا کی منشاء کے برخلاف ایک عظیم افترا ہے اور ایسے افترا عمداً کرنے والے جو عدالت کے دن سے نہیں ڈرتے اور خدا کی اپنی تشریح کے برخلاف الٹے معنے کرتے ہیں وہ بلاشبہ ابدی لعنت کے نیچے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک اِس آیت کا علم نہیں تھا اور دوسرے بعض صحابہ بھی اسی غلط خیال میں مبتلا تھے اور اس سہو و نسیان میں گرفتار تھے جو مقتضائے بشریت ہے اور ان کے دل میں تھا کہ بعض نبی اب تک زندہ ہیں اور پھر دنیا میں آئیں گے۔ پھر کیوں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی مانند نہ ہوں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے تمام آیت پڑھ کر اور اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ سنا کر دلوں میں بٹھا دیا کہ خَلَتْ کے معنے دو قسم میں ہی محصور ہیں۔ 1۔ حَتْفِ اَنْف سے مرنا یعنی طبعی موت" مرنا اور "2۔ مارے جانا۔ تب مخالفوں نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور تمام صحابہ اِس کلمہ پر متفق ہو گئے کہ گذشتہ نبی سب مر گئے ہیں اور فقرہ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ کا بڑا ہی اثر پڑا اور سب نے اپنے مخالفانہ خیالات سے رجوع کر لیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔"[106]

یہ تحفہ غزنویہ میں آپؑ نے بیان فرمایا ہے۔

پھر ایک اَور جگہ بیان فرماتے ہیں کہ "تمام صحابہؓ کی شہادت آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی کی وفات پر یہ ہوئی ہے کہ سب نبی مر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نسبت کہا کہ ابھی نہیں مرے اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر یہ خطبہ پڑھتے ہیں کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ اب اس موقعہ پر جو ایک قیامت ہی کا میدان تھا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور کل صحابہؓ جمع ہیں۔ یہاں تک کہ اسامہ کا لشکر بھی روانہ نہیں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حضرت ابو بکرؓ بآواز بلند کہتے ہیں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہو گئی اور اس پر استدلال کرتے ہیں مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ سے۔ اب اگر صحابہؓ کے وہم گمان

میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہوتی تو ضرور بول اٹھتے مگر سب خاموش ہو گئے اور بازاروں میں یہ آیت پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ گویا یہ آیت آج اتری ہے۔ معاذ اللہ صحابہؓ منافق نہ تھے جو وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رعب میں آکر خاموش ہو رہے اور حضرت ابو بکرؓ کی تردید نہ کی۔ نہیں اصل بات یہی تھی جو حضرت ابو بکرؓ نے بیان کی۔ اس لئے سب نے گردن جھکالی۔ **یہ ہے اجماع صحابہؓ کا۔** حضرت عمرؓ بھی تو یہی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اگر یہ استدلال کامل نہ ہوتا (اور کامل تب ہی ہوتا کہ کسی قسم کا استثناء نہ ہوتا کیونکہ اگر حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے تھے اور انہوں نے پھر آنا تھا تو پھر یہ استدلال کیا یہ تو ایک مسخری ہوتی) تو خود حضرت عمرؓ ہی تردید کرتے۔"[107]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس واقعہ کو مختلف جگہوں پر بار بار بیان کیا ہے۔ مَیں نے جو مختلف واقعات بیان کیے ہیں تو وہ اس لیے ہے کہ **وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر بیٹھا تصور کرتے ہیں ان کے دماغ سے یہ خیال نکالا جائے کہ کوئی بشر بھی زندہ آسمان پر نہیں گیا اور نہ جا سکتا ہے** اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک دفعہ میں ان کے ساتھ جا رہا تھا اور اپنے کسی کام کے واسطے جاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور میرے سوا اور کوئی ان کے ساتھ نہ تھا اور وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے اور اپنے پیروں کی پچھلی طرف کوڑا مارتے جاتے تھے۔ پس یکایک میری طرف مڑ کر کہنے لگے۔ اے ابن عباسؓ! کیا تم جانتے ہو کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے مَیں نے وہ بات کیوں کہی تھی (یعنی حضور کا وصال نہیں ہوا ہے اور جو ایسا کہے گا اسے مَیں تلوار سے ماروں گا)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ مَیں نے کہا: اے امیر المومنین! مَیں نہیں جانتا۔ آپؓ، (حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ) ہی واقف ہوں گے۔ (یعنی حضرت عمرؓ کو کہا کہ آپ ہی واقف ہوں گے کہ کیوں کہی تھی) حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم! اس کا باعث یہ تھا کہ میں اس آیت کو پڑھا کرتا تھا کہ:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ: 144) اور اسی طرح ہم نے تمہیں وسطی امت بنا دیا تا کہ تم لوگوں پر نگران ہو جاؤ اور رسول تم پر نگران ہو جائے) اور اللہ کی قسم! مَیں یہ سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں زندہ رہ کر ان کے اعمال کے گواہ ہوں گے۔ پس اس سبب سے مَیں نے اس روز وہ گفتگو کی تھی جو مَیں نے کی تھی۔[108]

خلافت ابو بکرؓ

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں بخاری میں جو ذکر ملتا ہے وہ پہلے بھی بیان ہوا ہے۔ دوبارہ مَیں بیان کرتا ہوں کہ انصار بَنِی سَاعِدَہ کے گھر حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ اور

حضرت ابوعُبَیدہ بن جَراحؓ ان کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ بولنے لگے تو حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خاموش کیا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! مَیں نے جو بولنا چاہا تھا تو اس لیے کہ مَیں نے ایسی تقریر تیار کی تھی جو مجھے بہت پسند آتی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اس تک نہ پہنچ سکیں گے یعنی ویسا نہیں بول سکیں گے۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کی اور ایسی تقریر کی جو بلاغت میں تمام لوگوں کی تقریروں سے بڑھ کر تھی۔ انہوں نے اپنی تقریر کے اثنا میں کہا کہ ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو۔ انصار کو کہا تم وزیر ہو۔ حُبَاب بن مُنذِر نے یہ سن کر کہا ہر گز نہیں۔ اللہ کی قسم! ہر گز نہیں۔ بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ایک امیر ہم میں سے ہو گا اور ایک امیر آپ میں سے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا نہیں بلکہ امیر ہم ہیں اور تم وزیر ہو کیونکہ یہ قریش لوگ (بلحاظ نسب) تمام عربوں سے اعلیٰ ہیں اور بلحاظِ حَسَب وہ قدیمی عرب ہیں۔ اس لیے عمرؓ یا ابوعبیدہؓ کی بیعت کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو کہا کہ ہم تو آپ کی بیعت کریں گے کیونکہ آپؓ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ہم میں سے زیادہ پیارے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان سے بیعت کی اور لوگوں نے بھی ان سے بیعت کی۔[109]

جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ ہماری بیعت لیں اور ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی اور عرض کی کہ اے ابو بکرؓ! آپؓ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا تھا کہ آپؓ نماز پڑھایا کریں۔ پس آپ ہی خلیفۃ اللہ ہیں۔ ہم آپؓ کی بیعت اس لیے کرتے ہیں کہ آپؓ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم سے زیادہ محبوب ہیں۔ مرتدین کے فتنہ کے بارے میں سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہوئی تو مسلمانوں کے مصائب بڑھ گئے۔ ابن اسحاق یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے مجھے وہ روایت پہنچی۔ آپؓ کہتی ہیں کہ جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہوئی تو عرب مرتد ہو گئے اور یہود و نصاریٰ اٹھ کھڑے ہوئے اور نفاق ظاہر ہو گیا۔[110]

حضرت عمرؓ کا حضرت ابو بکرؓ سے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں اظہار رائے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات ہوئی اور آپؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے اور عربوں میں سے جس نے کفر کرنا تھا کفر کیا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ آپؓ لوگوں سے کیسے لڑیں گے جبکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کریں یعنی جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرنے والے ہیں ان سے لڑنا نہیں ہے اور جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرے گا وہ مجھ سے اپنا مال اور جان بچا لے گا سوائے کسی حق کی بنا پر اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! جو بھی نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا مَیں اس سے لڑوں گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور اللہ کی

قسم! اور اگر انہوں نے مجھے ایک گھٹنا باندھنے والی رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر بھی ان سے لڑوں گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! پھر مَیں نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا لڑائی کے لیے سینہ کھول دیا تو مَیں سمجھ گیا کہ یہ حق ہی ہے۔[111]

لشکر اسامہؓ کی روانگی اور حضرت عمرؓ

حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی روانگی کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہ کو بعض ہدایات فرمائیں۔ حضرت اسامہؓ سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

حضرت اسامہؓ نے درخواست کی کہ آپؓ سوار ہوں وگرنہ مَیں بھی سواری سے اتر جاؤں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم نہ اترو اور اللہ کی قسم! مَیں سوار نہیں ہوں گا۔ فرمایا: اور مجھے کیا ہوا ہے کہ مَیں اپنے پاؤں کو کچھ دیر اللہ کے راستے میں غبار آلود نہ کروں کیونکہ غازی کے ہر قدم کے عوض جو وہ اٹھاتا ہے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ سات سو درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کی سات سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔ ہدایت دینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا:

اگر تم مناسب سمجھو تو عمرؓ کے ذریعہ میری مدد کرو۔ یعنی حضرت اسامہؓ سے عمرؓ کو اپنے پاس روکنے کی اجازت چاہی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس لشکر میں شامل فرمایا تھا۔ تو حضرت اسامہؓ نے آپ کو اس کی اجازت دے دی۔[112]

جمع قرآن اور حضرت عمرؓ

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جنگِ یَمامہ میں ستّر حفاظِ قرآن شہید ہوئے تو اس بارے میں حضرت زَید بن ثابِت انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو جب یَمامہ کے لوگ شہید کیے گئے بلا بھیجا اور اس وقت ان کے پاس حضرت عمرؓ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یَمامہ کی جنگ میں لوگ بہت شہید ہو گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اَور لڑائیوں میں بھی قاری نہ مارے جائیں اور اس طرح قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ سوائے اس کے کہ تم قرآن کو ایک جگہ جمع کر دو اور میری رائے یہ ہے کہ آپؓ قرآن کو ایک جگہ جمع کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: مَیں نے عمرؓ سے کہا کہ مَیں ایسی بات کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کی؟ عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم! آپؓ کا یہ کام اچھا ہے۔ عمرؓ مجھے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور اب مَیں بھی وہی مناسب سمجھتا ہوں جو عمرؓ نے مناسب سمجھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا اور اس وقت حضرت عمرؓ اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور خاموش بیٹھے تھے، بات نہیں کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم جوان عقلمند آدمی ہو اور ہم تم پر کوئی بدگمانی نہیں کرتے۔ تم

رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ اس لیے قرآن جہاں جہاں ہو تلاش کرو اور اس کو لے کر ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں اور اللہ کی قسم! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا مجھے مکلف کرتے تو مجھ پر یہ کام اتنا بوجھل نہ ہوتا جتنا کہ یہ کام جس کے کرنے کے لیے انہوں نے مجھے حکم دیا یعنی قرآن کریم جمع کرنا۔ مَیں نے کہا آپؓ دونوں وہ کام کیسے کرتے ہیں جو نبی ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اچھا کام ہے۔ مَیں ان سے بار بار کہتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس امر کے لیے کھول دیا جس کے لیے اللہ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سینہ کھولا تھا۔ مَیں کھڑا ہو گیا اور قرآن مجید کی تلاش کرنے لگا۔ اسے چمڑے کے پرچوں اور کندھے کی ہڈیوں اور کھجوروں کی ٹہنیوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کرنے لگا۔

یہاں تک کہ مَیں نے سورۂ توبہ کی دو آیتیں حضرت خُزَیمہ اَنْصاریؓ کے پاس پائیں۔ وہ ان کے سوا مَیں نے کسی کے پاس نہ پائیں اور وہ یہ ہیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبۃ:128) یعنی یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو اور وہ تم پر بھلائی چاہتے ہوئے حریص رہتا ہے۔ مومنوں کے لیے بے حد مہربان اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ حدیث میں صرف اس آیت کا ذکر ہے ویسے دو آیات لکھا ہوا ہے شاید اگلی آیت بھی ہو۔

پھر روایت ہے کہ وہ ورق جس پہ قرآن مجید جمع کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی۔ پھر حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔ پھر بعد میں ان سے بھی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے[113] حضرت عثمانؓ نے لے لیے تھے۔[114]

حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارہ میں مشاورت

جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلایا اور فرمایا مجھے عمرؓ کے متعلق بتاؤ۔ تو انہوں نے یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ اے رسول اللہؐ کے خلیفہ، اللہ کی قسم! حضرت عمرؓ آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں سوائے اس کے کہ ان کی طبیعت میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا سختی اس لیے ہے کہ وہ مجھ میں نرمی دیکھتے ہیں۔ اگر امارت ان کے سپرد ہو گئی تو وہ اپنی بہت سی باتیں جو ان میں ہیں ان کو چھوڑ دیں گے کیونکہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ جب میں کسی شخص پر سختی کرتا ہوں تو وہ مجھے اس شخص سے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب میں کسی شخص سے نرمی کرتا ہوں، نرمی کا سلوک کرتا ہوں تو وہ اس وقت مجھے سختی کرنے کا کہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو بلایا اور ان سے حضرت عمرؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی بہتر ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے دونوں اصحاب سے فرمایا۔ جو کچھ مَیں نے تم دونوں سے کہا ہے اس کا ذکر کسی اَور سے نہ کرنا اور اگر مَیں عمرؓ کو چھوڑتا ہوں تو عثمانؓ سے آگے نہیں جاتا (یعنی آپؓ کے نزدیک دونوں ایسے لوگ تھے جو خلافت کا حق ادا کرنے والے تھے) اور ان کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ تمہارے امور کے متعلق کوئی کمی نہ کریں۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ مَیں تمہارے امور سے علیحدہ ہو جاؤں اور تمہارے اسلاف میں سے ہو جاؤں۔ حضرت ابو بکرؓ کی بیماری کے دنوں میں حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو لوگوں پر خلیفہ بنا دیا ہے حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی موجودگی میں لوگوں سے کس طرح سلوک کرتے ہیں اور اس وقت کیا حال ہو گا جب وہ تنہا ہوں گے؟ اور آپؓ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور آپؓ سے رعیّت کے بارے میں پوچھے گا۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ۔ تو انہوں نے آپؓ کو سہارا دے کر بٹھایا اور آپؓ نے کہا۔ کیا تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو؟ جب مَیں اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو مَیں جواب دوں گا کہ مَیں نے تیرے بندوں میں سے بہترین کو تیرے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو علیحدگی میں بلایا تاکہ وہ حضرت عمرؓ کے متعلق وصیت لکھ دیں۔

پھر فرمایا لکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ یہ ابو بکر بن ابو قحافہ کی وصیت مسلمانوں کے نام ہے اتنا کہہ کر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے لکھا کہ مَیں نے تم پر عمر بن خطابؓ کو خلیفہ مقرر کیا ہے اور مَیں نے تمہارے متعلق خیر میں کمی نہیں کی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کو افاقہ ہوا تو فرمایا مجھے پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہوا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے سنایا تو حضرت ابو بکرؓ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم ڈر گئے کہ اگر مَیں اس بیہوشی میں وفات پا جاؤں تو کہیں لوگوں میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ تمہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزا عطا کرے۔[115]

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کا جو فقرہ اپنی طرف سے لکھا تھا اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ محمد بن ابراہیم بن حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو علیحدگی میں بلایا اور فرمایا لکھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یہ عہد نامہ ابو بکر بن ابو قحافہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ہے اور امابعد راوی کہتے ہیں پھر آپؓ پر یعنی حضرت ابو بکرؓ پر غشی طاری ہو گئی اور آپؓ بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد اس طرح جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت ابو بکرؓ ہوش میں آئے۔ جب افاقہ ہوا تو وہی باتیں ہوئیں اور حضرت عثمانؓ سے پڑھ کر سنانے کے لیے کہا۔ اس کو سن کر پھر جیسا کہ بیان ہوا ہے حضرت ابو بکرؓ نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اللہ تمہیں اسلام

اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے جو تم نے یہ فقرہ لکھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس تحریر کو اس جگہ بر قرار رکھا، کوئی تبدیلی نہیں کی۔[116]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عثمانؓ کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ مجھے خلیفہ کے لیے کسی شخص کا مشورہ دو۔ اللہ کی قسم! تم میرے نزدیک مشورے کے اہل ہو۔ اس پر انہوں نے کہا حضرت عمرؓ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا لکھو۔ تو انہوں نے لکھا یہاں تک کہ نام تک پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ کو افاقہ ہوا تو آپؓ نے فرمایا لکھو عمرؓ۔ پھر ایک روایت میں ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی وصیت حضرت عثمانؓ تحریر کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ پر غشی طاری ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو افاقہ ہوا تو انہوں نے دریافت فرمایا تم نے کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا مَیں نے لکھا ہے عمرؓ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تم نے وہی لکھا جس کا مَیں نے ارادہ کیا تھا کہ تم سے کہوں گا۔ اگر تم اپنا نام بھی لکھ دیتے تو تم بھی اس کے اہل تھے۔[117]

ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے تو آپؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور مہاجرین و انصار کے چند لوگوں کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا اب وقت آ گیا ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور تمہیں حکم دینے کے لیے کوئی نہیں کھڑا۔ اگر تم چاہو تو اپنے میں سے کسی کو چن لو اور اگر تم لوگ چاہو تو مَیں تمہارے لیے چن لوں۔ انہوں نے عرض کیا بلکہ آپؓ ہمارے لیے چن لیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا لکھو یہ وہ عہد ہے جو ابو بکر بن ابو قحافہ نے اس دنیا سے جاتے ہوئے اپنا آخری عہد کیا اور آخرت میں داخل ہوتے ہوئے اپنا پہلا عہد کیا جہاں فاجر توبہ کرے گا اور کافر ایمان لائے گا اور جھوٹا تصدیق کرے گا اور وہ عہد یہ ہے کہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور مَیں خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

پھر حضرت ابو بکرؓ پر غشی طاری ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے خود ہی عمر بن خطابؓ لکھ دیا۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ کو افاقہ ہوا تو آپؓ نے فرمایا کیا تم نے کچھ لکھا؟ تو انہوں نے کہا جی ہاں مَیں نے لکھا ہے عمر بن خطابؓ۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے۔ اگر تم اپنا نام بھی لکھ دیتے تو تم اس کے اہل تھے۔ پس تم لکھو مَیں نے اپنے بعد عمر بن خطابؓ کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے اور مَیں تم لوگوں کے لیے ان پر راضی ہوں۔[118]

جب وصیت لکھی جا چکی تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور آپؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام کے ہاتھ خط بھیجا۔ اس وقت حضرت عمرؓ بھی اس کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو کہتے خاموش ہو جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی بات سنو کیونکہ انہوں نے تمہارے لیے خیر خواہی میں کمی نہیں کی۔ تب لوگ سکون سے بیٹھ گئے اور ان کے سامنے

وصیت پڑھی گئی۔ انہوں نے اسے سنا اور اطاعت کی۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ لوگوں کی طرف مائل ہوئے اور فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو جسے مَیں نے تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے کیونکہ مَیں نے کسی رشتہ دار کو تم پر خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ مَیں نے یقیناً تم پر عمرؓ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس اس کو سنو اور اطاعت کرو اور اللہ کی قسم! یقیناً مَیں نے اس بارے میں غور و فکر میں کمی نہیں کی۔ اس پر لوگوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مَیں نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور آپ یعنی حضرت عمرؓ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کی۔ پھر فرمایا اے عمرؓ! یقیناً اللہ کے کچھ حقوق ہیں جو رات کے وقت ہوتے ہیں جنہیں وہ دن کے وقت میں قبول نہیں کرتا اور کچھ حقوق دن کے ہیں جنہیں وہ رات میں قبول نہیں کرتا اور یقیناً وہ اس وقت تک نوافل قبول نہیں کرتا جب تک فرائض پورے نہ کیے جائیں۔ اے عمرؓ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہی لوگوں کے ترازو بھاری ہیں جن کے حق کی پیروی کرنے اور بھاری ہونے پر قیامت کے دن ترازو بھاری ہوں گے۔ جو سچائی کی پیروی کریں گے ان کے ترازو قیامت کے دن بھاری ہوں گے۔ پھر آپؓ نے فرمایا اور ترازو کے لیے یہ بات حق ہے کہ کل کو اس میں وہی بات رکھی جائے گی جو بھاری ہو گی۔ اے عمرؓ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہی لوگوں کے ترازو ہلکے ہیں جن کے قیامت کے دن ترازو ہلکے ہوں گے۔ ان کے باطل کی پیروی اور ان کے ہلکا ہونے کی وجہ سے یعنی وہ سچائی کی پیروی نہیں کر رہے تھے اور نیکیاں نہیں بجالا رہے تھے اس لیے قیامت کے دن پھر ان کے ترازو ہلکے ہوں گے۔ اور ترازو کے لیے یہ بات حق ہے کہ جب بھی اس میں باطل رکھا جائے گا تو وہ ہلکا ہی ہو گا۔ اے عمرؓ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ نرمی والی آیات شدت والی آیات کے ساتھ نازل ہوئی ہیں اور شدت والی آیات نرمی والی آیات کے ساتھ تاکہ مومن رغبت رکھنے والے اور ڈرنے والے بھی ہوں۔ ایک طرف نیکی کی رغبت رکھیں اور دوسرے اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ان میں ہو اور کوئی ایسی خواہش نہ رکھیں جس کا اللہ سے تعلق نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی ایسے امر سے ڈرے جو اس کے اپنے ہاتھوں سے ہو۔ اے عمرؓ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آگ والوں کا محض ان کے برے اعمال کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ پس جب تم ان کا ذکر کرو تو کہو یقیناً مَیں امید کرتا ہوں کہ مَیں ان میں سے نہیں ہوں اور اللہ نے جنت والوں کا ذکر محض ان کے نیک اعمال کی وجہ سے کیا ہے کیونکہ اللہ نے ان کی برائیوں سے درگزر کر دیا ہے۔ پس جب تم ان کا ذکر کرو تو کہو کیا میرے اعمال ان کے اعمال جیسے ہیں۔ [119] اپنے دل سے پوچھو۔

جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ فرمانے لگے۔ ہمارے پاس مسلمانوں کا جو مال ہے اسے واپس کر دو۔ مَیں اس مال میں سے کچھ بھی لینا نہیں چاہتا۔ میری وہ زمین جو فلاں فلاں مقام پر ہے مسلمانوں کے لیے ان اموال کے عوض ہے جو مَیں نے بطور نفقہ بیت المال سے لیا تھا۔ یہ زمین، اونٹنی، تلوار صیقل کرنے والا غلام اور چادر جو پانچ درہم کی تھی سب حضرت عمرؓ کو دے دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ سارا سامان دیکھا تو کہا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔ [120]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپؓ کی طبیعت میں وہ تیزی نہیں رہی جو زمانۂ جاہلیت میں تھی تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا تیزی تو وہی ہے مگر اب کفار کے مقابلے میں دکھائی جاتی ہے۔[121]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے کہا تھا کہ اگر آپؓ نے اپنے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین مقرر کیا تو بڑا غضب ہو گا کیونکہ یہ بہت غصیلے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا غصہ اسی وقت تک گرمی دکھاتا ہے جب تک کہ مَیں نہ رہوں اور جب مَیں نہ رہوں گا تو یہ خود نرم ہو جائیں گے۔"[122]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصہ کے متعلق آیا ہے کہ آپؓ سے کسی نے پوچھا کہ قبل از اسلام آپؓ بڑے غصہ ور تھے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ غصہ تو وہی ہے البتہ پہلے بے ٹھکانے چلتا تھا مگر اب ٹھکانے سے چلتا ہے۔"[123] صحیح جگہ پہ غصہ استعمال ہوتا ہے۔

جامع بن شدّاد اپنے کسی قریبی عزیز سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے خدا! مَیں ضعیف ہوں مجھے طاقتور بنا دے اور مَیں سخت مزاج ہوں مجھے نرم مزاج بنا دے اور مَیں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔

خلافت کے بعد حضرت عمرؓ کا پہلا خطاب

حضرت عمرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد جو پہلا خطاب فرمایا اس بارے میں بھی متفرق روایات ملتی ہیں۔

ایک روایت میں ہے۔ حُمَید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے وقت جو حاضر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ حضرت ابو بکرؓ کی تدفین سے جب حضرت عمرؓ فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کی قبر کی مٹی کو جھاڑا۔ پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ سے اور مجھے تمہارے ذریعہ سے آزمایا ہے اور اس نے میرے دونوں ساتھیوں کے بعد مجھے تم پر باقی رکھا ہے۔ اللہ کی قسم! تمہارا جو بھی معاملہ میرے سامنے پیش ہو گا تو میرے علاوہ کوئی اَور اس کو نہیں دیکھے گا اور جو معاملہ مجھ سے دُور ہو گا تو اس کے لیے مَیں قوی اور امین لوگوں کو مقرر کروں گا یعنی لوگ مقرر کیے جائیں گے جو تمہاری نگرانی کریں گے اور معاملات کو دیکھیں گے۔ اگر لوگ اچھا برتاؤ کریں گے تو مَیں بھی ان سے اچھا برتاؤ کروں گا اور اگر انہوں نے برائی کی تو مَیں انہیں سزا دوں گا۔

حسن کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ سب سے پہلا خطبہ جو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا وہ یہ تھا۔ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا۔ امّا بعد مجھے تم لوگوں کے ذریعہ آزمایا گیا ہے اور تم لوگ میرے ذریعہ سے آزمائے گئے ہو اور مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کے بعد تم لوگوں پہ پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ پس جو

معاملہ ہمارے سامنے ہو گا ہم اسے خود دیکھیں گے اور جو معاملہ ہم سے دور ہو گا تو ہم اس کے لیے قوی اور امین لوگ مقرر کریں گے اور جو اچھائی کرے گا ہم اس کو بھلائی میں بڑھائیں گے اور جو برائی کرے گا ہم اسے سزا دیں گے اور اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔

جامع بن شَدَّاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ منبر پر چڑھے تو آپؓ کا سب سے پہلا کلام یہ تھا کہ آپؓ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ شَدِیْدٌ فَلَیِّنِّیْ وَاِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ وَاِنِّیْ بَخِیْلٌ فَسَخِّنِیْ۔ کہ اے اللہ! مَیں سخت ہوں پس تُو مجھے نرم کر دے اور مَیں کمزور ہوں پس تُو مجھے طاقتور بنا دے اور مَیں بخیل ہوں پس تُو مجھے سخی بنا دے۔[124]

جامع بن شَدَّاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ مَیں چند کلمات کہنے والا ہوں تم ان پر آمین کہو۔ یہ پہلا کلام تھا جو حضرت عمرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد کیا۔ حُصَین مُرِّی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا عربوں کی مثال نکیل میں بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے جو اپنے قائد کے پیچھے چلتا ہے۔ پس اس کے قائد کو چاہیے کہ وہ دیکھے کس طرف ہانک رہا ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو ربِّ کعبہ کی قسم! مَیں انہیں ضرور سیدھے رستے پر رکھوں گا۔[125] جو پہلے والی روایت ہے اس میں یہ تو ہے کہ آمین کہنا لیکن تفصیل اس کی نہیں بیان ہوئی۔ یا یہی نکیل والی تفصیل ہے۔

بہرحال حضرت عمرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد تیسرے روز ایک تفصیلی خطاب فرمایا۔ وہ یوں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو لوگوں کے ان سے خائف ہونے کی اطلاع پہنچی تو لوگوں میں ان کے حکم سے الصلوٰۃُ جامِعَۃٌ کہ نماز تیار ہے کی بلند آواز لگائی گئی۔ اس پر لوگ حاضر ہو گئے تو آپؓ منبر پر اس جگہ بیٹھے جہاں حضرت ابوبکرؓ اپنے پاؤں رکھا کرتے تھے۔ جب پورا اجتماع ہو گیا یعنی لوگ اکٹھے ہو گئے تو سیدھے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا ان کلمات سے کی جو اس کے مناسب ہیں اور نبی ﷺ پر درود پڑھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ لوگ میری تیز مزاجی سے ڈر رہے ہیں اور وہ میری تُند خوئی سے خوفزدہ ہو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمرؓ ہم پر سخت گیری اس زمانے میں بھی کیا کرتا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور پھر ہم پر سختی کرتا رہا جبکہ ابوبکرؓ ہم پر حاکم تھے نہ کہ وہ، تو اب کیا حال ہو گا جبکہ امور کا پورا اختیار اسی کے ہاتھ میں پہنچ گیا ہے؟ جس نے یہ کہا اس نے سچ کہا۔ بے شک مَیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپؐ کا غلام اور آپؐ کا خادم تھا اور آپ ﷺ ایسے تھے کہ کوئی شخص آپؐ کی نرمی اور رحمدلی کی صفت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے موسوم کیا اور آپؐ کو اپنے اسماء میں سے دو نام رؤوف اور رحیم عطا کیے اور مَیں ایک کھچی ہوئی تلوار تھا کہ رسول اللہ ﷺ اگر چاہیں تو مجھے نیام میں کر لیں یا مجھے چھوڑ دیں تو مَیں کاٹ ڈالوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور وہ مجھ سے خوش تھے اور اللہ کا شکر ہے کہ مَیں اس بنا پر سعادت مند رہا۔ پھر لوگوں کے حاکم ابوبکرؓ

ہوئے تو وہ ایسے لوگوں میں سے تھے کہ تم میں سے کوئی ان کی رقیق القلبی اور کرم اور نرم مزاجی کا منکر نہیں ہے اور مَیں ان کا خادم اور ان کا مددگار تھا۔ اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملا دیتا تھا اور سونتی ہوئی تلوار بن جاتا تھا اور ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا کہ وہ مجھے نیام میں بند کر دیں یا اگر چاہیں تو مجھے چھوڑ دیں اور مَیں کاٹ ڈالوں۔ تو مَیں ان کے ساتھ اسی طرح رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ عزوجلّ نے ان کو اس حال میں وفات دی کہ وہ مجھ سے خوش تھے۔ الحمد للہ مَیں اس بنا پر سعادت مند رہا۔

پھر اے لوگو! مَیں تمہارے امور کا والی بن گیا ہوں۔ اب سمجھ لو کہ وہ تیزی کمزور کر دی گئی لیکن وہ مسلمانوں پر ظلم و دراز دستی کرنے والوں پر ظاہر ہو گی۔ تم پر کمزور ہے لیکن دشمنوں پر تیزی ظاہر ہو گی۔ رہے وہ لوگ جو نیک خُو اور دین دار اور صاحبِ فضیلت ہیں مَیں ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ نرم ثابت ہوں گا جو نرمی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں اور مَیں کسی ایسے شخص کو نہیں پاؤں گا جو دوسرے پر ظلم و دراز دستی کرتا ہو گا مگر مَیں اس کے رخسار کو زمین پر ڈال کر اپنا پاؤں اس کے دوسرے رخسار پر رکھوں گا یہاں تک کہ وہ حق کو اچھی طرح سمجھ لے یعنی بہت سختی کروں گا۔ اور اے لوگو! تمہارے مجھ پر بہت سے حقوق ہیں جو مَیں تم سے ذکر کرتا ہوں تم ان پر میری گرفت کر سکتے ہو۔ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ مَیں اس مال میں سے جو تم پر خرچ کرنا ہے کوئی شے تم سے چھپا کر نہ رکھوں اور نہ اس میں سے جو اللہ تعالیٰ غنیمتوں میں سے تمہارے لیے بھیجے بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے روکوں۔ اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ وہ مال اپنے حق کے موقع پر خرچ ہو اور تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ مَیں تمہارے وظائف اور روزینے تم کو دیتا رہوں اور تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ مَیں تم کو ہلاکت کے مقامات میں نہ ڈالوں اور جب تم لشکر میں شامل ہو کر گھر سے غائب رہو تو مَیں تمہارے بال بچوں کا باپ بنا رہوں یہاں تک کہ تم ان کے پاس واپس آؤ۔ مَیں اپنی یہ بات کہہ رہا ہوں اور اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے مغفرت چاہتا ہوں۔ [126]

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت یہ آیت رہتی تھی کہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ یعنی جو لوگ حکومت کے قابل ہوں، جو انتظامی امور کو سنبھالنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں ان کو یہ امانت سپرد کیا کرو اور پھر جب یہ امانت بعض لوگوں کے سپرد ہو جاتی تھی تو شریعت کا یہ حکم ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ دیانت داری اور عدل کے ساتھ حکومت کرو۔ اگر تم نے عدل کو نظر انداز کر دیا، اگر تم نے دیانت داری کو ملحوظ نہ رکھا، اگر تم نے اِس امانت میں کسی خیانت سے کام لیا تو خدا تم سے حساب لے گا اور وہ تمہیں اِس جرم کی سزا دے گا۔ یہی وہ چیز تھی جس کا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اِس قدر غالب اور نمایاں تھا کہ اسے دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جو اسلام میں خلیفہ ثانی گزرے ہیں انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے اِس قدر قربانیوں سے کام لیا ہے

کہ وہ یورپین مصنف جو دن رات رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں، جو رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے متعلق اپنی کتابوں میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ! آپؐ نے دیانت داری سے کام نہیں لیا وہ بھی ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ذکر پر یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس محنت اور قربانی سے اِن لوگوں نے کام کیا ہے اِس قسم کی محنت اور قربانی کی مثال دنیا کے کسی حکمران میں نظر نہیں آتی۔ خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کام کی تو وہ بے حد تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ شخص تھا جس نے رات اور دن انہماک کے ساتھ اسلام کے قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں کی ترقی کے فرض کو سر انجام دیا مگر عمرؓ کا اپنا کیا حال تھا؟ اس کے سامنے باوجود ہزاروں کام کرنے کے، باوجود ہزاروں قربانیاں کرنے کے، باوجود ہزاروں تکالیف برداشت کرنے کے یہ آیت رہتی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا اور یہ کہ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ یعنی جب تمہیں خدا کی طرف سے کسی کے کام پر مقرر کیا جاوے اور تمہارے ملک کے لوگ اور تمہارے اپنے بھائی حکومت کے لئے تمہارا انتخاب کریں تو تمہارا فرض ہے کہ تم عدل کے ساتھ کام کرو اور اپنی تمام قوتوں کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کر دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ کیسا دردناک ہے کہ وفات کے قریب جبکہ آپؓ کو ظالم سمجھتے ہوئے ایک شخص نے نادانی اور جہالت سے خنجر سے آپؓ پر وار کیا اور آپؓ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپؓ بستر پر نہایت کرب سے تڑپتے تھے اور بار بار کہتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيَ اے خدا! تُو نے مجھ کو اس حکومت پر قائم کیا تھا اور ایک امانت تُو نے میرے سپرد کی تھی۔ مَیں نہیں جانتا کہ مَیں نے اس حکومت کا حق ادا کر دیا ہے یا نہیں۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے اور مَیں دنیا کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہوں۔ اے میرے رب! مَیں تجھ سے اپنے اعمال کے بدلہ میں کسی اچھے اجر کا طالب نہیں، کسی انعام کا خواہش مند نہیں بلکہ اے میرے رب! مَیں صرف اِس بات کا طالب ہوں کہ تُو مجھ پر رحم کر کے مجھے معاف فرما دے اور اگر اِس ذمہ داری کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہو تو اس سے درگزر فرما دے۔ عمرؓ وہ جلیل القدر انسان تھا جس کے عدل اور انصاف کی مثال دنیا کے پردہ پر بہت کم پائی جاتی ہے مگر اس حکم کے ماتحت کہ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ جب وہ مرتا ہے تو ایسی بے چینی اور ایسے اضطراب کی حالت میں مرتا ہے کہ اسے وہ تمام خدمات جو اس نے ملک کی بہتری کے لئے کیں، وہ تمام خدمات جو اس نے لوگوں کی بہتری کے لئے کیں، وہ تمام خدمات جو اس نے اسلام کی ترقی کے لئے کیں بالکل حقیر نظر آتی ہیں۔ وہ تمام خدمات جو اس کے ملک کے تمام مسلمانوں کو اچھی نظر آتی تھیں، وہ تمام خدمات جو اس کے ملک کی غیر اقوام کو بھی اچھی نظر آتی تھیں، وہ تمام خدمات جو نہ صرف اس کے ملک کے اپنوں اور غیروں کو ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی اچھی نظر آتی تھیں، وہ تمام خدمات جو صرف اس کے زمانہ میں ہی لوگوں کو اچھی نظر آتی تھیں بلکہ آج تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی وہ لوگ جو اس

کے آقا پر حملہ کرنے سے نہیں چوکتے جب عمرؓ کی خدمات کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں بے شک عمرؓ اپنے کارناموں میں ایک بے مثال شخص تھا۔ وہ تمام خدمات خود عمرؓ کی نگاہ میں بالکل حقیر ہو جاتی ہیں اور وہ تڑپتے ہوئے کہتا ہے اَللّٰھُمَّ لَا عَلَیَّ وَلَالِیَ۔ اے میرے رب! ایک امانت میرے سپرد کی گئی تھی۔ مَیں نہیں جانتا کہ مَیں نے اس کے حقوق کو ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ اِس لئے مَیں تجھ سے اتنی ہی درخواست کرتا ہوں کہ تُو میرے قصوروں کو معاف فرما دے اور مجھے سزا سے محفوظ رکھ۔"[127]

پھر اپنی ایک تقریر "دنیا کا محسن" میں حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ: "حضرت عمرؓ وہ انسان تھے جن کے متعلق" ویسے یہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں تھا۔ "عیسائی مؤرخ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حکومت کی جو دنیا میں اَور کسی نے نہیں کی۔ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسا شخص ہر وقت کی صحبت میں رہنے والا مرتے وقت یہ حسرت رکھتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے قدموں میں اسے جگہ مل جائے۔ اگر رسول کریم ﷺ کے کسی فعل سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی کہ آپؐ خدا کی رضا کے لئے کام نہیں کرتے تو کیا حضرت عمرؓ جیسا انسان اس درجہ کو پہنچ کر کبھی یہ خواہش کرتا کہ آپؐ کے قدموں میں جگہ پائے۔"[128]

حضرت مصلح موعودؓ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی غلامی کی وجہ تھی اور آپؐ کی تربیت تھی جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ میں یہ انصاف کے کام تھے اور یہ خوفِ خدا تھا۔

حضرت عمرؓ کی اہل بیت سے عقیدت کا کیا اظہار تھا؟

اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہؓ دیر تک رسول کریم ﷺ کے بعد زندہ رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب ایران فتح ہوا تو وہاں سے آٹا پیسنے والی ہوائی چکیاں لائی گئیں۔ جن میں باریک آٹا پیسا جانے لگا۔ جب سب سے پہلی چکی مدینہ میں لگی تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ پہلا پسا ہوا باریک آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا جائے۔ چنانچہ آپؓ کے حکم کے مطابق وہ باریک میدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان کی خادمہ نے اس آٹے کے باریک باریک پھلکے تیار کیے۔

میدے کی روٹی محبت کے آنسو

مدینہ کی عورتیں جنہوں نے پہلے کبھی ایسا آٹا نہیں دیکھا تھا وہ ہجوم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئیں کہ آؤ ہم دیکھیں وہ آٹا کیسا ہے اور اس کی روٹی کیسی تیار ہوتی ہے؟ سارا صحن عورتوں سے بھرا ہوا تھا اور سب اِس انتظار میں تھے کہ اس آٹے کی روٹی تیار ہو تو وہ اسے دیکھیں۔ حضرت مصلح موعودؓ عورتوں کو خطاب کر رہے تھے۔ ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم خیال کرتی ہو گی کہ شاید وہ کوئی عجیب قسم کا آٹا ہو گا۔ وہ عجیب قسم کا آٹا نہیں تھا بلکہ اس سے بھی ادنیٰ آٹا تھا جو

تم روزانہ کھاتی ہو بلکہ اس سے بھی ادنیٰ آٹا تھا۔ آج جو آٹا تم میں سے ایک غریب سے غریب عورت کھاتی ہے اس سے بھی وہ ادنیٰ تھا۔ مگر مدینہ میں جس قسم کے آٹے ہوتے تھے ان سے وہ بہت اعلیٰ تھا۔ بہر حال آٹے کے پھلکے تیار ہوئے۔ عورتوں نے ان کو دیکھا اور وہ حیران رہ گئیں۔ وہ وفورِ شوق میں اپنی انگلیاں ان پھلکوں کو لگاتیں اور بے ساختہ کہتیں۔ اُف کیسا نرم پھلکا ہے۔ کیا اِس سے اچھا آٹا بھی دنیا میں ہو سکتا ہے؟

روٹی تو پک گئی لیکن یہاں سے حضرت عائشہؓ کے آنحضرت ﷺ سے عشق و محبت کی کہانی شروع ہوتی ہے اور آپؓ کے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کیا جذبات تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پھلکے میں سے، اس چھوٹی سی روٹی میں سے ایک لقمہ توڑا اور منہ میں ڈالا۔ وہ ساری کی ساری عورتیں جو وہاں کھڑی تھیں اِس شوق سے حضرت عائشہؓ کا منہ دیکھنے لگیں کہ اِس کے کھانے سے حضرت عائشہؓ کی عجیب حالت ہو گی۔ نرم پھلکا ہے کھا کے وہ مزہ لیں گی۔ وہ خوشی کا اظہار کریں گی اور خاص قسم کی لذت اِس سے محسوس کریں گی۔ مگر حضرت عائشہؓ کے منہ میں وہ لقمہ گیا تو جس طرح کسی نے گلا بند کر دیا ہو۔ **وہ لقمہ ان کے منہ میں ہی پڑا رہ گیا اور ان کی آنکھوں میں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔**

عورتوں نے کہا۔ بی بی آٹا تو بڑا ہی اچھا ہے۔ روٹی اِتنی نرم ہے کہ اِس کی کوئی حد ہی نہیں۔ آپؓ کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے نگل ہی نہیں سکیں اور رونے لگ گئیں؟ کیا اِس آٹے میں کوئی نقص ہے؟

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ آٹے میں نقص نہیں۔ مَیں مانتی ہوں کہ یہ بڑا ہی نرم پھلکا ہے اور ایسی چیز پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھی مگر میری آنکھوں سے اِس لیے آنسو نہیں بہے کہ اِس آٹے میں کوئی نقص ہے بلکہ مجھے وہ دن یاد آ گئے جب رسول کریم ﷺ اپنی آخری عمر میں سے گزر رہے تھے۔ آپؐ ضعیف ہو گئے تھے اور سخت غذا نہیں کھا سکتے تھے مگر ان دنوں میں بھی ہم پتھروں سے گندم کچل کر اور اس کی روٹیاں پکا پکا کر آپؐ کو دیتے تھے۔ پھر آپؓ نے فرمایا۔ وہ جس کے طفیل ہم کو یہ نعمتیں ملیں وہ تو اِن نعمتوں سے محروم چلا گیا لیکن ہم جنہیں اس کے طفیل سے یہ سب عزتیں مل رہی ہیں ہم وہ نعمتیں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کہا اور لقمہ تھوک دیا اور فرمایا۔ اٹھا لے جاؤ یہ پھلکے میرے سامنے سے۔ مجھے رسول کریم ﷺ کا زمانہ یاد آ کر گلے میں پھندا پڑ تا ہے اور مَیں یہ پھلکا نہیں کھا سکتی۔[129]

حضرت عمرؓ کا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے محبت کا اظہار

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے مدائن کو فتح کیا۔ (مدائن کسریٰ کی تخت گاہ تھا) تو آپؓ نے ان کو مسجد میں چمڑے کی چٹائی بچھانے کا حکم دیا اور اموالِ غنیمت کے بارے میں حکم دیا جو اس چٹائی پر انڈیل دیے گئے۔ پھر اصحابِ رسول ﷺ جمع ہوئے تو سب سے پہلے جس نے آپؓ سے مالِ غنیمت لینے کی ابتدا کی وہ حضرت حسن بن

علیؓ تھے۔ انہوں نے عرض کیا اے امیر المومنین! جو مال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے اس میں سے میرا حق مجھے عطا فرمائیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو کہا بڑی خوشی سے اور عزت سے اور ان کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا۔ پھر وہ یعنی حسنؓ چلے گئے اور حسین بن علیؓ آپ کی طرف آگے بڑھے اور عرض کیا اے امیر المومنین! جو مال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا اس میں سے میرا حق مجھے عطا فرمائیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو کہا بڑی خوشی سے اور عزت کے ساتھ اور ان کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا۔

پھر آپؓ کے بیٹے یعنی حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ آپ کی طرف آگے بڑھے اور عرض کیا اے امیر المومنین! جو مال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے اس میں سے میرا حق مجھے عطا فرمائیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کو کہا بڑی خوشی اور عزت کے ساتھ اور انہیں پانچ سو درہم دینے کا حکم فرمایا۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! مَیں ایک طاقتور مرد ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار چلایا کرتا تھا اور حَسن اور حُسین اس وقت بچے تھے جو مدینہ کی گلیوں میں پھرا کرتے تھے۔

آپؓ نے ان دونوں کو ایک ایک ہزار درہم دیے ہیں اور مجھے پانچ سو۔ آپؓ نے فرمایا: ہاں! جاؤ اور میرے پاس ایسا باپ لے کے آؤ جیسا ان دونوں کا باپ ہے اور ماں جو اِن دونوں کی ماں کے جیسی ہو اور نانا جو اِن دونوں کے نانا جیسا ہو اور نانی جو اِن دونوں کی نانی جیسی ہو اور چچا جو ان دونوں کے چچا جیسا ہو اور ماموں جو اِن دونوں کے ماموؤں جیسا ہو اور خالہ جو ان دونوں کی خالہ جیسی ہو اور یقیناً تُو میرے پاس نہیں لا سکے گا۔[130]

ابوجعفر سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ارادہ کیا کہ لوگوں کے لیے وظیفے مقرر کر دیں اور آپؓ کی رائے سب لوگوں کی رائے سے بہتر تھی تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپؓ اپنی ذات سے شروع کریں۔ آپؓ نے فرمایا نہیں۔ چنانچہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی رشتہ دار سے شروع کیا۔ **آپؓ نے پہلے حضرت عباسؓ کا اور پھر حضرت علیؓ کا حصہ مقرر کیا۔**[131]

حضرت عمر بن خطابؓ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی عزت کرتے تھے اور ان کو سوار کرتے اور ان دونوں کو عطا کرتے تھے جیسے ان کے والد کو عطا کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یمن سے کچھ حُلّے یعنی کپڑوں کے جوڑے آئے تو آپؓ نے انہیں صحابہ کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا اور ان دونوں کو ان میں سے کچھ نہ دیا اور فرمایا:

ان میں ان دونوں کے لائق کوئی چیز نہیں۔ پھر آپؓ نے یمن کے نائب کو پیغام بھیجا تو اس نے ان دونوں کے مناسب حال حُلّے بنوائے۔[132]

اناج خود اٹھا کر لائے۔۔۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ان کے والد نے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ

کے ساتھ حَرَّۂ وَاقِمْ کی طرف گیا۔ یہ دو حَرّوں کے درمیان جگہ ہے۔ حَرّہ سیاہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ کے مشرق کی جانب حَرَّۂ وَاقِمْ ہے جس کو حرّہ بنو قریظہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا حَرَّۃُ الْوَبْرَہ ہے جو مدینہ کے مغرب میں تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ بہرحال کہتے ہیں مَیں وہاں گیا۔ جب ہم صِرار مقام پر پہنچے تو ایک جگہ ایک آگ روشن تھی۔ صِرار بھی مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اے اسلم! میرا خیال ہے کہ یہ کوئی مسافر ہیں جن کو رات اور سردی نے روک رکھا ہے۔ ہمارے ساتھ آؤ۔ چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کے ساتھ اس کے کچھ بچے ہیں اور ایک ہنڈیا آگ پر چڑھی ہوئی ہے۔ اس کے بچے بھوک کی وجہ سے بِلک بِلک کر رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ السلام علیکم اے روشنی والو!۔ آپؓ نے آگ والے کہنا پسند نہ کیا بلکہ روشنی والے کہا۔ اس خاتون نے وعلیکم السلام کہا۔ آپؓ نے فرمایا: کیا میں قریب آ سکتا ہوں؟ اس عورت نے کہا: خیر سے آؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔ مطلب کوئی خیر کی بات کرنی ہے تو آؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔ آپ قریب ہو گئے۔ پھر آپؓ نے فرمایا تم لوگوں کو کیا ہوا؟ تو اس عورت نے کہا رات اور سردی نے ہمیں یہاں روک لیا ہے۔ آپؓ نے کہا ان بچوں کا کیا معاملہ ہے، یہ کیوں بلک رہے ہیں؟ اس عورت نے کہا بھوک کی وجہ سے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس ہنڈیا میں کیا چیز ہے؟ اس عورت نے کہا کہ اس کے اندر صرف پانی ہے اور اس کے ذریعہ میں بچوں کو دلاسا دے رہی ہوں یہاں تک کہ وہ سو جائیں۔ اللہ ہمارے اور عمرؓ، حضرت عمرؓ کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ آپؓ نے فرمایا:

اے خاتون! اللہ تم پر رحم کرے، عمرؓ کو تمہاری حالت کیسے معلوم ہو سکتی ہے! اس نے کہا یعنی **اس عورت نے کہا کہ وہ ہمارے امور کے نگران ہیں اور ہم سے غافل ہیں۔**

اسلم جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر آپؓ یعنی حضرت عمرؓ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا ہمارے ساتھ چلو۔ پھر ہم نہایت تیزی سے چلتے ہوئے دَارُ الدَّقِیْق آئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں دَارُ الدَّقِیْق نام سے ایک عمارت بنوائی تھی جس میں آٹا، ستو، کھجور، کشمش اور دیگر ضروریاتِ سفر جن کی ایک مسافر کو ضرورت ہو سکتی ہے میسر ہوتی تھیں۔ آپؓ نے مدینہ اور مکہ کے درمیانی راستوں پر مسافروں کے لیے کچھ سرائے خانے بھی بنوائے ہوئے تھے۔ بہرحال پھر آپؓ نے وہاں سے ایک بورا اناج کا نکالا اور چکنائی کا ڈبہ آپؓ نے لیا۔ آپؓ نے فرمایا: اسے مجھے اٹھوا دو۔ اسلم کہتے ہیں: میں نے کہا کہ آپؓ کی جگہ مَیں اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ مجھے یہ اٹھوا دو۔ میں نے ہر دفعہ عرض کیا کہ آپؓ کی جگہ مَیں اسے اٹھا لیتا ہوں۔ آخر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیرا بھلا ہو! کیا قیامت کے دن میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے؟ اس پر میں نے وہ بورا آپؓ پر لاد دیا۔ پھر آپؓ اس بورے کو اپنی کمر پر لاد کر تیز قدموں سے چلے اور مَیں بھی تیزی سے آپؓ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ ہم اس عورت کے پاس پہنچ گئے۔ آپؓ نے وہ بوری اس کے پاس اتاری اور اس میں سے کچھ آٹا نکالا اور اس خاتون سے

کہا کہ اسے ہنڈیا میں آہستہ آہستہ ڈالو اور میں اسے تمہارے لیے ہلاتا ہوں۔

دوسری جگہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم آہستہ آہستہ آٹا ڈالو۔ **میں تمہارے لیے حریرہ تیار کرتا ہوں۔** پھر آپؓ ہنڈیا کے نیچے آگ سلگانے کے لیے پھونک مارنے لگے۔

اسلم یعنی روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ آپؓ (حضرت عمرؓ) بڑی اور گھنی داڑھی والے تھے۔ میں نے دیکھا کہ دھواں آپؓ کی داڑھی کے اندر سے نکل رہا ہے۔ یعنی دھواں اٹھتا تھا تو ان کے چہرے پر بھی پڑتا تھا، داڑھی کے اندر سے بھی گزر جاتا تھا۔ جب ہنڈیا پک گئی تو آپؓ نے ہنڈیا کو نیچے اتارا۔ آپؓ نے فرمایا کوئی برتن لاؤ۔ وہ عورت بڑی پلیٹ لائی۔ آپؓ نے اس میں کھانا ڈالا اور کہنے لگے تم ان بچوں کو کھلاؤ۔ میں تمہارے لیے پھیلاتا ہوں تاکہ ٹھنڈا ہو جائے، یعنی اس کو مزید پھیلا کے دوسری جگہ، دوسرے برتن میں ٹھنڈا کرتا ہوں۔ پھر آپؓ مسلسل ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ ان بچوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا اور جو بچ گیا وہ آپؓ نے اس کے پاس چھوڑ دیا۔ اسلم کہتے ہیں: پھر آپؓ کھڑے ہوئے اور میں بھی آپؓ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس پر وہ عورت کہنے لگی اللہ تعالیٰ آپؓ کو بہترین جزا دے۔ تم اس امر میں امیر المومنین سے زیادہ حقدار ہو یعنی جزا کے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا بھلائی کی بات کہو۔ جب تم امیر المومنین کے پاس جاؤ گی تو تم انشاء اللہ مجھے وہاں پاؤ گی۔ بہرحال وہ کہتے ہیں پھر حضرت عمرؓ وہاں سے ایک طرف ہٹ گئے۔ پھر اس خاتون کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ میں نے آپؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا اس کے علاوہ اَور بھی کوئی کام ہے۔ آپؓ نے مجھ سے کوئی بات نہ کی یہاں تک کہ میں نے بچوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے کھیل رہے تھے اور ہنس رہے تھے اور تمام بچے پُرسکون ہو کر سو گئے تو حضرت عمرؓ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

اے اسلم! بھوک کی وجہ سے یہ بچے جاگ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ میں نے پسند کیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں جب تک کہ میں ان کی اس آرام کی حالت کو نہ دیکھ لوں جو میں نے ابھی دیکھی ہے۔[133]

حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ انسانی ضروریات کا ان لوگوں کے لیے مہیا کرنا جو ان کو یعنی ان ضروریات کو مہیا نہیں کر سکتے اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری بتا رہے ہیں۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ نہایت ہی مؤثر اور کاشفِ حقیقت ہے۔ یعنی حقیقت کو کھولنے والا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی باہر تجسّس کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ مدینہ، دارالخلافہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں مرار نامی ہے۔ ہمارے تحقیق کرنے والے کہتے ہیں کہ شاید مرار نہیں بلکہ صِرار ہی اس کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے کاتب کی غلطی کی وجہ سے مرار لکھا گیا ہو۔ بہرحال وہاں آپؓ نے دیکھا کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ ادھر گئے تو دیکھا ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ اس سے پوچھا کہ

کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ دو تین وقت کا فاقہ ہے۔ کھانے کو کچھ پاس نہیں۔ بچے بہت بے تاب ہوئے تو خالی ہنڈیا چڑھا دی تا کہ بہل جائیں اور سو جائیں۔ حضرت عمرؓ یہ بات سن کر فوراً مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لیں اور ایک بوری میں ڈال کر اپنے خادم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دے۔ اس نے کہا حضور میں موجود ہوں میں اٹھا لیتا ہوں۔ آپؓ نے جواب دیا: بے شک تم اِس وقت اٹھا کر لے چلو گے مگر قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا! یعنی ان کی روزی کا خیال رکھنا میرا فرض تھا اور اس فرض میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔ اس لیے اس کا کفّارہ یہی ہے کہ میں خود اٹھا کر یہ اسباب لے جاؤں اور ان کے گھر پہنچاؤں۔ حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں اس واقعہ سے کوئی یہ مطلب نہ نکال لے کہ ضرورت مندوں کو جو وظائف دیے جاتے ہیں یہ سستی پیدا کرنے کے لیے ہیں بلکہ ہر ضرورتمند کو وظیفہ دینا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ اسلام جہاں غریبوں کی خبر گیری کا حکم دیتا ہے وہاں جیسا کہ پہلے اس ضمن میں بیان ہوا ہے کہ سستی اور کاہلی کو بھی مٹاتا ہے۔ وظائف اس لیے نہیں دیے جاتے کہ سستی اور کاہلی پیدا ہو۔ ان وظائف کی یہ غرض نہ تھی کہ لوگ کام چھوڑ کر بیٹھیں بلکہ صرف مجبوروں کو یہ وظائف دیے جاتے تھے ورنہ سوال سے لوگوں کو روکا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ مانگنے والوں کو مانگنے سے روکنے کے لیے بھی بہت سخت اقدام کیا کرتے تھے۔ یہی نہیں کہ صرف بھوکا دیکھ لیا تو کھانا کھلا دیا، کوئی مانگنے آیا تو اس کو دے دیا بلکہ مانگنے والا اگر صحت مند ہے تو آپؓ بڑا سخت قدم اٹھایا کرتے تھے۔ **ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو دیکھا اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔** آٹا اس کی جھولی میں پڑا ہوا تھا اور وہ مانگ رہا تھا۔ آپؓ نے اس سے آٹا لے کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور اس کی جھولی خالی کر دی اور فرمایا کہ اب مانگ۔ اسی طرح یہ ثابت ہے کہ سوالیوں کو کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔[134]

یعنی تم اچھے بھلے انسان ہو۔ تمہارا مانگنے سے کیا کام ہے۔ محنت کرو، کماؤ اور کھاؤ اور یہ سبق دیا کہ دوبارہ مانگو گے تو دوبارہ تمہارے سے یہی سلوک ہو گا کہ تمہارے سے چھین کے جانوروں کے آگے ڈال دیا جائے گا۔ اکثر مانگنے والے یہ ایک مثال دے کر اس پر زور دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت عمرؓ کس طرح خیال رکھتے تھے لیکن مانگنے سے جس سختی سے اسلام نے روکا ہے اس کو نہیں دیکھتے اور اس پر آنحضرت ﷺ کا عمل بھی ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی پھر اس کو جاری کیا، اس کو نہیں دیکھتے۔

پھر اس واقعہ کو ایک اَور جگہ بیان فرماتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے یوں بیان فرمایا کہ:

”حضرت عمرؓ کو دیکھ لو۔ اُن کے رعب اور دبدبہ سے ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تک لرزہ براندام رہتی تھیں مگر دوسری طرف اندھیری رات میں ایک بدوی عورت کے بچوں کو بھوکا دیکھ کر عمرؓ جیسا عظیم المرتبت انسان تلملا اٹھا اور اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اور گھی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ان کے پاس پہنچا اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر ان بچوں کو نہ کھلا لیا اور وہ اطمینان سے سو نہ گئے۔“[135]

عورت کا اپنے بچے کا زبردستی دودھ چھڑوانا

پھر حضرت عمرؓ کے یہی آزاد کردہ غلام اسلم، جن کا پہلے بھی ذکر ہوا ہے، یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور ان لوگوں نے عید گاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم رات کے وقت ان کا پہرہ دیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ چنانچہ آپؓ دونوں ساری رات ان کی حفاظت کرتے رہے اور عبادت کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپؓ اس طرف گئے اور اس کی ماں سے کہا اللہ تعالیٰ کا خوف کرو اور اپنے بچے کا اچھی طرح خیال رکھو۔ یہ کہہ کر آپؓ واپس تشریف لے آئے یعنی واپس اس جگہ تشریف لے آئے جہاں آپؓ سامان کی حفاظت کے لیے بیٹھے ہوئے تھے کہ پھر آپ نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ آپؓ دوبارہ اس کی ماں کی طرف گئے اور اس کو پھر پہلی بات کی طرح کہا اور اپنی جگہ واپس تشریف لے آئے۔ جب رات کا آخری وقت ہوا اور بچے کے رونے کی آواز سنی تو آپ اس کی ماں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تیرا بھلا ہو تو بہت لاپرواماں ہے۔

مجھے کیا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ ساری رات رونے کی وجہ سے تمہارا بچہ بے چین رہا۔ اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میں اس کو دودھ کے علاوہ دوسری خوراک کی طرف مائل کر رہی ہوں لیکن وہ بچہ انکار کر دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے دودھ ہی دو۔ آپؓ نے پوچھا وہ کیوں؟ اس عورت نے کہا کیونکہ حضرت عمرؓ ان ہی بچوں کا وظیفہ مقرر کرتے ہیں جن کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔

آپؓ نے پوچھا تمہارے اس بچے کی عمر کتنی ہے؟ اس عورت نے کہا اتنے (سال) اور اتنے ماہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرا بھلا ہو۔ دودھ چھڑانے میں اتنی جلدی نہ کر۔ پھر جب آپؓ نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی تو آپؓ کے رونے کی وجہ سے قراءت لوگوں پر واضح نہیں ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ سے کہا، عمر کا بُرا ہو اس نے کتنے ہی مسلمانوں کے بچوں کا خون کر دیا ہے۔ پھر آپؓ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے اعلان کیا کہ اپنے بچوں کو دودھ چھڑوانے میں جلدی نہ کرو۔ اسلام میں جو بھی بچہ ہے یعنی اب ہر پیدا ہونے والے بچے کا ہم وظیفہ مقرر کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے سارے ممالک میں یہ حکم بھجوا دیا۔[136]

اس واقعہ کو حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے کہ "**حضرت عمرؓ نے شروع شروع میں دودھ پیتے بچوں کے لئے کوئی وظیفہ مقرر نہیں کیا تھا** لیکن بعد میں دودھ پیتے بچوں کا حق تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ ان کا حصہ ان کی ماؤں کو دیا جائے۔ پہلے حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک بچہ دودھ پیتا ہے وہ قوم کے وجود میں حصہ نہیں لیتا۔ اس کی ذمہ داری اس کی ماں پر ہے پبلک پر نہیں" ہے کہ بیت المال سے اس کا خرچ دیا جائے "لیکن ایک دفعہ حضرت عمرؓ سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ شہر سے باہر ایک قافلہ بدویوں کا اترا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک خیمہ سے بچے کے رونے کی آواز سنی۔ بچہ چیخ رہا

تھا اور ماں تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کچھ مدت تک تھپکی دینے کے باوجود بچہ چپ نہ ہوا تو ماں نے بچے کو تھپڑ مار کر کہا۔ روٴ عمرؓ کی جان کو۔ حضرت عمرؓ حیران ہوئے کہ اس بات سے میرا کیا تعلق ہے؟ حضرت عمرؓ نے اس عورت سے خیمہ میں داخل ہونے کی اجازت لی اور اندر جا کر اس عورت سے پوچھا بی بی! کیا بات ہے؟ چونکہ وہ حضرت عمرؓ کو پہچانتی نہ تھی اس لئے کہنے لگی بات کیا ہے؟ عمرؓ نے سب کے گزارے مقرر کئے ہیں لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ دودھ پیتے بچوں کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ اب میرے پاس دودھ پورا نہیں اور میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے تا اس کا وظیفہ مقرر ہو جائے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت واپس آئے اور آپؓ نے خزانے سے آٹے کی بوری نکلوائی اور خود اٹھا کر چلنے لگے۔ وہ آدمی جو خزانہ پر مقرر تھے وہ آگے بڑھے کہ ہم اٹھا کر لے چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا تم چھوڑ دو میں خود اٹھا کر لے جاؤں گا۔ قیامت کے دن جب مجھے کوڑے لگیں گے تو کیا میری جگہ تم جواب دو گے؟ پتہ نہیں کہ اس طرح میرے ذریعہ کتنے بچے مر گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا کہ دودھ پیتے بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کیا جائے۔"[137]

حضرت عمرؓ کا درخت لگانا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ "حدیث میں عُمَارَہ بن خُزَیْمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے؟" (وہ آگے مزید درخت نہیں لگا رہا تھا، اپنے باغ کو بڑھا نہیں رہا تھا یا جو خراب پودے تھے ان کی جگہ نئے پودے نہیں لگا رہا تھا) تو میرے باپ نے جواب دیا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ کل مر جاؤں گا۔ (مجھے کیا فائدہ اس کا؟) پس اس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگائے۔ (یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ لازمی طور پر تم نے یہ درخت لگانے ہیں)۔ کہتے ہیں "پھر میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے۔"[138]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ واقعہ سُستی اور کسل مندی سے بچنے کے ضمن میں بھی بیان فرمایا ہے اور یہ بھی کہ پچھلی نسل کے لگائے ہوئے پودوں کے پھل تم کھا رہے ہو تو اگلی نسل کے لیے بھی پودے چھوڑ کے جاؤ۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "**حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو دورہ کیا کرتے تھے۔** ایک دفعہ رات کو شہر میں پھر رہے تھے تو آپؓ نے ایک عورت کو سنا کہ وہ عشقیہ شعر پڑھ رہی ہے۔ آپؓ نے دن کو تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اس کا خاوند مدت سے باہر رہتا ہے۔"

فوج میں باہر گیا ہوا ہے "آپؓ نے پھر یہ حکم دے دیا" اس کے بعد آپؓ نے یہ حکم دیا "کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ اگر کوئی سپاہی زیادہ مدت تک باہر رہنا چاہتا ہو تو اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ رکھے ورنہ چار ماہ کے بعد اسے فوج کا افسر مجبوراً واپس گھر بھیج دے۔"[139]

اس کی تفصیل میں ایک جگہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس عورت سے، جو شعر پڑھ رہی تھی اس کے شعر سن کے پوچھا کہ تم نے کوئی برائی کا ارادہ تو نہیں کیا؟ اس عورت نے کہا کہ اللہ کی پناہ۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کو فرمایا کہ اپنے آپ پر قابو رکھو۔ اس کی طرف مَیں ابھی خط روانہ کر رہا ہوں یعنی تمہارے خاوند کی طرف میں ابھی خط روانہ کر رہا ہوں۔

چنانچہ آپؓ نے اس کی طرف قاصد کو بھجوایا تا کہ اس کو واپس بلایا جائے۔ پھر آپؓ نے مزید تحقیق کی اور پھر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ چار مہینہ کا زیادہ سے زیادہ عرصہ رکھا کہ اس عرصہ سے زیادہ خاوند باہر نہ رہے یا پھر بیوی بچے ساتھ ہوں۔[140]

پھر حضرت عمرؓ نے اپنی پشت پر آٹا اور چربی اٹھائی

اسلم، حضرت عمرؓ کے وہی آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ کے بیرونی حصہ میں گیا تو ہمیں ایک خیمہ نظر آیا۔ ہم نے اس خیمہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس خیمے میں ایک عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے اور رو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اس کا حال دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا۔ میں ایک مسافر پردیسی عورت ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ رو پڑے اور تیزی سے اپنے گھر واپس لوٹے اور اپنی اہلیہ حضرت ام کلثوم بنت علیؓ سے فرمایا کیا تم اجر حاصل کرنا چاہتی ہو جو اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ آپؓ نے ساری بات ان کو بتائی۔ اس پر انہوں نے کہا جی ضرور۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنی پشت پر آٹا اور چربی اٹھائی اور حضرت ام کلثوم نے زچگی کی ضرورت کا سامان اٹھایا اور وہ دونوں آئے۔ حضرت ام کلثومؓ اس عورت کے پاس گئیں اور حضرت عمرؓ اس عورت کے خاوند کے ساتھ بیٹھ گئے۔ وہ خاوند بھی وہاں موجود تھا۔ وہ آپؓ کو نہیں پہچانتا تھا۔ آپؓ اس کے ساتھ گفتگو کرنے لگے۔ اس عورت نے لڑکے کو جنم دیا۔ حضرت ام کلثومؓ نے حضرت عمرؓ کو آکے بتایا اور عرض کی کہ اے امیر المومنین! اپنے ساتھی کو لڑکے کی خوشخبری دے دیں۔ یعنی وہ جو اس عورت کا خاوند ہے اسے خوشخبری دے دیں کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ جب اس شخص نے حضرت ام کلثومؓ کی یہ بات سنی تو اس کو احساس ہوا۔ اس کو تو نہیں پتہ تھا کہ کس کے ساتھ بیٹھا ہے، کہ وہ کتنے عظیم شخص کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور وہ حضرت عمرؓ سے معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ پھر آپؓ نے ان کو خرچ اور ضرورت کا سامان پہنچایا اور واپس تشریف لے آئے۔[141]

...۔ پھر سب عورتوں کے ہاں خطوط کے لیے کاغذ اور دواتیں لے کر جاتے

سَعِید بن مُسَیِّب اور اَبُو سَلَمَہ بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا اس کو پورا کر دیا۔ سختی کرنے کے مواقع پر سختی میں اور نرمی کے مواقع پر نرمی میں بڑھ گئے اور وہ لوگوں کے بال بچوں کے باپ بن گئے یہاں تک کہ ان عورتوں کے پاس جاتے جن کے شوہر باہر گئے

ہوئے تھے۔ ان کے دروازوں پر پہنچ کر ان کو سلام کرتے پھر کہتے کیا تمہاری کوئی ضرورت ہے؟ یا تم کوئی ضرورت کی چیز منگوانا چاہو تو میں وہ چیز تمہیں بازار سے خرید کر لا دوں گا۔ مجھے یہ ناپسند ہے کہ خرید و فروخت میں تمہیں دھوکا دیا جائے تو وہ عورتیں آپؓ کے ساتھ اپنی بچیوں کو یا بچوں کو بھی بھیج دیتی تھیں۔ آپؓ بازار میں اس طرح جاتے کہ آپؓ کے پیچھے لوگوں کی بچیاں اور بچے اتنے ہوتے کہ ان کا شمار مشکل ہوتا۔ پھر آپؓ ہر ایک کے لیے ان کی ضرورت کی چیزیں خریدتے اور جن عورتوں کا کوئی بچہ نہ ہوتا تو اس کے لیے خود خریداری کرتے۔ جب کسی لشکر میں سے کوئی ایلچی آتا تو اس سے ان عورتوں کے شوہروں کے خطوط لے کر خود ان کو پہنچاتے اور ان سے فرماتے کہ تمہارے شوہر اللہ کی راہ میں گئے ہوئے ہیں اور تم رسول اللہ ﷺ کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی ہے جو یہ خط پڑھ سکے تو ٹھیک ہے ورنہ دروازے کے قریب کھڑی ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں پڑھ کر سنا دوں۔

پھر فرماتے کہ ہمارا ایلچی یہاں سے فلاں فلاں دن جائے گا تم خط لکھ دینا تا کہ ہم تمہارے خطوط بھیج دیں۔ پھر سب عورتوں کے ہاں خطوط کے لیے کاغذ اور دواتیں لے کر جاتے پھر ان میں سے جو خط لکھ دیتی اس کا خط لیتے اور جو نہ لکھ سکتی تو فرماتے کہ یہ کاغذ اور دوات ہے تم دروازے کے قریب آ جاؤ اور مجھے لکھواؤ۔ اس طرح آپؓ ایک ایک دروازے پر جاتے اور ان کے شوہروں کو ان کی طرف سے خطوط لکھتے۔ پھر ان خطوط کو بھیج دیتے۔[142]

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ <u>**میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اونٹ کا پالان کندھے پر رکھے ہوئے**</u> اَبْطَحْ کی طرف تیزی سے جا رہے تھے۔ یہ اَبْطَحْ بھی مکہ اور منیٰ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ تو حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! کہاں جا رہے ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا: صدقے کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ میں اس کو تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ ایسی باتیں آپؓ کر رہے ہیں کہ آپؓ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کے لیے ایسی راہیں متعین کر دی ہیں کہ جن پر چلنا آسان نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابوالحسن! مجھے ملامت نہ کرو۔ اس کی قسم ہے جس نے محمدؐ کو نبوت کے ساتھ مبعوث کیا! اگر بکری کا بچہ بھی دریائے فرات کے کنارے ضائع ہو گیا تو قیامت کے دن عمر کا اس پر مؤاخذہ ہو گا۔[143]

چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے کی ضرورت نہیں ہے

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مسلمان ایسی حالت میں چلے آ رہے تھے کہ انہوں نے گردن نیچی ڈالی ہوئی تھی" یعنی ایک مسلمان شخص تھا جو نیچے گردن جھکائے ہوئے چلا آ رہا تھا۔ کوئی صدمہ پہنچا ہو گا، کوئی تکلیف پہنچی ہو گی اس وجہ سے پریشان ہو گا۔ نیچے گردن ڈالی ہوئی تھی۔ "حضرت عمرؓ نے اس کی ٹھوڑی پر مُکّا مارا اور کہا اسلام کی فتوحات کا زمانہ ہے اور تم اپنی گردن جھکائے پھر رہے ہو!!" یعنی یہ زمانہ ہے اور اسلام کی فتوحات ہو رہی ہیں۔ اگر تمہیں کوئی تھوڑی سی تکلیف

پہنچی بھی ہے تو اس کی وجہ سے تم نے اپنا سر نیچے کر لیا ہے۔ نیچے گردن جھکا کر چل رہے ہو۔ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ "خدا تعالیٰ نے اس وقت اسلام کو حکومت دی ہے۔ دنیا جو چاہے کہے مگر تم تو یقین رکھتے ہو کہ اسلام کو فتح ہو گی۔ اگر تم یقین رکھتے ہو کہ اسلام کو فتح ہو گی تو پھر رونا کیا۔"[144]

پھر چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے کی ضرورت نہیں ہے اور یا ایک جگہ سے مسلمانوں کو کہیں بھی کوئی تکلیف پہنچی ہے تو کوئی رونے کی، پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔

یہ بات حضرت مصلح موعودؓ نے قادیان سے ہجرت کے بعد اس ضمن میں بیان فرمائی تھی اور فرمایا کہ ایک مومن کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا کھویا ہے۔ اگر کوئی چیز ضائع بھی ہو گئی ہے، نقصان بھی تھوڑا ہو گیا تو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ کیا کھویا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ کس کے لیے کھویا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے لیے اور اسلام کی ترقی کے لیے کوئی چیز ضائع ہوئی ہے، ہاتھ سے نکل گئی تو پھر اللہ تعالیٰ بہترین اجر دے گا۔ عارضی نقصانوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسلامی مساوات

اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ حضرت عمرؓ کا ایک مشہور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں آپ لکھتے ہیں کہ گو حضرت عمرؓ کو تکلیف بھی اٹھانی پڑی مگر آپؓ نے اس تکلیف کی کوئی پروانہ کی اور وہ مساوات قائم کی جو اسلام دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جَبَلَۃ ابنِ اَیْہَمْ ایک بہت بڑے عیسائی قبیلے کا سردار تھا۔ جب شام کی طرف مسلمانوں نے حملے شروع کیے تو یہ اپنے قبیلہ سمیت مسلمان ہو گیا اور حج کے لیے چل پڑا۔ حج میں ایک جگہ بہت بڑا ہجوم تھا۔ اتفاقاً کسی مسلمان کا پاؤں اس کے پاؤں پر پڑ گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا پاؤں اس کے جبہ کے دامن پر پڑ گیا۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو ایک بادشاہ سمجھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ میری قوم کے ساٹھ ہزار آدمی میرے تابع فرمان ہیں بلکہ بعض تاریخوں میں سے پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ ہزار محض اس کے سپاہیوں کی تعداد تھی۔

بہرحال جب ایک ننگ دھڑنگ مسلمان کا پیر اس کے پیر پر آ پڑا تو اس نے غصہ میں آ کر زور سے اسے تھپڑ مار دیا اور کہا تُو میری ہتک کرتا ہے۔ تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں؟ تجھے ادب سے پیچھے ہٹنا چاہیے تھا۔ تُو نے گستاخانہ طور پر میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ وہ مسلمان تو تھپڑ کھا کر خاموش ہو رہا مگر ایک اَور مسلمان بول پڑا کہ تجھے پتہ ہے کہ جس مذہب میں تُو داخل ہوا ہے وہ اسلام ہے اور اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں۔ بِالخصوص اِس گھر یعنی خانہ کعبہ میں جس کا تم طواف کر رہے ہو امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔

اس نے کہا میں اِس کی پروا نہیں کرتا۔ اس مسلمان نے کہا کہ عمرؓ کے پاس تمہاری شکایت ہو گئی تو وہ اس مسلمان کا بدلہ تم سے لیں گے۔ جَبَلَۃ ابنِ اَیْہَمْ نے جب سنا تو آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا کوئی شخص ہے جو جَبَلَۃ ابنِ اَیْہَمْ کے منہ پر تھپڑ مارے۔ اس نے کہا کہ کسی اَور کا تو مجھے پتہ نہیں مگر عمرؓ تو ایسے

ہی ہیں۔ یہ سن کر اس نے جلدی سے طواف کیا اور سیدھا حضرت عمرؓ کی مجلس میں پہنچا اور پوچھا کہ اگر کوئی بڑا آدمی کسی چھوٹے آدمی کو تھپڑ مار دے تو آپؓ کیا کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہی کرتے ہیں کہ اس کے منہ پر اس چھوٹے شخص سے تھپڑ مرواتے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ آپؓ میرا مطلب سمجھے نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا آدمی تھپڑ مار دے تو پھر آپؓ کیا کیا کرتے ہیں؟

آپؓ نے فرمایا: اسلام میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ پھر آپؓ نے کہا: جبلہ! تم ہی تو یہ غلطی نہیں کر بیٹھے؟ اِس پر اس نے جھوٹ بول دیا اور کہا کہ میں نے تو کسی کو تھپڑ نہیں مارا۔ میں نے تو صرف ایک بات پوچھی ہے مگر وہ اسی وقت مجلس سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا اور اپنی قوم سمیت مرتد ہو گیا اور مسلمانوں کے خلاف رومی جنگ میں شامل ہوا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی پروا نہیں کی۔[145] یہ وہ مساوات تھی جو اسلامی حکومت نے قائم کی اور آج کی اسلامی حکومتوں کے لیے بھی یہ سبق ہے۔[146]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے متعلق ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد کے ماتحت جب یہودیوں اور عیسائیوں کو یمن سے نکالا تو آپؓ نے ان کی زمینیں ضبط نہیں کیں بلکہ ان کی زمینیں خریدیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ یمن کی زمین جو عیسائیوں اور یہودیوں کے نیچے تھی وہ خراجی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے وہ زمین یہودیوں اور عیسائیوں سے لے لی اور ان کو عرب کے جزیرے سے نکال دیا تو باوجود اِس کے کہ وہ زمین خراجی تھی اور اصولی طور پر حکومت اس کی مالک سمجھی جاتی تھی انہوں نے وہ زمین ان سے چھینی نہیں بلکہ خریدی۔

چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں یہ حدیث درج ہے کہ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّ عُمَرَ أَجْلٰى أَهْلَ نَجْرَانَ وَالْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى وَاشْتَرٰى بَيَاضَ أَرْضِهِمْ وَ كُرُوْمَهُمْ یعنی یحیٰ بن سعید روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نجران کے مشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا اور ان کی زمینیں اور باغ خرید لیے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی زمین عُشری نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر وہ عُشری تھی تو اس کا مالک کوئی مسلمان ہو گا۔ پس یہودیوں سے اس کے خریدنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ یقیناً خراجی تھی جیسا کہ ہندوستان کی زمین کو خراجی قرار دیا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو خراجی قرار دے کر اور حکومت کو اس کا مالک قرار دے کر اس کو ضبط نہیں کیا بلکہ اس کو خریدا۔ شاید کوئی کہے کہ یہ زمین نہ خراجی ہو گی نہ عُشری بلکہ کسی اَور قسم کی ہو گی تو یہ خیال بیہودہ ہو گا اور اسلامی شریعت سے ناواقفی کی علامت ہو گا۔ عُشری اور خراجی کے سِوا اَور کوئی زمین اسلام میں نہیں سوائے اِس کے کہ وہ بے کار پڑی ہوئی ہو اور اس کا مالک کوئی فردِ واحد نہ ہو۔ پس لازماً یہودی اور نصرانی اور مشرک اہل نجران کی زمینیں یا خراجی تھیں یا عُشری تھیں مگر دونوں صورتوں میں ان کا مالک حضرت عمرؓ نے ان کے قابضوں کو قرار دیا اور ان سے وہ

زمینیں خریدی گئیں۔[147]

اسلام میں جنگی قیدیوں کے علاوہ غلام بنانے کی ممانعت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "فرماتا ہے تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا۔ اے مسلمانو! کیا تم دوسرے لوگوں کی طرح یہ چاہتے ہو کہ تم غیر اقوام کے افراد کو پکڑ کر اپنی طاقت اور قوت کو بڑھالو۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم دنیا کے پیچھے چلو بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں ان احکام پر چلائے جو انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتر ہوں اور اگلے جہان میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا مستحق بنانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور انجام کے خوشگوار ہونے کے لحاظ سے یہی حکم تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم سوائے جنگی قیدیوں کو جنہیں دورانِ جنگ گرفتار کیا گیا ہو اَور کسی کو قیدی مت بناؤ۔ گویا جنگی قیدیوں کے سِوا اسلام میں کسی قسم کے قیدی بنانے جائز نہیں۔ اس حکم پر شروع اسلام میں اس سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ یمن کے لوگوں کا ایک وفد آپؓ کے پاس آیا اور اس نے شکایت کی کہ اسلام سے پہلے ہم کو مسیحیوں نے بلا کسی جنگ کے یونہی زور سے غلام بنالیا تھا ورنہ ہم آزاد قبیلہ تھے۔ ہمیں اس غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گو یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے مگر پھر بھی مَیں اس کی تحقیقات کروں گا۔

اگر تمہاری بات درست ثابت ہوئی تو تمہیں فوراً آزاد کرا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے برخلاف" حضرت مصلح موعودؓ مقابلہ کر رہے ہیں آج کل کے یورپ کا کہ یہ تو اسلامی تعلیم تھی جس پر حضرت عمرؓ نے عمل کروایا یا اس بارے میں ان کو تسلی کروائی لیکن اس کے برخلاف یورپ میں کیا ہوتا ہے "یورپ اپنی تجارتوں اور زراعتوں کے فروغ کے لئے انیسویں صدی کے شروع تک غلامی کو جاری رکھتا چلا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی تاریخ سے ایک غیر اسلامی غلامی کا بھی پتہ لگتا ہے مگر پھر بھی غلاموں کے ذریعہ سے ملکی طور پر تجارتی یا صنعتی ترقی کرنے کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔"[148] اسلام میں یہ کوئی تصور نہیں۔

قحط اور حضرت عمرؓ کی بے قراری

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہت سخت قحط پڑ گیا مدینہ اور اس کے گردونواح میں سخت قحط پڑا۔ جب تیز ہوا چلتی تو راکھ کی طرح مٹی اڑ آتی تھی۔ اس وجہ سے اس سال کا نام عام الرمادۃ، راکھ کا سال رکھ دیا گیا۔[149]

عوف بن حارث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اس سال کا نام عام الرمادۃ یعنی راکھ کا سال اس لیے رکھا گیا کہ ساری زمین بارش نہ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو کر راکھ کے مشابہ ہو گئی تھی اور یہ کیفیت نو 9 ماہ رہی۔ حزام بن ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اٹھارہ ہجری میں لوگ جب حج سے واپس ہوئے تو انہیں سخت تکلیف پہنچی۔ ملک میں خشک سالی پھیل گئی۔ مویشی ہلاک ہو گئے اور لوگ بھوک سے مرنے لگے یہاں تک کہ لوگ بوسیدہ ہڈیوں کا سفوف پیس کر اس کو پانی میں ڈال کر پینے لگے اور

چوہوں وغیرہ کے بلوں کو کھودتے اور اس میں جو ہوتا اسے نکالنے لگے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کی طرف عام الرمادۃ میں خط لکھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ کے بندے عمرؓ امیر المومنین کی طرف سے عاصی بن عاصی کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ اَمَّا بَعد۔ کیا تم مجھے اور ان لوگوں کو مرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہو جو میرے پاس ہیں اور تم زندہ ہو اور وہ لوگ جو تمہارے پاس ہیں وہ بھی زندہ ہوں۔ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے؟ یہ آپؓ نے تین دفعہ لکھا اس پہ۔ مدد! مدد! مدد!

اس کے جواب میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے لکھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے بندے کی طرف۔ اَمَّا بَعد۔ آپؓ کے پاس مدد پہنچ گئی۔ کچھ دیر انتظار فرمائیں۔ میں آپؓ کی طرف اونٹوں کا ایک قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا پہلا اونٹ آپؓ کے پاس ہوگا اور اس کا آخری اونٹ میرے پاس ہوگا یعنی اتنا بڑا قافلہ ہوگا۔ ایک لمبی قطار ہوگی۔

والیٔ مصر حضرت عمرو بن عاصؓ نے اناج اور غلہ کے ایک ہزار اونٹ بھیجے۔ گھی اور کپڑے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ والیٔ عراق حضرت سعدؓ نے دو ہزار اونٹ اناج اور غلّے کے بھیجے۔ کپڑے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ والیٔ شام حضرت امیر معاویہ نے تین ہزار اونٹ غلّے کے بھیجے اور کپڑے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ جب پہلا غلہ آیا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت زبیر بن عوامؓ سے فرمایا۔ تم قافلے کو روک کر اہلِ بادیہ کی طرف پھیر دو۔ یعنی جو گاؤں کے رہنے والے ہیں ان کی طرف پھیر دو۔ ان کو پہلے دو اور ان لوگوں میں تقسیم کر دو۔ بخدا ممکن ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی صحبت کے بعد اس سے افضل کوئی شَے تمہیں حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ اس کے بوروں سے لحاف بنا دو جسے وہ لوگ پہنیں اور اونٹوں کو ان کے لیے ذبح کر دینا۔ وہ لوگ گوشت کھائیں اور اس کی چکنائی اٹھا کر لے جائیں۔ تم انتظار نہ کرنا کہ وہ کہیں کہ ہم لوگ بارش کے آنے تک انتظار کریں گے۔ وہ لوگ آٹا پکائیں اور جمع کریں یہاں تک کہ اللہ ان کے لیے کشادگی کا حکم لائے۔ یعنی کچھ پکائیں، کھائیں اور کچھ جو ہے وہ سٹور بھی کر لیں۔ حضرت عمرؓ کھانا تیار کرواتے اور ان کا منادی اعلان کرتا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ کھانے کے وقت حاضر ہو اور کھانا چاہے تو وہ ضرور ایسا کرے۔ اور جو پسند کرتا ہے کہ جو کھانا اس کے لیے اور اس کے گھر والوں کے لیے کفایت کرے تو وہ آئے اور وہ لے جائے۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو ثرید، یعنی روٹی کو توڑ کر شوربہ میں ڈال کر جو کھانا تیار ہوتا ہے وہ کھلاتے تھے۔ یہ روٹی ہوتی تھی جس کے ساتھ زیتون کا سالن ہوتا تھا جو فوراً دیگوں میں پکایا جاتا تھا۔ اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ **حضرت عمرؓ بھی سب لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے جس طرح وہ کھاتے تھے۔**

اگر اللہ نے قحط رفع نہ کیا تو حضرت عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں مر ہی جائیں گے

عبد اللہ بن زید بن اسلم اپنے دادا اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مسلسل روزے رکھتے رہے۔ عام الرمادۃ کے زمانے میں شام کے وقت حضرت عمرؓ کے پاس روٹی لائی جاتی جو زیتون کے تیل کے

ساتھ ملی ہوتی تھی۔ لوگوں نے ایک روز اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلائے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے عمدہ حصہ رکھ لیا۔ جب حضرت عمرؓ کے پاس وہ حصہ لایا گیا تو اس میں کوہان اور کلیجی کے ٹکڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے آئے؟ تو بتایا گیا کہ اے امیر المومنین! یہ ان اونٹوں سے ہے جو آج ہم نے ذبح کیے تھے۔ آپؓ نے فرمایا **افسوس! افسوس! میں کیا ہی بُرا نگران ہوں گا اگر اس کا اچھا حصہ میں کھاؤں اور لوگوں کو اس کا ردّی حصہ کھلاؤں۔ یہ پیالہ اٹھا لو اور ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی اَور کھانا لاؤ۔** چنانچہ روٹی اور زیتون کا تیل لایا گیا۔ آپؓ نے روٹی اپنے ہاتھ سے توڑی اور اس سے ثرید بنایا۔ پھر آپؓ نے اپنے غلام سے فرمایا۔ اے یَرْفَا! تمہارا بھلا ہو یہ پیالہ ثَمْغ میں ایک گھر والوں کے پاس لے جاؤ۔ ثَمْغ بھی مدینہ کے قریب کھجوروں کا ایک باغ تھا جس کے مالک حضرت عمرؓ تھے۔ انہوں نے اس باغ کو وقف کیا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین دن سے مَیں نے ان کو کچھ نہیں دیا اور میرا خیال ہے کہ وہ خالی پیٹ ہوں گے۔ یہ ان کے سامنے پیش کر دو۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قحط کے دنوں میں حضرت عمرؓ نے ایک نیا کام کیا جسے وہ پہلے نہ کیا کرتے تھے اور وہ یہ تھا کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر میں داخل ہو جاتے اور آخر شب تک مسلسل نماز پڑھتے رہتے۔ پھر آپؓ باہر نکلتے اور مدینہ کے اطراف میں چکر لگاتے رہتے۔ ایک رات سحری کے وقت میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ ھَلَاکَ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلٰی یَدَیَّ کہ اے اللہ! میرے ہاتھوں محمد ﷺ کی امت کو ہلاکت میں نہ ڈالنا۔

محمد بن یحییٰ بن حبان بیان کرتے ہیں کہ قحط کے ایام میں حضرت عمرؓ کے پاس ایک دفعہ چربی میں ڈوبی ہوئی روٹی لائی گئی۔ آپؓ نے ایک بدوی کو اپنے پاس بلایا اور وہ آپؓ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ وہ جلدی جلدی پیالے کے کناروں سے چربی لینے لگا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم تو ایسے کھا رہے ہو جیسے کبھی چربی نہیں دیکھی۔ اس نے کہا بے شک میں نے کئی دنوں سے نہ گھی کھایا ہے اور نہ زیتون اور نہ ہی کسی کو یہ کھاتے دیکھا ہے۔ یہ بات سن کر **حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ وہ نہ تو گوشت چکھیں گے اور نہ ہی گھی یہاں تک کہ لوگ پہلے کی طرح خوشحال ہو جائیں۔** ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے نہ گوشت کھایا اور نہ ہی گھی یہاں تک کہ لوگ خوشحال ہو گئے اور گھی وغیرہ نہ کھانے اور صرف تیل کھانے کی وجہ سے آپؓ کا پیٹ گڑ گڑاتا تھا۔ آپؓ کہتے یعنی اپنے پیٹ کو مخاطب کر کے کہ تم گڑ گڑاتے رہو۔ اللہ کی قسم! تمہیں کچھ اَور نہیں ملے گا تاوقتیکہ لوگ خوشحال نہ ہو جائیں اور پہلے جیسا کھانا شروع نہ کر دیں۔ عِیَاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ **میں نے قحط کے سال حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ آپؓ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا حالانکہ پہلے آپؓ کا رنگ سفید تھا۔** ہم کہتے یہ کیسے ہوا تو راوی نے بتایا کہ حضرت عمرؓ ایک عربی آدمی تھے۔ وہ گھی اور دودھ کا استعمال کرتے تھے۔ جب لوگوں پر قحط آیا تو انہوں نے یہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں یہاں تک کہ لوگ خوشحال ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے تیل کے ساتھ کھانا کھایا جس سے آپؓ

کا رنگ تبدیل ہو گیا اور جب فاقہ کشی کی تو یہ رنگ مزید تبدیل ہو گیا۔

اسامہ بن زید بن اسلم نے اپنے دادا سے روایت کی کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ نے قحط رفع نہ کیا تو حضرت عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں مر ہی جائیں گے۔

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قحط کے زمانے میں سارے عرب سے لوگ مدینہ آئے۔ **حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کا انتظام کریں اور انہیں کھانا کھلائیں۔** مدینہ کے چاروں طرف حضرت عمرؓ نے مختلف اصحاب کی ڈیوٹی لگا دی تھی جو ایک ایک لمحہ کی خبر شام کو جمع ہو کر آپؓ کو دیتے تھے۔ صبح سے لے کے شام تک جو خبریں بھی ہوتی تھیں شام کو آپؓ کے پاس لائی جاتی تھیں۔ آپؓ کو وہ خبریں پہنچائی جاتی تھیں۔ مدینہ کے مختلف علاقوں میں بدوی لوگ آئے ہوئے تھے۔

ایک رات جب لوگ رات کا کھانا کھا چکے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جنہوں نے ہمارے ساتھ رات کا کھانا کھایا ہے ان کا شمار کرو۔ چنانچہ ان کا شمار کیا گیا تو سات ہزار کے قریب افراد تھے۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ جو نہیں آئے انہیں اور مریضوں اور بچوں کو بھی شمار کرو۔ جب گنتی کی گئی تو وہ چالیس ہزار کی تعداد تھی۔ چند دن بعد یہ تعداد بڑھ گئی۔ دوبارہ گنتی کی گئی تو جو لوگ آپؓ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے ان کی تعداد دس ہزار اور دوسروں کی تعداد پچاس ہزار ہو گئی۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی۔ جب بارش ہوئی تو میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپؓ نے اپنے عاملین کو حکم دیا کہ سب لوگوں کا ان کے اپنے اپنے علاقے میں واپسی کا انتظام کریں اور انہیں غلّہ اور سواریاں بھی مہیا کریں۔ راوی کہتے ہیں **میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بنفس نفیس ان لوگوں کو روانہ کرنے کے لیے آتے تھے۔**[150]

ارد گرد کے لوگ بھوک سے تنگ آ کے شہر میں آ گئے تھے۔ کھانا ان کو یہاں ملتا تھا۔ جب حالات ٹھیک ہو گئے، بارشیں ہو گئیں اور زراعت وغیرہ ہو سکتی تھی تو پھر آپؓ نے کہا واپس جاؤ اور محنت کرو اور اپنی کھیتیوں کو آباد کرو۔

تاریخ طبری میں اس قحط کے ختم ہونے کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص نے خواب دیکھا جس کے مطابق **آنحضرت ﷺ نے دعا کی طرف توجہ دلائی جس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ نماز استسقاء پڑھی جائے گی۔**

حضرت عمرؓ نے فرمایا: مصیبت اپنے انتہا کو پہنچ چکی اور اب ان شاء اللہ ختم ہونے والی ہے۔ جس قوم کو دعا کی توفیق مل گئی پس سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی مصیبت دور ہو گئی۔ آپؓ نے دیگر شہروں کے گورنروں کے نام خط تحریر فرمائے کہ تم مدینہ اور ان کے اطراف کے بندگانِ خدا کے لیے نماز استسقاء پڑھو کیونکہ وہ مصیبت کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو نماز استسقاء کے لیے باہر میدان میں جمع کیا اور حضرت عباسؓ کو لے کر حاضر ہوئے، مختصر خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی پھر دو زانو ہو کر بیٹھے اور دعا شروع کی۔ اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا۔ اے اللہ! ہم

صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کے خواہاں ہیں۔ اے اللہ! ہمیں معاف فرما! ہم پر رحم کر اور ہم سے راضی ہو جا۔ اس کے بعد آپؓ واپس لوٹے۔ ابھی گھر نہیں پہنچ پائے تھے کہ میدان میں بارش کی وجہ سے تالاب بن گیا۔ [151]

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

اے اللہ! تیرے نبی ﷺ کے زمانے میں جب ہم پر خشک سالی ہوتی تو ہم تیرے نبی کے واسطے بارش کی دعا کیا کرتے تھے تو تُو ہم پر بارش برساتا تھا۔ آج ہم تجھے تیرے نبی ﷺ کے چچا کا واسطہ دے کر دعا کر رہے ہیں۔ پس تُو ہماری یہ قحط سالی ختم کر دے اور ہم پر بارش نازل فرما۔ چنانچہ لوگ ابھی اپنی جگہوں سے ہٹے نہ تھے کہ بارش برسنی شروع ہو گئی۔ [152]

مسجد نبوی میں چٹائیاں بچھانے کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ پہلے لوگ اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور فرش پہ یا کچی جگہ پہ نماز پڑھتے تھے۔ ماتھے پہ مٹی لگ جایا کرتی تھی۔ اس کے بعد پھر چٹائیوں کا رواج ہوا۔ اس بارے میں عبد اللہ بن ابراہیم سے روایت ہے کہ سب سے پہلے مسجد نبویؐ میں جس نے چٹائی بچھائی وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے۔ پہلے لوگ جب اپنا سر سجدے سے اٹھاتے تو اپنے ہاتھ جھاڑا کرتے تھے۔ اس پر آپؓ نے چٹائیاں بچھانے کا حکم دیا جو عَقیق سے لائی گئیں اور مسجد نبوی میں بچھائی گئیں۔

عَقیق بھی ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ کے جنوب مغرب سے شروع ہو کر شمال مغرب تک تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر تک پھیلی ہوئی وادی ہے۔ کہتے ہیں بہت بڑی وادی ہے۔ [153]

مسجد نبوی میں توسیع

حضرت عمرؓ کے زمانے میں سترہ ہجری میں مسجد نبویؐ کی توسیع بھی ہوئی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دَور میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اسی حال میں رہنے دیا اور اس میں کوئی توسیع یا تبدیلی نہ کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تعمیرِ نَو اور توسیع کروائی مگر اس کی ہیئت اور طرزِ تعمیر میں کوئی تبدیلی نہ کرائی۔ انہوں نے بھی اسے اسی طرح کے طرزِ تعمیر سے بنوایا۔ چھت پہلے کی طرح کھجور کے پتوں کی ہی رہی۔ انہوں نے صرف ستون لکڑی کے ڈلوا دیے۔

حضرت عمرؓ نے سترہ ہجری میں مسجد کی تعمیر کو اپنی زیر نگرانی مکمل کروایا۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ سو ضرب سو (100X100) ذرع یعنی تقریباً پچاس ضرب پچاس (50X50) میٹر سے بڑھ کر ایک سو چالیس ضرب ایک سو بیس (140X120) ذرع تقریباً ستر ضرب ساٹھ (70X60) میٹر ہو گیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بھی مسجد نبویؐ وہی رہی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی تاہم حضرت عمرؓ کی تعمیر نو کے ساتھ اس میں کافی توسیع ہو گئی تھی۔

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیرِ نَو کی جائے اور لوگوں کو بارش سے بچانے کا بندوبست کیا جائے تاہم سرخ و سفید تزئین سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہی تزئین انسان کو مصائب میں دوچار کر دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کفایت شعاری سے کام لیا اور مسجد کو اسی طرز پر استوار کیا جیسا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے دَورِ مبارک میں ہوا کرتی تھی۔ مسجد کی توسیع کرتے وقت انہیں اس سے ملحقہ مکانات حاصل کرنے پڑے جو کہ شمال جنوب اور مغربی جانب تھے۔ کچھ لوگوں نے برضاو رغبت اپنی زمینیں مسجد کے لیے ہبہ کر دیں اور کچھ کے لیے حضرت عمرؓ کو افہام و تفہیم اور مالی ترغیب کا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ اس طرح کچھ زمین آپؓ کو خرید کر مسجد میں شامل کرنا پڑی۔[154]

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مردم شماری کا رواج بھی شروع ہوا یا آپؓ نے کروائی اور راشننگ سسٹم (rationing system) بھی خوراک کے لیے مقرر ہوا۔ اس ضمن میں حضرت مصلح موعودؓ نے لکھا ہے کہ:

اسلامی حکومت کا نظم و نسق کس طرح چلتا تھا اور کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ کیا کیا نئی باتیں انتظامی معاملات میں پیدا اور شروع کی گئیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مدینہ میں آکر پہلا کام یہی کیا تھا کہ جائیداد والوں کو بے جائیداد والوں کا بھائی بنا دیا۔ انصار جائیدادوں کے مالک تھے اور مہاجر بے جائیداد تھے۔ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے انصار اور مہاجرین دونوں میں مؤاخات قائم فرما دی اور ایک ایک جائیداد والے کو ایک ایک بے جائیداد والے سے ملا دیا اور اس میں بعض لوگوں نے اتنا غلو کیا کہ دولت تو الگ رہی، بعض کی اگر دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں یہ پیشکش کی کہ وہ ان کی خاطر اپنی ایک بیوی کو طلاق دینے کو تیار ہیں۔ وہ ان سے بے شک شادی کر لیں۔

یہ مساوات کی پہلی مثال تھی جو رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مدینہ میں جاتے ہی قائم فرمائی کیونکہ حکومت کی بنیاد دراصل مدینہ میں ہی پڑی تھی۔ اس زمانہ میں زیادہ دولتیں نہ تھیں۔ یہی صورت تھی کہ امیر اور غریب کو اس طرح ملا دیا جائے کہ ہر شخص کو کھانے کے لیے کوئی چیز مل سکے۔

پھر ایک جنگ کے موقع پر بھی رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس طریق کو استعمال فرمایا گو اس کی شکل بدل دی۔ ایک جنگ کے موقع پر آپؐ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں رہی یا اگر ہے تو بہت ہی کم اور بعض کے پاس کافی چیزیں ہیں۔ تو یہ صورت حال دیکھ کر رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس جس کے پاس جو کوئی چیز ہے وہ لے آئے اور ایک جگہ جمع کر دی جائے۔ چنانچہ سب چیزیں لائی گئیں اور آپؐ نے راشن مقرر کر دیا۔ گویا یہاں بھی وہی طریق آ گیا کہ سب کو کھانا ملنا چاہیے۔

جب تک ممکن تھا سب لوگ الگ الگ کھاتے رہے مگر جب یہ امر ناممکن ہو گیا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ بعض لوگ بھوکے رہنے لگ جائیں گے تو رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اب تمہیں علیحدہ کھانے کی اجازت نہیں، اب سب کو ایک جگہ سے برابر کھانا ملے گا۔ یہ موقع کی مناسبت کے لحاظ سے فیصلہ ہوا تھا۔ کوئی سوشلزم کا یا کمیونزم کا نظریہ نہیں قائم کیا گیا تھا۔

بہر حال صحابہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اس حکم پر ہم نے اس سختی سے عمل کیا کہ اگر

ہمارے پاس ایک کھجور بھی ہوتی تو ہم اس کا کھانا سخت بد دیانتی سمجھتے تھے اور اس وقت تک چین نہیں لیتے تھے جب تک کہ اس کو سٹور میں داخل نہیں کر دیتے تھے۔ یہ دوسرا نمونہ تھا جو رسول کریم ﷺ نے دکھایا۔ جب تک کہ حالات خراب تھے اس وقت تک یہ اسی طرح ہوتا تھا اور یہ نمونہ آپؐ نے قائم کیا۔

پھر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں دولت بھی آئی اور خزانوں کے منہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیے۔ مگر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس بارہ میں تفصیلی نظام رسول کریم ﷺ کے بعد جاری ہوتا لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ یہ صرف رسول کریم ﷺ کی خصوصیت تھی۔ کوئی اَور شخص اسے جاری نہیں کر سکتا۔ جب دولتیں آ گئیں تو پرانا نظام جاری ہو گیا لیکن بعد میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جاری کرنے کا انتظام فرمایا۔ وہ کس طرح؟ آپ لکھتے ہیں کہ چنانچہ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھ سے ایک نمونہ قائم کر دیا اور ادھر مدینہ پہنچتے ہی انصار نے اپنی دولتیں مہاجرین کے سامنے پیش کر دیں۔ مہاجرین نے کہا ہم یہ زمینیں مفت میں لینے کے لیے تیار نہیں۔ ہم ان زمینوں پر بطور مزارع کام کریں گے اور تمہارا حصہ تمہیں دیں گے۔ لیکن یہ مہاجرین کی طرف سے اپنی ایک خواہش کا اظہار تھا۔ انصار نے اپنی جائیدادوں کے دینے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے گورنمنٹ راشن دے تو کوئی شخص نہ لے۔ اس سے گورنمنٹ زیرِ الزام نہیں آئے گی۔ یہی کہا جائے گا کہ گورنمنٹ نے تو راشن مقرر کر دیا تھا۔ اب دوسرے شخص کی مرضی تھی کہ وہ چاہے لیتا یا نہ لیتا۔ اسی طرح انصار نے سب کچھ دے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مہاجرین نے نہ لیا۔ غرض عملی طور پر رسول کریم ﷺ نے یہ کام اپنی زندگی میں ہی شروع فرما دیا تھا۔ یہاں تک کہ جب بحرین کا بادشاہ مسلمان ہوا تو آپؐ نے اسے ہدایت فرمائی کہ تمہارے ملک میں جن لوگوں کے پاس گزارہ کے لیے کوئی زمین نہیں ہے تم ان میں سے ہر شخص کو چار درہم اور لباس گزارہ کے لیے دو تا کہ وہ بھوکے اور ننگے نہ رہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کے پاس دولتیں آنی شروع ہو گئیں۔ چونکہ مسلمان کم تھے اور دولت زیادہ تھی اس لیے کسی نئے قانون کے استعمال کی اس وقت ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ جو غرض تھی وہ پوری ہو رہی تھی۔ اصول یہ ہے کہ جب خطرہ ہو تب قانون جاری کیا جائے اور جب نہ ہو اس وقت اجازت ہے کہ حکومت اس قانون کو جاری کرے یا نہ کرے۔ پھر جو بات میں نے شروع کی تھی، جو میں بیان کرنا چاہتا تھا بیچ میں دوسری تفصیل آ گئی۔ اب وہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ نظام کس طرح جاری ہوا؟

جب رسول کریم ﷺ وفات پا گئے اور مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلنا شروع ہوئے تو اس وقت غیر قومیں بھی اسلام میں شامل ہو گئیں۔ عرب لوگ تو ایک جتھہ اور ایک قوم کی شکل میں تھے اور وہ آپس میں مساوات بھی قائم رکھتے تھے۔ جب اسلام مختلف گوشوں میں پہنچا اور مختلف قومیں اسلام میں داخل ہونی شروع ہوئیں تو ان کے لیے روٹی کا انتظام بڑا مشکل ہو گیا۔ **آخر حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کی مردم شماری کرائی اور راشننگ سسٹم (rationing system) قائم کر دیا** جو بنو امیہ کے عہد تک

جاری رہا۔ یورپین مؤرخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سب سے پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کروائی تھی اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ سب سے پہلی مردم شماری رعایا سے دولت چھیننے کے لیے نہیں بلکہ ان کی غذا کا انتظام کرنے کے لیے جاری کی تھی۔ اَور حکومتیں تو اس لیے مردم شماری کراتی ہیں کہ لوگ قربانی کے بکرے بنیں اور فوجی خدمات بجالائیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس لیے مردم شماری نہیں کرائی کہ لوگ قربانی کے بکرے بنیں بلکہ اس لیے کرائی کہ ان کے پیٹ میں روٹی ڈالی جائے، یہ دیکھا جائے کہ کتنے لوگ ہیں اور خوراک کا کتنا انتظام کرنا ہے؟

چنانچہ مردم شماری کے بعد تمام لوگوں کو ایک مقررہ نظام کے ماتحت غذا ملتی اور جو باقی ضروریات رہ جاتیں ان کے لیے انہیں ماہوار کچھ رقم دے دی جاتی اور اس بارہ میں اتنی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شام فتح ہوا اور وہاں سے زیتون کا بے شمار تیل آیا اور ہر ایک کو زیتون کا تیل ملنے لگ گیا۔ تو آپؓ نے ایک دفعہ لوگوں سے کہا کہ زیتون کے استعمال سے میرا پیٹ پھول جاتا ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ کو خود بھی ملتا تھا، اس میں سے تیل لیتے تھے تو آپؓ نے کہا کہ زیتون کا جب مَیں زیادہ استعمال کروں تو میرا پیٹ پھول جاتا ہے۔ تم مجھے اجازت دو تو میں بیت المال سے اتنی ہی قیمت کا گھی لے لیا کروں۔ اور زیتون کیونکہ میری صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے تو جتنی قیمت کا زیتون ہے اتنی قیمت کا گھی لے لیا کروں۔ غرض یہ پہلا قدم تھا جو اسلام میں لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اٹھایا گیا اور ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام قائم ہو جائے تو اس کے بعد کسی اَور نظام کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ سارے ملک کی ضروریات کی ذمہ دار حکومت ہو گی۔ ان کا کھانا، ان کا پینا، ان کا پہننا، ان کی تعلیم، ان کی بیماریوں کا علاج اور ان کی رہائش کے لیے مکانات کی تعمیر یہ سب کا سب اسلامی حکومت کے ذمہ ہو گا اور اگر یہ ضروریات پوری ہوتی رہیں تو کسی بیمہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیمے اس لیے لوگ کرواتے ہیں ناں کہ بعد میں ہم اپنے بچوں کے لیے کچھ چھوڑ جائیں یا جب بڑھاپے میں کمائی نہیں کر سکتے تو اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ جب حکومت یہ ذمہ داری لے لے تو پھر کسی بھی بیمے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ مگر بعد میں آنے والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بادشاہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ چاہے تو کچھ دے اور چاہے تو نہ دے اور چونکہ اسلامی تعلیم ابھی پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی تھی تو وہ لوگ پھر قیصر و کسریٰ کے طریق کی طرف مائل ہو گئے۔ جس طرح دوسرے بادشاہ کرتے تھے وہی طریق پھر رائج ہو گیا۔[155]

اسلامی حکومت کے ہر شخص کے لیے روٹی کپڑے کے انتظام کرنے کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ مزید فرماتے ہیں کہ ”اسلامی حکومت ...... جب وہ اموال کی مالک ہوئی تو اس نے ہر ایک شخص کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا چنانچہ“ وہی بیان ہوا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب نظام مکمل ہوا تو اس وقت اسلامی تعلیم کے ماتحت ہر فرد بشر کے لیے روٹی اور کپڑا مہیا کرنا حکومت کے ذمہ تھا

اور وہ اپنے اِس فرض کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِس غرض کے لیے مردم شماری کا طریق جاری کیا اور رجسٹرات کھولے جن میں تمام لوگوں کے ناموں کا اندراج ہوا کرتا تھا۔ یورپین مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں" جیسا کہ پہلے ذکر بھی آچکا ہے "کہ پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی اور انہوں نے ہی رجسٹرات کا طریق جاری کیا۔ اِس مردم شماری کی وجہ یہی تھی کہ ہر شخص کو روٹی کپڑا دیا جاتا تھا اور حکومت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اِس بات کا علم رکھے کہ کتنے لوگ اِس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ سوویت رشیا نے غربا کے کھانے اور ان کے کپڑے کا انتظام کیا ہے۔ حالانکہ سب سے پہلے اِس قسم کا اقتصادی نظام اسلام نے جاری کیا ہے اور عملی رنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر کے لوگوں کے نام رجسٹر میں درج کیے جاتے تھے۔ ہر شخص کی بیوی، اس کے بچوں کے نام اور ان کی تعداد درج کی جاتی تھی اور پھر ہر شخص کے لیے غذا کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی تا کہ تھوڑا کھانے والے بھی گزارہ کر سکیں اور زیادہ کھانے والے بھی اپنی خواہش کے مطابق کھا سکیں۔ تاریخوں میں ذکر آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں جو فیصلے فرمائے ان میں دودھ پیتے بچوں کا خیال نہیں رکھا گیا تھا اور ان کو اس وقت غلّہ وغیرہ کی صورت میں مدد ملنی شروع ہوتی تھی جب مائیں اپنے بچوں کا دودھ چھڑا دیتی تھیں۔" جیسا کہ گذشتہ خطبہ میں میں نے بیان کیا تھا کہ "ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے گشت لگا رہے تھے کہ ایک خیمہ میں سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے۔ مگر بچہ تھا کہ روتا چلا جاتا تھا اور ماں اسے تھپکیاں دے رہی تھی تا کہ وہ سو جائے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خیمہ کے اندر گئے اور عورت سے کہا کہ تم بچے کو دودھ کیوں نہیں پلاتی۔ یہ کتنی دیر سے رو رہا ہے؟ اس عورت نے آپؓ کو پہچانا نہیں۔ اس نے سمجھا کہ کوئی عام شخص ہے۔ چنانچہ اس نے جواب میں کہا کہ تمہیں معلوم نہیں عمرؓ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دودھ پینے والے بچہ کو غذا نہ ملے۔ ہم غریب ہیں ہمارا گزارہ تنگی سے ہوتا ہے۔ میں نے اس بچے کا دودھ چھڑا دیا ہے تا کہ بیت المال سے اس کا غلہ بھی مل سکے۔ اب اگر یہ روتا ہے تو روئے عمرؓ کی جان کو جس نے ایسا قانون بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت واپس آئے اور راستہ میں نہایت غم سے کہتے جاتے تھے کہ عمر! عمر! معلوم نہیں تُو نے اس قانون سے کتنے عرب بچوں کا دودھ چھڑوا کر آئندہ نسل کو کمزور کر دیا ہے۔ ان سب کا گناہ اب تیرے ذمہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپؓ سٹور میں آئے، دروازہ کھولا اور ایک بوری آٹے کی اپنی پیٹھ پر اٹھالی۔ کسی شخص نے کہا کہ لائیے میں اس بوری کو اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نہیں! غلطی میری ہے اور اب ضروری ہے کہ اس کا خمیازہ بھی میں ہی بھگتوں۔ چنانچہ وہ بوری آٹے کی انہوں نے اس عورت کو پہنچائی اور دوسرے ہی دن حکم دیا کہ جس دن بچہ پیدا ہو اسی دن سے اس کے لیے غلہ مقرر کیا جائے کیونکہ اس کی ماں جو اس کو دودھ پلاتی ہے زیادہ غذا

کی محتاج ہے۔“[156]

پھر حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”**اسلام ہی ہے جس نے ملکی حقوق بھی قائم کیے ہیں۔** اسلام کے نزدیک ہر فرد کی خوراک، رہائش اور لباس کی ذمہ دار حکومت ہے اور اسلام نے ہی سب سے پہلے اس اصول کو جاری کیا ہے۔ اب دوسری حکومتیں بھی اس کی نقل کر رہی ہیں مگر پورے طور پر نہیں۔ بیمے کیے جا رہے ہیں۔ فیملی پنشنیں دی جا رہی ہیں۔ مگر یہ کہ جوانی اور بڑھاپے دونوں میں خوراک اور لباس کی ذمہ وار حکومت ہوتی ہے یہ اصول اسلام سے پہلے کسی مذہب نے پیش نہیں کیا۔ دنیاوی حکومتوں کی مردم شماریاں اس لئے ہوتی ہیں تا ٹیکس لیے جائیں یا فوجی بھرتی کے متعلق یہ معلوم کیا جائے کہ ضرورت کے وقت کتنے نوجوان مل سکتے ہیں۔ مگر اسلامی حکومت میں سب سے پہلی مردم شماری جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کروائی گئی تھی وہ اس لئے کروائی گئی تھی تا کہ تمام لوگوں کو کھانا اور کپڑا مہیا کیا جائے اس لئے نہیں کہ ٹیکس لگایا جائے یا یہ معلوم کیا جائے کہ ضرورت کے وقت فوج کے لئے کتنے نوجوان مل سکیں گے بلکہ وہ مردم شماری محض اس لئے تھی کہ تا ہر فرد کو کھانا اور کپڑا مہیا کیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مردم شماری رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوئی تھی مگر اس وقت ابھی مسلمانوں کو حکومت حاصل نہیں ہوئی تھی اس لئے اس مردم شماری کا مقصد محض مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنا تھی۔ جو مردم شماری اسلامی حکومت کے زمانہ میں سب سے پہلے ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی اور اس لئے ہوئی تا کہ ہر فرد کو کھانا اور کپڑا مہیا کیا جائے۔ یہ کتنی بڑی اہم چیز ہے جس سے تمام دنیا میں امن قائم ہو جاتا ہے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ درخواست دے دو اس پر غور کیا جائے گا اسے ہر انسان کی غیرت برداشت نہیں کر سکتی“ کہ درخواستیں منگوائی جائیں پھر غور کیا جائے۔ ”اس لئے اسلام نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کھانا اور کپڑا حکومت کے ذمہ ہے اور یہ ہر امیر اور غریب کو دیا جائے گا خواہ وہ کروڑپتی ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ آگے کسی اَور کو ہی کیوں نہ دے دے تا کہ کسی کو یہ محسوس نہ ہو کہ اسے ادنیٰ خیال کیا جاتا ہے۔“[157]

جو امیروں کو ملے گا تو امیر بھی اگر وہ تقویٰ پر چلنے والے ہیں تو بجائے اس سے فائدہ اٹھانے کے وہ پھر آگے ضرورت مندوں کو دیں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ممالک کو صوبہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ بیس ہجری میں مقبوضہ ممالک کو حضرت عمرؓ نے آٹھ صوبوں میں تقسیم فرمایا تا کہ انتظامی امور میں آسانی رہے۔ نمبر ایک مکہ، نمبر دو مدینہ، نمبر تین شام، نمبر چار جزیرہ، نمبر پانچ بصرہ، نمبر چھ کوفہ، نمبر سات مصر اور نمبر آٹھ فلسطین۔[158]

پھر شوریٰ کا قیام آپؓ کے زمانے میں ہوا۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ یعنی مہاجرین اور انصار کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے اَوس اور خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ اس مجلس شوریٰ میں حضرت عثمانؓ،

حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اُبَی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ شامل ہوتے تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ اَلصلوٰۃُ جَامِعَۃٌ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمرؓ مسجد نبویؐ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ اس پر بحث ہوتی تھی۔ معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی اہم امر پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمّال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ غرض اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جو شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اَور مجلس تھی وہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے رائے لی جاتی تھی۔ **مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔** صوبہ جات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عُمّال خراج مقرر کیے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو۔[159]

عاملین کی تقرری اور ان کے لیے کیا ہدایات دیں؟ حضرت عمرؓ کس طرح ہدایات دیتے تھے؟ اس بارے میں لکھا ہے کہ اہم خدمات کے لیے عہدیداروں کی تقرری شوریٰ کے ذریعہ کی جاتی۔ جس پر سب ارکان اتفاق کر لیتے اُس کا انتخاب کر لیا جاتا۔ بعض اوقات صوبہ یا ضلع کے حاکم کو حکم بھیجتے کہ جو شخص زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو حضرت عمرؓ عامل مقرر فرما دیتے۔ حضرت عمرؓ نے عاملین کی زیادہ تنخواہیں مقرر فرمائی تھیں۔ یہ بھی بڑی حکمت ہے تاکہ ایمانداری سے یہ لوگ اپنے کام کر سکیں، کوئی دنیاوی لالچ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ عہدے داروں کو یہ نصائح فرماتے کہ یاد رکھو! میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرنا۔ ان کو زدوکوب نہیں کرنا کہ وہ ذلیل ہوں۔ سزائیں نہیں دینی بلکہ ان کے حق ادا کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ کسی کی بے جا تعریف نہیں کرنی کہ وہ فتنوں میں پڑیں۔ ان کے لیے اپنے دروازے ہمیشہ بند نہ رکھنا کہیں طاقتور کمزوروں کو نہ کھا جائیں۔ اپنے آپ کو کسی پر ترجیح نہ دینا کہ یہ ان پر ظلم ہے۔ جو شخص عامل مقرر ہوتا اس سے یہ عہد لیا جاتا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہو گا۔

باریک کپڑے نہیں پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا۔ دروازے پر دربان مقرر نہیں کرے گا۔ ضرورت مندوں کے لیے ہمیشہ دروازے کھلے رکھے گا۔ یہ ہدایات تمام عاملین کے لیے تھیں اور لوگوں میں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں۔ عاملین مقرر کرنے کے بعد ان کے مال و اسباب کی جانچ کی جاتی تھی۔ اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی جس کے بارے میں وہ تسلی نہ کرواسکتے تو اس کا مؤاخذہ کیا جاتا اور زائد مال بیت المال میں جمع کروالیا جاتا۔ عاملین کو حکم تھا کہ حج کے موقع پر لازمی جمع ہوں۔ وہاں پبلک عدالت لگتی جس میں کسی شخص کو کسی عامل سے شکایت ہوتی تو فوراً اس کا ازالہ کیا جاتا۔ عاملین کی شکایات پیش ہوتیں ان کی تحقیقات کے متعلق بھی ایک عہدہ قائم تھا جس پر کبار صحابہ ہوتے جو تحقیقات کے لیے جاتے اور اگر شکایت سچ ہوتی تو عاملین کا مؤاخذہ کیا جاتا۔[160]

عاملین کی شکایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا ہی واقعہ ہے۔ کوفے کے لوگ بڑے باغی تھے اور وہ ہمیشہ اپنے افسروں کے خلاف شکایتیں کرتے رہتے تھے کہ فلاں قاضی ایسا ہے۔ فلاں میں یہ نقص ہے اور فلاں میں وہ نقص ہے۔ حضرت عمرؓ ان کی شکایات پر حکام کو بدل دیتے اور اَور افسر مقرر کر کے بھیج دیتے اور ان افسروں کو بدل دیتے۔ دوسرے افسر مقرر کر کے بھیج دیتے۔ بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کو یہ بھی کہا کہ یہ طریق درست نہیں ہے۔ اس طرح بدلتے رہیں گے تو وہ شکایتیں کرتے رہیں گے، آپؓ بار بار افسر کو نہ بدلیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں افسروں کو بدلتا ہی چلا جاؤں گا یہاں تک کہ کوفے والے خود ہی تھک جائیں۔ جب اسی طرح ایک عرصہ تک ان کی طرف سے شکایتیں آتی رہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا اب میں کوفہ والوں کو ایک ایسا گورنر بھجواؤں گا جو انہیں سیدھا کر دے گا۔ یہ گورنر انیس سال کا ایک نوجوان تھا جو حضرت عمرؓ نے سیدھا کرنے کے لیے بھیجا۔ اس انیس سالہ نوجوان کا نام عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تھا۔ جب کوفے والوں کو پتہ لگا کہ انیس سال کا ایک لڑکا ان کا گورنر مقرر ہو کر آیا ہے تو انہوں نے کہا آؤ ہم سب مل کر اس سے مذاق کریں۔ کوفہ کے لوگ شریر اور شوخ تو تھے ہی۔ انہوں نے بڑے بڑے جبّہ پوش لوگوں کو جو ستّر ستّر، اسّی اسّی، نوّے نوّے سال کے تھے اکٹھا کیا اور فیصلہ کیا کہ ان سب بوڑھوں کے ساتھ شہر کے تمام لوگ مل کر عبدالرحمٰن کا استقبال کرنے کے لیے جائیں اور مذاق کے طور پر اس سے سوال کریں کہ جناب کی عمر کیا ہے؟ اس سے اس کی عمر پوچھیں۔ جب وہ جواب دے گا تو خوب ہنسی اڑائیں گے۔ اس کا مذاق اڑائیں گے کہ چھوکرا ہمارا گورنر بن گیا ہے۔ چنانچہ اسی سکیم کے مطابق وہ شہر سے دو تین میل باہر اس کا استقبال کرنے کے لیے آئے۔ ادھر سے گدھے پر سوار عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی آنکلے۔ کوفہ کے تمام لوگ صفیں باندھ کر کھڑے تھے اور سب سے اگلی قطار بوڑھے سرداروں کی تھی۔ جب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قریب پہنچے تو ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ ہی ہمارے گورنر مقرر ہو کر آئے ہیں اور عبدالرحمٰن آپ ہی کا نام ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس پر ان میں سے ایک بہت بوڑھا

آدمی آگے بڑھا اور اس نے کہا جناب کی عمر؟

عبدالرحمٰن نے کہا میری عمر! تم میری عمر کا اندازہ اس سے لگا لو کہ جب رسول کریم ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کو دس ہزار صحابہؓ کا سردار بنا کر بھیجا تھا جس میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے تو جو عمر اس وقت اسامہ بن زیدؓ کی تھی اس سے ایک سال میری عمر زیادہ ہے۔ یہ سنتے ہی جیسے اوس پڑ جاتی ہے وہ سب شرمندہ ہو کے پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ جب تک یہ لڑکا یہاں رہے خبردار تم نہ بولنا ورنہ یہ کھال ادھیڑ دے گا۔ چنانچہ انہوں نے بڑے عرصہ تک گورنری کی اور کوفہ والے ان کے سامنے بول نہیں سکتے تھے۔[161]

پھر محاصل کا نظام ہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کی فتوحات کے بعد خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ جو زمینیں بادشاہوں نے مقامی باشندوں سے جبراً چھین کر درباریوں اور امراء کو دی تھیں وہ مقامی لوگوں کو واپس دی گئیں اور ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے حکم جاری فرمادیا کہ اہلِ عرب جو ان ملکوں میں پھیل گئے ہیں زراعت نہیں کریں گے یعنی کہ عرب لوگ جو ہیں وہ زراعت نہیں کریں گے۔ اس کا یہ فائدہ تھا کہ جو زراعت کے متعلق تجربہ مقامی لوگوں کا تھا عرب اس سے واقف نہ تھے۔ ہر علاقے کی زراعت کا اپنا مقامی طریقہ ہے تو اس لیے یہ حکم تھا کہ باہر کے جو آئے ہوئے ہیں وہ زراعت نہیں کریں گے بلکہ زراعت مقامی لوگ ہی کریں گے۔

خراج پہلے لوگوں سے زبردستی لیا جاتا تھا۔ **حضرت عمرؓ نے خراج کے قواعد مرتب کرنے کے بعد** خراج کی وصولی کا طریق بھی نہایت نرم کر دیا اور نئی ترامیم کیں۔ ذِمیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خراج کی وصولی کے وقت باقاعدہ دریافت فرماتے، کسی سے زیادتی تو نہیں ہوئی؟ ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھے ان سے رائے طلب کرتے اور ان کی آرا کا لحاظ کیا کرتے تھے۔[162]

زراعت کی ترقی کے لیے حضرت عمرؓ نے بے آباد زمینوں کے متعلق فرمایا کہ جو ان کو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو گی۔ اس کے لیے تین سال کا وقت مقرر کیا گیا۔ نہریں جاری کی گئیں۔ محکمہ آبپاشی قائم کیا گیا جو تالاب وغیرہ تیار کروانے کا کام بھی کرتا تھا۔[163] تا کہ زراعت بہتر ہو۔[164]

محکمہ قضا کے اجرا کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ قضا کے صیغہ کا اجرا فرمایا۔ تمام اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔ حضرت عمرؓ نے قضا کے متعلق قانونی احکامات بھی صادر فرمائے۔[165]

قاضیوں کے انتخابات میں ماہرین فقہ کو منتخب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا امتحان بھی لیتے تھے۔ قاضیوں کی گراں قدر تنخواہیں مقرر فرماتے تا کہ کوئی غلط فیصلہ نہ کر دے۔ دولت مند اور معزز شخص کو قاضی مقرر فرماتے تا کہ فیصلہ کے وقت کسی کے رعب میں نہ آ سکے۔ حضرت عمرؓ نے عدالت میں مساوات اور انصاف کا لحاظ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت اُبَی

بن کعبؓ کے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا تھا۔ حضرت اُبَیؓ نے زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ کر دیا۔ زیدؓ نے حضرت عمرؓ اور اُبَی کو بلایا اور حضرت عمرؓ کی تعظیم کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اُبَیؓ کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔[166]

یعنی کہ ہم دونوں اب فریق ہیں۔ فریقین کو فریق کی طرح دیکھو اور ساتھ ساتھ بٹھاؤ، نہ کہ مجھے عزت دو۔

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کا ایک دفعہ ایک جھگڑا اُبَی بن کعبؓ سے ہو گیا تھا۔ قاضی کے پاس معاملہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلوایا اور آپؓ کے آنے پر (قاضی نے) اپنی جگہ ادب سے چھوڑ دی" کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ "حضرت عمرؓ فریقِ مخالف کے پاس جا بیٹھے اور قاضی سے فرمایا کہ یہ پہلی بے انصافی ہے جو آپ نے کی ہے۔ اس وقت مجھ میں اور میرے فریق مخالف میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے تھا۔"[167]

حضرت عمرؓ نے افتاء کا محکمہ بھی جاری فرمایا۔

قانونِ شریعت سے واقفیت کے لیے محکمہ افتاء کا قیام فرمایا اور چند صحابہ کو نامزد فرمایا کہ ان کے علاوہ کسی سے فتویٰ نہیں لیا جائے گا۔ ان میں حضرت علیؓ یعنی فتویٰ دینے والوں میں حضرت علیؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت اُبَی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابودرداءؓ تھے۔ ان لوگوں کے سِوا اگر کوئی اَور فتویٰ دیتا تو حضرت عمرؓ اسے منع کر دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان مفتیان کی بھی وقتاً فوقتاً جانچ کرتے رہتے تھے۔[168]

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں فرماتے ہیں ایک صیغہ فتویٰ کا ہے۔ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے بعد زمانۂ خلفاء میں قاعدہ تھا کہ شرعی امور میں فتویٰ دینے کی ہر شخص کو اجازت نہ تھی۔ حضرت عمرؓ تو اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ایک صحابی، غالباً عبداللہ بن مسعودؓ تھے، جو دینی علوم میں بڑے ماہر بھی تھے اور ایک جلیل القدر انسان تھے انہوں نے ایک دفعہ کوئی مسئلہ لوگوں کو بتایا اور اس کی اطلاع آپؓ کو پہنچی یعنی حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپؓ نے فوراً ان سے جواب طلب کیا کہ کیا تم امیر ہو یا امیر نے تم کو مقرر کیا ہے کہ فتویٰ دیتے ہو؟ دراصل اگر ہر ایک شخص کو فتویٰ دینے کا حق ہو تو بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور عوام کے لیے بہت سے فتاویٰ ابتلا کا موجب بن سکتے ہیں کیونکہ بعض اوقات ایک ہی امر کے متعلق دو مختلف فتوے ہوتے ہیں اور دونوں صحیح ہوتے ہیں۔ یعنی کہ صورتِ حال کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مسائل کو اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو اس میں لچک ہوتی ہے اس صورت میں یہ فتویٰ ہو گا اور اس صورت میں یہ فتویٰ ہو گا مگر عوام کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ دونوں کس طرح درست ہیں۔ اس لیے وہ پھر ابتلا میں پڑ جاتے ہیں۔[169]

پھر اسی طرح محکمہ پولیس کا اجرا کیا۔ حضرت عمرؓ نے ملک میں امن قائم رکھنے کی خاطر اَحْدَاث یعنی

پولیس کا محکمہ قائم فرمایا۔ اس محکمہ کو احتساب، امن و امان، بازار کی نگرانی وغیرہ کے اختیارات دیے تھے یعنی کہ لوگوں کو دیکھنا کہ وہ صحیح طرح باتوں پر عمل درآمد کر رہے ہیں کہ نہیں۔ کسی کے حق مارے جا رہے ہیں تو ان کی ادائیگی کروانا۔ جو انتظامی معاملات تھے انہیں دیکھنا جب تک معاملہ قاضی کے پاس نہیں جاتا۔ امن و امان، بازار کی نگرانی وغیرہ، یہ سارے نگرانی کے اختیارات تھے۔ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ جیلیں بھی بنوائیں۔ اس سے قبل جیلوں کا رواج نہیں تھا۔ سخت سزائیں بھی مجرموں کو دی جاتی تھیں۔

پھر اسی طرح بیت المال کا قیام ہے۔ حضرت عمرؓ سے قبل جو بھی مال آتا وہ فوری تقسیم ہو جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں ایک مکان خرید کر بیت المال کے لیے وقف کیا گیا لیکن وہ بند ہی رہتا تھا کیونکہ جو بھی مال آتا اسی وقت تقسیم ہو جاتا۔ 15/ ہجری میں بحرین سے پانچ لاکھ کی رقم آئی تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اس رقم کا کیا کیا جائے۔ ایک رائے یہ تھی کہ سلاطین شام میں خزانے کا محکمہ قائم ہے۔ چنانچہ اس رائے کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا اور مدینہ میں بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن ارقم کو خزانے کا افسر مقرر کیا گیا۔ بعد میں مدینہ کے علاوہ تمام صوبہ جات اور ان کے صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے گئے۔ حضرت عمرؓ عمارتوں کی تعمیر میں کفایت شعاری سے کام لیتے تھے مگر بیت المال کے لیے نہایت مستحکم اور شاندار عمارتیں بنوایا کرتے تھے۔ بعد میں ان پر پہرے دار بھی مقرر کیے گئے تھے۔[170]

اس کے لیے سیکیورٹی کا پورا نظام تھا۔ بیت المال کے مال کے متعلق حضرت عمرؓ خود حفاظت فرماتے تھے۔ ایک واقعہ تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے ایک آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ ایک روز شدید گرمی تھی۔ میں حضرت عثمانؓ کے ہمراہ 'عالیہ' مقام میں ان کے مال مویشیوں کے پاس تھا۔ مدینہ سے نجد کی جانب چار سے آٹھ میل کے درمیان کی وادی ہے اسے 'عالیہ' کہتے ہیں۔ آپؓ نے ایک آدمی کو دیکھا جو دو نوجوان اونٹ ہانک کر لے جا رہا تھا یعنی حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ ایک آدمی آ رہا ہے اور جوان اونٹ اس کے آگے آگے چل رہے ہیں اور زمین شدید گرم تھی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا اس شخص کو کیا ہوا ہے! اگر یہ مدینہ میں رہتا اور موسم ٹھنڈا ہونے کے بعد نکلتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ جب وہ شخص قریب آیا تو حضرت عثمانؓ کے ملازم کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ کون ہے؟ میں نے کہا چادر میں لپٹا ہوا ایک شخص ہے جو دو نوجوان اونٹ ہانک رہا ہے۔ پھر وہ شخص اَور قریب ہوا تو حضرت عثمانؓ نے پھر فرمایا کہ دیکھو کون ہے؟ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے۔ میں نے عرض کی کہ یہ تو امیر المؤمنین ہیں۔ حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور دروازے میں سے سر باہر نکالا لیکن گرم ہوا کی لپٹ پڑی تو آپؓ نے سر اندر کر لیا اور پھر فوراً ہی دوبارہ حضرت عمرؓ کی طرف منہ کر کے عرض کیا۔ آپؓ کو کس مجبوری نے اس وقت گھر سے نکالا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا صدقے کے اونٹوں میں سے یہ دو اونٹ پیچھے رہ گئے تھے ان کے علاوہ باقی سارے اونٹ

ہانک کر لے جائے جا چکے تھے تو میں نے چاہا کہ ان کو چراگاہ میں لے جاؤں۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ دونوں کھو جائیں گے۔ پھر اللہ مجھ سے ان کے بارے پوچھے گا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اے امیر المومنین! آپؓ سائے میں آئیں اور پانی پئیں۔ ہم آپؓ کے لیے کافی ہیں۔ ہم خدمت کر لیتے ہیں۔ ہم بھیجنے کا انتظام کر دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنے سائے میں لَوٹ جاؤ، تم جاؤ سائے میں بیٹھو۔ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہمارے پاس وہ ہے جو آپؓ کے لیے کافی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنے سائے کی طرف لوٹ جاؤ۔ پھر حضرت عمرؓ چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا جو چاہتا ہے کہ وہ اَلْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ یعنی قوی اور امانت دار کو دیکھے تو اس شخص کو دیکھ لے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ عمر بن نافع نے ابو بکر عیسیٰ سے روایت کر کے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے میں حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ صدقے کے وقت آیا۔ حضرت عثمانؓ سائے میں بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ ان کے پاس کھڑے ہو کر وہ باتیں ان سے کہتے جاتے جو حضرت عمرؓ کہتے تھے اور حضرت عمرؓ باوجود سخت گرمی کے دن ہونے کے دھوپ میں کھڑے تھے اور آپؓ کے پاس دو سیاہ چادریں تھیں۔ ایک کی تہبند باندھ لی تھی اور ایک سر پر ڈال لی تھی اور صدقے کے اونٹوں کا معائنہ کر رہے تھے اور اونٹ کے رنگ اور ان کی عمریں لکھتے تھے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کتاب اللہ میں تم نے حضرت شعیب کی بیٹی کا یہ قول سنا ہے؟ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (القصص:27) یقیناً جنہیں بھی تُو نوکر رکھے ان میں بہترین وہی ثابت ہو گا جو مضبوط اور امانت دار ہو۔

پھر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ وہی اَلْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ہے۔[171]

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ ہے۔ حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں ایک دفعہ باہر قُبّہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اتنی شدید گرمی پڑ رہی تھی کہ دروازہ کھولنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں میرے غلام نے مجھے کہا دیکھئے اس شدید دھوپ میں باہر ایک شخص پھر رہا ہے۔ مَیں نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو مجھے ایک شخص نظر آیا جس کا منہ شدتِ گرمی کی وجہ سے جھلسا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ کوئی مسافر ہو گا مگر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ وہ شخص میرے قُبّہ کے قریب پہنچا اور میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی میں گھبرا کر باہر نکل آیا اور میں نے کہا: اس وقت گرمی میں آپ کہاں؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے: بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کی تلاش میں میں باہر پھر رہا ہوں۔"[172]

اونٹ کے گمنے کا یہ بھی ایک واقعہ آتا ہے۔ پہلے بھی ایک دفعہ بیان ہو چکا ہے۔[173]

حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیت المال کا مال تقسیم کر رہے تھے کہ ان کی ایک بیٹی آ گئی اور اس نے اس مال میں سے ایک درہم اٹھا لیا۔ حضرت عمرؓ اسے لینے کے لیے اٹھے۔ آپؓ کے ایک کندھے سے چادر

ڈھلک گئی اور وہ بچی اپنے گھر والوں کے پاس روتی ہوئی بھاگ گئی اور وہ درہم اس نے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ **حضرت عمرؓ نے انگلی ڈال کر اس کے منہ سے وہ درہم نکالا** اور اس کو مال میں لا کر رکھ دیا اور کہا اے لوگو! عمر اور اس کی آل کے لیے خواہ وہ قریبی ہو یا دور کا ان کا اتنا ہی حق ہے جتنا عام مسلمانوں کا ہے۔ اس سے زیادہ کا نہیں۔ ایک اَور روایت ہے۔

حضرت ابوموسیٰ نے ایک دفعہ بیت المال میں جھاڑو دیا تو ان کو ایک درہم ملا۔ حضرت عمرؓ کا ایک چھوٹا بچہ گزر رہا تھا تو انہوں نے وہ اس کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے وہ درہم اس بچے کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا: اس نے کہا کہ یہ مجھے ابوموسیٰ نے دیا ہے تو یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ درہم بیت المال کا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ! کیا اہلِ مدینہ میں سے آلِ عمر کے گھر سے زیادہ حقیر تر تیرے نزدیک کوئی گھر نہیں تھا۔ تُو نے یہ چاہا کہ امتِ محمدیہ ﷺ سے کوئی بھی باقی نہ رہے مگر وہ ہم سے اس ظلم کا مطالبہ کرے۔ پھر آپؓ نے وہ درہم بیت المال میں لوٹا دیا۔[174]

رفاہِ عامہ کے کام کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عوام الناس کی بھلائی اور بہتری کے لیے بہت سے کام سرانجام فرمائے جو درج ذیل ہیں۔ زراعت میں بہتری اور عوام کے لیے پانی کی فراہمی کے لیے نہریں کھدوائیں: 1۔ نہر ابوموسیٰ: دریائے دجلہ سے نو میل لمبی نہر بنا کر بصرہ تک لائی گئی۔ 2۔ نہر مَعْقَل: یہ نہر بھی دریائے دجلہ سے نکالی گئی تھی۔ 3۔ نہر امیر المومنین: حضرت عمرؓ کے حکم سے دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ملایا گیا۔ اٹھارہ ہجری میں جب قحط پھیلا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو امداد کے لیے خط لکھا۔ فاصلہ چونکہ زیادہ تھا اس لیے امداد میں تاخیر ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو کو بلا کر کہا کہ دریائے نیل کو سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں کبھی قحط نہ ہو۔ عَمرو نے جو وہاں کے گورنر تھے واپس جا کر فسطاط سے بحیرۂ قلزم تک نہر تیار کروائی جس کے ذریعہ بحری جہاز مدینہ کی بندرگاہ جدہ تک پہنچ جاتے۔ یہ نہر انیتس میل لمبی تھی اور چھ ماہ کے عرصہ میں تیار کر لی گئی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو آپس میں ملانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ فَرَمَا کے پاس سے جہاں بحر قلزم اور بحر روم میں ستر میل کا فاصلہ تھا نہر نکال کر ان کو ملا دیا جائے۔ فَرَمَا مصر کے نواح میں ایک ساحلی شہر تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ یونانیوں کے ہاتھوں حاجیوں کے لُوٹے جانے کے ڈر سے اس پر رضامند نہ ہوئے۔ اگر عمرو بن عاصؓ کو اجازت مل جاتی تو نہر سویز کی ایجاد عربوں کے حصہ میں آتی جو بعد میں بنائی گئی تھی۔

مختلف تعمیرات: حضرت عمرؓ نے عوام الناس کی سہولت کے لیے مختلف عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ان میں مساجد، عدالتیں، فوجی چھاؤنیاں، بیرکس، ملکی تعمیراتی کاموں کے لیے مختلف دفاتر، سڑکیں، پل، مہمان خانے، چوکیاں، سرائیں وغیرہ۔ مدینہ سے مکہ تک ہر منزل پر چشمے اور سرائیں بنوائیں، چوکیاں بھی تعمیر کروائیں۔[175]

یعنی سیکیورٹی کا بھی انتظام رہے اور لوگوں کی رہائش کے لیے، آرام کرنے کے لیے ہوٹل وغیرہ

بھی، سرائے بھی میسر آ جائیں۔ شہروں کی آبادکاری کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں متعدد نئے شہر آباد فرمائے۔ آپؓ نے ان کو آباد کرتے وقت دفاعی، معاشی اور اقتصادی فوائد کو مدنظر رکھا۔ ان شہروں کے محل وقوع کا انتظام حضرت عمرؓ کی جنگی بصیرت، سیاست اور آبادکاری کے اصولوں پر، دقیق نظر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ شہر حالتِ جنگ اور حالتِ امن دونوں میں فائدہ مند تھے۔

حضرت عمرؓ کی کوشش ہوتی کہ عرب کی جو سرحد عجم سے ملی ہوئی ہے وہاں شہر آباد ہوں تاکہ اچانک حملے سے بچا جاسکے۔ ان شہروں کا محل وقوع اس طرح ہوتا جو عربوں کو موافق ہوتا۔ ان شہروں کے ایک طرف عرب کی سرزمین ہوتی جو چراگاہ کا کام دیتی اور دوسری طرف عجمی سرزمین کے سرسبز علاقے ہوتے جہاں سے پھل غلّہ اَور دوسری اشیاء میسر ہوتیں یعنی زراعت دوسری طرف کی جاتی تھی۔ شہروں کی آبادکاری میں یہ بھی مدنظر رکھا گیا کہ ان کے درمیان کوئی دریا یا سمندر حائل نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بصرہ، کوفہ، فُسطاط وغیرہ شہر آباد فرمائے۔

حضرت عمرؓ نے مستحکم اور صحیح بنیادوں پر ان شہروں کی آبادکاری کی۔ ان کی سڑکوں اور راستوں کو وسیع رکھا۔ بڑی کھلی سڑکیں تھیں اور نہایت بہترین انداز میں منظم کیا اور یہ طرز فکر ثابت کرتی ہے کہ آپ اس علم میں ماہر اور منفرد تھے۔[176]

اسی طرح محکمہ فوج ہے۔ اس کا قیام آپؓ نے کیا۔ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ فوج کی ترتیب کی اور تنظیم سازی کی۔ مراتب کے لحاظ سے فوج کے رجسٹر بنوائے اور ان کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک جو باقاعدہ جنگ میں شامل ہوتے اور دوسرے والنٹیئر جو ضرورت کے وقت بلائے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا۔ انہوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے۔ جو علاقے فتح ہوں گے وہاں جاکے کوئی شخص تجارت یا زراعت نہیں کرے گا کیونکہ یہ فوجی تھے تو یہ فوجیوں کے بارے میں تھا کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ آج کل ہم مسلمان ملکوں میں بھی دیکھتے ہیں کہ فوجی تجارتوں میں مصروف ہیں بلکہ ایک ملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پہلے تو فوجی اپنی پیشہ وارانہ مہارت کی طرف دیکھتے تھے لیکن اب کمیشن ملتے ہی جو افسر ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ کہاں کوئی نئی کالونی بن رہی ہے۔ کون سی ڈیفنس کالونی بن رہی ہے جہاں مجھے پلاٹ ملے اور میں پلاٹ الاٹ کراؤں۔ اور اسی وجہ سے بہرحال پھر ان کی سپاہیانہ صلاحیتیں کم ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ پھر آتا ہے کہ سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خیال رکھا جاتا تھا تاکہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔ فوج کے متعلق حضرت عمرؓ نے سختی سے یہ ہدایات دی تھیں کہ ساری فوج تیراکی، گھوڑسواری، تیر چلانا اور ننگے پاؤں چلنا سیکھے۔ ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جاکر اپنے اہل وعیال سے ملنے کے لیے رخصت دی جاتی تھی۔ جفاکشی کے خیال سے یہ حکم تھا کہ اہل فوج

رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں پاؤں ڈال کے نہیں سوار ہونا بلکہ چھلانگ مار کے سوار ہونا ہے۔ نرم کپڑے نہ پہنیں۔ دھوپ سے بچیں اور حماموں میں نہ نہائیں۔ وہاں زیادہ آرام طلبی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ بہار کے موسم میں فوج کو سرسبز و شاداب علاقوں میں بھیج دیتے تھے۔ فوجی بیرکس اور چھاؤنیوں کے بناتے وقت آب و ہوا کو مدنظر رکھا جاتا۔ یہ بھی ضروری تھا کہ سرسبز علاقوں میں فوجوں کو بھیجا جائے تاکہ وہاں تازہ فضا سے ان کی صحت بھی اچھی رہے۔ آب و ہوا کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ تمام اضلاع میں فوجی چھاؤنیاں بنوائیں۔ فوجی صدر مقامات میں مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فُسطاط، دمشق، حِمص، اُردن، فلسطین شامل کیے جہاں ہمیشہ فوج تعینات رہتی تھی۔ ہر چار ماہ کے بعد فوجیوں کو چھٹی دی جاتی تھی۔ فوجی مرکز میں بیک وقت چار ہزار گھوڑے ہوتے تھے جن کی دیکھ بھال کی جاتی۔ گھوڑوں کی رانوں پر جَیْشٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ داغ کر لکھا جاتا تھا یعنی اللہ کی راہ میں لشکر۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی فوج نے آلاتِ جنگ میں ترقی کی۔ نئے سازو سامان مرتب کیے جن میں قلعہ شکن ہتھیار مَنْجَنِیْق اور دَبَّابَہ وغیرہ شامل تھے۔ دَبَّابَہ سے مراد وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے دشمن کے قلعوں کو توڑا اور منہدم کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر آدمی بیٹھتے اور قلعہ کی دیواروں میں سوراخ کر کے اس کی دیواریں گرائی جاتیں۔[177]

اسلامی حکومت کے ماتحت غیر اقوام کے لوگ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

یہ نہیں کہ صرف مسلمانوں کو اعلیٰ عہدے دیے جاتے تھے بلکہ غیر مسلموں کو بھی اور غیر قوموں کے لوگوں کو بھی اعلیٰ عہدے دیے جاتے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے خلفاء کے زمانے میں بھی حالانکہ ابھی ملک میں پُرامن طور پر ساری قومیں نہیں بسی تھیں ان حقوق کو تسلیم کیا جاتا تھا۔

چنانچہ علامہ شبلی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لیے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیئر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے یعنی ایسے لوگ جو خدا کو نہیں مانتے، آتش پرست تھے، سورج پرست تھے وہ بھی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔

اسی طرح لکھتے ہیں کہ یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریکِ جنگ تھے اور آج پاکستان میں یہ کہتے ہیں کہ جی احمدیوں کو فوج سے نکالو۔ یہ بڑی نازک، sensitive پوسٹیں ہیں۔ حالانکہ اگر تاریخ پڑھیں تو پاکستان کی خاطر سب سے زیادہ قربانیاں احمدی افسروں نے دی ہیں۔ بہرحال یہ تو ان کے اپنے فعل ہیں۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب عمرو بن عاصؓ نے فُسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کیے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ

خالی نہ تھا۔ چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ اسی طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ غیر اقوام کے افراد کو جنگی افسر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایرانیوں کو بھی فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ ان میں سے بعض کے نام بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ علامہ شبلی نے چھ افسروں کے نام یہ لکھے ہیں۔ سیاہ، خسرو، شہریار، شیرَوَیہ، شَہْرَوَیہ، اَفْرَودِین۔ ان افسروں کو تنخواہیں بھی سرکاری خزانے سے ملتی تھیں اور باقاعدہ پے رول (payroll) میں ان کا نام تھا۔ چاروں خلفاء کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کے زمانے میں ایک عیسائی ابن آثال نامی وزیر خزانہ تھا۔ یہ وضاحت میں لکھتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں جو میں نے پڑھا ہے تو حضرت مصلح موعودؓ نے علامہ شبلی کے حوالے سے افرودین لکھا ہے اور ایسے ہی الفاروق میں بھی درج ہے لیکن عربی کتب میں اس کا نام اَفْرَوْذِین لکھا ہے۔ یعنی بجائے دال کے ذال کے ساتھ۔[178]

بہرحال یہ نام کا ذال اور دال کا ذرا سا فرق ہے کیونکہ لوگ اس پہ بحث شروع کر دیتے ہیں اس لیے وضاحت کر دی ہے۔

اسی طرح مارکیٹ کنٹرول، پرائس کنٹرول کے لحاظ سے جو ناجائز حد تک قیمت گرانا ہے اس سے بھی اسلام نے منع فرمایا ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کی پابندی کروائی۔ مال کی قیمت گرانے کی ممانعت کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "اسلام نے قیمت کو ناجائز حد تک گرانے سے بھی منع کیا ہے ...... قیمت کا گرانا بھی ناجائز مال کمانے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ طاقتور تاجر اس ذریعہ سے کمزور تاجروں کو تھوڑی قیمت پر مال فروخت کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور ان کا دیوالہ نکلوانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ آپؓ بازار کا دورہ کر رہے تھے کہ باہر سے آئے ہوئے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ خشک انگور نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر رہا تھا جس قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ آپؓ نے اسے حکم دیا کہ یا تو اپنا مال منڈی سے اٹھا کر لے جائے یا پھر اسی قیمت پر فروخت کرو جس مناسب قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت کر رہے تھے۔" مدینہ کے جو تاجر تھے وہ مال کی زیادہ قیمت نہیں لے رہے تھے بلکہ مناسب قیمت تھی۔ آپؓ نے کہا اسی قیمت پر فروخت کرو۔ "جب آپؓ سے اس حکم کی وجہ پوچھی گئی تو آپؓ نے جواب دیا کہ اگر اس طرح فروخت کرنے کی اسے اجازت دی گئی تو مدینہ کے تاجروں کو جو مناسب قیمت پر مال فروخت کر رہے ہیں نقصان پہنچے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کے خلاف رسول کریم ﷺ کا یہ قول پیش کیا کہ منڈی کے بھاؤ میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ مگر ان کا یہ اعتراض درست نہ تھا کیونکہ منڈی کے بھاؤ میں دخل دینے کے یہ معنی ہیں کہ پیداوار اور مانگ (Supply and demand) کے اصول میں دخل دیا جائے۔" یعنی سپلائی اور ڈیمانڈ کے جو اصول ہیں ان میں دخل دینا ہے "اور ایسا کرنا بیشک نقصان دہ ہے اور اس سے حکومت کو بچنا چاہئے۔" مارکیٹ خود اپنے آپ کو سپلائی ڈیمانڈ سے ایڈجسٹ کرتی ہے "ورنہ

عوام کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا اور تاجر تباہ ہو جائیں گے۔"[179] اس کی اجازت نہ دی جائے لیکن قیمت کنٹرول جو ہے وہ جائز ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفصیل ایک اَور جگہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ "شہری حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لین دین کے معاملات میں خرابی نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اس حق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اسلام نے بھاؤ کو بڑھانے اور مہنگا سودا کرنے سے روکا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نقصان پہنچانے اور ان کو تجارت میں فیل کرنے کے لیے بھاؤ کو گرا دینے سے بھی منع فرمایا" ہے۔ مقابلے میں کم قیمت کرنا بھی منع ہے۔ "ایک دفعہ مدینہ میں ایک شخص ایسے ریٹ پر انگور بیچ رہا تھا جس ریٹ پر دوسرے دکاندار نہیں بیچ سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ پاس سے گزرے تو انہوں نے اس شخص کو ڈانٹا کیونکہ اس طرح باقی دکانداروں کو نقصان پہنچتا تھا۔ غرض اسلام نے سودا مہنگا کرنے سے بھی روک دیا اور بھاؤ کو گرا دینے سے بھی روک دیا تا کہ نہ دکانداروں کو نقصان ہو اور نہ پبلک کو نقصان ہو۔"[180]

تعلیم کے نظام کے بارے میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے تعلیم کو نہایت ترقی دی۔ تمام ممالک میں مدرسے قائم کیے جن میں قرآن مجید، حدیث، فقہ کی تعلیم دی جاتی۔ کبار علماء صحابہ کو تعلیم و تربیت پر مامور کیا گیا اور پڑھانے والوں کی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں۔[181]

اسی طرح ہجری کیلنڈر کا آغاز کس طرح ہوا؟ اس بارے میں روایات میں آتا ہے۔ ایک تو صحیح بخاری کی روایت ہے۔ حضرت سہل بن سعدؓ نے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تاریخ کا شمار نہیں کیا اور نہ آپؐ کی وفات سے بلکہ آپؐ کے مدینہ میں آنے سے ہی انہوں نے تاریخ کا شمار کیا۔[182]

یعنی ہجرت کے وقت سے۔ بخاری کے شارح علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں امام سہیلی کے نزدیک صحابہ نے ہجرت سے تاریخ کا آغاز کرنے کا خیال اللہ تعالیٰ کے قول لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ سے لیا ہے۔ پس مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ سے مراد وہ دن ہو گا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ واللہ اعلم۔

ہجری کیلنڈر کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عمرؓ کی طرف لکھا کہ آپؓ کی طرف سے ہمیں خطوط آتے ہیں ان پر تاریخ وغیرہ درج نہیں ہوتی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مشورہ کے لیے اکٹھا کیا۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری نے کتاب الادب میں اور حاکم نے میمون بن مہران کے واسطے سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک چیک پیش کیا گیا جس کی میعاد شعبان تھی۔ آپؓ نے فرمایا کون سا شعبان؟ کیا وہ جو گزر گیا یا وہ جس میں سے ہم گزر رہے ہیں یا وہ شعبان جو آئے گا۔ آپؓ نے فرمایا لوگوں کے لیے کوئی تاریخ متعین کرو جو سب کو معلوم رہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا اور اس نے کہا میں نے یمن میں ایک چیز دیکھی

جسے وہ تاریخ کہتے ہیں۔ وہ اسے یوں لکھتے ہیں کہ فلاں سال اور فلاں مہینہ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ عمدہ طریق ہے۔ تم بھی تاریخ لکھو۔

ہجری تقویم کا آغاز، اس کیلنڈر کا آغاز کس نے کیا؟ اس بارے میں متفرق آرا ہیں۔ پہلے قول کے مطابق نبی کریم ﷺ نے تاریخ مرتب کرنے کا ارشاد فرمایا اور ربیع الاول میں تاریخ لکھی گئی۔ چنانچہ حاکم نے اپنی کتاب اَلْاِکْلِیْل میں ابن شہاب زُہری سے روایت کی ہے کہ اَنَّ النَّبِيَّ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اَمَرَ بِالتَّارِيْخِ فَكُتِبَ فِي رَبِيْعِ الْاَوَّلِ. جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے تاریخ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ پس وہ ربیع الاول میں لکھی گئی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ روایت مُعْضَل ہے۔ مُعْضَل سے مراد وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند میں پے در پے دو یا زیادہ راوی ساکت ہوں۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہوئی جس دن رسول کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور مشہور بات اس کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ تاریخ تقویم ہجری حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قائم ہوئی۔

سُبُلُ الْهُدٰى وَ الرَّشَادِ فِيْ سِيْرَةِ خَيْرِ الْعِبَادِ کے مصنف محمد بن یوسف صالحی کہتے ہیں کہ ابن صلاح نے کہا ہے کہ انہوں نے ابوطاہر مَحْمِش کی کتاب اَلشُّرُوط میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا ارشاد فرمایا تھا کیونکہ جب آپؐ نے نجران کے عیسائیوں کی طرف خط لکھنے کا ارشاد فرمایا تو حضرت علیؓ سے فرمایا اس میں لکھو لِخَمْسٍ مِّنَ الْهِجْرَةِ۔ یعنی ہجرت کے بعد پانچواں سال۔ پس اس لحاظ سے پہلے مؤرخ رسول اللہ ﷺ ہیں اور حضرت عمرؓ نے اس میں آپ ﷺ کی اتباع کی ہے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت یَعلیٰ بن اُمَیَّہؓ نے تاریخ کا آغاز کیا جو یمن کے رہنے والے تھے۔ امام احمد نے اس کو بیان کیا ہے لیکن اس میں انقطاع ہے یعنی عمرو اور یَعلیٰ کے درمیان میں۔ تیسرے اور مشہور قول کے مطابق یہ ہے کہ تاریخ تقویم ہجری کا آغاز حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں ہوا۔

ہجری کیلنڈر کے لیے ہجرت سے کیوں آغاز کیا گیا؟ اس بارے میں یہ تفصیل ملتی ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے سال کی تعیین کے لیے مشورہ مانگا تو ایک رائے یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے اس کا آغاز کیا جائے۔ دوسری رائے یہ تھی کہ آپؐ کے مبعوث ہونے کے سال سے اس کا آغاز کیا جائے۔ تیسری رائے یہ تھی کہ آپؐ کی وفات کے سال سے اس کا آغاز کیا جائے۔ چوتھی رائے یہ تھی کہ آپؐ کی ہجرت کے سال سے اس کا آغاز کیا جائے۔ ہجرت کے سال سے اس کا آغاز کرنا مناسب سمجھا گیا کیونکہ ولادت اور بعثت کے سال کی تعیین میں اختلاف تھا۔ جہاں تک وفات کا تعلق ہے تو اس لیے منتخب نہیں کیا کیونکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کی وجہ سے مسلمانوں کے رنج والم کا عنصر اس میں شامل تھا۔ پس صحابہ نے ہجرت پر اتفاق کیا۔

صحابہؓ نے ربیع الاول کی بجائے محرم سے سال کا آغاز کیوں کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا عزم محرم کے مہینہ میں ہی کر لیا تھا۔ ذوالحجہ میں بیعت عَقَبہ ثانیہ ہو چکی تھی اور وہی ہجرت کا

پیش خیمہ تھی۔ اس طرح بیعت عَقَبہ ثانیہ اور ہجرت کا پختہ ارادہ کر لینے کے بعد جس مہینے کا چاند طلوع ہوا وہ محرم کا چاند تھا۔ لہٰذا مناسب یہی سمجھا گیا کہ اسی کو نقطہ آغاز بنایا جائے۔

علامہ ابن حجر کہتے ہیں اسلامی کیلنڈر کے محرم سے آغاز کی مناسبت سے میرے نزدیک یہ سب سے مضبوط دلیل ہے۔[183]

نبی کریم ﷺ مدینہ کب تشریف لائے؟

اس بارے میں مختلف آرا ہیں۔ آپؐ مختلف جگہ ٹھہرتے ہوئے بارہ ربیع الاول 14/ نبوی مطابق 20/ ستمبر 622ء کو مدینہ کے پاس پہنچے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک 8/ ربیع الاول کی تاریخ تھی۔ بعض کے نزدیک آپؐ ماہ صفر میں نکلے اور ربیع الاول میں پہنچے۔ یکم ربیع الاول کو مکہ سے آپؐ نے ہجرت کا آغاز فرمایا اور بارہ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے۔[184]

تقویم ہجری کس سال میں ہوئی؟

اس بارے میں بھی مختلف آرا ہیں۔ کب یہ کیلنڈر شروع ہوا؟ کچھ کہتے ہیں سولہ ہجری میں ہوئی۔ کچھ کے نزدیک سترہ ہجری میں ہوئی۔ کچھ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہجری میں ہوئی۔ بعض کے نزدیک اکیس ہجری میں ہوئی۔[185]

لیکن اس بات پر بہر حال اکثر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کیلنڈر کا اجرا ہوا۔

اسلامی سکّہ: عام مؤرخین کے نزدیک عرب میں سب سے پہلے سکّہ عبد الملک بن مروان نے جاری کیا۔ مدینہ طیبہ کے بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ سب سے پہلے اسلامی سکّے حضرت عمرؓ کے دور میں رائج ہوئے تھے۔ ان کے اوپر 'الحمد للّٰہ' کندہ تھا اور بعض پر 'محمدٌ رّسول اللّٰہ' اور بعض پر 'لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ' بھی کندہ ہوتا تھا لیکن ساسانی، ایرانی بادشاہوں کی تصویروں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ ایک تحقیق کے مطابق سب سے پہلے اسلامی سکّے دمشق میں سترہ ہجری میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں رائج ہوئے تھے مگر ان کے اوپر بھی بازنطینی شہنشاہ کی تصویر اور لاطینی میں ان کی لکھائی موجود ہوا کرتی تھی اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اٹھائیس ہجری میں سب سے پہلے اپنا سکّہ استعمال ہوا۔ وقتی طور پر ساسانیوں کے علاقوں میں رائج سکّوں کو ہی چلایا گیا۔ ان کے اوپر ساسانی بادشاہوں کی تصاویر ہوا کرتی تھیں مگر ان پر کوفی رسم الخط میں بسم اللہ لکھ دیا گیا۔[186]

اولیات فاروقی

پھر یہ کہ حضرت عمرؓ نے کون کون سی باتیں شروع کیں؟

کون سی اوّلیات ہیں جو اوّلیاتِ فاروقی کہلاتی ہیں؟ علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہر ذریعہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤرخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اوّلیات کہا جاتا ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔ یعنی یہ شروع کروائیں:

1. بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔
2. نمبر دو: عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔
3. پھر تاریخ اور سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔
4. نمبر چار: امیر المومنین کالقب حضرت عمرؓ نے خلیفۂ وقت کے لیے اختیار کیا۔
5. نمبر پانچ: فوجی دفتر ترتیب دیا۔
6. نمبر چھ: والنٹیئرز کی تنخواہیں مقرر کیں۔
7. نمبر سات: دفتر مال قائم کیا۔
8. نمبر آٹھ: پیمائش جاری کیں۔
9. نمبر نو: مردم شماری کروائی۔
10. نمبر دس: نہریں کھدوائیں۔
11. گیارہ: شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جِیزہ، فُسطاط، مُوصَل وغیرہ۔
12. نمبر بارہ یہ ہے کہ ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
13. نمبر تیرہ: عُشور یعنی دسواں حصہ بطور ٹیکس یا محصول مقرر کیا۔ عُشور حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے یعنی پھر دس فیصد ان سے بھی وصول کیا جائے۔
14. نمبر چودہ یہ ہے کہ دریا کی پیداوار پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے۔
15. نمبر پندرہ: حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
16. نمبر سولہ: جیل خانہ قائم کیا۔
17. نمبر سترہ: دُرّے کا استعمال کیا۔
18. نمبر اٹھارہ: راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریق نکالا۔
19. نمبر انیس: پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
20. نمبر بیس: جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
21. نمبر اکیس: گھوڑوں کی نسلوں میں اَصِیل اور مُجَنَّس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
22. نمبر بائیس: پرچہ نویس مقرر کیے۔
23. نمبر تئیس: مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے۔
24. چوبیس: لاوارث بچوں کی پرورش کے لیے روزینہ مقرر کیے۔

25. پچیس: مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
26. چھبیس: یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب گو کافر ہوں غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
27. ستائیس: مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔
28. اٹھائیس: مکاتب قائم کیے۔
29. انتیس: معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر فرمائے، تنخواہیں مقرر کیں۔
30. تیس: حضرت ابو بکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
31. اکتیس: قیاس کا اصول قائم کیا۔
32. بتیس: فرائض میں 'عول' کا مسئلہ ایجاد کیا یعنی نان نفقہ کے لیے بعض لوگوں کو عیال میں شامل کرنا۔
33. تینتیس: نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
34. چونتیس: تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جاتی تھیں طلاق بائن قرار دیا۔ یہ تو آپؓ نے سزا کے طور پر بھی کیا تھا۔
35. پینتیس: شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے۔
36. چھتیس: تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
37. سینتیس: بنو ثعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
38. اڑتیس: وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔
39. انتالیس: نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کروا دیا۔ ویسے عمومی طور پر مسنون یہی ہے تین تکبیریں ہوتی ہیں یا پہلی تکبیر کے ساتھ آخری تکبیر تک سلام پھیرنے سے پہلے چار... ابھی بھی یہی رائج ہیں۔
40. چالیس یہ ہے کہ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا اور ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔
41. اکتالیس: اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
42. بیالیس: مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔
43. تینتالیس: ہجو کرنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔
44. چوالیس: غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ اس کے سوا اَور بھی عمرؓ کی اوّلیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔[187]

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فتوحات

آپؓ کے دَورِ خلافت میں جو جنگیں ہوئیں اور جو فتوحات ہوئیں اس ضمن میں لکھا ہے کہ:
حضرت عمرؓ کا دَورِ خلافت تقریباً ساڑھے دس سال پر محیط تھا۔ یہ تاریخ تیرہ ہجری سے تیئس ہجری تک ہے۔ اس دور میں ہونے والی فتوحات کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مفتوحہ علاقوں کا کل رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس مربع میل بنتا ہے۔
ان مفتوحہ علاقوں میں یہ علاقے شامل ہیں۔ شام، مصر، ایران اور عراق، خوزستان، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آتا ہے۔[188]
اسلامی جنگوں اور فتوحات کا سلسلہ تو حضرت ابوبکرؓ کے دور میں شروع ہو گیا تھا۔ آپؓ کے دور میں، (حضرت ابوبکرؓ کے دور میں) شام اور عراق میں اسلامی افواج جہاد میں مصروف تھیں اور بیک وقت کئی محاذوں پر جہاد جاری تھا اور پھر یہ سلسلہ چلتا گیا اور حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں بھی اسی طرح جاری رہا۔
حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں ایک بات جو بہت نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود گویا ہر فتح کے وقت مسلمانوں کے لشکر میں موجود تھے۔ اگرچہ آپؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کسی جنگ میں بھی باقاعدہ حصہ نہیں لیا تاہم مسلمان کمانڈروں کو لشکر کے حوالے سے جملہ ہدایات مدینہ سے آپؓ بھجواتے یا جہاں بھی آپؓ موجود ہوتے وہاں ان سے رابطہ میں رہتے بلکہ بعض جنگوں کے حالات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی مسلمان سپہ سالاروں سے خط و کتابت روزانہ کی بنیاد پر جاری رہی اور حضرت عمرؓ نے مدینہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کو اپنے لشکروں کو ترتیب دینے کی ہدایات دیں اور ان کو ان علاقوں کے بارے میں ایسے بتایا، اس طرح کی ہدایات دیں گویا حضرت عمرؓ کے سامنے ان علاقوں کا نقشہ موجود تھا یا وہ علاقے حضرت عمرؓ کے سامنے تھے۔
امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے۔
وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ۔[189]
کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے لشکر تیار کرتا ہوں اور میں نماز میں ہوتا ہوں۔ یعنی آپؓ اس قدر متفکر ہوتے تھے کہ نماز کے دوران میں بھی اسلامی فوجوں کی منصوبہ بندی اور پلاننگ کا کام جاری رہتا تھا۔ اس دوران دعا بھی کرتے رہتے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں جابجا نظر آتا ہے کہ آپؓ کی ہدایات کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان فوجوں نے مشکل سے مشکل حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتوحات حاصل کیں۔
سید میر محمود احمد صاحب نے بھی حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت پر ایک مقالہ لکھا تھا اور اس سے بھی ہمارے نوٹس تیار کرنے والوں نے مدد لی ہے۔ ریسرچ سیل نے بعض نوٹس لیے ہیں لیکن بہرحال یہ

اصل مأخذ سے بھی چیک کیے گئے ہیں اور ٹھیک ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کی ایک اہم وصیت

فتوحات ایران و عراق کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کے دَور میں اہلِ فارس کے ساتھ جنگ جاری تھی کہ اس دوران حضرت ابو بکرؓ بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے اسلامی افواج کو پیغامات موصول ہونے میں تاخیر ہو رہی تھی۔ اس لیے حضرت مُثنّٰیؓ اسلامی فوج میں اپنے نائب مقرر کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپؓ کو جنگ کے حالات سے باخبر کریں اور مزید مدد کی درخواست کریں۔ حضرت مُثنّٰیؓ مدینہ پہنچے اور حضرت ابو بکرؓ کو واقعات کی اطلاع دی۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور یہ وصیت فرمائی کہ اے عمرؓ! میں جو کچھ کہتا ہوں اسے غور سے سنو پھر اس پر عمل کرنا۔ آج سوموار کا دن ہے مَیں توقع کرتا ہوں کہ مَیں آج ہی فوت ہو جاؤں گا، یہ حضرت ابو بکرؓ فرما رہے ہیں۔ اگر میں فوت ہو جاؤں تو شام ہونے سے قبل لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر مُثنّٰیؓ کے ساتھ بھیج دینا اور اگر میری وفات رات تک مؤخر ہو جائے تو صبح سے پہلے مسلمانوں کو جمع کر کے مُثنّٰیؓ کے ساتھ کر دینا۔ میری موت کی مصیبت خواہ کتنی ہی بڑی ہو وہ تمہیں دین کے احکام اور خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل سے ہرگز باز نہ رہنے دے۔ تم نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر میں نے کیا کیا تھا حالانکہ لوگوں کو اور مخلوق کو اس جیسی مصیبت کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ خدا کی قسم! اگر میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ذرا تاخیر جائز رکھتا تو خدا ہم کو ذلیل کر دیتا۔ ہم کو سزا دیتا اور مدینہ میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے۔

عراق پر چڑھائی کے لئے لشکر کی تیاری

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اس وصیت کی تعمیل میں حضرت ابو بکرؓ کی تدفین سے اگلے روز لوگوں کو جمع کیا۔ بیعتِ خلافت کے لیے تمام اطراف سے بے شمار آدمی آئے ہوئے تھے اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا کیونکہ عرب قدیم سے مملکت ایران کی شان و شوکت اور زبردست فوجی طاقت سے خائف رہتے تھے اور لوگوں کا عام طور پر خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ حضرت خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لیے سب خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے اور لوگوں کی ایمانی حرارت جوش میں آئی اور حضرت ابو عُبَید بن مسعود ثقفیؓ آگے بڑھے اور أَنَا لِهٰذَا کا نعرہ مارا کہ میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ اور اس جہاد کے لیے اپنا نام پیش کیا۔ ان کے بعد حضرت سعد بن عُبَیدؓ اور سَلِیط بن قَیس سامنے آئے۔ ان لوگوں کا سامنے آنا تھا کہ ایمانی جوش مسلمانوں کے دلوں میں

موجزن ہو گیا اور وہ بڑے جوش و خروش سے بڑھ بڑھ کر جہادِ عراق کے لیے اپنا اپنا نام پیش کرنے لگے۔ قبل ازیں عراقی افواج کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی مگر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے آخری زمانے میں شامی جنگوں کی اہمیت کے پیش نظر ان کو شام جانے کا حکم دے دیا تھا اور اب عراق کی اسلامی فوج کی کمان حضرت مُثَنّٰی بن حارثہؓ کر رہے تھے۔ اس موقع پر جب حضرت عمرؓ مسلمانوں کو عراق کی جنگوں کے لیے اپنا نام پیش کرنے کی دعوت دے رہے تھے حضرت مُثَنّٰی بھی مدینہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ نے بھی ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ لوگو! یہ محاذ بہت سخت اور گراں نہ سمجھو۔ ہم نے فارس والوں سے لڑائی کی اور ان پر غلبہ پایا اور ان شاء اللہ اس کے بعد بھی ہماری ہی فتح ہو گی۔ یہ ساری تقریریں سننے کے بعد اب مدینہ اور اس کے نواح سے عراقی جنگوں میں شمولیت کے لیے مجاہدین کا لشکر تیار ہوا۔ طَبَرِی اور بَلَاذَرِی نے اس لشکر کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے اور کتاب اَخْبَارُ الطِّوَال کے مصنف علامہ ابو حنیفہ دِیْنَوَرِی پانچ ہزار تعداد بتاتے ہیں۔ لگتا ہے کہ لشکر کی مدینہ سے روانگی کے وقت تعداد ایک ہزار تھی مگر محاذ جنگ تک پہنچتے پہنچتے یہ تعداد پانچ ہزار تک جا پہنچی کیونکہ بَلَاذَرِی اور ابو حنیفہ نے تصریح کی ہے کہ امیر لشکر راستہ میں جس عرب قبیلہ کے پاس سے گزرتے اسے لشکر میں شمولیت کی دعوت دیتے۔ **اب یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس لشکر کا امیر کون ہو؟** گو حضرت مُثَنّٰی تھے لیکن جو نیا لشکر تیار ہوا تھا اس کا امیر کون ہو؟ حضرت عمرؓ کی جوہر شناس نظر نے ابو عُبَید ثَقَفِی کا انتخاب کیا۔ بعض لوگوں پر یہ امر گراں گزرا کہ سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن مہاجرین اور انصار کو چھوڑ کر جنہوں نے اپنے خون سے اسلام کے پودے کو سینچا تھا ایک ایسے شخص کو امیر بنا دیا ہے جو بعد میں آنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صحابہ کو اگر کوئی امتیازی مقام حاصل ہے تو محض اس لیے کہ وہ اسلام کی خدمت میں پیش پیش رہے اور دین کی طرف سے مدافعت کے لیے بڑھ چڑھ کے دشمن سے برسرِپیکار ہوئے مگر اب اس موقع پر پیچھے رہ کر انہوں نے اپنا یہ حق کھو دیا۔ اس لیے اس موقع پر جو شخص اسلام کی حفاظت کے لیے سب سے پہلے سامنے آیا وہی امارت کا حق دار ہے۔ حضرت ابو عُبَیدؓ کے بعد سَعْد بن عُبَید اور سَلِیط بن قَیس نے عراقی جنگوں کی دعوت کے موقع پر حضرت عمرؓ کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تم میری آواز پر لبیک کہنے میں سبقت اختیار کرتے تو قبولِ اسلام میں سبقت کے باعث میں تمہی کو یہ کمان سونپتا۔ گو سَلِیط بن قَیس پر ابو عُبید کو ترجیح دینے کے متعلق علاوہ پہلی وجہ کے حضرت عمرؓ نے اس امر کا بھی اظہار فرمایا تھا کہ اس کام کے لیے کسی دھیمے شخص کی ضرورت ہے جو تحمل اور سوچ بچار سے جنگ کا اقدام کرے مگر سلیط بن قیس فوجی پیش قدمی کے سلسلہ میں بڑے جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے شرف تقدم کے باعث ابو عُبید کو یہ اہم کمان سونپی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابہ کی قدیمی خدمات اور گذشتہ تجربات کو نظر انداز کر دینا بھی مناسب نہ تھا اس لیے آپؓ نے حضرت ابو عُبید ثَقَفِیؓ کو تاکید بھی کر دی تھی کہ وہ صحابہ کے مشورے سے مستفید ہوں اور انتظامی امور میں ان کی رائے پر چلیں۔ یہ مختلف

تاریخی کتب میں ملتا ہے۔ تاریخ طبری میں یہ سارا واقعہ ہے جس سے یہ اخذ کیا گیا ہے۔[190]

جنگ نمارق / کسکر

تیرہ ہجری میں ایک جنگ ہوئی جو جنگ نَمَارِق اور کَسْکَر کہلاتی ہے۔ حضرت ابوعُبَیدؓ کے لشکر لے کر روانہ ہونے سے قبل ہی حضرت مُثَنّٰی واپس حِیْرہ (حیرہ عراق کی قدیمی عربی حکومت کا پایہ تخت تھا اور فرات کے مغرب میں اس مقام پر واقع تھا جہاں بعد میں کوفہ آباد ہوا وہاں) چلے گئے اور بدستور اپنی فوج کی قیادت سنبھال لی لیکن جلد ہی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ حضرت مُثَنّٰی کو اپنی افواج سمیت پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ایرانی دربار رؤساء اور امراء کے باہمی مناقشات اور اختلافات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ ایک نئی اور زبردست شخصیت کا ظہور ہوا جو خراسان کے گورنر فَرُّخ زَادْ کے بیٹے رستم کی تھی۔ ایرانی دربار کی طرف سے رستم سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا گیا اور وہ سب اراکین سلطنت جو تفرقہ اور انتشار سے ملک کی طاقت کمزور کرنے کا سبب بنے ہوئے تھے اب رستم کی اطاعت کا دم بھرنے لگے۔

رستم ایک بہادر اور صاحب تدبیر انسان تھا۔ اس نے عنان قیادت ہاتھ میں لیتے ہی مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں اپنے کارندے بھجوا کر بغاوت کروا دی اور فرات کے ملحقہ اضلاع میں مسلمانوں کے خلاف سخت جوش بھر دیا اور حضرت مُثَنّٰی کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔

ان حالات کو دیکھ کر حضرت مُثَنّٰی نے کچھ پیچھے ہٹ جانا مناسب سمجھا اور حِیرہ کو چھوڑ کر خَفَّانْ (کوفہ کے قریب ایک مقام ہے اس جگہ) آکر قیام پذیر ہو گئے۔ ادھر رستم برابر فوجی سرگرمیوں میں مشغول تھا۔ اس نے زبردست لشکر تیار کر کے دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیے۔ ایک لشکر جَابَانْ کی سرکردگی میں تھا جو مقام نَمَارِق میں اترا، نَمَارِق بھی عراق میں کوفہ کے قریب ایک جگہ ہے اور دوسرا لشکر نَرْسِیْ کی سرکردگی میں کَسْکَرْ کی طرف روانہ کیا گیا۔ کَسْکَرْ بغداد اور بصرہ کے درمیان دجلہ کے قریب غربی کنارے پر ایک شہر ہے جس کے آثار پر وَاسِطْ کا شہر آباد ہے۔

حضرت مُثَنّٰی کو مدینہ سے آئے ہوئے ابھی ایک مہینہ ہی ہوا تھا کہ حضرت ابوعُبَید مجاہدین کا لشکر لیے ہوئے خَفَّان میں ان سے آملے۔ خَفَّان بھی کوفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ اور چند ہزار مسلمانوں کا یہ لشکر اس وقت محاذِ جنگ پر پہنچا جب عراق میں عام صورتِ حالات مسلمانوں کے لیے خوش کن نہ تھی اور مفتوحہ اضلاع ایک ایک کر کے ان کے ہاتھوں سے نکل رہے تھے۔

حضرت ابوعُبَید نے خَفَّان میں اجتماعِ لشکر کی غرض سے چند روز قیام کے بعد نمارِق کا رخ کیا۔ **وہاں ایک زبردست ایرانی لشکر ایک بوڑھے تجربہ کار ایرانی سپہ سالار جَابَانْ کی سرکردگی میں خیمہ زن تھا۔** حضرت ابوعُبَید نے لشکر کی تنظیم کی۔

رسالہ حضرت مُثَنّٰی کی سرکردگی میں دیا۔ میمنہ کی کمان وَالِق بِنْ جِیْدَارَہ کو دی اور مَیْسَرہ کا کمانڈر عَمرو بن هَیْثَم کو مقرر کیا۔ ایرانی لشکر کے دونوں بازوؤں کی کمان جُشْنَسْ مَاہ اور مَرْدَان شاہ کر رہے تھے۔

اسلامی اخلاق کا جو نمونہ اس جنگ میں پیش ہوا اس پر میر محمود احمد صاحب نے اپنا تبصرہ کیا ہوا ہے کہ اسلامی اخلاق کا ایک نمونہ جو ہمیں نظر آتا ہے یہ ہے کہ نمارِق کے مقام پر زبردست معرکہ ہوا اور ایرانی لشکر نے شکست کھائی۔ ایرانی لشکر کا سپہ سالار جَابَانْ زندہ گرفتار کر لیا گیا مگر مَطَر بن فِضَّہ جنہوں نے جَابَانْ کو گرفتار کیا تھا اسے پہچانتے نہ تھے۔ جَابَانْ نے ان کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر ان کو فدیہ دیا اور رہائی حاصل کر لی۔ کچھ دیر بعد مسلمانوں نے دوبارہ جَابَانْ کو گرفتار کر لیا اور حضرت ابوعُبَید کے پاس لائے اور آپ کو بتایا کہ جَابَانْ کو ایرانی لشکر میں کیا پوزیشن حاصل ہے مگر حضرت ابوعُبَید نے یہ برداشت نہ کیا کہ ایک شخص جس کو ایک مسلمان سپاہی ایک دفعہ فدیہ لے کر رہا کر چکا ہے دوبارہ قیدی بنا لیا جائے۔ لوگوں نے دوبارہ اصرار کیا کہ جَابَانْ کو تو گویا بادشاہ کی پوزیشن حاصل ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں تو پھر بھی بدعہدی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ رہا کر دیا گیا۔ **اس واقعہ سے اس ضابطہ اخلاق پر روشنی پڑتی ہے جو اسلامی افواج کا لائحہ عمل ہوتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح مسلمان زبردست جنگی فوائد کے حصول کے لیے بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔**[191]

پھر معرکہ سَقَاطِیَہ ہے جو تیرہ ہجری میں ہوا۔

نمارِق کے معرکہ سے شکست کھا کر ایرانی لشکر کَسْکَرْ کی طرف بھاگا جہاں ایرانی کمانڈر نَرْسِیْ پہلے سے ایک لشکر جرّار لیے ہوئے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار تھا۔ ابوعُبَید اس کے مقابلے کے لیے کَسْکَرْ کی طرف بڑھے۔ نَرْسِیْ جو کَسْکَرْ میں ایرانی لشکر کا سپہ سالار تھا ایرانی اراکین سلطنت میں خاص امتیازی مقام رکھتا تھا اور وہ اور اس کے لشکر کے دونوں بازوؤں کے کمانڈر بِنْدَوِیہ اور تِیْرَوِیہ ایران کے ساسانی بادشاہوں کے قریبی اور گہرے رشتہ داروں میں سے تھے۔

ایرانی دربار کو نمارِق میں شکست کی خبر پہنچ چکی تھی اور رستم نَرْسِیْ کے لیے مزید امدادی افواج کے بھجوانے کا بندوبست کر رہا تھا کہ حضرت ابوعُبَید نے اپنی فوج کی نقل و حرکت کو تیز کرتے ہوئے نَرْسِیْ کے لشکر کو اس کی امدادی فوج کے آنے سے قبل ہی کَسْکَرْ کے نشیبی علاقوں میں جا لیا اور سَقَاطِیَہ کے نام سے جو معروف جگہ تھی اس پر حملہ کر دیا۔

سَقَاطِیَہ کے میدان میں ایک زبردست معرکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ بڑے معرکہ کے بعد حضرت ابوعُبَید نے کَسْکَرْ کے اردگرد علاقے میں مختلف جگہوں پر جمع شدہ دشمن کے مقابلے کے لیے اسلامی دستے بھی بھیجنا شروع کر دیے۔[192]

پھر جنگ بَارُوسَمَا کا ذکر ہے۔ یہ بھی تیرہ ہجری کی ہے۔ بَارُوسَمَا کَسْکَرْ اور سَقَاطِیَہ کے درمیان ایک مقام تھا جہاں پر ایرانی جرنیل جَالِیْنُوس سے مقابلہ ہوا جو جَابَانْ کی مدد کے لیے آیا تھا۔ رستم نے نَرْسِیْ کی مدد کے لیے ایک ایرانی کمانڈر کی سرکردگی میں ایک لشکر کَسْکَرْ کی طرف روانہ کیا

تھا۔ ابو عُبَید کو اس کی اطلاع مل چکی تھی اور انہوں نے کمال ہوشیاری سے کام لے کر جالینوس کے لشکر کی آمد سے پہلے ہی نَرْسِیْ کی افواج سے ٹکر لے لی اور اس کو شکست دے کر دشمن کی فوجی طاقت کو صدمہ پہنچا دیا تھا۔ اب جالینوس بَارُوسَمَا کے علاقے میں بَاقُسْیَاثَا کے مقام پر لشکر انداز ہوا۔

بصرہ اور کوفہ کے درمیان کی بستیوں کو ارضِ سَوَاد کہا جاتا تھا اور بَارُوسَمَا اور بَاقُسْیَاثَا ان بستیوں میں سے دو بستیاں ہیں۔ ابو عُبَید باقُسیاثا پہنچے اور مختصر سی لڑائی کے بعد ایرانی افواج نے شکست کھائی اور جالینوس میدان سے بھاگ کھڑا ہوا اور ابو عُبَید نے وہاں قیام کر کے ارد گرد کے علاقوں پر مکمل قبضہ کر لیا۔ مؤرخ طبری جو ہے یہ ان کا بیان ہے۔

بَلَاذُرِی نے لکھا ہے کہ جالینوس سے مصالحت ہو گئی تھی البتہ بعد کے مؤرخین میں ابن خلدون اور ابن اثیر نے طبری کی تائید کی ہے۔[193]

جنگِ جسر کا کچھ بیان کچھ عرصہ پہلے ہو چکا ہے[194] یہاں بھی یہ ضروری ہے بیان کرتا ہوں۔ جنگ جِسْر، یہ بھی تیرہ ہجری میں ہوئی۔ دریائے فرات کے کنارے مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑی گئی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبید ثقفی تھے جبکہ ایرانیوں کی طرف سے بَہْمَن جَاذُوَیہ سپہ سالار تھا۔ مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ ایرانیوں کی فوج میں تیس ہزار فوجی اور تین سو ہاتھی تھے۔

دریائے فرات کے درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے دونوں گروہ کچھ عرصہ تک لڑائی سے رکے رہے یہاں تک کہ فریقین کی باہمی رضامندی سے فرات پر جِسر یعنی ایک پل تیار کیا گیا۔ اسی پل کی وجہ سے اس کو جنگ جِسر کہا جاتا ہے۔ جب پل تیار ہو گیا تو بَہْمَن جَاذُوَیہ نے حضرت ابو عُبَید کو کہلا بھیجا کہ تم دریا عبور کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہمیں عبور کرنے کی اجازت دو گے۔

حضرت ابو عُبَید کی رائے تھی کہ مسلمانوں کی فوج دریا عبور کر کے مخالف گروہ سے جنگ کرے جبکہ لشکر کے سردار جن میں حضرت سَلِیط بھی تھے ان کی رائے اس کے خلاف تھی لیکن حضرت ابو عُبَید نے دریائے فرات کو عبور کر کے اہل فارس کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر تک لڑائی ایسے ہی چلتی رہی کچھ دیر بعد بَہْمَن جَاذُوَیہ نے اپنی فوج کو منتشر ہوتے دیکھا تو اس نے ہاتھیوں کو آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ ہاتھیوں کے آگے بڑھنے سے مسلمانوں کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں اور اسلامی لشکر ادھر ادھر ہٹنے لگا۔ حضرت ابو عُبَیدؓ نے مسلمانوں کو کہا کہ اے اللہ کے بندو! ہاتھیوں پر حملہ کرو اور ان کی سونڈیں کاٹ ڈالو۔ حضرت ابو عُبَیدؓ یہ کہہ کر خود آگے بڑھے اور ایک ہاتھی پر حملہ کر کے اس کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ باقی اسلامی لشکر نے بھی یہ دیکھ کر تیزی سے لڑائی شروع کر دی اور کئی ہاتھیوں کی سونڈیں اور پاؤں کاٹ کر ان کے سواروں کو قتل کر دیا۔ اتفاق سے حضرت ابو عُبَیدؓ ایک ہاتھی کے سامنے آ گئے۔ آپ نے وار کر کے اس کی سونڈ کاٹ دی مگر آپ اس ہاتھی کے پاؤں کے نیچے آ گئے اور دب کر شہید ہو گئے۔

تاریخ طبری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوعُبَیدؓ کی بیوی دَوْمہ نے جنگ سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک شخص آسمان سے ایک برتن میں جنت کا ایک مشروب لایا جس کو حضرت ابوعُبَید اور جَبْر بن ابوعُبَید نے پیا ہے۔ اسی طرح ان کے خاندان کے چند لوگوں نے بھی پیا ہے۔ دَوْمہ نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کی۔ حضرت ابوعُبَیدؓ نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر شہادت ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوعُبَیدؓ نے لوگوں کو وصیت کی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو جبر سپہ سالار ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو فلاں فلاں شخص سپہ سالار ہو گا۔

چنانچہ جس جس شخص نے خواب میں اس برتن سے مشروب پیا تھا ان کو حضرت ابوعُبَیدؓ نے ترتیب وار سپہ سالار مقرر کر دیا اور پھر فرمایا کہ اگر ابوالقاسم بھی شہید ہو جائیں تو پھر حضرت مُثَنّٰی تمہارے سپہ سالار ہوں گے۔ دَوْمہ کا یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔ اس جنگ میں حضرت ابوعُبَیدہؓ کے بعد علی الترتیب بیان کردہ چھ اشخاص ایک ایک کر کے عَلَمِ امارت ہاتھ میں لیتے چلے گئے اور شہید ہوتے چلے گئے۔ آٹھویں شخص حضرت مُثَنّٰی تھے جنہوں نے اسلامی جھنڈے کو لے کر دوبارہ ایک پُرجوش حملے کا ارادہ کیا لیکن اسلامی لشکر کی صفیں بے ترتیب ہو گئی تھیں اور لوگوں نے مسلسل سات امیروں کو شہید ہوتے دیکھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا جبکہ کچھ دریا میں کود گئے تھے۔

حضرت مُثَنّٰی اور آپؓ کے ساتھی مردانگی سے لڑتے رہے۔ بالآخر حضرت مُثَنّٰی زخمی ہو گئے اور آپ لڑتے ہوئے دریائے فرات عبور کر کے واپس آ گئے۔ اس واقعہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان ہوا۔ مسلمانوں کے چار ہزار آدمی شہید ہوئے جبکہ ایرانیوں کے چھ ہزار فوجی مارے گئے۔

یہ شکست مسلمانوں کے لیے زیادہ دیر تک ضرر رساں نتائج پیدا کرنے کا موجب بنتی مگر خوش قسمتی یہ ہوئی کہ قدرتی موقع ایسا پیدا ہو گیا کہ دشمن مسلمانوں کا تعاقب نہ کر سکا کیونکہ خود ایرانی اراکین سلطنت میں باہمی اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے بَہْمَن جَاذُوَیہ کو واپس جانا پڑا۔

ابن اثیر نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ خود ایرانی دارالحکومت مَدَائِن میں اراکین سلطنت کے ایک فریق نے رستم کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔[195]

حضرت مصلح موعودؓ نے بھی جنگ جِسر کے بارے میں کچھ بیان فرمایا ہے کہ

”سب سے بڑی اور ہولناک شکست جو اسلام کو پیش آئی وہ جنگ جِسر تھی۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا زبردست لشکر گیا۔ ایرانی سپہ سالار نے دریا پار اپنے مورچے بنائے اور ان کا انتظار کیا۔ اسلامی لشکر نے جوش میں بڑھ کر ان پر حملہ کیا اور دھکیلتے ہوئے آگے نکل گئے مگر یہ ایرانی کمانڈر کی چال تھی۔ اس نے ایک فوج بازو سے بھیج کر پل پر قبضہ کر لیا اور تازہ حملہ مسلمانوں پر کر دیا۔ مسلمان مصلحتاً پیچھے لوٹے مگر دیکھا کہ پل پر دشمن کا قبضہ ہے۔ گھبرا کر دوسری طرف ہوئے تو دشمن نے شدید حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد دریا میں کودنے پر مجبور ہو گئی اور ہلاک بھی ہو گئی۔ مسلمانوں کا یہ نقصان

ایسا خطرناک تھا کہ مدینہ تک اِس سے ہل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ والوں کو جمع کیا اور فرمایا:

اب مدینہ اور ایران کے درمیان کوئی روک باقی نہیں۔ مدینہ بالکل ننگا ہے اور ممکن ہے کہ دشمن چند دنوں تک یہاں پہنچ جائے۔ اِس لئے میں خود کمانڈر بن کر جانا چاہتا ہوں۔

باقی لوگوں نے تو اِس تجویز کو پسند کیا مگر حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر خدانخواستہ آپؓ کام آ گئے تو مسلمان تتر بتر ہو جائیں گے اور ان کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جائے گا اِس لئے کسی اَور کو بھیجنا چاہئے آپ خود تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو جو شام میں رومیوں سے جنگ میں مصروف تھے لکھا کہ تم جتنا لشکر بھیج سکتے ہو بھیج دو کیونکہ اِس وقت مدینہ بالکل ننگا ہو چکا ہے اور اگر دشمن کو فوری طور پر نہ روکا گیا تو وہ مدینہ پر قابض ہو جائے گا۔"[196]

جنگ بویب / یوم الاعشار

ایک جنگ جنگ بُوَیب کہلاتی ہے جو تیرہ ہجری میں اور بعض مؤرخین کے نزدیک یہ سولہ ہجری میں ہوئی۔ جِسر کے مقام پر یا جِسر کی جنگ میں جس کا پہلے گذشتہ خطبہ میں ذکر ہو چکا ہے، مسلمانوں کی شکست کے بعد حضرت مُثَنّیٰ نے حضرت عمرؓ کو جنگ کے بارے میں اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ نے قاصد کو فرمایا کہ اپنے اصحاب کے پاس واپس جاؤ اور ان کو کہو کہ اسلامی لشکر جہاں ہے وہیں ٹھہرا رہے۔ جلد ہی امداد آتی ہے۔[197]

جِسر کی جنگ میں شکست سے حضرت عمرؓ کو سخت تکلیف پہنچی۔ آپؓ نے تمام عرب میں خطیب بھیجے جنہوں نے پُرجوش تقریروں سے سارے عرب میں جوش بھر دیا۔ عرب کے قبائل اس قومی معرکہ میں شامل ہونے کے لیے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ ان میں عیسائی قبائل بھی تھے۔ صرف مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ عیسائی قبائل بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کا ایک لشکر عراق روانہ کیا اور حضرت مُثَنّیٰ نے بھی عراق کے سرحدی مقامات سے فوج اکٹھی کر لی۔ رستم کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے مہران کے ہمراہ ایک لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ حِیرہ ایک مقام ہے، ایک شہر ہے جو کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے اس کے قریب بُوَیب، یہ بویب جو ہے یہ کوفہ کے پاس ایک نہر ہے جو دریائے فرات سے نکلتی ہے۔ اس مقام پر دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ یہ جنگ رمضان کے مہینہ میں لڑی گئی۔ اس مقام کے قریب ہی بعد میں کوفہ شہر آباد ہوا تھا۔ ایرانی جرنیل مہران نے کہا ہم دریا عبور کر کے آئیں یا تم آؤ گے؟ حضرت مُثَنّیٰ نے کہا تم پار کر کے آؤ۔ پچھلی جنگ میں مسلمان دریا پار کر کے گئے تھے۔ اس دفعہ انہوں نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ ان کو، ایرانیوں کو کہا کہ تم آؤ۔ حضرت مُثَنّیٰ نے اپنے لشکر کی تنظیم اور صف آرائی کی اور پھر ان کے الگ الگ حصوں پر تجربہ کار سردار مقرر کیے اور اپنے مشہور گھوڑے شموس نامی پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کی صفوں کا چکر کاٹ کر معائنہ کیا اور ہر جھنڈے

کے پاس ٹھہر کر جنگ کے بارے میں ہدایاتِ جنگ دیں اور ولولہ خیز الفاظ میں ان کے حوصلے بڑھاتے ہوئے یوں فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ آج عرب پر تمہاری وجہ سے داغ نہیں لگے گا۔ خدا کی قسم! مَیں اپنی ذات کے لیے آج وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو تم میں سے عام آدمی کے لیے میری نظر میں پسندیدہ ہے یعنی مَیں اور تم برابر ہیں۔ اور سرفروشانِ اسلام نے پرجوش الفاظ سے اپنے محبوب قائد کی آواز پر پورے جوش سے لبیک کہا اور کیوں نہ کہتے جبکہ اس نے اپنے ہر قول و فعل میں ہمیشہ ہی ان سے نہایت منصفانہ سلوک روا رکھا تھا اور راحت و تکلیف دونوں میں ان کا ساتھ دیا تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ ان کی کسی بات پر انگلی رکھ سکے۔[198]

حضرت مُثنّٰی نے لشکر کو ہدایت کی کہ میں تین تکبیریں کہوں گا۔ تم تیار اور مستعد ہو جانا اور چوتھی تکبیر سنتے ہی دشمن پر حملہ کر دینا۔ حضرت مُثنّٰی نے پہلی مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کیا تو ایرانی فوج نے جلدی سے حملہ کر دیا۔ اس لیے مسلمانوں نے بھی جلدی کی اور پہلی تکبیر کے بعد ہی قبیلہ بنو عجل کے بعض افراد اپنی صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لیے بڑھے۔ اس طرح صفوں میں خلل پیدا ہو گیا۔

حضرت مُثنّٰی نے ایک شخص کو پیغام دے کر ان کی طرف بھیجا کہ پیغام یہ تھا کہ امیر لشکر سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ آج مسلمانوں کو رسوا نہ کرو۔ اس کے بعد وہ قبیلہ سنبھل گیا۔ پھر ایک شدید جنگ کے بعد ایرانیوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ **اس جنگ میں ایرانیوں کے مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیان کی جاتی ہے۔**

ایرانی لشکر کا سالار مہران بھی اس جنگ میں قتل ہوا۔ **اس جنگ کو یَوْمُ الْاَعْشَار بھی کہا جاتا ہے** کیونکہ اس جنگ میں سَو لوگ ایسے تھے جن میں سے ہر ایک نے دس دس آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ ایرانی لشکر شکست کھا کر پل کی طرف بھاگا تا کہ دریا عبور کر کے اپنے محفوظ علاقے میں چلا جائے لیکن حضرت مُثنّٰی نے اپنا دستہ لے کر ان کا تعاقب کیا اور پل پار کرنے سے پہلے ہی ان کو گھیر لیا اور دریا کا پل توڑ کر بہت سے ایرانی فوجیوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں حضرت مُثنّٰی افسوس کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شکست خوردہ لوگوں کا تعاقب کیوں کیا؟ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ فرماتے کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ میرے لیے زیبا نہیں کہ میں ان سے مقابلہ کروں جو مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ آئندہ میں کبھی ایسا نہیں کروں گا اور پھر آپ نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اے مسلمانو! تم بھی کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اور اس معاملہ میں میری پیروی نہ کرنا۔ اس معرکے میں یہ غلطی میرے سے ہو گئی کہ دوڑتے ہوؤں کا تعاقب کیا یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل میں تو یہ اسلامی اخلاق ہیں۔

اس معرکے میں اسلامی لشکر کے بعض بڑے بڑے کردار مثلاً خالد بن ہلال اور مسعود بن حارثہ بھی شہید ہوئے تھے۔ حضرت مُثنّٰی نے شہداء کا جنازہ پڑھایا اور فرمایا خدا کی قسم! میرے رنج و غم کو یہ بات ہلکا کرتی ہے کہ یہ لوگ اس جنگ میں شامل ہوئے اور انہوں نے جرأت اور بہادری سے کام لیا اور ثابت قدم رہے اور ان کو کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوئی اور پھر یہ بات میرے غم کو ہلکا کرتی ہے کہ

شہادت گناہوں کی معافی کے لیے کفّارہ بن جاتی ہے۔

اس جنگ کے ذکر میں مؤرخین ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے مسلمان خواتین کی ہمت و دلیری پر روشنی پڑتی ہے۔ میدانِ جنگ سے دور مقام قوادس پر اسلامی لشکر کی خواتین اور بچوں کا کیمپ تھا۔ لڑائی کے خاتمہ پر جب مسلمانوں کا ایک دستہ گھوڑے دوڑاتا ہوا کیمپ کے سامنے پہنچا تو مسلمان خواتین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ دشمن کی فوج ہے جو ہم پر حملہ کرنے آئی ہے۔

انہوں نے بڑی تیزی سے بچوں کو تو گھیرے میں لے لیا اور خود پتھر اور چوبیں لے کر مرنے مارنے پر تل گئیں۔ فوجی دستہ کے قریب پہنچنے پر ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ تو مسلمان ہیں تو اس پارٹی کے راہنما عمرو بن عبدالمسیح نے بے ساختہ کہا کہ اللہ کے لشکر کی خواتین کو یہی زیبا ہے۔

معرکہ بُوَیب ختم ہو گیا مگر اپنے پیچھے گہرے نشانات اور گہرے اثرات چھوڑ گیا۔ ایران کی اسلامی مہم میں اس سے قبل کبھی اتنا جانی نقصان نہ ہوا تھا۔ اس معرکہ کا یہ اثر ہوا کہ عراق کے اکثر نواح میں مسلمانوں کے پاؤں مضبوط ہو گئے اور سواد عراق پر دجلہ تک ان کا قبضہ ہو گیا اور معمولی جھڑپوں کے بعد ارد گرد کے علاقوں پر بھی مسلمان از سر نو قابض ہو گئے جو پہلے چھوڑ گئے تھے اور ایرانی افواج نے اس میں خیریت دیکھی کہ پسپا ہو کر دجلہ کے دوسرے کنارے پر جا اتریں۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔[199]

جنگ قادسیہ

پھر جنگ قادسیہ ہوئی جو چودہ ہجری میں ہوئی۔ قادسیہ موجودہ عراق میں ایک مقام ہے اور کوفہ سے پینتالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

چودہ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان قادسیہ کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی جس کے نتیجہ میں ایرانی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔

جب اہل فارس کو مسلمانوں کے کارناموں کا علم ہوا تو انہوں نے رستم اور فَیْرُزَان سے جو اُن کے دو سردار تھے کہا کہ تم دونوں آپس میں اختلاف کرتے رہے اور تم دونوں نے اہلِ فارس کو کمزور کر کے دشمن کے حوصلے بڑھا دیے ہیں۔

اب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اگر ہم یونہی رہتے ہیں تو ایران تباہ ہو جائے گا کیونکہ بغداد، سَابَاطْ جو مدائن کے قریب مقام ہے اور تِکْرِیْت جو بغداد اور موصل کے درمیان بغداد سے تیس فرسخ یا نوے میل کے فاصلے پر ایک مشہور شہر ہے۔ اس کے بعد اب محض مدائن شہر ہی باقی بچا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم دونوں متفق نہ ہوئے تو پہلے ہم تم دونوں کو ہلاک کریں گے پھر خود ہلاک ہو کر سکون حاصل کر لیں گے یعنی پھر ہم جنگ خود ہی کریں گے۔

رستم اور فَیْرُزَان نے بُوْرَان کو معزول کر کے یَزْدَجَرْد کو تخت پر بٹھا دیا جو اس وقت اکیس سال کا

تھا۔ تمام قلعوں اور فوجی چھاؤنیوں کو مستحکم کر دیا گیا۔

حضرت مُثنّٰی نے جب اہلِ فارس کی ان سرگرمیوں سے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اہل عجم کے بادشاہوں کا مقابلہ عربوں کے امراء اور بادشاہوں سے کراؤں گا۔ چنانچہ ہر رئیس، صائب الرائے، معزز، خطیب اور شاعر کو مقابلے کے لیے روانہ کیا گیا نیز حضرت مُثنّٰی کو حکم دیا کہ وہ عجمی علاقے سے نکل کر ان ساحلی علاقوں میں آ جائیں جو تمہاری اور ان کی حدود کے پاس ہیں۔ قبیلہ ربیعہ اور مُضَر کے لوگوں کو بھی ساتھ شامل کرنے کا حکم دیا۔[200]

حضرت عمرؓ کا لشکر کی کمان خود سنبھالنا

حضرت عمرؓ نے عرب میں چاروں طرف نقیب بھیجے اور سرداروں اور رؤساء کو مکہ میں جمع ہونے کے لیے فرمایا۔ چونکہ حج قریب آ چکا تھا تو حضرت عمرؓ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حج کے دوران عرب قبائل ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ جب آپؓ حج سے واپس تشریف لائے تو مدینہ میں ایک بڑا لشکر جمع تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس لشکر کی کمان خود سنبھالی اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں امیر مقرر کر کے روانہ ہوئے اور صِرار میں پڑاؤ ڈالا۔ (صِرار مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک چشمہ ہے) کہتے ہیں کہ ابھی حضرت عمرؓ کا خود محاذِ جنگ پر جانے کا معین فیصلہ نہیں ہوا تھا۔[201]

لشکر لے کے روانہ تو ہو گئے تھے لیکن فیصلہ نہیں کیا تھا کہ خود جائیں گے یا آگے جا کے کسی اَور کو کمانڈر بنا کے روانہ کریں گے۔ بہرحال تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ سب نے آپؓ کو فارس جانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا سارے لشکر کو اپنی کمان میں ہی لے کر جائیں۔ **صِرار آنے تک حضرت عمرؓ نے کسی سے مشورہ نہیں کیا تھا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آپؓ کو جانے سے روکا۔ باقیوں نے تو کہا کہ ضرور لشکر لے کے جائیں لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ آج سے پہلے مَیں نے نبی کریم ﷺ کے سِوا کسی پر اپنے ماں باپ کو قربان نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ کے بعد کبھی ایسا کروں گا مگر آج میں کہتا ہوں کہ اے وہ کہ جس پر میرے ماں باپ فدا ہوں! اس معاملہ کا آخری فیصلہ آپؓ مجھ پر چھوڑ دیں۔ حضرت عمرؓ کو انہوں نے کہا اور پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ آپؓ صِرار مقام پر ہی رک جائیں اور ایک بڑے لشکر کو یہاں سے روانہ فرما دیں۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ شروع سے لے کر اب تک آپؓ دیکھ چکے ہیں کہ آپؓ کے لشکروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ رہا ہے۔ اگر آپؓ کی فوج نے شکست کھائی تو وہ آپؓ کی شکست کی مانند نہ ہو گی۔ اگر ابتدا میں آپؓ شہید ہو گئے یا شکست کھا گئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ پھر کبھی مسلمان نہ تکبیر پڑھ سکیں گے اور نہ ہی لا الٰہ الّا اللہ کی گواہی دے سکیں گے۔** چیدہ اور برگزیدہ اہل الرائے اصحاب کی مجلس شوریٰ کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک عام جلسہ منعقد کیا۔ جب ان

کو حضرت عبد الرحمٰنؓ کا یہ مشورہ مل گیا تو پھر اس کے بعد چیدہ لوگوں سے مشورہ کیا اور اس کے بعد ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں تقریر کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اسلام پر جمع کر دیا ہے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت پیدا کر دی ہے اور اسلام نے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اور مسلمانوں کی باہمی حالت جسم کی طرح ہے کہ ایک حصہ کو تکلیف ہو تو دوسرا بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے معاملات باہمی مشورے سے فیصل ہوا کریں۔ خصوصاً ان میں سے سمجھدار لوگوں کا مشورہ لے لیا جایا کرے اور لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ جس امر پہ متفق اور راضی ہو جائیں اس کی پیروی اور اطاعت کریں اور امیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں میں سے اہل الرائے کے مشورے کو منظور کرے اور لوگوں کے متعلق اُن کی جو رائے ہو اور جنگوں کے متعلق جو اُن کی تدبیر ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہاری طرح ایک فرد بن کر تمہارے ساتھ ہونا چاہتا تھا، جنگ میں شامل ہونا چاہتا تھا مگر تمہارے اہل الرائے اشخاص نے مجھے اس سے روکا ہے۔ اس لیے اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں نہ جاؤں اور کسی اَور شخص کو بھیج دوں۔[202]

حضرت سعد بن ابی وقاص کمانڈر بنتے ہیں

اس وقت حضرت عمرؓ کسی شخص کی تلاش میں تھے۔ اسی دوران ان کی خدمت میں حضرت سعدؓ کا خط آیا۔ حضرت سعدؓ اس وقت نجد کے صدقات پر مامور تھے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے کوئی آدمی بتاؤ جس کو کمانڈر بنایا جائے۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کہ آدمی تو آپ کو مل گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون ہے؟ حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کہ کچھار کا شیر سعد بن مالکؓ یعنی سعد بن ابی وقاصؓ۔ باقی لوگوں نے بھی اس مشورے کی تائید کی۔[203]

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو امیر مقرر فرما کر نصیحت فرمائی کہ اے سعد! تم کو یہ گمان نہ ہو کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور صحابی کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اطاعت کے سوا اَور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ روانگی کے وقت حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو یہ نصیحت فرمائی اور آپؓ نے فرمایا میری نصیحت کو یاد رکھنا۔ ایک اَور نصیحت یہ فرمائی کہ تم نے ایک مشکل اور سخت کام کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ پس اپنے نفس کو اور اپنے ساتھیوں کو نیکی کی عادت ڈالو اور اس کے ذریعہ فتح چاہو اور یاد رکھو کہ ہر عادت ڈالنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اور نیکی کی عادت ڈالنے کا ذریعہ صبر ہے۔ صبر کرو گے تو نیکی کی عادت پڑے گی۔ پس ہر مصیبت جو تمہیں پہنچے اور تکلیف جو تم پر آئے اس پر صبر کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا خوف تمہیں حاصل ہو گا۔[204]

پھر آپؓ نے فرمایا: اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر شَرَافُ سے ایران کی طرف مارچ کرو۔ شَرَافُ

نجد میں پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اس مقام سے آپ نے کہا کہ یہاں سے فوج اکٹھی ہوئی ہے اور یہاں سے شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو اور اپنے تمام امور میں اسی سے مدد چاہو اور یاد رکھو کہ تم اس قوم کے مقابلہ کے لیے جا رہے ہو جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ساز و سامان بڑی کثرت سے ہے۔ جنگی طاقت نہایت مضبوط ہے اور ایسے علاقے کے مقابلے کے لیے جا رہے ہو جو جنگی لحاظ سے سخت اور محفوظ ہے اور گو اپنی زرخیزی اور سیرابی کے باعث عمدہ علاقہ ہے اور دیکھو! ان کے دھوکے میں نہ آ جانا کیونکہ وہ چالاک اور دھوکا دینے والے لوگ ہیں اور جب تم قادسیہ پہنچو تو تم لوگ پہاڑی علاقے کے آخری کنارے اور میدانی علاقے کے شروع کنارے پر ہو گے۔ پس تم اس جگہ پر ہی مقیم رہنا اور یہاں سے نہ ہٹنا، جگہ بھی بتا دی کہ وہیں رہنا۔ جب دشمن کو تمہارے آنے کا علم ہو گا تو وہ مشتعل ہوں گے اور اپنے تمام رسالوں اور پیادہ فوجوں اور پوری قوت کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوں گے۔ اس صورت میں اگر تم دشمن کے سامنے پوری ثابت قدمی سے جمے رہو گے اور تمہیں دشمن سے لڑائی میں ثواب کی خواہش ہو گی اور تمہاری نیت ٹھیک ہو گی تو مجھے امید ہے کہ تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہو گا اور پھر وہ کبھی اس طرح جمع ہو کر تمہارا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور اگر ہوئے بھی تو ان کے قلوب ان کے ساتھ نہ ہوں گے۔ ڈرے ہوئے دلوں کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ اور اگر کوئی دوسری صورت پیدا ہو گئی تو تم ایرانی علاقے کے قریب ترین میدانوں سے ہٹ کر یعنی اگر پیچھے ہٹنے کی صورت پیدا ہوتی ہے، شکست کی صورت پیدا ہوتی ہے تو قریب ترین میدانوں سے ہٹ کر اپنے علاقے کے قریب ترین پہاڑوں میں آ جاؤ گے۔ اس کے نتیجہ میں تمہیں اپنے علاقے میں زیادہ جرأت ہو گی اور اس علاقے سے تم زیادہ واقف ہو گے اور ایرانی تمہارے علاقے میں خوفزدہ ہوں گے اور انہیں اس علاقے سے ناواقفیت بھی ہو گی یہاں تک کہ خدا تعالیٰ دوبارہ ان کے خلاف تمہاری فتح کا موقع پیدا کرے۔ آپ کو یہ یقین تھا کہ فتح تو ہونی ہے اگر عارضی طور پر کوئی ایسے حالات پیدا بھی ہو جاتے ہیں تب بھی آخری فتح تمہاری ہے۔

غرض اس لشکر کی تمام نقل و حرکت حضرت عمرؓ کے مدینہ سے آنے والے تفصیلی احکام کے مطابق ہو رہی تھی۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شَرَاف سے لشکر کی روانگی کی تاریخ بھی مقرر فرما دی تھی اور یہ بھی ہدایت کی کہ قادسیہ پہنچ کر لشکر کا قیام عُذَیْبُ الْهِجَانَات اور عُذَیْبُ الْقَوَادِس کے مقامات کے درمیان ہو اور یہاں پر لشکر کو شرقاً غرباً پھیلا دیا جائے۔ عذیب قادسیہ اور مُغِیْثَہْ کے رستہ میں پانی کا ایک گھاٹ ہے جو قادسیہ سے چار میل کے فاصلے پر اور مُغِیْثَہْ سے بتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت عمرؓ کے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دو عُذَیب تھے۔ یہ بھی تاریخ سے پتہ لگتا ہے۔[205]

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو چار ہزار مجاہدین کے ساتھ ایران کی طرف بھیجا۔ بعد میں دو ہزار یمنی، دو ہزار نجدی بھی جا ملے۔ راستہ میں بنو اسد کے تین ہزار افراد اور اَشْعَثْ بن قیس

کندی ایک ہزار سات سو یمنی سپاہیوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ مسلمانوں کے پاس یا پہلے بھی لشکر تھا اور اس لشکر کی تعداد آہستہ آہستہ پھر وہاں تیس ہزار سے زائد ہو گئی۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں ننانوے ایسے صحابی تھے جو آنحضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شامل ہو چکے تھے۔ طبری نے ان کی تعداد ستر سے زائد بیان کی ہے۔ تین سو دس سے زائد وہ تھے جنہیں ابتدائے اسلام سے لے کر بیعت رضوان تک آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ تین سو ایسے اصحاب تھے جو فتح مکہ میں شامل تھے۔ سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد ہونے کا فخر انہیں حاصل تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شَرَاف پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ مُثنّٰی آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذُوقَار جو کوفہ کے قریب پانی کا ایک گھاٹ ہے اس پر مسلمانوں کی کمک کا انتظار کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے بشیر بن خَصَاصِیَّہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔[206]

مُثنّٰی تو وہاں فوت ہو گئے۔ شَرَاف پہنچ کر حضرت سعد نے حضرت عمرؓ کو لشکر کے قیام کے مفصل حالات بھجوائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لشکر کی ترتیب خود مقرر فرمائی اور خط میں تحریر فرمایا کہ تمام لشکر کو دس دس مجاہدین کے احزاب میں تقسیم کر کے ان پر ایک ایک نگران مقرر کر دو اور ان دستوں پر ایک بڑا افسر مقرر کر دینا۔ پھر ان کی تعداد کا حساب کر کے ان کو قادسیہ کی طرف روانہ کر دینا۔ اپنی کمان میں مُغیرہ بن شعبہ کے دستہ کو رکھنا۔ حضرت عمرؓ نے سعد کو یہ ہدایت فرمائی کہ مُغیرہ بن شعبہ کو، اس کے دستہ کو اپنی کمان میں رکھنا۔

اس کے بعد کے حالات کی تفصیل مجھے روانہ کرنا اور پھر جو روز کی development ہو گی یا جو حالات پیدا ہوں گے مجھے بتاتے رہنا۔ حضرت سعدؓ نے ان ہدایات کے مطابق لشکر کی ترتیب لگائی اور حضرت عمرؓ کو مفصل حالات لکھے۔ ہر دس آدمیوں پر نگران مقرر کرنا اسی نظام کے تحت تھا جو نبی کریم ﷺ کے دور میں رائج تھا۔[207]

<u>ایک اَور خط میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو تحریر فرمایا کہ</u> اپنے دل کو نصیحت کرتے رہو اور اپنی فوج کو وعظ و نصیحت کرتے رہو۔ صبر اختیار کرو۔ صبر اختیار کرو کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بدلہ نیت کے مطابق ملتا ہے۔ جو ذمہ داری تمہارے سپرد ہے اور جو کام تم کرنے جا رہے ہو اس میں پوری احتیاط سے کام کرو۔ خوب احتیاط سے کام کرو۔ خدا سے عافیت چاہو اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کثرت سے پڑھا کرو۔ مجھے تحریر کرو کہ تمہارا لشکر کہاں تک پہنچ گیا ہے اور تمہارے مقابلے میں دشمن کا سپہ سالار کون مقرر کیا گیا ہے کیونکہ بعض ہدایات جو میں تحریر کرنا چاہتا تھا صرف اس وجہ سے تحریر نہیں کر سکا کہ مجھے تمہارے اور تمہارے دشمن کے بعض کوائف کا پوری طرح علم نہیں۔ سارے کوائف بھیجو۔ پھر میں تمہیں مزید ہدایات دوں گا۔ پس مسلمانوں کے لشکر کی منازل میرے پاس بہ تفصیل لکھ بھیجو اور اس علاقے کی کیفیت جو تمہارے درمیان اور ایرانی دارالحکومت مدائن کے درمیان ہے اس طرح لکھ بھیجو کہ

گویا مجھے آنکھوں سے نظر آ جائے یعنی پوری باریکی سے ساری تفصیل لکھو اور اپنی تمام کیفیت مجھے وضاحت سے تحریر کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اس سے امید رکھو اور اپنے کام کے سلسلہ میں اسی پر توکّل کرو اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ خدا تمہیں ہٹا کر کوئی اور قوم یہ کام سرانجام دینے کے لیے لے آئے۔[208]

یعنی ہمیشہ خدا کا تمہیں خوف رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ تمہارا کوئی ٹھیکیدار بنا دیا۔ اگر تم نے یہ ذمہ داری نہ سنبھالی تو خدا تعالیٰ تمہیں اس کام سے ہٹا دے گا اور کوئی اس کام کو سرانجام دینے کے لیے لے آئے گا اور یہ کام تو بہر حال ہونا ہے۔

قادسیہ پہنچ کر حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے لشکر کے قیام اور حدود اربعہ کے متعلق مفصل لکھ کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے جواب تحریر فرمایا کہ اپنی جگہ پر مقیم رہو یہاں تک کہ دشمن خود حملہ آور ہو اور اگر دشمن کو شکست ہو گئی تو مدائن تک پیش قدمی کرنا۔[209]

حضرت سعدؓ کے ضمن میں یہ بیان ہو چکا ہے لیکن یہاں حضرت عمرؓ کے حوالے سے بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت کی ہدایت کے مطابق قادسیہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ تاہم ایرانیوں میں سے کوئی بھی ان کے مقابلے کے لیے نہ آیا۔ اس پر اس علاقے کے لوگوں نے ایران کے بادشاہ یَزْدَجَرْد کے نام خط لکھا کہ اہلِ عرب کچھ عرصہ سے قادسیہ میں مقیم ہیں اور آپ لوگوں نے ان کے مقابلے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے فرات تک کا علاقہ برباد کر دیا ہے، مویشی وغیرہ لوٹ لیے ہیں۔ اگر مدد نہ آئی تو ہم سب کچھ ان کے حوالے کر دیں گے۔ اس خط کے بعد یَزْدَجَرْد نے رستم کو بلایا اور وہ حیلے بہانوں سے جنگ میں شرکت سے گریز کرتا رہا۔ رستم بچتا رہا اور اپنی جگہ جالینوس کو فوج کا سپہ سالار مقرر کرنے کا مشورہ دیا مگر بادشاہ کے سامنے رستم کی ایک نہ چلی اور اسے لشکر کو ساتھ لے کر جانا پڑا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ رستم کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے تم ایسے لوگوں کو بھیجو جو وجیہ، عقل مند اور بہادر ہوں۔ یونہی جنگ نہیں کر دینی۔ دشمن کو بھی دعوت اسلام دینی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو ان کی توہین اور ہماری کامیابی کا ذریعہ بنائے گا۔ تم روزانہ مجھے خط لکھتے رہو۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربارِ ایران میں سفیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ شاہِ ایران یَزْدَجَرْد کو دعوت اسلام دیں۔ مسلمان گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان مسلمانوں پر چادریں تھیں اور ان کے ہاتھوں میں کوڑے تھے۔ سب سے پہلے حضرت نعمان بن مُقَرِّن نے بادشاہ سے بات کی۔ پھر مُغِیرہ بن زُرَارَہ نے۔ مُغِیرہ نے بادشاہ سے یہ کہا کہ تمہارے ساتھ یا تو جنگ ہو گی یا پھر تمہیں جزیہ دینا ہو گا۔ اب تمہارے اختیار میں ہے کہ ہماری ماتحتی تسلیم کرتے ہوئے جزیہ دو یا پھر جنگ کے لیے تیار رہو۔ تاہم ایک تیسری بات بھی ہے۔ اگر اسلام قبول کر لو گے تو ہر چیز سے اپنے آپ کو محفوظ کر لو گے۔ اس پر یَزْدَجَرْد نے کہا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تم سب کو قتل کر دیتا۔ میرے پاس تمہارے لیے

کچھ نہیں ہے۔ دوڑ جاؤ یہاں سے۔ **پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوا کر کہا کہ میری طرف سے یہ لے جاؤ اور** اس نے حکم دیا کہ ان قاصدوں کو مدائن کے دروازے سے باہر نکال دو۔ عاصم بن عمرو نے وہ مٹی لی اور جا کر حضرت سعدؓ کو دیتے ہوئے کہا کہ خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس ملک کی چابیاں عطا کر دی ہیں۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم اپنی فوج کے ساتھ سَابَاط میں پڑا رہا اور یَزْدَجَرْد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چراتا رہا۔ یَزْدَجَرْد کو بار بار لوگوں نے کہا کہ ہماری حفاظت کریں ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہو جائیں گے۔ اس پر مجبور ہو کر رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا اور ایرانی فوجیں سَابَاط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔ **رستم جب سَابَاط سے نکلا تو اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی** اور اس کے ہمراہ تینتیس ہاتھی تھے۔ رستم نے مدائن سے قَادِسِیّہ پہنچنے تک چار ماہ کا عرصہ لگایا۔ رستم نے قادسیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد اگلی صبح اسلامی لشکر کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کو واپس جانے اور صلح کی پیش کش کی۔ رستم نے مسلمانوں کو کہا صلح کر لو اور واپس چلے جاؤ جس کا جواب مسلمانوں کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ہم دنیا طلبی کے لیے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد آخرت ہے۔

رستم نے مطالبہ کیا کہ اس کے دربار میں مسلمانوں کی طرف سے ایلچی مذاکرات کے لیے آئیں۔ رستم کے دربار میں عمدہ اور قیمتی قالین بچھائے گئے اور مکمل آرائش وزیبائش کا انتظام کیا گیا۔ رستم کے لیے سونے کا تخت بچھایا گیا اور اس پر قالین بچھا کر اور سونے کے دھاگوں سے تیار کردہ تکیے لگا کر خوب مزین کیا گیا۔

مسلمانوں کی جانب سے سب سے پہلے حضرت رِبْعِیّ بن عَامِرؓ گئے۔ وہ رستم کی طرف اس حال میں گئے کہ اپنے نیزے کا سہارا لیتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے رہے جس سے نیزے کی نوک سے قالین اور گدے پھٹتے چلے جاتے تھے۔ وہ رستم کے پاس پہنچے اور نیچے بیٹھ کر اپنا نیزہ قالین میں گاڑ دیا۔ حضرت رِبْعِیؓ نے تین باتیں رستم کے سامنے رکھیں کہ (۱) آپ لوگ اسلام لے آئیں ہم آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے اور آپ کے ملک سے بھی ہمیں کوئی سروکار نہیں ہو گا۔ پھر ٹھیک ہے ملک کو سنبھالو۔ (۲) ہمیں جزیہ دیں جسے قبول کر کے ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔ جزیہ دے دو تو پھر ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے۔ (۳) اگر کوئی بھی صورت منظور نہ ہو تو پھر چوتھے دن آپ سے لڑائی ہو گی۔ ان تین دنوں میں ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں ہو گی۔ لیکن یہ بھی ہے کہ چوتھے دن لڑائی تو ہو گی لیکن ان تین دنوں میں ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا نہیں ہو گی۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے جنگ شروع کر دی تو پھر ہم لڑنے پر مجبور ہوں گے۔ اگلے روز حضرت سعدؓ نے حُذَیفہ بن مِحْصَن کو بھجوایا۔ انہوں نے بھی حضرت رِبْعِیؓ والی تینوں باتیں دہرائیں۔ تیسرے روز حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ گئے۔ جب انہوں نے اپنی گفتگو کے آخر میں اپنے پہلے دونوں ساتھیوں کی مانند اسلام، جزیہ اور قتال کا ذکر کیا تو رستم نے کہا تب ضرور تم لوگ مرو گے۔ اس پر حضرت مُغیرہؓ نے کہا جو ہم میں سے قتل ہو گا وہ جنت میں جائے گا اور جو تم میں سے قتل ہو گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو ہم میں سے زندہ رہیں گے وہ تم لوگوں پر کامیاب رہیں گے۔ حضرت مغیرہؓ کی بات سن کر

رستم نے سخت برہم ہو کر قسم کھا کر کہا کہ آفتاب کی قسم! کل ابھی دن مکمل نکلنے بھی نہ پائے گا کہ ہم اس سے قبل ہی تم سب کو تہِ تیغ کر دیں گے۔

حضرت مُغِیرہؓ کے بعد بھی چند سمجھدار مسلمانوں کو حضرت سعدؓ نے رستم کے دربار میں بھیجا جن کی شام کو واپسی ہوئی۔ حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کو مورچہ بند ہونے کا حکم دیا اور ایرانیوں کی طرف پیغام بھجوایا کہ دریا عبور کرنا تمہارا کام ہے۔ پل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اس لیے ایرانیوں کو دوسری جگہ ساری رات دریائے عتیق پر پل بنانا پڑا۔ رستم نے پل عبور کرتے وقت کہا کہ کل ہم مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے۔ آگے سے ایک شخص نے کہا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ اگر اللہ چاہے تو۔ شاید اس کو اللہ پر بھی یقین تھا۔ اس پر رستم نے کہا! اگر اللہ نہ بھی چاہے (نعوذ باللہ) تب بھی ہم پیس دیں گے۔

بیماری کے باوجود لشکر کی کمان۔۔

مسلمان اپنی صف بندی مکمل کر چکے تھے اور حضرت سعدؓ کے جسم میں پھوڑے نکل آئے۔ اس دوران ان کو بیماری ہو گئی، پھوڑا نکل آیا اور وہ عِرْقُ النَّسا یعنی شیاٹیکا Sciatica کی بیماری کے باعث بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ سینے کے بل لیٹے رہتے تھے۔ ان کے سینے کے نیچے تکیہ رکھا ہوتا تھا جس کے سہارے وہ محل کی چھت سے یا درخت کے اوپر جو مچان بنائی تھی اس کے اوپر سے لشکر کی طرف دیکھتے رہتے۔ حضرت سعدؓ نے خالد بن عَرفَطہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ حضرت سعدؓ نے مسلمانوں سے خطاب کیا اور انہیں جہاد کی ترغیب دی اور اللہ کی فتح کا وعدہ یاد دلایا۔

اہلِ فارس کی افواج دریائے عتیق کے کنارے تھیں۔ یہ دریائے عتیق بھی ایک دریا ہے جو فرات سے نکلتا ہے اور مسلمانوں کی افواج قُدَیس کی دیوار اور خندق کے ساتھ تھیں۔ قُدَیس قادسیہ کے نزدیک ایک احاطہ ہے جو دریائے عتیق سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ ایرانی فوج میں سے تیس ہزار زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی یعنی آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ زنجیریں باندھی ہوئی تھیں تاکہ کسی کو دوڑنے کا موقع نہ ملے۔ حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کو سورۂ انفال پڑھنے کا حکم دیا۔ جب تلاوت کی گئی تو مسلمانوں نے سکینت محسوس کی۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد مسلمانوں اور اہل فارس کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ قبیلہ بنو تمیم کے ماہر تیر اندازوں کو بلا کر حضرت عاصمؓ نے کہا کہ اپنے تیروں کے ذریعہ ان ہاتھیوں پر بیٹھے سواروں پر حملہ کرو اور بہادر سپاہیوں سے کہا کہ ہاتھیوں کی پشت پر جا کر ان کے ہودجوں کے بندھ کاٹ ڈالو۔ چنانچہ کوئی ہاتھی ایسا نہ بچا جس کے اوپر سے اس کا سامان اور سوار باقی بچا ہو۔ سورج غروب ہونے کے بعد تک لڑائی جاری رہی۔ پہلے روز قبیلہ بنو اسد کے پانچ سو مسلمان شہید ہوئے۔ اس دن کو یوم اَرْمَاثْ کہا جاتا ہے۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو حضرت سعدؓ نے سب شہداء کو دفنایا اور زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال

کریں۔ اسی دوران ملک شام سے مسلمانوں کو کمک موصول ہوئی۔

حضرت ہاشم بن عُتْبَہ بن ابی وقاصؓ اس کمک کے امیر تھے۔ اس کے اگلے حصہ پر حضرت قَعْقَاع بن عمروؓ امیر تھے۔ قَعْقَاع بہت جلد سفر طے کر کے اغواث کی صبح عراق کے لشکر میں پہنچ گئے۔ قَعْقَاع نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنے ہراول دستوں کو دس دس سپاہیوں کے گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا جو ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر حرکت کر رہے تھے اور باری باری اسلامی لشکر سے یہ دس دس کے دستے ملتے جاتے تھے۔ ہر دستہ کے آنے پر نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتا اور یوں معلوم ہوتا کہ اسلامی لشکر کو مسلسل کمک مل رہی ہے۔ خود حضرت قَعْقَاع پہلے حصہ میں پہنچے۔ جاتے ہی مسلمانوں کو سلام کیا اور لشکر کی آمد کی خوشخبری سنائی اور کہا اے لوگو! تم وہ کرو جو میں کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور مُبارزت طلب کی۔ یہ سن کر بَہْمَن جَاذَوَیہ مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا اور حضرت قَعْقَاعؓ نے اسے قتل کر دیا۔ مسلمان بَہْمَن جَاذَوَیہ کے قتل اور مسلمانوں کے امدادی لشکر کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ **حضرت قَعْقَاعؓ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ کا ایک قول ہے کہ وہ لشکر ناقابلِ شکست ہوتا ہے جہاں ان جیسے شخص موجود ہوں۔** اس دن ایرانی اپنے ہاتھیوں کے ذریعہ جنگ نہ کر سکے کیونکہ ان کے ہودج گذشتہ روز ٹوٹ گئے تھے۔ اس لیے وہ صبح سے ان کی درستگی میں مشغول تھے اور مسلمانوں نے یہ ترکیب اختیار کی کہ اپنے اونٹوں کو جھول پہنا دیے جس کے باعث اونٹ او جھل ہو گئے۔ ان کے اوپر کپڑے ڈال دیے ان کے جسم اور گردنیں سب چھپ گئیں اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا ہاتھی ہیں۔ یہ اونٹ جہاں جاتے ایرانیوں کے گھوڑے اس طرح بدکنے شروع کر دیتے جیسے گذشتہ روز مسلمانوں کے گھوڑے بدکتے رہے تھے۔ صبح سے لے کر دوپہر تک فریقین کے گھڑ سوار مقابلہ کرتے رہے۔ جب دن آدھے سے زیادہ گزر گیا تو عمومی جنگ شروع ہوئی جو آدھی رات تک جاری رہی۔ یہ دوسرا دن یوم اَغْوَاث کہلاتا ہے اور یہ دن مسلمانوں کے نام رہا یعنی اس میں مسلمانوں کو کامیابی ملی۔ تیسرے دن کی صبح ہوئی تو دونوں لشکر اپنے اپنے مورچوں میں تھے۔ اس روز خون ریز جنگ ہوئی۔ مسلمان شہداء کی تعداد دو ہزار تھی اور ایرانی فوج کے دس ہزار سپاہی قتل ہوئے۔ مسلمان اپنے مقتولین کو دفن کرتے رہے اور زخمیوں کو علاج کے لیے عورتوں کے سپرد کرتے رہے جبکہ ایرانیوں کے مقتولین کی لاشیں اسی طرح میدان میں پڑی رہیں۔ اس رات ایرانی اپنے ہاتھیوں کے ہودج وغیرہ درست کرتے رہے۔ پیدل فوج ہاتھیوں کی حفاظت کے لیے ساتھ تھی تاہم آج کے روز وہ ہاتھی اتنی تباہی نہ پھیلا سکے جتنی انہوں نے پہلے دن پھیلائی تھی۔ حضرت سعدؓ نے حضرت قَعْقَاعؓ اور حضرت عَاصِمؓ کی طرف پیغام بھیجا کہ ایرانیوں کے سفید ہاتھی سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔ چنانچہ حضرت قَعْقَاعؓ اور حضرت عاصمؓ نے حملہ کر کے اس کی دونوں آنکھوں میں نیزے گھونپے جس سے ہاتھی نے بدحواس ہو کر اپنے سوار کو نیچے گرا دیا۔ اس کی سونڈ کاٹ دی گئی اور پھر تیروں کے حملے کر کے اسے نیچے گرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے مسلمانوں نے

ایک اور ہاتھی کی آنکھوں میں نیزے مارے۔ کبھی وہ بھاگ کر مسلمانوں کے لشکر میں آتا تو وہ اس کو نیزے کی نوک چبھوتے اور کبھی ایرانیوں کے لشکر میں جاتا تو وہ اس کو نیزے چبھوتے۔ بالآخر وہ ہاتھی جسے اَجْرَبْ کہتے تھے دریائے عتیق کی طرف بھاگا اور اس کی دیکھا دیکھی دیگر ہاتھی بھی اس کے پیچھے دریا میں کود گئے اور وہ اپنے سواروں سمیت ہلاک ہو گئے۔ دن ڈھلنے تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اسے یوم عَمَاس کہتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد دوبارہ گھمسان کا رَن پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت تلواروں کی آوازیں یوں سنائی دے رہی تھیں جیسے لوہاروں کی دکانوں میں لوہا کاٹا جا رہا ہو۔ **ساری رات حضرت سعدؓ بھی جاگتے رہے اور اللہ کے حضور دعا میں مشغول رہے۔**

عرب و عجم نے اس رات جیسا واقعہ کبھی مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کا جوش و جذبہ برقرار تھا اور وہ غالب رہے۔ اس رات کے بعد آنے والی صبح تمام لوگوں پر تھکن کی کیفیت تھی کیونکہ پوری رات وہ جاگتے رہے تھے۔ اس رات کو لَیْلَۃُ الْھَرِیْر کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ رات مسلمانوں نے آپس میں گفتگو نہ کی بلکہ صرف سرگوشیاں ہی کرتے رہے۔ ھَرِیْر کا مطلب بھی یہی لکھا ہے کہ جب تیر چلایا جاتا ہے تو جس طرح ہلکی سی آواز کمان میں سے نکلتی ہے یا چکی چلنے کی ہلکی سی آواز آ رہی ہو۔ طبری میں بھی لَیْلَۃُ الْھَرِیْر کی وجہ تسمیہ یہی لکھی ہے کہ مسلمان اس رات آغازِ شب سے لے کر صبح تک نہایت بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ وہ زور سے نہیں بول رہے تھے بلکہ وہ آہستہ آہستہ سے گفتگو کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس رات کا نام لَیْلَۃُ الْھَرِیْر مشہور ہو گیا۔

رستم کا قتل ہونا

بہرحال چوتھی صبح پھر دوپہر تک لڑائی جاری رہی اور ایرانی پسپائی اختیار کرتے رہے۔ اس کے بعد رستم پر حملہ کیا گیا تو وہ دریائے عتیق کی طرف بھاگ نکلا۔ جب اس نے دریا میں چھلانگ لگائی تو ہلال نامی مسلمان نے اسے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر خشکی پر لے آیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد وہ مسلمان جس نے رستم کو قتل کیا تھا اعلان کرنے لگا کہ میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے۔ میری طرف آؤ۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اور زور سے نعرہ تکبیر لگایا۔ رستم کے قتل کی خبر سے اہل فارس شکست کھا کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل بھی کیا اور ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنایا۔ اس دن کو یوم قَادِسِیّہ کہا جاتا ہے۔ **حضرت عمرؓ روزانہ صبح ہوتے ہی میدان سے باہر آنے والے سواروں سے جنگ قادسیہ کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔** جب جنگ کی بشارت لانے والے قاصد نے بتایا کہ اللہ نے مشرکوں کو شکست دی ہے تو حضرت عمرؓ اس وقت دوڑتے جا رہے تھے اور معلومات لیتے جا رہے تھے جبکہ وہ قاصد اپنی اونٹنی پر سوار تھا اور وہ حضرت عمرؓ کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ جب وہ قاصد مدینہ میں داخل ہوا اور لوگ حضرت عمرؓ کو امیر المومنین کہہ رہے تھے اور سلام کر رہے تھے تو قاصد نے حضرت

عمرؓ سے عرض کی کہ آپؓ نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ آپ امیر المومنین ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھائی! کوئی بات نہیں۔ بہر حال فتح کی اطلاع کے بعد حضرت عمرؓ نے مجمع میں فتح کی خبر پڑھ کر سنائی اور اس کے بعد ایک پُر اثر تقریر کی۔ آپؓ نے حکم بھیجا کہ لشکر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے اور فوج کی دوبارہ تنظیم و ترتیب کی جائے اور دوسرے قابلِ اصلاح امور کی طرف توجہ دی جائے۔ حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے راہنمائی لی تھی کہ قادسیہ کی جنگ میں بہت سے لوگ ایرانیوں کی طرف سے ایسے بھی تھے جو اس سے قبل مسلمانوں سے صلح کر چکے تھے اور ان میں بعض تو اس امر کے ایسے مدعی تھے کہ ایرانی حکومت نے ان کے خلافِ مرضی، جبراً انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے بلکہ مجبور ہو کے آئے تھے اور بہت سے لوگوں کا یہ دعویٰ صحیح بھی تھا۔ بہت سے لوگ جنگ کے باعث اس علاقے کو چھوڑ کر دشمن کے علاقے کی طرف چلے گئے تھے اور واپس آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان امور کے فیصلے کے لیے مدینہ میں مجلس شوریٰ منعقد کی اور بعد از فیصلہ یہ ہدایت بھیجی کہ جن لوگوں سے مسلمانوں کے معاہدات تھے اور انہوں نے اپنے معاہدات پورے کیے اور اپنے علاقے میں مقیم رہے، دشمن کی طرف نہیں گئے ان کے معاہدات کا پوری وفاداری سے احترام کیا جائے گا۔ جن لوگوں سے مسلمانوں کے معاہدات نہیں تھے مگر وہ اپنے علاقے میں رہے اور دشمن کی طرف جا کر تمہارے خلاف صف آرا نہیں ہوئے تو ان سے بھی وہی سلوک کیا جائے جو ان لوگوں سے کیا جا رہا ہے جن سے معاہدات ہیں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایرانی حکومت نے جبراً ان کو لشکر میں شامل کر لیا تھا اور ان کا دعویٰ سچا نظر آتا ہے تو ان سے بھی مسلمانوں کے سلوک میں کوئی کمی نہیں کی جائے۔ ان کو بھی کچھ نہ کہا جائے اور جو لوگ اس امر کے جھوٹے مدعی ہیں کہ ان پر جبر کیا گیا بلکہ وہ خود اپنی مرضی سے دشمن کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف سرگرم کار رہے تو ان کا پہلا معاہدہ تو منسوخ ہو گیا کیونکہ انہوں نے دشمن کا ساتھ دیا ہے۔ اب یا تو ان سے دوبارہ مصالحت کی جائے یا انہیں ان کی امن کی جگہ پر پہنچا دیا جائے یعنی پھر ان کو معاہدہ کر کے وہاں سے نکال دیا جائے اور جہاں وہ جانا چاہتے ہیں امن سے رہنے کے لیے چلے جائیں اور جن لوگوں سے معاہدات نہیں اور وہ اس علاقے کو چھوڑ کر دشمن کی طرف چلے گئے اور تمہارے خلاف جنگ آزما ہوئے ان کے متعلق اگر تم مناسب سمجھو تو انہیں بھی بلا لو اور وہ جزیہ ادا کر دیں اور تمہارے علاقے میں رہیں۔ نرمی کا سلوک جتنا ہو سکتا ہے کرنا ہے اور تم مناسب سمجھو تو انہیں نہ بلاؤ اور وہ بدستور تمہارے خلاف برسرِپیکار رہیں اور تم ان کے خلاف لڑائی جاری رکھو۔ اگر وہ پھر لڑائی کرتے رہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے، پھر تمہیں بھی لڑائی کا حق ہے لیکن اگر وہ باوجود دشمن کے ساتھ ملنے کے باز آجاتے ہیں تو پھر ان کو چھوڑ دو۔

یہ احکام مفید ثابت ہوئے اور نواح کے لوگ واپس آ کر اپنی زمینوں پر آباد ہو گئے اور یہ وسعت حوصلہ کی ایک عمدہ مثال ہے۔ کتنی وسعتِ حوصلہ ہے کہ مسلمانوں نے ان لوگوں کو بھی اپنی زمین آباد

کرنے کے لیے بلا لیا جو ایک نہایت نازک وقت میں اپنے معاہدات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دشمن سے جا ملے تھے۔ گو مدینہ کی مجلسِ مشاورت نے انہیں اس امر کی اجازت دے دی تھی کہ چاہے ایسے ایرانیوں کو واپس بلالیں چاہے نہ بلائیں اور ان کی اراضی آپس میں تقسیم کرلیں۔ مسلمانوں میں اراضی تقسیم کر دیں۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس خطرے کے وقت میں بدعہدی کرنے والوں کو واپس بلایا گیا تو ان کی اراضی پر عام اراضی کی نسبت زیادہ ٹیکس لگایا گیا تھا۔ صرف یہ ایک شرط تھی کہ ٹھیک ہے تم نے بدعہدی کی ہے۔ واپس آ جاؤ اپنی زمینیں آباد کرو لیکن جو ٹیکس زمین کا ہے وہ تمہیں دوسروں کی نسبت زیادہ دینا پڑے گا لیکن بہر حال زمینوں کے مالک بے شک بنے رہو۔

عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں اس جنگ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ مسلمان مجاہدین نے شدید مخالف حالات کا نہایت ثابت قدمی سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ دربار خلافت سے جب لوگوں کے لیے گزارے مقرر ہوئے تو اس ضمن میں قادسیہ میں شرکت بھی ایک وجہ امتیاز سمجھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے قادسیہ میں شریک لوگوں کے زیادہ وظیفے مقرر کیے۔[210]

حضرت مصلح موعودؓ نے جنگ قادسیہ کا ذکر کرتے ہوئے جو فرمایا ہے اس میں سے کچھ حصہ بیان کرتا ہوں۔ ”حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب خسرو پرویز کے پوتے یَزْدَجَرْد کی تخت نشینی کے بعد عراق میں مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے جنگ کیلئے قادسیہ کا میدان منتخب کیا اور حضرت عمرؓ کو اس مقام کا نقشہ بھجوا دیا۔

حضرت عمرؓ نے اس مقام کو بہت پسند کیا مگر ساتھ ہی لکھا کہ پیشتر اس کے کہ شاہِ ایران کے ساتھ جنگ کی جائے تمہارا فرض ہے کہ ایک نمائندہ وفد شاہِ ایران کے پاس بھیجو اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دو۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کے ملنے پر ایک وفد یزدجرد کی ملاقات کے لئے بھجوا دیا۔ جب یہ وفد شاہِ ایران کے دربار میں پہنچا تو شاہِ ایران نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے پوچھو کہ یہ کیوں آئے ہیں اور انہوں نے ہمارے ملک میں کیوں فساد برپا کر رکھا ہے۔ جب اس نے یہ سوال کیا تو وفد کے رئیس حضرت نعمان بن مُقَرِّنؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے رسول کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ آپؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسلام کو پھیلائیں اور دنیا کے تمام لوگوں کو دین حق میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔ اس حکم کے مطابق ہم آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ہیں اور آپ کو اسلام میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔

یَزْدَجَرْد اس جواب سے بہت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ تم ایک وحشی اور مُردار خور قوم ہو۔ تمہیں اگر بھوک اور افلاس نے اس حملہ کے لئے مجبور کیا ہے تو میں تم سب کو اس قدر کھانے پینے کا سامان

دینے کے لئے تیار ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکو۔ اسی طرح تمہیں پہننے کے لئے لباس بھی دوں گا۔ تم یہ چیزیں لو اور اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ تم ہم سے جنگ کر کے اپنی جانوں کو کیوں ضائع کرنا چاہتے ہو۔

جب وہ بات ختم کر چکا تو اسلامی وفد کی طرف سے **حضرت مُغِیرہ بن زُرَارَہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ آپ نے ہمارے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے یہ بالکل درست ہے۔ ہم واقعہ میں ایک وحشی اور مُردار خور قوم تھے۔** سانپ اور بچھو اور ٹڈیاں اور چھپکلیاں تک کھا جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور اس نے اپنا رسولؐ ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس کی باتوں پر عمل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہم میں ایک انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔

اور اب ہم میں وہ خرابیاں موجود نہیں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اب ہم کسی لالچ میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ ہماری آپ سے جنگ شروع ہو چکی ہے۔ اب اس کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہی ہو گا۔" اگر آپ کو یہی منظور ہے کہ دعوت نہیں مانتے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے ہم بھی جنگ کریں گے۔ "دنیوی مال و متاع کا لالچ ہمیں اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔

یَزْدَجَرْد نے یہ بات سنی تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے ایک نوکر سے کہا کہ جاؤ اور مٹی کا ایک بورا لے آؤ۔ مٹی کا بورا آیا تو اس نے اسلامی وفد کے سردار کو آگے بلایا اور کہا کہ چونکہ تم نے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس لئے اب اس مٹی کے بورے کے سِوا تمہیں اَور کچھ نہیں مل سکتا۔ وہ صحابیؓ نہایت سنجیدگی کے ساتھ آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنا سر جھکا دیا۔" جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے لیکن یہ تھوڑی سی تفصیل ہے اپنا سر جھکا دیا" اور مٹی کا بورا اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا پھر انہوں نے ایک چھلانگ لگائی اور تیزی کے ساتھ اس کے دربار سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو بلند آواز سے کہا آج ایران کے بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے ملک کی زمین ہمارے حوالے کر دی ہے اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر تیزی سے نکل گئے۔

بادشاہ نے جب ان کا یہ نعرہ سنا تو وہ کانپ اٹھا اور اس نے اپنے درباریوں سے کہا دوڑو اور مٹی کا بورا ان سے واپس لے آؤ۔ یہ تو بڑی بدشگونی ہوئی ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے ملک کی مٹی ان کے حوالے کر دی ہے مگر وہ اس وقت تک گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت دور نکل چکے تھے۔ لیکن آخر وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا اور چند سال کے اندر اندر سارا ایران مسلمانوں کے ماتحت آ گیا۔" حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ "یہ عظیم الشان تغیر مسلمانوں میں کیوں پیدا ہوا؟ اسی لئے کہ قرآنی تعلیم نے ان کے اخلاق اور ان کی عادات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ ان کی سفلی زندگی پر اس نے ایک موت طاری کر دی تھی اور انہیں بلند کردار اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی سطح پر لا کر کھڑا کر دیا تھا۔"[211] جس کی وجہ سے یہ انقلاب پیدا ہوا۔ پس قرآنی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی حقیقی انقلاب آیا کرتے ہیں۔[212]

فتح مدائن

مدائن کی فتح کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیین میں لکھا ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے زمانے میں اس کی پیشگوئی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اللہ تعالیٰ کے علم سے فرمائی تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”خندق کھودتے کھودتے ایک جگہ سے ایک پتھر نکلا جو کسی طرح ٹوٹنے میں نہ آتا تھا اور صحابہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین دن کے مسلسل فاقہ سے سخت نڈھال ہو رہے تھے۔ آخر تنگ آکر وہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک پتھر ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ اس وقت آپؐ کا بھی یہ حال تھا کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا مگر آپؐ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور ایک کدال لے کر اللہ کا نام لیتے ہوئے اس پتھر پر ماری۔ لوہے کے لگنے سے پتھر میں سے ایک شعلہ نکلا جس پر آپؐ نے زور کے ساتھ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور فرمایا کہ مجھے مملکت شام کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم! اس وقت شام کے سرخ محلات میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس ضرب سے وہ پتھر کسی قدر شکستہ ہو گیا۔ دوسری دفعہ آپؐ نے پھر اللہ کا نام لے کر کدال چلائی اور پھر ایک شعلہ نکلا جس پر آپؐ نے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور فرمایا اس دفعہ مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں اور مدائن کے سفید محلات مجھے نظر آرہے ہیں۔ اس دفعہ پتھر کسی قدر زیادہ شکستہ ہو گیا۔ تیسری دفعہ آپؐ نے پھر کدال ماری جس کے نتیجہ میں پھر ایک شعلہ نکلا اور آپؐ نے پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور فرمایا اب مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم! صنعاء کے دروازے مجھے اس وقت دکھائے جارہے ہیں۔ اس دفعہ وہ پتھر بالکل شکستہ ہو کر اپنی جگہ سے گر گیا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ہر موقعہ پر بلند آواز سے تکبیر کہی اور پھر بعد میں صحابہؓ کے دریافت کرنے پر آپؐ نے یہ کشوف بیان فرمائے اور مسلمان اس عارضی روک کو دور کر کے پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔“ یعنی پتھر توڑنے کا جو کام تھا (اسے کر کے) پھر کام میں مصروف ہو گئے، پھر خندق کی کھدائی شروع ہو گئی۔ ”آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے یہ نظارے عالم کشف سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا اس تنگی کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور فراخیوں کے مناظر دکھا کر صحابہؓ میں امید و شگفتگی کی روح پیدا فرمائی مگر بظاہر حالات یہ وقت ایسا تنگی اور تکلیف کا وقت تھا کہ منافقین مدینہ نے ان وعدوں کو سن کر مسلمانوں پر پھبتیاں اڑائیں کہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی طاقت نہیں اور قیصر و کسریٰ کی مملکتوں کے خواب دیکھے جارہے ہیں مگر خدا کے علم میں یہ ساری نعمتیں مسلمانوں کے لئے مقدر ہو چکی تھیں۔ چنانچہ یہ وعدے اپنے اپنے وقت پر یعنی کچھ تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے آخری ایام میں اور زیادہ تر آپؐ کے خلفاء کے زمانہ میں پورے ہو کر مسلمانوں کے ازدیادِ ایمان و امتنان کا باعث ہوئے۔“[213]

مدائن کی فتح کا جو وعدہ ہے یہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت سعدؓ کے ہاتھوں پورا ہوا جیسا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو دکھایا گیا تھا کہ مدائن فتح ہو گا۔ یہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں پورا ہوا۔ قادسیہ کو

فتح کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے بابل کو فتح کیا۔ بابل موجودہ عراق کا قدیم شہر تھا۔ بابل کو فتح کرنے کے بعد کُوثی نام کے ایک تاریخی شہر کے مقام پر پہنچے۔ کُوثی بابل کا نواحی علاقہ ہے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے قید کیا تھا اور قید خانے کی جگہ اُس وقت تک محفوظ تھی۔ حضرت سعدؓ جب وہاں پہنچے اور قید خانے کو دیکھا تو قرآن کریم کی آیت پڑھی۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران: 141) یعنی یہ دن ایسے ہیں کہ ہم انہیں لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ کُوثی سے آگے بڑھے تو بَہُرَ سِیْر نامی ایک جگہ پر پہنچے۔ یہ عراق کے شہر مدائن کے اس حصہ کا نام ہے جو دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ یہاں کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا۔ حضرت سعدؓ کا لشکر قریب پہنچا تو انہوں نے اس درندے کو لشکر پر چھوڑ دیا۔ شیر گرج کر لشکر پر حملہ آور ہوا۔ حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشم بن ابی وقاص لشکر کے ہراول دستے کے افسر تھے۔ انہوں نے شیر پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ شیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس کے بعد مدائن کا معرکہ بھی ہوا۔ مدائن بھی عراق میں ہے اس کی location یہ ہے کہ بغداد سے کچھ فاصلے پر جنوب کی طرف دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے۔ اس کا نام مدائن رکھنے کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ یہاں یکے بعد دیگرے کئی شہر آباد ہوئے تھے اس لیے عربوں نے اسے مدائن یعنی کئی شہروں کا مجموعہ کہنا شروع کر دیا۔ مدائن کسریٰ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں پر اس کے سفید محلات تھے۔ مسلمانوں اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے دریا کے تمام پل توڑ دیے۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے کشتیاں تلاش کیں کہ وہ دریا کو عبور کر سکیں لیکن معلوم ہوا کہ وہ لوگ کشتیوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ حضرت سعدؓ چاہتے تھے کہ مسلمان دریا عبور کریں لیکن وہ مسلمانوں کی ہمدردی میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ چند دیہاتی لوگوں نے بھی دریا عبور کرنے کا راستہ بتایا کہ اس جگہ سے چلے جائیں تو آسانی سے کر سکتے ہیں تاہم حضرت سعدؓ نے اس پر بھی عمل نہیں کیا۔ اسی دوران دریا میں طغیانی بھی آ گئی۔ ایک رات آپؓ کو خواب دکھایا گیا کہ مسلمانوں کے گھوڑے پانی میں داخل ہوئے ہیں اور دریا کو پار کر لیا ہے حالانکہ وہاں طغیانی بھی ہے۔ اس خواب کی تکمیل میں حضرت سعدؓ نے دریا کو عبور کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ حضرت سعدؓ نے فوج سے کہا کہ مسلمانو! دشمن نے دریا کی پناہ لے لی ہے۔ آؤ اس کو تیر کر پار کریں اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ حضرت سعدؓ کے سپاہیوں نے اپنے قائد کی پیروی کرتے ہوئے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور اسلامی فوجیں دریا کے پار اتر گئیں۔ مقابل فوج نے یہ حیران کن منظر دیکھا تو خوف سے چیخنے لگے اور بھاگ کھڑے ہوئے کہ ”دیوان آمدند! دیوان آمدند!“ یعنی دیو آ گئے۔ دیو آ گئے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر شہر اور کسریٰ کے محلات پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہی کسریٰ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو وہاں سے منتقل کر دیا تھا چنانچہ مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشگوئی پوری ہو گئی جو آپ ﷺ نے غزوۂ احزاب

کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے پتھر پر کدال مارتے ہوئے فرمائی تھی کہ مجھے مدائن کے سفید محلات گرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ ان محلات کو سنسان حالات میں دیکھ کر حضرت سعدؓ نے سورۂ دخان کی یہ آیات پڑھیں کہ کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ وَّ نَعۡمَۃٍ کَانُوۡا فِیۡہَا فٰکِہِیۡنَ کَذٰلِکَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰہَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ (الدخان:26-29) کتنے ہی باغات اور چشمے ہیں جو انہوں نے پیچھے چھوڑے اور کھیتیاں اور عزت و احترام کے مقام بھی اور ناز و نعمت جس میں وہ مزے اڑایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو اس نعمت کا وارث بنا دیا۔

حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ شاہی خزانہ اور نوادرات کو ایک جگہ پر جمع کیا جائے۔ اس خزانے میں بادشاہوں کی یادگاریں جو کہ ہزاروں کی تعداد میں تھیں جن میں زرہیں، تلواریں، خنجر، تاج اور شاہی ملبوسات شامل تھے۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے۔ مال غنیمت میں ایک فرش بھی تھا جس کو ایرانی ''بہار'' کہتے تھے۔ اس کی زمین سونے کی اور درخت چاندی کے اور پھل جواہرات کے تھے۔

یہ تمام سامان فوج نے اکٹھا کیا لیکن مسلمان سپاہی ایسے راست باز اور دیانت دار تھے، یہاں مسلمان سپاہیوں کی دیانتداری کا پتہ لگتا ہے کہ جس نے جو چیز پائی اسی طرح لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سامان لا کر سجایا گیا اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو حضرت سعدؓ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور کہا کہ جن لوگوں نے ان نوادرات میں سے کچھ لیا نہیں بلاشبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔

مالِ غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں اس حالت میں بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے بھی بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ کتنے ایمان دار سپاہی ہیں۔ مُحَلِّمْ نام ایک شخص مدینہ میں تھا جو دراز قد اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ چنانچہ تمام ملبوسات اسے باری باری پہنائے گئے۔ ان ملبوسات کی خوبصورتی کو دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ اس طرح وہ فرش جس کا نام ''بہار'' تھا اس کو بھی تقسیم کروا دیا گیا۔[214]

پھر جنگ جَلُولَاء ہے جو 16ر ہجری میں لڑی گئی۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جَلُولَاء میں جمع ہو کر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت سعدؓ نے ہَاشِم بن عُتْبہ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ حضرت عمرؓ کے حکم پر ایرانی لشکر سے مقابلے کے لیے بھیجا۔ جَلُولَاء عراق کا شہر ہے جو بغداد سے خراسان جاتے ہوئے راہ پر پڑتا ہے۔ یہاں مسلمانوں اور فارسیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ مسلمان

جب یہاں پہنچے تو انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے باہر نکل کر حملہ آور ہوتے رہے۔ اس طرح اسّی 80 معرکے ہوئے۔ مسلمانوں نے جَلُولَاء کی فتوح کا حال حضرت عمرؓ کو لکھا اور یہ بھی لکھا کہ حضرت قَعْقَاعؓ حُلْوَانْ میں خیمہ زَن ہیں۔ نیز خط میں حضرت عمرؓ سے اہلِ عجم کا تعاقب کرنے کی اجازت مانگی گئی مگر آپؓ نے یہ بات منظور نہیں کی کہ تعاقب نہیں کرنا۔ پیچھے نہیں جانا بلکہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ سوادِ عراق اور ایران کے پہاڑ کے درمیان دیوار حائل ہوتی تاکہ نہ ایرانی ہماری طرف آتے اور نہ ہم ان کے علاقوں میں جاتے۔ ہمارے لیے سواد عراق کا دیہاتی علاقہ کافی ہے۔ میں مال غنیمت حاصل کرنے پر مسلمانوں کی سلامتی کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس بات کا مجھے کوئی شوق نہیں کہ مالِ غنیمت اکٹھا کروں۔ مسلمانوں کی حفاظت، ان کی جان کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت سعدؓ نے قُضَاعِی بِن عَمْرو دُؤَلِی کے ہاتھ خُمس میں سے سونے چاندی کے برتن اور کپڑے اور اَبُو مُفَزِّر اَسْوَدْ کے ہاتھ قیدی بھجوائے۔ دوسری روایت کے مطابق خمس قُضَاعِی اور اَبُو مُفَزِّر کے ہاتھوں بھیجا گیا تھا اور اس کا حساب زِیاد بن ابو سُفْیَان کے ذریعہ بھیجا گیا کیونکہ وہ حساب کتاب کے منشی تھے اور اسے رجسٹروں میں محفوظ رکھتے تھے۔ جب یہ سارا کچھ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو زِیاد نے مالِ غنیمت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کی اور اس کی تمام تفصیلات کہہ سنائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تم مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو بیان کر سکتے ہو۔ یہ تفصیلات جو مجھے بتا رہے ہو۔ زیاد نے جواب دیا خدا کی قسم! روئے زمین پر آپؓ سے زیادہ میرے دل میں کسی کا ڈر نہیں اور جب آپ کے سامنے میں نے بیان کر دیا تو اَوروں کے سامنے کیوں نہیں بیان کر سکوں گا۔ چنانچہ حضرت زِیاد نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تمام حالات بیان کیے اور مسلمانوں نے جو کارنامے سرانجام دیے تھے ان کا بھی ذکر کیا کہ کس طرح جنگ ہوئی، کس طرح مال غنیمت ہاتھ آیا، نیز کہا مسلمان اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ وہ دشمن کے ملک میں آگے تک دشمنوں کا تعاقب کریں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی تقریر سن کر فرمایا: یہ بہت بڑا اصاحبِ لسان خطیب ہے۔ زِیاد نے کہا: ہماری فوج نے اپنے کارناموں کے ذریعہ ہماری زبان کھول دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس خُمس پیش کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: یہ اس قدر کثیر مالِ غنیمت ہے کہ کسی چھت تلے نہ سما سکے گا۔ لہٰذا مَیں بہت جلد اس کو تقسیم کر دوں گا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور عبد اللہ بن ارقم مسجد کے صحن میں اس مال کی رات بھر چوکیداری کرتے رہے۔ مال آیا مسجد کے صحن میں رکھا گیا تو یہ دو صحابہ اس کی حفاظت کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ مسجد میں آئے اور مال غنیمت سے کپڑا اٹھایا گیا تو آپؓ نے یاقوت، زَبَرْجَد اور بیش قیمت جواہرات دیکھے اور رو پڑے۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: اے امیر المومنینؓ! آپؓ کیوں رو رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ تو شکر کا مقام ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے

اس چیز نے نہیں رلایا۔ اللہ کی قسم! اللہ جس قوم کو یہ عطا فرماتا ہے تو ان میں آپس میں حسد اور بغض بڑھ جاتا ہے۔ اس خیال نے مجھے رلایا ہے کہ یہ دولت جو تمہارے پاس آ رہی ہے اس سے کہیں تم لوگوں کے درمیان بھائی چارے کی بجائے حسد اور بغض نہ بڑھ جائے اور جس قوم میں آپس میں حسد بڑھ جائے تو ان میں پھر خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔[215]

یہ بڑے غور اور فکر والی بات ہے اور یہ استغفار کرنے والی بات بھی ہے یہ جو آپؓ نے بیان فرمائی ہے اور یہی ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں میں حسد اور بغض دولت کے آنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔ جن کے پاس تیل کی دولت ہے ان میں بھی ہے یا انفرادی طور پر دیکھیں تو جس کے پاس کچھ اَور دولت آئی ہے تب بھی یہی حال ہے۔ تقویٰ میں کمی ہے۔

مدائن کی جنگ کے دوران شاہ ایران یَزْدَجَرْد اپنا پایہ تخت مَدَائِن چھوڑ کر اپنے خاندان اور ملازمین کے ہمراہ حُلْوَان کو روانہ ہو گیا تھا۔ یَزْدَجَرْد کو جَلُولَاء کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ حُلوان چھوڑ کر رَے کو روانہ ہوا اور خُسْرُوشَنُوْم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حُلْوان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا، کچھ فوجی دستوں کے ساتھ وہاں چھوڑ دیا۔ حضرت سعدؓ خود جَلُولَاء میں ٹھہرے اور قَعْقَاع کو حُلْوان کی طرف روانہ کیا۔ قَعْقَاع قصرِ شیریں کے قریب پہنچے جو حُلْوان سے تین میل کے فاصلہ پر ہے کہ خُسْرُوشَنُوْم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قَعْقَاع نے حلوان پہنچ کر قیام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس آ آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔[216]

<u>مَاسَبَذَانْ کی فتح کس طرح ہوئی</u>۔ اس بارے میں آتا ہے کہ حضرت ہاشم بن عُتْبہؓ جو جَلُولَاء کے معرکے میں امیرِ لشکر تھے واپس مدائن آ چکے تھے اور حضرت سعدؓ ابھی مدائن میں ہی مقیم تھے کہ اطلاع ملی کہ ایک ایرانی لشکر آذِیْن بن ہُرْمُزَان کی سرکردگی میں مسلمانوں سے ٹکر لینے کے لیے میدانی علاقے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

حضرت سعدؓ نے یہ رپورٹ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھجوا دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ ہدایت کی کہ ضِرَار بن خَطَّاب کی سرکردگی میں ایک لشکر مقابلہ کے لیے بھیجا جائے جس کے ہراول دستوں کی قیادت اِبنِ ہُذَیْل کے ہاتھ میں ہو اور عبداللہ بن وَہْب رَاسِبِی اور مُضَارِب بن فُلَانَ عِجْلِی بازوؤں کے کمانڈر ہوں۔ اسلامی لشکر ایرانی لشکر کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا اور مَاسَبَذَانْ کے میدانی علاقے کے قریب دشمن سے جا ملا اور ھَنْدَفْ مقام پر لڑائی ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر شہر مَاسَبَذَانْ پر قبضہ کر لیا۔

باشندے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے مگر ضِرار بن خَطَّاب نے انہیں دعوت دی کہ آ کر امن سے اپنے شہر میں آباد ہو جائیں۔ انہوں نے دعوت قبول کر لی اور اپنے گھروں میں آباد ہو گئے۔[217]

بلاذری نے مَاسَبَذَانْ کی فتح کے بارے میں مختلف روایات لی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے نہاوند کے معرکے سے واپسی پر اس شہر کو بغیر لڑائی کے فتح کیا تھا۔[218]

خُوْزَسْتَان کی فتوحات کا حال یوں بیان ہوا ہے۔ خُوْزَسْتَان ایران کا ایک صوبہ ہے۔ ھُرْمُزَان اسلام قبول کرنے سے پہلے اسی صوبہ کا گورنر تھا۔ اس علاقے اور اس علاقے کے مکینوں کو خُوْز کہا جاتا تھا۔ اس سے مراد خُوْزَسْتَان کے رہنے والے اہواز کے نواح میں فارس اور بصریٰ اور واسِط اور اصفہان کے پہاڑوں کے درمیان کا علاقہ ہے۔

14ر ہجری میں حضرت عمرؓ نے فوجی نقطہ نظر سے بعض فوائد دیکھ کر عراق میں چھوٹے پیمانے پر ایک دوسرا فرنٹ کھول دیا اور عُتْبَہ بن غَزْوَان کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر اس مقام کی طرف روانہ فرمایا جہاں ابتداءً اس لشکر کے لیے بطور چھاؤنی شہر بصرہ کی داغ بیل ڈالی۔ یہ لشکر نہ صرف ارد گرد کے دشمن کے علاقوں پر فتح حاصل کر رہا تھا بلکہ عراقی جنگی مہم میں اس رنگ میں مفید ہو رہا تھا کہ نواح کی ایرانی افواج اعلیٰ اور بڑے محاذ پر اپنے ساتھیوں کی مسلسل شکستوں کی خبریں سن کر بھی ان کی امداد کے لیے نہ جا سکتی تھیں۔ زیادہ مقصد یہی لگتا ہے فوج یہاں بٹھانے کا، اس رستہ پہ قبضہ کرنے کا، کہ ایرانی افواج کی کمک اور مدد وہاں نہ جائے اور وہ مسلمانوں پر حملے نہ کرتے رہیں۔

اس لشکر کے امیر حج کرنے اور حضرت عمرؓ سے ملاقات کی غرض سے واپس حجاز گئے تھے اور حضرت عمرؓ نے آپ کی غیر حاضری میں اس لشکر کی قیادت حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو دی تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر جب ایک اخلاقی جرم کا الزام لگایا اور اس کی تحقیقات کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر کے مدینہ بلایا ہوا تھا تو ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کمانڈر مقرر کیا تھا۔ بہر حال تحقیقات پر حضرت مغیرہ پر جو الزام لگا تھا وہ غلط ثابت ہوا تھا۔[219]

روایات میں اختلاف ہے کہ سولہ ہجری یا سترہ ہجری میں اسلامی لشکر کی مصروفیات بھی کافی رہیں اور اس میدان کی جنگی سرگرمیاں بھی وسعت پکڑ گئیں اور مسلمانوں نے خُوْزَسْتَان کے معروف شہر اَھْوَاز پر قبضہ کر لیا۔ مؤرخ طبری نے سترہ ہجری کے واقعات میں بیان کیا ہے مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ بعض روایات سے اس فتح کا سنہ سولہ ہجری معلوم ہوتا ہے۔

اس فتح کے ذکر میں انہوں نے لکھا ہے کہ اس وقت امیر لشکر عُتْبَہ بن غَزْوَان ہی تھے۔ لیکن بلاذری نے جو اس کی وضاحت کی ہے لکھا ہے کہ اَھْوَاز اور اس کے بعد کی فتوحات حضرت عتبہ بن غزوانؓ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی سرکردگی میں ہوئیں اور لکھا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے اَھْوَاز کو فتح کیا۔ اَھْوَاز کے رئیس بَیْرُوْز نامی نے پہلے تو مقابلہ کیا مگر پھر مصالحت کر لی۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت مغیرہؓ کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے علاقے کے اسلامی لشکر کے امیر مقرر ہوئے تو بَیْرُوْز رئیس نے عہد شکنی کر کے بغاوت کر دی۔

اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مقابلے کے لیے نکلے اور لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ

سترہ ہجری میں پیش آیا۔

اَھْوَاز کے معرکے میں اسلامی فوج نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے غلام بنالیا مگر حضرت عمرؓ کے حکم سے سب کو رہا کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کوئی غلامی نہیں۔ سب جو قیدی تھے سب کو رہا کر دیا۔ آزادی دے دی۔ طبری نے لکھا ہے کہ اس علاقے میں ایرانی دو راستوں سے مسلمان لشکر پر بار بار حملہ آور ہوتے تھے۔ ان دونوں راستوں پر دو مقام نَہرِ تِیْرٰی اور مَنَاذِرْ چھاپہ مار ایرانیوں کے مرکز تھے۔ ان دونوں مقامات پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اکثر جگہ ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ جہاں مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا تھا، بار بار حملے کیے جاتے تھے وہیں پھر مسلمانوں نے حملے کیے اور ان جگہوں پر قبضہ کیا۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے نہرتِیرٰی کو اَہْوَاز کے ساتھ فتح کر لیا اور اَہْوَاز کی فتح کے بعد آپ دوسرے مقام یعنی مَنَاذِر کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا اور لڑائی شدت پکڑ گئی۔ اس محاصرے کے دوران میں ایک روز ایک مسلمان بہادر مُہَاجِر بن زِیاد روزہ رکھے ہوئے اپنی جان خدا تعالیٰ کے حضور میں قربان کرنے کے ارادے سے دشمن کے مقابلے کے لیے نکلے۔ مہاجر کے بھائی ربیع نے امیر لشکر ابوموسیٰ کو اطلاع کر دی کہ مہاجر روزہ رکھ کر میدان میں جا رہے ہیں۔ ابوموسیٰ نے اعلان کروا دیا کہ جس نے روزہ رکھا ہے وہ یا تو روزہ کھول دے یا میدان جنگ میں نہ جائے۔ مُھَاجِر نے یہ اعلان سن کر پانی کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کیا اور بولے امیر کے حکم کی خاطر ایسا کرتا ہوں ورنہ مجھے پیاس بالکل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ہتھیار اٹھائے اور دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شہر والوں نے آپ کا سر کاٹ کر محل کے بلند کنگروں پر لٹکا دیا۔ محاصرہ طول پکڑ رہا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے غالباً حضرت عمرؓ کے حکم سے لشکر کا ایک حصہ مُہَاجر کے بھائی ربیع کی کمان میں مَنَاذِر کے محاصرے کے لیے چھوڑا اور خود شہر سُوْس کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر ربیع نے لڑتے بھڑتے شہر پر قبضہ کر لیا اور بہت سے لوگ قیدی بنا لیے مگر حضرت عمرؓ کے احکامات کے نتیجہ میں یہاں بھی سب قیدی رہا کر دیے گئے۔ حضرت ابوموسیٰ سُوس کی طرف بڑھے۔ شہر والوں نے پہلے مقابلہ کیا اور لڑائی کے بعد شہر میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ بالآخر جب غذا کی تنگی ہوئی تو ہتھیار ڈال دیے۔

ان واقعات کی فتوحات کی تفصیل میں میر محمود احمد صاحب نے مقالے میں جو تحقیق اور اپنا تجزیہ کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ:

طبری اور بلاذری میں متعدد اختلافات ہیں جن کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس علاقے میں ایرانی سرداروں کی عہد شکنی کر کے بغاوت کے نتیجہ میں اسلامی لشکر کی دوبارہ جنگی نقل و حرکت کے واقعات روایات میں پہلی مرتبہ کی فتوحات کے واقعات سے مل کر مشتبہ ہو گئے ہیں۔[220]

فتوحات جو تھیں وہ، اور پھر دوبارہ جو امن قائم کرنے کے لیے ہوا، وہ مشتبہ ہو گیا ہے لیکن بہر حال یہ ان کا ایک نقطہ نظر ہے۔

جنگ رَامَهُرْمُزْ اور تُسْتَر۔ یَزْدَجَرْد شاہِ ایران جو جَلُولَاء کے معرکے کے بعد رَے سے ہوتا ہوا اِصْطَخَرْ چلا گیا تھا۔ یہ اِصْطَخَرْ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔ ابھی اس نے شکست نہیں مانی تھی اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے لوگوں کو غیرت دلا رہا تھا اور پوری کوشش میں تھا کہ اس علاقے خُوْزَسْتَان میں، جہاں کی فتوحات کا ہم ذکر کر رہے ہیں، مسلمانوں کے مقابلے کے لیے امدادی فوج بھجوائی جائے۔ دوسری وجہ جو اس علاقے میں جنگ کی آگ تیز کرنے کا موجب بنی ہوئی تھی وہ یہاں کے ایک نامی رئیس هُرْمُزَان کی مسلمانوں کے خلاف جنگی کارروائی تھی۔ هُرْمُزَان قادِسیہ کے معرکہ میں شریک ہو چکا تھا اور وہاں سے شکست کھا کر اپنے وطن میں آ گیا تھا اور یہاں مسلمانوں پر مسلسل چھاپے مار رہا تھا۔[221]

جَلُولَاء میں مسلمانوں کی فتح کے بعد ایرانی هُرْمُزَان کی قیادت میں رَامَهُرْمُزْ میں جمع ہوئے۔ رَامَهُرْمُزْ جو ہے یہ بھی خُوْزَسْتَان کے نواح میں ایک مشہور شہر تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کی ہدایت پر نعمان بن مُقَرِّن کو لشکر کا سردار بنا کر کوفہ سے روانہ کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ سے روانہ کیا اور فرمایا کہ جب دونوں لشکر اکٹھے ہو جائیں تو اَبُوسَبْرَہ بن رُھْم ان کے کمانڈر ہوں گے۔ نعمان بن مُقَرِّن کی فوج کے بارے میں جب هُرْمُزَان کو علم ہوا تو اس نے مقابلہ کیا اور شدید جنگ کے بعد هُرْمُزَان شکست کھا کر تُسْتَر کی طرف بھاگ گیا۔ تُسْتَر بھی خُوْزَسْتَان سے ایک دن کے فاصلے پر ایک بڑا شہر ہے اور شہر میں محصور ہو گیا۔

حضرت اَبُوسَبْرَہ ؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ ایرانی فوج بار بار باہر نکل کر حملہ آور ہوتی اور واپس آ کر دروازے بند کر لیتی۔ اس طرح اس جنگ میں اسّی معرکے ہوئے۔ آخری معرکہ میں مسلمانوں نے بھرپور شدت سے حملہ کیا۔ جب مسلمانوں کی طرف سے حصار سخت ہو گیا تو دو فارسیوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ شہر سے پانی نکلنے والے راستے سے اندر جا کر شہر کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

اس بارے میں اخبار الطِّوَال کے مصنف ابوحنیفہ دِیْنَوَرِی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا محاصرہ طویل ہو گیا۔ ایک رات شہر کا ایک معزز شخص حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آیا اور اپنے اہل و عیال اور اپنے مال کو امان ملنے کے عوض شہر میں قبضہ کرنے میں مدد کی پیشکش کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اسے امان دی۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ وہ شخص مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ اس شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ میرے ساتھ کوئی شخص بھیج دیں تاکہ میں اسے آگاہ کر دوں۔ یعنی رستہ بتاؤں کہ کس طرح مسلمان قلعہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے قبیلہ بنوشَیْبَان میں سے ایک شخص اَشْرَس بن عَوف کو اس کے ساتھ بھیجا۔ وہ دونوں ایک چھوٹی سی نہر میں سے ہوتے ہوئے ایک سرنگ کے راستے سے شہر میں داخل ہوئے۔ اس نے اَشْرَس بن عَوف پر ایک چادر اوڑھا دی اور اسے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے میرے خادموں کی طرح آؤ۔ وہ اسے لے کر شہر کے طول و عرض

میں پھرا۔ پھر وہ شہر کے دروازے پر گیا جہاں پہرے دار موجود تھے پھر وہ ھُرْمُزَان کے پاس پہنچا جو کہ اپنے محل کے دروازے پر مجلس لگائے بیٹھا تھا۔ یہ سب دکھانے کے بعد وہ اس کو اسی راستہ سے واپس لے آیا۔ اَشْرَسْ بن عَوف نے واپس پہنچ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو سب کچھ بتایا۔ اَشْرَسْ بن عوف نے کہا کہ آپ میرے ساتھ دو سو بہادر بھیج دیں میں پہرے داروں کو قتل کر کے دروازہ کھلوا دوں گا اور آپ باہر سے دروازے سے ہمارے ساتھ مل جائیں۔ اس طرح اَشْرَسْ بن عَوف اپنے ساتھیوں سمیت اس خفیہ رستے سے شہر میں داخل ہوئے اور پہرے داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیے۔

سپہ سالار ھرمزان کا گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کے دربار خلافت میں پیش ہونا

اسلامی لشکر اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ ھُرْمُزَان نعروں کی آواز سن کر اپنے قلعہ کی طرف بھاگا جو کہ اس شہر کے اندر ہی موجود تھا۔ مسلمانوں نے قلعہ کو گھیر لیا۔ ھُرْمُزَان اوپر سے دیکھ کر بولا کہ میرے ترکش میں سو تیر ہیں۔ جب تک ان میں سے ایک تیر بھی باقی ہے مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس کے بعد اگر مَیں گرفتار ہوا تو میری گرفتاری کے کیا کہنے۔ مسلمانوں نے کہا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس شرط پر ہتھیار ڈالتا ہوں کہ میرا فیصلہ حضرت عمرؓ پر چھوڑ دیا جائے۔ ھُرْمُزَان نے ہتھیار پھینک دیے اور خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ھُرْمُزَان کو حضرت انس بن مالکؓ اور اَحْنَف بن قیس کی نگرانی میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ بھجوا دیا۔ جب قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ھُرْمُزَان کو اس کا اپنا ریشمی لباس پہنایا جس پر سونے کا کام ہوا ہوا تھا۔ قیدی تھا لیکن اس کو لباس پہنا دیا جو بڑا شان والا لباس تھا۔ اس کے سر پر ہیروں سے جڑا ہوا تاج رکھا گیا تاکہ حضرت عمرؓ اور مسلمان اس کی اصل ہیئت کو دیکھ لیں۔ یہ بتانے کے لیے کہ دیکھو اتنے بڑے سردار کو ہم نے زیر کیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ مسجد میں ہیں۔ وہ جب مسجد میں پہنچے تو حضرت عمرؓ اپنی پگڑی پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ ھُرْمُزَان نے پوچھا عمر کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ سو رہے ہیں۔ اس وقت مسجد میں آپ کے علاوہ اَور کوئی بھی نہیں تھا۔ ھُرْمُزَان نے پوچھا ان کے پہرے دار اور دربان کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا ان کو کسی پہرے دار، درباری، کاتب اور دیوان کی ضرورت نہیں ہے۔ ھُرْمُزَان نے بے ساختہ کہا کہ یہ شخص ضرور کوئی نبی معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ نبی تو نہیں مگر انبیاء کے طریق پر ضرور ہیں۔ حضرت عمرؓ لوگوں کی باتوں سے بیدار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا ھُرْمُزَان ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو اور اس کے لباس کو بغور دیکھا اور کہا میں آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔ قافلہ کے لوگوں نے کہا کہ یہ ہُرْمُزَان ہے اس سے بات کر لیں۔ آپؓ نے کہا ہرگز نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنا زرق برق لباس اور زیورات اتار دے۔ تو اس کے تمام زیورات اور شاہانہ لباس کو اتار دیا

گیا۔ ھُرْمُزَان سے گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا عہد شکنی اور دھوکا دہی کا انجام دیکھا ہے۔ جو جنگ ہوئی تھی یا اس کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی، اس کی عہد شکنی کی وجہ سے ہو رہی تھی اور دھوکا دینے کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ اس نے کہا جاہلیت میں جب خدا ہم دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہ تھا تو ہم تم پر غالب تھے مگر اب خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہے اس لیے اب تم غالب ہو۔ ھُرْمُزَان نے حضرت عمرؓ کو یہ جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں تم اس وجہ سے غالب تھے کہ تم میں اتحاد تھا اور ہم میں افتراق تھا۔ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تم لوگ اکٹھے تھے اور ہم میں افتراق تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ھُرْمُزَان سے پوچھا۔ تم نے بار بار عہد شکنی کی اب تم کیا عذر کرتے ہو؟ جیسا کہ میں نے کہا مسلمانوں نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان سے جنگ کی تھی کیونکہ وہ لوگ جو تھے وہ پُرامن ہمسائے کے طور پر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ ھُرْمُزَان نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ آپ مجھے یہ بتانے سے پہلے ہی قتل نہ کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ڈرو نہیں۔ اس پر ھُرْمُزَان نے پانی مانگا تو اس کے لیے ایک پرانے پیالے میں پانی لایا گیا۔ ھُرْمُزَان نے کہا کہ میں اس طرح کے پیالے میں پانی نہیں پیوں گا خواہ میں پیاسا ہی مر جاؤں۔

چنانچہ اسے اس کے شایان شان برتن میں پانی دیا گیا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ہُرمُزَان نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ جب میں پانی پی رہا ہوں گا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب تک تو پانی پی نہ لے تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ سن کر اس نے پانی زمین پر گرا دیا۔ ہوشیار تھا، اس نے کہا اچھا پانی پینا اگر شرط ہے تو مسلمان تو وعدے کے پکے ہیں۔ تو اس نے کہا میں پانی پیتا ہی نہیں اور پانی زمین پہ گرا دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اسے دوبارہ پانی دو اور اسے پیاسا قتل نہ کیا جائے۔

سزا تو اس کی یہی تھی عہد شکنی اور فتنہ و فساد اور مسلمانوں سے جنگ۔ ھُرْمُزَان نے کہا مجھے پانی کی پیاس نہیں تھی میں تو اس طرح امان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر وہ سچ بول پڑا۔ اس کے بعد ھُرْمُزَان نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ میں ہی رہائش اختیار کر لی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا دو ہزار وظیفہ مقرر کر دیا۔[222]

عِقْدُ الْفَرِید میں لکھا ہے کہ جب ھُرْمُزَان کو حضرت عمرؓ کے پاس قیدی بنا کر لایا گیا تو آپؓ نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن ھُرْمُزَان نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جب اسے قتل کیا جانے لگا تو اس نے کہا اے امیر المومنین! اگر آپؓ مجھے پانی پلا دیں۔ حضرت عمرؓ نے پانی پلانے کا حکم دیا۔ جب پانی کا برتن اس کے ہاتھ میں رکھا گیا تو اس نے حضرت عمرؓ سے کہا کیا میں پانی پینے تک امن میں ہوں؟ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں۔ اس پر ہُرمُزَان نے پانی کا برتن ہاتھ سے پھینک دیا اور کہا کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تجھے کچھ مہلت دیتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ تُو کیسے عمل کرتا ہے۔ جب اس سے تلوار دور کر دی گئی تو ھُرْمُزَان نے کہا کہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس

کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہُرْمُزَان سے پوچھا کہ تُو پہلے کیوں نہ ایمان لے آیا۔ اس پر ہُرْمُزَان نے کہا کہ اے امیر المومنین! مجھے ڈر تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں تلوار کے ڈر سے، کیونکہ تلوار میرے سر پر رکھی ہوئی تھی، اس کے ڈر سے مسلمان ہوا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ہُرْمُزَان سے ایران پر لشکر کشی میں مشورہ کیا کرتے تھے اور اس کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔[223] پھر وہ حضرت عمرؓ کا مشیر بھی بن گیا۔

یہ بھی شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت میں ہُرْمُزَان کا ہاتھ تھا۔[224] لیکن حضرت مصلح موعودؓ اس شبہ کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ قصاص کی آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا جس نے ایک مُعَاہِد کافر کو جو اسلامی حکومت کی رعایا بن چکا تھا قتل کر دیا تھا۔ جس سے معاہدہ ہوا ہوا تھا، عہد ہوا ہوا تھا اس کا قتل کر دیا تھا تو آپؐ نے اس کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں عہد پورا کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ عہد کی نگہداشت کرنے والا ہوں۔ جس سے عہد کیا اس کو کیوں قتل کیا، اس لیے سزا ہے۔ مسلمان کو بھی قتل کیا گیا۔

اسی طرح طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت روایت کی ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آپ نے اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ لَا یُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِکَافِرٍ کہ کوئی مومن کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا مگر ساری حدیث دیکھنے سے بات حل ہو جاتی ہے۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ لَا یُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِکَافِرٍ وَلَا ذُوْعَهْدٍ فِیْ عَهْدِہٖ۔ اس حدیث کا یہ دوسرا فقرہ کہ وَلَا ذُوْعَهْدٍ فِیْ عَهْدِہٖ اس کے معنوں کو حل کر دیتا ہے کہ اگر اس کے یہ معنے ہوں کہ کافر کے بدلہ میں مسلمان نہ مارا جائے تو پھر ذُوْعَهْدٍ کے یہ معنے کرنے ہوں گے کہ وَلَا ذُوْعَهْدٍ بِکَافِرٍ کہ کسی ذوعہد کو بھی کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے۔ حالانکہ اسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ پس یہاں کافر سے مراد محارب کافر ہے نہ کہ عام کافر۔ جنگ کرنے والے کافر (مراد) ہیں نہ کہ عام کافر۔ تبھی فرمایا کہ ذمی کافر بھی محارب کافر کے بدلہ میں نہیں مارا جائے گا۔

اب ہم صحابہ کا طریق عمل دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ بھی غیر مسلم کے قاتل کو قتل کی سزا ہی دیتے تھے۔ چنانچہ طبری میں قُمَاذُبَان بن ہرمزان اپنے والد کے قتل کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ہُرْمُزَان ایک ایرانی رئیس اور مجوسی المذہب تھا اور حضرت عمر خلیفہ ثانیؓ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا شبہ اس پر کیا گیا۔ اس پر بلا تحقیق جوش میں آکر عُبَیْدُ اللہ بن عمر نے اس کو قتل کر دیا۔ وہ کہتا ہے کہ ایرانی لوگ مدینہ میں ایک دوسرے سے ملے جلے رہتے تھے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ دوسرے ملک میں جا کر وطنیت نمایاں ہو جاتی ہے تو ایک دن فیروز جو حضرت عمرؓ کا قاتل تھا، میرے باپ سے ملا اور اس کے پاس ایک خنجر تھا جو دونوں طرف سے تیز کیا ہوا تھا۔ میرے باپ نے اس خنجر کو پکڑ لیا اور

اس سے دریافت کیا کہ اس ملک میں تُو اس خنجر سے کیا کام لیتا ہے یعنی یہ ملک تو امن کا ملک ہے اس میں ایسے ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے اونٹ ہنکانے کا کام لیتا ہوں۔ جب وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو اس وقت کسی نے ان کو دیکھ لیا اور جب حضرت عمرؓ مارے گئے، شہید کیے گئے تو اس نے بیان کیا کہ میں نے خود ہرمزان کو یہ خنجر فیروز کو پکڑاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اِس پر هُرْمُزَان کا بیٹا کہتا ہے کہ عُبَیْدُاللہ جو حضرت عمرؓ کے چھوٹے بیٹے تھے انہوں نے جا کر میرے باپ کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور عُبَیْدُاللہ کو پکڑ کر میرے حوالے کر دیا اور کہا کہ اے میرے بیٹے! یہ تیرے باپ کا قاتل ہے اور تُو ہماری نسبت اس پر زیادہ حق رکھتا ہے۔ پس جا اور اس کو قتل کر دے۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور شہر سے باہر نکلا۔ راستہ میں جو شخص مجھے ملتا میرے ساتھ ہو جاتا لیکن کوئی شخص مقابلہ نہ کرتا۔ وہ مجھ سے صرف اتنی درخواست کرتے تھے کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ پس میں نے سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا میرا حق ہے کہ میں اسے قتل کر دوں؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں تمہارا حق ہے کہ اسے قتل کر دو اور پھر عُبَیْدُاللہ کو برا بھلا بھی کہنے لگے کہ اس نے ایسا برا کام کیا ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کو حق ہے کہ اسے مجھ سے چھڑا لو؟ انہوں نے کہا نہیں ہرگز نہیں اور پھر عُبَیْدُاللہ کو برا بھلا کہا کہ اس نے بلا ثبوت اس کے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ اس پر میں نے خدا اور ان لوگوں کی خاطر اس کو چھوڑ دیا۔ اتنی سفارشیں جب ہو گئیں۔ پوچھ لیا، سوال جواب ہو گئے تو کہتے ہیں میں نے اللہ اور اس کے لوگوں کی خاطر اس کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں نے فرطِ مسرت سے مجھے اس خوشی میں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور خدا تعالیٰ کی قسم! میں اپنے گھر تک لوگوں کے سروں اور کندھوں پر پہنچا اور انہوں نے مجھے زمین پر قدم تک نہیں رکھنے دیا۔ اس روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کا طریق عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ غیر مسلم کے مسلم قاتل کو سزائے قتل دیتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواہ کسی ہتھیار سے کوئی شخص مارا جائے وہ مارا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کو گرفتار کرنے والی اور اس کو سزا دینے والی حکومت ہی ہوتی ہے۔ گو یہاں بھی یہ ہے کہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اگر یہ غیر مسلم بھی ہو تب بھی یہ ساری جو پچھلی باتیں بیان ہوئی ہیں ان سے بھی یہی لگتا ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک ہو جیسا مسلمان کے قاتل کے ساتھ ہو گا۔ خاص طور پہ جب معاہدہ ہوا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کو گرفتار کرنے والی اور اس کو سزا دینے والی حکومت ہی ہے۔ ہر شخص نہیں دے سکتا حکومت دیتی ہے کیونکہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ عُبَیْدُاللہ بن عمر کو گرفتار بھی حضرت عثمانؓ نے ہی کیا تھا اور اس کو قتل کرنے کے لیے ہرمزان کے بیٹے کے سپرد بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ نہ هُرْمُزَان کے کسی وارث نے اس پر مقدمہ چلایا اور نہ اس نے گرفتار کیا۔ حضرت خلیفۃ ثانیؓ فرماتے ہیں کہ اس جگہ اس شبہ کا ازالہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو سزا دینے کے لیے آیا مقتول کے وارثوں کے سپرد کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے کیا یا خود

حکومت کو سزا دینی چاہیے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ معاملہ ایک جزوی معاملہ ہے اس لیے اس کو اسلام نے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

قوم اپنے تمدن اور حالات کے مطابق جس طریق کو زیادہ مفید دیکھے اختیار کر سکتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں طریق ہی خاص خاص حالات میں مفید ہوتے ہیں۔[225]

جنگ جندی سابور

ایک جنگ جنگِ جُنْدَیْ سَابُوْر ہے۔ جب حضرت ابوسَبْرَہ بن رُھْم سَاسَانی بستیوں کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ لشکر کے ساتھ آگے بڑھے اور جُنْدَیْ سَابُوْر میں پڑاؤ کیا۔ جندی سابور خوزستان کا ایک شہر تھا۔ بہرحال ان دشمنوں کے ساتھ صبح شام جنگی معرکے ہوتے رہے لیکن یہ اپنی جگہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی طرف سے کسی نے امان دینے کی پیشکش کر دی۔

دشمن فصیل میں تھا۔ جب موقع ملتا تھا نکل کے حملہ کرتا تھا۔ تو جب ایک عام مسلمان نے پیشکش کی تو انہوں نے فوراً فصیل کے دروازے کھول دیے۔ جانور باہر نکل پڑے، بازار کھل گئے اور لوگ اِدھر اُدھر نظر آنے لگے۔ مسلمانوں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے ہمیں امان دے دی ہے اور ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔

ہم جزیہ دیں گے اور آپ ہماری حفاظت کریں گے۔ مسلمانوں نے کہا ہم نے تو ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ پھر مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ مِکْنَف نامی ایک غلام نے یہ کیا ہے۔

جب اس کے متعلق حضرت عمرؓ سے استفسار کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وفاداری کو بڑی اہمیت دی ہے۔ تم وفادار نہیں ہو سکتے جب تک اس عہد کو پورا نہ کرو جو عہد کر لیا۔ چاہے غلام نے کیا اس کو پورا کرو۔ جب تک تم شک میں ہو انہیں مہلت دو اور ان کے ساتھ وفاداری کرو۔ چنانچہ مسلمانوں نے عہد و پیمان کی تصدیق کی اور واپس لَوٹ آئے۔[226]

یہ معرکہ خوزستان کی فتوحات کا خاتمہ تھا۔[227]

حضرت مصلح موعودؓ نے بھی اس طرح کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ:

"حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام نے ایک قوم سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ فلاں فلاں رعایتیں تمہیں دی جائیں گی۔ جب اسلامی فوج گئی تو اس قوم نے کہا ہم سے تو یہ معاہدہ ہے۔ فوج کے افسر اعلیٰ نے اس معاہدہ کو تسلیم کرنے میں لیت و لعل کی تو بات حضرت عمرؓ کے پاس گئی۔ انہوں نے فرمایا مسلمان کی بات جھوٹی نہ ہونی چاہئے خواہ غلام ہی کی ہو۔"[228]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دشمن فوج گھر گئی

اور اس نے سمجھ لیا کہ اب ہماری نجات نہیں ہے۔ پہلے جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ اسی کی تفصیل ہے۔ انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ اسلامی کمانڈر دباؤ سے ہمارا قلعہ فتح کر رہا ہے۔ اگر اس نے فتح کر لیا تو ہم سے مفتوح ملک والا معاملہ کیا جائے گا۔ ہر مسلمان مفتوح ہونے اور صلح کرنے میں فرق سمجھتا تھا۔ مفتوح کے لیے تو عام اسلامی قانون جاری ہوتا تھا اور صلح میں جو بھی وہ لوگ (دوسرا فریق) شرط کر لیں یا جتنے زائد حقوق لے لیں، لے سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسا طریق اختیار کرنا چاہیے جس سے نرم شرائط پر صلح ہو جائے۔ چنانچہ ایک دن ایک حبشی مسلمان پانی بھر رہا تھا اس کے پاس جا کر انہوں نے کہا۔ کیوں بھئی! اگر صلح ہو جائے تو وہ لڑائی سے اچھی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں اچھی ہے۔ وہ حبشی غیر تعلیم یافتہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیوں نہ اِس شرط پر صلح ہو جائے کہ ہم اپنے ملک میں آزادی سے رہیں اور ہمیں کچھ نہ کہا جائے۔ ہمارے مال ہمارے پاس رہیں اور تمہارے مال تمہارے پاس رہیں۔ وہ کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے۔ انہوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیے۔ اب اسلامی لشکر آیا تو دشمن نے کہا ہمارا تو تم سے معاہدہ ہو گیا ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ معاہدہ کہاں ہوا ہے اور کس افسر نے کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے۔ ہمیں کیا پتہ کہ تمہارے کون افسر ہیں اور کون نہیں۔ ایک آدمی یہاں پانی بھر رہا تھا اس سے ہم نے یہ بات کی اور اس نے ہمیں یہ کہہ دیا۔ مسلمانوں نے کہا دیکھو ایک غلام نکلا تھا اس سے پوچھو کیا ہوا؟ اس حبشی غلام سے کہا تو اس نے بتایا کہ ہاں مجھ سے یہ بات ہوئی تھی۔ تو مسلمانوں نے کہا کہ وہ تو غلام تھا۔ اسے کس نے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اس پر دشمنوں نے کہا کہ ہمیں کیا پتہ کہ یہ تمہارا افسر ہے یا نہیں۔ ہم اجنبی لوگ ہیں ہم نے سمجھا کہ یہی تمہارا جرنیل ہے، ہوشیاری دکھائی۔ اس افسر نے کہا کہ میں تو نہیں مان سکتا لیکن میں یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو لکھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ خط ملا تو آپؓ نے فرمایا کہ آئندہ کے لیے یہ اعلان کر دو کہ کمانڈر انچیف کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کر سکتا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مسلمان زبان دے بیٹھے تو مَیں اس کو جھوٹا کر دوں۔ اب وہ حبشی جو معاہدہ کر چکا ہے وہ تمہیں ماننا پڑے گا۔ ہاں آئندہ کے لیے اعلان کر دو کہ سوائے کمانڈر انچیف کے اَور کوئی کسی قوم سے معاہدہ نہیں کر سکتا۔[229]

حضرت عمرؓ نے جو ایران کو فتح کیا ہے تو اس کی کیا وجوہات تھیں، آپؓ کیوں مجبور ہوئے۔ ان کا بیان اس طرح ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ کی قلبی خواہش تھی کہ اگر عراق اور اَھْوَازْ کے معرکوں پر ہی اس خونریز جنگ کا خاتمہ ہو جائے تو بہتر ہے۔ جنگیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دشمن حملہ کر رہا ہے۔ دشمن کو ایک دفعہ ختم کر دیا، ان کی طاقت کو روک دیا اب یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔ آپؓ نے بار بار اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ کاش ہمارے اور ایرانیوں کے درمیان کوئی ایسی روک ہو کہ نہ وہ ہماری طرف آ سکیں نہ ہم ان کے پاس جا سکیں مگر ایرانی حکومت کی مسلسل جنگی کارروائیوں نے آپؓ کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی۔ سترہ ہجری میں محاذِ جنگ سے مسلمان سردارانِ لشکر کا ایک وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس وفد کے سامنے یہ سوال رکھا کہ مفتوحہ علاقوں میں کیوں بار بار عہد شکنی اور بغاوت ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہوں گے تبھی عہد شکنی ہو رہی ہے۔ وفد نے اس امر کی تردید کی۔

انہوں نے کہا نہیں اس طرح نہیں ہے اور بتایا کہ ہمارے علم میں تو مسلمان پوری وفاداری اور حسنِ انتظام سے کام لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو پھر اس گڑبڑ کی کیا وجہ ہے؟ باقی ارکان وفد تو اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے مگر اَحْنَفْ بن قیس بولے کہ امیر المومنینؓ! میں آپؓ کو اصل صورتِ حال سے مطلع کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ آپؓ نے ہمیں مزید فوجی اقدام کی ممانعت کر دی ہے کہ مزید جنگ نہیں کرنی اور اس علاقے پر رُکے رہنے کی ہدایت کی ہے جو اَب تک فتح ہو چکا ہے مگر ایران کا بادشاہ ابھی زندہ موجود ہے اور جب تک وہ موجود ہے ایرانی ہم سے مقابلہ جاری رکھیں گے اور یہ کبھی ممکن نہیں کہ ایک ملک میں دو حکومتیں ہو سکیں۔

بہرصورت ایک دوسری کو نکال کر رہے گی۔ یا ایرانی رہیں گے یا ہم رہیں گے۔ اس نے کہا کہ آپؓ کو علم ہے کہ ہم نے کسی علاقے کو بھی خود نہیں لیا بلکہ دشمن کے حملہ آور ہونے کے باعث فتح کیا ہے۔ ہم نے تو خود کبھی جنگ کی نہیں اور یہی آپؓ کا حکم تھا۔ دشمن حملہ کرتا تھا تو مجبوراً جنگ کرنا پڑتی تھی اور پھر علاقے فتح بھی ہو جاتے تھے۔

بہرحال اس میں مسلمانوں میں سے بھی ان لوگوں کے لیے یہ واضح ہو گیا جو جنگوں کو بلاوجہ کرنے کے جواز پیش کرتے ہیں اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کا جواب بھی اس میں آ گیا ہے کہ مسلمان کبھی زمینیں حاصل کرنے کے لیے، ملک فتح کرنے کے لیے جنگیں نہیں کرتے تھے۔ ان پہ حملے ہوئے تو امن قائم کرنے کے لیے جنگیں کرتے تھے اور پھر فتوحات بھی ہوتی تھیں۔ بہرحال انہوں نے کہا کہ یہ فوجیں ان کے بادشاہ کی طرف سے آتی ہیں اور ان کا یہ رویہ آئندہ بھی اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپؓ ہمیں اس امر کی اجازت نہ دیں کہ ہم آگے فوج کشی کے اقدام کریں اور بادشاہ کو فارس سے نکال دیں۔ اس صورت میں اہل فارس کی دوبارہ فتح کی امید منقطع ہو سکتی ہے۔[230]

اور بات بھی یہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو صائب قرار دیتے ہوئے یہ سمجھ لیا کہ اب ایران میں مزید پیش قدمی کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مجبوری ہے اس کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا اور مسلمانوں کا خون ہوتا رہے گا، جنگیں ہوتی رہیں گی مگر اس کا عملی فیصلہ پھر بھی حضرت عمرؓ نے ڈیڑھ دو سال کے بعد 21ر ہجری میں نِہَاوَنْد کے معرکے کے بعد کیا جبکہ ایرانی زبردست طاقت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلے تھے اور نِہَاوَنْد کے مقام پر ایک زبردست جنگ ہوئی تھی۔[231]

جنگِ نِہَاوَنْد کو فتح الفتوح بھی کہتے ہیں۔ ایران اور عراق میں مسلمانوں کی جنگی مہم میں تین

معرکوں کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ یعنی قادسیہ کا معرکہ، جَلُولَاء کا معرکہ اور نِہَاوَنْد کا معرکہ اور نِہَاوَنْد کی فتح اپنے نتائج کے لحاظ سے اس قدر اہم تھی کہ مسلمانوں میں فتح الفتوح کے نام سے معروف ہو گئی تھی یعنی تمام فتوحات سے بڑھ کر فتح۔

نِہَاوَنْد کی یہ جنگ پہلی دو زبردست شکستوں کے بعد ایرانیوں کی طرف سے ایسے حملے کی آخری کوشش تھی۔ اس معرکے کی تفاصیل یہ ہیں کہ شاہِ ایران یَزْدَجَرْد نے جو اَب مَرْو میں مقیم تھا یا بروایت ابوحنیفہ دِیْنَوَرِی قُمْ میں رہائش پذیر تھا بڑی سرگرمی سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے لشکر جمع کرنا شروع کیا اور اپنے خطوط سے خراسان سے لے کر سندھ تک ملک میں ایک حرکت پیدا کر دی اور ہر طرف سے ایرانی فوج امڈ کر نِہَاوَنْد میں جمع ہونے لگی۔[232]

نِہَاوَنْد ایران کا ایک شہر ہے جو کِرْمَان شاہ کے مشرق میں واقع ہے اور صوبہ ھَمَدَان کے دارالحکومت ہمدان سے تقریباً ستر کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔[233]

نِہَاوَنْد مکمل طور پر پہاڑوں کے درمیان ایک شہر تھا۔[234] حضرت سعدؓ نے اس لشکر کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ ارسال کر دی۔[235]

چند روز بعد جب خود حضرت سعدؓ کو حضرت عمرؓ نے ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیا اور حضرت سعدؓ کو مدینہ جانے کا موقع ملا تو حضرت سعدؓ نے پھر یہ زبانی اطلاعات حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیں۔[236]

حضرت سعدؓ کو معزول کر کے یہ اہم عہدہ دربارِ خلافت کی طرف سے حضرت عمّار بن یاسرؓ کو دیا گیا۔ حضرت عمّارؓ کو اس ایرانی جنگی کارروائی کے سلسلہ میں جو اطلاعات ملتی رہیں وہ آپؓ مدینہ بھجواتے رہے۔[237]

حضرت عمرؓ نے مجلسِ مشاورت منعقد کی اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں فرمایا:

اے قومِ عرب! اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور افتراق کے بعد تمہیں متحد کر دیا اور فاقہ کشی کے بعد تمہیں غنی کر دیا۔ اور جس میدان میں بھی تمہیں دشمن سے مقابلہ کرنا پڑا اس نے تمہیں فتح دی۔ پس تم نہ کبھی ماندہ ہوئے نہ مغلوب۔

اور اب شیطان نے کچھ لشکر جمع کیے ہیں تاکہ خدا کے نور کو بجھائے اور یہ عَمَّار بن یَاسِر کا خط ہے کہ قُوْمِس، طَبَرِسْتَان، دُنْبَاوَنْد، جُرْجَان، اصفہان، قُم، ھَمَذَان، مَاھَیْن اور مَاسَبَذَان کے باشندے اپنے بادشاہ کے گرد جمع ہو رہے ہیں تاکہ تمہارے بھائیوں کے مقابلے کے لیے جو کوفہ اور بصرہ میں ہیں نکلیں اور ان کو اپنے وطن سے نکال کر خود تمہارے ملک پر حملہ آور ہوں۔ اے لوگو! اس بارے میں مجھے اپنا مشورہ دو۔[238]

یہ معاملہ اہم ہے۔ میں نہیں پاتا کہ آپ لوگ زیادہ باتیں کریں اور آپس میں اختلاف رائے

رکھیں۔ میں پاتا ہوں کہ آپ مختصراً مجھے مشورہ دیں کہ کیا یہ مناسب ہو گا کہ میں خود اس وقت ایران کو روانہ ہوں اور بصرہ و کوفہ کے درمیان کسی مناسب مقام پر قیام کر کے اپنے لشکر کا مددگار ہوں اور اگر خدا کے فضل سے اس معرکہ میں فتح ہو جائے تو اپنے لشکر کو دشمن کے علاقے میں مزید پیش قدمی کے لیے روانہ کروں۔[239]

حضرت عمرؓ کی تقریر کے بعد حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کھڑے ہوئے اور تشہد کے بعد بولے کہ اے امیر المومنینؓ! امورِ مملکت نے آپؓ کو دانشمند بنا دیا ہے اور تجارب نے آپؓ کو ہوشیار بنا دیا ہے۔ آپؓ جو چاہیں کیجیے اور جو آپؓ کی اپنی رائے ہے اس پر عمل کیجیے۔ ہم آپؓ کے ساتھ ہیں۔ آپؓ ہمیں حکم دیں، ہم آپؓ کی اطاعت کریں گے۔ ہمیں بلائیں، ہم آپؓ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ ہمیں بھیجیں، ہم روانہ ہو جائیں گے۔ آپؓ ہمیں ساتھ لے جانا چاہیں، ہم آپؓ کے ساتھ ہوں گے۔ آپؓ خود ہی اس امر کا فیصلہ کیجیے کیونکہ آپؓ باخبر اور تجربہ کار ہیں۔ طلحہ یہ کہہ کر بیٹھ گئے مگر حضرت عمرؓ مشورہ لینا چاہتے تھے۔ آپؓ نے فرمایا: لوگو کچھ کہو کیونکہ آج کا موقع ایسا ہے جس کے نتائج دیرپا ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے امیر المومنینؓ! میری رائے یہ ہے کہ آپؓ شام اور یمن میں یہ احکامات بھیج دیں کہ وہاں کی اسلامی افواج ایران کی طرف روانہ ہوں۔[240]

اسی طرح بصرہ کی افواج کو احکام بھیج دیں کہ وہاں سے بھی فوجیں روانہ ہو جائیں اور آپؓ خود یہاں سے حجاز کی افواج کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوں۔[241]

اس صورت میں وہ جو دشمن کی کثرت تعداد کے خطرے کا احساس آپؓ کو ہے وہ دُور ہو جائے گا۔ یہ موقع واقعی ایسا ہے جس کے نتائج دیرپا ہوں گے۔ اس لیے آپؓ کی اس میں خود اپنی رائے اور اپنے رفقائے کار کے ساتھ موجودگی ضروری ہے۔[242]

یعنی خود جانا چاہیے فرنٹ لائن پہ۔ حضرت عثمانؓ کی یہ تجویز مجلس کے اکثر لوگوں کو پسند آئی اور مسلمان ہر طرف سے بولے کہ یہ ٹھیک ہے۔[243]

اس کو بھی حضرت عمرؓ نے مانا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ مزید مشورہ دو۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے۔ ایک لمبی تقریر کی جس میں فرمایا امیر المومنینؓ! اگر آپؓ نے شام کی افواج کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم دیا تو وہاں رومی حکومت کا قبضہ ہو جائے گا اور اگر یمن سے اسلامی افواج ہٹ آئیں تو حبشہ کی حکومت وہاں قبضہ کر لے گی۔ اگر آپؓ خود یہاں سے روانہ ہوئے تو ملک کے گوشہ گوشہ سے مسلمان آپؓ کا نام سن کر آپؓ کی معیت کے لیے امڈ پڑیں گے اور جس طرح کے خطرے کے مقابلے کے لیے آپؓ جا رہے ہیں اس سے زیادہ خطرہ ملک خالی ہو جانے کی وجہ سے خود یہاں پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بجائے حضرت علیؓ نے تجویز یہ دی کہ آپ بصرہ یہ حکم بھیجیں کہ کل فوج کے تین حصے کر دیے جائیں۔ ایک حصہ تو اسلامی آبادی میں مکان و اطراف کی حفاظت کے لیے چھوڑا جائے۔ ایک حصہ ان مفتوحہ

علاقوں میں مقرر کر دیا جائے جن سے صلح ہو چکی ہے تا کہ جنگ کے وقت وہاں کے لوگ عہد شکنی کر کے بغاوت نہ کر بیٹھیں اور ایک حصہ مسلمانوں کے لیے، کوفہ والوں کی امداد کے لیے روانہ کر دیا جائے۔[244]

اسی طرح کوفہ والوں کو لکھ دیں کہ ایک حصہ فوج کا وہیں مقیم رہے اور دو حصے دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوں۔ اور اسی طرح شام کی افواج کو حکم بھیج دیں کہ دو حصے فوج شام میں مقیم رہے اور ایک حصہ ایران روانہ کر دی جائے اور اس قسم کے احکام عمان اور ملک کے دوسرے علاقوں اور شہروں کے نام صادر کر دیے جائیں۔[245]

آپؓ کا خود محاذ جنگ پر جانا اس لیے مناسب نہیں کہ آپؓ کی پوزیشن تو اس لڑی کی سی ہے جس میں موتی پروئے ہوتے ہیں۔ اگر لڑی کھل جائے تو موتی بکھر جائیں گے اور پھر کبھی اکٹھے نہ ہوں گے اور پھر اگر ایرانیوں کو یہ معلوم ہوا کہ خود حاکمِ عرب محاذ جنگ پر آیا ہے تو وہ اپنی پوری طاقت صرف کریں گے اور اپنا پورا زور لگا کر مقابلہ کے لیے آئیں گے۔ اور یہ جو آپؓ نے دشمن کی افواج کی نقل و حرکت کا ذکر کیا ہے تو خدا تعالیٰ آپؓ کی نقل و حرکت کے مقابلہ میں دشمن کی نقل و حرکت کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ جس چیز کو ناپسند کرتا ہے اس کو بدل ڈالنے کی بہت قدرت رکھتا ہے۔

اور یہ جو آپؓ نے دشمن کی تعداد کی زیادتی کا ذکر کیا ہے تو ماضی میں ہماری روایات کثرتِ تعداد کے بل پر لڑائی کرنا نہیں بلکہ ہماری جنگ خدائی امداد کے بھروسے پر ہوتی ہے اور ہمارے معاملے میں فتح و شکست فوج کی کثرت و قلت پر نہیں۔ یہ تو خدا کا دین ہے جس کو خدا نے غالب کیا ہے اور اس کا لشکر ہے جس کی اس نے مدد کی اور ملائکہ کے ذریعہ ان کی وہ تائید کی کہ اس سے یہ مقام حاصل ہو گیا ہے۔ ہم سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا۔[246]

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اگر میں خود روانہ ہوا تو اِدھر مسلمان تمام اطراف و اکناف سے ٹوٹ پڑیں گے اور اُدھر خود ایرانی پورے زور سے اپنے ساتھیوں کی امداد کے لیے نکلیں گے اور یہ کہیں گے کہ عرب کا سب سے بڑا حاکم خود میدان جنگ میں نکلا ہے۔ اگر اس معرکے کو ہم نے جیت لیا تو گویا سارے عرب کو مار لیا۔

اس وجہ سے میرا جانا مناسب نہیں۔ یعنی کہ دشمن یہ کہے گا کہ اگر ہم نے جیت لیا تو سارے عرب پہ ہمارا قبضہ ہو گیا۔ اس وجہ سے میرا جانا مناسب نہیں۔ آپ لوگ مشورہ دیں کہ کس شخص کو لشکر کا کمانڈر بنایا جائے مگر ایسے شخص کا نام لیا جائے جو عراق کی جنگوں میں شریک ہو کر تجربہ حاصل کر چکا ہو۔

لوگوں نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ حضور خود ہی اہل عراق اور وہاں کے لشکر کے متعلق زیادہ علم رکھتے ہیں۔ وہ لوگ آپ کے پاس وفد بن کر آتے رہے ہیں۔ آپؓ کو انہیں پرکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے۔[247]

حضرت نعمان بن مقرن بطور کمانڈر

حضرت عمرؓ کی تیز نگاہ نے حضرت نُعمان بن مُقَرِّنؓ کو اس ذمہ داری کے لیے منتخب کیا جو آنحضرت ﷺ کے بزرگ صحابہ میں سے تھے۔[248]

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت نعمانؓ مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہیں دیکھ کر ان کے پاس جا بیٹھے۔ نعمان نماز سے فارغ ہوئے تو آپؓ نے انہیں فرمایا کہ میں تمہیں ایک عہدے پر مامور کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت نعمانؓ بولے اگر کوئی فوجی عہدہ ہے تو میں حاضر ہوں لیکن اگر ٹیکس جمع کرنے کا کام ہے تو وہ مجھے پسند نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں فوجی عہدہ ہے۔[249]

لیکن جو بات حقائق سے زیادہ قریب لگتی ہے وہ طَبَرِی کی یہ روایت ہے۔ نِہَاوَنْد کے محاذ پر حضرت نُعمان بن مُقَرِّنؓ کو مقرر کرنے کے بارے میں جو طبری میں لکھا ہے جیسا کہ میں نے کہا وہ یہ ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نِہَاوَنْد کے واقعات میں یہ بھی مذکور ہے کہ نُعمان بن مُقَرِّنؓ کَسْکَرْ پر عامل مقرر تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے مجھے خراج کی وصولی پر لگایا ہوا ہے جبکہ مجھے جہاد پسند ہے اور اس کی خواہش و رغبت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ نعمانؓ نے مجھے لکھا ہے کہ آپؓ نے اسے خراج کی وصولی پر لگایا ہوا ہے جبکہ اسے یہ کام ناپسند اور جہاد میں رغبت ہے۔ اس لیے انہیں نِہَاوَنْد میں اہم ترین محاذ پر بھیج دیں۔ الغرض یہ اہم کمان حضرت نعمان بن مُقَرِّنؓ کے سپرد ہوئی اور وہ دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے جب وہ غالباً کوفہ میں تھے انہیں یہ خط لکھا۔ یہ خط بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ مدینہ میں نہیں تھے بلکہ کوفہ میں تھے تو اس وقت یہ خط لکھا اور خط اس طرح شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نعمان بن مُقَرِّنْ کے نام۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ۔ پھر تحریر فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَمَّا بَعْدُ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایرانیوں کا ایک زبردست لشکر شہر نِہَاوَنْد میں تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہوا ہے۔ میرا یہ خط جب تمہیں ملے تو خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کی تائید و نصرت کے ساتھ اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ مگر انہیں ایسے خشک علاقے میں نہ لے جانا جہاں چلنا مشکل ہو۔ ان کے حقوق ادا کرنے میں کمی نہ کرنا مبادا وہ ناشکر گزار بنیں اور نہ ہی کسی دلدل کے علاقے میں لے جانا کیونکہ ایک مسلمان مجھے ایک لاکھ دینار سے زیادہ محبوب ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

اس حکم کی تعمیل میں حضرت نعمانؓ دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؓ کی معیت میں بعض ممتاز اور بہادر مسلمان مثلاً حُذَیْفہ بن یَمان، ابنِ عمر، جَرِیْر بن عبداللہ بَجَلِی، مُغِیرہ بن شُعْبَہ، عَمرو بن مَعْدِیْکَرِب، طُلَیحہ بن خُوَیلَد اَسَدِی اور قَیس بن مَکشُوح مُراد بھی تھے۔[250]

حضرت عمرؓ نے ہدایت کی تھی کہ اگر نعمان بن مُقَرِّنْ شہید ہو جائیں تو امیر، حُذَیْفہ بن یَمان ہوں

گے۔ ان کے بعد جریر بن عبد اللہ بَجلی۔ ان کے بعد حضرت مُغِیرہ بن شُعبہ اور ان کی شہادت پر اَشْعَثْ بن قیس۔ عمرو بن مَعْدِیْکَرِبْ اور طُلَیحہ بن خُوَیلَد کے بارے میں نعمان کو حضرت عمرؓ نے یہ لکھا کہ عمرو بن مَعْدِیْکَرِبْ اور طُلَیحہ بن خُوَیلَد دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں عرب کے شہسوار ہیں۔ ان سے جنگی امور میں مشورہ لیتے رہنا مگر ان کو کسی کام میں افسر نہ بنانا۔[251]

بہر حال اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ حضرت نُعمانؓ نے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ نِہَاوَنْد تک راستہ صاف ہے جہاں دشمن کا لشکر جمع تھا۔[252]

قبل ازیں جو اطلاعات ملی تھیں ان سے معلوم ہوتا تھا کہ دشمن بہت بڑی تعداد میں جمع ہو رہا ہے۔ مؤرخین نے اس لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار اور ایک لاکھ بھی لکھی ہے۔[253]

مگر بخاری کی جو روایت ہے اس کے مطابق یہ تعداد چالیس ہزار تھی۔[254]

یعنی جو پہلے ساٹھ ہزار یا لاکھ ہے یہ مبالغہ ہے۔ بخاری کے مطابق تو دشمن کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ دشمن نے چاہا کہ کسی شخص کو گفتگو کے لیے بھیجا جائے۔ حضرت مُغِیرہ بن شعبہ تشریف لے گئے۔ ایرانیوں نے بڑی شان و شوکت سے مجلس منعقد کی۔ ایرانی سپہ سالار سر پر تاج پہنے سنہری تخت پر متمکن تھا۔ درباری ایسے ہتھیار لگائے بیٹھے تھے کہ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ مترجم موجود تھا۔

ایرانی سپہ سالار نے وہی پرانی کہانی دہرائی۔ اہل عرب کی زندگی کے ہر پہلو کے لحاظ سے رذیل حالت کا ذکر کیا اور کہا کہ میں اپنے سرداروں کو جو میرے گرد بیٹھے ہیں اس لیے تم لوگوں کو ختم کر دینے کا حکم نہیں دیتا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے گندے اجسام سے ان کے تیر ناپاک ہوں۔ (نعوذ باللہ) اگر اب بھی تم واپس چلے جاؤ تو ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں ورنہ پھر میدان جنگ میں تمہاری لاشیں نظر آئیں گی۔ دشمن کی ان مضحکہ خیز دھمکیوں سے کیا ہوتا تھا۔ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ اب وہ زمانہ گیا جو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی آمد نے نقشہ ہی بدل دیا ہے۔[255]

سفارت ناکام ہوئی بہر حال اور دونوں لشکر معرکہ آرائی کے لیے تیار ہوئے۔ اسلامی لشکر کے مقدمے پر نُعَیم بن مُقَرِّنؓ مقرر تھے۔ بازوؤں کی کمان حُذَیفہ بن یَمان اور سُوَید بن مُقَرِّنؓ کے ہاتھ میں تھی۔ مُجَرَّدَہ کے افسر قعقاع بن عمرو تھے۔ مجردہ گھڑ سواروں کی جو فرنٹ لائن کے گھڑ سواروں کا رسالہ ہے اس کو کہتے ہیں اور لشکر کا پچھلا حصہ مُجَاشِع کی سرکردگی میں تھا۔[256]

جھڑپیں شروع ہو گئیں مگر میدان جنگ کی صورت حال مسلمانوں کے لیے سخت ضرر رساں تھی کیونکہ دشمن خندقوں، قلعوں اور مکانوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔ مسلمان کھلے میدان میں تھے۔

دشمن جب اپنے لیے مناسب دیکھتا اچانک باہر نکل کر حملہ کر دیتا اور پھر واپس اپنے محفوظ مقامات میں داخل ہو جاتا۔[257]

اسلحہ کے لحاظ سے دشمن کی یہ حالت تھی کہ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے انہیں ایک جگہ گزرتے دیکھا ایسے معلوم ہوتا تھا گویا لوہے کے پہاڑ ہیں۔[258]

ان حالات کو دیکھ کر اسلامی لشکر کے سپہ سالار نعمان بن مُقَرِّن نے ایک مشورے کی مجلس منعقد کی جس میں لشکر کے تجربہ کار اور باتدبیر لوگوں کو بلوایا اور ان کو مخاطب ہو کر بولے۔ آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح دشمن اپنے قلعوں، خندقوں اور عمارتوں کی وجہ سے محفوظ بیٹھا ہوا ہے۔ جب اس کی مرضی ہوتی ہے باہر نکلتا ہے اور مسلمان اس وقت اس سے لڑائی نہیں کر سکتے جب تک خود اس کی مرضی باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی نہ ہو۔[259]

ادھر دشمن کو امدادی کمک بھی مسلسل مل رہی ہے۔[260] انہوں نے کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اس صورت حال سے کس مشکل میں مبتلا ہیں۔ اب کیا طریق اختیار کیا جائے کہ دیر کیے بغیر ہم دشمن کو کھلے میدان میں آکر مقابلہ کے لیے مجبور کر دیں۔ سپہ سالار کی اس بات کو سن کر اس مجلس میں سب سے عمر رسیدہ شخص عَمرو بن ثُبیؔ بولے۔ وہ قلعوں میں محصور ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دشمن قلعوں میں محصور ہے اور محاصرہ لمبا ہو رہا ہے اور یہ امر اسلامی لشکر کی نسبت دشمن پر زیادہ گراں اور تکلیف دہ ہے۔ اس لیے آپ اس طرح چلنے دیجیے اور محاصرہ لمبا کرتے چلے جائیں۔ ہاں ان میں جو لڑنے نکلتے ہیں ان سے مقابلہ جاری رکھا جائے مگر عَمرو بن ثُبیؔ کی یہ تجویز مجلس نے منظور نہ کی۔ اس کے بعد عمرو بن مَعدِیکَرِب نے کہا گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ پوری طاقت سے آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا جائے مگر یہ تجویز بھی ردّ کر دی گئی۔ تجربہ کاروں نے یہ اعتراض کیا کہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی صورت میں ہمیں انسانوں سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا بلکہ دیواروں سے ٹکر لینی پڑتی ہے۔ یہ دیواریں ہمارے خلاف دشمن کو مدد دیتی ہیں۔ یعنی قلعہ میں بند ہیں۔ دشمن تو سامنے نہیں ہے۔ اس پر طُلَیحہ کھڑے ہوئے اور بولے میرے نزدیک ان دونوں صاحبوں کی رائے درست نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا رسالہ دشمن کی طرف بھیجا جائے جو قریب جا کر تیر اندازی کر کے کچھ لڑائی بھڑکانے کی صورت پیدا کرے۔ اس رسالے کے مقابلہ کے لیے دشمن باہر نکلے گا اور ہمارے رسالے کا مقابلہ کرے گا۔ اس صورت میں ہمارا رسالہ پیچھے ہٹنا شروع کر دے اور یہ ظاہر کرے گویا وہ شکست کھا کر بھاگ رہا ہے۔ امید ہے کہ دشمن فتح کی طمع میں باہر نکلے گا اور جب وہ باہر کھلے میدان میں آجائے تو ہم اس سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔[261]

حضرت نعمانؓ نے یہ تجویز منظور کر لی اور اسے حضرت قَعْقَاعؓ کے سپرد کیا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں۔ انہوں نے طُلَیحہ کی تجویز پر عمل کیا اور بعینہٖ ویسا ہی ظہور میں آیا جو طُلَیحہ کا خیال تھا۔ قَعْقَاع آہستہ آہستہ شکست کھا کر ہٹتے چلے گئے اور دشمن کا لشکر فتح کے نشے میں بڑھتا چلا آیا حتی کہ سب اپنے قلعوں سے باہر نکل آئے۔ صرف دروازوں پر مقرر کردہ پہرے دار، پہرہ دینے والے سپاہی اپنے محفوظ مقامات میں اندر رہ گئے۔ دشمن کی فوج اپنی مستحکم پوزیشنوں سے باہر آکر بڑھتے بڑھتے اصل اسلامی لشکر سے اس قدر قریب آگئی کہ اس کے تیروں سے بعض مسلمان زخمی ہو گئے مگر حضرت نعمانؓ

نے ابھی عام مقابلے کی اجازت نہ دی تھی۔ حضرت نعمانؓ عاشقِ رسول تھے اور آنحضرت ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ اگر صبح جنگ شروع نہ ہو تو پھر زوال کے بعد لڑائی کا اقدام فرماتے جبکہ گرمی کی شدت نہ رہتی اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتیں۔ بعض مسلمان مقابلے کے لیے بے قرار تھے اور دشمن کے تیروں سے کچھ لوگوں کے زخمی ہو جانے سے یہ جوش اَور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ سردار لشکر کی خدمت میں جا کر اجازت مانگتے اور آپؓ کہتے کہ ذرا اَور انتظار کرو یعنی کمانڈر نے ان کو کہا کہ اَور انتظار کرو۔ حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ بے قرار ہو کر بولے۔ میں ہوتا تو مقابلے کی اجازت دے دیتا۔ نُعمان نے جواب دیا ذرا دیر اَور صبر کرو۔ بے شک جب آپ امیر ہوتے تھے تو عمدہ انتظام کرتے تھے مگر آج بھی خدا ہمیں اور آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ جو چیز آپ جلدی کر کے حاصل کرنا چاہتے ہیں ہمیں اس کو تحمل سے کام لے کر حاصل کرنے کی امید ہے۔

جب دوپہر ڈھلنے کو تھی تو حضرت نعمانؓ گھوڑے پر سوار ہوئے اور سارے لشکر کا چکر لگایا اور ہر جھنڈے کے پاس کھڑے ہو کر نہایت پُرجوش تقریر کی۔[262] اور نہایت دردناک الفاظ میں اپنی شہادت کے لیے دعا کی جس کو سن کر لوگ رونے لگے۔ اس کے بعد آپ نے ہدایت کی کہ میں تین مرتبہ تکبیر کہوں گا اور ساتھ ہی جھنڈا اہلاؤں گا۔ پہلی مرتبہ ہر شخص مستعد ہو جائے۔ دوسری دفعہ ہتھیار تول لے یعنی ہتھیاروں کو تیار رکھے اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بالکل تیار ہو جائے اور تیسری مرتبہ تکبیر کہنے اور جھنڈا اہلانے کے ساتھ ہی میں دشمن کی صفوں پر جا پڑوں گا۔

تم میں سے ہر شخص اپنے مقابل کی صفوں پر حملہ کر دے۔ اس کے بعد دعا کی کہ اے خدا! اپنے دین کو عزت دے۔ اپنے بندوں کی نصرت فرما اور اس کے بدلے میں نعمان کو پہلا شہید ہونے کی توفیق عطا کر۔ یعنی کمانڈر نے یہ دعا کی۔ حضرت نعمانؓ نے تیسری بار تکبیر کہی تھی کہ مسلمان دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ راوی کہتا ہے کہ جوش کا یہ عالم تھا کہ کسی ایک کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مرے یا فتح حاصل کیے بغیر واپس جانے کا خیال بھی رکھتا ہو۔

نعمان جھنڈا لیے خود اس تیزی سے دشمن پر لپکے کہ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جھنڈا نہیں بلکہ کوئی عقاب جھپٹا مار رہا ہے۔ غرض مسلمان تلواریں لے کر یکجائی طور پر حملہ آور ہوئے مگر دشمن کی صفیں بھی اس ریلے کے سامنے جمی ہوئی تھیں۔ لوہے کے لوہے سے ٹکرانے سے سخت شور ہو رہا تھا۔ زمین پر خون بہنے کی وجہ سے مسلمان شہ سواروں کے گھوڑے پھسلنے لگے۔ حضرت نعمان جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔ آپؓ کا گھوڑا بھی پھسلا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ آپ اپنی سفید قبا اور ٹوپی کی وجہ سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ آپ کے بھائی نعیم بن مُقَرِّن ؓ نے جب آپ کو گرتے دیکھا تو کمال ہوشیاری سے جھنڈا گرنے سے قبل ہی اٹھا لیا اور حضرت نعمانؓ کو کپڑے سے ڈھانک دیا اور جھنڈا لے کر حذیفہ بن یمان کے پاس آئے جو حضرت نعمانؓ کے جانشین تھے۔ حضرت حُذَیفہ نُعَیم بن مُقَرِّن کو

لے کر اس مقام پر آ گئے جہاں نعمانؓ تھے اور اس جگہ جھنڈا بلند کر دیا گیا اور حضرت مغیرہؓ کے مشورہ کے مطابق لڑائی کا نتیجہ نکلنے تک حضرت نعمانؓ کی وفات کو مخفی رکھا گیا۔[263]

اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن مُقَرِّنؓ جب زخمی ہو کر گرے تو ان کے بھائی انہیں اٹھا کر خیمہ میں لے گئے اور ان کا لباس خود پہن لیا اور ان کی تلوار لے کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اکثر لوگوں کو یہی غلط فہمی رہی کہ یہ حضرت نعمان ہیں۔[264]

مؤرخ طبری نے نہایت نازک مرحلے پر امیر کے حکم کی اطاعت کی عمدہ مثال لکھی ہے۔ حضرت نعمانؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر نعمان بھی قتل ہو جائے تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ دشمن سے مقابلہ جاری رکھے۔ معقل کہتے ہیں کہ جب حضرت نعمانؓ گرے تو میں آپؓ کے پاس آیا پھر مجھے آپؓ کا حکم یاد آیا اور میں واپس چلا گیا۔[265] اور لڑائی شروع کر دی۔

بہر حال لڑائی دن بھر بڑے زور سے جاری رہی مگر رات ہوتے ہی دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ایرانیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔[266]

مَعْقِل کہتے ہیں کہ فتح کے بعد مَیں حضرت نعمانؓ کے پاس آیا۔ ان میں رمق باقی تھی۔ تھوڑی سی سانس لے رہے تھے۔ میں نے ان کا چہرہ اپنی چھاگل سے دھویا۔ آپؓ نے میرا نام پوچھا اور دریافت کیا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا آپؓ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارت ہو۔ آپؓ نے فرمایا الحمد للہ عمرؓ کو اطلاع کر دو۔[267]

حضرت عمرؓ نہایت شدت سے لڑائی کے نتیجہ کے منتظر تھے۔ جس رات لڑائی کی توقع تھی وہ رات حضرت عمرؓ نے نہایت بے چینی سے جاگ کر گزاری۔[268] راوی کہتے ہیں کہ اس تکلیف سے دعا میں مصروف رہے کہ معلوم ہوتا کہ کوئی حاملہ عورت تکلیف میں ہے۔ قاصد فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے الحمد للہ کہا اور نعمانؓ کی خیریت پوچھی۔ قاصد نے ان کی وفات کی خبر سنائی تو حضرت عمرؓ کو سخت صدمہ ہوا۔[269] اور سر پہ ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔[270]

قاصد نے دوسرے شہداء کے نام سنائے اور کہا کہ امیر المومنینؓ! اَور بھی بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہیں جنہیں آپؓ نہیں جانتے۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے بولے، عمر انہیں نہیں جانتا تو انہیں اس کا کوئی نقصان نہیں خدا تو انہیں جانتا ہے۔[271]

گو مسلمانوں میں غیر معروف ہیں مگر خدا نے ان کو شہادت دے کر معزز کر دیا ہے۔ اللہ ان کو پہچانتا ہے۔ عمرؓ کے پہچاننے سے انہیں کیا غرض۔

معرکے کے بعد مسلمانوں نے هَمَذَان تک دشمنوں کا تعاقب کیا۔ یہ دیکھ کر ایرانی سردار خُسْرَو شَنُوم نے هَمَذَان اور دَسْتَبِیٰ کے شہروں کی طرف سے اس ضمانت پر مصالحت کر لی کہ ان شہروں سے مسلمانوں پر حملہ نہیں ہو گا۔ اسلامی لشکر نے شہر نِہَاوَنْد پر قبضہ کر لیا۔[272]

نِہَاوَنْد کی فتح اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت اہم تھی۔ اس کے بعد ایرانیوں کو ایک جگہ مجتمع ہو کر مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور مسلمان اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے یاد کرنے لگے۔[273]

ایران پر عام لشکر کشی کی تجویز بھی ہوئی۔ کس طرح ہوئی؟ اس بارہ میں لکھا ہے کہ گو اخلاقی اور قانونی نقطہ نظر سے مسلمان اس امر کے بالکل مجاز تھے کہ مملکت کی جارحانہ طاقت کو پوری طرح توڑ کر دم لیں کیونکہ دشمن بار بار حملہ کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کا دردمند دل ہر مرحلے پر مزید خونریزی سے متنفر تھا لیکن حضرت عمرؓ کو یہ چیز پسند نہیں تھی اور رحمۃ للعالمین ﷺ کے اس سچے خادم کی قلبی خواہش تھی کہ ایرانی سلطنت سرحدی علاقوں پر ہی شکست کھا کر مزید فوجی کارروائیاں بند کر دے اور یہ جنگ و جدال کا سلسلہ بند ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے نہ صرف اس خواہش کا متعدّد مرتبہ اظہار کیا بلکہ ایران و عراق کی افواج کو خود بخود کسی پیش قدمی سے کلیۃً منع کر دیا تھا مگر دشمن کی مزید فوجی کارروائیوں اور مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دینے کے سبب سے آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور محاذِ جنگ سے آمدہ اہل الرائے کے ایک وفد سے گفتگو کر کے آپؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مزید فوجی اقدام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ سترہ ہجری کی بات ہے مگر اس کے باوجود بھی ایک لمبے عرصہ تک آپؓ نے افواج کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ مگر اب حالات جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مزید صبر کی اجازت نہ دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا تھا کہ یَزْدَجَرْد متواتر ہر سال فوج کو بھیج کر جنگ کی آگ بھڑکانے کا موجب بن رہا ہے۔ لوگوں نے بار بار آپؓ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ جب تک وہ اپنی سلطنت میں موجود ہے اس رویہ میں تبدیلی نہیں کرے گا اور اب نِہَاوَنْد کے معرکے نے اس رائے کو اَور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

ان حالات سے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے معرکہ نِہَاوَنْد اکیس ہجری کے بعد فوجی پیش قدمی کی اجازت دے دی تھی اور کُل ایران کی فتح کے لیے پلان (plan) بنا کر فوج کو فہ روانہ کی جو ان جنگی سرگرمیوں کے لیے چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایران کے مختلف علاقوں کے لیے مختلف سپہ سالار مقرر کیے اور مدینہ سے ان کے لیے خود جھنڈے بنوا کر بھجوائے۔ خُرَاسَان کا جھنڈا اَحْنَفْ بن قَیس کو، اِصْطَخَر کا جھنڈا عثمان بن ابو عاص کو، اَرْدَشِیْر اور سَابُور کا جھنڈا مُجَاشِع بن مسعود کو اور فَسَا اور دَارَا بَجِرْد کا سَارِیہ بن زُنَیم کو، سِجِسْتَان کا عاصِم بن عمرو کو مکران کا حکم بن عَمرو کو بھیجا اور کَرْمَان کا جھنڈا سُہیل بن عَدِی کو دیا۔ آذر بائیجان کی فتح کے لیے عُتْبَہ بن فَرْقَد اور بُکَیر بن عبد اللہ کو جھنڈے بھیجے اور حکم دیا کہ ایک آذر بائیجان پر دائیں طرف حُلْوَان سے حملہ کرے اور دوسرا بائیں طرف موصل کی طرف سے حملہ آور ہو۔ اصفہان کی مہم کا جھنڈا عبد اللہ بن عبد اللہ کو عنایت ہوا۔[274]

اصفہان کی فتح کے بارے میں لکھا ہے کہ اصفہان کی مہم عبد اللہ بن عبد اللہ کے سپرد ہوئی۔ وہ نِہَاوَنْد میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط ملا کہ اصفہان کی طرف روانہ ہوں اور ہراول دستوں کا کمانڈر عبد اللہ

بن وَرْقَاء رِیَاحِی کو بنائیں۔ بازوؤں کی کمان عبداللہ بن وَرْقَاء اَسَدِی کو اور عِصْمَہ بن عبداللہ کے سپرد کریں۔ عبداللہ روانہ ہوئے۔

شہر کے مضافات میں اصفہان والوں کے ایک لشکر سے مقابلہ ہوا جو ایرانی سپہ سالار اُسْتَنْدَار کی سرکردگی میں تھا۔ دشمن کے ہر اول کا افسر یعنی جو پہلا دستہ تھا اس کا افسر ایک تجربہ کار بوڑھا شَھْرَ بَرَاز جَاذَوَیْہ تھا۔ اس نے اپنے دستوں کو لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ شدید جنگ ہوئی۔ جَاذَوَیْہ نے مُبَارَز طلبی کی۔ عبداللہ بن وَرْقَاء نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سخت لڑائی کے بعد دشمن شکست کھا کر بھاگ گیا اور سپہ سالار اُسْتَنْدَار نے عبداللہ بن عبداللہ سے مصالحت کر لی۔ اسلامی لشکر خاص اصفہان کی طرف بڑھا جو کہ جَیّ کے نام سے موسوم تھا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک روز شہر کا حاکم فَاذُوسْفَان باہر نکلا اور عبداللہ بن عبداللہ امیر اسلامی لشکر کو کہا کہ ہماری افواج کی لڑائی سے بہتر ہے کہ ہم تم آپس میں لڑیں جو اپنے حریف پر غالب ہو گیا وہ فاتح سمجھا جائے گا۔ عبداللہ نے یہ تجویز منظور کر لی اور کہا کہ پہلے تم حملہ کرو گے یا میں۔ فَاذُوسْفَان نے پہلے حملہ کیا۔ عبداللہ اس کے سامنے جمے رہے اور دشمن کی ضرب سے صرف ان کے گھوڑے کی زین کٹ گئی۔ عبداللہ گھوڑے کی ننگی پشت پر جم کر بیٹھ گئے اور وار کرنے سے پہلے اس کو مخاطب کیا۔ اب ٹھہرے رہنا۔ فَاذُوسْفَان بولا کہ آپ کامل اور عقلمند اور بہادر انسان ہیں میں آپ سے مصالحت کر کے شہر آپ کے سپرد کرنے کے لیے تیار ہوں چنانچہ صلح ہو گئی اور مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔ طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح 21ر ہجری میں ہوئی۔ [275]

مؤرخ بلاذری نے اس معرکے میں شریک ہونے والے اسلامی لشکر کی امارت پر عبداللہ بن عبداللہ کے بجائے عبداللہ بن بُدَیل بن وَرْقَاء خُزَاعِی کا نام لیا ہے۔ [276]

مگر مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے عبداللہ بن وَرْقَاء اَسَدِی کو جو اس معرکے میں شریک تھے اور ایک بازو کے کمانڈر تھے عبداللہ بن بُدَیل بن وَرْقَاء سے مخلوط کر دیا ہے۔

حالانکہ عبداللہ بن بُدَیل، حضرت عمرؓ کے زمانے میں کم عمر تھے اور صِفِّین کی جنگ میں جب وہ قتل ہوئے تو ان کی عمر صرف چوبیس سال تھی۔ [277]

ھَمَذَان کی بغاوت اور دوبارہ فتح۔ نِہَاوَنْد کے بعد مسلمانوں نے ھَمَذَان بھی فتح کر لیا تھا تاہم ھَمَذَان والوں نے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا اور آذربائیجان سے بھی فوجی مدد حاصل کر کے لشکر تیار کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے نُعَیم بن مُقَرِّن کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ وہاں جانے کی ہدایت فرمائی۔ ایک سخت معرکے کے بعد مسلمانوں نے شہر فتح کر لیا۔ [278]

حضرت عمرؓ کو اس معرکے کے نتیجہ کی خاص فکر تھی۔ قاصد فتح کی خوشخبری لایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے ذریعہ نُعَیم بن مُقَرِّن کو حکم بھیجا کہ ھَمَذَان میں کسی کو اپنا قائمقام بنا کر خود رَے کی طرف بڑھیں اور وہاں جو لشکر ہے اس کو شکست دے کر رَے میں ہی قیام کریں کیونکہ اس شہر کو اس تمام

علاقے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔[279]

جنگ رَے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک جنگ ہوئی جسے جنگ رَے کہتے ہیں۔ رَے ایک مشہور شہر ہے جو پہاڑوں کی سرزمین ہے۔ یہ نیشاپور سے 480 میل کے فاصلے پر اور قَزْوِین سے 51 میل کے فاصلے پر ہے۔ رَے کے رہنے والے کو رازی کہتے ہیں۔ مشہور مفسر قرآن حضرت امام فخر الدین رازیؒ رَے کے رہنے والے تھے۔ رَے کا حاکم سِیَاوَخش بن مِهْرَان بن بَهْرَام شُوْبِیْن تھا۔ اس نے دُنْبَاوَنْد، طَبَرِسْتَان، قُوْمِس اور جُرْجَانْ والوں کو اپنی امداد کے لیے بلایا اور ان کو کہا کہ مسلمان رَے پر حملہ آور ہیں۔ تم ان کے مقابلے کے لیے جمع ہو جاؤ ورنہ پھر الگ الگ تم ان کے سامنے کبھی نہ ٹھہر سکو گے۔ چنانچہ ان علاقوں کی امدادی افواج بھی رَے میں جمع ہو گئیں۔ ابھی یہ مسلمان جو تھے رَے کے راستے میں ہی تھے کہ ایک ایرانی سردار اَبُو الْفَرْخَان زَیْنَبِی مصالحانہ طور پر مسلمانوں سے آملا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کی رَے کے حاکم سے لگتی تھی۔

لشکر جب رَے پہنچا تو دشمن کی تعداد اور اسلامی لشکر کی تعداد میں کوئی مناسبت نہیں تھی۔ یہ صورت دیکھ کر زَیْنَبِی نے نُعَیْم کو کہا کہ آپ میرے ساتھ کچھ شہسوار بھیجیے مَیں خفیہ راستے سے شہر کے اندر جاتا ہوں، آپ باہر سے حملہ آور ہوں اور شہر فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ رات کے وقت نُعَیْم بن مُقَرِّن نے اپنے بھتیجے مُنْذِرْ بن عَمْرو کی سرکردگی میں رسالے کا کچھ حصہ زینبی کے ہمراہ بھیج دیا اور ادھر باہر سے لشکر لے کر خود شہر پر حملہ آور ہوئے۔

جنگ شروع ہو گئی۔ دشمن نے بڑی ثابت قدمی سے حملہ کا جواب دیا مگر جب اپنی پشت سے ان مسلمانوں کے نعروں کی آواز سنی جو زینبی کے ہمراہ شہر کے اندر داخل ہو گئے تھے تو ہمت ہار دی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

شہر والوں کو تحریراً امان دے دی گئی اور جو امان دی اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو نُعَیْم بن مُقَرِّن، زَیْنَبِی کو دیتے ہیں۔ وہ باشندگان رَے اور باہر کے باشندوں کو جو ان کے ساتھ ہیں امان دیتے ہیں اس شرط پر کہ ہر بالغ سالانہ حسب طاقت جزیہ دے اور یہ کہ وہ خیر خواہی کرے۔ راستہ بتائیں اور خیانت اور دھوکا بازی نہ کریں اور ایک دن رات مسلمانوں کی میزبانی کریں اور ان کی تعظیم کریں۔ جو مسلمانوں کو گالی دے گا سزا پائے گا اور جو اس پر حملہ کرے گا مستوجب قتل ہو گا۔ بہرحال یہ تحریر ہو کر گواہی ڈالی گئی۔[280]

پھر فتح قُوْمِیْس اور جُرْجَانْ ہے۔ یہ بائیس ہجری کی ہیں۔ رَے کی فتح کی خوشخبری حضرت عمرؓ کے پاس قاصد لے کر پہنچا تو آپ نے نعیم بن مقرن کو لکھا کہ اپنے بھائی سُوَیْد بن مُقَرِّن کو قُوْمِیْس کی فتح کے لیے بھیج دو۔ یہ شہر رے اور نیشاپور کے درمیان طَبَرِسْتَان کے پہاڑی سلسلہ کے آخری حصہ پر واقع

تھا۔ قُوْمِیْس والوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور سُوَیْد نے ان لوگوں کے لیے امان اور صلح کی تحریر لکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی جُرْجَان جو طَبَرِسْتَان اور خُرَاسَان کے درمیان ایک بڑا شہر تھا اور طَبَرِسْتَان کے لوگوں نے بھی سُوَیْد کی طرف اپنے لوگ بھیجے اور انہوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔ سُوَیْد نے سب علاقے کے لوگوں کے لیے امان اور صلح کی تحریر لکھ کر دے دی۔[281]

کوئی مذہب کی بات نہیں ہوئی۔ جنہوں نے صلح کی ان کے ساتھ صلح کر لی گئی۔

پھر فتح آذربائیجان ہے۔ یہ بھی بائیس ہجری کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے آذربائیجان کی مہم کا جھنڈا عُتْبَہ بن فَرْقَدْ اور بُکَیر بن عبداللہ کو دیا گیا تھا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے ہدایت کی تھی کہ دونوں الگ الگ اطراف سے حملہ آور ہوں۔ بُکیر بن عبداللہ لشکر لے کر بڑھے اور جَرْمِیْذَان کے قریب رستم کا بھائی اِسْفَنْدِیَاذْ بن فَرُّخْزاذ جو وَاجْرُوْذ کے معرکہ میں شکست کھا کر بھاگا تھا مقابلہ کے لیے نکلا۔ یہ بُکیر کا آذربائیجان میں پہلا معرکہ تھا۔ لڑائی ہوئی۔ دشمن کو شکست ہوئی اور اِسْفَنْدِیَاذْ گرفتار ہو گیا۔ اِسْفَنْدِیَاذْ نے اسلامی سالار بُکَیر سے پوچھا کہ آپ صلح پسند کرتے ہیں یا جنگ؟ بُکیر نے جواب دیا کہ صلح۔ وہ بولا تو پھر آپ مجھے اپنے پاس ہی رکھیں۔ اپنی قید میں لے لیا ہے تو اپنی قید میں رکھو۔ جب تک میں ان لوگوں کا نمائندہ بن کر آپ سے صلح نہ کروں گا یہ لوگ کبھی مصالحت نہیں کریں گے۔ جنگ لڑتے رہیں گے جبکہ ارد گرد کے پہاڑوں میں منتشر ہو جائیں گے یا یہ لوگ قلعوں میں محصور ہو جائیں گے۔ بُکَیر نے اِسْفَنْدِیَاذْ کو اپنے پاس ہی رکھا۔ آہستہ آہستہ اَور علاقہ ان کے زیر اقتدار آتا چلا گیا۔ عُتبہ بن فَرْقَدْ نے دوسری جانب سے حملہ کیا۔ اسفندیاذ کا بھائی بَہْرَام ان کے راستے میں حائل ہوا مگر لڑائی کے بعد شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیاذ نے جب یہ خبر سنی تو کہنے لگا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور صلح کا وقت آ گیا۔ چنانچہ اس نے صلح کر لی اور آذربائیجان کے باشندوں نے اس کا ساتھ دیا اور یہ صلح نامہ لکھا گیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے۔ یہ تحریر ہے جو امیر المومنین عمر بن خطاب کے عامل عُتْبہ بن فَرْقَد آذربائیجان کے باشندوں کو دیتے ہیں۔ آذربائیجان کے میدانی علاقے اور پہاڑی علاقے اور سرحدی اور کناروں کے علاقے کے رہنے والوں اور تمام مذاہب والوں کے لیے یہ تحریر ہے۔ ان سب کو امان ہے اپنے نفوس کے لیے، اپنے اموال کے لیے، اپنے مذاہب کے لیے، اپنی شریعتوں کے لیے اس شرط پر کہ وہ جزیہ ادا کریں اپنی طاقت کے مطابق۔ جو بھی ان کی طاقت ہے اس کے مطابق جزیہ ادا کریں۔ لیکن جزیہ نہ بچے پر ہو گا نہ عورت پر، نہ لمبے بیمار پر جو ایک مستقل بیمار ہے جس کے پاس مال نہیں، نہ اس عابد گوشہ نشین پر جس کے پاس کچھ مال نہیں اور یہ یہاں کے باشندوں کے لیے بھی ہے اور ان کے لیے بھی جو باہر سے آ کر ان کے ساتھ آباد ہو جائیں۔

آئندہ آنے والوں اور وہاں آباد ہونے والوں کے لیے بھی ہے۔ ان کے ذمہ اسلامی لشکر کی ایک دن رات مہمان نوازی ہے اور اس کو راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی سے کوئی فوجی خدمت لی جائے گی تو اس سے

جزیہ ساقط کر دیا جائے گا۔ جو یہاں قیام کرے اس کے لیے یہ شرائط ہیں اور جو یہاں سے باہر جانا چاہے وہ امن میں ہے حتی کہ اپنے امن کے مقام پر چلا جائے۔ یہ تحریر جُنْدُبْ نے لکھی اور اس کے گواہ ہیں بُکَیر بن عبداللہ اور سِمَاکْ بِن خَرَشَہْ۔[282]

آرمینیا کی مصالحت کے بارے میں لکھا ہے کہ آذربائیجان کی فتح کے بعد بُکَیر بن عبداللہ آرمینیا کی طرف بڑھے۔ ان کی امداد کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک لشکر سُرَاقَہ بن مالِک بن عَمرو کی سرکردگی میں بھجوایا اور اس مہم میں سپہ سالار اعلیٰ بھی سُرَاقَہ کو مقرر کیا اور ہراول دستوں کی کمان عبدالرحمٰن بن رَبِیْعَہ کو دی۔ ایک بازو کا افسر حُذَیْفَہ بن اُسَیْدغِفَارِی کو بنایا اور یہ حکم دیا کہ جب یہ لشکر بُکَیر بن عبداللہ کے لشکر سے جو آرمینیا کی طرف روانہ تھا جا ملے تو دوسرے بازو کی کمان بکیر بن عبداللہ کے سپرد کی جائے۔ یہ لشکر روانہ ہوا اور ہراول دستوں کے افسر عبدالرحمٰن بن رَبِیعہ سرعت سے نقل و حرکت کرتے ہوئے بُکَیر بن عبداللہ کے لشکر سے آگے نکل کر بَابْ مقام کے قریب جا پہنچے جہاں شَھْرَبَرَازْ حاکمِ آرمینیا مقیم تھا۔ یہ شخص ایرانی تھا۔ اس نے خط لکھ کر عبدالرحمٰن سے امان حاصل کی اور عبدالرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایرانی تھا اور آرمینیوں سے اسے نفرت تھی۔ اس نے عبدالرحمٰن کے پاس صلح کی پیشکش کی اور کہا کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے۔ میں حسب ضرورت فوجی امداد دیا کروں گا۔ یہاں یہ ایک اَور طرز کا معاہدہ ہو رہا ہے۔ خود آ گیا ہے۔ صلح کر لی تو جزیہ نہ لیا جائے۔ میں مدد کرتا ہوں، فوجی مدد کروں گا۔ سراقہ نے یہ تجویز منظور کر لی اور بغیر جنگ کے آرمینیا پر قبضہ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں جب اس قسم کی صلح کی رپورٹ کی گئی تو نہ صرف یہ کہ آپ نے اسے منظور کر لیا بلکہ بڑی مسرت اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت سُراقَہ نے جو تحریر صلح کی دی وہ یہ تھی کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو امیر المومنین عمر بن خطاب کے گورنر سراقہ بن عمرو نے شَھْرَبَرَازْ اور آرمینیا اور اَرْمَنْ کے باشندوں کو دی ہے وہ انہیں امان دیتے ہیں ان کی جانوں پر، اموال پر اور مذہب پر کہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ وہ حملے کی صورت میں فوجی خدمت سرانجام دیں گے اور ہر اہم کام میں جب حاکم مناسب سمجھے مدد دیں گے اور جزیہ ان پر نہیں لگایا جائے گا بلکہ فوجی خدمت جزیہ کے بدلے میں ہو گی۔ مگر جو فوجی خدمت نہ دیں ان پر اہلِ آذربائیجان کی طرح جزیہ ہے اور راستہ بتانا ہے اور پورے ایک دن کی میزبانی ہے لیکن اگر ان سے فوجی خدمت لی جائے گی تو جزیہ نہ لیا جائے گا۔ اگر فوجی خدمت نہ لی جائے گی تو جزیہ لگایا جائے گا۔ پھر اس کے بھی گواہ ہیں عبدالرحمٰن بن رَبِیعَہ اور سَلْمَان بن رَبِیعہ، بُکَیر بن عبداللہ۔ یہ تحریر جو ہے مَرْضِی بن مُقَرِّن نے لکھی اور یہ بھی گواہ ہیں۔ اس کے بعد سراقہ نے آرمینیا کے اردگرد کے پہاڑوں کی طرف افواج بھیجنا شروع کیں۔ چنانچہ بکیر بن عبداللہ، حبیب بن مَسْلَمَہ، حُذَیفہ بن اُسَید اور سَلْمَان بن رَبِیعہ کی سرکردگی میں ان پہاڑوں کی طرف افواج روانہ ہوئیں۔ بکیر بن عبداللہ کو مُوْقَان بھیجا گیا۔ حبیب کو تَفْلِیْس کی طرف روانہ کیا اور حُذَیفہ بن

اُسَید کو لَانْ کے پہاڑوں میں رہنے والوں کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ سراقہ کی ان افواج میں نمایاں کامیابی بکیر بن عبداللہ کو ہوئی۔ انہیں مُوْقَان بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے موقان کے باشندوں کو امن کی تحریر دے دی اور یہ تحریر یوں تھی جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہے:

یہ وہ تحریر ہے جو بکیر بن عبداللہ نے فتح کے پہاڑوں میں اہلِ مُوقَان کو دی ہے۔ ان کو امان ہے ان کی جانوں پر، ان کے مالوں پر، ان کے مذہب پر، ان کی شریعتوں پر اس شرط پر کہ وہ جزیہ دیں جو ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کی قیمت ہے۔ ہر جگہ یہ جو معاہدے ہو رہے ہیں وہاں مذہب پہ آزادی ہے، شریعت کی آزادی ہے۔ جو الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلام نے مذہب تلوار سے پھیلایا، کسی کو نہیں کہا گیا کہ زبردستی اسلام لاؤ۔ اور خیر خواہی کریں اور مسلمانوں کو راستہ دکھائیں اور ایک دن رات کی میزبانی کریں۔ ان کے لیے امان ہو گی جب تک وہ اس عہد نامے پر قائم رہیں اور خیر خواہ رہیں اور ہمارے ذمہ ان سے وفاداری ہے۔ واللّٰہُ الْمُسْتَعَانْ۔ اللہ مددگار ہے لیکن اگر وہ اس عہد کو ترک کر دیں اور کوئی فریب ان سے سرزد ہو تو ان کی امان باقی نہ ہو گی مگر یہ کہ وہ دھوکا کرنے والوں کو حکومت کے سپرد کر دیں ورنہ وہ بھی ان کے شریک سمجھے جائیں گے۔ اس کے بھی گواہ مقرر تھے۔ چار پانچ گواہوں نے دستخط کیے۔[283]

پھر فتحِ خُرَاسَان ہے جو بائیس ہجری میں ہوئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جنگ جَلُولَاء کے بعد بادشاہِ ایران یَزْدَجَرد رَے پہنچا۔ وہاں کے حاکم آبَانْ جَاذَوَیْہ نے یَزْدَجَرد پر حملہ کر دیا اور یَزْدَجَرد کی مہر پر قبضہ کر کے اپنی مرضی کی دستاویز تیار کر لیں اور پھر وہ انگوٹھی اسے واپس کر دی۔ پھر آبان حضرت سعدؓ کے پاس آیا اور وہ تمام چیزیں واپس کر دیں جو تحریری طور پر لکھی ہوئی تھیں۔ یعنی جو دستاویز تیار کی گئی تھیں وہ انہیں دے دیں۔ یَزْدَجَرد رَے سے اصفہان کی طرف روانہ ہوا۔ آبان کو یَزْدَجَرد کا وہاں قیام پسند نہ آیا۔ اس لیے یَزْدَجَرد کو کَرْمَان کی طرف روانہ ہونا پڑا۔ مقدس آگ اس کے ساتھ تھی۔ یہ لوگ آگ پرست تھے تو آگ کو ساتھ لیے پھرتے تھے۔ جو ان کی مقدس آگ تھی وہ اس کے ساتھ تھی۔ پھر اس نے خُرَاسَان کا ارادہ کیا اور مَرْو میں آکر مقیم ہو گیا۔ مقدس آگ کو وہاں روشن کر دیا اور اس کے لیے آتش کدہ تعمیر کروایا اور باغ لگوایا جو مَرْو سے دو فرسخ یعنی چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں آ کر وہ امن و امان سے رہنے لگا۔ غیر مفتوحہ علاقوں کے اہلِ عجم سے خط و کتابت کی اور راہ و رسم بڑھانے لگا یہاں تک کہ وہ سب اس کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ نیز اس نے مفتوحہ علاقوں کے اہلِ فارس کو اور ھُرْمُزَان کو بھی ورغلایا۔

چنانچہ اس ورغلانے کے نتیجہ میں انہوں نے مسلمانوں سے اپنے وفا کے بندھن توڑ ڈالے اور بغاوت کر دی۔ نیز اہلِ جِبَال اور اہلِ فَیْرُوزَان نے بھی ان کی دیکھا دیکھی معاہدے توڑ دیے اور بغاوت کر دی۔ جِبَال جو ہے یہ عراق میں ایک معروف علاقے کا نام ہے جو اَصْبَہَان سے لے کر زَنْجَان، قَزْوِین، ھَمَذَان، رَے وغیرہ شہروں پر مشتمل ہے۔ فِیْرُوزَان اَصْبَہَان کی ایک بستی کا نام ہے۔ بہر حال ان

وجوہات کی بنا پر امیر المومنین حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ ایران کے علاقوں میں پیش قدمی کر کے اس کے اندر گھس جائیں۔ چنانچہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ روانہ ہوئے اور انہوں نے ان کی سرزمین پر پہنچ کر زبردست حملے شروع کر دیے۔ اَحْنَف بن قیس خُرَاسَان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انہوں نے مِہْرجَان قَذَق پر قبضہ کر لیا۔ مِہْرجَان قَذَق جو ہے یہ حُلْوَان سے لے کر ہَمَذَان تک پہاڑوں کے درمیان کا ایک وسیع علاقہ ہے جو کئی شہروں اور بستیوں پر مشتمل تھا۔ پھر مزید آگے بڑھتے ہوئے اَصْبَہان کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت اہل کوفہ "جَیّ" کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ جَیّ بھی اَصْبَہان کے نواح میں ایک قدیم شہر کا نام تھا جو آج کل تقریباً ویران ہے۔ عجم میں اس کو شَہْرِسْتَان کہا جاتا ہے۔ اس لیے وہ طَبَسَانْ کے راستے خُرَاسَان میں داخل ہوئے اور ہَرَاتْ پر بزورِ شمشیر قبضہ کر لیا۔ طَبَسَانْ ایک نواحی قصبہ ہے جو نیشاپور اور اَصْبَہان کے درمیان واقع ہے۔ فارس میں اسے مفرد کے طور پر طَبَسْ پڑھتے ہیں۔ ہَرَاتْ، خُرَاسَان کے مشہور شہروں میں سے ایک عظیم اور مشہور شہر ہے۔ انہوں نے وہاں صُحَار بِنْ فُلَاں عَبْدِی کو اپنا جانشین بنایا اور پھر مزید آگے بڑھتے ہوئے مَرْوشَاہِ جَہَاں کی طرف روانہ ہوئے۔ مَرْوشَاہِ جَہَاں خُرَاسَان کے شہروں اور قصبوں میں سب سے مشہور ہے۔ یہ نیشاپور سے 210 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس دوران درمیان میں کسی سے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لیے نیشاپور کی طرف مُطَرِّف بن عبداللہ بن شِخِّیْر کو بھیجا اور سَرْخَسْ کی طرف حَارِث بن حسان کو روانہ کیا۔ سَرْخَسْ بھی خُرَاسَان کے نواح میں ایک پرانا اور بڑا شہر ہے جو نیشاپور اور مَرْو کے درمیان واقع ہے۔ بہرحال جب اَحْنَف بن قیس مَرْوشَاہِ جَہَاں کے قریب پہنچا تو یَزْدَجَرْد مَرْوَرُوْذ چلا گیا اور وہاں رہنے لگا۔ مَرْوَرُوْذ جو ہے اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ مَرْو اس سفید پتھر کو کہتے ہیں جس میں آگ جلائی جاتی ہے۔ نہ وہ سیاہ ہوتا ہے اور نہ سرخ اور رُوذ فارسی میں دریا کو کہتے ہیں گویا یہ دریا کا مَرْو ہوا۔ یہ مَرْوشَاہِ جَہَاں سے پانچ دن کی مسافت پر ایک بہت بڑے دریا پر واقع ہے۔ اَحْنَف بن قیس مَرْوشَاہِ جَہَاں میں فروکش ہو گئے۔ یَزْدَجَرْد نے مَرْوَرُوْذ پہنچنے کے بعد خوف کے مارے مختلف حاکموں کے پاس امداد کی درخواست کی۔ اس نے خَاقَانْ سے بھی امداد کی درخواست کی۔ شَاہِ صُغْد کو بھی تحریر کیا کہ فوج کے ذریعہ اس کی مدد کی جائے۔ صُغْد وہ علاقہ ہے جس میں سمرقند اور بُخَارا وغیرہ واقع ہیں۔ نیز اس نے شہنشاہ چین سے بھی امداد کی درخواست کی۔ اَحْنَف بن قیس نے مَرْوشَاہِ جَہَاں پر حَارِثَہ بن نعمان بَاہِلِی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اس عرصہ میں کوفہ کی فوجیں ان کے چاروں سرداروں کی قیادت میں اَحْنَف بن قیس کے پاس پہنچ گئیں۔ جب تمام فوجیں مَرْوشَاہِ جَہَاں آ گئیں تو اِحْنَف بن قیس نے مَرْوشَاہِ جَہَاں سے مَرْوَرُوْذ کی طرف فوج کشی کی۔ جب یَزْدَجَرْد کو یہ خبر ملی تو وہ بَلْخ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بَلْخ بھی دریائے جِیْحُوْن کے قریب خُرَاسَان کا ایک خوبصورت شہر تھا چنانچہ اَحْنَف بن قیس مَرْوَرُوْذ میں مقیم ہو گئے۔ جب کوفہ کی فوجیں براہ راست بَلْخ روانہ ہو گئیں تو پھر اَحْنَف بن قیس بھی ان کے پیچھے

روانہ ہو گئے۔ بالآخر بَلخ میں اہل کوفہ کی افواج اور یَزْدَجَرد کی افواج کا سامنا ہوا اور فریقین کے درمیان مقابلہ ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے یَزْدَجَرْد کو مات دے دی اور وہ ایرانیوں کو لے کر دریا کی طرف روانہ ہوا اور دریا پار کر کے بھاگ گیا۔ اتنے میں اَحْنَف بن قیس بھی کوفہ کی فوجوں کے ساتھ آ ملے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بَلْخ کو فتح کرا دیا۔ اس لیے بَلْخ اہلِ کوفہ کی فتوحات میں شامل تھا۔ اس کے بعد خُرَاسَان کے وہ باشندے جو بھاگ گئے تھے یا قلعہ بند ہو گئے تھے اور نیشاپور سے لے کر طَخَارِسْتَان کے باشندے سب صلح کے لیے آنے لگے۔ طَخَارِسْتَان: یہ جو علاقہ ہے یہ بہت سے شہروں پر مشتمل ہے اور یہ خُرَاسَان کے نواح میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر طَالِقَانْ ہے۔ اس کے بعد اَحْنَف بن قیس واپس مَرْوُرُوذ چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ البتہ رِبعی بن عامر جو عرب کے شرفاء میں سے تھے ان کو طَخَارِسْتَان میں اپنا جانشین بنایا۔ اَحْنَف بن قیس نے حضرت عمرؓ کو فتح خُرَاسَان کی خبر لکھ کر بھجوائی۔ فتح خُرَاسَان کی خبر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں چاہتا تھا کہ ان کے خلاف کوئی لشکر نہ بھیجا جاتا اور میری خواہش تھی کہ ان کے اور ہمارے درمیان آگ کا سمندر حائل ہوتا۔ یہ کہتے ہیں جی زمینوں پہ قبضہ کرنا چاہتے تھے، ملکوں پہ قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی یہ خواہش تھی کہ میں فوج نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کے فرمایا۔ اے امیر المومنین! آپؓ یہ بات کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپؓ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندے تین مرتبہ عہد شکنی کریں گے اور معاہدہ کو توڑیں گے اور تیسری مرتبہ ان کو مغلوب کرنے کی ضرورت ہو گی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس فتحِ خُرَاسَان کی خبر پہنچی تو وہ فرمانے لگے مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے اور ان کے درمیان آگ کا سمندر حائل ہوتا۔ اس بات پر حضرت علیؓ نے فرمایا اے امیر المومنین! یہ تو خوشی کا مقام ہے۔ آپؓ کو کیا پریشانی ہے؟ فتح ہو گیا اور آپ کہتے ہیں روک پیدا ہو جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں خوشی کی بات ہے مگر پریشان اس بات پر ہوں کہ یہ لوگ تین مرتبہ عہد شکنی کریں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ہوئی کہ اَحْنَف بن قیس کا مَرْو کے دونوں شہروں پر قبضہ ہو گیا ہے اور انہوں نے بَلْخ بھی فتح کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا اَحْنَف بن قیس اہلِ مشرق کے سردار ہیں۔ پھر اَحْنَف بن قیس کو یہ تحریر کیا کہ تم دریا عبور نہ کرنا بلکہ تم اس سے پہلے کے علاقے میں مقیم رہو۔ جن خصوصیات کے ساتھ تم خُرَاسَان میں داخل ہوئے تھے آئندہ بھی تم ان عادات پر قائم رہنا۔ اس طرح فتح و نصرت ہمیشہ تمہارے قدم چومے گی البتہ تم دریا کو عبور کرنے سے پرہیز کرو ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گے۔[284]

یَزْدَجَرد نے پہلے اپنے ہمسایہ ممالک کو مدد کے لیے بلایا تھا۔ اس وقت تو ان ممالک نے کوئی خاص امداد نہیں کی مگر اب یزدجرد خود اپنی مملکت سے بھاگ کر ان کے پاس مدد کا طالب ہوا اور ان ممالک

سے مدد حاصل کر کے دوبارہ اپنا ملک فتح کرنے کا قصد کیا۔ ترک سردار خَاقَان نے اس کا ساتھ دیا اور بَلْخ میں اپنی فوج لے کر آگیا۔ بَلْخ دریائے جِیْحُوْن کے قریب خُرَاسَان کا ایک خوبصورت شہر تھا۔ مسلمان بیس ہزار کی تعداد میں تھے۔ اَحْنَف نے ترک شہسواروں کے تین فوجی قتل کر دیے جس سے ترک سردار خَاقَان بدشگونی لیتا ہوا واپس چلا گیا۔

چین کے شہنشاہ نے مسلمانوں کے حالات و واقعات سننے کے بعد یَزْدَجَرد کو لکھا کہ تمہارے قاصد نے مسلمانوں کی جو صفات بیان کی ہیں میرے خیال میں اگر وہ پہاڑ سے بھی ٹکرا جائیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں اور اگر مَیں تمہاری مدد کے لیے آؤں تو جب تک وہ یعنی مسلمان ان اوصاف پر قائم ہیں جو تمہارے قاصد نے مجھے بتائے ہیں کہ یہ اوصاف ہیں تو وہ میرا تخت بھی چھین لیں گے اور میں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکوں گا اس لیے تم ان سے مصالحت کر لو۔ یَزْدَجَرد پھر مختلف شہروں میں پھرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں قتل ہوا۔[285]

اَحْنَف بن قیس نے فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے خطاب فرمایا۔ فتح کے متعلق تحریر حضرت عمرؓ کے ارشاد پر پڑھ کر سنائی گئی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا ذکر فرمایا ہے اور اس ہدایت کا ذکر فرمایا ہے جس کے ساتھ آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔ اور اللہ نے آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں سے جلد ثواب اور دنیا و آخرت میں دیر سے بھلائی کے ملنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (التوبة:33) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے خواہ وہ مشرک کیسا ہی ناپسند کریں۔

پھر آپؓ نے فرمایا کہ تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے لشکر کی مدد کی۔ سنو! اللہ نے مجوسی بادشاہت کو ہلاک کر دیا اور ان کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اپنی حکومت کی ایک بالشت زمین بھی اب ان کی ملکیت میں باقی نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچا سکیں۔ سنو! اللہ نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال اور ان کے بیٹوں کا وارث بنا دیا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری طرح بہت سی قومیں فوجی طاقت کی مالک تھیں۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو نصیحت فرما رہے ہیں۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری طرح بہت سی قومیں فوجی طاقت کی مالک تھیں اور گذشتہ زمانے کی بہت سی مہذب قومیں دور دراز کے ممالک میں قابض ہو گئی تھیں۔ اللہ اپنا حکم نافذ کرنے والا ہے اور اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو نمودار کرے گا۔ تم لوگ اس کے احکامات کو نفاذ کرانے کے لیے ایسے شخص کی پیروی کرو جو تمہارے لیے اس کے عہد کو پورا کرے اور تمہارے لیے خدائی وعدے کو

پورا کر کے دکھائے۔ تم اپنی حالت میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرنا ورنہ اللہ تمہیں تمہارے علاوہ لوگوں سے بدل دے گا۔ اگر بدل دو گے اپنے دین کو بھول جاؤ گے، جو احکامات ہیں ان پر عمل نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔ پھر فرمایا: مجھے اس وقت امت مسلمہ کی تباہی اور بربادی کا صرف تمہی سے اندیشہ ہے۔ مجھے یہ خطرہ نہیں کہ دشمن مسلم امہ کو تباہ کرے گا بلکہ مسلمانوں کی مسلم امہ کی تباہی و بربادی کا صرف تمہی مسلمانوں سے ہی اندیشہ ہے اور خوف ہے۔[286]

اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہی بات سچ ثابت ہو رہی ہے۔ مسلمان ہی مسلمان کی گردنیں مار رہا ہے۔ ان کو ختم کر رہا ہے۔ ایک دوسرے پہ حملے کر رہا ہے۔ ملک ملک پہ چڑھائی کر رہے ہیں اور کہنے کو یہ جہاد ہے لیکن مسلمان مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے۔

فتح اِصْطَخْر

اِصْطَخْر فارس کا مرکزی شہر تھا۔ یہ سَاسَانی بادشاہوں کا قدیم مرکزی اور مقدس مقام تھا۔ یہاں پر ان کا قدیم آتش کدہ بھی تھا جس کی نگرانی خود شہنشاہِ ایران کرتا تھا۔ حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ نے اِصْطَخْر کے مقام کا ارادہ کرتے ہوئے اس کی طرف پیش قدمی کی اور اہل اِصْطَخْر کے ساتھ جَور کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے وہاں ان کے ساتھ بھرپور جنگ لڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل جَور کے مقابلے پر فتح عطا کی اور مسلمانوں نے اِصْطَخْر بھی فتح کر لیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا گیا اور بہت سے لوگ بھاگ گئے۔ حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ نے کافروں کو جزیہ ادا کرنے اور ذمی رعایا بننے کی دعوت دی۔ چنانچہ انہوں نے ان سے خط و کتابت کی اور حضرت عثمان بن ابوالعاص بھی ان سے نامہ و پیام کرتے رہے۔ آخر کار ان کے حاکم ہُرمُز نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ جو لوگ فتح اِصْطَخْر کے وقت بھاگ گئے تھے یا الگ ہو گئے تھے سب جزیہ ادا کرنے کی شرط کے ساتھ دوبارہ امن کی جگہ پہ واپس آ گئے۔ دشمن کی شکست کے بعد حضرت عثمان بن ابوالعاص نے سب مال غنیمت جمع کیا اور اس کا خُمس نکال کر امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا اور باقی حصہ مسلمانوں میں تقسیم کی غرض سے رکھ لیا اور تمام مسلمان فوجوں کو لوٹ مار سے روک دیا اور چھینی ہوئی چیزوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔ جو کچھ لوگوں سے چھینا تھا سپہ سالار نے کہا کہ سب واپس کرو۔ پھر حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ نے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا ہمارا معاملہ ہمیشہ بامِ عروج پر رہے گا اور ہم تمام مصائب سے محفوظ رہیں گے جب تک کہ ہم چوری اور خیانت نہ کریں۔ جب ہم مال غنیمت میں خیانت کرنے لگیں گے اور یہ ناپسندیدہ باتیں ہمارے اندر نظر آئیں گی تو یہ برے کام ہماری اکثریت کو لے ڈوبیں گے۔ خیانت کرو گے، چوری کرو گے تو پھر یہی باتیں تمہیں لے ڈوبیں گی اور آج کل کے مسلمانوں میں یہی کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے۔ آپس میں ہی لوٹ مار ہے یا جہاں بھی جاتے ہیں وہاں لوٹ مار ہے، بددیانتی ہے اور انہی بداخلاقیوں نے ان کو

بالکل ہی کسی کام کا نہیں چھوڑا اور ہر جگہ دنیا میں بدنام ہو رہے ہیں۔ حضرت عثمان بن ابو العاصؓ نے فتح کے دن فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو انہیں ہر قسم کی برائیوں سے بچاتا ہے اور ان کے اندر امانت اور دیانت داری کی خصوصیات پیدا فرما دیتا ہے۔ اس لیے تم امانتوں کی حفاظت کرو کیونکہ تم سے اپنے دین و مذہب کی جو چیز سب سے پہلے چھوٹے گی وہ ہے امانت۔ اور جب تمہارے اندر سے دیانت داری جاتی رہے گی تو روزانہ کوئی نہ کوئی نیکی تمہارے اندر سے جاتی رہے گی۔ دیانتداری گئی تو نیکیاں بھی ختم ہونی شروع ہو جائیں گی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کے آخری زمانے اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے پہلے سال شَهْرَكْ نے بغاوت کر دی اور اس نے اہلِ فارس کو ورغلایا اور ان کو بھڑکانے کے نتیجہ میں اہلِ فارس نے عہد شکنی کی۔

حضرت عثمان بن ابو العاص کو ان کی سرکوبی کے لیے دوبارہ بھیجا گیا اور پیچھے سے حضرت عبداللہ بن مَعْمَرؓ اور شِبْل بن مَعْبَد بَجَلِی کی معیت میں امدادی فوج بھیجی گئی۔ ان کا فارس کے مقام پر دشمن سے سخت مقابلہ ہوا جس میں شَهْرَكْ اور اس کا بیٹا مارا گیا اور اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کو بھی قتل کیا گیا اور شَهْرَكْ کو حضرت عثمان بن ابو العاصؓ کے بھائی حَکَم بن ابو العاص نے قتل کیا۔[287]

ایک روایت کے مطابق حضرت عَلَاء بن حَضْرَمِی ؓ نے سترہ ہجری میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پہلی مرتبہ اِصْطَخْر کو فتح کیا تھا۔ اس کے باشندوں نے صلح کے بعد بدعہدی کی جس کے نتیجہ میں بغاوت پھیل گئی۔ اس کی سرکوبی کے لیے حضرت عثمان بن ابو العاصؓ نے اپنے بیٹے اور بھائی کو بھیجا جنہوں نے بغاوت دور کی اور اِصْطَخْر کے امیر کو قتل کر دیا جس کا نام شَهْرَكْ تھا۔[288]

فَسَا اور دَارَابْجِرْد

حضرت سَارِیَہ بن زُنَیمؓ کو حضرت عمرؓ نے فَسَا اور دَارَابْجِرْد شہر کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ 23ہجری کا واقعہ ہے۔ فَسَا فارس کا ایک قدیم شہر تھا جو شیراز سے 216 میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ دَارَابْجِرْد فارس کا ایک وسیع علاقہ ہے جس میں فَسَا اور دیگر شہر تھے۔ دلائل النبوۃ میں روایت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر حضرت سَارِیَہؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا۔ ایک دن جبکہ حضرت عمرؓ خطاب کر رہے تھے کہ اچانک اونچی آواز میں کہنے لگے یَا سَارِیَ الْجَبَلَ۔ اے سَارِیَہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔ تاریخ طبری میں ہے حضرت عمرؓ نے حضرت سَارِیَہ بن زُنَیمؓ کو فَسَا اور دَارَابْجِرْد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا تو وہ مسلمان لشکر کے مقابلے کے لیے صحرا میں اکٹھے ہو گئے اور جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انہوں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ حضرت عمرؓ جمعہ کے دن

خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے فرمایا: یَاسَارِیَۃ بنِ زُنَیم ! اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ۔ یعنی اے سَارِیَہ بن زُنَیم ! پہاڑ پہاڑ۔ مسلمان لشکر جس جگہ پر مقیم تھا اس کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا۔ اگر وہ اس کی پناہ لیتے تو دشمن صرف ایک طرف سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ پس انہوں نے پہاڑ کی جانب پناہ لے لی۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ کی اور دشمن کو شکست دی اور بہت سامالِ غنیمت حاصل کیا۔ اس مالِ غنیمت میں جواہرات کا ایک صندوقچہ بھی تھا جسے مسلمان لشکر نے باہمی اتفاق رائے سے حضرت عمرؓ کے لیے ہبہ کر دیا۔ حضرت سَارِیَہؓ نے اس صندوقچے کے ساتھ اور فتح کی خوشخبری کے ساتھ ایک ایلچی کو حضرت عمرؓ کی طرف بھجوایا۔ جب وہ ایلچی مدینہ پہنچا تو اس وقت حضرت عمرؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے اور آپؓ کے ہاتھ میں وہ عصا تھا جس کے ذریعہ وہ اونٹوں کو ہنکایا کرتے تھے۔ اس قاصد نے حضرت عمرؓ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت عمرؓ نے اسے کھانے پہ بٹھا دیا۔ چنانچہ وہ کھانے پر بیٹھ گیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو حضرت عمرؓ جانے لگے۔ وہ شخص پھر کھڑے ہو کر ان کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر گمان کیا کہ اس شخص کا پیٹ ابھی نہیں بھرا۔ لہٰذا جب آپؓ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو فرمایا اندر آ جاؤ اور آپؓ نے نانبائی کو حکم دیا کہ دستر خوان پر کھانا لائے۔ چنانچہ کھانا لایا گیا جو روٹی اور زیتون اور نمک پر مشتمل تھا۔ پھر آپؓ نے اس شخص سے فرمایا کھاؤ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو اس شخص نے کہا اے امیر المومنینؓ! میں سَارِیَہ بن زُنَیم کا ایلچی ہوں۔ آپؓ نے فرمایا خوش آمدید۔ پھر وہ آپؓ کے قریب آیا یہاں تک کہ اس کا گھٹنا حضرت عمرؓ کے گھٹنے سے چھونے لگا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس سے مسلمانوں کے بارے میں پوچھا۔ پھر سَارِیَہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے آپؓ کو بتایا۔ پھر اس نے صندوقچے کا حال بیان کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے فرمایا: نہیں۔ اس میں کوئی عزت والی بات نہیں ہے۔ اس لشکر کے پاس جاؤ اور اسے ان کے درمیان تقسیم کرو۔ یہ جواہرات جو مجھے بھیجے ہیں یہ لشکر کو ہی تقسیم کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنینؓ! میرا اونٹ لاغر ہو گیا ہے اور میں نے انعام کی توقع پر قرض بھی لیا تھا۔ پس آپ مجھے اتنا دیں جس سے میں ان کی تلافی کر سکوں۔ وہ اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اس کے اونٹ کے بدلے صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اسے دیا اور اس کا اونٹ لے کر صدقے کے اونٹوں میں شامل کیا اور وہ ایلچی معتوب اور محروم ہوتے ہوئے بصرہ پہنچا اور حضرت عمرؓ کے حکم پر عمل کیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب قاصد فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آیا تو اہلِ مدینہ نے اس سے سَارِیَہ کے بارے میں پوچھا اور فتح کے بارے میں اور یہ کہ کیا جنگ کے دن مسلمانوں نے کوئی آواز سنی تھی؟ اس نے کہا کہ ہاں ہم نے سنا تھا یَاسَارِیَۃ اَلْجَبَلَ۔

یعنی اے سَارِیَہ پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔ اس وقت قریب تھا کہ ہم ہلاک ہو جاتے۔ پس ہم نے پہاڑ کی طرف پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔ [289]

حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کی خلافت کے ایام میں وہ منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔ یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلَ، یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلَ۔ یعنی اے سَارِیَہ! پہاڑ پر چڑھ جا۔ اے سَارِیَہ! پہاڑ پر چڑھ جا۔ چونکہ یہ فقرات بے تعلق تھے لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ آپؓ نے یہ کیا کہا؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا کہ ایک جگہ سَارِیَہ جو اسلامی لشکر کے ایک جرنیل تھے کھڑے ہیں اور دشمن ان کے عقب سے اس طرح حملہ آور ہے کہ قریب ہے کہ اسلامی لشکر تباہ ہو جائے۔ اس وقت میں نے دیکھا تو پاس ایک پہاڑ تھا کہ جس پر چڑھ کر وہ دشمن کے حملہ سے بچ سکتے تھے۔ اس لیے میں نے ان کو آواز دی کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھ جاویں۔ ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ سَارِیَہ کی طرف سے بعینہ اسی مضمون کی اطلاع آئی اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس وقت ایک آواز آئی جو حضرت عمرؓ کی آواز سے مشابہ تھی جس نے ہمیں خطرہ سے آگاہ کیا اور ہم پہاڑ پر چڑھ کر دشمن کے حملہ سے بچ گئے۔"

حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ "اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی زبان اس وقت ان کے اپنے قابو سے نکل گئی تھی اور اس قادرِ مطلق ہستی کے قبضہ میں تھی جس کے لئے فاصلہ اور دوری کوئی شئے ہے ہی نہیں۔"[290]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس بارے میں فرماتے ہیں:

"ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ الزام کہ صحابہ کرام سے ایسے الہام ثابت نہیں ہوئے بالکل بے جا اور غلط ہے کیونکہ احادیث صحیحہ کے رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الہامات اور خوارق بکثرت ثابت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سَارِیَہ کے لشکر کی خطرناک حالت سے باعلام الٰہی مطلع ہو جانا جس کو بیہقی نے ابنِ عمر سے روایت کیا ہے اگر الہام نہیں تھا تو اَور کیا تھا اور پھر انکی یہ آواز کہ یَا سَارِیَہ اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ۔ مدینہ میں بیٹھے ہوئے مونہہ سے نکلنا اور وہی آواز قدرتِ غیبی سے سَارِیَہ اور اس کے لشکر کو دور دراز مسافت سے سنائی دینا اگر خوارق عادت نہیں تھی تو اَور کیا چیز تھی۔"[291]

پھر فَتحِ کَرْمَان کا ذکر ہے جو 23 ہجری میں ہوئی۔ حضرت سُہَیل بن عَدِی کے ہاتھوں کَرْمَان فتح ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن بُدَیل کے ہاتھوں فتح ہوا۔[292]

حضرت سُہَیلؓ کے ہر اول دستے پر نُسَیْر بن عَمْرو عِجْلِی تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے اہل کرمان جمع ہو گئے۔ وہ اپنی سر زمین کے قریب علاقے میں جنگ کرتے رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں منتشر کر دیا اور مسلمانوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ نُسَیر نے ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح حضرت سُہَیل بن عدیؓ نے دیہاتیوں کے دستے کے ذریعہ دشمن کے راستے کو جِیرَفْت مقام تک روک لیا۔ حضرت عبد اللہ بھی شِیر کے راستے وہاں پہنچے اور حسب منشا اس مقام پر انہیں بہت سارے

اونٹ بھیڑ بکریاں ملیں تو انہوں نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی قیمت لگائی۔ ان کی قیمت میں عرب کے اونٹوں سے بڑے ہونے کے باعث ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ چنانچہ اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے اس کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف لکھا کہ عربی اونٹ کی گوشت کے مطابق قیمت لگائی جاتی ہے اور یہ اونٹ بھی اسی کی مانند ہیں۔ اگر وہ تمہاری رائے کے مطابق بڑھ کر ہے تو اس کی قیمت میں اضافہ کر دو۔ جو مال ہاتھ آیا تھا اس کے مطابق اس کے جانوروں کی قیمت لگائی جا رہی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت عبداللہ بن بُدَیل بن وَرْقَاء خُزَاعِی نے کرمان کو فتح کیا۔ پھر فتح کرمان کے بعد وہ طَبَسَین آئے۔ پھر وہاں سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے طَبَسَین کو فتح کر لیا ہے۔ آپ مجھے یہ دونوں علاقے جاگیر میں دے دیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ دونوں علاقے ان کو جاگیر میں دینے کا ارادہ کیا تو کسی نے آپ سے کہا کہ یہ دونوں علاقے بہت بڑے اضلاع ہیں اور خُرَاسَان کے دروازے ہیں۔ اس پر آپ نے ان کو یہ دونوں علاقے جاگیر میں دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔[293]

فتحِ سَجِسْتَان، یہ بھی 23ھ ہجری کی ہے۔ سَجِسْتَان خُرَاسَان سے بڑا علاقہ ہے اور اس کی سرحدیں دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ علاقہ سندھ اور دریائے بَلْخ کے درمیان تھا۔ اس کی سرحدیں بہت دشوار گزار تھیں اور آبادی بھی بہت زیادہ تھی۔ اس سَجِسْتَان کو ایرانی سِیْسْتَان بھی کہا جاتا ہے یا ایرانی لوگ اس کو سِیْسْتَان کہتے ہیں۔ مشہور ایرانی پہلوان رستم اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ یہ کرمان کے شمال میں واقع تھا اس کا صدر مقام زَرَنْج تھا۔ قدیم زمانے میں یہ بہت بڑا علاقہ تھا اور حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یہ بہت اہم علاقہ تھا۔ یہاں کے لوگ قندھار ترک اور دوسری قوموں سے جنگ کرتے رہتے تھے۔ عاصم بن عَمرو نے سَجِسْتَان کا رخ کیا اور عبداللہ بن عُمَیر بھی فوج لے کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اہل سَجِسْتَان سے ان کے قریبی علاقے میں مقابلہ ہوا اور مسلمانوں نے انہیں شکست دی اور اہل سَجِسْتَان بھاگ گئے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور زَرَنْج مقام پر ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور ساتھ ساتھ مسلمان جہاں جہاں ممکن ہوا مختلف علاقوں کو بھی فتح کرتے گئے۔ بالآخر اہل سَجِسْتَان نے زَرَنْج اور دیگر مفتوحہ علاقوں کے بارے میں مصالحت کر لی اور باقاعدہ مسلمانوں سے معاہدہ منظور کرایا اور اپنے صلح نامہ میں یہ شرط منظور کرا لی کہ ان کے جنگل محفوظ چراگاہوں کی طرح سمجھے جائیں گے۔ اس لیے جب مسلمان وہاں سے گزرتے تھے تو ان کے جنگلوں سے بچ کر نکلتے تھے کہ وہ کہیں انہیں نقصان پہنچا کر عہد شکنی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اس حد تک مسلمان احتیاط کرتے تھے۔ بہر حال اہل سَجِسْتَان خراج دینے پر راضی ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کو قبول کر لیا۔[294]

فتحِ مُکْرَان، یہ بھی 23ھ ہجری کی ہے۔ حَکَم بن عَمرو کے ہاتھوں مُکْرَان (آج کل اسے مَکران کہا جاتا ہے۔ پرانی تاریخوں میں مَکران لکھا ہوا ہے، یہ) فتح ہوا۔ لیکن پھر شِہَاب بن مُخَارِق، سُہَیل بن

عَدِی اور عبد اللہ بن عبد اللہ بھی لشکروں سمیت ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ مسلمانوں نے سندھ کے بادشاہ کے خلاف متحد ہو کر جنگ کی اور اسے شکست دی۔ حکم بن عمرو نے صُحَار عَبدِی کے ہاتھ فتح کی خبر اور مالِ غنیمت بھیجا اور مالِ غنیمت میں حاصل شدہ ہاتھیوں کے بارے میں ہدایت طلب کی۔ جب حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت پہنچی تو حضرت عمرؓ نے اس سے مکران کی زمین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا اے امیر المومنینؓ! اس کے نرم میدانوں کی زمین بھی پہاڑوں کی طرح سخت ہے اور وہاں پانی کی سخت قلت ہے۔ اس کے پھل خراب ہیں اور وہاں کے دشمن بہت دلیر ہیں اور وہاں بھلائی کے مقابلے میں برائی بہت زیادہ ہے۔ وہاں کثیر تعداد بھی تھوڑی معلوم ہوتی ہے اور قلیل تعداد ضائع ہو جاتی ہے اور اس کا پچھلا حصہ تو اس سے بھی بدتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے اس اندازِ گفتگو پہ فرمایا کہ کیا تم قافیہ پیمائی کر رہے ہو یا واقعی صورتِ حال کی خبر دے رہے ہو۔ اس نے اس پر کہا کہ میں صحیح خبر آپؓ تک پہنچا رہا ہوں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ اگر تم صحیح بتلا رہے ہو تو بخدا امیر الشکر وہاں حملہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ آپؓ نے حکم بن عمرو اور حضرت سُھَیل کو یہ حکم تحریر فرمایا اور یہ حکم تحریر فرما کر روانہ کیا کہ تم دونوں کے لشکروں میں سے کوئی بھی مکران سے آگے پیش قدمی نہ کرے اور دریا کے اس پار کے علاقے تک محدود رہے۔ نیز آپؓ نے یہ بھی حکم دیا کہ ہاتھیوں کو اسلامی سرزمین پر ہی فروخت کر دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والے مال کو مسلمان لشکروں میں تقسیم کر دیا جائے۔[295]

اس جنگ کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ طبری سے لی گئی ہیں۔ اس جنگ کی بابت علامہ شبلی نے ایک نوٹ بھی دیا ہے کہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی علاقوں اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آچکا تھا۔ نیز وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے۔ اگرچہ مورخ بلاذری فتوحاتِ فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران کو ہی اخیر حد قرار دیا ہے۔[296]

بقاع کی مہم

کتبِ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں دِمَشق کا محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا اور ان کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ بہرحال کیونکہ یہ حضرت ابوبکرؓ کے دَور کی ہے اس لیے اس جنگ کی تفصیلات جب حضرت ابوبکرؓ کا ذکر ہو گا تو وہاں پیش کی جائیں گی ان شاء اللہ۔[297]

دِمَشق کی فتح کے بعد جو واقعات ہیں وہ بیان کرتا ہوں۔ دِمَشق کی فتح ہو جانے کے بعد ابوعُبَیدہ نے خالد بن ولیدؓ کو بِقَاع کی مہم پر روانہ کیا۔ بِقَاع: دِمَشق، بَعْلَبَکّ اور حِمْص کے درمیان ایک وسیع

علاقہ ہے جس میں بہت ساری بستیاں واقع ہیں۔ انہوں نے اسے فتح کیا اور ایک سریہ اگلی کارروائی کے لیے آگے بھیجا۔ مَیْسَنُون نامی چشمہ پر رومیوں اور سریہ والوں کی مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ پھر دونوں میں لڑائی ہوئی۔ اتفاق سے رومیوں میں سے سِنَان نام کا ایک آدمی بیروت کے عقبی حصہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد کو شہید کر دیا۔ بیروت جو ہے یہ سمندر کے کنارے ملک شام کا ایک مشہور شہر تھا۔ اسی لیے ان شہداء کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس چشمہ کا نام عین الشہداء پڑ گیا۔ ابوعُبَیدہ نے دِمَشْق پر یزید بن ابوسفیان کو اپنا قائم مقام بنایا اور یزید نے دِحْیَہ بن خَلِیفہ کو ایک سریہ کے ساتھ تَدْمُر روانہ کیا تاکہ وہاں فتح کا راستہ ہموار کریں۔ تَدْمُر شام کے علاقے میں ایک قدیم اور مشہور شہر ہے جو حَلَب سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ جس یزید کا ذکر ہو رہا ہے یہ حضرت ابوسفیان کے بیٹے تھے۔

اسی طرح ابوزَہرا قُشَیرِی کو بَثَنِیَّہ اور حَوْرَان بھیجا لیکن وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی۔ بَثَنِیَّہ دِمَشْق کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ حَوْرَان دِمَشْق کا ایک وسیع علاقہ تھا جس میں بہت ساری بستیاں اور کاشتکاری والی زمینیں تھیں۔ شُرَحْبِیل بن حَسَنَہؓ نے اردن کے دارالحکومت طَبَرِیَّہ کو چھوڑ کر بقیہ پورے ملک پر بذریعہ جنگ یعنی کہ جنگ ٹھونسی گئی تو جنگ کے ذریعہ سے قبضہ کر لیا اور طبریہ والوں نے مصالحت کر لی۔ حضرت خالدؓ بِقَاع کے علاقے سے کامیاب ہو کر لوٹے۔ بَعْلَبَکّ والوں نے آپ سے مصالحت کر لی اور آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ تحریر کر دیا۔[298]

بَعْلَبَکّ بھی دِمَشْق سے تین دن کی مسافت (یہ تاریخ میں جو لکھا ہوا ہے) پر واقع ایک قدیم شہر ہے۔[299] یہاں دنوں کی مسافت سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں اونٹوں یا گھوڑوں کے ذریعہ سے (سفر کا جو ذریعہ تھا اس کے ذریعہ) جو مسافت ہوتی تھی۔

فِحْل ایک جگہ ہے۔ اس کی فتح چودہ ہجری میں ہوئی۔ حضرت ابوعُبَیدہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہرقل حِمْص میں مقیم ہے اور وہاں سے دِمَشْق فوجیں روانہ کر رہا ہے لیکن یہ فیصلہ کرنا میرے لیے دشوار ہے کہ پہلے دِمَشْق پر حملہ کروں یا فِحْل پر۔ فِحْل بھی شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواباً تحریر فرمایا: پہلے دِمَشْق پر حملہ کر کے اسے فتح کرو کہ وہ شام کا قلعہ ہے اور اس کا صدر مقام ہے۔ ساتھ ہی فِحْل میں بھی سوار دستے بھیج دو جو انہیں تمہاری طرف نہ بڑھنے دیں۔ اگر دِمَشْق سے پہلے فِحْل فتح ہو جائے تو بہتر ورنہ دِمَشْق فتح کر لینے کے بعد تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ دینا اور تمام سرداروں کو اپنے ساتھ لے کر فِحْل روانہ ہو جانا اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں فِحْل کو فتح کرا دے تو خالد اور تم حِمْص چلے جانا اور شُرَحْبِیل اور عَمرو کو اردن اور فلسطین بھیج دینا۔ حضرت عمرؓ کا جو خط تھا، جب یہ حضرت ابوعُبَیدہؓ کو ملا تو انہوں نے فوج کے دس افسروں کو جن میں سب سے نمایاں اَبُوالْاَعْوَر سُلَمِی تھے فِحْل بھیج دیا اور خود حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ دِمَشْق روانہ ہو گئے۔ رومی فوجوں نے مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنے گردوپیش کی زمین میں بُحَیْرَہ طَبَرِیَّہ اور

دریائے اردن کا پانی چھوڑ دیا جس سے ساری زمین دلدل بن گئی اور اسے عبور کرنا دشوار ہو گیا۔[300]

بہر حال ہرقل نے دِمَشق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں وہ بھی دِمَشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ پانی کھولنے کی وجہ سے تمام راستے بند ہو گئے مگر مسلمان ثابت قدم رہے۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابوعُبَیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔

ابوعُبَیدہ نے حضرت مُعَاذ بن جبلؓ کو سفارت کے لیے بھیجا۔ حضرت مُعَاذ بن جبلؓ نے ان کے سامنے اسلامی تعلیم پیش کی مگر انہوں نے یعنی دشمنوں نے اسے قبول نہ کیا۔ دیگر امور کے علاوہ رومیوں نے حضرت معاذ کو یہ پیشکش کی کہ ہم تم کو بَلْقَاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں تم یہ ملک چھوڑ کر فارس چلے جاؤ۔ پہلے خود ہی فوجیں اکٹھی کر رہے تھے جب دیکھا کہ ہارنے کا وقت آیا ہے تو یہ پیشکش کی۔ حضرت معاذؓ نے انکار کیا اور اٹھ کے واپس چلے آئے کہ نہیں۔

رومیوں نے براہ راست ابوعُبَیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔ چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ قاصد وہاں مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچا تو ابوعُبَیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا کہ سپہ سالار بڑے جاہ و حشم رکھتا ہو گا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابوعُبَیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابوعُبَیدہ نے کہا ہاں۔ قاصد نے کہا کہ ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دے دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت ابوعُبَیدہ ؓ نے انکار کیا۔ قاصد اس پر بڑا ناراض ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔ ابوعُبَیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا، تیار رہنے کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھے۔

حضرت عمرؓ نے اجازت فرمائی کہ ٹھیک ہے پیش قدمی کرو کیونکہ رومی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو۔ خدا تمہارا مددگار ہے۔ ابوعُبَیدہ نے اسی دن کمربندی کا حکم دے دیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے اور اگلی صبح پھر حضرت خالد بن ولیدؓ صرف سواروں کے ساتھ میدان میں گئے۔ رومی لشکر بھی تیار تھا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومی سپہ سالار نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور واپس جانا چاہا۔ حضرت خالدؓ نے پکارا۔ رومی اپنا زور لگا چکے ہیں اب ہماری باری ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے اچانک حملہ کیا اور رومیوں کو پسپا کر دیا۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی کو ٹال رہے تھے۔ حضرت خالدؓ ان کی چال سمجھ گئے تو انہوں نے حضرت ابوعُبَیدہؓ کی خدمت میں کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں حملے کا یہی وقت ہے۔ چنانچہ اسی وقت اعلان کیا گیا کہ اگلے روز حملہ ہو گا فوج تیار ہو جائے۔ رات کے پچھلے پہر حضرت ابوعُبَیدہ ؓ نے لشکر کو ترتیب دیا۔ رومی لشکر کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی۔

حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح لکھنے والے دو سیرت نگار ہیکل اور صلابی نے یہ تعداد اسّی ہزار سے ایک لاکھ تک بھی بیان کی ہے۔ بہر حال ایک گھنٹے کی شدید جنگ ہوئی۔ اس کے بعد رومی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ تمام زمین جو قبضے میں کی گئی ہے ان کے مالکوں کے پاس ہی رہے گی۔ کوئی زمین کسی سے لی نہیں جائے گی اور لوگوں کی جانیں اور مال اور زمین اور مکانات اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مساجد کے لیے جگہ لی جائے گی۔[301]

کوئی زمین اگر لینی ہے تو مساجد کے لیے لینی ہے۔ باقی زمینیں ان کے مالکوں کے پاس ہی رہیں گی۔

پھر فتحِ بَیْسَان کا بیان ہے۔ جب شُرَحبِیل فِحَل کی جنگ سے فراغت پاچکے تو وہ اپنی فوج اور عمرو کو لے کر اہلِ بَیْسَان کی طرف بڑھے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اَبُو الْاَعْوَر اور ان کے ساتھ چند اَور سردار طَبَرِیّہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ بَیْسَان طبریہ کے جنوب میں اٹھارہ میل کے فاصلے پر واقع جگہ ہے۔ اردن کے علاقوں میں دِمَشْق اور اس کے بعد کی دیگر مہمات میں رومیوں کی پے درپے شکستوں کی خبر پھیل چکی تھی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ شُرَحبِیل اور ان کے ساتھ عَمرو بن العاص اور حَارِث بن ہشام اور سُہیل بن عمرو اپنی فوج کو لیے ہوئے بَیْسَان کے ارادے سے جا رہے ہیں اس لیے ہر جگہ لوگ قلعہ میں جمع ہو گئے۔ شُرَحبِیل نے بَیْسَان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا جو چند روز تک جاری رہا مگر بعد میں وہاں کے کچھ لوگ مقابلے کے لیے باہر نکلے۔ مسلمان ان سے لڑے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ باقی لوگوں نے مصالحت کی درخواست کی جس کو مسلمانوں نے دِمَشْق کی شرائط پر منظور کر لیا۔ جو فتح دِمَشْق کی شرائط تھیں اسی بنیاد پر وہ بھی منظور ہوئیں۔[302]

پھر فتحِ طَبَرِیَّہ ہے۔ جب اہلِ طَبَرِیّہ کو بَیْسَان کی فتح اور اس کے معاہدہ کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابو الاَعْور سے اس شرط پر صلح کی کہ ان کو شُرَحبِیل کی خدمت میں پہنچا دیا جائے۔

ابوالاعور نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ چنانچہ اہلِ طبریہ اور اہلِ بَیْسَان سے دِمَشْق والی شرائط پر ہی مصالحت ہو گئی اور یہ بھی طے ہوا کہ شہروں اور اس کے قریبی دیہات کی آبادیوں کے تمام مکانات میں سے آدھے مسلمانوں کے لیے خالی کر دیے جائیں اور باقی نصف میں خود رومی رہائش اختیار کریں اور وہ فی کس سالانہ ایک دینار اور زمین کی پیداوار میں سے معین حصہ ادا کریں گے۔ اس کے بعد مسلمان قائدین اور ان کی فوجیں آبادی میں مقیم ہو گئیں اور اردن کی صلح پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور تمام امدادی دستے اردن کے علاقے میں مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے اور فتح کی بشارت، خوشخبری حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دی گئی۔[303]

پھر فتحِ حِمْص، یہ چودہ ہجری میں ہوئی۔ اس کے بعد حضرت ابوعُبَیدہؓ نے حِمْص کی طرف پیش قدمی کی جو شام کا ایک مشہور شہر تھا اور جنگی اور سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ حِمْص دِمَشْق اور حَلَب کے

درمیان شام میں واقع ہے۔ حِمْص میں ایک بڑا ہیکل تھا جس کی زیارت کے لیے دور دور سے لوگ آتے اور اس کے پجاری بننے پر فخر محسوس کرتے۔ بہر حال حِمْص کے قریب رومیوں نے ہی خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا اور آگے بڑھے۔ چنانچہ ایک فوجِ کثیر حِمْص سے نکل کر جُوسِیَہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن ان کو شکست ہوئی۔ حضرت ابوعُبَیدہ ؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے حِمْص پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہیں لڑ سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہِرَقْل کی طرف سے مدد کی امید بھی تھی۔ چنانچہ اس نے جزیرے سے ایک فوج بھی روانہ کی لیکن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے کچھ فوج اس لشکر کی طرف بھیج دی جس نے اس لشکر کو وہیں روک لیا۔[304]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومیوں کے پاؤں میں چمڑے کے موزے ہوتے تھے پھر بھی ان کے پاؤں شَل ہو جاتے جبکہ صحابہ کے پاؤں یا مسلمانوں کی جو فوج تھی ان کے پاؤں میں جوتوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔[305]

ہِرَقل اہلِ حِمْص سے مدد کا وعدہ کر کے اور انہیں مقابلے کی ہمت دلا کر خود رُہَاء چلا گیا۔ وعدہ کیا اور خود وہاں سے چلا گیا۔ حِمْص والے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ وہ اسی دن مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلتے جس دن سخت سردی ہوتی۔ رومی ہرقل کی مدد کے انتظار میں تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان سردی سے عاجز آ کر بھاگ جائیں لیکن مسلمانوں نے ثباتِ قدم دکھایا اور ہرقل کی مدد بھی ان کو نہ پہنچی یعنی اس شہر کے لوگوں کو اور سردی کے دن بھی گزر گئے تو اہلِ حِمْص کو یقین ہو گیا کہ اب ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا اور شہر کے سارے مکان اہلِ شہر کے لیے چھوڑ دیے گئے اور دِمَشْق کی طرح خراج اور جزیہ پر صلح کر لی گئی۔ حضرت ابوعُبَیدہ ؓ نے حضرت عمرؓ کو تمام واقعات سے مطلع کیا جس کے جواب میں حضرت عمرؓ کا حکم آیا کہ تم ابھی وہیں ٹھہرو اور شام کے طاقتور قبائلِ عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرو۔ میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ برابر یہاں سے کمک بھیجتا رہوں گا۔[306]

پھر مَرْجُ الرُّوْم ایک جگہ ہے اسی سال مَرْجُ الرُّوْم کا واقعہ پیش آیا۔ مَرْجُ الرُّوْم دِمَشْق کے قریب ایک مقام تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابوعُبَیدہ ؓ فِحْل سے حِمْص جانے کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ سب نے ذُوالکَلَاع مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ ان کی اس نقل و حرکت کی اطلاع ہرقل کو ہوئی تو اس نے تُوْذَرَا بِطْرِیق کو روانہ کیا۔ وہ مَرْج دِمَشْق اور اس کی مغربی جانب میں قیام پذیر ہوا۔ ابوعُبَیدہ نے مَرْجُ الرُّوْم اور اس کے لشکر سے ابتدا کی۔ اس وقت ان کی یعنی مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ سردی کا موسم آ چکا تھا اور ان کے جسم زخموں سے بھرے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ مرج الروم پہنچے تو شَنَس رومی بھی ادھر آ گیا اور تُوْذَرَا کے قریب ہی شاہ سواروں کے ساتھ اس نے پڑاؤ ڈال

لیا۔ یہ شَنَس دراصل تُوذَرَا کی مدد اور حِمص والوں کے بچاؤ کے لیے آیا تھا۔ وہ ایک کنارے پر اپنے لشکر کے ساتھ فروکش ہو گیا۔ جب رات آئی تو ان کا دوسرا سپہ سالار تُوذَرَا وہاں سے روانہ ہو گیا اور اس کے جانے کی وجہ سے وہ جگہ خالی ہو گئی۔

تُوذَرَا کے مدّمقابل حضرت خالد بن ولیدؓ تھے جبکہ شَنَس کے مقابلے میں حضرت ابوعُبَیدہؓ تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو جب اس بات کی خبر ملی کہ تُوذَرَا یہاں سے دِمَشق روانہ ہو چکا ہے تو حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعُبَیدہؓ نے باتفاق رائے اس بات کا فیصلہ کیا کہ تُوذَرَا کے تعاقب میں حضرت خالدؓ روانہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ گھڑ سواروں کا ایک دستہ لے کر اسی رات اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ ادھر یزید بن ابوسفیان کو تُوذَرَا کی اس حرکت کی خبر مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ تُوذَرَا کے مقابلے پر آ گئے اور دونوں لشکروں میں جنگ کا میدان گرم ہو گیا۔ ابھی دونوں کے درمیان لڑائی جاری تھی کہ پیچھے سے حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے اور انہوں نے تُوذَرَا کی پشت سے حملہ بول دیا۔ نتیجۃً کشتوں کے پشتے لگ گئے اور دشمن سامنے اور پیچھے دونوں طرف سے مارا گیا۔

مسلمانوں نے ان کو موت کی نیند سلا دیا۔ ان میں سے زندہ صرف وہی بچے جنہوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ مسلمانوں کو اس معرکے میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں سواری کے جانور، ہتھیار، لباس وغیرہ تھے۔ اس کو حضرت یزید بن ابوسفیانؓ نے اپنے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے سپاہیوں میں بانٹ دیا۔ اس کے بعد حضرت یزیدؓ دِمَشق کی جانب روانہ ہو گئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت ابوعُبَیدہؓ کی جانب واپس چلے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں جو بدنام یزید ہے وہ معاویہ کے بیٹے تھے اور یہ یزید ابوسفیان کے بیٹے یزید ہیں۔ تُوذَرَا جو رومیوں کا سردار تھا، اس کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتل کیا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جب تُوذَرَا کے تعاقب میں روانہ ہو گئے تو حضرت ابوعُبَیدہؓ نے شَنَس کا مقابلہ کیا۔ دونوں فوجوں میں مَرْجُ الرُّوم کے مقام پر جنگ چھڑ گئی۔ اسلامی لشکر نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور حضرت ابوعُبَیدہؓ نے شَنَس کا کام تمام کر دیا۔ مَرْجُ الرُّوم دشمن کی لاشوں سے بھر گیا۔ ان لاشوں کی بنا پر وہ مقام بدبودار ہو گیا تھا۔ رومیوں میں سے جو بھاگ گئے وہ تو بچ گئے۔ باقی کوئی موت کے منہ سے نہ بچ سکا۔ مسلمانوں نے بھاگنے والوں کا حِمص تک پیچھا کیا۔[307]

پھر حضرت ابوعُبَیدہؓ فوج لے کر حَمَاۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ حَمَاۃ بھی شام کا ایک قدیم شہر ہے جو اس وقت دِمَشق سے پانچ روز کی مسافت پر واقع تھا۔ اہلِ حَمَاۃ نے ان کے آگے سر اطاعت خم کر دیا، تسلیم کر لیا۔ شَیْزَر والوں کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اہلِ حَمَاۃ کی مانند صلح کر لی۔

شَیْزَر حَمَاۃ سے نصف روز کی مسافت پر واقع ایک بستی تھی۔ پھر حضرت ابوعُبَیدہؓ نے سَلَمْیَہ کو فتح کیا۔ سَلَمْیَہ بھی حَمَاۃ سے دو دن کی مسافت پر واقع ایک بستی تھی۔[308]

اس کے بعد پھر لَاذِقِیَّہ کی فتح ہوئی جو چودہ ہجری کی ہے۔ اسلامی لشکر نے حضرت ابوعُبَیدہ ؓ کی سرکردگی میں لَاذِقِیَّہ کا رخ کیا جو شام کا ایک شہر ہے اور ساحل سمندر پر واقع ہے اور حِمْص کے نواحی علاقوں میں اس کو شمار کیا جاتا ہے۔ لَاذِقِیَّہ والوں نے جب اسلامی لشکر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور شہر کے دروازے بند کر کے مقابلے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ انہیں اطمینان تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا تو وہ مقابلے کی طاقت رکھتے ہیں اور اتنی دیر میں سمندر کے راستے انہیں ہِرَقْل سے کمک پہنچ جائے گی۔ مسلمانوں نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ حفاظتی انتظامات کے لحاظ سے یہ شہر بہت مضبوط تھا اور فوجی چوکیوں کی وجہ سے کافی مشہور تھا۔

حضرت ابوعُبَیدہ ؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی ترکیب نکالی کیونکہ آپؓ جنگی حکمت عملی جانتے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اسے سر کرنا، فتح کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر وہ اس کے مقابلے پہ خیمہ زن ہو جاتے ہیں تو عرصہ قیام بہت لمبا ہو جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لمبا عرصہ کا جو یہ محاصرہ ہے اس دوران دشمنوں کی طرف سے ان کو مدد بھی پہنچ جائے اور یہاں سے ناکام لَوٹنا پڑے یا پھر شہر کا محاصرہ زیادہ لمبا کیا جائے تو اَنْطاکِیہ جانا ناممکن ہو جائے گا تو آپ نے ایک رات میدان میں بہت سے گہرے گڑھے کھدوائے اتنے کہ گھوڑے پر سوار بیٹھا ان میں چھپ جائے اور انہیں گھاس سے چھپا دیا اور صبح محاصرہ اٹھا کر حِمْص کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر والوں نے محاصرہ اٹھتے دیکھا تو خوش ہوئے اور اطمینان سے شہر کے دروازے کھول دیے۔ دوسری طرف حضرت ابوعُبَیدہ ؓ راتوں رات اپنی فوج سمیت واپس آ گئے اور ان غار نما گڑھوں میں چھپ گئے۔ صبح جب شہر کے دروازے کھلے تو مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا کچھ مسلمانوں نے شہر کے دروازے پر قبضہ کر لیا جو قلعہ سے باہر تھے انہوں نے بھاگنے میں اپنی عافیت جانی اور جو شہر میں موجود تھے ان پر خوف طاری ہو چکا تھا۔ لہٰذا جو لوگ شہر میں تھے ان میں سے ہر ایک راہ نجات کی جستجو میں لگ گیا۔ ان کے لیے اطاعت اور تسلیم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کر لی اور بھاگنے والوں نے امان چاہی۔ مسلمانوں نے شہر میں داخل ہو کر شہر کو فتح کر لیا۔ حضرت ابوعُبَیدہ بن جَرّاح ؓ نے جزیے پر صلح کر لی اور ان کا گرجا انہی کے قبضے میں رہنے دیا اور بعد میں مسلمانوں نے اس کے قریب ہی اپنی ایک مسجد بنا لی۔[309]

اس فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اس سال مزید پیش قدمی نہ کی جائے۔[310]

پھر فتح قِنِّسْرِیْن ہے۔ یہ پندرہ ہجری کی ہے۔ حضرت ابوعُبَیدہ بن جَرّاح ؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قِنِّسْرِیْن کی طرف روانہ کیا جو صوبہ حَلَب کا ایک بارونق شہر تھا۔ حلب کے راستے میں پہاڑ کے درمیان قِنِّسْرِیْن کا قلعہ واقع تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ حَاضِرْ مقام کے قریب پہنچے۔ حَاضِرْ بھی حَلَب کے قریب ایک مقام ہے اس جگہ رومی لوگ مِیْنَاس کی زیر قیادت آپ کے مقابلے میں آ گئے۔ ہِرَقل کے بعد روم کا سب سے بڑا سپہ سالار مِیْنَاس ہی تھا۔ بہر حال وہاں کے باشندوں نے اور جو اُن کے ہاں

عرب عیسائی تھے انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ شہر کی حفاظت کے لیے شہر سے باہر نکل کر خیمے ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ یہ عیسائی عرب بھی اسی دستور کے مطابق باہر خیمہ زن تھے۔ سخت معرکے کے بعد حضرت خالدؓ نے رومیوں کا بہت سا لشکر قتل کر دیا اور ان کے سردار مِیْنَاس کو بھی قتل کر دیا۔ علاقے کے لوگوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم عرب لوگ ہیں اور جنگ کرنے پر راضی ہی نہ تھے۔ ہمیں زبردستی اس جنگ میں شامل کیا گیا تھا۔ لہٰذا ہم سے درگزر کیا جائے۔ اس پر حضرت خالدؓ نے ان کا عذر قبول کیا اور ان سے اپنا ہاتھ روک لیا۔

کچھ رومی بھاگ کر قِنِّسْرِیْن میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کا تعاقب کیا لیکن جب وہ قِنِّسْرِیْن پہنچے تو رومی شہر کے دروازے بند کر چکے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم بادلوں میں بھی جا چھپو گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہماری طرف پھینک دے گا۔ کچھ دن تو وہ یونہی قلعہ بند رہے لیکن آخر کار قِنِّسْرِیْن والوں کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی راہ نجات نہیں۔ چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ حِمص کی صلح کی شرائط پر انہیں امان دی جائے لیکن انہوں نے جو پہلے حکم عدولی کی تھی حضرت خالدؓ انہیں اس حکم عدولی کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیے حضرت خالدؓ شہر کو تباہ کرنے کے سوا اَور کسی بات پر راضی نہ ہوئے۔

اہل قِنِّسْرِیْن اپنے مال و متاع اور اہل و عیال کو تقدیر کے حوالے کر کے اَنْطَاکِیہ بھاگ گئے۔ جس وقت حضرت ابوعُبَیدہ بن الجراحؓ قِنِّسْرِیْن پہنچے تو انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے اس فیصلے کو عدل و انصاف کے عین مطابق پایا اور شہر کے قلعے اور فصیلیں منہدم کر دیں۔ اس کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ انصاف کے ساتھ شفقت کا سلوک بھی ہونا چاہیے۔ یہ تو انصاف تھا جو پہلے دشمنوں سے کیا گیا، اب شفقت بھی مسلمانوں کو کرنی چاہیے۔ پھر انہوں نے شفقت کے لیے یہ کیا کہ اہلِ شہر کو ان کی درخواست کے مطابق امان بھی دے دی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہر کے کلیسا اور مکان تقسیم کر دیے گئے۔ چرچ بھی اور مکان بھی تقسیم کر دیے گئے اور نصف حصہ پر مسلمان قابض ہو گئے، نصف حصہ انہی کے پاس رہنے دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شہر کی کچھ زمین لے کر وہاں مسجد تعمیر کر دی گئی اور باقی سب کچھ بدستور اہل علاقہ کے قبضہ میں ہی رہنے دیا۔

جو لوگ اَنْطَاکِیہ بھاگ گئے تھے وہ بھی جزیہ قبول کر کے واپس آ گئے تھے۔ دوسرے مفتوحہ علاقوں کی طرح یہاں کے لوگوں سے بھی بہتر سلوک کیا گیا اور صحیح مساوات کی بنیاد پر ان کے درمیان عدل قائم کیا گیا جس میں کوئی طاقتور کسی بھی کمزور پر ظلم و جبر نہیں کر سکتا تھا۔[311]

پھر فتح قَیْسَارِیّہ ہے۔ یہ بھی پندرہ ہجری کی ہے۔ قَیْسَارِیّہ شام کا ساحلی شہر ہے جو طَبَرِیّہ سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ یہ جنگ کس سال میں ہوئی؟ اس کے بارے میں متفرق روایات ملتی ہیں۔ ایک تو ہے کہ پندرہ ہجری۔ دوسرے قول کے مطابق سولہ ہجری میں ہوئی اور تیسری

روایت کے مطابق انیس ہجری اور چوتھے قول کے مطابق بیس ہجری میں ہوئی۔[312]

بہر حال جس وقت حضرت ابو عُبَیدہ ؓ شمالی روم میں فاتحانہ پیش قدمی فرما رہے تھے حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت شُرَحْبِیل بن حَسَنَہ ؓ روم کی ان فوجوں سے جنگ آزما تھے جو فلسطین میں جمع تھیں اور انہیں شکست دینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ فوجیں کثرتِ تعداد اور سامان کے اعتبار سے بہت قوی تھیں اور ان کی قیادت روم کا سب سے بڑا سپہ سالار اَطْرَبُوْن کر رہا تھا جس کی بعید النظری اور جنگی سوجھ بوجھ مملکت میں اپنا کوئی حریف نہ رکھتی تھی۔ اس نے سوچا کہ فوج کو مختلف مقامات پر پھیلا دیا جائے تاکہ زمامِ اقتدار بھی تنہا اسی کے ہاتھ میں رہے اور اگر اس فوج کے کچھ حصوں پر عرب فتح بھی پائیں تو دوسرے حصے اس سے متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ اس نے رَمْلَہ اور اسی طرح اِیْلِیَا پر ایک بھاری لشکر متعین کیا اور اس کی حمایت کے لیے غَزَہ، سَبَسْطِیَہ، نَابُلُس، لُدّ اور یَافَا میں فوجیں چھوڑ دیں۔ اس کے بعد عربوں کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عربوں پر فتح پانے اور ان کی قوتوں کو پراگندہ کرنے کی طاقت و قوت رکھتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے موقع کی نزاکت کو محسوس کر لیا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر وہ اپنی تمام فوجوں کے ساتھ اَطْرَبُون کے مقابلے میں صف آرا ہوتے ہیں تو رومی فوجیں ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور وہ ان پر فتح یاب نہ ہو سکیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ رومی ان پر فتح پا لیں۔

چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا تو آپ نے یزید بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ اپنے بھائی معاویہ کو قَیْسَارِیّہ فتح کرنے بھیجو تاکہ بحری راستے سے اَطْرَبُون کو مدد نہ پہنچ سکے۔ حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں قَیْسَارِیّہ کا امیر بناتا ہوں، وہاں جاؤ اور اس کے خلاف اللہ سے مدد طلب کرو اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اور اَللّٰهُ رَبُّنَا وَثِقَتُنَا وَرَجَاۤؤُنَاوَمَوْلٰنَا، نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ بکثرت پڑھو۔ یعنی گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ ہی کو ہے جو بہت بلند شان والا اور بہت عظمت والا ہے اور اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارا بھروسہ ہے اور وہ ہماری امید گاہ ہے۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

الفاروق میں لکھا ہے کہ قَیْسَارِیّہ پر اول تیرہ ہجری میں عمرو بن عاصؓ نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عُبَیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ قَیْسَارِیّہ کی مہم پر جاؤ۔ یزید سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا لیکن اٹھارہ ہجری میں جب بیمار ہوئے تو اپنے بھائی امیر معاویہ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے دِمَشْق چلے آئے۔ وہیں ان کی وفات ہو گئی۔

قَیْسَارِیّہ بحرِ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج بہر حال یہ ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بَلَاذَرِی کے تین سو بازار آباد تھے جس کی

حفاظت پر ایک بہت بڑا رومی لشکر متعین تھا۔ یہاں ان کا ایک بہت مضبوط اور خطرناک سرحدی قلعہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے قَیْسَارِیّہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ رومی کبھی اسلامی فوج پر حملہ کرتے لیکن شکست کھا کر پھر اپنے مورچوں میں واپس ہو جاتے۔ آخر کار جب محاصرہ طویل ہو گیا تو ایک دن مرنے مارنے کے ارادے سے نکلے لیکن شکست کھائی اور ایسی عبرت ناک شکست کھائی کہ میدانِ جنگ میں ان کے اسّی ہزار سپاہی مارے گئے اور یہ تعداد ہزیمت و فرار کے بعد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ قَیْسَارِیّہ کی فتح اور اس کے لشکر کی تباہی کے بعد مسلمان اس طرف سے مطمئن اور محفوظ ہو گئے اور اس رستے سے رومیوں کو کمک کا سلسلہ رک گیا۔ حضرت معاویہؓ نے مالِ غنیمت کے خمس کے ساتھ فتح کی خبر حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھجوائی۔

ایک اَور روایت میں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے بڑے سازو سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آ کر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اس راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا اور ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور فتح حاصل کی۔

حضرت عُبَادہ بن صَامِت ؓ جو بدری صحابہ میں سے ہیں وہ بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ ان کی بہادری کا واقعہ قَیْسَارِیّہ کی جنگ میں اس طرح ملتا ہے کہ قَیْسَارِیّہ کے محاصرے کے مقام پر حضرت عُبَادہ بن صَامِت ؓ اسلامی فوج کے مَیْمَنَہ کے قائد تھے۔ آپؓ اپنی فوج کو نصیحت کرنے کھڑے ہوئے۔ انہیں گناہوں سے بچنے اور اپنا محاسبہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر مجاہدین کا ایک ہجوم لے کر آگے بڑھے اور بہت سارے رومیوں کو قتل کیا لیکن اپنے مقصد میں اچھی طرح کامیاب نہ ہوئے۔ دوبارہ اپنی جگہ واپس آئے، اپنے ساتھیوں کو لڑنے مرنے پر جوش دلایا اور اپنے ساتھ اتنا بڑا ہجوم لے کر حملہ کرنے کے بعد بھی نامراد لَوٹنے پر کافی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ اے اسلام کے پاسبانو! میں بیعت عقبہ میں شریک ہونے والے نقباء میں سے یعنی نقیبوں میں سے کم عمر تھا لیکن مجھے سب سے لمبی عمر ملی۔ اللہ نے میرے حق میں فیصلہ کیا کہ مجھے زندہ رکھا، یہاں تک کہ آج یہاں تمہارے ساتھ اس دشمن سے لڑ رہا ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے مومنوں کی جماعت لے کر جب بھی مشرکوں کی جماعت پر حملہ کیا تو انہوں نے ہمارے لیے میدان خالی کر دیا یعنی ہماری جیت ہوئی اور اللہ نے ان پر ہمیں فتح دی۔ کیا بات ہے کہ تم نے ان پر حملہ کیا اور ان کو ہٹا نہ سکے۔ پھر اس کے بارے میں آپؓ کو جو اندیشہ لاحق تھا اسے ان لفظوں میں بیان کیا کہ مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے یا تو تم میں سے کوئی خائن ہے یا جب تم نے حملہ کیا تو مخلص نہیں تھے۔ یا خائن ہو یا اس وقت اخلاص نہیں تھا جب حملہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں صدق دل

سے شہادت مانگنے کی تلقین کی اور کہا کہ مَیں تم میں سب سے پیش پیش رہوں گا اور ہر گز پیچھے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح سے نواز دے یا شہادت کی موت عطا فرمائے۔ چنانچہ جب رومی اور مسلمان آپس میں ٹکرائے تو عُبَادہ بن صَامِت ؓ اپنے گھوڑے سے کود کر پیدل ہو گئے۔ عُمَیر بن سعد انصاری نے آپؓ کو پیدل دیکھا تو امیر لشکر کے پیدل لڑنے کی بات مسلمانوں میں عام کر دی اور کہا کہ سب لوگ انہی کی طرح ہو جائیں۔ چنانچہ سب نے رومیوں سے زبردست معرکہ آرائی کی اور انہیں پست کر دیا۔ بالآخر وہ بھاگ کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔

جس طرح عربوں نے قَیْسَارِیّہ پر قبضہ کیا تھا اسی طرح **غزہ** بھی فتح کر لیا۔ عہد صدیقی میں بھی مسلمان ایک دفعہ غزہ پر قبضہ کر چکے تھے لیکن بعد میں انہیں وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ جب یہ دونوں سرحدی مقام مسلمانوں کے زیر اقتدار آ گئے تو حضرت عمرو بن عاصؓ کو سمندر کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔[313]

جنگ یرموک

جنگِ یرموک کی تاریخ کے متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک روایت تو یہی ہے کہ یہ جنگ پندرہ ہجری کو لڑی گئی۔ بعض کے نزدیک یہ تیرہ ہجری میں فتح دمشق سے پہلے لڑی گئی تھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کو سب سے پہلے جس جنگ میں فتح کی خوشخبری پہنچی وہ جنگِ یرموک ہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی وفات کو بیس دن گزر چکے تھے۔ بعض کے نزدیک فتحِ دمشق کی خوشخبری سب سے پہلے ملی تھی۔[314]

لیکن بہر حال دمشق کی فتح کی خوشخبری والی بات زیادہ صحیح لگتی ہے جو پہلے ہوئی۔ شواہد تو یہی بتاتے ہیں کہ جنگِ یرموک حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی لڑی گئی تھی۔ رومی جب شکست کھا کھا کر دِمَشق اور حِمص وغیرہ سے نکلے تھے تو اَنطاکیہ پہنچے۔ انطاکیہ شام کا سرحدی شہر ہے۔ اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا ہے۔ ہرقل نے اس میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سازوسامان میں کم ہیں پھر تم ان کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ کیوں نہیں مقابلے میں ٹھہر سکتے؟ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں۔ دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک دوسرے سے برابری کے ساتھ ملتے ہیں۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں۔ بدکاریاں کرتے ہیں۔ اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اَوروں پر ظلم کرتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں تو جوش ہے اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔

قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ اپنی شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم، قُسْطَنْطِیْنِیَّہ، جزیرہ آرمینیا، ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں اَنطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کیے جائیں۔ **ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دَل پھیلا ہوا تھا۔ بے شمار فوج تھی۔**

جزیہ واپس کر دیا گیا

حضرت ابوعُبَیْدہؓ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالفتِ مذہب کے انہوں نے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابوعُبَیْدہؓ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُراثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ پہ پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو مظفر و منصور رکھا، ہمیشہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اب تمہارا دشمن اس سازو سامان سے تمہارے مقابلے کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان امیر معاویہ کے بھائی تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں۔ اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن عاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔ یہاں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دمشق کی فتح پہلے تھی۔ شُرَحْبِیل بن حَسَنَہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیرخواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصّب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ خود ہی ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابوعُبَیْدہؓ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں تو ہمارے بیوی بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ شُرَحْبِیل نے اٹھ کر کہا کہ اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں اس لیے نقضِ عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟ ہم ایک عہد کر چکے ہیں۔ کس طرح اس عہد کو توڑیں کہ ان کو شہر سے نکال دیں۔ حضرت ابوعُبَیْدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حِمْص میں ٹھہر کے فوجی امداد کا انتظار کیا جائے۔ ابوعُبَیْدہؓ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حِمْص کو چھوڑ کر دِمَشْق روانہ ہوں،

وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابوعُبَیْدہ ؓ نے حبیب بن مَسْلَمَہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے، جو بھی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ تو اس لیے تھا کہ ان کی بہتری کے لیے ان کی حفاظت کے لیے کام ہو گا لیکن وہ ہم کر نہیں سکتے۔ اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمہیں واپس کیا جاتا ہے۔

چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کُل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ **وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔** یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ تورات کی قسم! جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حِمْص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ ابوعُبَیْدہ ؓ نے صرف حِمْص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ غرض ابوعُبَیدہ دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حِمْص چلے آئے ہیں نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کُل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا ہے تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہو گا۔ یہ بھی حوالے ملتے ہیں کہ پہلے حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ہی فرمایا تھا کہ اگر تم حفاظت نہیں کر سکتے تو ان کا سب کچھ، جو کچھ بھی جزیہ وغیرہ لیا ہے واپس کرو۔ ابوعُبَیْدہ ؓ کو حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ میں مدد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں **لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہوا کرتی۔** ابوعُبَیْدہ ؓ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشاورت کی۔ یزید بن ابی سُفیان، شُرَحْبِیل بن حَسَنَہ، مُعَاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثنا میں عمرو بن عاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے اور رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حِمْص کو چھوڑ کر چلے آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابوعُبَیْدہ ؓ نے جواب میں لکھا کہ حِمْص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جابجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں اور خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو۔ میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔ دوسرے دن ابوعُبَیْدہ ؓ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ یرموک شام کے نواح میں نشیبی وادی تھی جہاں دریائے اردن بہتا تھا۔ عمرو بن عاص بھی یہیں آکر ملے۔

یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اَور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابوعُبَیدہؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اَور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ **فوج جس راہ سے گزرتی ہے راہب اور خانقاہ نشین جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا وہ بھی نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔**

عمرؓ تم کو سلام کہتا ہے۔۔۔۔

جب یہ خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا۔ تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ امیر المومنین! خدا کے لیے ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں۔ خدانخواستہ ان کا بال بھی بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔ مہاجرین و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ **عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ امیر المومنین! آپؓ خود سپہ سالار بنیں** اور ہمیں ساتھ لے کر چلیں لیکن اَور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اَور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے۔ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟ ابوعُبَیدہؓ کے نام نہایت پُرتاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ عمر تم لوگوں کو سلام کہتا ہے اور کہتے ہیں کہ اے اہل اسلام! بے جگری سے لڑو اور اپنے دشمنوں پر شیروں کی طرح جھپٹو اور تلواروں سے ان کی کھوپڑیوں کو کاٹ ڈالو اور چاہیے کہ وہ لوگ تمہارے نزدیک چیونٹیوں سے بھی حقیر ہوں۔ ان کی کثرت تم لوگوں کو خوفزدہ نہ کرے اور تم میں سے جو ابھی تم سے نہیں ملے ان کی وجہ سے پریشان نہ ہونا۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس دن قاصد ابوعُبَیدہ کے پاس آیا اسی دن سعید بن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبلؓ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے مَیْمَنَہ پر مقرر کیا۔ قُبَاثُ بن اَشْیَمْ کو مَیْسَرَہ اور ہاشم بن عُتْبہ کو پیدل فوج کی افسری دی۔ اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا باقی پر قَیس بن هُبَیْرَہ، مَیْسَرَہ بن مَسْرُوق، عَمرو بن طُفَیل کو مقرر کیا۔ **یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے** یعنی بہت بہادر کہلائے جاتے تھے اور اس وجہ سے 'فارس العرب' کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے

سر و سامان سے نکلے تھے۔ دو لاکھ سے زیادہ جمعیت تھی اور چوبیس صفیں تھیں جن کے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیے جوش دلاتے جاتے تھے۔

فوجیں بالمقابل آ گئیں تو ایک بِطْرِیق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ بِطْرِیق عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کو کہتے ہیں۔ مَیْسَرَہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا۔ خالد نے روکا اور قیس بن ھُبَیْرَہ کی طرف دیکھا۔ وہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔ قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بِطْرِیق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا اور ان کا وار چل گیا۔ تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر گئی۔ بِطْرِیق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہے اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہماری ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کیں لیکن سب نے شکست کھائی اور اس دن یہیں تک نوبت پہنچی کہ لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رومی قاصد جارج کا اسلام قبول کرنا

رومیوں نے جب دیکھا کہ ہم تو شکست کھا رہے ہیں تو رات کو رومیوں کے سپہ سالار باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے بجائے جنگ کرنے کے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابوعُبَیْدہ ؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں۔ ابوعُبَیْدہ ؓ نے خالد کا انتخاب کیا۔ قاصد جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا۔ اردو سیرت نگاروں نے جارج لکھا ہے لیکن عرب دانوں کے لیے میں بتا دوں کہ عربی کتب میں اس کا نام جَرْجَۃ بیان ہوا ہے۔ بہرحال جس وقت وہ پہنچا اس وقت شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق و شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت اور سکون اور وقار اور ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابوعُبَیْدہ ؓ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ ابوعُبَیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں کہ اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (آل عمران:60) یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ ۚ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَ رُوۡحٌ مِّنۡہُ ۫ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ۚ۟ وَ لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَۃٌ ؕ اِنۡتَہُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَہٗۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗ وَلَدٌ ۘ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَ لَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ (النساء:172-173) کہ (یاد رکھو) عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک یقیناً آدم کے

حال کی طرح ہے۔ اسے یعنی آدم کو اس نے خشک مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کے متعلق کہا کہ تُو وجود میں آجا تو وہ وجود میں آنے لگا۔ اے اہل کتاب! تو اپنے دین کے معاملے میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ کے متعلق سچی بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا صرف ایک رسول اور اس کی ایک بشارت تھا جو اس نے مریم پر نازل کی تھی اور اس کی طرف سے ایک رحمت تھا۔ اس لیے تم اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس امر سے باز آجاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ کی حفاظت کے بعد اور کسی کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ مسیح ہرگز اس امر کو برا نہیں منائے گا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ متصور ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اسے برا منائیں گے۔

بہرحال ترجمہ کرنے والے نے ان آیات کا ترجمہ کیا تو جارج جو قاصد تھا بے اختیار پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا پیغمبر سچا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعُبَیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو اُسے مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے ہمارا جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ واپس چلے آنا، ابھی تم واپس جاؤ۔

خالد بن ولیدؓ رومیوں کے لشکر میں

دوسرے دن حضرت خالدؓ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لیے پہلے سے ہی انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن حضرت خالدؓ نے اس بے پرواہی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالی اور اس طرح نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔

بَاہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا اور لا کر اپنے پاس اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ بَاھَان نے معمولی بات چیت کے بعد لیکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی۔ حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم نے ان الفاظ کا ابھی پورا ترجمہ نہیں کیا تھا کہ خالد نے بَاھَان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جس کو سردار بنایا ہے اس کو ایک لمحے کے لیے بھی اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔ بَاھَان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنی جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا۔ اہل عرب! تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کیے۔ ہمارا خیال تھا کہ ان مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا لیکن خلافِ توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ بہت سی

قوموں نے بارہا ایسے ارادے کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم جو ہو تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل نہیں ہے۔ وحشی اور بے سازو سامان نہیں ہے، تمہیں یہ حوصلہ ہوا ہے کہ ہمارے پہ چڑھائی کردو لیکن ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیے جائیں گے۔ حالانکہ ایک بہت بڑی فوج تو خود انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جمع کی تھی کہ مسلمانوں کو ختم کیا جائے لیکن جب دیکھا کہ جنگ جیتنا آسان نہیں تو پھر یہ شرطیں لگائیں۔ بہرحال باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضرت خالدؓ اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحبِ حکومت ہو۔ تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمیں معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی۔ تم اپنا مذہب پھیلانا چاہتے تھے جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عرب عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑ رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج، تنگ دست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی جو مضبوط آدمی تھا وہ کمزور کو پیس ڈالتا تھا۔ قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خُو تھا۔ اس نے ہمیں توحید سکھائی اور بتلا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بیوی اولاد نہیں رکھتا، وہ بالکل یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں۔ جس کو دونوں سے انکار ہے اس کے لیے تلوار ہے۔ جو نہیں مانتے اور پھر لڑائی کرنے کو بھی تیار ہیں تو پھر ہم بھی تیار ہیں۔ باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے۔ اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ حضرت خالدؓ کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سنا، اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تمہیں ان کی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

جنگ پھر شروع ہوتی ہے

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سرو سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ حضرت خالدؓ نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ جب حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ رومی اس جوش اور سرو سامان سے نکلے ہیں تو انہوں نے عرب کا جو عام قاعدہ تھا لڑائی کرنے کا اس کے

خلاف، اس کے الٹ ایک نئے طریقے سے فوج کو سامنے کھڑا کیا۔ اور فوج جو تیس پینتیس ہزار تھی اس کے چھتیس حصے کیے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اس قدر صفیں قائم کیں۔ قلب ابوعُبَیدہ کو دیا، مَیْمَنہ پر عَمرو بن عاص اور شُرَحبِیل مامور ہوئے، مَیْسَرہ یزید بن ابوسفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیے تو چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنونِ جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہلچل ڈال دیتے تھے، ایسے خطیب تھے جو لوگوں میں جوش پیدا کرنے والے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پُرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ **انہی میں ابوسفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے کہ اللہ! اللہ! تم لوگ عرب کے محافظ اور اسلام کے مددگار ہو** اور وہ لوگ روم کے محافظ اور شرک کے مددگار ہیں۔ اے اللہ! یہ دن تیرے ایام میں سے ہے۔ اے اللہ! اپنے بندوں پر اپنی مدد نازل فرما۔ عمرو بن عاص کہتے پھرتے تھے کہ اے لوگو! اپنی آنکھیں نیچی رکھو اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور اپنے نیزوں کو تان لو اور اپنی جگہ اور اپنی صفوں میں جم جاؤ۔ جب تمہارا دشمن تم پر حملہ آور ہو تو انہیں مہلت دو یہاں تک کہ جب وہ نیزوں کی انیوں کی زد میں آ جائے تو ان پر شیروں کی طرح جھپٹ پڑو۔ اس خدا کی قسم! جو راستی پر خوش ہوتا ہے اور اس پر ثواب دیتا ہے اور جو جھوٹ سے ناراض ہوتا ہے اور اس پر سزا دیتا ہے اور احسان کی جزا دیتا ہے، یقیناً مجھے یہ خبر ملی ہے کہ مسلمان بستی کے بعد بستی اور محل کے بعد محل کو فتح کرتے ہوئے اس ملک پر فتح حاصل کریں گے۔ پس ان لوگوں کی جمعیت اور ان کی تعداد تمہیں خوف زدہ نہ کرے۔ اگر تم لوگوں نے ثابت قدمی سے لڑائی کی تو یہ لوگ حَجَلُ یعنی تیتر جو ایک پرندہ ہے اس کے بچوں کی طرح خوف زدہ ہو کر منتشر ہو جائیں گے۔

مسلمان فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی تیس پینتیس ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ **سو بزرگ وہ تھے جو جنگِ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔** عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف اَزْد کے قبیلے کے لوگ تھے۔ حِمْیَرَ کی ایک بڑی تعداد، جماعت تھی۔ ھَمْدَان، خَوْلَان، لَخْم، جُذَام وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکے کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ کی ماں، ابوسفیان کی بیوی ہند، حضرت ہندؓ جو بعد میں اسلام لے آئی تھیں حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں کہ تم ان نامختونوں یعنی ان کافروں کو اپنی تلواروں سے کاٹ کر رکھ دو۔ اسی طرح ابوسفیان کی بیٹی اور امیر معاویہ کی بہن جُوَیْرِیَہ نے ایک جماعت کے ساتھ نکل کر، اپنے شوہر کے ساتھ مل کر رومی فوج کا مقابلہ کیا اور ایک شدید لڑائی میں شہید ہو گئیں۔ مِقْدَاد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ اَنْفَال جس میں جہاد کی ترغیب ہے تلاوت کرتے جاتے تھے۔ **ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار**

آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے اور اپنے پاؤں کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا۔ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔

ہندزوجہ ابوسفیان کی بہادری

دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر ایک ساتھ بڑھا۔ ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے بڑھے اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سازوسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر! کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ حضرت خالدؓ نے جوش سے کہا چپ رہ۔ خدا کی قسم! میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اَور بڑھا لیں۔ غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا مَیْمَنَہ ٹوٹ کر فوج سے الگ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ عورتوں کو مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی لکڑیاں اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ نامرادو! اِدھر آئے تو لکڑیوں سے تمہارے سر توڑ دیں گی۔ ہند ابوسفیان کی بیوی ہاتھوں میں لاٹھی لے کر آگے بڑھی۔ دیگر خواتین بھی ان کے پیچھے پیچھے آگے بڑھیں۔ ہند نے ابوسفیان کو بھاگتے دیکھا تو ان کے گھوڑے کے منہ پر میخ مارتے ہوئے کہا کہ کدھر جا رہے ہو؟ واپس آؤ اور جنگ کے میدان میں جاؤ۔

اسی طرح ایک اَور روایت ہے اس کے مطابق ہند لکڑی اٹھا کر ابوسفیان کی طرف لپکیں اور کہا کہ خدا کی قسم! تم دینِ حق کی مخالفت کرنے اور خدا کے سچے رسولؐ کو جھٹلانے میں بہت سخت تھے۔ آج موقع ہے کہ میدانِ جنگ میں دینِ حق کی سربلندی اور رسولِ خداؐ کی خوشنودی کے لیے اپنی جان قربان کر دو اور خدا کے سامنے سرخرو ہو جاؤ۔ ابوسفیان کو سخت غیرت آئی اور پلٹ کر شمشیر بدست دشمن کے ٹڈی دل لشکر میں گھس گیا۔

ایک اَور بہادر مسلمان عورت جن کا نام خولہ تھا وہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں کہ

یَا هَارِبًا عَنْ نِسْوَةٍ تَقِيَّاتٍ فَعَنْ قَلِيلٍ مَا تَرٰى سَبِيَّاتٍ

وَلَا حَظِيَّاتٍ وَلَا رَضِيَّاتٍ

کہ اے تقویٰ شعار عورتوں سے بھاگنے والے! عنقریب تُو انہیں قیدی دیکھے گا۔ نہ وہ بلند مرتبہ پر ہوں گے اور نہ ہی وہ پسندیدہ ہوں گے۔ یہ حالت دیکھ کر مُعاذ بن جَبَلؓ جو مَیمنہ کے ایک حصہ کے سپہ سالار تھے، گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ مَیں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے نے کہا کہ ہاں یہ حق مَیں ادا کروں گا کیونکہ مَیں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھس گئے اور دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے

ہوئے پاؤں سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حَجّاج و قبیلہ زبیدہ کے سردار تھے، پانچ سو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کو جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے روک لیا۔ مَیْمَنہ میں قبیلہ اَزْد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر، ہاتھ، بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پایہ ثبات کو لغزش نہیں آتی تھی۔ عَمرو بن طُفَیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ اَزْدیو! دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔ نو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود بھی وہ شہید ہوئے۔

حضرت عکرمہ بن ابو جہل کی شجاعت

حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں پلٹ دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا عیسائیو! میں کسی زمانے میں کفر کی حالت میں خود رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے۔ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے!

چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن اَزْد بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالدؓ نے اپنی رانوں پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا خدا کی قسم! عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔ غرض عکرمہؓ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیے۔

خالدؓ کے حملوں نے اَور بھی ان کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالدؓ ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار دُرُنْجَارْ تک پہنچ گئے۔ دُرُنْجَار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لیے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔ عین اسی وقت جب ادھر مَیْمَنَہ میں بازارِ قتال گرم تھا تو اِبنِ قَنَاطِر، جو رومیوں کے مَیْمَنَہ کا سردار تھا، نے مَیْسَرَہ پر حملہ کیا۔ بدقسمتی سے اس حصہ میں اکثر لَخم وغَسَّان کے قبیلے کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باج گزار تھے۔ رومیوں کو ٹیکس دیا کرتے تھے تو رومیوں کا جو رعب ان کے دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان ہونے کے باوجود بھی وہ پرانا رعب چل رہا تھا اس سے خوفزدہ ہو گئے، پاؤں اکھڑ گئے لیکن بہر حال افسروں نے بھی جرأت دکھائی۔ اگر افسروں نے بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتے ہوؤں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے

عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قُبَاثُ بن اَشْیَم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، شُرَحْبِیل بن حسنہ دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ قُبَاث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ اَبُو الْاَعْوَر گھوڑے سے کود پڑے اور اپنی رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت۔ دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمے کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابوسفیان معاویہ کے بھائی بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف آ نکلے اور بیٹے کو دیکھ کر کہا کہ اے میرے بیٹے! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تُو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا حق زیادہ ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لیے شرم کی جگہ ہے۔ شُرَحْبِیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح کھڑے تھے اور قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (التوبۃ: 111) کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس وعدے کے ساتھ خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی کیونکہ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔ پس یا تو وہ اپنے دشمنوں کو مار لیتے ہیں یا خود مارے جاتے ہیں اور نعرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟

یہ آواز جس کے کان میں پڑی، بے اختیار لَوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شُرَحْبِیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو لڑتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔ ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آ کھڑی ہوئیں اور چلّا کر کہتی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔ لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا جو دفعتہً قَیس بن هُبَیْرَہ جن کو خالدؓ نے فوج کا ایک حصہ دے کر مَیْسَرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر حملہ کیا کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس اہم ترین جنگ میں عظیم الشان فتح سے ہمکنار کیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی حَبَاسْ بن قَیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حَبَاسْ کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرے پاؤں کا کیا ہوا؟ جب پاؤں کی طرف دیکھا تو خیال آیا کہ پاؤں دیکھوں کہاں ہے تو پھر پتہ لگا کہ پاؤں غائب ہے۔ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے۔

رومیوں کے کس قدر آدمی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور آزدی نے لاکھ سے زیادہ بیان کیا ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں عکرمہ، ضِرَار بن اَزْوَر، ہِشَام بن عَاصِی، اَبَان بن سعید وغیرہ تھے۔ قیصر اَنطاکیہ میں تھا کہ اس کو شکست کی خبر پہنچی۔ اسی وقت اس نے قسطنطنیہ کی تیاری کی اور چلتے وقت شام کی طرف رُخ کر کے کہا کہ "الوداع اے شام!" ابوعُبَیدہ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی خوشخبری کا خط لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جن میں حُذَیفہ بن یَمان بھی تھے۔ **حضرت عمرؓ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہیں تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعۃً سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔**[315]

یہ ایسا نمونہ تھا کہ جو دنیا کی تاریخ میں اور کسی بادشاہت نے نہیں دکھایا

یرموک کے لیے حِمص سے اسلامی فوج کو عارضی طور پر جانا پڑا تھا اس پر ان لوگوں سے لیا گیا جزیہ انہیں واپس کر دیا گیا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ "صحابہؓ نے جس وقت رومی حکومت کے ساتھ مقابلہ کیا اور بڑھتے بڑھتے یروشلم پر جو عیسائیوں کی مذہبی جگہ ہے قابض ہو گئے اور پھر اس سے بھی آگے بڑھنا شروع ہوئے تو عیسائیوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کا مذہبی مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ہے ان کو وہاں سے نکالنے کے لئے آخری جدوجہد کا ارادہ کیا اور چاروں طرف مذہبی جہاد کا اعلان کر کے عیسائیوں میں ایک جوش پیدا کر دیا گیا۔ اور بڑی بھاری فوجیں جمع کر کے اسلامی لشکر پر حملہ کی تیاری کی۔ ان کے اس شدید حملہ کو دیکھ کر مسلمانوں نے جو اُن کے مقابلہ میں نہایت قلیل تعداد میں تھے عارضی طور پر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا اور اسلامی سپہ سالار نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن اتنی کثیر تعداد میں ہے اور ہماری تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا اس لشکر کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آپ اگر اجازت دیں تو جنگی صف بندی کو سیدھا کرنے اور محاذ جنگ کو چھوٹا کرنے کے لیے اسلامی لشکر پیچھے ہٹ جائے تا تمام جمعیت کو یکجا کر کے مقابلہ کیا جاسکے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ہم نے ان علاقوں سے جو فتح کر رکھے ہیں لوگوں سے ٹیکس بھی وصول کیا ہوا ہے۔ اگر آپ ان علاقوں کو چھوڑنے کی اجازت دیں تو یہ بتائیں کہ اس ٹیکس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ محاذ کو چھوٹا کرنے اور اسلامی طاقت کو یکجا کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں لیکن

یہ یاد رکھو کہ ان علاقوں کے لوگوں سے ٹیکس اس شرط پر وصول کیا گیا تھا کہ اسلامی لشکر ان کی حفاظت کرے گا اور جب اسلامی لشکر پیچھے ہٹے گا تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ ان علاقوں کی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس سے جو کچھ وصول کیا گیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ جب حضرت عمرؓ کا یہ حکم پہنچا تو اسلامی سپہ سالار نے ان علاقوں کے زمینداروں اور تاجروں اور دوسرے لوگوں کو بلا بلا کر ان سے وصول شدہ رقوم واپس کر دیں اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں سے یہ رقوم اس شرط پر وصول کی گئی تھیں کہ اسلامی لشکر آپ لوگوں کی حفاظت کرے گا مگر اب جبکہ ہم دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں اور کچھ دیر کے لیے عارضی طور پر پیچھے ہٹ رہے ہیں اور اس وجہ سے آپ لوگوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ان رقوم کو اپنے پاس رکھنا درست نہیں۔ **یہ ایسا نمونہ تھا کہ جو دنیا کی تاریخ میں اور کسی بادشاہت نے نہیں دکھایا۔**

بادشاہ جب کسی علاقے سے ہٹتے ہیں تو بجائے وصول کردہ ٹیکس وغیرہ واپس کرنے کے ان علاقوں کو اَور بھی لوٹتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب تو یہ علاقے دوسرے کے ہاتھ میں جانے والے ہیں ہم یہاں سے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اٹھا لیں۔ پھر چونکہ انہوں نے وہاں رہنا نہیں ہوتا اس لیے بدنامی کا بھی کوئی خوف ان کو نہیں ہوتا اور اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی منظم حکومت ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتی ہے کہ خاموشی سے فوجوں کو پیچھے ہٹا دیتی ہے اور زیادہ لُوٹ مار نہیں کرنے دیتی لیکن اسلامی لشکر نے جو نمونہ دکھایا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے صرف حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہی نظر آتا ہے۔ بلکہ افسوس ہے کہ بعد کے زمانہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو اس کی کوئی اَور مثال دنیا میں نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے کوئی علاقہ چھوڑا ہو تو اس علاقہ کے لوگوں سے وصول کردہ ٹیکس اور جزیے اور مالیے واپس کر دیئے ہوں۔ اس کا عیسائیوں پر اتنا اثر ہوا کہ باوجود یکہ ان کی ہم مذہب فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں، حملہ آور ان کی اپنی قوم کے جرنیلوں، کرنیلوں اور افسروں پر مشتمل تھے اور سپاہی ان کے بھائی بند تھے اور باوجود اس کے کہ اس جنگ کو عیسائیوں کے لیے مذہبی جنگ بنا دیا گیا تھا اور باوجود اس کے کہ عیسائیوں کا مذہبی مرکز جو ان کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ میں جا چکا تھا اب اس کی آزادی کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ عیسائی مرد اور عورتیں گھروں سے باہر نکل نکل کر روتے اور دعائیں کرتے تھے کہ مسلمان پھر واپس آئیں۔"[316]

حضرت مصلح موعودؓ کو تاریخ پر بڑا عبور تھا۔ ان کا یہی خیال ہے کہ حضرت عمرؓ سے پوچھ کے ہی واپسی ہوئی تھی اور پھر یہ ٹیکس وغیرہ جو تھا وہ واپس کیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ حضرت عکرمہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ یرموک میں جب رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ کی جانیں خطرہ میں تھیں اور مسلمان کثرت سے مارے جا رہے تھے تو اسلامی کمانڈر انچیف حضرت ابوعُبَیدہ بن الجَرَّاحؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ ایسے بہادر نکل آئیں جو تعداد میں اگرچہ تھوڑے ہوں لیکن وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر رومی فوج پر رعب ڈال

دیں۔ حضرت عکرمہؓ آگے نکلے اور انہوں نے حضرت ابو عُبَیدہ ؓ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی مرضی کے مطابق کچھ آدمی چن لینے دیں میں ان آدمیوں کو ساتھ لے کر دشمن کے قلب لشکر پر حملہ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ان کے جرنیل کو مار دوں۔ اس وقت رومی لشکر کا جرنیل خوب زور سے لڑ رہا تھا اور بادشاہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کر لے تو وہ اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دے گا اور اپنی آدھی مملکت اس کے سپرد کر دے گا۔ اس لالچ کی وجہ سے وہ بڑے جوش میں تھا اور اپنی ذاتی اور شاہی فوج لے کر میدان میں اترا ہوا تھا اور اس نے سپاہیوں سے بڑی رقوم کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ رومی سپاہی بھی جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ جب رومی لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو وہ جرنیل لشکر کے قلب میں کھڑا تھا۔

حضرت عکرمہؓ نے قریباً چار سو آدمیوں کو لے کر لشکر کے قلب پر حملہ کیا اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس جرنیل پر حملہ کر کے اسے نیچے گرا دیا۔ مقابلہ میں لاکھوں کا لشکر تھا اور یہ صرف چار سو مسلمان تھے۔ اس لیے مقابلہ آسان نہ تھا۔ اس جرنیل کو تو انہوں نے مار دیا اور اس کے مر جانے کی وجہ سے لشکر بھی تتر بتر ہو گیا مگر دشمن ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑا اور سوائے چند ایک کے سارے کے سارے شہید ہو گئے۔ ان آدمیوں میں سے بارہ شدید زخمی تھے۔

جب مسلمان لشکر کو فتح ہوئی تو ان لوگوں کی تلاش شروع ہوئی۔ ان بارہ زخمیوں میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ ایک مسلمان سپاہی آپ کے پاس آیا۔ آپ کی حالت خراب تھی۔ اس نے کہا عکرمہ میرے پاس پانی کی چھاگل ہے تم کچھ پانی پی لو۔ آپ نے منہ پھیر کر دیکھا تو پاس ہی حضرت عباسؓ کے بیٹے فضلؓ پڑے ہوئے تھے۔ وہ بھی بہت زخمی تھے۔ عکرمہؓ کہنے لگے میری غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ جن لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی اس وقت مدد کی جب میں آپ کا شدید مخالف تھا وہ اور ان کی اولاد تو پیاس کی وجہ سے مر جائے اور میں پانی پی کر زندہ رہوں۔ پہلے انہیں پانی پلاؤ۔ اگر کچھ بچ جائے تو پھر میرے پاس لے آنا۔ چنانچہ وہ مسلمان فضلؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے اگلے زخمی کی طرف اشارہ کیا اور کہا پہلے انہیں پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ وہ اس زخمی کے پاس گیا تو اس نے اگلے زخمی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے، پہلے اسے پلاؤ۔ اس طرح وہ جس سپاہی کے پاس جاتا وہ اسے دوسرے کی طرف بھیج دیتا اور کوئی پانی نہ پیتا۔ جب وہ آخری زخمی کے پاس پہنچا تو وہ فوت ہو چکا تھا۔ جب عکرمہؓ کی طرف لوٹا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔ اس طرح باقی زخمیوں کا حال ہوا۔ جس کے پاس بھی وہ گیا وہ فوت ہو چکا تھا۔"[317] تو یہ تھا اس جنگ کا انجام۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پھر فتح دی۔[318]

بیت المقدس کی فتح (پندرہ ہجری)

حضرت عَمرو بن عاصؓ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا تو حضرت ابو عبیدہؓ

کا لشکر بھی ان سے جا ملا۔ عیسائیوں نے قلعہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی پیشکش کی لیکن شرط یہ رکھی کہ خود حضرت عمرؓ آکر صلح کا معاہدہ کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے کو پسند کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے حضرت عثمانؓ کو امیر مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپؓ بیت المقدس کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کا یہ سفر کوئی معمولی سفر نہ تھا۔ اس کا مقصد دشمنوں کے دلوں پر اسلامی رعب و دبدبہ بٹھانا تھا لیکن جب آپ روانہ ہوئے تو روایات میں ہے کہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح نہ تو ان کے ساتھ کوئی نقارہ تھا نہ کوئی لاؤ لشکر تھا یہاں تک کہ ایک معمولی سا خیمہ بھی ساتھ نہ تھا۔ حضرت عمرؓ ایک گھوڑے پر سوار تھے اور چند ساتھی مہاجرین اور انصار میں سے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ صرف ان کا ایک غلام، کھانے کے لیے کچھ ستو اور ایک لکڑی کا پیالہ تھا اور اونٹ پر سوار تھے لیکن اس کے باوجود جہاں بھی یہ خبر پہنچتی کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ سے بیت المقدس کا ارادہ کیا ہے تو زمین کانپ اٹھتی تھی۔ [319]

اس بات کی وضاحت میں یہ ایک سفر کا مختصر سا حال بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں تفصیل نہیں ہے۔ بہر حال ایلیا ایک شہر تھا جس میں بیت المقدس موجود ہے، اس کا محاصرہ کس نے کیا تھا اور کس نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بیت المقدس تشریف لانے کی درخواست کی تھی؟

اس بارے میں طبری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو خط بھیجا جس میں ان سے امداد بھجوانے کی درخواست کی۔ اس میں حضرت عَمروؓ نے یہ تجویز کیا تھا کہ مجھے انتہائی گھمسان کی جنگیں در پیش ہیں اور کئی شہر ہیں جن سے جنگیں ابھی باقی ہیں۔

آپؓ کے ارشاد کا منتظر ہوں۔ حضرت عمرؓ کے پاس حضرت عَمرو بن عاصؓ کا یہ خط پہنچا تو آپؓ سمجھ گئے کہ حضرت عَمروؓ نے یہ بات پوری معلومات کے بعد ہی لکھی ہو گی۔ پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اپنے سفر کی منادی کرا دی اور سفر کے لیے کوچ کیا۔ [320]

طبری میں حضرت عمرؓ کی شام میں تشریف آوری کے متعلق ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا سبب دراصل یہ پیش آیا تھا کہ حضرت ابو عبیدہؓ بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان سے شام کے دیگر شہروں کے معاہداتِ صلح کے مطابق صلح کرنی چاہی اور ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ اس معاہدۂ صلح میں مسلمانوں کی طرف سے سربراہ کی حیثیت سے حضرت عمرؓ بھی شرکت کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ لکھا تو حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ [321]

لیکن حضرت ابو عبیدہؓ کی روایت پر بعض مؤرخین کو تسلی نہیں ہے۔ محمد حسین ہیکل اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اُس روایت کو حقیقت سے بعید سمجھیں جس کا بیان یہ

ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ یا حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے تنہا یا مشترکہ طور پر بیت المقدس کا محاصرہ کیا جیسا کہ طبری، ابنِ اثیر اور ابنِ کثیر وغیرہ نقل کرتے ہیں۔ طبری کی روایت ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے شام آنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اہل شہر نے، شام کے دوسرے علاقوں کے باشندوں سے جو صلح ہو چکی تھی انہی شرطوں پر انہیں صلح کی درخواست کی مگر اس میں اتنی شرط اَور بڑھائی کہ حضرت عمر بن خطابؓ خود تشریف لا کر صلح کی تکمیل کریں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں ارسال کی اور حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ یہ لکھتے ہیں کہ اس روایت کو ہم خلافِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ بیت المقدس کے محاصرے کے وقت حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ حِمص، حَلَب، اَنطاکیہ اور اس کے آس پاس کے شہروں میں فتوحات میں مصروف تھے اور ہِرَقل ان کے بالمقابل رُہَاء مقام میں بیٹھا لشکر جمع کر رہا تھا کہ انہیں الٹے پاؤں واپس ہونے پر مجبور کر دے۔ یہ تمام واقعات بھی بیت المقدس کے محاصرے کی طرح سنہ 15 ہجری مطابق سنہ 636ء کے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ اسی سنہ میں کئی مہینے تک جاری رہا جس سنہ میں یہ دونوں سپہ سالار شام کے انتہا میں بڑھتے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہِرَقل کو اپنے دارالسلطنت میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں کہ وہ دونوں ادھر مصروف تھے، یہ کہنا کہ ان میں سے کسی ایک یا دونوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا ایک ایسی بات ہے جو کسی طرح نہیں بنتی۔ اس لیے ناقابل قبول قرار دینا پڑتا ہے۔ اب صرف یہ ایک روایت اَور باقی رہ جاتی ہے اور طبری نے بھی پہلے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ حضرت عَمرو بن عاصؓ نے کیا تھا جو طویل مدت تک جاری رہا اور بیت المقدس والوں نے بڑے جوش اور بڑی شدت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور یہی روایت ہماری رائے میں صحیح ہے۔ اس لیے کہ یہ اس مقاومت سے اتفاق رکھتی ہے یعنی جو مقابلہ ہو رہا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ بیت المقدس نے مختلف زمانوں میں ہر حملہ آور کے مقابلے میں ظاہر کی۔[322]

محمد حسین ہیکل مزید لکھتا ہے کہ ”تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ محض صلح کی تکمیل اور عہدنامے کی تسویط“ یعنی تنفیذ ”کے لئے لشکر کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں اور اسی طرح تعجب ہے کہ اہلِ بیت المقدس معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے حضرت عمرؓ کے مدینہ سے تشریف لانے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ اگر مدینہ سے کوئی قافلہ لگاتار سفر کر کے ان کی طرف آئے تو پورے تین ہفتہ لگیں گے۔ اس لئے“ یہ کہتا ہے کہ ”میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ محاصرے کی طوالت اور حضرت عَمرو بن عاصؓ کے ان خطوط سے جن میں دشمن کی طاقت کا ذکر کر کے مدد طلب کی گئی تھی حضرت عمرؓ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب ان سے نئی کمک طلب کی گئی تو اس کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی روانہ ہو گئے اور جابیہ میں قیام فرمایا جو صحرائے شام اور سرزمینِ اردن کے درمیان واقع ہے۔ اس دوران میں

حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ شام کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو حکم بھیجا کہ جابیہ میں آکر ملیں تاکہ حضرت عمرؓ ان سے اور فوج کے دوسرے سرداروں سے مشورے کے بعد بیت المقدس کی مہم سر کرنے کی کوئی مفید ترین راہ تلاش کر سکیں۔ اَطْرَبُون اور صَفْرَنِیُوس کو حضرت عمرؓ کی تشریف آوری کا علم ہوا۔"

یہاں ناموں کا اختلاف ہے۔ عربی کتب میں یہ نام اَرْطَبُون لکھا ہے لیکن ہیکل کے نزدیک وہ درست نہیں ہے اس کی تحقیق کے مطابق نام اَطْرَبُون ہے اور صَفْرُونِیُوس کا نام عربی کتب میں صَفْرُو نِیُوس لکھا ہے۔

بہرحال یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کوئی رستہ تلاش کرنے کے لیے کہ کیا سٹریٹجی (strategy) بنائی ہے اس کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ "حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں شام پر جو بیتی تھی اس کی بھی اطلاع ملی تو انہوں نے سمجھ لیا" یعنی ان دو سرداروں نے جو دشمنوں کے تھے "کہ بیت المقدس کی مُقَاوَمَتْ اب زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔" یعنی مزید مقابلہ مشکل ہے "چنانچہ اَطْرَبُون تو کچھ فوج لے کر چپکے سے مصر کھسک گیا اور بوڑھے پادری نے اپنی نجات کی طرف سے مطمئن ہو کر مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کر دی اور چونکہ اسے یہ معلوم تھا کہ امیر المومنینؓ جابیہ میں اقامت فرما ہیں" جابیہ تک آ چکے ہیں "اس لئے یہ شرط لگا دی کہ صلح کا معاہدہ لکھنے کے لئے وہ خود تشریف لائیں۔ جابیہ اور بیت المقدس میں اتنا فاصلہ نہ تھا کہ صَفْرَنِیُوس کی اس درخواست کے جواب میں عذر پیش کر دیا جاتا۔" تو یہ کہتے ہیں کہ "یہ ہے وہ بات جسے میں صحیح سمجھتا ہوں اور جو شام و فلسطین پر حملے سے متعلق واقعات کے سلسلے میں تاریخی سیاق و سباق کے مطابق ہے۔"[323]

بہرحال ان خطوط کے ملنے کے بعد حضرت عمرؓ کی کیا مشاورت ہوئی؟ اس بارے میں لکھا ہے کہ خطوط کے ملنے کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشاورت کی۔ حضرت عثمانؓ نے رائے دی کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپؓ ان کی درخواست کو ردّ کر دیں تو ان کو اَور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے لیکن حضرت علیؓ نے اس کے خلاف رائے دی اور حضرت عمرؓ کو ایلیا جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ مسلمانوں نے سردی، جنگ اور لمبے قیام کی غیر معمولی مشقت برداشت کی ہے۔ اگر آپؓ تشریف لے جائیں گے تو اس میں آپؓ کے اور مسلمانوں کے لیے امن و عافیت اور بہتری ہے لیکن اگر آپؓ نے انہیں اپنی اور صلح کی طرف سے مایوس کر دیا تو یہ بات آپؓ کے حق میں اچھی ثابت نہیں ہو گی۔ دشمن تو قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں گے اور انہیں اپنے ملک اور رومی بادشاہ کی طرف سے کمک پہنچ جائے گی خاص طور پہ اس لیے کہ بیت المقدس ان کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے اور ان کی زیارت گاہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے کو پسند اور قبول فرمایا۔[324]

اس سفر میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ دیگر مہاجرین اور انصار کے علاوہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ بھی تھے۔ اس سفر کے متعلق ایک روایت ملتی ہے کہ ابو سعید مَقْبُرِی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اس سفر میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے لیے تشریف فرما ہوتے اور ان کی طرف اپنا رخ کرتے۔ پھر کہتے ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں اسلام اور ایمان کے ذریعہ عزت بخشی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں شرف بخشا اور ہمیں آپؐ کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت فرمائی اور گروہوں میں تقسیم کے بالمقابل ہمیں اکٹھا کیا اور ہمارے دلوں میں الفت پیدا کی اور دشمنوں کے بالمقابل آپؐ کے ذریعہ ہماری نصرت فرمائی اور ہمیں مختلف شہروں میں متمکن کیا اور آپؐ کے ذریعہ ہمیں آپس میں محبت کرنے والے بھائی بھائی بنا دیا۔ پس تم لوگ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور اس سے مزید مدد طلب کرو اور ان نعمتوں پر اللہ سے شکر کی توفیق مانگو اور وہ نعمتیں جن میں تم چلتے پھرتے ہو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ تم پر انہیں پورا کر دے کیونکہ اللہ عزوجل اپنی جانب رغبت چاہتا ہے اور وہ شکر گزاروں پر اپنی نعمتوں کو مکمل کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے اس سفر کے دوران آغاز سے لے کر واپس تشریف لانے تک اس قول کو ہر صبح کہتے رہے اور اسے ترک نہ کیا۔[325]

یعنی یہی ایک ہی پیغام روزانہ دیتے تھے۔ مسلمان سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آ کر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیانؓ اور خالد بن ولیدؓ وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ **حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر اور دیباج کی چکنی اور پر تکلف قبائیں تھیں** اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگ ریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں یعنی سپہ گری کا جوہر انہوں نے ہاتھ سے نہیں دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔[326]

کہ ظاہری رکھ رکھاؤ تم نے ان لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا ہے اور اندر سے تمہارا حلیہ عربوں والا ہی ہے (تو ٹھیک ہے) ایک روایت میں مذکور ہے کہ یزید بن ابی سفیان نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! ہمارے پاس کپڑے اور سواریاں بہت ہیں اور ہمارے ہاں زندگی بہت عمدہ ہے اور مال بہت سستا ہے اور مسلمانوں کا وہ حال ہے جسے آپؓ پسند فرماتے ہیں۔ اگر آپؓ یہ سفید کپڑے پہنیں اور ان عمدہ سواریوں پر سوار ہوں اور اس بہت زیادہ اناج اور غلہ میں سے مسلمانوں کو کھانے کے لیے دیں تو ایسا کرنا شہرت کا باعث ہو گا اور امورِ سلطنت کی ادائیگی میں آپ کے لیے زیادہ زینت کا باعث ہو گا اور عجمیوں کے نزدیک آپ کی زیادہ عظمت کا موجب ہو گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اے یزید! نہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس ہیئت اور حالت کو ترک نہیں کروں گا جس پر میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو چھوڑا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابو بکرؓ۔ جس طرح مَیں ان کے ساتھ رہا تھا اسی حال میں رہوں گا اور میں لوگوں کے لیے زینت اور زیبائش نہیں اختیار کروں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا کرنا مجھے میرے رب کے ہاں عیب دار نہ کر دے اور میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کے ہاں تو میرا معاملہ عظمت اختیار کر جائے اور اللہ کے حضور بہت چھوٹا ہو جائے۔ پس حضرت عمرؓ اسی حالت پر قائم رہے جس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت ابو بکرؓ کی زندگی میں تھے یہاں تک کہ وہ دنیا سے کوچ کر گئے۔[327]

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح نامہ کس طرح ہوا؟ اہل ایلیا کے نزدیک معاہدہ کہاں ہوا تھا؟ اس کے متعلق اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جابیہ کے مقام پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا تھا۔ لکھا ہے کہ جابیہ میں قیام کے دوران حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ اچانک کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے اور ان کی تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لیے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا تو آپؓ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں۔ یہ لوگ ایلیا کے باشندے تھے۔ آپؓ نے انہیں صلح نامہ لکھ کر دیا۔[328]

پھر ایک روایت ہے۔ علامہ بلاذری اور محمد حسین ہیکل نے یہ لکھا ہے کہ صلح کا معاہدہ جابیہ کے بجائے ایلیا میں ہوا تھا تاہم محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ معاہدہ جابیہ میں ہوا تھا۔[329]

مسلمانوں اور اہلِ ایلیا کے درمیان جو صلح نامہ ہوا اس کی تحریر تاریخ طبری میں یوں درج ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا والوں کو دی ہے۔ ان کی جان، مال، گرجے، صلیب، بیمار، تندرست اور ان کی ساری قوم کو امان دی جاتی ہے۔ کوئی بھی ان کے گرجاگھروں میں قیام نہیں کرے گا اور نہ وہ گرائے جائیں گے۔ نہ ان کے گرجاگھروں کے احاطوں میں کچھ کمی کی جائے گی اور نہ ان کی صلیب کو نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ان کے اموال کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ اور ان سے دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں کیا جائے گا اور ان میں سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی اور ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی بھی یہودی نہیں رہ سکے گا اور اہل اِیْلِیَا پر یہ فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کے باشندوں کی طرح جزیہ دیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ رومیوں اور فسادیوں کو ایلیا میں سے نکال دیں۔ پس جو اُن میں سے نکلے گا تو اس کے جان و مال کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے محفوظ مقام تک پہنچ جائے۔ اور جو شخص ان میں سے ایلیا میں رہنا چاہے تو وہ امن میں ہے اور اس کو اہلِ ایلیا کی طرح جزیہ دینا ہو گا اور اہلِ ایلیا میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر رومیوں کی طرف جانا چاہے اور وہ اپنی عبادت گاہوں اور صلیبوں کو چھوڑ کر چلے جائیں تو ان کی جانیں اور ان کی عبادت گاہیں، ان کی صلیبیں امان میں ہیں۔ (چھوڑ بھی جاؤ گے تو کچھ نہیں کیا جائے گا) یہاں تک کہ وہ

اپنے محفوظ مقام تک پہنچ جائیں اور ایلیا میں جنگ سے پہلے جو کاشتکار تھے اگر ان میں سے کوئی چاہے کہ وہ اپنی زمینوں پر بیٹھے رہیں تو ان پر بھی اہلِ ایلیا کی طرح جزیہ دینا ہوگا اور جو رومیوں کے ساتھ جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے اور جو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہے تو وہ لوٹ آئے، ان سے کچھ جزیہ نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی فصلوں کی کٹائی ہو جائے۔ (یعنی کہ آمد پیدا ہو جائے گی تب ان سے جزیہ ہو گا) اور جو کچھ اس معاہدے میں ہے اس پر اللہ کا عہد ہے اور اس کے رسولؐ کا ذمہ ہے اور خلفاء کا ذمہ ہے اور مومنین کا ذمہ ہے جب تک کہ وہ جزیہ ادا کرتے رہیں جو ان کے ذمہ ہے۔

اس معاہدے پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عَمرو بن عاصؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کی گواہی ثبت تھی۔[330]

تاریخ ابنِ خلدون میں لکھا ہے کہ اس معاہدے سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں؛ نمبر ایک یہ کہ **مسلمانوں نے اپنا مذہب تلوار کے زور سے نہیں پھیلایا**؛ دو یہ کہ **ان کے عہدِ حکومت میں دوسرے مذاہب والوں کو بہت بڑی مذہبی آزادی حاصل تھی**؛ تین یہ کہ غیر قوموں سے زبردستی جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ ان کو قیام کرنے اور جزیہ دینے میں اختیار حاصل تھا اور دونوں صورتوں میں ان کو امن دیا گیا تھا۔[331]

اس صلح کی خبر جب اہلِ رَمْلَہ کو ملی تو وہ بھی امیر المومنین سے اسی قسم کا معاہدہ کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ یہی حال فلسطین کے دوسرے لوگوں کا تھا۔ لُدّ والوں کو حضرت عمرؓ کی طرف سے ایک مکتوب لکھا گیا جس کے دائرۂ نفاذ میں وہ شہر بھی شامل کر لیے گئے جنہوں نے اس کے بعد مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اس خط میں حضرت عمرؓ نے لُدّ کے باشندوں کے جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور تمام مذاہب کو امان دی اور کہا کہ اگر وہ شام کے شہروں کی طرح جزیہ ادا کریں گے تو ان کے مذہب پر جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ اختلافی عقائد کی بنا پر کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر امیر المومنین نے فلسطین پر دو حاکم مقرر فرمائے اور ملک کا آدھا آدھا حصہ ان دونوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ عَلْقَمَہ بن حکیم کا مرکز حکومت رَمْلَہ قرار پایا اور عَلْقَمَہ بن مُجَزِّزْ کا ایلیا۔[332]

حضرت عمرؓ بیت المقدس میں تشریف لائے:

اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے ایلیا والوں کو پناہ اور امان دی اور ایلیا میں لشکر کو ٹھہرا دیا تو آپؓ جابیہ سے بیت المقدس کی جانب چل پڑے۔ لکھا ہے کہ جب آپؓ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپؓ نے محسوس کیا کہ آپ کا گھوڑا پاؤں میں درد کی وجہ سے سیدھا نہیں چل رہا۔

حضرت عمرؓ کے لیے ایک ترکی نسل کا گھوڑا لایا گیا۔ آپؓ اس پر سوار ہوئے تو وہ اکڑی کرنے لگا۔ آپؓ اس سے اتر آئے۔

پھر حضرت عمرؓ نے چند روز بعد اپنا گھوڑا طلب کیا جس پر آپؓ نے سواری ترک کی ہوئی تھی۔ اس کا علاج ہو رہا تھا۔ پھر آپؓ اس پر سوار ہوئے یہاں تک کہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔[333]

بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ اور سردارانِ فوج استقبال کے لیے آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سامان بالکل سادہ تھا۔ مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ عیسائی کیا کہیں گے آپؓ کو قیمتی پوشاک دی لیکن آپؓ نے فرمایا خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔

عیسائی پادریوں نے خود شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کے سپرد کیں۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ مسجد اقصیٰ گئے۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور اس کو دیکھتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں باہر نکل کر نماز پڑھی۔

ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کی ضیافت نہیں کی۔۔۔۔

ایلیا میں قیام کے دوران مسلمان لشکر کے امراء نے حضرت عمرؓ کی دعوتیں کرنا شروع کر دیں۔ وہ کھانا تیار کرتے اور حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے کہ ان کے خیمہ میں تشریف لائیں تو حضرت عمرؓ ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان کی دعوت کو قبول فرماتے تاہم حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کی ضیافت نہیں کی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے فرمایا کہ تمہارے سوا لشکر کے امراء میں سے کوئی ایسا امیر نہیں جس نے میری دعوت نہ کی ہو۔

اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کیا: اے امیر المومنین! مَیں ڈرتا ہوں کہ اگر مَیں نے آپ کی دعوت کی تو آپؓ اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ سکیں گے یعنی جذباتی ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ اس کے بعد ان کے خیمہ میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے حضرت ابوعبیدہؓ کے گھوڑے کے نمدے کے اور وہی ان کا بستر تھا اور ان کی زین تھی اور وہی ان کا تکیہ تھا۔ زین کو تکیہ بنا لیتے تھے اور جو نمدہ تھا زین کے نیچے رکھنے والا اس کو وہ بستر بنا لیتے تھے اور ان کے خیمے کے ایک کونے میں خشک روٹی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اسے لائے اور اسے زمین پر حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دیا۔ پھر وہ نمک اور مٹی کا پیالہ لائے جس میں پانی تھا۔ **جب حضرت عمرؓ نے یہ منظر دیکھا تو آپؓ رو پڑے۔** پھر حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا تم میرے بھائی ہو۔

اور میرے ساتھیوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں مگر اس نے دنیا سے کچھ حاصل کیا اور دنیا نے بھی اس سے کچھ حاصل کیا ہو سوائے تمہارے۔ اس پر ابوعبیدہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں نے آپؓ کی خدمت میں پہلے عرض نہیں کر دیا تھا کہ آپؓ میرے ہاں اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ سکیں گے۔

اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ باہر نکل کے لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ حق دار ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا۔ اے اہلِ اسلام! یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ہے اور اس نے دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد کی ہے اور تمہیں ان ممالک کا وارث

بنا دیا ہے اور تمہیں زمین میں تمکنت عطا فرمائی ہے۔ پس تمہیں اپنے رب کی نعمتوں پر شکر بجالانا چاہیے۔ تم لوگ نافرمانی والے کاموں سے دور رہو کیونکہ نافرمانی والے کام نعمتوں کی ناشکری ہے اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ اللہ کسی قوم پر انعام کرے اور وہ ناشکری کریں۔ پھر وہ جلد توبہ نہ کریں مگر ضرور ان کی عزت سلب کر لی جاتی ہے۔ یعنی اگر ناشکری کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتے تو پھر ان کی عزتیں سلب ہو جاتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کے انعامات واپس ہو جاتے ہیں اور ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایلیا میں اکثر افسرانِ فوج اور عمّال جمع ہو گئے تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔

ایک دن حضرت بلالؓ نے آکر شکایت کی کہ اے امیر المومنین! ہمارے افسر پرندے کا گوشت اور میدے کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے افسران سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ تمام چیزیں یہاں بہت سستی ہیں۔ جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرندے کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے افسران کو بھی مجبور نہیں کیا کہ تم نے یہ نہیں کھانا مگر اس بات کا حکم دے دیا کہ **مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔** تنخواہ کے علاوہ ان کو کھانا بھی دیا جائے جو سپاہی ہیں۔

اس کی مزید تفصیل ایک جگہ یوں بیان ہوئی ہے کہ حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کہنے لگے کہ ہمارے شہروں کا نرخ سستا ہے۔ اسی قیمت میں جس میں ہم لوگ ایک مدت تک گزارہ کر سکتے ہیں یہ چیزیں جسے حضرت بلالؓ بیان کر رہے ہیں مل جاتی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو خوب مزے سے پیٹ بھر کر کھاؤ۔ میں اس وقت تک یہاں سے واپس نہ جاؤں گا یہاں تک کہ تم میرے سامنے چیزوں کی اور قیمتوں کی فہرست پیش نہ کر دو۔ **میں شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے کمزور مسلمانوں کے لیے بجٹ لکھ کر دیتا ہوں۔** پھر جس مسلمان کو جتنی ضرورت ہو گی اس بجٹ میں سے ہر گھر کے لیے گندم اور جَو اور شہد اور زیتون وغیرہ ادا کر دیا کرو۔

پھر آپؓ نے ان کمزور اور کم سرمایہ دار مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں نے تمہارے لیے جو فہرست تیار کی ہے تمہارے سردار تمہیں یہ سب کچھ دیا کریں گے اور یہ سب کچھ اس کے علاوہ ہو گا جو میں بیت المال سے تمہارے لیے بھیجا کروں گا۔ اگر کوئی سردار تمہیں یہ چیزیں نہ دے تو مجھے اطلاع دینا۔ پھر میں فوراً ہی اسے معزول کر دوں گا۔

حضرت بلالؓ کا ایک بار پھر اذان دینا

ایلیا میں قیام کے دوران ایک دفعہ نماز کا وقت ہوا تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اصرار کیا کہ وہ حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیں۔ حضرت بلالؓ نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا لیکن آپؓ کا ارشاد بجالاؤں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت بلالؓ

نے جب اذان دی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ یاد آ گیا اور ان پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ وہ روتے روتے بیتاب ہو گئے۔ حضرت عمرؓ بھی اتنے بیتاب ہوئے کہ ہچکی بندھ گئی اور دیر تک اس کا اثر رہا۔ بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا اور سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا۔[334]

"بیت المقدس تشریف لانے سے حضرت عمرؓ کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ جس رستے سے آپؓ تشریف لائے تھے اسی رستے سے مدینہ واپس ہو گئے۔ جابیہ پہنچ کر فاروق اعظمؓ" حضرت عمرؓ" نے کچھ دن قیام فرمایا اور اس کے بعد اپنے گھوڑے پر روانہ ہو گئے۔ امیر المومنینؓ نے فلسطین میں جو کام کیے تھے ان کی اطلاع حضرت علیؓ اور دوسرے مسلمانوں کو مل چکی تھی۔ چنانچہ مدینے کے باہر انہوں نے آپؓ کا شاندار استقبال کیا۔"[335]

حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور منبر کے پاس دو رکعت نماز ادا کی پھر منبر پر چڑھے اور لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ آپؓ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! یقیناً اللہ نے اس امت پر احسانات کیے ہیں تا کہ وہ لوگ اس کی حمد بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ اللہ نے اس امت کے پیغام کو عزت دی اور ان کو متحد کر دیا اور ان کی فتح ظاہر کی اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کی اور اسے عزت بخشی اور اسے زمین میں تمکنت عطا فرمائی اور اسے مشرکین کے علاقوں اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا۔ پس ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو وہ تمہیں اَور زیادہ عطا کرے گا اور ان نعمتوں پر اللہ کی حمد بیان کرو جو اس نے تم پر نازل کی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان نعمتوں کو تم پر قائم رکھے گا۔ اللہ ہمیں اور تمہیں شکر گزاروں میں سے بنا دے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ منبر سے نیچے اتر گئے۔[336]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"یروشلم کے محاصرہ میں پادریوں نے کہا تمہارا خلیفہ آوے تو اسے ہم دخل دے دیں" دخل دے دیں گے "حضرت عمرؓ اسی سادگی میں روانہ ہوئے۔ غلام کے ساتھ باری باری اونٹ پر چڑھتے آتے تھے۔ ابو عبیدہؓ نے عرض کیا آپ کپڑے بدل لیں۔ گھوڑے پر سوار ہوں۔ آپؓ نے یہ عرض مان لی مگر تھوڑی دور جا کر گھوڑے سے اتر بیٹھے۔ کہا میرا وہی لباس اور اونٹ لاؤ۔ آپ جب گئے تو بِطرِیق وغیرہ نے رعب میں آ کر چابیاں پھینک دیں۔ کہا اس سپہ سالار کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے۔"[337] اپنے رنگ میں حضرت خلیفہ اولؓ نے بیان کیا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ "یروشلم میں ایک مسجد ہے وہ مقام یہودیوں کے لئے ایسا ہی متبرک ہے جیسا ہمارے لئے خانہ کعبہ۔ مسلمانوں کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا تو عیسائیوں نے چاہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مقام کے اندر آ کر نماز پڑھیں مگر آپؓ نے فرمایا:

میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اندر نماز پڑھی تو مسلمان اس جگہ کو اپنی عبادت گاہ بنا لیں گے اور آپؓ نے باہر نماز پڑھی۔"[338]

پھر حضرت مصلح موعودؓ تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فلسطین فتح ہوا اور جس وقت آپ یروشلم گئے تو یروشلم کے پادریوں نے باہر نکل کر شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ اب ہمارے بادشاہ ہیں۔ آپ مسجد میں آکر دو نفل پڑھ لیں تا کہ آپ کو تسلی ہو جائے کہ آپ نے ہماری مقدس جگہ میں جو آپ کی بھی مقدس جگہ ہے نماز پڑھ لی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہاری مسجد میں اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ میں ان کا خلیفہ ہوں، کل کو یہ مسلمان اِس مسجد کو چھین لیں گے اور کہیں گے کہ یہ ہماری مقدس جگہ ہے اس لئے میں باہر ہی نماز پڑھوں گا تا کہ تمہاری مسجد نہ چھینی جائے۔"[339]

بہر حال سترہ ہجری میں رومیوں کی طرف سے ایک آخری کوشش ہوئی اور اس کوشش کی وجہ سے ہی مسلمانوں کی شام پر مکمل فتح بھی ہوئی۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع تر ہوتی جاتی تھیں اور حکومتِ اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے، ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ اہلِ جزیرہ جو عراق اور شام کے درمیان آباد تھے یَزْدَجرد کے رَے فرار ہو جانے کے بعد وہ اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے ھِرَقل کو لکھا کہ اگر وہ مسلمانوں سے لڑنے اور انہیں ان کے مقبوضات سے نکال باہر کرنے کے لیے بحری راستے سے لشکر بھیجے تو وہ اس کی مدد کریں گے۔ ھِرَقل نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں نقصان کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اہلِ جزیرہ نے ہِرَقل کو دوبارہ خط لکھا جس سے وہ سمجھ گیا کہ ان کے ارادے میں کوئی جھول نہیں ہے۔ اس نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر عیسائی عرب اپنے مذہب کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس کی راہ میں لڑ کے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ ھِرَقل کو شام کے میدانِ کارزار سے دور ہوئے ایک برس سے زیادہ ہو گیا تھا اس لیے اب اس کے دل میں وہ پہلا سا خوف بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ بہت سے سرحدی علاقے ابھی اتنے مستحکم ہیں کہ مسلمانوں کے حملوں کی تاب لا سکتے ہیں، مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس کا جنگی بیڑہ بھی ہنوز محفوظ تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مسلمان سمندر اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہر چیز سے ڈرتے ہیں۔ اس سے اس کے ارادے میں قوت پیدا ہوئی اور وہ اہل جزیرہ کا مطالبہ تسلیم کر لینے پر مائل ہو گیا۔ اس نے اپنے خط میں ان قبائل کو جوش دلایا۔ ان کی ہمتیں بڑھائیں اور لکھا کہ جہازوں کو حکم دے دیا گیا ہے۔ وہ فوج اور سامان جنگ لے کر اسکندریہ سے اَنطاکیہ پہنچ رہے ہیں۔ ہِرَقل کا خط ملنے پر یہ قبائل اپنی تیس ہزار کی فوج لے کر جزیرہ سے حِمص کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہؓ کو ان تمام باتوں کی اطلاع ملی۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو مشورے کے لیے قِنّسْرِین سے بلایا اور ان دونوں سپہ سالاروں نے مل کر فیصلہ کیا کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے

تمام اسلامی فوجیں شمالی شام میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ اَنطاکیہ اور حَمَاۃ، حَلَب اور قریب کی تمام فوجی چھاؤنیوں کے لشکر حِمص میں اکٹھے کر دیے گئے۔ ادھر سارے ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ ہِرَقل کی فوجیں بحری رستے سے آ رہی ہیں اور جزیرہ کے قبائل حملے کے لیے حِمص کی طرف روانہ ہو گئے ہیں چنانچہ گردنیں بڑھا بڑھا کر لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ قیصر اور اس کے حلیفوں کا یہ نیا حملہ کس چیز سے روکا جائے گا اور جب ہِرَقل کے جہاز اَنطاکیہ پہنچے تو شہر کے دروازے فوج کے لیے کھل گئے۔ رعایا مسلمانوں کے خلاف ہو گئی اور تمام شمالی شام میں بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے آپ کو حِمص میں محصور پایا جسے باغیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور دشمنوں کو سمندر اور صحرا دونوں طرف سے اپنی سمت بڑھتے دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے امیر المومنینؓ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا ہے جس میں اس نازک مرحلے پر ان سے مدد طلب کی ہے۔ اس کے بعد ان سے پوچھا کہ مسلمان دشمنوں سے باہر نکل کر مقابلہ کریں یا مدینہ سے آنے والی کمک کے انتظار میں قلعہ بند ہو کر لڑیں۔ صرف خالد بن ولیدؓ نے میدان سے نکل کر لڑنے کا مشورہ دیا باقی تمام فوجی افسران کی یہ رائے تھی کہ قلعہ بند ہو کر جلد سے جلد کمک طلب کرنی چاہیے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان لوگوں کی رائے قبول کر لی جنہوں نے قلعہ بند ہونے کا کہا تھا اور حضرت خالدؓ کے مشورے سے اختلاف کیا کہ باہر نکل کے لڑا جائے۔ چنانچہ مورچوں کو اور مضبوط کر کے بارگاہِ خلافت میں اپنے ساتھیوں کی رائے لکھ بھیجی۔

حضرت عمرؓ اس بات کو کبھی فراموش نہ ہونے دیتے تھے کہ عراق اور شام کے اسلامی لشکروں کو اگر کبھی اس قسم کا خطرہ درپیش آ گیا تو اسلامی فتوحات اسی ابتلا سے دوچار ہو جائیں گی جن کا سامنا ہو رہا تھا اور جس سے وہ اپنی خلافت کے دن سے دوچار تھے یعنی شروع دن کی جو حالت تھی وہ اب بھی ہو سکتی تھی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے بصرہ اور کوفہ آباد کرنے کا حکم دیا تھا اور اسی لیے ان دونوں شہروں کو مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیاں بنایا تھا کہ جہاں کوئی غیر مسلم آباد نہیں تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے سات شہروں میں سے ہر شہر میں چار ہزار سوار مقرر کیے تھے جو ہر وقت اس قسم کی ہنگامی ضروریات کے لیے کیل کانٹے سے لیس رہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابوعبیدہؓ کا خط بارگاہ خلافت میں پہنچا اور حضرت عمرؓ نے محسوس کیا اور فرمایا کہ مسلمانوں کا یہ عظیم سپہ سالار ایک بہت بڑے خطرے میں گھر گیا ہے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فوری حکم دے کر روانہ کیا کہ جس دن تمہارے پاس خط پہنچے اسی دن قَعْقَاع بن عَمرو کو امدادی فوج کے ساتھ حِمص بھیج دو، ابوعبیدہؓ وہاں محصور ہیں۔ جتنی جلدی اور جتنی تیزی سے ممکن ہو کمک انہیں پہنچ جانی چاہیے۔ حضرت سعدؓ نے اسی دن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کی اور قَعْقَاع کی سرکردگی میں چار ہزار تجربہ کار سواروں کی فوج فراہم ہو کر کوفہ سے حِمص کی طرف چل پڑی۔ معاملہ اتنا خطرناک تھا کہ محض چار ہزار فوج لے کر قَعْقَاع کا اس کے مقابلے کے لیے چلے جانا کافی

نہ تھا کیونکہ جزیرے سے حِمص آنے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی اور وہ فوج اس کے علاوہ تھی جو ہِرَقل نے بحری جہازوں کے ذریعہ اَنطاکیہ بھیجی تھی۔

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ ان کے آدمی شام کے ہر شہر میں وہاں کے باشندوں سے نمٹ رہے ہیں۔ اگر وہ ان شہروں کو چھوڑ کر حِمص چلے گئے تو سارے شام کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے قَعْقَاع کو کوفہ سے روانگی کا حکم دینے کے بعد اَور بھی احکام صادر کیے جو ان کے تدبر اور دوراندیشی کے آئینہ دار تھے۔ جزیرے سے حِمص آنے والے قبائل نے یہ جرأت اس لیے کی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بستیاں اسلامی حملوں کی زد سے باہر ہیں۔ پس اگر ان بستیوں پر حملہ کر دیا جائے تو یہ قبائل الٹے پاؤں واپس ہو جائیں گے اور ابوعبیدہؓ اور ان کی فوجوں پر جو دباؤ بڑھ رہا تھا اس میں تخفیف ہو جائے گی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کے خط میں لکھا کہ سُہیل بن عدی کی سرکردگی میں ایک فوج جزیرہ کے شہر رَقَّہ میں بھیج دو۔ جزیرہ کے لوگوں نے ہی رومیوں کو حِمص پر حملہ کے لیے ابھارا ہے اور ان سے پہلے قَرْقِیْسِیَا کے باشندے یہی حرکت کر چکے ہیں۔ دوسری فوج عبداللہ بن عِتْبَان کی سرکردگی میں نَصِیْبِیْن پر چڑھائی کے لیے روانہ کر دو۔ یہاں کے باشندوں کو بھی اہل قَرْقِیْسِیَا نے حملہ کے لیے اکسایا تھا۔ پھر حَرَّان جو جزیرے کا پایہ تخت تھا اور رُھَاء جا کر وہاں سے دشمن کو نکال دیں۔ حَرَّان اور رُھَاء جا کر وہاں سے دشمن کو نکال دیں۔ ایک تیسری فوج ولید بن عُقْبہ کی کمان میں جزیرہ کے عیسائی عرب قبائل رَبِیعہ اور تَنُوخ کی جانب روانہ کرو اور عِیَاض بن غَنْم کو اسی جزیرہ کے محاذ پر بھیجو۔ اگر جنگ ہو تو دوسرے سالارانِ فوج عِیَاض بن غَنْم کے ماتحت ہوں گے۔ چنانچہ جب یہ سب کے سب سپہ سالار روانہ ہوئے تو اہلِ جزیرہ حِمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرے کو چل دیے۔ حضرت عمرؓ کی یہ پالیسی، سٹریٹیجی تھی، حکمت عملی تھی کہ بجائے وہاں اکٹھے ہوں کچھ فوجیں جن علاقوں سے یہ فوجیں اکٹھی ہوئی تھیں ان شہروں اور علاقوں میں بھیج دو جس کا نتیجہ یہ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تو ہمارے علاقوں میں اور جزیروں میں اور شہروں میں آرہے ہیں تو یہ لوگ پھر محاصرہ چھوڑ کے وہاں سے چلے گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے پھر اسی پہ اکتفا نہیں کیا۔ انہوں نے اندازہ فرما لیا تھا کہ بار بار شکستیں کھانے کے بعد ہِرَقل نے یہ جو بحری راستے سے فوجیں بھیجی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنی قوت پر اعتماد ہے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ اس میں تنہا مسلمانوں کے مقابلہ کی قدرت ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسکندریہ سے جہازوں پر آنے والی فوجوں کا کمانڈر اس نے اپنے بیٹے قسطنطین کو بنایا ہے۔

رومیوں سے مقابلہ اور پھر قیصر کبھی شام کا رخ نہ کر سکا

حضرت عمرؓ کی پلاننگ کے مطابق قَعْقَاع بن عَمرو اپنے ساتھ چار ہزار شہسواروں کو لے کر حِمص روانہ ہوئے۔ سُہَیل بن عدی، عبداللہ بن عِتْبان، ولید بن عُقْبہ اور عِیَاض بن غَنْم اہل جزیرہ کی گوشمالی

کے لیے ان کے مختلف شہروں میں چلے گئے اور حضرت عمرؓ نے حِمص کے ارادے سے مدینہ چھوڑا اور جابیہ میں فروکش ہوئے۔

اہل جزیرہ نے حِمص کا محاصرہ کرنے میں رومیوں کا ساتھ دیا۔ انہیں عراق سے اسلامی فوج کی آمد کی اطلاع ہو گئی لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ فوج ہمارے شہر جزیرہ پر حملہ کرے گی یا حِمص پر اس لیے وہ اپنے شہر اور اپنے بھائیوں کی حفاظت میں لگ گئے اور رومیوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ایک دن حضرت ابوعبیدہؓ جب سو کر اٹھے تو معلوم ہوا کہ جزیرے کے قبائل اپنے ملک واپس چلے گئے ہیں اور ان کے مقابلے پر صرف ہِرَقل کا لشکر رہ گیا ہے۔ انہوں نے اپنی فوج سے سرداروں کو بلا کر کہا کہ وہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت خالد بن ولیدؓ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اس سے پہلے کہ رومی اس نئی صورت حال کا کوئی انتظام کریں ان پر فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے لشکر کے سپاہیوں سے ایک جوشیلا خطاب کیا اور فرمایا مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال اس کو ملے گا اور اگر مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ مشرک نہ ہو تو وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ فوج پہلے ہی سے حملے کرنے کے لیے بے قرار تھی۔

ابوعبیدہؓ کی تقریر نے اَور بھی گرما دیا اور دفعۃً سب نے ہتھیار سنبھال لیے۔ حضرت ابوعبیدہؓ قلب فوج اور حضرت خالد بن ولیدؓ میمنہ اور حضرت عباسؓ میسرہ کو لے کر بڑھے۔ دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی تو مسلمانوں کے مقابلے میں تھوڑی ہی دیر میں رومیوں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا گئے۔

جب قَعْقَاع بن عَمرو کوفہ کی فوج کے ساتھ حِمص پہنچے تو لڑائی ختم ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ دوسری طرف حضرت عمرؓ شام کے رستے میں جابیہ پہنچے ہی تھے کہ حضرت ابوعبیدہؓ کا قاصد ملا اور اس نے بیان کیا کہ قَعْقَاع کے حِمص پہنچنے سے تین دن پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو رومیوں پر فتح یاب کر دیا ہے اور رائے معلوم کی کہ قَعْقَاع اور اس کی فوج کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ **حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے اور اس خبر کے بعد سفر جاری رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔**

وہیں سے حضرت امین الامت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ اہلِ کوفہ کو مال غنیمت کی تقسیم میں شریک کیا جائے کیونکہ ان کی آمد کی خبر ہی نے دشمن کے دل پر رعب طاری کیا تھا جس کی وجہ سے اس نے شکست کھائی۔ اللہ کوفہ والوں کو جزائے خیر دے کہ اپنے علاقے کی حفاظت اور دوسرے شہر والوں کی اعانت کرتے ہیں اور اس کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرما دیا۔ اس شکست کے بعد قیصر پر اتنی مایوسی چھا گئی کہ وہ پھر کبھی شام کا رخ نہ کر سکا۔ ادھر باغیوں کو جب معلوم ہوا کہ رومی فوجیں جہازوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئی ہیں تو ان کی بغاوت بھی اپنی موت آپ مر گئی۔ یہ سترہ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے تین سال بعد ہِرَقل 20/ہجری کو 641 عیسوی میں فوت ہو گیا۔[340]

حضرت مصلح موعودؓ ایک موقع پر ایک تقریر میں تبلیغ کے بارے میں جب بیان فرما رہے تھے تو اس وقت حضرت عمرؓ کے زمانے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی وفات کے بعد جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں اکثر اوقات مسلمانوں کی قلت ہوتی تھی۔ شام کی لڑائی میں سپاہیوں کی بہت کمی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہے۔ اس لئے اَور فوج بھیجنے کا بندوبست فرمادیں۔ حضرت عمرؓ نے جائزہ لیا تو آپؓ کو نئی فوج کا بھرتی کرنا ناممکن معلوم ہوا کیونکہ عرب کے اِرد گرد کے قبائل کے نوجوان یا تو مارے گئے تھے یا سب کے سب پہلے ہی فوج میں شامل تھے۔ آپؓ نے مشورہ کے لئے ایک جلسہ کیا اور اس میں مختلف قبائل کے لوگوں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک قبیلہ ایسا ہے جس میں کچھ آدمی مل سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس قبیلہ میں سے نوجوان جمع کریں اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ چھ ہزار سپاہی تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں جو چند دنوں تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تین ہزار آدمی تو فلاں فلاں قبائل میں سے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور باقی تین ہزار کے برابر عَمرو بن مَعْدِی کَرِب کو بھیج رہا ہوں۔"

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "ہمارے ایک نوجوان کو اگر تین ہزار آدمی کے مقابلہ میں بھیجا جائے تو وہ کہے گا کہ کیسی خلافِ عقل بات ہے۔ کیا خلیفہ کی عقل ماری گئی ہے۔ ایک آدمی کبھی تین ہزار کا مقابلہ کر سکتا ہے! لیکن ان لوگوں کے ایمان کتنے مضبوط تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تو انہوں نے خط پڑھ کر اپنے سپاہیوں سے کہا خوش ہو جاؤ کل عَمرو بن مَعْدِی کَرِب تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ سپاہیوں نے اگلے دن بڑے جوش کے ساتھ عَمرو بن مَعْدِی کَرِب کا استقبال کیا اور نعرے لگائے۔ دشمن سمجھا کہ شاید مسلمانوں کی مدد کے لئے لاکھ دو لاکھ فوج آرہی ہے اس لئے وہ اِس قدر خوش ہیں حالانکہ وہ اکیلے عَمرو بن مَعْدِی کَرِب تھے۔ اس کے بعد وہ تین ہزار فوج بھی پہنچ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو شکست دی حالانکہ تلوار کی لڑائی میں ایک آدمی تین ہزار کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔" فرماتے ہیں کہ "زبان کی لڑائی میں تو ایک آدمی بھی کئی ہزار لوگوں کو اپنی بات پہنچا سکتا ہے مگر وہ لوگ خلیفۂ وقت کی بات کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے عَمرو بن مَعْدِی کَرِب کو تین ہزار سپاہیوں کا قائم مقام بنا کر بھیجا تو سپاہیوں نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اکیلا آدمی کس طرح تین ہزار کا مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ اسے تین ہزار کے برابر ہی سمجھا اور بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا۔ مسلمانوں کے اِس استقبال کی وجہ سے دشمن کے دل ڈر گئے اور وہ یہ سمجھے کہ شاید لاکھ دو لاکھ فوج مسلمانوں کی مدد کو آگئی ہے اس لئے میدانِ جنگ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔" آپؓ فرماتے ہیں کہ "سرِ دست ہمیں بھی اس طرح اپنے دل کو اطمینان دینا ہو گا۔"[341]

یہ آپؓ بتا رہے تھے کہ یورپ میں سپین میں اور سسلی وغیرہ میں تبلیغ کس طرح کرنی ہے۔ اس

ضمن میں یہ واقعہ بیان کیا۔ اب فتوحاتِ مصر کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں ایک جنگِ فَرَمَا تھی۔ 'فَرَمَا' مصر کا ایک مشہور شہر تھا۔ یہ بحیرہ روم اور پَلُوزِی کے دہانے کے قریب جو دریائے نیل کی سات شاخوں میں سے ایک شاخ تھی ایک پہاڑی پر آباد تھا۔[342]

علامہ شبلی نعمانی کے مطابق بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عَمرو بن عاصؓ کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو چار ہزار کا لشکر دے کر مصر کی طرف روانہ کیا لیکن ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اگر مصر پہنچنے سے پہلے میرا خط ملے تو واپس لوٹ آنا۔ عَرِیْش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا اس لیے حضرت عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ چکے ہیں اور عَرِیْش سے چل کر فَرَمَا پہنچے۔[343]

اسلامی جنگوں پر مشتمل ایک کتاب ہے اَلْاِکْتِفَاء۔ اس میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ رَفَحْ مقام تک پہنچے تو آپؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ملا تھا لیکن آپؓ نے اس ڈر سے کہ اس خط میں واپس لوٹنے کا حکم نہ ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا قاصد سے خط نہ لیا اور چلتے رہے یہاں تک کہ آپ رَفَحْ اور عَرِیْش کے درمیان ایک چھوٹی بستی میں پہنچے اور اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ یہ مصر کی حدود میں ہے۔ پس آپؓ نے خط منگوایا اور اسے پڑھا اور اس میں لکھا تھا کہ آپ کے ساتھ جو مسلمان ہیں انہیں لے کر واپس لوٹ آئیں تو آپ نے اپنے ہمراہ لوگوں سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مصر میں ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ تو آپؓ نے کہا کہ امیر المومنینؓ نے حکم دیا ہے کہ اگر مجھے ان کا خط مصر کی سرزمین تک پہنچنے سے پہلے مل جائے تو میں واپس لوٹ آؤں اور مجھے یہ خط مصر کی سرزمین میں داخل ہونے کے بعد ملا ہے۔ پس اللہ کا نام لے کر چلو۔ اور ایک اَور روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ فلسطین میں تھے اور وہ بلا اجازت اپنے ساتھیوں کو لے کر مصر چلے گئے۔

یہ بات حضرت عمرؓ کو ناگوار گزری۔ پس حضرت عمرؓ نے انہیں خط لکھا۔ حضرت عمرؓ کا خط حضرت عَمروؓ کو اس وقت ملا جب وہ عَرِیْش کے قریب تھے۔ پس آپ نے وہ خط نہ پڑھا یہاں تک کہ آپ عَرِیْش پہنچ گئے۔ پھر آپ نے خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ عمر بن خطابؓ کی طرف سے عمرو بن عاصؓ کے نام۔ اَمَّا بَعْدُ، یقیناً تم مصر اپنے ساتھیوں کے ساتھ گئے ہو اور وہاں رومیوں کی بڑی تعداد ہے اور تمہارے ساتھ تھوڑے لوگ ہیں۔ میری عمر کی قسم! اللہ تمہارا بھلا کرے۔ بہتر ہوتا اگر تم انہیں ساتھ نہ لے جاتے۔ پس اگر تم مصر نہیں پہنچے تو واپس لوٹ آؤ۔[344]

اس سفر میں فَرَمَا سے پہلے اسلامی لشکر کی کسی بھی رومی سپاہی سے ملاقات نہ ہوئی تھی بلکہ جگہ جگہ مصریوں نے ان کا استقبال کیا تھا اور سب سے پہلے فرما میں محاذ آرائی ہوئی تھی۔ یہ تو مختلف روایتیں ہیں لیکن وہی روایت صحیح لگتی ہے کہ عَرِیْش مصر کی حدود میں پہنچنے کے بعد ان کو خط ملا۔ نہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ بہانے بنائے جائیں کہ ہم مصر پہنچیں گے تو خط کھولوں گا۔ بہر حال جب وہ مصر پہنچ گئے تھے تو پھر

آگے بڑھنا تھا کیونکہ پھر مومن کا قدم پیچھے نہیں اٹھتا۔ رومیوں نے یہ خبر پا کر کہ حضرت عمروؓ کے ساتھ آنے والی فوج معمولی تعداد اور ناقابلِ ذکر جنگی تیاریوں میں ہے زیادہ دنوں تک محاصرہ نہیں کر سکتے جبکہ ہم ان سے زیادہ تعداد رکھتے ہیں اور اس کی تیاری کر رہے ہیں اور انہیں پست کر کے لے جائیں گے۔ تو رومیوں نے یہ خیال کیا اور وہ شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ ادھر حضرت عمرو بن عاصؓ کو رومیوں کی عسکری قوت کا علم ہو چکا تھا کہ اسلحہ اور تعداد میں کئی گنا ہم پر بھاری ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے فَرَمَا پر قابض ہونے کے لیے منصوبہ بنایا کہ اچانک حملہ کر کے فصیل کے دروازوں کو کھول دیا جائے یا پھر اس وقت تک صبر کے ساتھ محاصرہ جاری رکھا جائے جب تک کہ شہریوں کی خوراک ختم نہ ہو جائے اور بھوک سے بے تاب ہو کر باہر نہ نکل آئیں۔ چنانچہ محاصرہ کر لیا۔ ادھر مسلمانوں کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا اور ادھر رومی بھی اپنی ضد سے پیچھے نہ ہٹ رہے تھے۔ اس طرح محاصرہ کئی مہینے جاری رہا۔ کبھی کبھی رومی فوج باہر آتی اور دو چار جھڑپیں کر کے پیچھے ہٹ جاتی۔ ان جھڑپوں میں مسلمان ہی غالب رہتے۔ ایک دن رومی افواج کی ایک جماعت بستی سے باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑنے نکلی۔ مقابلہ میں مسلمان غالب رہے اور رومی ہزیمت کھا کر بستی کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور دوڑنے میں کافی تیز روی کا ثبوت دیا اور کچھ لوگوں نے دروازوں تک رومیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر فصیل کا دروازہ کھول دیا اور فتحِ مبین کا رستہ صاف کر دیا۔[345]

فتح بِلْبِیْس، یہ کس طرح ہوئی۔ فَرَمَا کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے بِلْبِیْس کا رخ کیا تو رومی فوج نے آپؓ کا راستہ روک لیا۔ بِلْبِیْس فُسْطَاط سے تقریباً تیس میل دور شام کے رستے پر ایک شہر ہے۔ بہرحال رستہ روک لیا تاکہ مسلمان بَابِلْیُون کے قلعہ تک نہ پہنچ سکیں۔ بَابِلْیُون نام قدیم لغت میں دیارِ مصر کے لیے استعمال ہوتا ہے بالخصوص جہاں فُسْطَاط آباد ہوا اسے پہلے بَابِلْیُون کہا جاتا تھا۔ رومی فوج یہیں لڑنا چاہتی تھی لیکن حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان سے کہا تم اس وقت تک جلدی نہ کرو جب تک ہم اپنی بات تمہارے سامنے رکھ نہ دیں تاکہ کل عذر و معذرت کی کوئی بات نہ رہ جائے۔ پھر کہا کہ تم اپنے پاس سے ابومریم اور اَبُو مَرْیَام کو میرے پاس سفیر بنا کر بھیجو۔ چنانچہ وہ لوگ لڑنے سے رک گئے اور ان دونوں سفیروں کو بھیج دیا۔ یہ دونوں سفیر اہل بِلْبِیْس کے راہب تھے۔ حضرت عمروؓ نے ان کے سامنے اسلام لانے یا جزیہ دینے کی تجویز رکھی اور ساتھ اہلِ مصر کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش کیا کہ تم مصر کو فتح کرو گے۔ وہ ایسا ملک ہے جہاں قِیراط کا نام چلتا ہے۔ پس جب تم اسے فتح کر چکو تو اس کے رہنے والوں سے احسان کا سلوک کرنا کیونکہ ان کے لیے ذمہ داری اور صلہ رحمی ہے یا فرمایا کہ ذمہ داری اور مُصَاهَرَت ہے۔ ان دونوں سفیروں نے یہ بات سن کر کہا یہ بہت دور کا رشتہ ہے، اسے انبیاء ہی پورا کر سکتے ہیں۔ ہمیں جانے دو۔ ہم واپس آ کے بتائیں گے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں آپ لوگ اچھی طرح معاملے پہ غور کر لیں۔

دونوں سفیروں نے کہا کہ ایک دن کی اَور مہلت دے دیں۔ آپ نے انہیں مزید ایک دن کی مہلت دے دی۔ دونوں سفیر لوٹ کر قِبطِیوں کے سردار مقوقس اور شاہ روم کی طرف سے مصر کے حاکم اَرْطَبُون کے پاس آئے اور مسلمانوں کی بات ان کے سامنے رکھی۔ اَرْطَبُون نے ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کا پختہ ارادہ کر کے راتوں رات اس نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اَرْطَبُون کے اس لشکر کی تعداد بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اس معرکے میں شہید ہوئی اور رومیوں کے ایک ہزار سپاہی قتل اور تین ہزار سپاہی گرفتار ہوئے اور اَرْطَبُون میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور بعض نے کہا کہ وہ اسی جنگ میں مارا گیا۔ مسلمانوں نے اسے اس کے لشکر سمیت اسکندریہ تک شکست دی۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان بِلْبِیْس میں ایک مہینہ تک رہے۔ اس دوران لڑائی ہوتی رہی اور آخر میں فتح مسلمانوں کو ہوئی لیکن اس امر میں ان کا اختلاف ہے کہ یہ جنگ شدید تھی یا کم۔[346]

اس جنگی کشمکش کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کی دانش مندی اور اخلاقی برتری کی دلیل ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب بِلْبِیْس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی تو اس میں مقوقس کی لڑکی گرفتار ہوئی جس کا نام اَرْمَانُوسہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی چہیتی بیٹی تھی۔ اس کا باپ قُسْطَنْطِیْن بِن ہِرَقْل سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس شادی پر راضی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اپنی خادمہ کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بِلْبِیْس آئی ہوئی تھی۔

بہر حال جب مسلمانوں نے اسے گرفتار کیا تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کی ایک مجلس بلائی اور انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:61) کیا احسان کی جزا احسان کے سوا کچھ اَور بھی ہو سکتی ہے؟ پھر اس آیت یعنی هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے حوالے سے کہا کہ مقوقس نے ہمارے نبی ﷺ کے پاس ہدیہ بھیجا تھا۔ میری رائے ہے کہ اس لڑکی اور اس کے ساتھ جو دیگر خواتین ہیں اور اس کے خدمت گزار ہیں اور جو مال ہمیں ملا ہے وہ سب کچھ مقوقس کے پاس بھیج دو۔

سب نے عَمرو بن عاصؓ کی رائے کو درست قرار دیا۔ پھر عَمرو بن عاصؓ نے مقوقس کی بیٹی اَرْمَانُوسہ کو اس کے تمام جواہرات، دیگر خواتین اور خدمت گزاروں کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔ واپس ہوتے ہوئے اس کی خادمہ نے اَرْمَانُوسہ سے کہا ہم ہر طرف سے عربوں کے گھیرے میں ہیں۔ اَرْمَانُوسہ نے کہا میں عربی خیمے میں جان اور عزت کو محفوظ سمجھتی ہوں لیکن اپنے باپ کے قلعہ میں اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتی۔ پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچی تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔[347]

پھر اُمِّ دُنَیْن ایک جگہ ہے، وہاں کی فتح کا ذکر ہے۔ بِلْبِیْس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ صحرا کی سرحد پر پیش قدمی کرتے ہوئے اُمِّ دُنَیْن کی بستی کے قریب جا پہنچے جو دریائے نیل پر خلیج تراجان

کے منبع کے پاس واقع تھی۔ یہ خلیج سویز کے قریب شہر مصر کو بحیرہ روم سے ملاتی تھی جہاں آج کل قاہرہ کا محلہ ازبکیہ ہے وہیں اس زمانے میں اُمّ دُنَیْن کی بستی تھی جسے رومیوں نے قلعہ بند کر رکھا تھا۔ اس کے قریب دریائے نیل کا گھاٹ تھا اور اس گھاٹ پر بہت سی کشتیاں کھڑی رہتی تھیں۔ یہ بستی بَابِلْیُون کے شمال میں تھی جو شہر مصر کا سب سے بڑا قلعہ تھا۔ اس لحاظ سے اُمّ دُنَین کو مصریوں کے اس محبوب علاقے کی، جو گذشتہ زمانوں کے فرعونوں کا دارالحکومت بھی رہ چکا تھا، سب سے پہلی دفاعی چوکی کہا جا سکتا ہے۔ اُمّ دُنَین کے قریب جا کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے قلعہ بَابِلْیُون میں اپنی بہترین فوج پہنچا دی تھی اور اُمّ دُنَین کے قلعہ کو خوب اچھی طرح مضبوط کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ جاسوسوں کی خبروں سے حضرت عمرو بن عاصؓ کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی فوج قلعہ بَابِلْیُون کی فتح یا اس کے محاصرے کے لیے ناکافی ہے۔ انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ ایک خط مدینہ بھیجا اور اس میں اپنے سفر مصر کے حالات، قلعوں کی تفصیلات اور ان پر حملہ کرنے کے لیے کمک کی ضرورت کا اظہار کیا۔ ادھر فوج میں یہ اعلان کرا دیا کہ امدادی فوجیں بہت جلد پہنچنے والی ہیں۔ اس کے بعد اُمّ دُنَین کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر کے قلعہ میں غذائی اور فوجی ضروریات کے سامان کی رسد روک دی۔ قلعہ بَابِلْیُون میں جو رومی تھے انہوں نے ادھر آنے کی کوشش نہ کی کیونکہ بِلْبِیْس میں اَرْطَبُون کا حشر دیکھ چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ عربوں سے کھلے میدان میں لڑنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اُمّ دُنَین کی فوجیں البتہ کبھی کبھار نکلتیں اور ناکام جھڑپوں کے بعد واپس ہو جاتیں۔ کئی ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ بارگاہِ خلافت سے پہلی امدادی فوج روانہ کر دی گئی اور وہ آج کل میں پہنچا چاہتی ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں کی ہمت اور طاقت میں اضافہ ہو گیا۔[348]

حضرت عمرؓ نے اسلامی لشکر کی مدد کے لیے چار ہزار سپاہی بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ہزار آدمی پر ایک امیر مقرر کیا۔ ان امراء کے نام حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت عُبادہ بن صامتؓ اور حضرت مَسْلَمَہ بن مُخَلَّدؓ تھے۔ ایک قول کے مطابق حضرت مَسْلَمَہ بن مُخَلَّدؓ کی جگہ خَارِجَہ بن حُذَافَہ امیر تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ کمک بھیجنے کے ساتھ حضرت عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا کہ اب تمہارے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین ہیں۔ یہ تعداد کمی کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہو گی۔

رومی جنگجو قبطیوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حکمت عملی سے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو جَبَلِ اَحْمَر کے قریب ایک جگہ پر ٹھہرا دیا۔ دوسرے حصے کو اُمّ دُنَین کے قریب دریائے نیل کے کنارے ایک جگہ پر ٹھہرا دیا اور فوج کا بقیہ حصہ لے کر دشمن کے مقابلے پر نکلے۔

جس وقت دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہو رہی تھی جَبَلِ اَحْمَر میں چھپی فوج نے نکل کر پیچھے سے حملہ کر دیا جس سے دشمن کا فوجی نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ اُمّ دُنَین کی طرف بھاگے۔

وہاں اسلامی فوج کا دوسرا حصہ تیار تھا۔ اس نے ان کا راستہ روک دیا۔ اس طرح رومی فوج مسلمانوں کی تینوں فوجوں کے درمیان پھنس گئی اور دشمن کو شکست ہوئی۔[349]

متفرق فتوحات کے بارے میں ذکر ہے کہ اُمِّ دُنَین کی فتح کے بعد سب سے پہلے فَیُّوم کے علاقے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے فتح حاصل کی اور اس علاقے کا سردار اس لڑائی میں قتل ہو گیا۔[350]

پھر عَیْنُ الشَّمْس میں مسلمانوں کا رومیوں سے مقابلہ ہوا۔ اس سے قبل آٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر بطور کمک حضرت عمرو بن عاصؓ سے آملا جس کی کمان حضرت زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھی اور اس میں حضرت عُبادہ بن صامتؓ، حضرت مِقداد بن اسودؓ اور مَسْلَمَہ بن مُخَلَّد وغیرہ بھی تھے۔

اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔ اس کے بعد فَیُّوم کے پورے صوبہ پر مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔ مسلمانوں کی فوج کے ایک حصہ نے صوبہ مَنُوْفِیَہ کے دو شہروں اِثْرِیْب اور مَنُوف پر فتح پائی۔[351]

معرکہ قلعہ بَابِلْیُون یا فُسْطَاط کی فتح کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ اُمِّ دُنَین کی فتح کے بعد قلعہ بَابِلْیُون کی طرف بڑھے اور اس کا زبردست محاصرہ کیا۔ اب اس علاقے کا نام فُسْطَاط ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عربی میں خیمے کو فُسْطَاط کہتے ہیں۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد جب یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا تو اتفاق سے ایک کبوتر نے حضرت عمروؓ کے خیمے میں گھونسلا بنا لیا تھا۔ جب ان کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے حکم دیا کہ اس خیمے کو یہیں رہنے دو اور حضرت عمروؓ نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمے کے قریب شہر بسایا اس لیے یہ شہر فُسْطَاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔[352]

قلعہ میں محافظ دستے کی تعداد کا اندازہ پانچ سے چھ ہزار تک لگایا جاتا تھا اور وہ ہر طرح سے مسلح تھے۔ حضرت عمروؓ نے قلعہ بَابِلْیُون کا محاصرہ شروع کیا۔

اسکندریہ کے بعد یہ بہت مضبوط قلعہ تھا اور پکی اینٹوں سے بنایا ہوا تھا اور چاروں طرف سے دریائے نیل کے پانیوں سے گھرا ہوا تھا چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں اس لیے سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عرب اس مضبوط قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے ضروری آلات سے لیس نہ تھے نہ وہ اس کے لیے تیار تھے۔[353]

حضرت عمروؓ نے اوّل اس کا محاصرہ کرنے کی تیاریاں کر لیں۔ مقوقس جو مصر کا فرمانروا تھا وہ حضرت عمرو بن عاصؓ سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔

حضرت زبیرؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں ضرورتیں تھیں مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور سپاہی متعین کیے۔ یہ محاصرہ مسلسل سات ماہ تک جاری رہا اور فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا۔[354]

اس دوران رومی فوج کبھی کبھی قلعہ سے باہر آ کر جنگ بھی کرتی لیکن پھر واپس چلی جاتی۔ اس دوران مقوقس اپنے سفیروں کو مصالحت اور دھمکانے کی غرض سے حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس بھیجتا رہا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عُبادہ بن صامتؓ کو بھیجا اور مصالحت کرنے کے لیے صرف تین شرائط لگا دیں کہ اسلام لاؤ، جزیہ دو یا پھر جنگ ہو گی اور کہا کہ اس کے علاوہ کسی بات پر صلح نہیں ہو سکتی۔ نہ صلح کرنا۔

مقوقس نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اس سلسلہ میں ہرقل سے اجازت مانگنے کے لیے خود ہرقل کے پاس گیا لیکن ہرقل نے اسے ماننے سے انکار کر دیا بلکہ مقوقس سے سخت ناراض ہوا اور اس کو سزا دیتے ہوئے جلاوطن کروا دیا۔[355]

جب قلعہ بَابِلْیُون کی فتح میں زیادہ تاخیر نظر آئی تو حضرت زبیر بن عوامؓ کہنے لگے کہ اب میں اپنی جان اللہ کے رستہ میں ہبہ کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی سے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔

چند اَور صحابہ نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ فصیل پر چڑھ کر سب نے ایک نعرہ لگایا اور ساتھ ہی تمام فوج نے بھی نعرہ لگایا جس سے قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی سمجھ گئے کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے ہیں وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر آ گئی اور لڑتے لڑتے قلعہ کو فتح کر لیا۔[356]

حضرت عمرو بن عاصؓ نے انہیں اس شرط پر امان دے دی کہ رومی فوج اپنے ساتھ چند دنوں کی خوراک لے کر یہاں سے نکل جائے اور قلعہ بَابِلْیُون میں جو ذخیرہ اور جنگی اسلحہ ہے انہیں ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ وہ مسلمانوں کے اموالِ غنیمت ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے قلعہ بَابِلْیُون کے گنبدوں اور بلند اور مستحکم دیواروں کو توڑ دیا۔[357]

قلعہ بَابِلْیُون کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے مصر میں مختلف علاقوں اور قلعوں پر فتوحات حاصل کیں جن میں سب سے نمایاں طَرْنُوط، نَقْیُوس، سُلْطَیْس، کِرْیُون وغیرہ ہیں۔[358]

اسکندریہ کی فتح کس طرح ہوئی؟

اس بارے میں لکھا ہے کہ فُسطاط کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کی فتح کی بھی اجازت دے دی۔ اسکندریہ اور فُسْطَاطْ کے درمیان مقام کِرْیُون میں رومیوں کے ساتھ شدید جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد اسکندریہ تک رومی سامنے نہ آئے۔ مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا لیکن رومیوں نے اس پر دباؤ ڈالا جس کے نتیجہ میں مقوقس نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ اور قِبطی قوم اس جنگ میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں اس میں کوئی ضرر نہ پہنچے۔

قِبطی اس معرکے سے الگ رہے جبکہ انہوں نے اسلامی فوج کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے لیے

راستہ ہموار کرنے لگے اور پل مرمت کرنے لگے۔ اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی قبطی لوگ مسلمانوں کو رسد مہیا کرتے رہے۔ اسکندریہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کیا اس وقت اس شہر کو دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی۔ قسطنطنیہ کے بعد بازنطینی رومی بادشاہت کا دوسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔ مزید برآں دنیا کا سب سے پہلا تجارتی شہر تھا۔ بازنطینی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس شہر پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تو اس کے بہت بھیانک نتائج سامنے آئیں گے۔ اسی پریشانی کی حالت میں ہرقل نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر عرب اسکندریہ پر غالب آ گئے تو رومی ہلاک ہو جائیں گے۔ اسکندریہ میں ہرقل نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بنفس نفیس تیاری کی تھی لیکن تیاری کے دوران مر گیا اور اس کا بیٹا قسطنطین بادشاہ بنا۔ اسکندریہ اپنی فصیلوں کی استواری، ضخامت، محل وقوع اور محافظوں کی کثرت کی وجہ سے دفاعی اعتبار سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتا تھا۔ اسکندریہ کا محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔ حضرت عمرؓ کو تشویش ہوئی اور حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیش پرست ہو گئے ہو ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ اس پیغام کے ساتھ مسلمانوں میں جہاد کی تقریر کرو اور حملہ کرو۔ حضرت عمرؓ کا یہ خط سنانے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عُبادہ بن صامِتؓ کو بلایا اور عَلَم ان کے سپرد کیا۔ مسلمانوں نے نہایت شدید حملہ کیا اور شہر فتح کر لیا۔ اسی وقت حضرت عمروؓ نے مدینہ قاصد روانہ کیا اور اس کو کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو خوشخبری سناؤ۔ قاصد اونٹنی پر سوار ہوا اور منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچا۔ چونکہ دوپہر کا وقت تھا تو اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے، بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھا مسجد نبویؐ کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی ادھر آ نکلی اور پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ قاصد نے کہا اسکندریہ سے آیا ہوں۔ اس لونڈی نے اسی وقت جا کر خبر دی اور ساتھ ہی واپس آئی اور کہا کہ چلو تم کو امیر المومنینؓ بلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بغیر انتظار کے خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ قاصد پہنچ گیا۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ آپؓ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جَامِعَۃ۔ یہ سنتے ہی سارا مدینہ امڈ آیا۔ قاصد نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ بعد ازاں قاصد حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ اس کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے قاصد سے پوچھا کہ سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ اس نے کہا کہ میں نے سوچا کہ آپؓ آرام کر رہے ہوں گے۔ فرمانے لگے تم نے میرے متعلق یہ کیوں گمان کیا؟ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون اٹھائے گا؟

اسکندریہ کی فتح کے ساتھ سارا مصر فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں کثرت سے قیدی بنائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام قیدیوں کے متعلق حضرت عمروؓ کو بذریعہ خط ارشاد فرمایا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق

حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان جب قیدیوں کے سامنے پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا شور اٹھتا تھا اور مسلمان غمگین ہوتے تھے۔[359]

اسکندریہ کی لائبریری جلائے جانے کا واقعہ بھی بعض مستشرقین بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسکندریہ کی اس فتح کے ضمن میں مخالفین بالخصوص عیسائی مصنفین کی طرف سے ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکندریہ میں موجود ایک بہت بڑے کتب خانے کو جلانے کا حکم دیا تھا اور اس اعتراض کے ساتھ گویا یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان نعوذ باللہ کس قدر علم و عقل کے مخالف تھے اور اسکندریہ میں موجود اتنے بڑے کتب خانے کو جلا دیا کہ چھ ماہ تک آگ جلتی رہی حالانکہ عقل و نقل دونوں اعتبار سے یہ اعتراض سراسر بناوٹی اور جعلی معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس قوم کو اس کے رب اور راہنما رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[360]

اور جس نے یہ حکم دیا ہو کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ کہ علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔[361]

اور جن کے لیے قرآن کریم میں علم و عقل اور تدبر و تفکر کے لیے درجنوں احکام و آیات موجود ہوں ایسے لوگوں پر کتب خانے کو جلانے کا الزام لگانا عقل اور درایت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے محققین جن میں خود عیسائی اور یورپین محقق شامل ہیں انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسکندریہ کے کتب خانے کو جلائے جانے کا واقعہ سراسر بناوٹی اور جعلی قصہ ہے۔ چنانچہ مصر کے ایک عالم محمد رضا اپنی تصنیف 'سیرت عمر فاروقؓ' میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسکندریہ میں آگ لگنے کا جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا ذکر اَبُو الْفَرْج مَلَطِیْ نے کیا ہے۔ اس نے یہ واقعہ تاریخ کی ایک کتاب 'مُخْتَصِرُ الدُّوَل' میں کیا ہے۔ یہ مؤرخ 1226ء میں پیدا ہوا اور 1286ء میں فوت ہوا۔ اس نے لکھا ہے کہ فتح کے وقت یُوْحَنَّا اَلنَّحْوِی نامی ایک شخص جو قبطی پادری تھا اور مسلمانوں میں یحییٰ کے نام سے مشہور ہوا، اعتقاد کے لحاظ سے عیسائیوں کے فرقہ یعقوبیہ سے اس کا تعلق تھا اور بعد میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث سے رجوع کر لیا۔ اس نے عمرو بن عاصؓ سے خزائنِ ملوکیت میں سے حکمت کی کتب مانگیں تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ سے اجازت کے بعد ہی کچھ بتانے کے قابل ہوں گا۔ ویسے تو یہ بالکل جھوٹی کہانی ہے لیکن پھر بھی اعتراض کو ردّ کرنے کے لیے بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ آپؓ نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے اگر تو ان کا مواد اللہ تعالیٰ کی کتاب

کے موافق ہے تو پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے وہ ہمارے لیے کافی ہے اور ان کتابوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں اور اگر ان کا مواد اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہے تو پھر ان کتابوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا آپ ایسی کتابیں ضائع کرا دیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ کے حماموں پر ان کتابوں کی چھانٹی شروع کر دی اور انہیں ان بھٹیوں میں جلا دیا۔ اس طرح وہ کتابیں چھ ماہ میں ختم ہو گئیں۔ اس روایت کا ذکر نہ تاریخ طبری میں ہے نہ ابنِ اثیر میں ہے، نہ یعقوبی اور کِنْدِی میں، نہ ابن عبد الحَکَم اور بَلَاذُرِی میں اور نہ ہی ابنِ خلدون نے اس کا ذکر کیا ہے۔

صرف ابوالفَرَج نے تیرھویں صدی عیسوی کے نصف اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں کسی مصدر کا ذکر کیے بغیر اسے لکھا ہے۔

پروفیسر بٹلر نے یوحنا نحوی کے بارے میں تحقیق کی اور لکھا ہے کہ وہ سن 642ء میں جس میں لائبریری کو آگ لگنے کا ذکر ہے زندہ ہی نہیں تھا۔ دائرۂ معارف برطانیہ نے ذکر کیا ہے کہ یوحنا پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل میں زندہ تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ مصر ساتویں صدی کے اوائل میں فتح ہوا تھا۔ اس بنا پر پروفیسر بٹلر نے درست کہا ہے کہ وہ اس وقت فوت ہو چکا تھا۔ یہ یعنی جس کا حوالہ دے رہے ہیں وہ تو اس واقعہ سے جو غلط رنگ میں ہی بے شک بیان کیا جاتا ہے اس سے بہت پہلے فوت ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے پروفیسر اسماعیل کی سند سے اپنے رسالے "تاریخ عمرو بن عاصؓ" میں یہ تحریر کیا ہے کہ اس وقت دارِ کتب اسکندریہ یعنی اسکندریہ کی جو لائبریری تھی وہ موجود ہی نہیں تھی کیونکہ اس کے دو حصوں میں سے ایک بڑے حصے کو یُوْلِیوس قیصر (جولیس قیصر، جولیس سیزر (Julius Caesar)) کے لشکروں نے بلا قصد، بغیر کسی مقصد کے اور بلا وجہ سن 47ق م میں جلا دیا تھا اور اس کی دوسری قسم بھی اسی طرح مذکورہ زمانے میں معدوم ہو گئی تھی اور یہ واقعہ تِیُوفِل (Teofill) پادری کے حکم پر چوتھی صدی میں ہوا۔

پروفیسر بٹلر لکھتا ہے کہ ابوالفرج کا قصہ تاریخی اساس سے محض بے سروپا ہے اور مضحکہ خیز ہے۔ اگر کتابیں جلائی ہوتیں تو وہ مختصر سی مدت میں ایک دفعہ ہی جل سکتی تھیں اور اگر وہ چھ ماہ میں جلائی گئیں تو ان میں سے بہت سی چوری بھی ہو سکتی تھیں۔ عربوں کے متعلق معروف نہیں کہ انہوں نے کسی چیز کو تلف کیا ہو۔ گِبَن (Gibbon) نے لکھا ہے کہ اسلامی تعلیمات اس روایت کی مخالفت کرتی ہیں کیونکہ اس کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ جنگ میں یہودیوں اور عیسائیوں کی ملنے والی کتب کو جلانا جائز نہیں اور جہاں تک علم، فلسفہ، شعر اور دین کے دیگر علوم کی کتب کا تعلق ہے تو اسلام نے ان سے استفادہ کرنا جائز قرار دیا ہے۔ مسلمانوں نے مفتوحہ علاقوں میں گرجوں اور ان کی متعلقہ چیزوں کو نقصان پہنچانے سے منع کیا بلکہ ذمیوں کو بھی حریت دینیہ کی اجازت دی تھی تو کیا عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ امیر المومنین، اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دینے کا حکم دیں گے۔[362]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنی کتاب "تصدیق براہین احمدیہ" میں اس اعتراض کا ذکر کر کے جواب دیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ فَیْلُونَسْ حکیم اور فاضل اجل کی عرض پر عمرو سپہ سالار فوج نے امیر المومنین عمر خلیفہ ثانیؓ سے اس کتب خانے کے بارے میں ارشاد پوچھا تو خلیفہ نے لکھا فی الفور جلا دیے جاویں۔ چھ مہینے تک وہ حمام گرم ہوتے رہے۔ آپ لکھتے ہیں یہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ یہ تو اعتراض صرف پادری صاحبان کی کاسہ لیسی کا نتیجہ ہے۔ اس میں حقیقت کوئی نہیں۔ وَاِلَّا ناظرین غور کریں۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے ہیں کہ اول یہ کہ اگر اسلام کی عادات میں یہ ہوتا تو اسلام والے پھر خلیفہ عمرؓ اپنے عہد سعادت مہد میں یہود اور عیسائیوں کی پاک کتب کو جلاتے کیونکہ وہی دونوں مذاہب، ہاں پاک کتابوں والے مذاہب مذہبِ اسلام کے پہلے مخاطب تھے۔ پھر مجوس پر اسلام کا پورا تسلط ہوا مگر کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ اسلام نے ان کی کتابیں جلائیں۔ اگر یہ فعل اسلام یا خلفائے اسلام کا داب ہوتا یعنی ان کی عادت ہوتی تو اس کے ارتکاب کے اسباب ہمیشہ اسلام میں موجود ہوتے اور اسلام کو اس میں کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے ہیں: دوسری بات یہ کہ اگر مذہبی کتابوں کا جلانا اسلامی بادشاہوں اور عوام اسلام کا کام ہوتا تو یونانی فلسفہ، یونانی طب، یونانی علوم کے ترجمے عربی زبان میں محال ہوتے۔ سوئم یہ کہ اگر کتابوں کا جلانا اسلامی لوگ اختیار کرتے تو ضرور تھا کہ مکذب براہین احمدیہ، جو براہین احمدیہ کی تکذیب کر رہا ہے، اس کے جواب میں حضرت خلیفہ اول لکھ رہے ہیں ناں کہ اپنے ملک سے کوئی نظیر دیتے اور انہیں اسکندریہ میں سمندر پار نہ جانا پڑتا۔ یہاں لکھتے کہ ہندوستان میں کون سی کتابیں جلی ہیں۔ چہارم یہ کہ سات سو برس سے زیادہ اسلام نے ہندوستان میں سلطنت کی اور اس عرصہ میں بھگوت، رامائن، گیتا، مہابھارت اور ان کے مثل لِنگ پُرَان (Ling Puran)، مَارْکُنْڈِی (Markundi) مشہور کتابیں ہیں جو آج تک مذہبی کتابیں اور مقدس پُسْتَكْ یقین کی جاتی ہیں۔ کسی کے جلانے کی خبر کان میں نہیں پہنچی بلکہ ان کتابوں میں سے بعض کے ترجمے ہوئے۔ پس تعجب آتا ہے کہ ان ہندوؤں نے کیونکر سمجھ لیا کہ مسلمان ان کی پُسْتَکوں کو جلاتے ہیں۔ انصاف سے سوچو۔[363]

اس اعتراض کے جواب میں 'تصدیق براہین احمدیہ' میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ نے بھی نوٹ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت تک جبکہ اس واقعہ کی تحقیق نہ کی گئی تھی اور صحیح حالات روشنی میں نہ آئے تھے یہ الزام مسلمانوں کو دیا جاتا تھا مگر اب منصف مزاج اور حق پسند علماء میں ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں جو یہ ناحق الزام مسلمانوں کو دیتے ہوں۔ اس الزام کی وجہ زیادہ تر تعصب یا ناواقفیت پر مبنی تھی اور اس وقت بھی جب یہ الزام لگانے والے کے پاس کوئی صحیح سند موجود نہ تھی یعنی اس قصہ کے بیان کرنے والے دو مؤرخ اس واقعہ سے پانچ سو اسّی برس بعد پیدا ہوئے اور کوئی پہلی سند ان کے پاس موجود نہ تھی۔ سینٹ کرائے (Saint Croix) جس نے اسکندریہ کے کتب خانے کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس روایت کو بالکل جھوٹا ٹھہرایا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ یہ کتابیں جولیس سیزر

(Julius Caesar) کی لڑائی میں جل گئی تھیں۔ چنانچہ پلوٹارک (Plutarch) بھی 'لائف آف سیزر' میں لکھتا ہے کہ جولیس سیزر نے دشمنوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کے خوف سے اپنے جہازوں کو آگ لگا دی اور وہی آگ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ اس نے اسکندریہ کے مشہور کتب خانۂ عظیم کو بالکل جلا دیا۔

ہیڈن (Haydn) نے اپنی کتاب ڈکشنری آف ڈیٹس ریلیٹنگ ٹو آل ایجز (Dictionary of Dates Relating to all Ages) میں جہاں اس غلط روایت کو درج کیا ہے وہاں اپنی تحقیقات سے یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہ قصہ بالکل مشکوک ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول "اگر وہ کتابیں مخالفِ اسلام ہیں تو جلا دینی چاہئیں" مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا۔ اس قول کو بعض نے تِھیُوْفِلَس (Theophilus) اسکندریہ کے بشپ سے منسوب کیا ہے جو 391ء میں ہوا اور بعض نے اسے کارڈینل جیمینیز (Cardinal Jimenez) کے ماتھے لگایا ہے جو 1500ء میں تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہمارے مشہور جوان مرد ڈاکٹر لَائِٹْنَر (Dr. Leitner) نے اپنی کتاب سِنین الاسلام میں اس غلط روایت کی پیروی کی ہے اور افسوس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اپنی تحقیقات میں دھوکا ہوا ہے۔

ڈریپر صاحب، جان ولیم ڈریپر (John William Draper) نے مشہور کتاب میں پہلے اس قول کو غلط راویوں سے نقل کیا ہے لیکن بعد میں جا کر اس قول کی غلطی کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ در حقیقت یہ کتابیں جولیس سیزر کی لڑائی میں جل گئی تھیں اور اب کامل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قول بالکل بے اصل اور محض فسانہ ہے۔ اگر رونے کے لائق ہے تو یہ سچا واقعہ ہے، اگر جس بات پہ افسوس کرنا چاہیے، رونا چاہیے تو یہ واقعہ سچا ہے کہ متعصّب کارڈینل جیمینیز (Cardinal Jimenez) نے اسّی ہزار عربی قلمی کتابیں گرناڈا (Granada) کے میدانوں میں برباد کرنے والی آگ کے شعلوں کے حوالے کر دی تھیں۔ جب سپین کو انہوں نے مسلمانوں سے چھینا اور عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو وہاں غرناطہ کی لائبریری سے اسّی ہزار کتابیں انہوں نے جلائی تھیں۔ یہ ہے اصل رونے کا مقام بجائے اسلام پہ الزام لگانے کے۔ دیکھو۔ Conflict Between Religion and Science[364] اس میں یہ حوالہ درج ہے۔ تو بہرحال یہ لائبریری کے جلانے کا حوالہ تھا جس کا الزام لگایا جاتا ہے۔

<u>پھر فتح بَرْقَہ و طرابلس وغیرہ کا ذکر ہے۔</u> مصر فتح کر لینے اور وہاں امن و امان قائم ہو جانے کے بعد عمرو بن عاصؓ مغرب کی سمت بڑھے تاکہ ادھر سے مفتوحہ علاقوں کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ بَرْقَہ اور طرابلس میں روم کی کچھ فوج قلعہ بند تھی اور موقع ملنے پر لوگوں کو ورغلانے سے وہ مصر میں مسلمانوں پر دھاوا بول سکتے تھے۔ اسکندریہ اور مراکش کے درمیان جو علاقہ ہے اس کو بَرْقَہ کہتے ہیں۔ اس علاقے میں کئی شہر اور بستیاں آباد ہیں۔ چنانچہ عمرو بن عاص بائیس ہجری میں اپنی فوج لے کر بَرْقَہ کی طرف چلے۔ اسکندریہ سے بَرْقَہ تک کا راستہ نہایت سرسبز و شاداب اور گھنی آبادی والا تھا۔ اس لیے وہاں تک پہنچنے میں آپ کو دشمن کی کسی سازش کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور جب وہاں پہنچے تو لوگوں نے

جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی۔ اس کے بعد بَرْقہ کے لوگ خود بخود والی مصر کے پاس جاتے اور اپنا خراج جمع کرا آتے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی کو ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ لوگ مغرب میں سب سے زیادہ سادہ لوگ تھے۔ ان کے یہاں کوئی فتنہ وفساد نہیں تھا۔

عمرو بن عاص یہاں سے نکلے تو طرابلس کی طرف بڑھے جو محفوظ و مضبوط قلعوں والا شہر تھا۔ وہاں رومی فوج کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی۔ اس نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر اپنے قلعوں کے دروازے بند کر دیے اور مجبوراً مسلمانوں کے محاصرے کو برداشت کرنے لگے۔ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا لیکن مسلمانوں کو کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ طرابلس کے عقب میں شہر سے متصل سمندر بہتا تھا اور سمندر اور شہر کے درمیان کوئی فصیل قائم نہیں تھی۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ راز معلوم ہو گیا اور پیچھے سے سمندر کی طرف سے شہر میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اب فوج کے سامنے اپنی اپنی کشتیوں میں بھاگ کر پناہ لینے کے علاوہ کوئی اَور راستہ نہیں تھا۔ وہ جونہی پیچھے بھاگے پیچھے سے عمرو بن عاصؓ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے اکثر تہ تیغ کر دیے گئے سوائے یہ کہ جو کشتیوں سے بھاگ نکلے۔ شہر میں موجود سامان اور جائیداد کو مسلمانوں نے مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

طرابلس سے نمٹنے کے بعد عمرو بن عاص نے اپنی فوج کو قرب وجوار میں پھیلا دیا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مغرب کی سمت فتوحات مکمل کر کے تیونس اور افریقہ کا رخ کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس خط لکھا جبکہ حضرت عمرؓ اسلامی لشکر کو نئے محاذ پر بھیجنے سے ہچکچاتے تھے اور خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ شام سے طرابلس تک تیزی سے فتوحات کے باعث مفتوحہ علاقوں کی طرف سے ابھی بالکل مطمئن نہ ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے اسلامی لشکر کو طرابلس میں ٹھہر جانے کا حکم دیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ دور دراز علاقوں کی سرحدوں کو چھونے لگا۔ اسلامی سلطنت مشرق میں دریائے جیحون اور دریائے سندھ سے لے کر مغرب میں افریقہ کے صحراؤں تک اور شمال میں ایشیائے کوچک کے پہاڑوں اور آرمینیا سے لے کر جنوب میں بحر الکاہل اور نُوْبَہ تک ایک عالمی ملک کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی۔ نُوْبَہ مصر کا جنوبی علاقہ ہے جو بہت وسیع و عریض ہے جس میں مختلف اقوام ادیان اور ملل اور تہذیب و تمدن نے زندگی پائی تھی۔

یعنی اسلامی حکومت نے مصر کے علاقے میں ہی نہیں بلکہ یہ جو پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر اثر تھا اور وہاں مختلف اقوام تھیں، مختلف تہذیب و تمدن تھے، ان سب نے اسلام کے سایہ عدل اور رحمت میں امن اور سکون کی زندگی گزاری۔

وہ دین اسلام جس نے اپنے عقائد اور عبادات اور تہذیب و تمدن کے مخالفین کو ہزاروں مخالفتوں کے باوجود اس دنیا میں مکمل حقوق عطا کیے اور ان کی زندگی کا پورا پورا احترام کیا۔[365]

جنگوں کے دوران مسلمانوں کی عبادات کا رنگ کیسا ہوتا تھا؟ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح

موعودؓ فرماتے ہیں کہ "دنیا میں ہر چیز قدم بہ قدم ترقی کرتی ہے۔ بڑے بڑے کام بھی یکدم نہیں ہو جایا کرتے بلکہ آہستہ آہستہ ہوتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی سارے مسلمان تہجد نہیں پڑھتے تھے آہستہ آہستہ انہیں عادت ڈالی جارہی تھی حتی کہ پھر وہ زمانہ آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ کے دنوں میں بھی جب کہ ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ بھی" بعض دفعہ "چھوڑ دیتے تھے، مسلمان تہجد پڑھتے تھے۔ ممکن ہے کہ رسول کریم ﷺ بھی جنگ کے دنوں میں تہجد کے لئے اٹھا کرتے ہوں مگر یہ ثابت ہے کہ" بعض دفعہ "نہیں بھی اٹھتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان جنگ کے دنوں میں بھی تہجد پڑھتے تھے حتی کہ ایک دفعہ جب ہرقل نے ان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا تو اس پر خوب بحث ہوئی اور آخر یہی فیصلہ ہوا کہ نہ مارا جائے کیونکہ مسلمانوں پر شب خون مارنا بے سود ہے۔ اس لئے کہ وہ تو سوتے ہی نہیں بلکہ تہجد پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ترقی کی علامت ہے جو ابتدا میں نہ تھی۔ شروع شروع میں رسول کریم ﷺ کو اس کے لئے بہت تحریک و تحریص کی ضرورت پیش آتی تھی مگر بعد میں آہستہ آہستہ کمزور بھی اس کے عادی ہو گئے۔"[366]

خلفائے راشدین کے دور میں ہونے والی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "اسلام نے صرف مقابلہ کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ بعض مصلحتوں کے ماتحت ظلم کو برداشت کرنے کی بھی ہدایت دی ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ اگر تمہیں کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم بھی اسے تھپڑ مارو۔ وہاں اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف سمجھو تو تم چپ رہو اور تھپڑ کا تھپڑ سے جواب مت دو۔ پس وہ دلیل جو عام طور پر ان جنگوں کے متعلق پیش کی جاتی ہے اس سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر دشمن کے الزام کا دفاع تو ہو جاتا ہے۔ یہ تو پتہ لگ جاتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ قیصر نے ظلم کیا۔ حضرت عمرؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ کسریٰ نے ظلم کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ظلم نہیں کیا بلکہ افغانستان اور بخارا کی سرحد پر رہنے والے قبائل اور کردوں وغیرہ نے ظلم کیا لیکن اس امر کی دلیل نہیں ملتی کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ حضرت عمرؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیوں نہ کر دیا؟ جب وہ مقابلے کے لئے نکلے تھے تو وہ قیصر سے کہہ سکتے تھے کہ تمہاری سپاہ سے فلاں غلطی ہو گئی ہے اگر اس کے متعلق تمہاری حکومت ہم سے معافی طلب کرے تو ہم معاف کر دیں گے اور اگر معافی طلب نہ کرے تو ہم لڑائی کریں گے۔ انہوں نے قیصر کے سامنے یہ پیش نہیں کیا کہ تم سے یا تمہاری فوج کے ایک حصہ سے فلاں موقع پر ظلم ہوا ہے اور چونکہ ہماری تعلیم یہ بھی ہے کہ دشمن کو معاف کر دو اس لئے اگر تم معافی مانگو تو ہم معاف کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ جب اس نے ظلم کیا وہ" (مسلمان) "فوراً اس کے مقابلے کے لئے" (جنگ کے لئے) "کھڑے ہو گئے اور پھر اس کے مقابلہ کو جاری رکھا" اس مقابلے کو جاری رکھا۔ "جب کسریٰ کے سپاہیوں نے عراقی سرحد پر حملہ کیا تو سیاسی طور پر اس کے بعد صحابہؓ اور

کسریٰ کے درمیان جنگ بالکل جائز ہو گئی لیکن اخلاقی طور پر حضرت عمرؓ کسریٰ کو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ شاید تم نے اس حملے کا حکم نہ دیا ہو بلکہ سپاہیوں نے خود بخود حملہ کر دیا ہو اس لئے ہم اس حملہ کو نظر انداز کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم ہم سے معافی مانگو اور اس فعل پر ندامت کا اظہار کرو مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں دشمنوں کو یہ نہیں کہا کہ تم نے ظلم تو کیا ہے لیکن چونکہ ہمارا مذہب ظلم کی معافی کی بھی تعلیم دیتا ہے اس لئے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں بلکہ وہ فوراً اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور لشکر بھیجے، لڑائی کی اور پھر اس لڑائی کو جاری رکھا۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سوائے اس کے اَور کوئی نہیں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ جب بھی بیرونی خطرہ کم ہوا اندرونی فسادات شروع ہو جائیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قیصر نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تا مسلمان اس مصیبت کے ذریعہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور اپنے اندر نئی زندگی اور نیا تغیر پیدا کریں۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ کسریٰ نے حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تاکہ مسلمان غافل، سست ہو کر دنیا میں منہمک نہ ہو جائیں بلکہ ہر وقت بیدار اور ہوشیار رہیں۔ حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ بعض قبائل نے مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ خدا نے حملہ کیا ہے تاکہ مسلمان بیدار ہوں اور ان کے اندر ایک نئی روح اور ایک نئی زندگی پیدا ہو۔"[367]

حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ایک خطبہ میں یہ بیان فرمایا تھا۔ اس بنیاد پر حضرت مصلح موعودؓ نے اس میں آگے پھر یہ بھی اعلان فرمایا ہے، جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ مصائب آتے ہیں، مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے تاکہ روحانی ترقی ہو۔ اور اس اصول کو اگر ہم آج بھی یاد رکھنا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھیں کہ یہ مصائب اور مشکلات جو ہیں ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے والے ہونے چاہئیں اور یہی فتوحات کا پھر ذریعہ بنتے ہیں۔

اگر ان باتوں میں ہم صرف ڈر کے پیچھے پیچھے رہتے رہیں اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کریں تو پھر ترقی نہیں ہو سکتی۔ ہاں جب ترقیات مل جائیں اور مصائب ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے رہنا چاہیے لیکن ان دنوں میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیے اور ہمیں اپنی روحانی ترقی اور روحانی بہتری کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے یہی لکھا ہے کہ اگر ہم نے اس بات کو نہیں سمجھا تو کچھ نہیں سمجھا اور یہی بات ہر ایک احمدی کے لیے آج کل بھی سمجھنے والی ہے۔[368]

حضرت عمرؓ کی فتوحات کے اسباب و عوامل

حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح لکھنے والے ایک سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی حضرت عمرؓ کی فتوحات اور اس کے اسباب اور عوامل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا

ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس اور روم کا تختہ الٹ دیا؟

کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ تھا؟ (استثنائی واقعہ تھا؟) آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر اور چنگیز خان کی فتوحات سے تشبیہ دی جا سکتی ہے؟ جو کچھ ہوا، اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس مربع میل تھا۔ یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب دس سو چھتیس میل، مشرق کی جانب دس سو ستاسی میل اور جنوب کی جانب چار سو تراسی میل تھا۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ یہ پس منظر جو بیان ہوا ہے جس کو تاریخ کے حوالے سے مَیں بیان کرنے لگا ہوں یہ اس لیے ہے کہ ان فتوحات کو سمجھنے کے لیے اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ بہر حال میں بیان کرتا ہوں کہ یورپین مؤرخین کی ان فتوحات کے بارے میں کیا رائے ہے۔ پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس اور روم دونوں سلطنتیں اوجِ اقبال سے گر چکی تھیں جو ان کا انتہا تھی وہاں تک وہ پہنچ چکی تھیں اور قانونِ قدرت ہے کہ انہوں نے نیچے گرنا ہی تھا۔ پھر کہتے ہیں کہ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظامِ سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائدین اور ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادل بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصہ میں ہی عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ یورپین مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ ایک اَور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مُزدَکِیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد اور زندقہ کی طرف مائل تھا۔ اس فرقہ کے عقائد یہ تھے کہ لوگوں کے دلوں سے لالچ اور دیگر اختلافات کو دور کر دیا جائے اور عورت سمیت تمام مملوکات کو مشترکہ ملکیت قرار دیا جائے یعنی عورت کی بھی کوئی عزت نہیں تھی تاکہ مذہب پاک اور صاف ہو جائے۔ یہ نظریہ تھا ان کا اور بعض کے نزدیک یہ معاشرتی تحریک تھی جس کا مقصد زرتشتی مذہب کو مصفّٰی کرنا تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعہ اس مذہب کو دبا دیا تھا لیکن بالکل اس کو مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ یہ یورپین مؤرخین کا نظریہ ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں میں نَسْطُوری فرقہ (Nestorian) جس کو اَور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سائے میں آ کر مخالفوں کے ظلم سے بچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آ گئی۔ روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا

اس لیے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔ علامہ اس موقف کی تردید کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں جو یورپین مؤرخین کی رائے ابھی بیان ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جواب گو واقعیت سے بالکل خالی نہیں ہے لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرزِ استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس اور روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔ روم اور فارس فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعدِ حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اَب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک اس کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی تھی۔ سروسامان کی بہتات تھی۔ آلات جنگ کا تنوع تھا۔ مختلف قسم کی چیزیں تھیں۔ فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا قیصرِ روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لیے تھے واپس لے لیے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔ ایران میں خسرو پرویز تک عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصہ میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظام میں فرق آ گیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزا یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اس لیے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مُزْدَکِیَہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہمیں تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی مسلمانوں کو کوئی مدد ملی ہو۔ اسی طرح فرقہ نسطوری کی کوئی اعانت ہمیں معلوم نہیں۔ نَسْطُوری عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ذات میں الوہیت اور بشریت دونوں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی تھیں۔ عیسائیت کے اختلافِ مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ پر خود یورپین مؤرخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو۔ تمام فوجیں جو مصر اور ایران اور روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک نہ پہنچی۔ فنونِ جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تَعْبِیَہ کی طرز پر صف آرائی کی۔ تَعْبِیَہ جنگ کے وقت فوج کی ایسی ترتیب جس میں سپہ سالار یا بادشاہ جو لشکر کی کمان کرتا ہے تمام فوج کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے۔ اس کو ترتیبِ تَعْبِیَہ کہتے ہیں۔ خَود، زِرہ، چِلْتَہ (لوہے یا فولاد کی پوشاک) جَوشَنْ (زرہ کی ایک قسم) بکتر، چار آئینہ (فولاد کی

چار پلیٹیں جو سینے اور پشت اور دونوں رانوں پر باندھی جاتی تھیں) آہنی دستانے، جِھلَم (خود پر لگی ہوئی لوہے کی کڑیاں یا نقاب) موزے جو ہر ایرانی سپاہی کالازمی ملبوس جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ ان کا یہ سارا پروٹیکشن (protection) کا سامان لوہے کا تھا اور عربوں کے پاس اگر کچھ چھوٹا موٹا تھا بھی تو وہ چمڑے کا تھا۔ رکاب لوہے کی بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گُرز اور کَمند سے عرب بالکل آشنا نہیں تھے۔ گرز ایک ہتھیار کا نام ہے جو اوپر سے گول اور موٹا ہوتا ہے اور نیچے دستہ لگا ہوتا ہے اور دشمن کے سر پر مارتے ہیں۔ کمند پھندہ یا جال یا رسی۔ عربوں کے پاس تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت تھے کہ قادسیہ کے معرکے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل عربوں کے ان تیروں کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے یا سوئے ہیں۔ مصنف علامہ صاحب ان کے اصلی اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمرؓ نے اَور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔

روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہوتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی سچائی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے سے قبل جنگ کے لیے جب مسلمان شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔ رومیوں کی حکومت جو شام اور مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لیے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا، رعایا ان کے ساتھ نہیں تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا، کوئی روک نہیں تھی۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے وہ سلطنت کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لیے لڑتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پایہ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لیے فتح کے بعد بقائے حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔ حکومت کے قیام میں مدد ملتی تھی۔ ایک اَور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اوّل اوّل حملہ شام اور عراق پر ہوا اور دونوں مقامات پر کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسّانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لَخْمِی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ

دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اوّل اوّل مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کس طرح؟ قہر، ظلم اور قتلِ عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر وغیرہ کی فتوحات کا اگر موازنہ کریں تو سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صُوْر کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لیے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے گئے۔ جو فصیل تھی اس پر لٹکا دیے۔ اس کے ساتھ تیس ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اِصْطَخْر (اِصْطَخْر فارس کے قدیم شہروں میں سے تھا اس) کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اَور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں یعنی سکندر کے کارناموں میں۔ پھر اسلامی فتوحات سے اس کا کس طرح موازنہ ہو سکتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لیے اسی قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لیے بغاوت اور فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بُخْتُ نَصر، تیمور، نادر شاہ جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی قانون اور انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔

آدمیوں کا قتل عام ایک طرف، درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہیں تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یعنی لڑائی کے دوران میں قتل ہو تو ہو، اس کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کرنا۔ دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام دیے جاتے تھے کہ اگر دشمن تم سے لڑائی کریں تو تم ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک، کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ کھل کے لڑو۔ پھر جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے یعنی ایک دفعہ اطاعت کر لی پھر باغی ہو گئے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب عَرَبَسُوْس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے، (یہ عَرَبَسُوس جو ہے یہ شام کی آخری سرحد پر واقع ایک شہر کا نام ہے جس کی سرحد ایشیائے کُوچک سے ملی ہوئی تھی) تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد

مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ پیسے دے دیے۔ پھر یہ لکھتے ہیں کہ اگر خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تھا تو ان کی مقبوضہ ارضیات کا معاوضہ دے دیا تھا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گزر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شہر میں قیام پذیر ہوں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

پھر لکھتے ہیں کہ جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اَور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید یعنی اتنی پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھی غیروں کی زمین فتح کی ہے۔ اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا، فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہونے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ تمام مدتِ خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔

البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اَور بڑا واضح اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں۔ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کیے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا۔ اس کے برخلاف فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضہ میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

پھر جو حضرت عمرؓ کی فتوحات کا خاص کردار ہے اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ آخری سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفۂ وقت کا اتنا کردار نہیں ہے بلکہ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی اسی کی وجہ سے تمام فتوحات ہوئیں۔ یہ ایک سوال ہے لیکن کہتے ہیں کہ جو کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کردار نہیں ہے، ہماری رائے کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن کیا نتیجہ ہوا۔ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں لیکن یہ قوتیں اس وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور اور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں، واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پُتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست اور تدبیر کی بدولت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقیں، بیرکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب یعنی جو فوجی افسران تھے ان کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور خود ایجاد کیے اور ان کو کس کس عجیب و

غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا یہ حضرت عمرؓ کا خاصہ ہے۔ عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے در حقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا کہ یہاں سے جانا ہے، یہاں سے گزرنا ہے، یہاں یہ کرنا ہے اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج جب قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا کر بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی سے متعلق ہدایتیں بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پہ مامور ہوتے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوتے تھے۔ تاریخ طبری میں اگر عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے ایک نَہاوَنْد کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبہ جات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حِمْص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہِ گراں کے پرخچے اڑا دیے۔ ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروقِ اعظمؓ کے برابر فاتح اور کشور کشا نہیں گزرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔[369]

فتوحات بھی ملی ہوں اور عدل و انصاف بھی قائم کیا ہو۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کو شہادت کی دعا دینے کے بارے میں آتا ہے اور آپؐ نے حضرت عمرؓ کو شہید کہا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفید کپڑوں میں ملبوس دیکھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا:

کیا تمہارے یہ کپڑے نئے ہیں یا دھلے ہوئے؟ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت عمرؓ نے اس کا کیا جواب دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ:

نئے کپڑے پہنو اور قابلِ تعریف زندگی گزارو اور شہیدوں کی موت پاؤ اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تمہیں دنیا اور آخرت میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کرے۔[370]

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اُحُد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ان کے سمیت ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اُحُد! ٹھہر جا۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔[371]

حضرت اُبَیِّ بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے کہا کہ عالمِ

اسلام حضرت عمرؓ کی وفات پر روئے گا۔[372]

شہادت کی تمنا جو حضرت عمرؓ کو تھی اس کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ امّ المومنین حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ قَتْلًا فِیْ سَبِیْلِكَ وَوَفَاۃً فِیْ بَلَدِ نَبِیِّكَ کہ اے اللہ! مجھے اپنے رستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے نبی ﷺ کے شہر میں وفات دے۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِأَمْرِهِ أَنّٰى شَاءَ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آتا ہے جس طرح وہ چاہے۔[373]

حضرت عمرؓ نے شہادت کے متعلق جو دعا کی تھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ کے کتنے مقرب تھے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ یہاں میرے بعد سے مراد معاً بعد ہے تو وہ شخص جسے رسول کریم ﷺ بھی اس قابل سمجھتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے کسی کو شہادت کے مرتبہ سے اٹھا کر نبوت کے بلند مرتبہ پر فائز کرنا ہوتا تو اس کا مستحق عمرؓ تھا۔ وہ عمرؓ جس کی قربانیوں کو دیکھ کر یورپ کے اشد ترین مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس قسم کی قربانی کرنے اور اس طرح اپنے آپ کو مٹا دینے والا انسان بہت کم ملتا ہے اور جس کی خدمات کے متعلق وہ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ اسلام کی ترقی کو ان سے ہی وابستہ کرتے ہیں۔

وہ عمرؓ دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی! میری موت مدینہ میں ہو اور شہادت سے ہو۔" حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے "یہ دعا محبت کے جوش میں کی ورنہ یہ دعا تھی بہت خطرناک۔ اس کے معنے یہ بنتے تھے کہ کوئی اتنا زبردست غنیم ہو" ایسا حملہ آور حملہ کرنے والا ہو "کہ جو تمام اسلامی ممالک کو فتح کرتا ہوا مدینہ پہنچ جائے اور پھر وہاں آکر آپؓ کو شہید کرے لیکن اللہ تعالیٰ جو دلوں کا حال جانتا ہے اس نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کو بھی پورا کر دیا اور مدینہ کو بھی ان آفات سے بچا لیا جو بظاہر اس دعا کے پیچھے مخفی تھیں اور وہ اس طرح کہ اس نے مدینہ میں ہی ایک کافر کے ہاتھ سے آپؓ کو شہید کروا دیا۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی دعا سے پتہ لگ جاتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے قرب کی یہی نشانی تھی کہ اپنی جان کو اس کی راہ میں قربان کرنے کا موقع مل سکے لیکن آج قرب کی یہ نشانی سمجھی جاتی ہے۔" اپنے خطبہ میں ایک وصیت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ، احمدیوں کو فرما رہے ہیں کہ "لیکن آج قرب کی یہ نشانی سمجھی جاتی ہے کہ خدا بندہ کی جان بچا لے۔"[374]

ایک اَور جگہ حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ اور دعا کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپؓ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ مجھے موت مدینہ میں آئے اور شہادت کی موت آئے۔

دیکھو موت کس قدر بھیانک چیز ہے۔ موت کے وقت عزیز سے عزیز بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی عورت کی ایک بیٹی بیمار ہو گئی۔ حضرت مصلح موعودؓ واقعہ سنا رہے ہیں کہ موت سے لوگ کس طرح ڈرتے ہیں۔ اس ڈرنے کا ایک واقعہ اس طرح ہے، ایک کہانی ہے کہ کسی عورت کی بیٹی بیمار ہو گئی۔ وہ دعائیں کرتی تھی خدایا میری بیٹی بچ جائے اور اس کی جگہ میں مر جاؤں۔ بہت پیار کا اظہار کر رہی تھی بیٹی سے۔ ایک رات اتفاق سے اس عورت کی گائے کی رسی کھل گئی اور اس نے ایک برتن میں منہ ڈالا۔ گائے نے برتن میں منہ ڈال دیا جس میں اس کا سر پھنس گیا اور وہ اسی طرح گھڑا سر پر اٹھا کر ادھر ادھر بھاگنے لگی۔ گائے پریشان ہو گئی، سر پھنس گیا، بھاگنے لگی۔ یہ دیکھ کر کہ گائے کے جسم پر منہ کی بجائے کوئی اَور بڑی سی چیز ہے وہ عورت ڈر گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ یہ کیا ہے؟ گائے بھاگ رہی ہے اور اس کے منہ پر کوئی اَور چیز نظر آرہی ہے۔ وہ ڈر گئی۔ اس نے سمجھا کہ شاید میری دعا قبول ہو گئی ہے اور عزرائیل میری جان نکالنے کے لیے آیا ہے۔ اس پر بے اختیار بول اٹھی کہ عزرائیل بیمار مَیں نہیں ہوں بلکہ وہ لیٹی ہے۔ اس کی جان نکال لے یعنی بیٹی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کہتے ہیں کہ جان اتنی پیاری چیز ہے کہ اسے بچانے کے لیے انسان ہر ممکن تدبیر کرتا ہے۔ کہاں تو یہ تھا کہ دعا کر رہی تھی۔ کہاں جب دیکھا کہ واقعی کوئی ایسا خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو بیٹی کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس کی جان نکال لو۔ فرماتے ہیں انسان ہر ممکن تدبیر کرتا ہے جان بچانے کے لیے۔ علاج کراتے کراتے کنگال ہو جاتا ہے لیکن صحابہ کرامؓ کو یہی جان خدا تعالیٰ کے لیے دینے کی اس قدر خواہش تھی کہ حضرت عمرؓ دعائیں کرتے تھے کہ مجھے مدینہ میں شہادت نصیب ہو۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ دعا کس قدر خطرناک تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن مدینہ پر چڑھ آئے اور مدینہ کی گلیوں میں حضرت عمرؓ کو شہید کر دے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو اَور رنگ میں قبول کر لیا اور وہ ایک مسلمان کہلانے والے کے ہاتھوں سے ہی مدینہ میں شہید کر دیے گئے۔ کہا یہی جاتا ہے کہ شہید کرنے والا کافر تھا لیکن بعض جگہ یہ بھی روایت مل جاتی ہے کہ شاید مسلمان کہلاتا تھا لیکن بہر حال عمومی طور پر یہی ہے کہ وہ کافر تھا۔

پہلی دفعہ حضرت مصلح موعودؓ نے کافر بیان کیا ہے دوسری جگہ مسلمان کہلانے والا کہا ہے۔ یعنی کہ خود بھی پوری طرح تسلی نہیں ہے کہ مسلمان تھا کہ نہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ شخص مسلمان نہ تھا۔ ہاں خود ہی یہ فرما رہے ہیں کہ بعض کے نزدیک وہ شخص مسلمان نہ تھا۔ بہر حال وہ ایک غلام تھا جس سے خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو شہید کرا دیا تو انسان خود جن چیزوں کو چاہتا ہے اور خواہش رکھتا ہے وہ اس کے لیے مصیبت نہیں ہوتیں۔[375]

حضرت عمرؓ کی وفات اور بعض صحابہ کا رؤیا

حضرت مصلح موعودؓ نے یہ واقعہ بھی ایک خطبہ میں بیان فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت اور وفات کے متعلق صحابہ کرام کا رؤیا۔

حضرت ابوبُردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالکؓ نے ایک خواب دیکھا کہ لوگ ایک میدان میں جمع کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص دوسرے لوگوں سے تین ہاتھ بلند ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا یہ عمر بن خطاب ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کس وجہ سے باقی لوگوں سے بلند ہیں۔ کہا ان میں تین خوبیاں ہیں؛ وہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، وہ اللہ کی راہ میں شہادت پانے والے ہیں اور وہ خلیفہ ہیں جنہیں خلیفہ بنایا جائے گا۔ پھر حضرت عوفؓ اپنی خواب سنانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکرؓ اس زمانے میں خلیفہ تھے۔ انہیں یہ بتایا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان کو بشارت دی اور حضرت عوفؓ سے فرمایا اپنی خواب بیان کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے گا تو حضرت عمرؓ نے انہیں ڈانٹا اور خاموش کروا دیا کیونکہ یہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کا واقعہ ہے۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپ شام کی طرف گئے۔ آپ خطاب فرما رہے تھے کہ آپ نے حضرت عوفؓ کو دیکھا۔ آپ نے انہیں بلایا اور منبر پر چڑھا لیا اور انہیں کہا کہ اپنی خواب سناؤ۔ انہوں نے اپنی خواب سنائی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ میں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا تو میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے بنا دے گا اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مجھے خلیفہ بنایا جائے گا تو میں خلیفہ مقرر ہو چکا ہوں اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ جو اس نے میرے سپرد کیا ہے وہ اس میں میری مدد فرمائے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ شہید کیا جاؤں گا تو مجھے شہادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے! میں جزیرہ عرب میں ہی رہتا ہوں اور اپنے ارد گرد کے لوگوں سے جنگ نہیں کرتا۔ پھر فرمایا: اگر اللہ نے چاہا تو وہ اس شہادت کو لے آئے گا۔ یعنی گو بظاہر حالات نہیں ہیں لیکن اگر اللہ چاہے تو لا سکتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہت سے راستے اختیار کیے پھر وہ سب مٹ گئے۔ صرف ایک راستہ رہ گیا اور میں اس پر چل پڑا یہاں تک کہ میں ایک پہاڑ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ ہیں اور آپ حضرت عمرؓ کو اشارے سے بلا رہے ہیں کہ وہ آئیں تو میں نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ اللہ کی قسم! امیر المومنین فوت ہو گئے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا (دل میں یہ کہتے ہیں کہ) آپ یہ خواب حضرت عمرؓ کو نہیں لکھیں گے۔ انہوں نے کہا میں ایسا نہیں کہ حضرت عمرؓ کو ان کی وفات کی خبر دوں۔[376]

سعید بن ابو ہِلال سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے جمعہ کے دن لوگوں سے خطاب کیا۔ آپؓ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ اہل ہے۔ پھر فرمایا اے لوگو! مجھے ایک خواب دکھایا گیا ہے جس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا وقت قریب ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک سرخ مرغ ہے جس

نے مجھے دو مرتبہ چونچ ماری ہے۔ چنانچہ میں نے یہ رؤیا اَسماء بنت عُمَیس سے بیان کیا تو انہوں نے بتایا یعنی تاویل یہ کی کہ عجمیوں میں سے کوئی شخص مجھے قتل کرے گا۔[377]

حضرت عمرؓ کی شہادت

حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کے بارے میں کہ کس دن حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا اور آپؓ کس دن دفن ہوئے؟ اس سلسلہ میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ طبقات کبریٰ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پر بدھ کے روز حملہ ہوا اور جمعرات کے دن آپؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو 26/ ذوالحجہ 23 ہجری کو حملہ کر کے زخمی کیا گیا اور یکم محرم 24 ہجری صبح کے وقت آپؓ کی تدفین ہوئی۔ عثمان اَخْنَس کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی وفات 26/ ذوالحجہ بدھ کے روز ہوئی۔ اَبُو مَعْشَر کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو 27/ ذوالحجہ کو شہید کیا گیا۔[378]

تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر کے علاوہ اکثر مؤرخین کے نزدیک حضرت عمر 26/ ذوالحجہ 23 ہجری کو زخمی ہوئے اور یکم محرم چوبیس ہجری کو آپؓ کی وفات ہوئی اور اسی روز آپ کی تدفین ہوئی۔[379]

شہادت کے واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے۔ عَمرو بن مَیْمُون بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو ان کے زخمی کیے جانے سے کچھ دن پہلے مدینہ میں دیکھا۔ وہ حُذَیفہ بن یَمَان اور عُثْمان بن حُنَیف کے پاس رکے اور فرمانے لگے کہ عراق کی اراضی کے لیے جس کا انتظام خلافت کی جانب سے ان کے سپرد تھا تم دونوں نے کیا کیا ہے؟ کیا تمہیں یہ اندیشہ تو نہیں کہ تم دونوں نے زمین پر ایسا لگان مقرر کیا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتی۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم نے وہی لگان مقرر کیا ہے جس کی وہ طاقت رکھتی ہے۔ یعنی زمین کی اتنی پوٹینشل (potential) ہے کہ اس میں سے اتنی فصل نکل سکے۔ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر دیکھ لو کہ تم لوگوں نے زمین پر ایسا لگان تو مقرر نہیں کیا جس کی وہ طاقت نہ رکھتی ہو؟ راوی کہتے ہیں ان دونوں نے کہا: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو میں ضرور اہلِ عراق کی بیواؤں کو اس حال میں چھوڑوں گا کہ وہ میرے بعد کبھی کسی شخص کی محتاج نہ ہوں گی۔ راوی نے کہا پھر اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ پر ابھی چوتھی رات نہیں آئی تھی کہ وہ زخمی ہو گئے۔ راوی نے کہا کہ جس دن وہ زخمی ہوئے، میں کھڑا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان سوائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے کوئی نہ تھا اور آپؓ کی عادت تھی کہ جب دو صفوں کے درمیان سے گزرتے تو فرماتے جاتے کہ صفیں سیدھی کر لو۔ یہاں تک کہ جب دیکھتے کہ ان میں کوئی خلل نہیں رہ گیا تو آگے بڑھتے اور اللہ اکبر کہتے اور بسا اوقات نماز فجر میں سورۂ یوسف یا سورۂ نحل یا ایسی ہی سورہ پہلی رکعت میں پڑھتے تا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ ابھی انہوں نے اللہ اکبر کہا ہی تھا کہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ مجھے قتل کر دیا یا کہا مجھے کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ جب اس نے یعنی حملہ آور

نے آپ پر وار کیا تو وہ عجمی دو دھاری چھری لیے ہوئے بھاگا۔ وہ کسی کے پاس سے دائیں اور بائیں نہ گزرتا مگر اس کو زخمی کرتا جاتا یعنی وہ جہاں سے بھی گزرتا اس خوف سے کہ لوگ یا کوئی پکڑنے والا اگر کوئی پکڑنے کی کوشش کرتا تو وہ اسی چھری سے اس پر بھی وار کرتا جاتا اور لوگوں کو زخمی کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے تیرہ آدمیوں کو زخمی کیا۔ ان میں سے سات مر گئے۔

مسلمانوں میں سے ایک شخص نے جب یہ دیکھا تو اس نے کوٹ، بخاری میں اس جگہ بُرْنُس کا لفظ آیا ہے جو اس کپڑے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر ڈھانپنے والا حصہ بھی ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے۔ لمبا چوغہ اور ساتھ ہی سر ڈھانپنے والی ٹوپی سی لگی ہوتی ہے۔ لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں۔ بہر حال وہ کوٹ اس پر پھینکا۔ جب اس نے یقین کر لیا کہ وہ پکڑا گیا تو اس نے اپنا گلا کاٹ لیا۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آگے کیا اور راوی کہتے ہیں کہ جو حضرت عمرؓ کے قریب تھے انہوں نے بھی وہ دیکھا جو میں نے دیکھا اور مسجد کے اطراف میں جو تھے وہ نہیں جانتے تھے سوائے اس کے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز کو غائب پایا اور وہ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہنے لگے تو عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے لوگوں کو مختصر نماز پڑھائی۔ پھر جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے کہا ابن عباسؓ! دیکھو مجھ کو کس نے مارا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے کچھ دیر چکر لگایا پھر آئے اور انہوں نے بتایا کہ مغیرہ کے غلام نے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہی جو کاریگر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ اسے ہلاک کرے میں نے اس کے متعلق نیک سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے میری موت ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں کی جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو یعنی یہاں سے بھی ثابت ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا۔ اے ابن عباسؓ! تم اور تمہارا باپ پسند کرتے تھے کہ یہ عجمی غلام مدینہ میں زیادہ سے زیادہ ہوں اور حضرت عباسؓ کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں کر گزروں۔ یعنی اگر آپ چاہیں تو ہم بھی مدینہ میں موجود عجمی غلاموں کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ درست نہیں ہے۔ کہا کہ خصوصاً جبکہ اب وہ تمہاری زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور تمہارے قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے ہیں اور تمہاری طرح حج کرتے ہیں۔ بہت سے غلام ایسے بھی تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر ہم انہیں یعنی حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ گھر میں چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مسلمانوں پر اس دن سے پہلے ایسی کوئی مصیبت نہیں آئی۔ کوئی کہتا: کچھ نہیں ہو گا اور کوئی کہتا: مجھے ان کے بارے میں خطرہ ہے کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ آخر ان کے پاس نبیذ لائی گئی اور انہوں نے اس کو پیا جو ان کے پیٹ سے نکل گئی۔ پھر ان کے پاس دودھ لایا گیا انہوں نے اسے پیا وہ بھی آپ کے زخم سے نکل گیا تو لوگ سمجھ گئے کہ آپؓ کی وفات ہو جائے گی۔ عمرو بن مَیْمُون کہتے ہیں پھر ہم ان کے پاس گئے اور دیگر لوگ بھی آئے جو ان کی تعریف کرنے لگے۔ اور ایک نوجوان شخص آیا۔ اس نے کہا امیر المومنینؓ! آپؓ اللہ

کی اس بشارت سے خوش ہو جائیں جو آپؓ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی ہونے کی وجہ سے حاصل ہے اور ابتدا میں اسلام لانے کے شرف کی وجہ سے ہے جسے آپؓ خوب جانتے ہیں۔ پھر آپؓ خلیفہ بنائے گئے اور آپؓ نے انصاف کیا پھر شہادت۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میری تو یہ آرزو ہے۔ یہ باتیں برابر برابر ہی رہیں۔ نہ میرا مواخذہ ہو اور نہ مجھے ثواب ملے۔ جب وہ پیٹھ موڑ کر جانے لگا تو اس کا تہ بند زمین سے لگ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس لڑکے کو میرے پاس واپس لاؤ۔ فرمانے لگے میرے بھتیجے اپنا کپڑا اٹھائے رکھو۔ اس سے تمہارا کپڑا بھی زیادہ دیر چلے گا۔ زمین سے گھسٹنے سے پھٹے گا نہیں اور یہ فعل تمہارے ربّ کے نزدیک تقویٰ کے زیادہ قریب ہو گا۔ یعنی بعض دفعہ بلاوجہ تکبر پیدا ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں لمبے کپڑے اس لیے بھی لوگ پہنتے تھے کہ امارت کی نشانی ہو تو انہوں نے کہا تکبر نہ پیدا ہو اور یہ تقویٰ کے قریب رہے۔

پھر عبد اللہ بن عمرؓ کو کہنے لگے دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے۔ انہوں نے حساب کیا تو اس کو چھیاسی ہزار درہم یا اس کے قریب پایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر عمرؓ کے خاندان کی جائیداد اس کو پورا کر دے تو پھر ان کی جائیداد سے اس کو ادا کر دو ورنہ بنو عدی بن کعب سے مانگنا۔ اگر ان کی جائیدادیں بھی پوری نہ کریں تو قریش سے مانگنا اور اس کے سوا کسی کے پاس نہ جانا۔ یہ قرض میری طرف سے ادا کر دینا۔ حضرت عائشہ، ام المومنینؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا کہ عمر آپ کو سلام کہتے ہیں اور امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ آج میں مومنوں کا امیر نہیں اور **ان سے کہنا کہ عمر بن خطاب اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ اسے اس کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔**

بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسا اس وقت کہا تھا جب آپؓ کو موت کا یقین ہو گیا تھا اور حضرت عائشہؓ کے لیے اس میں اشارہ تھا کہ امیر المومنین کہنے کی وجہ سے ڈریں نہیں۔ چنانچہ عبد اللہ نے سلام کہا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ پھر ان کے پاس اندر گئے تو انہیں دیکھا کہ بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں۔ حضرت عبد اللہؓ نے کہا: عمر بن خطابؓ آپؓ کو سلام کہتے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہنے لگیں کہ مَیں نے اس جگہ کو اپنے لیے رکھا ہوا تھا لیکن آج میں اپنی ذات پر ان کو مقدم کروں گی۔ جب حضرت عبد اللہؓ لَوٹ کر آئے تو حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ عبد اللہ بن عمرؓ آ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے اٹھاؤ تو ایک شخص نے آپؓ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ آپؓ نے پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ عبد اللہ نے کہا امیر المومنین! وہی جو آپؓ پسند کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی ہے۔ کہنے لگے الحمد للہ! اس سے بڑھ کر اَور کسی چیز کی مجھے فکر نہ تھی۔ جب مَیں مر جاؤں تو مجھے اٹھا کر لے جانا۔ پھر سلام کہنا اور یہ کہنا کہ عمر بن خطابؓ اجازت مانگتا ہے۔ اگر انہوں نے میرے لیے اجازت دی تو مجھے اندر حجرے میں تدفین کے لیے لے جانا اور اگر انہوں نے مجھے لوٹا دیا تو پھر مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں واپس لے جانا۔ امّ المومنین حضرت حفصہؓ آئیں اور دوسری

عورتیں بھی ان کے ساتھ آئیں۔ جب ہم نے ان کو دیکھا تو ہم چلے گئے۔ وہ ان کے پاس اندر گئیں اور کچھ دیر ان کے پاس روتی رہیں۔ پھر جب کچھ مردوں نے اندرونی حصہ میں آنے کی اجازت مانگی تو وہ مردوں کے آتے ہی اندر چلی گئیں اور ہم اندر سے ان کے رونے کی آواز سنتے رہے۔

لوگوں نے کہا امیر المومنین وصیت کر دیں۔ کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں۔ انہوں نے کہا میں اس خلافت کا حق دار ان چند لوگوں میں سے بڑھ کر اَور کسی کو نہیں پاتا کہ رسول اللہ ﷺ ایسی حالت میں فوت ہوئے کہ آپؐ ان سے راضی تھے۔ اور انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا اور کہا عبداللہ بن عمرؓ تمہارے درمیان موجود رہے گا لیکن اس امر یعنی خلافت میں اس کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ اگر خلافت سعدؓ کو مل گئی تو پھر وہی خلیفہ ہو ورنہ جو بھی تم میں سے امیر بنایا جائے وہ سعدؓ سے مدد لیتا رہے کیونکہ میں نے ان کو اس لیے معزول نہیں کیا تھا کہ وہ کسی کام کے کرنے سے عاجز تھے اور نہ اس لیے کہ کوئی خیانت کی تھی۔ نیز فرمایا میں اس خلیفہ کو جو میرے بعد ہو گا پہلے مہاجرین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حقوق ان کے لیے پہچانیں۔ ان کی عزت کا خیال رکھیں۔

مَیں انصار کے متعلق بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو مدینہ میں پہلے سے رہتے تھے اور مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان قبول کر چکے تھے۔ جو ان میں سے نیک کام کرنے والا ہو اسے قبول کیا جائے اور جو اُن میں سے قصوروار ہو اس سے درگزر کیا جائے اور میں سارے شہروں کے باشندوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی ان کو وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اسلام کے پشت پناہ ہیں اور مال کے حصول کا ذریعہ ہیں اور دشمن کے کڑھنے کا موجب ہیں اور یہ کہ ان کی رضامندی سے ان سے وہی لیا جائے جو ان کی ضرورتوں سے بچ جائے۔ اور میں اُس کو بدوی عربوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں یعنی آئندہ کے خلیفہ کو کیونکہ وہ عربوں کی جڑ ہیں اور اسلام کا مادہ ہیں یہ کہ ان کے اموال میں سے جو زائد ہے وہ لیا جائے اور پھر ان کے محتاجوں کو لوٹایا جائے اور میں اس کو اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے عہدوں کو ان کے لیے پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لیے جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ جب آپؓ فوت ہو گئے تو ہم ان کو لے کر نکلے اور پیدل چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ کو السلام علیکم کہا اور کہا عمر بن خطابؓ اجازت مانگتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ان کو اندر لے آؤ۔ چنانچہ ان کو اندر لے جایا گیا اور وہاں ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھ دیے گئے۔ جب ان کی تدفین سے فراغت ہوئی تو وہ آدمی جمع ہوئے جن کا حضرت عمرؓ نے نام لیا تھا تاکہ انتخاب خلافت ہو سکے اور پھر وہ اگلی کارروائی ہوئی۔[380]

صحیح بخاری کی جو روایت بیان کی گئی تھی اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عمرؓ پر جب حملہ ہوا تو

اسی وقت فجر کی نماز ادا کی گئی۔ اور حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔ جبکہ دوسری روایات میں ملتا ہے کہ فوری طور پر حضرت عمرؓ کو گھر لے جایا گیا اور نماز بعد میں ادا کی گئی جیسا کہ صحیح بخاری کے شارح علامہ ابن حجر اس روایت کے نیچے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کا خون زیادہ بہنے لگا اور ان پر غشی طاری ہو گئی تو میں نے انہیں لوگوں کے ساتھ اٹھایا اور انہیں گھر پہنچا دیا۔ آپؓ پر بے ہوشی طاری رہی یہاں تک کہ صبح کی روشنی نمایاں ہو گئی۔ جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ اس پر آپؓ نے فرمایا: اس کا کوئی اسلام نہیں جس نے نماز ترک کی۔ پھر آپؓ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔[381]

اس کے علاوہ طبقات کبریٰ میں بھی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کو اٹھا کر گھر پہنچایا گیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی۔ نیز یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے قرآن کریم کی سب سے چھوٹی دو سورتیں وَالْعَصْرِ اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ پڑھیں اور ایک جگہ وَالْعَصْرِ اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھنے کا ذکر ہے۔[382]

حضرت عمرؓ کے قاتل کا ذکر کرتے ہوئے طبقاتِ کُبریٰ میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا تو آپؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا: جاؤ اور دریافت کرو کہ کس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نکلا اور میں نے گھر کا دروازہ کھولا تو لوگوں کو جمع دیکھا جو حضرت عمرؓ کے حال سے ناواقف تھے۔ میں نے پوچھا کہ کس نے امیر المومنین کو خنجر مارا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے دشمن اَبُولُؤْلُؤَہ نے آپ کو خنجر مارا ہے جو مُغِیرہ بن شُعبہ کا غلام ہے۔ اس نے اَور لوگوں کو بھی زخمی کیا ہے لیکن جب وہ پکڑا گیا تو اسی خنجر سے اس نے خودکشی کر لی۔[383]

اس بارے میں کہ کیا حضرت عمرؓ کی شہادت کوئی سازش کا نتیجہ تھی یا اس شخص کا ذاتی عناد تھا، بعد کے بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت صرف کسی ذاتی عناد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ ایک سازش تھی۔ بہرحال حضرت عمرؓ جیسے بہادر خلیفہ کو جس طرح شہید کر دیا گیا، ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر مؤرخین اور سیرت نگار شہادت کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ تاثر ملتا ہے کہ اَبُولُؤْلُؤَہ فیروز نے ایک وقتی جوش اور غصہ میں انہیں قتل کر دیا تھا۔ لیکن حال کے بعض مؤرخین، سیرت نگار اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ محض ایک فردِ واحد کے غصہ کی وجہ سے انتقامی کارروائی نہیں ہو سکتی بلکہ ایک سازش تھی اور باقاعدہ ایک پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت حضرت عمرؓ کو قتل کیا گیا تھا۔ اور اس سازش میں مشہور ایرانی سپہ سالار ھُرمُزّان جو کہ اب بظاہر مسلمان ہو کر مدینہ میں رہ رہا تھا وہ بھی شامل تھا۔ حال کے ان مصنفین نے قدیم مؤرخین اور سیرت نگاروں سے شکوہ کیا ہے کہ کیوں انہوں نے اس اہم قتل پر تفصیلی

بحث نہیں کی کہ یہ ایک سازش تھی۔

البتہ تاریخ وسیرت کی ایک اہم کتاب 'البِدایہ والنِّہَایہ' میں صرف اتنا ملتا ہے کہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے قتل میں ھُرمُزَان اور جُفَینہ کا ہاتھ تھا۔[384] چنانچہ اسی شبہ پر حضرت عمرؓ کے سوانح نگار سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس کو باقاعدہ ایک سازش قرار دیتے ہیں۔ انہی مصنفین میں سے ایک محمد رضا صاحب اپنی کتاب سیرت عمر فاروقؓ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کسی بالغ قیدی کو مدینہ میں آنے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت مُغِیرہ بن شُعبہ والیٔ کوفہ نے ان کے نام ایک خط لکھا کہ ان کے پاس ایک غلام ہے جو بہت ہنرمند ہے اور وہ اس کو مدینہ میں آنے کی اجازت کے طلبگار ہیں اور حضرت مغیرہ بن شُعبہؓ نے کہا کہ وہ بہت کام جانتا ہے جس میں لوگوں کے لیے فائدے ہیں۔ وہ لوہار ہے۔ نقش و نگار کا ماہر ہے۔ بڑھئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ کے نام خط لکھا اور انہوں نے اسے مدینہ بھیجنے کی اجازت دے دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اس پر ماہانہ سو درہم ٹیکس مقرر کیا۔ وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خراج زیادہ ہونے کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: تم کون سے کام اچھی طرح کر لیتے ہو؟ اس نے آپؓ کو وہ کام بتائے جس میں اسے اچھی خاصی مہارت حاصل تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہارے کام کی مہارت کے حوالے سے تو تمہارا اخراج کوئی زیادہ نہیں ہے۔ وہ آپؓ سے ناراضی کی حالت میں واپس چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے چند روز توقف کیا۔ ایک دن وہی غلام آپؓ کے پاس سے گزرا تو آپؓ نے اسے بلا کر کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم ہوا سے چلنے والی چکی بہت اچھی بنا سکتے ہو۔ وہ غلام غصے اور ناپسندیدگی کے عالم میں حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں آپؓ کے لیے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ لوگ اس کا چرچا کرتے رہیں گے۔ جب وہ غلام مڑا تو آپؓ اپنے ساتھ والے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اس غلام نے مجھے ابھی ابھی دھمکی دی ہے۔ چند دن گزرے کہ اَبُولُؤلُؤَۃ نے اپنی چادر میں دو دھاری والا خنجر چھپا رکھا تھا جس کا دستہ اس کے وسط میں تھا اور اس نے حضرت عمرؓ پر وار کیا جیسا کہ واقعہ شہادت میں بیان ہو چکا ہے۔ اس کا ایک وار ناف کے نیچے لگا تھا۔ اَبُولُؤلُؤَۃ کو حضرت عمرؓ سے ایک لحاظ سے کینہ اور بغض بھی تھا کیونکہ عربوں نے اس کے علاقے کو فتح کر لیا تھا اور اسے قیدی بنا لیا تھا اور اس کے بادشاہ کو ذلیل و خوار ہونے کی حالت میں جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جب بھی کسی چھوٹے قیدی بچے کو دیکھتا تو ان کے پاس آ کر ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور رو کر کہتا کہ عربوں نے میرا جگر گوشہ کھا لیا۔ جب اَبُولُؤلُؤَۃ نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو اس نے بڑے اہتمام سے دو دھاری خنجر بنایا، اسے تیز کیا، پھر اسے زہر آلود کیا، پھر اسے لے کر ھُرمُزَان کے پاس آیا اور کہا تمہارا اس خنجر کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس نے کہا میرا تو خیال ہے کہ تُو اس کے ذریعہ جس پر بھی وار کرے گا اسے قتل کر دے گا۔ ھُرمُزَان فارسیوں کے سپہ سالاروں میں سے تھا۔ مسلمانوں نے اسے تُستَر کے مقام پر قید کر لیا تھا اور انہوں نے اسے مدینہ بھیج دیا تھا۔ جب اس نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تو اس

نے پوچھا ان کے محافظ و دربان کہاں ہیں؟ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بتایا کہ ان کا کوئی محافظ ہے نہ دربان ہے اور نہ کوئی سیکرٹری ہے، نہ کوئی دیوان ہے تو اس نے کہا کہ انہیں تو نبی ہونا چاہیے۔ بہرحال پھر وہ مسلمان ہو گیا اور حضرت عمرؓ نے اس کے لیے دو ہزار مقرر کر دیے اور اسے مدینہ میں قیام کرایا۔

طبقاتِ ابن سعد میں نافع کی سند سے ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وہ چھری دیکھی جس کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا۔

انہوں نے کہا: میں نے گذشتہ روز یہ چھری ھُرمُزّان اور جُفَینہ کے پاس دیکھی تھی تو مَیں نے پوچھا: تم اس چھری سے کیا کرتے ہو تو ان دونوں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ گوشت کاٹتے ہیں کیونکہ ہم گوشت کو چھوتے نہیں۔ اس پر حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا: کیا آپؓ نے یہ چھری ان دونوں کے پاس دیکھی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پس حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ نے اپنی تلوار پکڑی اور دونوں کے پاس آئے اور انہیں قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عُبیداللہؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا: آپؓ کو ان دونوں افراد کے قتل کرنے پر کس چیز نے برانگیختہ کیا جبکہ وہ دونوں ہماری امان میں ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عُبیداللہ نے حضرت عثمانؓ کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا حتی کہ لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو حضرت عُبیداللہ سے بچایا۔ جب حضرت عثمانؓ نے انہیں بلوایا تھا تو انہوں نے یعنی حضرت عُبیداللہ نے تلوار حمائل میں کر لی تھی لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں سختی کے ساتھ کہا کہ اسے اتار دو تو انہوں نے تلوار اتار کر رکھ دی تھی۔

سعید بن مُسَیّب سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ شہید کر دیے گئے، یہ ایک روایت ہے جو میں نے پہلے بیان کی۔ کہاں تک یہ سچی ہے، حضرت عثمانؓ والا قصہ کہاں تک صحیح ہے اللہ بہتر جانتا ہے لیکن بہرحال قتل کرنے کا واقعہ اَور جگہ بھی بیان ہوا ہے۔ حضرت عمر شہید کر دیے گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا: میں حضرت عمرؓ کے قاتل اَبُولُؤْلُؤَہْ کے پاس سے گزرا تھا جبکہ جُفَینہ اور ھُرمُزّان بھی اس کے ساتھ تھے اور وہ سرگوشی کر رہے تھے۔ جب میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک خنجر ان کے مابین گر پڑا۔ اس کے دو پھل تھے۔ اس کا دستہ اس کے وسط میں تھا۔ پس دیکھو کہ جس خنجر سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا ہے وہ کیسا تھا؟ انہوں نے دیکھا تو وہ خنجر بالکل ویسا ہی تھا جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بیان کیا تھا۔

جب حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے یہ سنا تو تلوار لے کر نکل پڑے حتی کہ ھُرمُزّان کو آواز دی۔ جب وہ ان کے پاس آیا تو اسے کہا میرے ساتھ چلو حتی کہ ہم اپنے گھوڑے کو دیکھیں اور خود اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ آپ کے آگے چلنے لگا تو انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب اس نے تلوار کی حدت محسوس کی تو اس نے لا الٰہ الّا

اللہ پڑھا۔ حضرت عُبیداللہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے جُفَینہ کو آواز دی وہ حِیرہ کے نصاریٰ میں سے ایک نصرانی تھا وہ سعد بن ابی وقاص کا مددگار تھا انہوں نے اسے صلح کے لیے مدینہ بھیجا تھا جو کہ اس کے اور ان کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ مدینہ میں کتابت سکھاتا تھا۔ جب میں نے اسے تلوار ماری تو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے صلیب کا نشان بنایا۔ پھر حضرت عُبیداللہ ؓ آگے بڑھے اور اَبُولُؤْلُؤَہ کی بیٹی کو قتل کر دیا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتی تھی۔ حضرت عبداللہؓ کا ارادہ تھا کہ آج وہ مدینہ میں کسی قیدی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مہاجرین ان کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور انہیں روکا اور انہیں دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں انہیں ضرور قتل کروں گا۔ اور وہ مہاجرین کو بھی خاطر میں نہ لائے حتیٰ کہ حضرت عَمرو بن عاصؓ ان کے ساتھ مسلسل بات چیت میں لگے رہے حتیٰ کہ انہوں نے تلوار حضرت عَمرو بن عاصؓ کے حوالے کر دی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کے پاس آئے تو ان دونوں نے ایک دوسرے کی پیشانی کے بال پکڑ لیے۔ غرض آپ نے ھُرمُزَان، جُفَینہ اور اَبُولُؤْلُؤَہ کی بیٹی کو قتل کر دیا۔

اب تمام معاملہ اس بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ کس نے اَبُولُؤْلُؤَہ کو حضرت عمرؓ کے قتل کرنے پر اکسایا تھا اور لکھنے والے یہ لکھتے ہیں کہ جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں اور جو اس حق میں ہیں کہ حضرت عمرؓ کا قتل ایک سازش تھی۔ ھُرمُزَان نے یہ ساری منصوبہ بندی کی تھی کہ اس نے حضرت عمرؓ کے خلاف اَبُولُؤْلُؤَہ کے کینہ اور بُغض کو مزید بھڑکایا۔ وہ دونوں عجمی تھے پھر یہ کہ جب ھُرمُزَان کو قید کر لیا گیا اور اسے مدینہ بھیج دیا گیا تو اس نے اس اندیشہ کے پیش نظر اسلام قبول کر لیا کہ خلیفہ اسے قتل کر دیں گے۔

طبقاتِ ابن سعد میں نافع کی روایت میں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے وہ چھری دیکھی تھی جس کے ساتھ حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا اور سعید بن مُسَیِّب کی روایت طبری میں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے وہ خنجر دیکھا تھا جو اَبُولُؤْلُؤَہ، جُفَینہ اور ھُرمُزَان کے درمیان گر گیا تھا۔ جب وہ اچانک ان کے پاس آئے تھے تو وہ ان کے چلنے کی وجہ سے گر گیا تھا۔ جب حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے یہ بات سنی تو وہ فوراً گئے اور ان دونوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ انہوں نے جذبہ انتقام سے مغلوب ہو کر اَبُولُؤْلُؤَہ کی بیٹی کو بھی قتل کر دیا۔ وہ خنجر جس کے متعلق حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بتایا تھا وہ بالکل وہی تھا جس کے ذریعہ حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا۔ اگر حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ ھُرمُزَان اور جُفَینہ کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرتے تو اس بات کا امکان تھا کہ ان دونوں کو معاملہ کی تحقیق کے لیے بلایا جاتا اور اس طرح یہ سازش آشکار ہو جاتی۔ اگر ان سب چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی اور جس نے اس سازش کو عملی جامہ پہنایا اور حضرت عمرؓ کو قتل کیا وہ اَبُولُؤْلُؤَہ تھا۔ یہ سازش کے حق میں کہنے والے کہتے ہیں۔[385]

اسی طرح ایک اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ جب مسلمان ایرانیوں اور عیسائیوں پر غالب آئے تھے اور جب سے ان ملکوں کی زمام حکومت انہوں نے سنبھالی تھی اور شہنشاہِ ایران کو عبرت ناک شکست دے کر فرار پر مجبور کیا تھا اس وقت سے ایرانی، یہودی اور عیسائی اپنے دلوں میں عربوں کے خلاف عموماً اور حضرت عمرؓ کے خلاف خصوصاً کینہ و بغض کے جذبات چھپائے بیٹھے تھے۔ اس وقت لوگوں نے اپنی گفتگو میں اس کینہ اور بغض کا ذکر بھی کیا تھا اور انہیں حضرت عمرؓ کی وہ بات بھی یاد آئی تھی جو انہوں نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان پر حملہ کرنے والا اَبُولُؤْلُؤَہْ ایک ایرانی ہے کہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ میں تم کو منع کرتا تھا کہ ہمارے پاس کسی بے دین کو گھسیٹ کر نہ لانا لیکن تم نے میری بات نہ مانی۔ مدینہ میں ان عجمی بے دینوں کی تعداد مختصر سی تھی لیکن ایک جماعت تھی جن کے دل غضب اور انتقام سے لبریز اور جن کے سینے کینہ و بغض کی آگ سے دہک رہے تھے اور کون جانے، ہو سکتا ہے ان لوگوں نے سازش کی ہو اور اَبُولُؤْلُؤَہْ کا یہ فعل اسی سازش کا نتیجہ ہو جس کا جال ان دشمنانِ اسلام نے اپنے کینہ اور دشمنی کی پیاس بجھانے کے لیے بُنا تھا اور جس کے متعلق وہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کے بازو کمزور کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادوں کو حقیقتِ حال سے باخبر ہونے کی سب سے زیادہ بے چینی تھی۔ وہ اس راز سے پردہ اٹھا کر اس کی تہ تک پہنچ سکتے تھے اگر اَبُولُؤْلُؤَہْ فیروز خودکشی نہ کرتا۔ لیکن اس نے خُودکشی کر لی اور اس راز کو اپنے ساتھ قبر میں لے گیا تو کیا بات ختم ہو گئی اور اب اس راز کو پانے کی کوئی سبیل نہیں رہی؟ یہ لکھنے والا مؤرخ لکھتا ہے جو اس سازش کو بے نقاب کرنے کے حق میں ہے کہ یہ سازش تھی کہ نہیں؟ بلکہ کارکنان قضا و قدر نے چاہا کہ عرب کا ایک سردار اس راز سے واقف ہو جائے اور اس سازش کی طرف رہنمائی کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جب وہ چھری دیکھی جس سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا تو فرمایا: مَیں نے یہ چھری کل ھُرمُزَان اور جُفَینہ کے پاس دیکھی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا تم اس چھری سے کیا کرو گے؟ وہ بولے کہ گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے فرمایا کہ میں حضرت عمرؓ کے قاتل اَبُولُؤْلُؤَہْ کے پاس سے گزرا۔ جُفَینہ اور ھُرمُزَان اس کے ساتھ تھے اور وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے۔ مَیں دفعتاً ان کے پاس پہنچا تو وہ بھاگے اور ایک خنجر ان کے درمیان گر پڑا جس کے دو پھل تھے اور دستہ بیچ میں تھا۔ دیکھو وہ خنجر کیسا ہے جس سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا ہے؟ لوگوں نے دیکھا تو واقعی وہی خنجر تھا جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بتایا تھا۔ پھر تو اس معاملے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ یہ لکھنے والا کہتا ہے کہ دونوں کے دونوں سچے گواہ ہیں بلکہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہیں اور گواہی دے رہے ہیں کہ جس چھری سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا وہ ھُرمُزَان اور جُفَینہ کے پاس تھی۔ ان میں سے ایک گواہ کا کہنا ہے کہ اس نے قاتل اَبُولُؤْلُؤَہْ کو قتل کرنے سے پہلے دونوں سے سازش کرتے دیکھا ہے

اور دونوں گواہوں کے بیان کے مطابق یہ سب کچھ اس رات کا قصہ ہے جس صبح حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص اس میں شبہ کر سکتا ہے کہ امیر المومنین اس سازش کا شکار ہوئے جس کے اہم کردار تو یہی تین آدمی تھے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے ایرانی یا ان قوموں کے افراد بھی اس میں شامل ہوں جن پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تھا۔

حضرت عُبید اللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بات اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی شہادت سنی تو ساری کائنات ان کی نگاہوں میں خون ہی خون ہو گئی۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مدینہ کے تمام پردیسی اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کے ہاتھوں سے جرم کا خون ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے فوراً تلوار سنبھالی اور سب سے پہلے ھُرمُزان اور جُفَینہ کا کام تمام کیا۔ روایت ہے کہ انہوں نے ھُرمُزان کو آواز دی اور جب وہ باہر نکل کر آیا تو اسے کہا کہ ذرا ساتھ آؤ اور میرے گھوڑے کو دیکھ لو اور خود پیچھے ہٹ گئے۔ جب وہ ان کے سامنے سے گزرا تو تلوار کا ایک ہاتھ اس پر مارا۔ ایرانی نے جب تلوار کی سوزش محسوس کی تو کہا لا الٰہ الّا اللہ اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ روایت ہے کہ حضرت عُبیداللہ بن عمرؓ، یہ حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے نے کہا کہ پھر میں نے جُفَینہ کو بلایا وہ حِیرہ کا ایک عیسائی تھا اور سعد بن ابی وقاص کا دودھ شریک بھائی تھا۔ اس رشتے سے سعد اسے مدینہ لے آئے تھے جہاں وہ لوگوں کو پڑھایا لکھایا کرتا تھا۔ جب میں نے اسے تلوار ماری تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان صلیب کا نشان بنایا۔ حضرت عبید اللہ کے دوسرے بھائی بھی اپنے والد کی شہادت پر ان سے کچھ کم غضبناک نہیں تھے اور سب سے زیادہ غصہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تھا۔

بہرحال یہ جو انہوں نے کیا ہے قانونی طور پر اس کی کوئی اجازت نہیں تھی۔ کسی شخص کو اختیار نہیں کہ وہ خود انتقام لینے کے لیے کھڑا ہو جائے یا اپنا حق خود وصول کرے جبکہ معاملات کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء رضوان اللہ علیہم کے لیے مخصوص تھا۔ وہ لوگوں کے درمیان منصفانہ فیصلے اور مجرم کے خلاف قصاص کا حکم صادر کرتے تھے۔ اس لیے حضرت عُبیداللہ ؓ کا فرض تھا کہ جب انہیں اس سازش کا علم ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے والد کی جان گئی تو اس کا فیصلہ امیر المومنین سے چاہتے۔ اگر ان کے نزدیک سازش ثابت ہو جاتی تو وہ قصاص کا حکم جاری فرما دیتے اور اگر ثابت نہ ہوتی یا اس کے متعلق امیر المومنینؓ، نئے خلیفہ کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو جاتا تو وہ شبہ کی حد تک سزا میں تخفیف کر دیتے یا یہ فیصلہ دے دیتے کہ تنہا اَبُولُؤلُؤَہْ مجرم ہے۔[386] بہرحال جو انہوں نے کیا قانونی طور پر وہ ان کا حق نہیں بنتا تھا۔

مختصر یہ کہ ہر چند کہ یہ بعید از قیاس نہیں کہ یہ قتل ایک باقاعدہ سازش ہو لیکن اس وقت کے حالات کا تقاضا ہو کہ حضرت عثمانؓ فوری طور پر اس میں تحقیق نہ کروا سکے ہوں یا جو بھی حالات ہوں ابتدائی مؤرخ اس کے متعلق خاموش ہیں اور اس زمانے کے کچھ مؤرخ قرائن کی روشنی میں اس پر بحث

کر رہے ہیں اور ان کے دلائل میں کچھ وزن معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ سازشی گروہ یہیں رکتا نہیں بلکہ پھر حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح کی ایک سازش کا شکار ہوتے ہیں اور اس سے اس شبہ کو مزید تقویت ملتی ہے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی اور غلبہ کو روکنے کے لیے اور اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بیرونی عناصر کی ایک سازش کے تحت حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب میرے والد پر حملہ ہوا تو میں ان کے پاس موجود تھا۔ لوگوں نے ان کی تعریف کی اور کہا جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ دے۔ آپؓ نے فرمایا: میں رغبت رکھنے والا بھی ہوں اور ڈرنے والا بھی ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپؓ خلیفہ مقرر کر دیجیے۔

آپؓ نے کہا: کیا میں تمہارا بوجھ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اٹھاؤں؟ میں چاہتا ہوں کہ اس میں میرا حصہ برابر کا ہو۔ یعنی نہ مجھ پر کوئی گرفت ہو نہ مجھے کچھ ملے۔ اگر میں کسی کو جانشین بناؤں تو انہوں نے بھی جانشین بنایا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی حضرت ابوبکرؓ۔ بنا دوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں بغیر جانشین مقرر کرنے کے چھوڑ جاؤں تو وہ تمہیں بغیر جانشین مقرر کرنے کے چھوڑ گئے تھے جو مجھ سے بہتر تھے یعنی دوسری مثال رسول اللہ ﷺ کی دی کہ آپؐ تھے جنہوں نے جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ جب آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا تو میں جان گیا کہ آپؓ جانشین مقرر نہیں کریں گے۔[387]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے والد جانشین مقرر کرنے والے نہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے یعنی حضرت حفصہؓ نے فرمایا وہ ایسا کریں گے۔ وہ کہتے ہیں میں نے قسم کھائی کہ حضرت عمرؓ سے دوبارہ بات کروں گا۔ کہتے ہیں مَیں صبح تک خاموش رہا اور آپ سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا حال یہ تھا کہ گویا میں اپنی قسم کی وجہ سے پہاڑ اٹھانے والا ہوں۔ میں لوٹا اور ان کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے لوگوں کا حال دریافت کیا یعنی حضرت عمرؓ نے اور میں نے آپؓ کو بتایا کہ وہ کہتے ہیں۔ پھر میں نے جو وہ لوگ کہتے ہیں وہ باتیں بتائیں۔ پھر میں نے آپ سے کہا کہ میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ آپؓ سے وہ بات ضرور کہوں گا۔ ان کا، لوگوں کا خیال ہے کہ آپؓ جانشین مقرر نہیں کریں گے۔ بات یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کے اونٹوں کو چرانے والا ہو یا بکریوں کا چرواہا ہو پھر وہ آپ کے پاس آئے اور انہیں چھوڑ دے تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے ان کو ضائع کر دیا۔ پس لوگوں کی نگہبانی تو زیادہ ضروری ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے میری بات سے اتفاق کیا اور کچھ دیر کے لیے اپنا سر جھکایا۔ پھر آپؓ نے سر اٹھایا اور میری طرف توجہ کی اور فرمایا: اللہ عزوجل اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔ اگر میں کسی کو خلیفہ نہ

بناؤں تو رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ تو نہیں بنایا تھا اور اگر میں خلیفہ بناؤں تو حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ بنایا تھا۔ انہوں نے یعنی حضرت عمرؓ کے بیٹے ابن عمرؓ نے کہا: پس اللہ کی قسم! جب انہوں نے یعنی حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کیا تو میں سمجھ گیا کہ آپؓ کسی کو رسول اللہ ﷺ کے برابر نہیں کریں گے اور یہ کہ آپؓ کسی کو جانشین نہیں بنائیں گے۔[388]

حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمَہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کو زخمی کیا گیا تو درد سے بے قرار ہونے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے کہا جیسا کہ ان کو تسلی دینے لگے ہیں۔ امیر المومنین! اگر ایسا ہے تو آپ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور آپؓ نے نہایت عمدگی سے آپؐ کا ساتھ دیا۔ پھر آپؓ ان سے ایسی حالت میں جدا ہوئے کہ آنحضرت ﷺ آپؓ سے خوش تھے۔ پھر آپؓ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ رہے اور نہایت عمدگی سے ان کا ساتھ دیا۔ پھر آپؓ ان سے ایسی حالت میں جدا ہوئے کہ وہ آپؓ سے خوش تھے۔

پھر آپؓ ان کے صحابہ کے ساتھ رہے اور آپؓ نے نہایت عمدگی سے ان کا ساتھ دیا اور اگر آپؓ ان سے جدا ہو گئے تو یقیناً آپؓ ایسی حالت میں ان سے جدا ہوں گے کہ وہ آپؓ سے خوش ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ جو تم نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپؐ کی خوشنودی کا ذکر کیا ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا۔ اور جو تم نے حضرت ابو بکرؓ کی صحبت اور ان کی خوشنودی کا ذکر کیا ہے تو یہ بھی محض اللہ جَلَّ ذِکْرُہٗ کا احسان ہے جو اُس نے مجھ پر کیا۔ اور یہ جو تم میری فکر دیکھ رہے ہو تو یہ تمہاری خاطر اور تمہارے ساتھیوں کی خاطر ہے۔ میں اپنی فکر نہیں کر رہا۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی فکر کر رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا بھی ہو تو میں ضرور اللہ عزوجل کے عذاب سے فدیہ دے کر چھڑا لیتا پیشتر اس کے کہ میں وہ عذاب دیکھوں۔[389]

حضرت مصلح موعودؓ آیت وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”خلفاء پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی جس سے انہوں نے خوف کھایا ہو اور اگر آئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے امن سے بدل دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ شہید ہو گئے مگر جب واقعات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا بلکہ وہ متواتر دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! مجھے شہادت نصیب کر اور شہید بھی مجھے مدینہ میں کر۔ پس وہ شخص جس نے اپنی ساری عمر یہ دعائیں کرتے ہوئے گزار دی ہو کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے۔ وہ اگر شہید ہو جائے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس پر ایک خوفناک وقت آیا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے امن سے نہ بدلا گیا۔ بیشک اگر حضرت عمرؓ شہادت سے ڈرتے اور پھر وہ شہید ہو جاتے تو کہا جا سکتا تھا کہ ان کے خوف کو خدا تعالیٰ نے امن سے نہ بدلا مگر وہ تو دعائیں کرتے رہتے تھے کہ یا اللہ! مجھے مدینہ میں شہادت دے۔ پس ان کی شہادت سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ وہ شہادت سے ڈرتے بھی تھے اور جب وہ شہادت سے نہیں ڈرتے

تھے بلکہ اس کے لئے دعائیں کرتے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے قبول فرمالیا تو معلوم ہوا کہ اس آیت کے ماتحت ان پر کوئی ایسا خوف نہیں آیا جو ان کے دل نے محسوس کیا ہو اور اس آیت میں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہی ذکر ہے کہ خلفاء جس بات سے ڈرتے ہوں گے وہ کبھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا مگر جب وہ ایک بات سے ڈرتے ہی نہ ہوں بلکہ اپنی عزت اور بلندی درجات کا موجب سمجھتے ہوں تو اسے خوف کہنا اور پھر یہ کہنا کہ اسے امن سے کیوں نہ بدل دیا گیا بے معنی بات ہے۔" یہ نکتہ بھی سمجھنے والا ہے۔

آپؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے تو جب حضرت عمرؓ کی اس دعا کو پڑھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا بظاہر یہ مطلب تھا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کرے اور اس کا حملہ اتنی شدت سے ہو کہ تمام مسلمان تباہ ہو جائیں۔ پھر وہ خلیفۂ وقت تک پہنچے اور اسے بھی شہید کر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی دعا بھی قبول کر لی اور ایسے سامان بھی پیدا کر دیئے جن سے اسلام کی عزت قائم رہی۔

چنانچہ بجائے اس کے کہ مدینہ پر کوئی بیرونی لشکر حملہ آور ہوتا اندر سے ہی ایک خبیث اٹھا اور اس نے خنجر سے آپؓ کو شہید کر دیا۔"[390]

غلاموں کی آزادی کے حوالے سے اسلامی تعلیم بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت عمرؓ کی شہادت کے واقعہ کو لے کر لکھا ہے اور اس کا سبب بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ "پہلے تو یہ حکم دیا کہ تم احسان کر کے بغیر کسی تاوان کے ہی ان کو رہا کر دو" یعنی غلاموں کو بغیر کسی تاوان کے رہا کر دو۔ "پھر یہ کہا کہ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تاوان وصول کر کے آزاد کر دو اور اگر کوئی شخص ایسا رہ جائے۔" کوئی غلام "جو خود تاوان ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کی حکومت بھی اس کے معاملہ میں کوئی دلچسپی۔" اور جہاں سے وہ آیا ہے جس حکومت کا وہ فرد ہے اس کو آزاد کرانے میں اس کی حکومت بھی "کوئی دلچسپی نہ لیتی ہو اور اس کے رشتہ دار بھی لاپرواہ ہوں تو وہ تم کو نوٹس دے کر اپنی تاوان کی قسطیں مقرر کروا سکتا ہے۔" پھر وہ خود قیدی جو ہے وہ اپنی تاوان کی قسطیں مقرر کروا سکتا ہے۔ "ایسی صورت میں جہاں تک اس کی کمائی کا تعلق ہے قسط چھوڑ کر سب اسی کی ہو گی اور وہ عملاً پورے طور پر آزاد ہو گا۔" یعنی جتنی کمائی وہ کرے گا اس میں سے وہ قسط ادا کرے گا جو اس نے آزادی کے لیے رکھی ہے اور باقی آمد اس کی اپنی ہے اور یہ ایک طرح کی آزادی ہے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے غلام نے ہی مارا تھا جس نے مکاتبت کی ہوئی تھی۔ وہ غلام جس مسلمان کے پاس رہتا تھا ان سے ایک دن اس نے کہا کہ میری اتنی حیثیت ہے، آپ مجھ پر تاوان ڈال دیں۔ مَیں ماہوار اقساط کے ذریعہ آہستہ آہستہ تمام تاوان ادا کر دوں گا۔ انہوں نے ایک معمولی سی قسط مقرر کر دی اور وہ ادا کرتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس نے شکایت کی کہ میرے مالک نے مجھ پر بھاری قسط مقرر کر رکھی ہے آپؓ اسے کم کرا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اس کی آمدن کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جتنی آمد کے اندازہ پر قسط مقرر ہوئی تھی اس سے کئی گنا زیادہ آمد وہ پیدا کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اس قدر آمد کے مقابلہ میں تمہاری قسط بہت معمولی ہے اِسے کم نہیں کیا جاسکتا۔ اِس فیصلہ سے اسے سخت غصہ آیا اور اس نے سمجھا کہ میں چونکہ ایرانی ہوں اِس لئے میرے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے اور میرے مالک کا عرب ہونے کی وجہ سے لحاظ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس غصہ میں اس نے دوسرے ہی دن خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا اور آپؓ انہی زخموں کے نتیجہ میں شہید ہو گئے۔"[391]

حضرت مصلح موعودؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ "دنیا میں دو ہی چیزیں راستی سے پھیرنے کا موجب ہوتی ہیں یا تو انتہائی بغض یا پھر انتہائی محبت۔ انتہائی بغض بسا اوقات معمولی واقعہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے وقت دیکھو کتنے معمولی واقعہ سے بغض بڑھا جس نے عالم اسلامی کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس واقعہ کا اثر اب تک چلتا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کے وقت ایک مقدمہ آپؓ کے پاس آیا۔ کسی شخص کا غلام کماتا بہت تھا لیکن مالک کو دیتا کم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس غلام کو بلایا اور اسے کہا کہ مالک کو زیادہ دیا کرو۔ اس وقت چونکہ پیشہ ور کم ہوتے تھے اس لئے لوہاروں اور نجاروں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ وہ غلام آٹا پیسنے کی چکی بنایا کرتا تھا اور اس طرح کافی کماتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ساڑھے تین آنے اس کے ذمہ لگا دیئے کہ مالک کو ادا کیا کرے۔ یہ کتنی قلیل رقم ہے مگر اس کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ نے غلط فیصلہ کیا ہے اس پر اس کے دل میں بغض بڑھنا شروع ہوا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ ہمیں بھی چکی بنادو۔ اس پر کہنے لگا ایسی چکی بنادوں گا جو خوب چلے گی۔ یہ سن کر کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ کو دھمکی دے رہا ہے۔" یہ پہلا جو واقعہ ہے اس سے لگتا ہے کہ اسی سے ملتا جلتا ہے یا وہی واقعہ ہے اور اسی کا واقعہ ہے۔ بہر حال ہے اسی غلام کا۔ "آپؓ نے کہا الفاظ سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوتی۔" پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود کہا تھا کہ یہ دھمکی دے رہا ہے۔ "اس نے کہا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ آخر ایک دن حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس غلام نے آپؓ کو خنجر مار کر قتل کر دیا۔" حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ "وہ عمرؓ جو کروڑوں انسانوں کا بادشاہ تھا، جو بہت وسیع مملکت کا حکمران تھا، جو مسلمانوں کا بہترین رہنما تھا ساڑھے تین آنے پر مار دیا گیا مگر بات یہ ہے کہ جن کی طبیعت میں بغض اور کینہ ہوتا ہے وہ ساڑھے تین آنے یا دو آنے نہیں دیکھتے وہ اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں۔ ان کی طبیعت بغض کے لئے وقف ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے لئے اور دوسروں کے لئے کیا نتیجہ ہو گا۔ حضرت عمرؓ کے قاتل سے جب دریافت کیا گیا کہ تُو نے یہ سفاکانہ فعل کیوں کیا تو اس نے کہا انہوں نے میرے خلاف فیصلہ کیا تھا مَیں نے اس کا بدلہ لیا ہے۔"

پہلے یہ تفصیل اس طرح بیان نہیں ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس کو پکڑتے ہوئے تھوڑا سا وقت ملا ہو تو اس میں اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے یہ قتل اس لئے کیا ہے اور پھر خودکشی بھی کر لی۔

حضرت مصلح موعودؓ کہتے ہیں کہ ”میں نے اس دردناک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے اس کا اسلام پر آج تک اثر ہے اور وہ اس طرح کہ گو موت ہر وقت لگی ہوتی ہے مگر ایسے وقت میں موت کے آنے کا خیال نہیں کیا جاتا جب قویٰ مضبوط ہوں لیکن جب قویٰ کمزور ہوں اور صحت انحطاط کی طرف ہو تو لوگوں کے ذہن خود بخود آئندہ انتظام کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے اس بارے میں باتیں نہیں کرتے مگر خود بخود دَروایسی پیدا ہو جاتی ہے جو آئندہ انتظام کے متعلق غور کرنے کی تحریک کرتی ہے۔ اس وجہ سے جب امام فوت ہو تو لوگ چوکس ہوتے ہیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کے قویٰ مضبوط تھے گو ان کی عمر تریسٹھ سال کی ہو چکی تھی لیکن صحابہ کے ذہن میں یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ ان سے جلدی جدا ہو جائیں گے اس وجہ سے وہ آئندہ انتظام کے متعلق بالکل بے خبر تھے کہ یکدم حضرت عمرؓ کی وفات کی مصیبت آپڑی۔ اس وقت جماعت کسی دوسرے امام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس عدم تیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے لوگوں کو وہ لگاؤ نہ پیدا ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے اسلام کی حالت بہت نازک ہو گئی اور حضرت علیؓ کے وقت اَور زیادہ نازک ہو گئی۔“[392]

جو فساد بعد میں ہوئے یہ بھی ان کی ایک وجہ بیان کی ہے۔ آپؓ کے نزدیک یہ وجہ ہو سکتی ہے۔

فتنہ کے وقت چند آدمی نماز کے موقع پر حفاظت کے لیے کھڑے ہونے ضروری ہیں۔ یہ بھی حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”قرآن مجید کا صراحتاً حکم ہے کہ حفاظت کے لئے مسلمانوں میں سے آدھے کھڑے رہا کریں اور گو یہ جنگ کے وقت کی بات ہے جب ایک جماعت کی حفاظت کے لئے ضرورت ہوتی ہے لیکن اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چھوٹے فتنے کے انسداد کے لئے اگر چند آدمی نماز کے وقت کھڑے کر دیئے جائیں تو یہ قابلِ اعتراض امر نہیں بلکہ ضروری ہو گا“ کہ یہ کس طرح کیا جائے؟ فرماتے ہیں کہ ”اگر جنگ کے وقت ہزار میں سے پانچ سو حفاظت کے لئے کھڑے کئے جا سکتے ہیں تو کیا معمولی خطرے کے وقت ہزار میں سے پانچ دس آدمی حفاظت کے لئے کھڑے نہیں کئے جا سکتے؟ یہ کہنا کہ خطرہ غیر یقینی ہے بیہودہ بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہوا۔ آپؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ مسلمان بھی نماز میں مشغول تھے کہ ایک بدمعاش شخص نے سمجھا یہ وقت حملہ کرنے کے لئے موزوں ہے وہ آگے بڑھا اور اس نے خنجر سے وار کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ نماز کے وقت پہرہ دینا اس کے اصول یا وقار کے خلاف ہے۔“ یعنی نماز کے اصول یا وقار کے خلاف ہے ”تو سوائے اپنی حماقت کے مظاہرہ کرنے کے اور وہ کچھ نہیں کرتا۔ اس کی مثال اس بیوقوف کی سی ہے جو لڑائی میں شامل ہوا اور ایک تیر اسے آلگا جس سے خون بہنے لگا۔ وہ میدان سے بھاگا اور خون پونچھتا ہوا یہ کہتا چلا گیا کہ یا اللہ! یہ خواب ہی ہو“ یہ سچی بات نہ ہو کہ تیر مجھے لگ گیا ہے۔ ”...... تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک موقع پر صحابہ نے اپنی حفاظت کا انتظام نہ کیا تو انہیں سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ چنانچہ حضرت عَمرو بن العاصؓ جب

مصر کی فتح کے لئے گئے اور انہوں نے علاقہ کو فتح کر لیا تو اس کے بعد جب وہ نماز پڑھاتے تو پہرہ کا انتظام نہ کرتے۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ مسلمان اس حالت میں بالکل غافل ہوتے ہیں تو انہوں نے ایک دن مقرر کر کے چند سو مسلح آدمی عین اس وقت بھیجے۔ جب مسلمان سجدہ میں تھے پہنچتے ہی انہوں نے تلواروں سے مسلمانوں کے سر کاٹنے شروع کر دیئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ سینکڑوں صحابہ اس دن مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ ایک کے بعد دوسرا سر زمین پر گرتا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور ساتھی سمجھ ہی نہ سکتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے حتی کہ شدید نقصان لشکر کو پہنچ گیا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو آپؓ نے انہیں بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ حفاظت کا انتظام رکھنا چاہئے مگر انہیں" یعنی حضرت عمرؓ کو "کیا معلوم تھا کہ مدینہ میں بھی ایسا ہی ان کے ساتھ ہونے والا ہے۔ اس واقعہ کے بعد صحابہ نے یہ انتظام کیا کہ جب بھی نماز پڑھتے ہمیشہ حفاظت کے لئے پہرے رکھتے۔"[393]

حضرت عمرؓ کے قرض کے بارے میں پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ آپؓ نے پوچھا تھا اور پھر اپنے بیٹے کو فرمایا تھا۔ اس بارے میں مزید یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟ انہوں نے حساب کیا تو چھیاسی ہزار درہم نکلے۔ آپؓ نے فرمایا: اے عبداللہ! اگر آلِ عمر کا مال اس کے لیے کافی ہو تو ان کے مال سے میرا یہ قرض ادا کر دینا۔ اگر ان کا مال کافی نہ ہو تو بنو عدی بن کعب سے مانگنا۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور ان کے علاوہ کسی اَور سے نہ کہنا۔[394]

صحابہ کرامؓ جانتے تھے کہ ہمارا یہ سادہ زندگی بسر کرنے والا امام اتنی بڑی رقم اپنے اوپر خرچ کرنے والا نہیں ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ جو اتنا قرض چڑھایا تھا، یہ رقم بھی انہوں نے ضرورت مندوں اور غریبوں پر ہی خرچ کی تھی۔ اس لیے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپؓ بیت المال سے قرض لے کر اپنا یہ قرض کیوں نہیں ادا کر دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا معاذ اللہ! کیا تم چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے ساتھی میرے بعد یہ کہیں کہ ہم نے تو اپنا حصہ عمرؓ کے لیے چھوڑ دیا۔ تم اب تو مجھے تسلی دے دو مگر میرے پیچھے ایسی مصیبت پڑ جائے کہ اس سے نکلے بغیر میرے لیے نجات کی کوئی راہ نہ ہو۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔ میرے قرض کی ذمہ داری قبول کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ حضرت عمرؓ ابھی دفن نہیں کیے گئے تھے کہ ان کے بیٹے نے ارکانِ شوریٰ اور چند نصاریٰ کو اپنی اس ضمانت پر گواہ بنایا جو قرض کی ذمہ داری لی تھی اور حضرت عمرؓ کی تدفین کے بعد ابھی جمعہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ قرض کی رقم لے کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچے اور چند گواہوں کے سامنے اس بار سے سبکدوش ہو گئے۔[395]

قرض کی ادائیگی کے متعلق ایک اَور روایت کتاب "وفاء الوفاء" میں ملتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ کے ذمہ قرض تھا۔ آپؓ نے حضرت عبداللہؓ اور حضرت حفصہؓ کو بلایا اور کہا میرے ذمہ اللہ کے مال میں سے کچھ قرض ہے اور میں چاہتا ہوں کہ

میں اللہ کو اس حال میں ملوں کہ میرے ذمہ کوئی قرض نہ ہو۔ پس تم اس قرض کو پورا کرنے کے لیے اس مکان کو بیچ دینا جس میں رہتے تھے۔ پس اگر کچھ مال کم رہ جائے تو بنو عدی سے مانگنا۔ اگر پھر بھی بچ جائے تو قریش کے بعد کسی کے پاس نہ جانا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور آپؓ نے، حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کا گھر خرید لیا جس کو دارالقضاء کہا جاتا ہے۔ آپ نے وہ مکان بیچ دیا اور حضرت عمرؓ کا قرض ادا کر دیا۔ اس لیے اس گھر کو دَارُ قَضَاءِ دَیْنِ عُمَر کہا جانے لگا یعنی وہ گھر جس کے ذریعہ حضرت عمرؓ کے قرض کو ادا کیا گیا تھا۔[396]

حضرت عُبَیدُاللہ بن عمرؓ جب حضرت عثمانؓ سے الجھے ہیں تو اس وقت تک ابھی حضرت عثمانؓ خلافت کے مسند پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ عُبَیدُاللہ کا ارادہ تھا کہ وہ آج مدینہ کے کسی قیدی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

مہاجرین اوّلین ان کے خلاف اکٹھے ہو گئے اور انہیں روکا اور انہیں دھمکی دی تو وہ مہاجرین کو بھی خاطر میں نہ لائے اور انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! مَیں انہیں یعنی جتنے بھی قیدی ہیں، غلام ہیں، ضرور قتل کروں گا۔ حتیٰ کے عمرو بن عاصؓ ان کے ساتھ مسلسل لگے رہے یہاں تک کہ انہوں نے تلوار عمرو بن عاصؓ کے حوالے کر دی۔

پھر سعد بن ابی وقاصؓ سمجھانے کے لیے ان کے پاس آئے تو ان سے بھی عُبَید اللہ بن عمرؓ نے لڑائی کی۔ جیسا کہ بیان ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ سے لڑائی ہوئی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کروایا۔ اس ضمن میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا تو ابھی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہیں کی گئی تھی۔ یعنی حضرت عثمانؓ اس وقت تک خلیفہ منتخب نہیں ہوئے تھے جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔[397]

اسی طرح یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضرت عُبَیدُاللہ کو اس کے بعد قید بھی کر لیا گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے بعد جب خلافت پہ متمکن ہوئے تو حضرت عُبَید اللہ کو حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو امیر المومنین نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ مجھے اس شخص کے بارے میں رائے دو جس نے اسلام میں رخنہ ڈالا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑنا انصاف سے بعید ہے، میری رائے میں اس کو یعنی عُبَیدُاللہ بن عمرؓ کو قتل کرا دینا چاہیے لیکن بعض مہاجرین نے اس رائے کو ناقابلِ برداشت، شدت اور سختی پر محمول کیا اور کہا کہ کل عمرؓ قتل کیے گئے اور آج ان کا بیٹا قتل کر دیا جائے۔ اس اعتراض نے حاضرین کو مغموم کر دیا اور حضرت علیؓ بھی خاموش رہے لیکن بہر حال پھر حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ حاضرین میں سے کوئی شخص اس نازک صورت حال سے عہدہ برا ہونے کی کوئی راہ نکالے، مشورہ دے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے آپؓ کو اس سے معاف رکھا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپؓ مسلمانوں کے امیر نہیں تھے اور چونکہ یہ واقعہ آپؓ کے عہد خلافت میں نہیں ہوا اس لیے آپؓ پر اس کی کوئی ذمہ داری

عائد نہیں ہوتی لیکن حضرت عثمانؓ ان کی اس رائے سے مطمئن نہیں ہوئے اور بہتر یہی سمجھا کہ خون بہا ادا کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا: میں ان مقتولین کا ولی ہوں اس لیے خون بہا مقرر کر کے اپنے مال سے ادا کروں گا۔[398] اس بارے میں ایک یہ رائے ہے۔

تاریخ طبری کے مطابق حضرت عثمانؓ نے حضرت عُبید اللہ کو ہرمزان کے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے بدلے میں قصاص کے طور پر قتل کر دے لیکن بیٹے نے معاف کر دیا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے اور ایک مسئلہ کے حل کے بیان میں اس کی تفصیل میں لکھا ہے جو میں ایک گذشتہ خطبہ میں بیان کر چکا ہوں تاہم یہاں وضاحت کے لیے دوبارہ بیان کرتا ہوں کہ کیا مقتول کافر معاہد کے بدلے میں مسلمان قاتل کو سزا دی جا سکتی ہے؟ معاہد کافر کے بدلے میں مسلمان قاتل کو سزا دی جا سکتی ہے کہ نہیں؟ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ طبری میں قُمَاذْبَان بن ھُرْمُزَان اپنے والد کے قتل کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ ہرمزان ایک ایرانی رئیس اور مجوسی المذہب تھا اور حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کا شبہ اس پر کیا گیا تھا۔ اس پر بلا تحقیق جوش میں آکر عُبید اللہ بن عمرؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ وہ بیٹا کہتا ہے کہ ایرانی لوگ مدینہ میں ایک دوسرے سے ملے جلے رہتے تھے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ دوسرے ملک میں جا کر وطنیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ایک دن فیروز قاتل جو حضرت عمرؓ کا تھا میرے باپ سے ملا اور اس کے پاس ایک خنجر تھا جو دونوں طرف سے تیز کیا ہوا تھا۔ میرے باپ نے (یہ ھُرمُزان کا بیٹا بیان کر رہا ہے) کہ میرے باپ نے اس خنجر کو پکڑ لیا اور اس سے دریافت کیا کہ اس ملک میں تُو اس خنجر سے کیا کام لیتا ہے یعنی یہ ملک تو امن کا ملک ہے۔ اس میں ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس سے اونٹ ہنکانے کا کام لیتا ہوں۔ جب وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو اس وقت کسی نے ان کو دیکھ لیا اور جب حضرت عمرؓ مارے گئے تو اس نے بیان کیا کہ میں نے خود ھُرمُزان کو یہ خنجر فیروز کو پکڑاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اِس پر عُبید اللہ ؓ حضرت عمرؓ کے چھوٹے بیٹے نے جا کر میرے باپ کو قتل کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور عُبید اللہ کو پکڑ کر میرے حوالے کر دیا اور کہا کہ اے میرے بیٹے! یہ تیرے باپ کا قاتل ہے اور تُو ہماری نسبت اس پر زیادہ حق رکھتا ہے۔ پس جا اور اس کو قتل کر دے۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور شہر سے باہر نکلا۔ راستہ میں جو شخص مجھے ملتا میرے ساتھ ہو جاتا لیکن کوئی شخص مقابلہ نہ کرتا۔ وہ مجھ سے صرف اتنی درخواست کرتے تھے کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ پس میں نے سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا میرا حق ہے کہ میں اسے قتل کر دوں؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں تمہارا حق ہے اسے قتل کر دو، اور عُبید اللہ کو بھلا برا کہنے لگے کہ اس نے ایسا بُرا کام کیا ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کو حق ہے کہ اسے مجھ سے چھڑا لو؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں اور پھر عُبید اللہ کو برا بھلا کہا کہ اس نے بلا ثبوت اس کے باپ کو قتل کر دیا۔ اس پر میں نے خدا اور ان لوگوں کی خاطر اس کو چھوڑ دیا اور مسلمانوں

نے فرطِ مسرت سے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور خدا تعالیٰ کی قسم! میں اپنے گھر تک لوگوں کے سروں اور کندھوں پر پہنچا اور انہوں نے مجھے زمین پر قدم تک نہیں رکھنے دیا۔ اس روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کا طریق عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ غیر مسلم کے مسلم قاتل کو سزائے قتل دیتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواہ کسی ہتھیار سے کوئی شخص مارا جائے وہ مارا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل کو گرفتار کرنے والی اور اس کو سزا دینے والی حکومت ہی ہے کیونکہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ عُبید اللہ بن عمرؓ کو گرفتار بھی حضرت عثمانؓ نے ہی کیا اور اس کو قتل کے لیے ہُرمُزان کے بیٹے کے سپرد بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ نہ ہرمزان کے کسی وارث نے اس پر مقدمہ چلایا اور نہ گرفتار کیا۔

اس جگہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اس شبہ کا ازالہ بھی کر دینا ضروری ہے کہ قاتل کو سزا دینے کے لیے آیا مقتول کے وارثوں کے سپرد کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے کیا یا خود حکومت کو سزا دینی چاہیے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ معاملہ ایک جزوی معاملہ ہے اس لیے اس کو اسلام نے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ قوم اپنے تمدن اور حالات کے مطابق جس طریق کو زیادہ مفید دیکھے اختیار کر سکتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں طریق ہی خاص خاص حالات میں مفید ہوتے ہیں۔[399]

حضرت عمرؓ کا عجز و انکسار

یہ وضاحت کرنے کے بعد اب میں حضرت عمرؓ کے کچھ اور واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔ وفات کے وقت حضرت عمرؓ کے الحاح اور عجز و انکسار کا کیا حال تھا؟ اس بارے میں ان کے بیٹے روایت کرتے ہیں کہ:

انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ میرے کفن میں میانہ روی سے کام لینا۔ اگر اللہ کے پاس میرے لیے خیر ہوگی تو مجھے اس سے اچھے لباس سے بدل دے گا۔ اگر میں اس کے سوا ہوں گا تو مجھ سے چھین لے گا اور چھیننے میں تیزی کرے گا اور یہ بھی کہ میری قبر کے متعلق بھی میانہ روی سے کام لینا۔ اگر اللہ کے پاس میرے لیے اس میں خیر ہے تو اس کو اتنا وسیع کر دے گا جہاں تک میری نظر جائے گی اور اگر میں اس کے سوا ہوا تو وہ اسے مجھ پر تنگ کر دے گا کہ میری پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اور پھر میرے جنازے کے ساتھ کسی عورت کو نہ لے کر جانا۔ میری ایسی تعریف نہ بیان کرنا جو مجھ میں نہیں ہے کیونکہ اللہ مجھے زیادہ جانتا ہے۔ اور جب تم مجھے لے جانے لگو تو چلنے میں جلدی کرنا۔ اگر میرے لیے اللہ کے پاس خیر ہے تو تم مجھے اس چیز کی طرف بھیجتے ہو جو میرے لیے زیادہ بہتر ہے اور اگر اس کے سوا ہو تو تم اپنی گردن سے اس شر کو ٹال دو گے جو تم اٹھائے ہوئے ہو۔[400]

اس کے علاوہ یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے وصیت کی تھی کہ مجھے مِسك یعنی کستوری وغیرہ سے غسل نہ دینا۔[401]

حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا جب ان کا سر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ران پر تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کہا کہ میرا رخسار زمین پر رکھ دو۔ حضرت عبداللہ نے کہا میری ران اور زمین برابر ہی ہے یعنی اس میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے دوسری یا تیسری مرتبہ کہا کہ تیرا بھلا ہو میرا رخسار زمین پر رکھ دو۔

پھر آپ (حضرت عمرؓ) نے اپنی ٹانگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے آپ (حضرت عمرؓ) کو کہتے ہوئے سنا کہ میری اور میری ماں کی ہلاکت ہو گی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ بخشا یہاں تک کہ آپؓ کی وفات ہو گئی۔[402]

حضرت سماک حنفی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا اللہ نے آپؓ کے ذریعہ سے نئے شہر آباد کیے اور آپؓ کے ذریعہ سے بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں اور آپؓ کے ذریعہ سے فلاں فلاں کام ہوا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری تو تمنا ہے کہ اس سے ایسے نجات پا جاؤں کہ نہ میرے لیے کوئی اجر ہو اور نہ کوئی بوجھ۔ یعنی اس بات پر فخر نہیں کہ ہاں میں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں اور میرے وقت میں بڑی فتوحات ہوئی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت غالب رہے اور اپنی آخرت کی فکر تھی۔

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے فرمایا تم لوگ امارت کے بارے میں مجھ پر شک کرتے ہو۔ خدا کی قسم! مجھے تو یہ پسند ہے کہ میں اس طرح نجات پا جاؤں کہ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيَ کہ نہ مجھ پر کچھ عذاب ہو اور نہ میرے لیے کوئی ثواب یا جزا ہو۔[403]

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ جیسا انسان جنہوں نے اپنی ساری عمر ہی ملت اسلامیہ کے غم اور فکر میں گھلا دی۔ جنہوں نے ہر موقعہ پر اعلیٰ سے اعلیٰ قربانی کی گو عمل کے لحاظ سے ان کی قربانیاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قربانیوں تک نہ پہنچیں لیکن ارادہ اور نیت کے لحاظ سے سب کی برابر تھیں۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور انہوں نے کہا: خدا تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر برکت کرے میں نے کئی دفعہ کوشش کی کہ ان سے بڑھ جاؤں مگر کبھی کامیاب نہ ہوا۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مال لاؤ تو میں اپنا نصف مال لے گیا اور خیال کیا کہ آج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ جاؤں گا مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچے ہوئے تھے اور رسول کریم ﷺ کا چونکہ ان سے رشتہ بھی تھا اور جانتے تھے کہ انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا ہو گا اس لئے آپؐ دریافت فرما رہے تھے کہ ابو بکرؓ! گھر کیا چھوڑا؟ انہوں نے کہا گھر ”گھر میں “خدا اور رسولؐ کا نام چھوڑا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے اور فرماتے میں اس وقت بھی ان سے نہ بڑھ سکا۔“ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ”یہ ان کی قربانیاں تھیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے بھی دیتے رہتے تھے لیکن جب خاص موقعہ آیا تو سب کچھ لا کر رکھ دیا۔ ایک طرف تو یہ لوگ تھے اور ایک طرف وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے مال کے دسویں حصہ کی قربانی کا بھی موقعہ نہیں ملتا اور کہتے ہیں ہم لٹ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فوت ہونے لگے تو بار بار ان کی آنکھیں پر نم ہو جاتیں اور کہتے خدایا میں کسی انعام کا مستحق نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ سزا سے بچ جاؤں۔"[404]

تدفین اور نماز جنازہ

پھر تدفین اور جنازے کے بارے میں بیان ہوتا ہے کہ آپؓ کے بیٹے حضرت عبد اللہؓ نے آپؓ کو غسل دیا۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور حضرت صہیبؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

آپؓ کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ کے منبر اور روضہ کے درمیان والی جگہ پر ادا کی گئی۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو قبر میں اتارنے کے لیے عثمان بن عفانؓ، سعید بن زید، صہیب بن سنان اور عبد اللہ بن عمرؓ اترے تھے۔[405]

ان کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کا نام بھی آتا ہے۔[406]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "**صلحاء کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت ہے**۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ مرض الموت میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کے پہلو میں جو جگہ ہے انہیں دی جاوے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایثار سے کام لے کر وہ جگہ ان کو دے دی تو فرمایا۔ مَا بَقِيَ لِيْ هَمٌّ بَعْدَ ذَالِكَ۔ یعنی اس کے بعد اب مجھے کوئی غم نہیں جبکہ میں آنحضرت ﷺ کے روضہ میں مدفون ہوں۔"[407]

ایک اَور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص بکمال شوق اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے ہرگز ضائع نہیں کرتا خواہ دنیا بھر کی ہر چیز اس کی دشمن ہو جائے۔ اور اللہ کا طالب کسی نقصان اور تنگی کا منہ نہیں دیکھتا۔ اور اللہ صادقوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ اللہ اکبر! ان دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے صدق و خلوص کی کیا بلند شان ہے وہ دونوں ایسے (مبارک) مدفن میں دفن ہوئے کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو بصد رشک وہاں دفن ہونے کی تمنا کرتے لیکن یہ مقام محض تمنا سے تو نہیں حاصل ہو سکتا اور نہ صرف خواہش سے عطا کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو بارگاہ رب العزت کی طرف سے ایک ازلی رحمت ہے اور یہ رحمت صرف انہی لوگوں کی طرف رخ کرتی ہے جن کی طرف عنایت (الٰہی) ازل سے متوجہ ہو۔"[408]

حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں کہ "جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انہوں

نے اس بات کے لئے بڑی تڑپ ظاہر کی کہ آپؓ کو رسول کریم ﷺ کے قدموں میں دفن ہونے کی جگہ مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ اگر اجازت دیں تو مجھے آپؐ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت عمرؓ وہ انسان تھے جن کے متعلق عیسائی مؤرخ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حکومت کی جو دنیا میں اَور کسی نے نہیں کی۔ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں" یعنی عیسائی مؤرخین "مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسا شخص ہر وقت کی صحبت میں رہنے والا مرتے وقت یہ حسرت رکھتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے قدموں میں" جو آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہا مرتے وقت بھی یہ حسرت کرتا ہے کہ "رسول کریم ﷺ کے قدموں میں اسے جگہ مل جائے۔ اگر رسول کریم ﷺ کے کسی فعل سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی کہ آپؐ خدا کی رضا کے لئے کام نہیں کرتے تو کیا حضرت عمرؓ جیسا انسان اس درجہ کو پہنچ کر کبھی یہ خواہش کرتا کہ آپؐ کے قدموں میں جگہ پائے۔"[409]

پس یہ آنحضرت ﷺ کا مقام ہے جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی بھی خواہش ہوئی کہ آپؐ کے قدموں میں جگہ پائیں۔ حضرت عمرؓ کی وفات۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت کیا عمر تھی؟

اس بارے میں بھی مختلف رائے ہیں۔ سن پیدائش کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اس لیے آپؓ کی وفات کے وقت عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

چنانچہ تاریخ طبری، اسد الغابہ، البدایہ والنھایہ، ریاض النظرۃ، تاریخ الخلفاء کی مختلف روایات میں آپؓ کی عمر ترپن سال، پچپن سال، ستاون سال، انسٹھ سال، اکسٹھ سال، تریسٹھ سال اور پینسٹھ سال بیان ہوئی ہے۔[410]

البتہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت کے مطابق آپؓ کی عمر تریسٹھ سال بیان کی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت عمر تریسٹھ برس تھی اور حضرت عمرؓ کی بھی وفات کے وقت عمر تریسٹھ برس تھی۔[411]

حضرت عمرؓ کی وفات پر بعض صحابہ کرام کے تاثرات کے بارے میں یہ بیان ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا جسد مبارک جنازے کے لیے رکھا گیا اور لوگ ان کے گرد کھڑے ہو گئے۔ ان کے اٹھانے سے پہلے دعا کرنے لگے۔ پھر نماز جنازہ پڑھنے لگے اور میں بھی ان میں موجود تھا تو ایک شخص نے میرا کندھا پکڑ کر چونکا دیا۔ **کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی بن ابو طالبؓ ہیں۔**

آپؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے رحمت کی دعا کی اور کہا کہ آپؓ نے کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو آپؓ سے بڑھ کر مجھے اس لحاظ سے پیارا ہو کہ میں اس کے اعمال جیسے عمل کرتے ہوئے اللہ سے ملوں۔ بخدا میں یہی سمجھتا تھا کہ اللہ آپؓ کو بھی آپؐ کے ساتھیوں کے ساتھ ہی رکھے گا یعنی حضرت عمرؓ کو بھی آپؐ

کے ساتھیوں کے ساتھ ہی رکھے گا اور میں جانتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ سے بہت دفعہ میں یہ سنا کرتا تھا، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ۔ میں اور ابو بکر اور عمر گئے۔ مَیں اور ابو بکر اور عمر داخل ہوئے۔ مَیں اور ابو بکر اور عمر نکلے۔[412] یعنی مختلف واقعات بیان کرتے ہوئے آپؐ یہ فقرے فرمایا کرتے تھے۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ کو غسل اور کفن دے دیا گیا اور آپؓ کو چارپائی پر رکھ دیا گیا تو حضرت علیؓ نے ان کے پاس کھڑے ہو کر آپؓ کی تعریف فرمائی اور کہا اللہ کی قسم! مجھے اس چادر میں ڈھکے ہوئے انسان سے زیادہ رُوئے زمین پر کوئی شخص پسند نہیں کہ میں اس کے نامہ اعمال کے ساتھ خدا سے ملوں۔[413]

ابو جُحَیْفَہ سے روایت ہے کہ **حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا** کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے تھے کہ ہم نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابو بکرؓ ہم میں افضل ہیں اور حضرت ابو بکرؓ فوت نہیں ہوئے تھے کہ ہم نے جان لیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد ہم میں حضرت عمرؓ سب سے افضل ہیں۔[414]

زید بن وَھَب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس آئے۔ آپ حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے ہوئے اتنا روئے کہ آپؓ کے آنسو گرنے سے کنکر بھی تر ہو گئے۔ پھر آپؓ نے کہا حضرت عمرؓ اسلام کے لیے حصنِ حصین تھے۔ لوگ اس میں داخل ہوتے اور باہر نہ نکلتے۔ ایک مضبوط قلعہ تھے لوگ اس میں داخل ہوتے اور باہر نہ نکلتے۔ جب آپؓ کی وفات ہوئی تو اس قلعہ میں دراڑ پڑ گئی اور لوگ اسلام سے نکل رہے ہیں۔[415]

ابو وائل سے روایت ہے کہ **حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا** کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور باقی تمام انسانوں کا علم دوسرے پلڑے میں تو حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری ہو گا۔ ابو وائل نے کہا کہ میں نے اس کا ذکر ابراہیم سے کیا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم! ایسا ہی ہے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس سے بھی بڑھ کر کہا کہ میں نے پوچھا کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی تو انہوں نے یہ کہا کہ علم کے دس میں سے نو حصے جاتے رہے۔[416]

حضرت انسؓ نے کہا کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ کی شہادت ہوئی تو **حضرت ابو طلحہؓ نے کہا**: عرب میں کوئی شہری یا بدوی گھر ایسا نہیں مگر اس کے گھر کو حضرت عمرؓ کی شہادت سے نقصان پہنچا ہے۔[417] یعنی ہر ایک کی اتنی مدد کرتے تھے کہ یقیناً ان کو نقصان پہنچے گا۔ یہ لوگ متاثر ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے حضرت عمرؓ کے جنازے کے بعد حضرت عمرؓ کی چارپائی کے پاس کھڑے ہو کر کہا اے عمرؓ! آپؓ کیا ہی عمدہ اسلامی بھائی تھے۔ حق کے لیے سخی اور باطل کے لیے بخیل تھے۔ رضامندی کے اظہار کے وقت آپؓ راضی ہوتے اور غصہ کے وقت آپؓ غصہ کرتے۔ پاک نظر

اور عالی ظرف والے تھے۔ نہ بے جا تعریف کرنے والے تھے اور نہ ہی غیبت کرنے والے تھے۔[418]

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات پر **حضرت سعید بن زیدؓ** روئے تو کسی نے کہا اے اَبُو الْاَعْوَر! آپؓ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے کہا میں اسلام پر روتا ہوں۔ یقیناً حضرت عمرؓ کی وفات سے اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہو گیا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہو گا۔[419]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی امت میں آپؐ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں۔ پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان ہیں رضی اللہ عنہم۔[420]

حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے دَور میں اسلام کی مثال اس شخص کی طرح تھی جو مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔ جب آپؓ کی شہادت ہو گئی تو وہ دَور پیٹھ پھیر گیا اور مسلسل پیچھے جاتا جا رہا ہے۔[421]

حضرت عمرؓ کی ازواج اور اولاد کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ آپؓ کی مختلف وقتوں میں دس بیویاں تھیں جن میں سے نو بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ ان میں سے ایک حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ بننے کی سعادت ملی۔ حضرت زینب بنت مظعونؓ پہلی تھیں۔ یہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بہن تھیں۔ ان سے آپ کی اولاد عبد اللہ، عبد الرحمٰن اکبر اور حضرت حفصہؓ ہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابو طالبؓ: ان سے آپؓ کی اولاد زید اکبر اور رُقَیّہ ہیں۔ مُلَیکہ بنت جَرْوَل: ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ ان سے آپؓ کی اولاد زید اصغر اور عُبید اللہ ہیں۔ قُرَیْبَہ بنتِ ابو امیہ مخزومی: چونکہ مُلَیکہ اور قُرَیْبَہ ایمان نہیں لائی تھیں اس لیے حضرت عمرؓ نے چھ ہجری میں ان دونوں کو طلاق دے دی تھی۔ حضرت جمیلہ بنت ثابت: ان کا نام عَاصِیَہ تھا آنحضور ﷺ نے تبدیل کر کے جَمِیلہ رکھ دیا تھا۔ یہ بدری صحابی عاصم بن ثابت کی بہن تھیں۔ ان سے آپ کی اولاد عاصم ہیں۔ لُھَیَّہ سے آپ کی اولاد عبد الرحمٰن اَوْسَط ہیں۔ ایک اور آپؓ کی بیوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ام ولد ہیں یعنی کہ وہ لونڈی جس سے شادی کی جاتی ہے۔ اس کی اولاد ہو تو وہ آزاد ہو جاتی ہے۔ ایک اَور ام ولد تھیں جن کے بطن سے عبد الرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔ حضرت ام حکیم بنت حارث سے آپؓ کی اولاد فاطمہ تھیں۔ فُکَیہَہ سے آپؓ کی اولاد زینب تھیں۔ حضرت عاتکہ بنت زید: اِن سے آپ کی اولاد عیاض ہے۔[422]

مشہور مستشرق ایڈورڈ گبن حضرت عمرؓ کی تعریف میں لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی پرہیز گاری اور عاجزی حضرت ابوبکرؓ کی نیکیوں سے کم نہ تھی۔ آپؓ کے کھانے میں جَو کی روٹی اور کھجوریں ہی ہوتی تھیں۔ پانی آپؓ کا مشروب تھا۔ آپؓ نے لوگوں کو تبلیغ کی اس حال میں کہ آپؓ کا چوغہ بارہ جگہوں سے پھٹا ہوا تھا۔ ایرانی گورنر جنہوں نے اس فاتح کو خراج عقیدت پیش کیا انہوں نے آپؓ کو مسجد نبوی

کی سیڑھیوں پر فقیروں کے ساتھ سوتے دیکھا۔ معیشت منبع ہوتی ہے آزاد خیالی کا اور آمدنی میں اضافے کے باعث عمرؓ اس قابل ہوئے کہ مخلصین کی ماضی اور حال کی خدمات کے باعث ان کے لیے وظیفہ کا منصفانہ اور مستقل نظام قائم کر سکیں۔ اپنے وظیفہ سے بے نیاز تھے۔ آپؓ نے عباس (نبی صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے چچا) کے لیے سب سے پہلا اور ضرورت کے لیے کافی پچیس ہزار درہم یا چاندی کے ٹکڑے وظیفہ مقرر کیا۔ جنگِ بدر میں شامل ہونے والے بزرگ صحابہ میں سے ہر ایک کے لیے پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا۔ محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دیگر صحابہ کو سالانہ انعام کے طور پر تین ہزار چاندی کے ٹکڑوں سے نوازا گیا۔[423]

مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب The Hundred میں تاریخ کی سو بااثر شخصیات کا ذکر کیا ہے اور پہلے نمبر پر حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو لیا ہے اور اس کتاب میں باونویں نمبر پر حضرت عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ یہ لکھتا ہے کہ عمر بن خطاب مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ اور غالباً مسلمانوں کے سب سے عظیم ترین خلیفہ تھے۔ آپ محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے نوجوان ہم عصر اور انہی کی طرح مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپؓ کی پیدائش کا سال معلوم نہیں مگر شاید 586ء کے قریب کا زمانہ تھا۔ آغاز میں عمرؓ محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اور آپؐ کے نئے دین کے سب سے سخت دشمنوں میں سے تھے تاہم اچانک عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے بعد اس کے مضبوط ترین حمایتیوں میں سے ہو گئے۔ سینٹ پال کے عیسائی ہونے سے اس کی مشابہت حیرت انگیز ہے۔ عمرؓ بھی محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قریب ترین مشیروں میں سے ہو گئے اور آپ کی وفات تک ایسے ہی رہے۔

632ء میں محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بغیر اپنا جانشین نامزد کیے فوت ہو گئے۔ عمرؓ نے فوری طور پر ابو بکرؓ کے عہدہ خلافت کے لیے حمایت کی جو رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے قریبی ساتھی اور خسر تھے جس کی وجہ سے اقتدار کی کشمکش ٹل گئی۔ یہ تو اپنے انداز میں لکھ رہا ہے اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ کس طرح لوگوں نے اکٹھے ہو کر آپؓ کو خلیفہ منتخب کیا لیکن بہر حال دنیاوی نظر سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کے خسر کی بیعت کر لی جس کی وجہ سے اقتدار کی کشمکش ٹل گئی اور اس سے ابو بکرؓ اس قابل ہوئے کہ ان کو عام طور پر پہلا خلیفہ مانا گیا یعنی کہ محمد صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا جانشین۔

ابو بکرؓ ایک کامیاب راہنما تھے لیکن وہ صرف دو سال تک خلیفہ کے طور پر خدمت بجالانے کے بعد فوت ہوئے۔ البتہ انہوں نے اپنے بعد معین طور پر عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ عمرؓ نبی کریم صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خسر تھے اس وجہ سے ایک دفعہ پھر اقتدار کی جنگ ٹل گئی۔ پھر یہ اس کو دنیاوی رنگ دینا چاہتا ہے۔ لیکن تعریف بہر حال کر رہا ہے۔ عمر 634ء میں خلیفہ بنے اور 644ء تک اقتدار یعنی خلافت میں رہے جب انہیں ایک فارسی غلام نے مدینہ میں شہید کر دیا۔ بستر مرگ پر عمرؓ نے چھ لوگوں کی ایک کمیٹی کو مقرر کیا جو ان کا جانشین منتخب کر لیں اور اس دفعہ ایک دفعہ پھر مسلح اقتدار کی جنگ کو ٹال دیا۔ اس کمیٹی نے عثمانؓ

کو تیسرا خلیفہ مقرر کیا جنہوں نے 644ء سے 656ء تک حکومت کی۔

پھر یہ لکھتا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کا ہی دس سالہ دور خلافت تھا جس میں عربوں نے سب سے اہم فتوحات حاصل کیں۔ آپؓ کی خلافت کے تھوڑے عرصہ ہی میں عرب فوج نے شام اور فلسطین پر حملہ کیا جو اس وقت بازنطینی سلطنت کا حصہ تھے۔ جنگِ یرموک 636ء میں عربوں نے بازنطینی فوجوں کے خلاف ایسی فتح حاصل کی جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ دمشق بھی اسی سال فتح ہوا اور یروشلم نے بھی دو سال بعد ہتھیار ڈال دیے۔ 641ء تک عرب تمام فلسطین اور شام کو فتح کر چکے تھے اور موجودہ دور کے ترکی میں پیش قدمی کر رہے تھے۔ 639ء میں عرب فوجیں مصر میں داخل ہو گئیں جو کہ بازنطینی حکومت کے ہی ماتحت تھا۔ تین سال کے اندر اندر عرب مکمل طور پر مصر پر فتح پا چکے تھے۔ عراق پر عربوں کے حملے جو اس وقت فارسیوں کی ساسانی سلطنت کا ایک حصہ تھا وہ حضرت عمرؓ کے مسند خلافت پر فائز ہونے سے بھی پہلے شروع ہو چکے تھے۔ عربوں کی کلیدی فتح جنگِ قادسیہ 637ء میں کامیابی کی صورت میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ 641ء تک تمام عراق عربوں کے قبضے میں آ چکا تھا اور یہیں پر بس نہیں، عرب فوجوں نے فارس پر بھی حملہ کر دیا تھا اور نہاوند کے معرکہ میں 642ء عیسوی میں انہوں نے آخری ساسانی بادشاہوں کی فوجوں کو فیصلہ کن شکست دے دی تھی۔

جس وقت عمر کی وفات ہوئی یعنی 644ء میں مغربی ایران کا بیشتر حصہ قبضہ میں آ چکا تھا۔

حضرت عمرؓ کی وفات پر بھی عرب فوجوں کا جوش ماند نہ پڑا۔ مشرق میں انہوں نے جلد ہی فارس کی فتح مکمل کر لی جبکہ مغرب میں شمالی افریقہ میں قدم بڑھاتے رہے۔ پھر لکھتا ہے کہ جس قدر عمرؓ کی فتوحات کی وسعت کی اہمیت ہے اسی قدر ان فتوحات کی پائیداری بھی اہم ہے۔ اگرچہ ایران کی آبادی نے اسلام قبول کر لیا لیکن بالآخر انہوں نے عربوں کی حکمرانی سے آزادی حاصل کر لی لیکن شام، عراق اور مصر نے ایسا نہیں کیا۔ وہ یکسر عرب تہذیب میں ڈھل گئے اور آج تک یہی صورتحال ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ بلاشبہ عمرؓ کو پالیسیاں بنانی پڑیں تاکہ وہ اس عظیم سلطنت کا انتظام کر سکیں جو ان کی فوجوں نے فتح کی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ عربوں کو ان علاقوں میں جو انہوں نے فتح کیے ہیں ایک خصوصی فوجی مقام حاصل ہو اور وہ مقامی لوگوں سے الگ چھاؤنیوں میں رہیں۔ محکوم لوگوں کو اپنے مسلمان فاتحین کو جو زیادہ تر عرب تھے ایک جزیہ دینا ہوتا تھا۔ باقی انہیں مکمل امن و امان حاصل تھا۔ اس کے علاوہ ان پر کوئی اور ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی۔ خصوصاً انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ مندرجہ بالا بات سے یہ ثابت ہے کہ عربوں کی مہمات مقدس جنگوں سے زیادہ قومی نوعیت کی تھیں۔ اگرچہ مذہبی عنصر مکمل طور پر مفقود نہیں تھا۔ عمرؓ کی کامیابیاں بلاشبہ متاثر کن ہیں۔ محمد ﷺ کے بعد آپؓ اسلام کے پھیلاؤ میں کلیدی شخصیت تھے۔ آپؓ کی تیز رفتار فتوحات کے بغیر شاید یہ ممکن نہ ہوتا کہ اسلام اتنا پھیلتا جتنا آج وہ پھیلا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے دور میں فتح کیے گئے علاقے اب تک

عرب ہی ہیں۔ بلاشبہ محمد ﷺ جو کہ سب سے اہم محرک تھے انہی کو بہت زیادہ ترقیات کا کریڈٹ جاتا ہے مگر حضرت عمرؓ کے کردار کو نظر انداز کرنا بھی بہت بڑی غلطی ہو گی۔ آپؓ کی فتوحات محمد ﷺ کے اثر میں رہنے کی وجہ سے نتیجۃً خود بخود نہیں ہوئی تھیں کچھ وسعت تو مقدر تھی لیکن اس غیر معمولی حد تک نہیں جہاں تک عمرؓ کی شاندار قیادت میں ہوئی۔ پھر لکھتا ہے کہ شاید یہ حیرت کا موجب ہو کہ عمرؓ جو مغرب میں ایک نامعلوم شخصیت ہیں کو شارلیمن (Charlemagne) اور جولیس سیزر جیسی مشہور شخصیات سے بلند تر مرتبہ دیا جائے تاہم عمرؓ کے دور میں عربوں کی فتوحات شارلیمن اور جولیس سیزر کے مقابلے میں بلحاظ حجم اور وقت کے بہت زیادہ اہم ہیں۔[424]

پھر ایک پروفیسر ہیں فلپ۔کے۔ہٹی (Philip K. Hitti) اپنی کتاب History of the Arabs میں لکھتے ہیں کہ سادہ، کفایت شعار اور آپ ﷺ کے متحرک اور باصلاحیت جانشین عمرؓ جو کہ بلند قامت اور مضبوط جسامت والے اور سر پر کم بالوں والے تھے، آپؓ نے خلافت کے بعد کچھ وقت تک تجارت کے ذریعہ گزر بسر کی کوشش کی۔ آپؓ نے اپنی تمام عمر ایک بادیہ نشین شیخ کی طرح سادگی سے گزاری۔ درحقیقت عمر کو، جن کا نام مسلم روایات کے مطابق ابتدائے اسلام میں محمد ﷺ کے بعد سب سے عظیم تھا، مسلمان مؤرخین نے ان کے تقویٰ، انصاف اور سادگی کے لیے بطور مثال پیش کیا ہے اور خلیفہ کی شخصیت میں ہونے والی تمام خوبیوں کے طور پر پیش کیا ہے۔

پھر لکھتا ہے کہ آپؓ کا بلند و بالا کردار تمام باضمیر جانشینوں کے لیے پیروی کا نمونہ بن گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ آپؓ کے پاس صرف ایک قمیص اور ایک چوغہ تھا اور دونوں پر پیوند واضح طور پر نظر آتے تھے۔ آپؓ کھجور کے پتوں کے بستر پر سو جاتے۔ آپؓ کو ایمان کی پختگی، انصاف کی بالادستی، عربوں اور اسلام کے عروج اور سلامتی کے علاوہ کوئی اَور خیال نہ تھا۔[425]

عشرہ مبشرہ میں سے ایک

جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت عطا فرمائی تھی ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دو۔ مَیں نے اس کے لیے دروازہ کھولا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ میں نے ان کو اس بات کی بشارت دی جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی۔ انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ پھر ایک اَور شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس کے لیے دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ ہیں۔ میں نے ان کو وہ بات بتائی جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ پھر ایک اَور

شخص آیا دروازہ اس نے کھولنے کے لیے کہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دو باوجود ایک مصیبت کے جو اسے پہنچے گی۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمانؓ ہیں۔ میں نے ان کو وہ بات بتائی جو نبی ﷺ نے فرمائی تھی۔ انہوں نے بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ پھر کہا مصیبت سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔[426]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ جنتی ہیں۔ عمرؓ جنتی ہیں۔ عثمانؓ جنتی ہیں۔ یہ دس آدمیوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا تھا۔ علیؓ جنتی ہیں۔ طلحہؓ جنتی ہیں۔ زبیرؓ جنتی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہیں۔ سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہیں۔ سعید بن زیدؓ جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جراحؓ جنتی ہیں۔[427]

فضائل حضرت عمرؓ

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: ایک بار ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت ایک محل کے پاس وضو کر رہی ہے۔ **میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمر بن خطابؓ کا۔** ان کی غیرت کا مجھے خیال آیا تو میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپؓ روئے اور کہا یا رسول اللہؐ! کیا مَیں آپؐ سے غیرت کروں گا۔[428] کیوں واپس آ گئے، برکت بخشتے!

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عِلِّیِّین والوں میں سے کوئی شخص جنت والوں پر جھانکے گا تو اس کے چہرے کی وجہ سے جنت جگمگا اٹھے گی گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ **حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ان میں سے ہیں** اور وہ دونوں کیا ہی خوب ہیں۔[429]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آ رہا ہے تو حضرت ابوبکرؓ آئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آ رہا ہے تو حضرت عمرؓ آئے۔[430]

اسی طرح ایک روایت میں ہے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ **ابوبکرؓ اور عمرؓ جنت کے اوّلین اور آخرین کے تمام بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہیں** سوائے انبیاء اور مرسلین کے۔[431]

پھر حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمر بن خطابؓ اہلِ جنت کے چراغ ہیں۔[432]

حضرت عمرؓ کے مقام کے بارے میں ایک اَور جو روایت ہے وہ آنحضرت ﷺ سے یوں مروی ہے، حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو**

ضرور عمر بن خطاب ہوتے۔[433] یعنی یہ فوری بعد نبوت کی بات ہے ورنہ تو آنے والے مسیح اور مہدی کو آنحضرت ﷺ نے خود 'نبی اللہ' کہہ کر فرمایا ہے۔[434]

رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمرؓ کو محدث کہنا۔

اس بارے میں حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً پہلی امتوں میں محدثین ہوتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں۔[435]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے جو امتیں تھیں ان میں ایسے لوگ تھے جو محدث ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں سے کوئی ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ محدث وہ ہیں جن کو کثرت سے الہام اور کشوف ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا: تم سے پہلے جو بنی اسرائیل سے ہوئے ہیں ان میں ایسے آدمی آچکے ہیں جن سے اللہ کلام کیا کرتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں بھی ان میں سے کوئی ایسا ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔[436]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے اور طبع اور خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وارد کر دیتا ہے۔ جو ابراہیم کے دل کے موافق دل رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم ہے اور جو عمر فاروقؓ کا دل رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عمر فاروق ہے۔ کیا تم یہ حدیث پڑھتے نہیں کہ اگر اس امت میں بھی محدث ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے تو وہ عمرؓ ہے۔ اب کیا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ محدثیت حضرت عمرؓ پر ختم ہو گئی؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی روحانی حالت عمرؓ کی روحانی حالت کے موافق ہو گئی وہی ضرورت کے وقت پر محدث ہو گا۔" پھر آپؑ فرماتے ہیں "چنانچہ اس عاجز کو بھی ایک مرتبہ اس بارے میں الہام ہوا تھا فِيْكَ مَادَّةٌ فَارُوْقِيَّةٌ۔"[437]

مکمل الہام اس طرح ہے کہ "اَنْتَ مُحَدَّثُ اللّٰهِ۔ فِيْكَ مَادَّةٌ فَارُوْقِيَّةٌ۔" یعنی "تُو محدث اللہ ہے تجھ میں مادۂ فاروقی ہے۔"[438]

تدوین قرآن کی تجویز

جیسا کہ پہلے بھی مَیں گذشتہ کئی خطبات میں سے ایک خطبہ میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت عمرؓ نے حفاظت اور تدوین قرآن کی تجویز دی تھی۔ اس بارے میں یہاں پہ بھی ذکر کرتا ہوں۔[439] حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جنگ یمامہ میں جب ستّر حفاظِ قرآن شہید ہوئے تو اس بارے میں حضرت زید بن ثابتؓ انصاری روایت کرتے ہیں کہ جب یمامہ کے لوگ شہید کیے گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بلا بھیجا اور اس وقت ان کے پاس حضرت عمرؓ تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا یمامہ کی جنگ میں لوگ بہت

شہید ہو گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اَور لڑائیوں میں بھی قاری نہ مارے جائیں اور اس طرح قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا سوائے اس کے کہ تم قرآن کو ایک جگہ جمع کر دو اور میری یہ رائے ہے کہ آپؓ قرآن کو ایک جگہ جمع کریں۔ یعنی حضرت عمرؓ نے کہا: میری یہ رائے ہے کہ یہ قرآن کو جمع کریں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عمرؓ کو فرمایا کہ میں ایسی بات کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی۔ عمرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! آپؓ کا یہ کام اچھا ہے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ مجھے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور اب مَیں بھی وہی مناسب سمجھتا ہوں جو عمرؓ نے مناسب سمجھا یعنی اس کی تدوین ہو جانی چاہیے اور پھر زید بن ثابتؓ نے اس کی تدوین کا کام شروع کیا۔[440]

اس کی تفصیل جیسا کہ مَیں نے کہا پہلے مَیں بیان کر چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ کے قرآن کریم حفظ کرنے کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجر صحابہؓ میں سے مندرجہ ذیل کا حفظ ثابت ہے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حُذَیفہؓ، سالمؓ، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن سائبؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ۔"[441]

حضرت عمرؓ کی موافقات

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض وحییں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئیں ان کی وجہ حضرت عمرؓ کی موافقت ہے یا حضرت عمرؓ کی ان وحیوں سے موافقت ہے۔ صحاح ستہ کی روایت میں حضرت عمرؓ کی موافقات کا ذکر جن احادیث میں آیا ہے وہاں تین باتوں میں موافقت کا ذکر ملتا ہے تاہم اگر صرف صحاح ستہ کی ان روایات کو یکجائی صورت میں دیکھا جائے تو ان کی تعداد سات تک بنتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا تین باتوں میں میری رائے میرے رب کے منشا کے مطابق ہوئی۔ مَیں نے کہا یا رسول اللہؐ! اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز گاہ بنا لیں۔ یہ میں نے کہا تو آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوئی۔ اور پردے کا حکم۔ میں نے کہا تو پردے کا حکم نازل ہوا۔ مَیں نے کہا یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں کیونکہ ان سے بھلے بھی اور برے بھی باتیں کرتے ہیں تو پردے کی آیت نازل ہوئی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے بوجہ غیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایکا کیا تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں مَیں نے انہیں کہا یعنی ان بیویوں کو جن میں ان کی بیٹی بھی تھیں کہ اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دے دیں تو مجھے امید ہے کہ ان کا رب تم سے بہتر بیویاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلہ میں دے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ یعنی قریب ہے کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو اس کا رب تمہارے بدلے اس کے لیے تم سے بہتر ازواج لے آئے۔[442]

صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین

مواقع پر مَیں نے اپنے رب سے موافقت کی۔ مقام ابراہیم کے بارے میں اور پردے کے بارے میں اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔[443]

لیکن بدر کے قیدیوں کے بارے میں روایت درست نہیں ہے۔ اس پر حضرت مصلح موعودؓ نے بھی بڑی بحث کی ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی بعض ثبوتوں سے لکھا ہے۔ پرانے علماء اور مفسرین نے بھی لکھا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں کو سزا دینے والی روایت صحیح نہیں ہے اور اس کی جو تفصیل ہے مَیں پیچھے ایک خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کا منافقین کا جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں وحی قرآنی سے موافقت کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول مرا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور سے درخواست کی کہ آپؐ اس کو اپنی قمیص عطا فرمائیں تاکہ وہ اس میں اپنے باپ کو کفنائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قمیص عطا فرمائی۔ پھر اس نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ کہ تُو ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تُو ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کرے گا تو فرمایا کہ مَیں ستر سے زیادہ دفعہ استغفار کر لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ منافق ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تب اللہ عزّوجلّ نے یہ آیت اتاری وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا اور تُو ان میں سے یعنی منافقین میں سے کسی مرنے والے کی کبھی جنازے کی نماز نہ پڑھ اور کبھی ان کی قبر پر دعا کے لیے کھڑا نہ ہو۔[444]

شراب کی حرمت کے بارے میں حضرت عمرؓ کی وحی قرآنی سے موافقت کا ذکر سنن ترمذی میں ملتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے اطمینان بخش حکم بیان فرما تو سورہ بقرہ کی آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ نازل ہوئی۔ وہ تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی اور دونوں کا گناہ کا پہلو اُن کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔ جب یہ آیت نازل ہو چکی تو حضرت عمرؓ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی۔ یہ آیت سن کر عمرؓ نے پھر کہا اے اللہ! ہمارے لیے شراب کا واضح حکم بیان فرما تو سورۂ نساء کی آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم پر مدہوشی کی کیفیت ہو یہاں تک کہ اس قابل ہو جاؤ کہ تمہیں علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ عمرؓ پھر آئے اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی۔ انہوں نے پھر کہا اے اللہ! ہمارے لیے شراب کا حکم صاف صاف بیان فرما دے تو سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔
شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں ذکر الٰہی اور نماز سے باز رکھے تو کیا تم باز آ جانے والے ہو۔ عمرؓ پھر آئے اور یہ آیت پڑھ کر ان کو سنائی گئی تو انہوں نے کہا ہم باز رہے۔ ہم باز رہے۔[445]

صحاح ستہ میں مذکور ان موافقات کے علاوہ بھی سیرت نگاروں نے متعدد موافقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے بیس کے قریب موافقات کا ذکر کیا ہے۔[446]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ جانتے ہو کہ صحابہ میں کس قدر بڑا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی رائے کے موافق قرآن شریف نازل ہو جایا کرتا تھا اور ان کے حق میں یہ حدیث ہے کہ شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ دوسری یہ حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ تیسری یہ حدیث ہے کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے۔"[447]

حضرت عمرؓ کا غزوات میں مشورہ دینا اور آنحضرت ﷺ کا اسے قبول فرمانا، اس بارے میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ یا حضرت ابوسعیدؓ جو روایت کرنے والے ہیں۔ اعمش کو شک ہے کہ ان میں سے کون تھا۔ بہر حال وہ کہتے ہیں ان سے روایت ہے کہ جب غزوۂ تبوک کے دن تھے تو لوگوں کو سخت بھوک لگی انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے پانی لانے والے اونٹ ذبح کر لیں اور ہم کھائیں اور چکنائی استعمال کریں۔ آپؐ نے فرمایا کر لو۔ کہتے ہیں اس پر حضرت عمرؓ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی۔ ہاں لوگوں کو اپنا باقی ماندہ زادِ راہ لانے کا ارشاد فرمائیں۔ جو کچھ بھی کسی کے پاس کھانے کی چیز ہے وہ لے آئے۔ پھر ان کے لیے اس پر برکت کی دعا کریں۔ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت رکھ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک چمڑے کا دستر خوان منگوایا اور اسے بچھا دیا اور پھر ان کے باقی ماندہ زادِ راہ زاد منگوائے۔ جو بھی کھانے کا سامان تھا وہ منگوایا۔ راوی کہتے ہیں کوئی مٹھی بھر مکئی لایا، کوئی مٹھی بھر کھجوریں، کوئی روٹی کا ٹکڑہ وغیرہ لے آیا یہاں تک کہ اس دستر خوان پر اس میں سے کچھ تھوڑا سا اکٹھا ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا اپنے برتنوں میں لے لو۔ انہوں نے برتنوں میں اس کو لے لیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا مگر اس کو بھر لیا۔ پھر سب نے کھایا اور سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور جو شخص بغیر کسی شک کے ان دونوں شہادتوں کے ساتھ خدا سے ملے گا وہ جنت سے روکا نہیں جائے گا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔[448]

بخاری میں یہ روایت اس طرح درج ہے۔ یزید بن ابوعُبَید نے حضرت سَلَمہ بن اَکْوَعؓ سے

روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ ایک سفر میں لوگوں کے زادِ راہ کم ہو گئے اور ان کے پاس کچھ نہ رہا اور وہ نبی ﷺ کے پاس اپنے اونٹ ذبح کرنے کے لیے اجازت مانگنے آئے۔ آپؐ نے انہیں اجازت دے دی۔ پھر حضرت عمرؓ ان لوگوں سے ملے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا تو حضرت عمرؓ نے کہا اپنے اونٹوں کے بعد تم کیسے گزارہ کرو گے؟ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا یا رسول اللہؐ! وہ اپنے اونٹوں کے بعد کیسے گزارہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں منادی کرو کہ سب اپنا بچا ہوا زادِ راہ لے آئیں۔ پھر آپ ﷺ نے دعا کی اور اس زادِ راہ کو برکت دی۔ پھر ان کے برتن منگوائے اور لوگوں نے بھر بھر کر لینا شروع کیا یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مَیں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔[449]

اذان کی جو ابتدا ہوئی ہے اس بارے میں بھی حضرت عمرؓ نے خواب دیکھی تھی۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کی وحی صحابہؓ پر نازل ہوئی۔ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں عبداللہ بن زیدؓ ایک صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کے ذریعہ سے اذان سکھائی تھی اور رسول کریم ﷺ نے انہی کی وحی پر انحصار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اذان کا رواج ڈالا تھا۔ بعد میں قرآنی وحی نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے یہی اذان سکھائی تھی مگر بیس دن تک مَیں خاموش رہا اس خیال سے کہ ایک اَور شخص رسولِ کریم ﷺ سے یہ بات بیان کر چکا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ نے مجھے آکر اذان سکھائی اور مَیں اس وقت پوری طرح سویا ہوا نہیں تھا" یہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "کچھ کچھ جاگ رہا تھا۔"[450]

سنن ترمذی کی روایت ہے جو مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں لیکن یہاں بھی بیان کر دیتا ہوں۔ اس کے آخر میں جو الفاظ ہیں وہ بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک حضرت عمرؓ کے خواب کی کتنی اہمیت تھی۔ محمد بن عبداللہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور مَیں نے آپ کو خواب سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً یہ رؤیا سچی ہے۔ تم بلال کے ساتھ جاؤ۔ یقیناً وہ تم میں سے اونچی اور لمبی آواز والے ہیں۔ ان کو بتاتے جاؤ جو تمہیں بتایا گیا ہے۔ پس وہ اس کی منادی کرے۔

آپؓ یعنی عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ نے نماز کے لیے حضرت بلالؓ کی اذان سنی تو حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور آپؓ یہ کہہ رہے تھے کہ اے رسول اللہؐ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے یقیناً مَیں نے بھی وہی دیکھا ہے جیسا اس نے اذان میں کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ پس یہ بات زیادہ پختہ ہے۔[451] یعنی اب مزید تصدیق ہو گئی۔

حضرت عمرؓ حضرت رسول کریم ﷺ کا ادب اور احترام کس طرح کیا کرتے تھے۔ کیا مقام تھا

آنحضرت ﷺ کا؟ اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ یعنی حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے اور حضرت عمرؓ کے ایک اونٹ پر سوار تھے جو منہ زور تھا اور نبی ﷺ سے، ان کی سواری سے آگے بڑھ جاتا تھا۔ اور ان کے والد حضرت عمرؓ انہیں کہتے تھے کہ عبداللہ! نبی ﷺ سے آگے کسی کو بھی نہیں بڑھنا چاہیے۔ یہ تمہاری سواری جو ہے یہ آنحضرت ﷺ کی سواری سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ میرے پاس یہ فروخت کر دو۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو آپؐ ہی کا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے خرید لیا اور اس کے بعد فرمایا: عبداللہ! یہ اب تمہارا ہی ہے اس سے تم جو چاہو کام لو۔[452] لے کے پھر تحفہ دے دیا۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھل گیا تو تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی اور منبر پر کھڑے ہوئے اور موعودہ گھڑی کا ذکر کیا اور فرمایا اس میں بڑے بڑے واقعات ہوں گے۔ پھر فرمایا: جو شخص کچھ پوچھنا چاہے تو پوچھ لے۔ تم جو کچھ بھی مجھ سے پوچھو گے مَیں تمہیں بتاؤں گا جب تک کہ مَیں اپنے اس مقام میں ہوں تو لوگ بہت روئے اور آنحضرت ﷺ نے کئی دفعہ فرمایا کہ مجھ سے پوچھو۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حُذَافہ سَہْمِی اٹھے اور کہا میرا باپ کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا حُذَافہ۔ پھر آپؐ نے بہت دفعہ فرمایا کہ مجھ سے پوچھو۔ اس پر حضرت عمرؓ اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا:

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا، وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا کہ ہم راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین اور محمدؐ ہمارے نبی ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا جنت اور آگ ابھی اس دیوار کی چوڑائی میں میرے سامنے پیش کی گئی تھیں تو مَیں نے ایسا خیر و شر کبھی بھی نہیں دیکھا۔[453]

بخاری کی ہی ایک اَور روایت میں اس طرح بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے بعض ایسی باتوں کے متعلق پوچھا گیا جن کو آپؐ نے ناپسند کیا۔ جب آپ سے بہت سوال کیے گئے تو آپ ﷺ کو غصہ آیا اور آپؐ نے لوگوں سے کہا: پوچھو مجھ سے جس کے متعلق بھی چاہو۔ تب ایک شخص نے کہا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے۔ اس کے بعد ایک اَور اٹھا اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارا باپ شَیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے اس تغیر کو دیکھا جو آپؐ کے چہرے پر تھا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ عزوجل کے حضور اپنی غلطی سے رجوع کرتے ہیں۔[454]

پھر بخاری کی ہی ایک دوسری روایت بھی ہے۔ یہ زہری سے روایت ہے۔ اس میں آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن حُذافہؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے۔ پھر آپؐ نے بہت دفعہ فرمایا: پوچھو مجھ سے۔ مگر حضرت عمرؓ نے دوزانو ہو کر عرض کیا

اور انہوں نے کہا ہم راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین ہے اور محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں۔ اس پر آپؐ خاموش ہو گئے۔[455]

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اپنی بیعت کے حقیقی بیعت ہونے پر راضی ہیں۔[456]

صحیح بخاری میں ایک اَور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ ﷺ ایک بالا خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں مَیں آپؐ کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی بچھونا نہیں۔ اس لیے چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈالے ہوئے ہیں۔ ایک چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے آپ ﷺ کے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اللہ کی قسم! تین کچی کھالوں کے سوا وہاں کوئی چیز نہیں تھی جو مجھے نظر آئی ہو۔ مَیں نے آپ ﷺ سے کہا۔ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپؐ کی امت کو کشائش دے کیونکہ فارس اور روم کو بہت دولت دی گئی ہے اور انہیں دنیا ملی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ آپؐ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خطاب کے بیٹے! کیا ابھی تک تم شک میں ہو۔ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو جلدی سے اس دنیا کی زندگی میں ہی ان کے مزے کی جو چیزیں تھیں دی گئی ہیں۔ مَیں نے کہا یا رسول اللہؐ! میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔[457]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”ایک دفعہ حضرت عمرؓ آپؐ کے گھر میں گئے اور دیکھا کہ گھر میں کچھ اسباب نہیں اور آپؐ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور چٹائی کے نشان پیٹھ پر لگے ہیں۔ تب عمر کو یہ حال دیکھ کر رونا آیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے عمر! تُو کیوں روتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ آپ کی تکالیف کو دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ قیصر اور کسریٰ جو کافر ہیں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ ان تکالیف میں بسر کرتے ہیں۔ تب آنجناب نے فرمایا کہ مجھے اس دنیا سے کیا کام! میری مثال اس سوار کی ہے کہ جو شدتِ گرمی کے وقت ایک اونٹنی پر جا رہا ہے اور جب دوپہر کی شدت نے اس کو سخت تکلیف دی تو وہ اسی سواری کی حالت میں دم لینے کے لئے ایک درخت کے سایہ کے نیچے ٹھہر گیا اور پھر چند منٹ کے بعد اسی گرمی میں اپنی راہ لی۔“[458]

نبی ﷺ کا حضرت عمرؓ کو دعا کے لئے کہنا

ایک واقعہ ملتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو دعا کے لیے کہا تھا۔ حضرت عمرؓ

فرماتے ہیں کہ مَیں نے نبی کریم ﷺ سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دی اور فرمایا لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ، اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں نہ بھولنا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ اگر مجھے اس کے بدلے میں ساری دنیا بھی مل جائے تو اتنی خوشی نہ ہو۔ ایک اَور روایت میں یہ الفاظ اس طرح آتے ہیں کہ اَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ کہ اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں شامل رکھنا۔[459]

حضرت عمرؓ کا رسول اللہ ﷺ سے کس حد تک عاشقانہ تعلق تھا اس کا پتہ اس واقعہ سے ملتا ہے۔ پہلے بھی ایک خطبہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔

حضرت عائشہؓ کہتی تھیں حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے بخدا میرے دل میں یہی بات آئی تھی اور انہوں نے کہا اللہ آپؐ کو ضرور ضرور اٹھائے گا۔ یعنی آنحضرت ﷺ کو ضرور اٹھائے گا تا بعض آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ بہر حال پھر جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے سورۂ آل عمران کی آیت 145 پڑھی اور حضرت عمرؓ کو حقیقت کو سمجھنے کا کہا اور پھر معاملہ ختم ہوا۔[460]

اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"آنحضرت کی وفات پر صحابہؓ کا اجماع بھی اسی مسئلہ پر ہوا ہے کہ کُل انبیاء وفات پا گئے ہیں اور اس کی یہ وجہ ہوئی کہ آپؐ کی وفات پر حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ آپؐ ابھی زندہ ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے اور آپؓ کو اپنے اس اعتقاد پر اس قدر یقین تھا کہ آپؓ اس شخص کی گردن اڑانے کو تیار تھے جو اس کے خلاف کہے لیکن حضرت صدیقؓ جب تشریف لائے اور آپ نے کُل صحابہؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاؤں کانپ گئے اور مَیں صدمہ کے مارے زمین پر گر گیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یوں معلوم ہوا کہ جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہے اور ہم اس دن اس آیت کو بازاروں میں پڑھتے پھرتے تھے۔

پس اگر کوئی نبی زندہ موجود ہوتا تو یہ استدلال درست نہیں تھا کہ جب سب نبی فوت ہو گئے تو آپؐ کیوں فوت نہ ہوتے۔ حضرت عمرؓ کہہ سکتے تھے کہ آپؓ کیوں دھوکا دیتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ ابھی زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ وہ زندہ ہیں تو کیوں ہمارے آنحضرت ﷺ زندہ نہیں رہ سکتے؟ مگر سب صحابہؓ کا سکوت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سب صحابہ کا یہی مذہب تھا کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں۔"[461]

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے وہ تفصیل مَیں پہلے ایک خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ حضرت عمرؓ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے تھے اس بارے میں حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجرِ اسود کی طرف منہ کیا۔ پھر اپنے ہونٹ اس

پر رکھ دیے اور دیر تک روتے رہے۔ آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ کو بھی روتے پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔[462]

عابس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اس کو چوما اور کہا مَیں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہی ہے نہ نقصان دے سکتا ہے نہ نفع۔ اگر مَیں نے نبی ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے ہرگز نہ چومتا۔[463]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ طواف کر رہے تھے کہ آپؓ حجرِ اسود کے پاس سے گزرے اور آپؓ نے اس سے اپنی سوٹی ٹھکرا کر کہا کہ مَیں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے اور تجھ میں کچھ بھی طاقت نہیں مگر میں خدا کے حکم کے ماتحت تجھے چومتا ہوں۔ یہی جذبۂ توحید تھا جس نے ان کو دنیا میں سر بلند کیا۔ وہ خدائے واحد کی توحید کے کامل عاشق تھے۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے کہ اس کی طاقتوں میں کسی اَور کو شریک کیا جائے۔" یعنی خدا تعالیٰ کی طاقتوں میں۔ "بے شک وہ حجرِ اسود کا ادب بھی کرتے تھے مگر اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے اس کا ادب کرو، نہ اس لیے کہ حجرِ اسود کے اندر کوئی خاص بات ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر خدا تعالیٰ ہمیں کسی حقیر سے حقیر چیز کو چومنے کا حکم دے دے تو ہم اس کو چومنے کے لیے بھی تیار ہیں کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں کسی پتھر یا مکان کے بندے نہیں۔ پس وہ ادب بھی کرتے تھے اور توحید کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے اور یہی ایک سچے مومن کا مقام ہے۔ ایک سچا مومن بیت اللہ کو ویسا ہی پتھروں کا ایک مکان سمجھتا ہے جیسے دنیا میں اور ہزاروں مکان پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ ایک سچا مومن حجرِ اسود کو ویسا ہی پتھر سمجھتا ہے جیسے دنیا میں اور کروڑوں پتھر موجود ہیں مگر وہ بیت اللہ کا ادب بھی کرتا ہے۔ وہ حجرِ اسود کو چومتا بھی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے رب نے ان چیزوں کے ادب کرنے کا مجھے حکم دیا ہے مگر باوجود اس کے وہ اس مکان کا ادب کرتا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ حجرِ اسود کو چومتا ہے پھر بھی وہ اس یقین پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتا ہے کہ میں خدائے واحد کا بندہ ہوں کسی پتھر کا بندہ نہیں۔ یہی حقیقت تھی جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اظہار فرمایا۔ آپؓ نے حجرِ اسود کو سوٹی ماری اور کہا میں تیری کوئی حیثیت نہیں سمجھتا۔ تُو ویسا ہی پتھر ہے جیسے اور کروڑوں پتھر دنیا میں نظر آتے ہیں مگر میرے رب نے کہا ہے کہ تیرا ادب کیا جائے اس لیے مَیں ادب کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور اس پتھر کو بوسہ دیا۔"[464]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جبکہ آپؐ طائف سے واپس آنے کے بعد جِعْرَانَہ میں تھے اور عرض کیا یارسول اللہؐ! مَیں نے جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک روز اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور ایک دن کا اعتکاف کرو۔ بہرحال جو جائز نذر ہے وہ کسی بھی زمانے میں ہوا سے پورا کرنا چاہیے۔

یہ سبق آنحضرت ﷺ نے دیا۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خُمس میں سے ایک لڑکی دی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے قیدی آزاد کیے اور حضرت عمرؓ نے ان کی آوازیں سنیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے قیدی آزاد کر دیے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اے عبد اللہ! تم اس لڑکی کے پاس جاؤ جو آنحضرت ﷺ نے دی تھی اور اسے آزاد کر دو۔[465]

حضرت حُذَیفہ ؓ کو نبی کریم ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا۔ غزوۂ تبوک کے دوران کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت حُذَیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے تو اُس وقت آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کی سواری بیٹھی ہوئی تھی تو وہ کھڑی ہو گئی اور اس نے اپنی مہار کو کھینچنا شروع کر دیا۔ مَیں نے اس کی مہار پکڑ لی اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لا کر بٹھا دیا۔ پھر مَیں اس اونٹنی کے پاس بیٹھا رہا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور مَیں اس اونٹنی کو آپ کے پاس لے گیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ تو مَیں نے جواب دیا کہ حُذَیفہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَیں تمہیں ایک راز سے آگاہ کرنے والا ہوں اور تم اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ مجھے فلاں فلاں شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے منافقین کی ایک جماعت کا نام لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا جس شخص کے متعلق حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ وہ منافقین کی اس جماعت سے تعلق رکھتا ہے تو آپؓ حضرت حُذَیفہ ؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں نماز جنازہ پڑھنے کے لیے ساتھ لے جاتے۔ اگر تو حضرت حُذَیفہ ؓ آپؓ کے ساتھ چل پڑتے تو حضرت عمرؓ بھی اس شخص کا نماز جنازہ ادا کر لیتے اور اگر حضرت حُذَیفہ ؓ اپنا ہاتھ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے چھڑوا لیتے تو حضرت عمرؓ بھی اس کی نماز جنازہ ترک کر دیتے۔[466]

حضرت عمرؓ کا آنحضور ﷺ کی پیشگوئی کو ظاہراً پورا کرنے کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عمرؓ جو صدق اخلاص سے بھر گئے تھے انہوں نے یہ مزہ پایا کہ ان کے بعد خلیفہ ثانی ہوئے۔ غرض اس طرح پر ہر ایک صحابی نے پوری عزت پائی۔ قیصر و کسریٰ کے اموال اور شاہزادیاں ان کے ہاتھ آئیں۔ لکھا ہے ایک صحابی کسریٰ کے دربار میں گیا۔ ملازمان کسریٰ نے سونے چاندی کی کرسیاں بچھوا دیں اور اپنی شان و شوکت دکھائی۔ اس نے کہا کہ ہم اس مال کے ساتھ فریفتہ نہیں ہوئے۔ ہم کو تو وعدہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کے کڑے بھی ہمارے ہاتھ آ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کڑے ایک صحابی کو پہنا دیئے تا کہ وہ پیشگوئی پوری ہو۔"[467]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے کڑے ایک صحابی کو پہنائے اور جب اس نے ان کے پہننے سے انکار کیا تو اس کو آپؓ نے ڈانٹا اور

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تیرے ہاتھوں میں مجھے کسریٰ کے کڑے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک موقعہ پر کسریٰ کا تاج اور اس کا ریشمی لباس جب غنیمت کے اموال میں آیا تو حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس لباس اور اس تاج کے پہننے کا حکم دیا اور جب اس نے پہن لیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا: چند دن ہوئے کسریٰ اس لباس کو پہن کر اور اس تاج کو سر پر رکھ کر ملک ایران پر جابرانہ حکومت کرتا تھا اور آج وہ جنگلوں میں بھاگا پھر رہا ہے۔ دنیا کا یہ حال ہوتا ہے۔ اور یہ حضرت عمرؓ کا فعل ظاہر بین انسان کو شاید درست معلوم نہ ہو کیونکہ ریشم اور سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن ایک نیک بات سمجھانے اور نصیحت کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو چند منٹ کے لئے سونا اور ریشم پہنا دیا۔ غرض اصل شئے تقویٰ اللہ ہے احکام سب تقویٰ اللہ کے پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر تقویٰ اللہ کے حصول کے لئے کوئی شئے جو بظاہر عبادت معلوم ہوتی ہے چھوڑنی پڑے تو وہی کار ثواب ہو گا۔"[468]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ میں ایک کنویں پر کھڑا ڈول سے جو چرخی پر رکھا ہوا تھا پانی کھینچ کر نکال رہا ہوں۔ اتنے میں ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے ایک یا دو ڈول کھینچ کر اس طور سے نکالے کہ ان کو کھینچنے میں کمزوری تھی اور اللہ ان کی کمزوری پر پردہ پوشی کرے گا اور ان سے درگزر فرمائے گا۔ پھر عمر بن خطابؓ آئے اور وہ ڈول بڑے ڈول میں بدل گیا تو میں نے کوئی شہ زور نہیں دیکھا جو ایسا حیرت انگیز کام کرتا ہو جیسا عمرؓ نے کیا۔ اتنا پانی نکالا کہ لوگ سیر ہو گئے اور اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھے۔[469]

اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دیا

حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے۔ ایک بار میں سویا ہوا تھا کہ اس اثنا میں میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا اور مَیں نے اتنا پیا کہ مَیں نے اس کی طراوت کو اپنے ناخنوں سے پھوٹتے ہوئے دیکھا۔ پھر مَیں نے اپنا بچا ہوا دودھ حضرت عمر بن خطابؓ کو دیا۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپؐ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: علم۔[470]

حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "فضل العلم سے اس جگہ مراد علم کی فضیلت نہیں بلکہ علم کا بچا ہوا حصہ۔ فضیلت علم کے متعلق الگ باب باندھا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی رؤیا اور اس کی تعبیر سے نیز ان واقعات سے جن سے کہ اس رؤیا کی تصدیق ہوئی یہ استدلال کرنا مقصود ہے کہ دنیاوی فتوحات اور عظمت جو مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے نصیب ہوئی وہ علم نبوی کا ایک بچا ہوا حصہ تھا جو حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ سے ملا تھا۔ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو بوجہ آپ کی اس جامع حیثیت کے مجمع البحرین (دنیوی اور اخروی بہبودی کے علوم کا جامع) کہا گیا ہے...... امام بخاریؒ نے سیاست کو العلم میں شمار کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ کامل راستی لائے جو انسان کے حسنات الدارین پر حاوی ہے جیسا کہ مسیحؑ نے آپؐ کے متعلق پیشگوئی کی تھی کہ 'جب وہ روح حق آئے گی تو کامل سچائی لائے گی۔'[471]

حضرت عمرؓ کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے اس بچے ہوئے دودھ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے فیضان سے پیا۔"[472]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خواب کی حالت میں دودھ کا پیالہ ملنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد علم ہے۔"[473]

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ:

مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: مَیں سویا ہوا تھا مَیں نے لوگوں کو دیکھا کہ میرے سامنے پیش کیے گئے ہیں اور انہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی ہیں تو ان میں سے بعض کی قمیصیں چھاتیوں تک پہنچتی ہیں اور ان میں سے بعض اس کے نیچے تک اور عمرؓ بھی میرے سامنے پیش کیے گئے انہوں نے قمیص پہنی ہوئی تھی جس کو وہ گھسیٹ رہے تھے۔ صحابہ نے کہا آپؐ نے اس سے کیا مراد لی تو آپؐ نے فرمایا: دین۔[474]

آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر مختلف صحابہ کی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ میری امت میں سے اللہ کے دین میں سب سے زیادہ مضبوط عمرؓ ہیں۔[475]

حضرت مالک بن مِغْوَل سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے۔ یا فرمایا تمہارے حساب کے لیے زیادہ آسان ہے اور اپنے نفس کو تولو قبل اس کے کہ تمہیں تولا جائے اور سب سے بڑھ کر بڑی پیشی کے لیے تیاری کرو۔ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ یعنی اس دن تم پیش کیے جاؤ گے کوئی مخفی رہنے والی تم سے مخفی نہیں رہے گی۔[476]

حضرت حسنؓ کبھی حضرت عمرؓ کا ذکر کرتے تو فرماتے۔ اللہ کی قسم! اگرچہ وہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ ہی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں میں سب سے زیادہ افضل تھے لیکن وہ دنیا سے بے رغبتی میں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے معاملے میں سختی میں لوگوں پر غالب تھے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔[477]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! حضرت عمر بن خطابؓ اسلام لانے میں ہم سے مقدم نہ تھے لیکن مَیں نے جان لیا کہ آپ کس چیز میں ہم سے افضل تھے۔ آپؓ ہمارے مقابلے میں سب سے زیادہ زاہد اور دنیا سے بے رغبت تھے۔[478]

ہِشام بن عُروۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام تشریف

لائے تو آپؓ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ ایک موٹی اور سُنبُلَانِی قمیص تھی۔ سُنبُلَانِی ایسی قمیص جو اتنی لمبی ہو کہ زمین کے ساتھ لگ رہی ہو اور اس طرح کی قمیص روم کی طرف بھی منسوب کی جاتی ہے۔ بہر حال آپؓ نے اس قمیص کو اَذرِعَات یا اَیلَہ والوں کی طرف بھیجا۔ اَیلہ شام کی طرف ایک شہر ہے اور شام کے ساتھ بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ایک شہر ہے۔ بہر حال راوی کہتے ہیں کہ پس اس نے اس قمیص کو دھویا اور اس میں پیوند لگا دیا اور حضرت عمرؓ کے لیے قُبْطری قمیص بھی تیار کر دی۔ قُبْطری کَتَّان سے بنا ہوا سفید باریک کپڑا ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں قمیصوں کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپؓ کے سامنے قُبْطری قمیص پیش کی۔ حضرت عمرؓ نے اس قمیص کو پکڑا اور اس کو چھوا اور فرمایا: یہ زیادہ نرم ہے اور اس کو اسی آدمی کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: مجھے میری قمیص دے دو کیونکہ وہ قمیصوں میں سے پسینہ کو زیادہ چوسنے والی ہے۔[479]

پھٹی ہوئی جو تم نے مرمت کی ہے وہی بہتر ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو اس وقت دیکھا جب آپؓ امیر المومنین تھے کہ آپؓ کے کندھوں کے درمیان قمیص میں تین چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ کے کندھوں کے درمیان قمیص میں چار چمڑے کے پیوند دیکھے۔[480]

حضرت حفصہ بنتِ عمرؓ <u>حضرت عمرؓ کی دنیا سے بے رغبتی اور زہد کا ذکر کرتے ہوئے</u> بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنے والد بزرگوار سے کہا اے امیر المومنین! اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس طرح مخاطب کیا کہ اے میرے باپ! اللہ نے رزق کو وسیع کیا ہے اور آپ کو فتوحات عطا کی ہیں اور کثرت سے مال عطا کیا ہے کیوں نہ آپ اپنے کھانے سے زیادہ نرم غذا کھایا کریں اور اپنے اس لباس سے زیادہ نرم لباس پہنا کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تم سے ہی اس امر کا فیصلہ چاہوں گا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو زندگی میں کتنی سختیاں گزارنی پڑیں۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؓ مسلسل حضرت حفصہؓ کو یہ یاد دلاتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ کو رلا دیا۔

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جہاں تک مجھ میں طاقت ہو گی میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کی زندگیوں کی سختی میں شامل رہوں گا تا کہ شاید میں ان دونوں کی راحت کی زندگی میں بھی شریک ہو جاؤں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ اے حفصہ بنت عمر! تم نے اپنی قوم کی خیر خواہی تو کی ہے لیکن اپنے باپ کی خیر خواہی نہیں کی۔ تم نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ یہ ہو گا تو قوم کی بہتر خدمت کروں گا لیکن میری خیر خواہی نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا کہ میرے خاندان والوں کا صرف میری جان اور میرے مال پر حق ہے لیکن میرے دین اور میری امانت میں ان کا کوئی حق نہیں۔[481]

یعنی جو امانت میں ادا کر رہا ہوں اور جس طرح ادا کر رہا ہوں، اس میں مجھے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس بات میں، اس بارے میں کہنا تمہارا کوئی حق نہیں۔ حضرت عکرمہ بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عبداللہؓ اور ان کے علاوہ کچھ اَور لوگوں نے حضرت عمرؓ سے بات کرتے ہوئے کہا۔ اگر آپؓ زیادہ عمدہ غذا کھائیں تو حق کے لیے کام کرنے پر آپؓ زیادہ قوی ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم سب کی یہی رائے ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری خیر خواہی سمجھ گیا ہوں لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کو اس راستے پر چھوڑا ہے کہ اگر میں نے ان دونوں کا وہ راستہ چھوڑ دیا تو میں ان دونوں سے منزل میں نہیں مل سکوں گا۔[482]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خوف و خطر کا زمانہ تھا۔ اس وقت جو آپ نے مسلمانوں کو احکام دیے تھے ہم ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کا اپنا طریق بھی یہ تھا اور ہدایت بھی آپ نے یہ کر رکھی تھی کہ ایک سے زیادہ سالن استعمال نہ کیا جائے۔ حضرت مصلح موعودؓ اپنے ایک خطبہ میں تحریکِ جدید کے سلسلہ میں ہی یہ ذکر کر رہے ہیں۔ بہر حال فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ ایک سے زیادہ سالن استعمال نہ کیا جائے اور اس پر اتنا زور دیتے تھے کہ بعض صحابہ نے اس میں غلو کر لیا۔ انتہا سے بڑھ گئے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے سرکہ اور نمک رکھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ یہ دو کھانے کیوں رکھے گئے ہیں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کھانے کا حکم دیا ہے۔ آپؓ سے عرض کیا گیا، لوگوں نے حضرت عمرؓ کو کہا یہ دو نہیں بلکہ نمک اور سرکہ دونوں مل کر ایک سالن ہوتا ہے۔ مگر آپؓ نے کہا نہیں۔ یہ دو ہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبہ کی وجہ سے غلو کا پہلو رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشا نہ تھا لیکن اس مثال سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے دیکھ کر کہ مسلمانوں کو سادگی کی ضرورت ہے اس کی کس قدر تاکید کی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ والا مطالبہ مَیں نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ نمک ایک سالن ہے اور سرکہ دوسرا مگر یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ آج سے تین سال کے لیے جس کے دوران میں ایک ایک سال کے بعد دوبارہ اعلان کرتا رہوں گا تا کہ اگر ان تین سالوں میں حالت خوف بدل جائے تو احکام بھی بدلے جاسکیں۔ ہر احمدی جو اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہے یہ اقرار کرے کہ وہ آج سے صرف ایک سالن استعمال کرے گا۔ روٹی اور سالن یا چاول اور سالن۔ یہ دو چیزیں نہیں بلکہ دونوں مل کر ایک ہوں گے لیکن روٹی کے ساتھ دو سالن ہوں یا چاولوں کے ساتھ دو سالنوں کی اجازت نہ ہو گی۔[483]

یہ اس زمانے کی بات ہے جب تحریک جدید کا اعلان فرمایا تھا اور اس وقت جماعت کو ضرورت تھی تو تحریک کی کہ اپنے خرچ کم کر کے چندہ دو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب حالات مختلف ہیں۔ اس لیے یہ

پابندی نہیں ہے لیکن پھر بھی اسراف سے کام نہیں لینا چاہیے۔

حضرت مصلح موعود آیت وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان:68) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی عبدالرحمٰن بننا چاہے تو اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے وقت دو باتوں کا لحاظ کرے۔ اوّل یہ کہ وہ اپنے مال میں اسراف نہ کرے۔ اس کا کھانا صرف تکلّف اور مزے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ قوت طاقت اور بدن کو قائم رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا پہننا آرائش کے لیے نہیں ہوتا بلکہ بدن کو ڈھانکنے اور خدا تعالیٰ نے جو اسے حیثیت دی ہے اس کے محفوظ رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ وہ اسی طرح کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ ملک شام کو تشریف لے گئے وہاں بعض صحابہ نے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (ریشمی کپڑوں سے مراد وہ کپڑے ہیں جس میں کسی قدر ریشم تھا ورنہ خالص ریشم کے کپڑے سوائے کسی بیماری کے مردوں کو پہننے منع ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ان لوگوں پر خاک پھینکو یعنی بُرا منایا اور ان سے کہا کہ تم اب ایسے آسائش پسند ہو گئے ہو کہ ریشمی کپڑے پہنتے ہو۔ اس پر ان صحابہ میں سے ایک نے کرتہ اٹھا کر دکھایا تو معلوم ہوا کہ اس نے نیچے موٹی اون کا سخت کرتہ پہنا ہوا تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ ہم نے ریشمی کپڑے اس لیے نہیں پہنے کہ ہم ان کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس لیے کہ اس ملک کے لوگوں کی طرز ہی ایسی ہے۔ اور یہ بچپن سے ایسے امراء کو دیکھنے کے عادی ہیں جو نہایت شان و شوکت سے رہتے تھے۔ پس ہم نے بھی ان کی رعایت سے اپنے لباسوں کو ملکی سیاست کے طور پر بدلا ہے ورنہ ہم پر ان کا کوئی اثر نہیں۔ پس صحابہ کا عمل بتاتا ہے کہ اسراف سے کیا مراد ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ مال ایسی اشیاء پر نہ خرچ کرے جن کی ضرورت نہیں اور جن کا مدعا صرف آرائش اور زیبائش ہو۔ غرض خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عبادالرحمٰن وہ ہوتے ہیں جو اپنے مالوں میں اسراف نہیں کرتے۔

جو مالوں میں اسراف نہ کرتے ہوں وہ اپنے مالوں کو ریا اور دکھاوے کے لیے خرچ نہ کرتے ہوں بلکہ فائدہ اور نفع کے لیے صرف کرتے ہوں۔ پھر اپنے مالوں کو ایسی جگہ دینے سے نہ روکیں جہاں دینا ضروری ہو اور ان کا قوّام ہو یعنی درمیانی ہو (اس فائدہ کا ذریعہ بن رہا ہو) نہ اپنے مالوں کو اس طرح لوٹائیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے ماتحت نہ ہو اور نہ اس طرح روکیں کہ جائز حقوق کو بھی ادا نہ کریں۔ یہ دو شرطیں عبادالرحمٰن کے لیے مال خرچ کرنے کے متعلق ہیں لیکن بہت لوگ ہیں جو یا تو اسراف کی طرف چلے جاتے ہیں یا بخل کی طرف چلے جاتے ہیں۔[484]

حضرت عمرؓ دکھاوے اور شان و شوکت والے لباس کے اس قدر خلاف تھے کہ مفتوح دشمن کے لیے بھی یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ کوئی ایسا لباس پہن کے ان کے سامنے آئے جو شان و شوکت والا ہو۔ چنانچہ فارسیوں کے سپہ سالار ہُرْمُزَان کے واقعہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ یہ تفصیل تو مَیں پہلے

بیان کر چکا ہوں۔ اس جگہ میں کچھ تھوڑا سا حصہ واضح کرنے کے لیے بیان کرتا ہوں۔ جب تُسْتُر کی فتح کے وقت فارسیوں کے سپہ سالار ھُرْمُزَان نے ہتھیار پھینک دیے اور خود کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور اسے حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا گیا تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے جو مسلمان لے جانے والے تھے انہوں نے اسے اس کا ریشمی لباس پہنا دیا تا کہ حضرت عمرؓ اور مسلمان اس کی اصل ہیئت کو دیکھ سکیں۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا ھُرْمُزَان ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو اور اس کے لباس کو بغور دیکھا اور کہا میں آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔ قافلہ کے لوگوں نے کہا کہ یہ ہُرْمُزَان ہے۔ اس سے بات کر لیں۔ آپ نے کہا ہر گز نہیں یہاں تک کہ وہ اپنا زرق برق لباس اور زیورات اتار دے۔ یہ سب کچھ اتارا گیا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس سے بات کی۔[485]

حضرت عمرؓ کی عاجزی اور تقویٰ کے معیار کے بارے میں اس بات سے اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عُروَہ بن زُبیرؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے عمر بن خطابؓ کو کندھے پر پانی کا ایک مشکیزہ اٹھائے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپؓ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ جب وفود اطاعت اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے پاس آئے، مختلف قوموں کے وفد جب اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئے تو میرے دل میں اپنی بڑائی کا احساس ہوا۔ اس لیے میں نے اس بڑائی کو توڑنا ضروری سمجھا۔[486]

یہ بڑائی کیوں پیدا ہوئی؟ اس لیے میں نے سوچا کہ میں پھر اس کو اس طرح توڑوں کہ پانی کا مشکیزہ اٹھا کے لے کے جاؤں۔ حضرت یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مکہ سے قافلے کی صورت میں واپس آ رہے تھے یہاں تک کہ ہم ضَجْنَان کی گھاٹیوں میں پہنچے تو لوگ رک گئے۔ ضَجْنَان مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے اس جگہ پر وہ وقت بھی یاد ہے جب میں اپنے والد خطاب کے اونٹ پر ہوتا تھا اور وہ بہت سخت طبیعت کے انسان تھے۔ ایک مرتبہ میں ان اونٹوں پر لکڑیاں لے کر جاتا تھا اور دوسری مرتبہ ان پر گھاس لے کر جاتا تھا۔ آج میرا یہ حال ہے کہ لوگ میرے علاقے کے دُور دراز میں سفر کرتے ہیں اور میرے اوپر کوئی نہیں۔ یعنی میں ایک وسیع و عریض علاقے کا حاکم ہوں جس میں لوگ دُور دور تک سفر کرتے ہیں اور مجھ سے ملنے آتے ہیں اور میرے اوپر دنیا کا کوئی حکمران نہیں ہے جو مجھ پر حکومت کرتا ہو۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

لَا شَیْءَ فِیْمَا تَرٰی اِلَّا بَشَاشَتَہ   یَبْقَی الْاِلٰہُ وَیُوْدِی الْمَالُ وَالْوَلَد

یعنی جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں سوائے ایک عارضی خوشی کے۔ صرف خدا کی ذات باقی رہے گی جبکہ مال اور اولاد فنا ہو جائے گی۔[487]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس بارے میں فرماتے ہیں "حضرت عمرؓ حج سے آتے ہوئے ایک درخت کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حذیفہ جو بے تکلف تھا اس نے جرأت کی اور وجہ پوچھی آپؓ نے فرمایا کہ ایک وقت تھا کہ جب میں اپنے ایک اونٹ کو چراتا تھا اور اس درخت کے نیچے میرے والد نے مجھے بہت زجر و توبیخ کی تھی اور اب یہ وقت ہے کہ اونٹ تو کیا کئی لاکھ آدمی میری آنکھ کے اشارے پر جان دینے کو تیار ہیں۔"[488]

اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اونٹوں کے چرانے والا ایک شخص عظیم الشان بادشاہ بن گیا اور صرف دنیاوی بادشاہ نہیں بنا بلکہ روحانی بھی۔ یہ حضرت عمرؓ تھے جو ابتدائے عمر میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حج کو گئے تو راستہ میں ایک مقام پر کھڑے ہو گئے۔ دھوپ بہت سخت تھی جس سے لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی لیکن کوئی یہ کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ آپؓ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آخر ایک صحابی کو جو حضرت عمرؓ کے بڑے دوست تھے اور جن سے آپ فتنہ کے متعلق پوچھا کرتے تھے لوگوں نے کہا کہ آپ ان سے پوچھیں" حضرت عمرؓ سے پوچھیں "کہ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ انہوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آگے چلئے یہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔" حضرت عمرؓ نے "فرمایا کہ میں یہاں اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ ایک دفعہ میں اونٹ چرانے کی وجہ سے تھک کر اس درخت کے نیچے لیٹ گیا تھا۔ میرا باپ آیا اور اس نے مجھے مارا کہ کیا تجھے اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر سو رہنا۔ تو ایک وقت میں میری یہ حالت تھی لیکن میں نے رسول کریم ﷺ کو قبول کیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے یہ درجہ دیا کہ آج اگر لاکھوں آدمیوں کو کہوں تو وہ میری جگہ جان دینے کو تیار ہیں۔ اس واقعہ سے اور نیز اس قسم کے اَور بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کس حالت میں تھے اور رسول کریمؐ کی اتباع سے ان کی کیا حالت ہو گئی اور انہوں نے وہ درجہ اور علم پایا جو کسی کو حاصل نہ تھا۔ "حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "یہ قصہ میں نے اس لئے سنایا ہے کہ دیکھو ایک اونٹ چرانے والے کو دین اور دنیا کے وہ وہ علم سکھائے گئے جو کسی کو سمجھ نہیں آ سکتے۔ ایک طرف اونٹ یا بکریاں چرانے کی حالت کو دیکھو کیسی علم سے دور معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف اس بات پر غور کرو کہ اب بھی جبکہ یورپ کے لوگ ملک داری کے قوانین سے نہایت واقف اور آگاہ ہیں حضرت عمرؓ کے بنائے ہوئے قانون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک اونٹ کا چرواہا اور سلطنت کیا تعلق رکھتے ہیں؟ لیکن دیکھو کہ انہوں نے وہ کچھ کیا کہ آج دنیا ان کے آگے سر جھکاتی ہے اور ان کی سیاست دانی کی تعریف کرتی ہے۔ پھر دیکھو حضرت ابو بکرؓ ایک معمولی تاجر تھے لیکن اب دنیا حیران ہے کہ ان کو یہ فہم، یہ عقل اور یہ فکر کہاں سے مل گیا۔ میں بتاتا ہوں کہ ان کو قرآن شریف سے سب کچھ ملا۔ انہوں نے قرآن شریف پر غور کیا اس لئے ان کو وہ کچھ آ گیا جو تمام دنیا کو نہ آتا تھا کیونکہ قرآن شریف ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جب اس کے ساتھ دل کو صیقل کیا جائے تو ایسا صاف ہو جاتا ہے کہ تمام دنیا کے علوم اس

میں نظر آجاتے ہیں اور انسان پر ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے کہ پھر کسی کے روکے وہ علوم جو اس کے دل پر نازل کئے جاتے ہیں نہیں رک سکتے۔ پس ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کو پڑھنے اور غور کرنے کی کوشش کرے۔"[489]

حضرت عمرؓ کی عاجزی اور انکساری کے بارے میں ایک روایت میں اس طرح ذکر ملتا ہے۔ جُبَیر بن نُفَیر سے روایت ہے کہ ایک جماعت نے عمر بن خطاب سے کہا اے امیر المومنین! اللہ کی قسم ہم نے کسی شخص کو آپ سے زیادہ انصاف کرنے والا، زیادہ حق گو اور منافقین پر سختی کرنے والا نہیں دیکھا۔ بیشک آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔ عوف بن مالک نے اس کہنے والے شخص کو کہا کہ اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے۔ یقیناً ہم نے نبی کریم ﷺ کے بعد ان سے بہتر کو دیکھا ہے یعنی حضرت عمرؓ سے بہتر کو بھی دیکھا۔ تو حضرت عمرؓ نے پوچھا اے عوف! وہ کون ہے تو انہوں نے کہا ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا عوف نے سچ بولا اور اس شخص کو کہا کہ تم نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم! ابو بکرؓ مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے اونٹوں سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہوں۔[490]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "حدیثوں میں آتا ہے کہ **ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی کسی بات پر تکرار ہو گئی۔** یہ تکرار بڑھ گئی۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت تیز تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے مناسب سمجھا کہ وہ اس جگہ سے چلے جائیں تا کہ جھگڑا خواہ مخواہ زیادہ نہ ہو جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جانے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکرؓ کا کرتہ پکڑ لیا کہ میری بات کا جواب دے کر جاؤ۔ جب حضرت ابو بکرؓ اس کو چھڑا کر جانے لگے تو آپ کا کرتہ پھٹ گیا۔ آپ وہاں سے اپنے گھر کو چلے آئے لیکن حضرت عمرؓ کو شبہ پیدا ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ رسول کریم ﷺ کے پاس میری شکایت کرنے گئے ہیں۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑے تا کہ میں بھی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کر سکوں لیکن راستے میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

حضرت عمرؓ یہی سمجھے کہ آپ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں شکایت کرنے گئے ہیں وہ بھی سیدھے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے۔ وہاں جا کر دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ موجود نہ تھے لیکن چونکہ ان کے دل میں ندامت پیدا ہو چکی تھی اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں ابو بکرؓ سے سختی سے پیش آیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا کوئی قصور نہیں۔ میرا ہی قصور ہے۔

جب حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ کو جا کر کسی نے بتایا کہ حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ کے پاس آپ کی شکایت کرنے گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مجھے بھی اپنی براءت کے لئے جانا چاہئے تا کہ یکطرفہ بات نہ ہو جائے اور میں بھی اپنا نقطہ نگاہ پیش کر سکوں۔ جب حضرت ابو بکرؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں مجلس میں پہنچے تو حضرت عمرؓ عرض کر رہے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے حضرت ابو بکرؓ سے تکرار کی اور ان کا

کرتہ مجھ سے پھٹ گیا۔ جب رسول کریم ﷺ نے یہ بات سنی تو غصہ کے آثار آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب ساری دنیا میرا انکار کرتی تھی اور تم لوگ بھی میرے مخالف تھے اس وقت ابو بکرؓ ہی تھا جو مجھ پر ایمان لایا اور ہر رنگ میں اس نے میری مدد کی۔ پھر افسردگی کے ساتھ فرمایا کیا اب بھی تم مجھے اور ابو بکرؓ کو نہیں چھوڑتے؟ آپ یہ فرما رہے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ داخل ہوئے۔ یہ ہوتا ہے سچے عشق کا نمونہ کہ بجائے یہ عذر کرنے کے کہ یا رسول اللہؐ! میرا قصور نہ تھا عمرؓ کا قصور تھا۔" حضرت ابو بکر جب داخل ہوئے اور "آپؐ نے جب دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کے دل میں خفگی پیدا ہو رہی ہے آپؐ سچے عاشق کی حیثیت سے برداشت نہ کر سکے کہ میری وجہ سے رسول کریم ﷺ کو تکلیف ہو۔" اس لئے حضرت ابو بکرؓ "آتے ہی رسول کریم ﷺ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! عمر کا قصور نہیں تھا میرا قصور تھا۔"[491]

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں سے عورت کے جنین کے اِسقاط کی صورت میں اس کی دیت کے بارے میں مشورہ کیا۔ مُغیرہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک غلام یا لونڈی کی قیمت بطور دیت ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ایسا شخص لاؤ جو تمہارے ساتھ اس بات کی گواہی دے۔ پھر محمد بن مَسْلَمہ نے گواہی دی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ ﷺ نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔[492]

یعنی کسی ظلم کی وجہ سے یا زبردستی کسی عورت کا اِسقاط ہو جائے یا کروایا جائے تو پھر اس کی دیت دینی ضروری ہے اور جس نے یہ ظلم کیا ہو وہ دیت دے گا اور ایک لونڈی یا غلام آزاد کرے گا۔

حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے پاس حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے کہا السلام علیکم۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ عمرؓ نے دل میں کہا ابھی تو ایک بار اجازت طلب کی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر انہوں نے کہا السلام علیکم۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ عمرؓ نے دل میں کہا یعنی جواب دل میں دیا اور پھر کہا کہ ابھی دو ہی بار اجازت طلب کی ہے۔ تھوڑی دیر مزید خاموش رہ کر انہوں نے پھر کہا السلام علیکم۔ کیا مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت ہے؟ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تین بار اجازت طلب کر چکے تو پھر واپس ہو لیے۔ جب تین بار انہوں نے اجازت لے لی اور حضرت عمرؓ کا جواب نہیں سنا تو واپس چلے گئے۔

عمرؓ نے دربان سے کہا ابو موسیٰ نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ لَوٹ گئے ہیں۔ عمرؓ نے کہا کہ انہیں بلا کر میرے پاس لاؤ۔ پھر جب وہ ان کے پاس آئے تو حضرت عمرؓ نے کہا یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے سنت پر عمل کیا ہے۔ عمرؓ نے کہا سنت پر؟ قسم اللہ کی تمہیں اس کے سنت ہونے پر دلیل اور ثبوت پیش کرنا ہو گا ورنہ میں تمہارے ساتھ سخت برتاؤ کروں گا۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ پھر وہ ہمارے پاس آئے۔ اس وقت ہم انصار کی ایک جماعت کے ساتھ

تھے۔ ابو موسیٰ اشعری نے کہا اے انصار کی جماعت! کیا تم رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو دوسرے لوگوں سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ؟ یعنی اجازت طلبی تین بار ہے۔ اگر تمہیں اجازت دے دی جائے تو گھر میں جاؤ اور اگر اجازت نہ دی جائے تو لَوٹ جاؤ۔ یہ سن کر لوگ ان سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا سر ابوموسیٰ اشعری کی طرف اونچا کر کے کہا اس سلسلہ میں جو بھی سزا آپ کو ملے گی میں اس میں حصہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں پھر وہ یعنی ابوسعید، عمرؓ کے پاس آئے اور ان کو اس حدیث کی خبر دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھیک ہے مجھے اس حدیث کا علم نہیں تھا اور اب مجھے علم ہو گیا ہے۔[493]

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سمیت اَور لوگ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے مگر آپ کو واپسی میں دیر ہو گئی اور ہم ڈرے کہ آپ ہم سے کٹ نہ جائیں اور ہم گھبرا گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے مجھے فکر پیدا ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈنے کے لیے باہر نکل پڑا یہاں تک کہ میں انصار کے ایک باغ کے پاس آیا جو بنو نجار کا تھا۔ میں نے اس کے گرد چکر لگایا کہ دروازہ ڈھونڈوں مگر میں نے دروازہ نہ پایا پھر دیکھا کہ پانی کا ایک بڑا نالہ باہر ایک کنویں سے باغ کے اندر جاتا ہے تو کہتے ہیں میں اس میں لومڑی کے سمٹنے کی طرح سمٹ کر نالے کے ذریعہ سے داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا گیا۔ آپؐ نے پوچھا ابوہریرہ؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہؐ! فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا آپؐ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے مگر واپسی میں آپ کو دیر ہو گئی تو ہم ڈر گئے کہ آپ ہم سے کٹ نہ جائیں تو ہم گھبرا گئے۔ سب سے پہلے مجھے فکر پیدا ہوئی اور میں اس باغ کے پاس آیا اور لومڑی کی طرح سمٹ کر اس میں داخل ہوا اور وہ لوگ میرے پیچھے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے جوتے دیے اور آپؐ نے فرمایا اے ابوہریرہ! میرے یہ دونوں جوتے لے جاؤ اور جو کوئی اس باغ کے پرے تمہیں ملے اور یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں اور دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو تو اس بات پہ اسے جنت کی بشارت دے دو۔

کہتے ہیں: میں جب گیا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے۔ انہوں نے کہا اے ابوہریرہ! یہ جوتے کیسے ہیں؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے ہیں اور آپ ﷺ نے یہ نشانی کے طور پر مجھے دیے ہیں اور ان دونوں کے ساتھ بھیجا ہے کہ میں جس سے ملوں اور وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور دل سے اس پر یقین رکھتا ہو تو میں اسے جنت کی بشارت دوں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت عمرؓ نے غصہ میں زور سے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور میں پشت کے بل گرا۔ انہوں نے کہا اے ابوہریرہ! واپس جاؤ۔ خیر کوئی ضرورت نہیں کسی کو کچھ کہنے کی۔ کہتے ہیں مَیں رسول اللہ ﷺ کے پاس

واپس گیا اور رونے ہی لگا تھا کہ حضرت عمرؓ بھی میرے پیچھے پیچھے آ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا میں عمر سے ملا تھا اور ان سے جو آپؐ نے مجھے دے کر بھیجا تھا بیان کیا تو عمر نے مجھے سینے پر زور سے ہاتھ مارا۔ میں پشت کے بل گر گیا۔ انہوں نے کہا واپس جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ کیا آپؐ نے اپنی جوتیوں کے ساتھ ابوہریرہ کو بھیجا تھا کہ جو اسے ملے اور گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا دل اس بات پر یقین رکھتا ہو تو اسے جنت کی بشارت دے دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ایسا نہ کیجیے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ پھر اسی پر بھروسہ کرنے لگ جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ ان کو عمل کرنے دیں وہ عمل کریں اور نیکیوں کا جو حکم ہے، احکامات ہیں ان پر عمل کرنے دیں تا کہ وہ حقیقی مومن بنیں۔ نہیں تو یہ صرف اسی بات پر قائم ہو جائیں گے کہ لا الٰہ الّا اللہ کہنا ہی جنت کی بشارت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا رہنے دو۔[494] ٹھیک ہے، اسی طرح کرتے ہیں۔ بڑی محتاط طبیعت تھی حضرت عمرؓ کی۔

حضرت عمرؓ سے ڈر کر شیطان بھی بھاگتا ہے اس بارے میں بھی بعض روایات ہیں۔ صحیح بخاری میں ایک روایت ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آنے کی اجازت مانگی اور اس وقت آپ کے پاس قریش کی کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آپ سے باتیں کر رہی تھیں اور آپ سے زیادہ خرچ مانگ رہی تھیں۔ ان کی آواز آپ کی آواز سے اونچی تھی۔ جب حضرت عمر بن خطاب نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو وہ اٹھ کر جلدی سے پردے میں چلی گئیں اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو آنے کی اجازت دی۔ حضرت عمرؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عورتوں سے متعجب ہوں جو میرے پاس تھیں۔ جب انہوں نے آپ کی آواز سنی جلدی سے پردے میں چلی گئیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! حالانکہ آپ زیادہ لائق ہیں کہ آپ سے ڈریں۔ پھر حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مخاطب کیا اونچی آواز میں اور کہنے لگے: اے اپنی جانوں کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں۔ وہ بولیں ہاں آپ تو بڑے سخت مزاج اور سخت دل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خطاب کے بیٹے سنو۔ اسی ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ شیطان جب کبھی بھی تمہارے راستے پر چلتے ہوئے ملا ہے تو ضرور ہی اس نے اپنا وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ لیا ہے۔[495]

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ہم نے شور سنا اور بچوں کی آوازیں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ وہاں حبشہ کی ایک عورت تھی جو ناچ کر کرتب دکھا رہی تھی اور بچے اس کے اردگرد جمع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ آجاؤ اور دیکھ لو۔

میں آئی اور اپنی ٹھوڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھ کر دیکھنے لگی۔ میری ٹھوڑی آپ کے سر اور کندھے کے درمیان تھی۔ پھر آپ مجھ سے فرمانے لگے کیا تم سیر نہیں ہوئی؟ میں نے کہا ابھی نہیں تا کہ میں دیکھوں کہ آپ کو میری کتنی قدر ہے۔ جب حضرت عمرؓ آئے تو لوگ اس عورت کے پاس سے بھاگ گئے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ جن و انس کے شیطان عمر سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں پھر میں وہاں سے لوٹ آئی۔[496]

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کے لیے نکلے۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام لونڈی نے آ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی سے واپس لے آیا تو میں آپؐ کے سامنے دف بجا کر گانا گاؤں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے نذر مانی ہے تو بجالو ورنہ نہیں۔

چنانچہ وہ دف بجانے لگی اور حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے۔ وہ دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت علیؓ آئے تو وہ دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے تو پھر بھی دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے تو اس نے دف اپنے نیچے رکھ لی اور اس کے اوپر بیٹھ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! شیطان بھی تجھ سے ڈرتا ہے۔ میں بیٹھا تھا تو یہ دف بجاتی رہی۔ پھر ابو بکر آئے یہ دف بجاتی رہی۔ پھر علی آئے تو بھی بجاتی رہی۔ پھر عثمان آئے تو یہ بجاتی رہی مگر اے عمر! جب تم آئے ہو تو اس نے دف رکھ دی ہے۔[497]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو کہا تھا کہ اگر شیطان تجھ کو کسی راہ میں پاوے تو دوسری راہ اختیار کرے اور تجھ سے ڈرے اور اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان حضرت عمرؓ سے ایک نامرد ذلیل کی طرح بھاگتا ہے۔"[498]

حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر حق اور سکینت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری کر دیا۔[499]

حضرت ابن عباسؓ اپنے بھائی فضل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمر بن خطاب میرے ساتھ ہوتا ہے جہاں میں پسند کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں وہ پسند کرتا ہے اور میرے بعد عمر بن خطاب جہاں ہوگا حق اس کے ساتھ رہے گا۔[500]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ سکینت حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری ہوتی ہے۔[501]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی سے کہا کہ میرا سامانِ سفر باندھنا شروع کرو۔ انہوں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا اور حضرت عائشہؓ سے کہا میرے

لئے ستو وغیرہ یا دانے وغیرہ بھون کر تیار کرو۔ اسی قسم کی غذائیں ان دنوں میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مٹی وغیرہ پھٹک کے دانوں سے نکالنی شروع کی۔ حضرت ابو بکرؓ گھر میں بیٹی کے پاس آئے اور انہوں نے یہ تیاری دیکھی تو پوچھا عائشہؓ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا رسول اللہؐ کے کسی سفر کی تیاری ہے؟ کہنے لگیں سفر کی تیاری ہی معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ نے سفر کی تیاری کے لئے کہا ہے۔ کہنے لگے کوئی لڑائی کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کچھ پتہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرا سامان سفر تیار کرو اور ہم ایسا کر رہے ہیں۔ دو تین دن کے بعد آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور کہا دیکھو! تمہیں پتہ ہے خُزاعہ کے آدمی اس طرح آئے تھے اور پھر بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے اور مجھے خدا نے اس واقعہ کی پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے غداری کی ہے۔" یعنی مکہ والوں نے غداری کی ہے "اور ہم نے ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔ اب یہ ایمان کے خلاف ہے کہ ہم ڈر جائیں اور مکہ والوں کی بہادری اور طاقت دیکھ کر ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو جائیں تو ہم نے وہاں جانا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟

حضرت ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ نے تو ان سے معاہدہ کیا ہوا ہے اور پھر وہ آپؐ کی اپنی قوم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپؐ اپنی قوم کو ماریں گے؟" آنحضرت ﷺ نے "فرمایا ہم اپنی قوم کو نہیں ماریں گے۔ معاہدہ شکنوں کو ماریں گے۔ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا بسم اللہ! میں تو روز دعائیں کرتا تھا کہ یہ دن نصیب ہو اور ہم رسول اللہؐ کی حفاظت میں کفار سے لڑیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ابو بکرؓ بڑا نرم طبیعت کا ہے مگر قول صادق عمرؓ کی زبان سے زیادہ جاری ہوتا ہے۔ فرمایا کرو تیاری۔ پھر آپؐ نے ارد گرد کے قبائل کو اعلان بھجوایا کہ ہر شخص جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کے ابتدائی دنوں میں مدینہ میں جمع ہو جائے۔ چنانچہ لشکر جمع ہونے شروع ہوئے اور کئی ہزار آدمیوں کا لشکر تیار ہو گیا اور آپؐ لڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔"[502]

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی فضیلت کے بارے میں ایک روایت ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علیین والوں میں سے کوئی شخص جنت والوں پر جھانکے گا تو اس کے چہرہ کی وجہ سے جنت جگمگا اٹھے گی۔ گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی ان میں سے ہیں اور وہ دونوں کیا ہی خوب ہیں۔[503]

ابو عثمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو ذَاتُ السَّلَاسِلْ کی فوج پر افسر مقرر کر کے بھیجا۔ اس زمانے کا جو سفر کا طریقہ ہوتا تھا اس کے مطابق یہ مدینہ سے کوئی ایک دن کے سفر پہ واقع جگہ ہے۔ اور وادی القریٰ سے آگے قبیلہ جُذَام کے علاقے میں ایک کنویں کا نام ہے۔

حضرت عمرو کہتے ہیں کہ جب میں آپ کے پاس واپس آیا تو میں نے آپ سے پوچھا: لوگوں میں سے آپ کو کون زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ۔

میں نے کہا مردوں میں سے کون زیادہ پیارا ہے، آپ نے فرمایا اس عائشہ کا باپ۔ میں نے کہا پھر

کون؟ آپؐ نے فرمایا عمر۔ پھر آپ نے کئی مَردوں کا نام لیا۔[504]

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار میں سے اپنے صحابہ کے پاس نکل کر آتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان میں ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تو ان میں سے کوئی اپنی نگاہ آپ کی طرف نہیں اٹھاتا تھا سوائے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے۔ یہ دونوں آپ کو دیکھتے اور مسکراتے اور آپ ان دونوں کو دیکھتے اور مسکراتے۔[505]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے اور آپ اور حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے ان میں سے ایک آپ کے دائیں جانب تھے اور دوسرے بائیں جانب اور آپ ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

آپؐ نے فرمایا: اسی طرح ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔[506]

عبد اللہ بن حَنْطَبْ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر فرمایا: یہ دونوں کان اور آنکھ ہیں۔[507]

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان! اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا سنو! اگر تم ایسا کہہ رہے ہو تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو۔[508]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین شق ہوگی۔ پھر ابو بکر۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما۔

پھر میں بقیع والوں کے پاس آؤں گا تو وہ میرے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ پھر میں مکہ والوں کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ حرمین کے درمیان اٹھایا جاؤں گا۔[509]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آرہا ہے تو حضرت ابو بکرؓ آئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آرہا ہے تو حضرت عمرؓ آئے۔[510]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا۔ یہ دونوں جنت کے اوّلین اور آخرین کے تمام بڑی عمر کے لوگوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء اور مرسلین کے۔[511]

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ان دونوں ابو بکر اور عمر کی پیروی کرنا۔[512]

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے آسمان والوں میں سے دو وزیر ہوتے ہیں اور زمین والوں میں سے بھی دو وزیر ہوتے ہیں۔ آسمان والوں میں سے میرے دو

وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکر اور عمر ہیں۔[513]

حضرت حُذَیفہؓ سے مروی ہے کہ:

ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے درمیان رہوں گا۔ پس تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے اور آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔[514]

حضرت ابو بَکْرَہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز فرمایا: تم میں سے کس نے خواب دیکھی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا گویا کہ ایک میزان ہے۔ آسمان سے اترا ہے اور آپؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو تولا گیا تو آپؐ حضرت ابوبکرؓ سے بھاری ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تولا گیا تو حضرت ابوبکرؓ بھاری ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو تولا گیا تو حضرت عمرؓ بھاری ہوئے۔ اس کے بعد میزان ترازو اٹھالی گئی۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب کے سننے کے بعد فرمایا: یہ نبوت کی خلافت ہے۔ اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا۔[515]

عَبْدِ خَیْر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اے لوگو! کیا میں تمہیں نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان کے بارے میں نہ بتاؤں۔

لوگوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا ابوبکرؓ ہیں۔ پھر آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر کہنے لگے اے لوگو! کیا میں تمہیں حضرت ابوبکرؓ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان کے بارے میں بتاؤں وہ عمرؓ ہیں۔[516]

ابو جُحَیْفَہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے بہترین ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عمرؓ ہیں۔[517]

صحابہؓ کی پہلی حالت اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو انقلاب ان کی حالتوں میں آیا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک مثال حضرت عمرؓ کی بھی دی ہے۔ یہ مثال گو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں لیکن یہاں اس حوالے سے بیان کر دیتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا۔ "دیکھو صحابی کس طرح رسول کریم ﷺ کے صحابہ بنے اور کس طرح انہوں نے بڑے بڑے درجے حاصل کیے۔ اسی طرح کہ کوشش کی ورنہ یہ وہی لوگ تھے جو رسول کریم ﷺ کے جانی دشمن تھے اور آپؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے بعد دوسرے خلیفہ ہوئے ہیں ابتداء میں آنحضرت ﷺ کے ایسے سخت دشمن تھے کہ آپؐ کو قتل کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ راستہ میں ایک شخص ملا جس نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ اس

نے کہا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کر لو جو مسلمان ہو گئے ہیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنا۔ یہ سن کر وہ غصہ سے بھر گئے اور اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آگے جا کر دیکھا تو دروازہ بند تھا اور ایک شخص قرآن کریم سنا رہا تھا اور ان کی بہن اور بہنوئی سن رہے تھے۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔" اس لیے وہ صحابی اندر گھر میں بیٹھے تھے۔ "حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کھولو۔ ان کی آواز سن کر اندر والوں کو ڈر پیدا ہوا کہ مار دیں گے اس لئے انہوں نے دروازہ نہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر دروازہ نہ کھولو گے تو میں توڑ دوں گا۔ اس پر انہوں نے قرآن کریم سنانے والے مسلمان کو چھپا دیا اور بہنوئی بھی چھپ گیا۔ صرف بہن نے سامنے آکر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: بتاؤ کیا کر رہے تھے اور کون شخص تھا جو کچھ پڑھ رہا تھا؟ انہوں نے ڈر کے مارے ٹالنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو پڑھ رہے تھے مجھے سناؤ۔ ان کی بہن نے کہا: آپ اس کی بے ادبی کریں گے اس لیے خواہ ہمیں جان سے مار دیں ہم نہیں سنائیں گے۔ انہوں نے کہا: نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے ادبی نہیں کروں گا۔" یعنی قرآن کریم کی بے ادبی نہیں کروں گا۔ "اس پر انہوں نے قرآن کریم سنایا جسے سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور دوڑے دوڑے رسول کریم ﷺ کے پاس گئے۔ تلوار ہاتھ میں ہی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں دیکھ کر کہا۔ عمر یہ بات کب تک رہے گی؟ یہ سن کر وہ رو پڑے اور کہا میں نکلا تو آپؐ کے مارنے کے لیے تھا لیکن خود شکار ہو گیا ہوں۔"

تو یہ خلاصہ ہے اس سارے لمبے واقعہ کا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "تو پہلے یہ حالت تھی جس سے انہوں نے ترقی کی۔ پھر یہی صحابہ تھے جو پہلے شراب پیا کرتے تھے۔ آپس میں لڑا کرتے تھے" اَور صحابہ کا بھی ذکر ہے۔ "اَور کئی قسم کی کمزوریاں ان میں پائی جاتی تھیں لیکن جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قبول کیا اور دین کے لئے ہمت اور کوشش سے کام لیا تو نہ صرف خود ہی اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے بلکہ دوسروں کو بھی اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا باعث ہو گئے۔ وہ پیدا ہی صحابی نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی طرح کے تھے جس طرح کے اَور تھے مگر انہوں نے عمل کیا اور ہمت دکھائی تو صحابی ہو گئے۔ آج بھی اگر ہم ایسا ہی کریں تو صحابی بن سکتے ہیں۔"[518]

حضرت عمرؓ کی خشیت الٰہی کی کیا حالت تھی؟ اس بارے میں روایت ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی ضائع ہو کر مر گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال کرے گا۔[519]

ایک روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی اونٹ بھی ضائع ہو کر مر گیا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں سوال کرے گا۔[520]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ باہر گیا یہاں تک

کہ آپؓ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ میرے اور آپؓ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ آپؓ باغ کے اندر تھے۔ میں نے اس وقت آپؓ کو یہ کہتے سنا۔ واہ واہ اے خطاب کے بیٹے عمر! تُو امیر المومنین ہے۔ اللہ کی قسم تو ضرور اللہ سے ڈر ورنہ وہ ضرور تجھے عذاب دے گا۔ [521]

حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر یہ جملہ کندہ تھا کہ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یَا عُمَرُ کہ اے عمر! واعظ ہونے کے لحاظ سے موت کافی ہے۔ [522]

یعنی اگر انسان موت کو یاد رکھے تو وہی نصیحت کرنے والی ایک چیز ہے اور اپنی حالت کو ٹھیک رکھنے کے لیے یہی چیز کافی ہے۔

عبد اللہ بن شدّاد کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرؓ کی ہچکیاں سنیں اور میں آخری صف میں تھا۔ آپ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف:87) یعنی میں تو اپنے رنج و الم کی صرف اللہ کے حضور فریاد کرتا ہوں۔ [523]

اس روایت کو ایک خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی بیان فرمایا تھا اور اس کی کچھ تفصیل اپنے الفاظ میں بھی اس طرح بیان کی تھی کہ حضرت عبد اللہ بن شدّاد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے اور میں آخری صف میں تھا لیکن حضرت عمرؓ کی گریہ وزاری کی آواز سن رہا تھا۔ وہ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (یوسف:87) کہ میں تو اپنے اللہ ہی کے سامنے اپنے سارے دکھ رویا کروں گا۔ کسی اور کے سامنے مجھے ضرورت نہیں ہے۔ پس جو ذکرِ الٰہی میں گم رہتے ہیں ان کو خدا کے سوا کسی اَور کا دربار ملتا ہی نہیں جہاں وہ اپنے غم اور دکھ روئیں اور اپنے سینوں کے بوجھ ہلکے کریں۔ یہ روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ پچھلی صف میں تھا وہاں تک مجھے حضرت عمرؓ کے سینے کے گڑگڑانے کی آواز آرہی تھی۔ [524]

حضرت عمرؓ پرانے خدمت کرنے والوں اور قربانی کرنے والوں کا کس طرح خیال رکھا کرتے تھے۔

اس بارے میں روایت ہے۔ ثَعْلَبہ بن ابو مالک کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کی عورتوں میں سے بعض کو اوڑھنیاں تقسیم کیں۔ کوئی اچھی قسم کی اوڑھنیاں آئی تھیں ان میں سے ایک اچھی اوڑھنی بچ گئی۔ جو لوگ ان کے پاس تھے ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپؓ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کو دیں جو آپؓ کے پاس ہے۔ اس کی مراد حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اُمِّ سَلِیط اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ کہا نہیں، ام سلیط اس کی زیادہ حق دار ہیں اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت ام سلیط ان انصاری عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ جنگِ احد کے دن ہمارے لیے مشکیں اٹھا کر لاتی تھیں۔

پھر قربانی کرنے والوں کے قریبیوں کو بھی نوازنے کا ذکر ایک روایت میں ملتا ہے۔ زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ بازار گیا۔ حضرت عمرؓ سے ایک جوان عورت پیچھے سے آملی اور کہنے لگی اے امیر المومنین! میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے۔ اللہ کی قسم! بکری کے پائے بھی انہیں نصیب نہیں۔ نہ ان کی کوئی کھیتی ہے اور نہ دودھیل جانور یعنی دودھ دینے والے جانور اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کو قحط سالی نہ کھا جائے اور میں خُفَافْ بن اِیْمَاء غِفَاری کی بیٹی ہوں اور میرے والد حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر ٹھہر گئے اور آگے نہیں چلے۔ حضرت عمرؓ نے کہا واہ واہ! بہت نزدیک کا تعلق ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس جا کر ایک مضبوط اونٹ لیا جو گھر میں بندھا تھا اور دو بوریاں اناج سے بھریں اور ان پر لادیں اور ان کے درمیان سال بھر کے خرچ کے لیے مال اور کپڑے بھی رکھے۔ پھر اس اونٹ کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں دے دی اور کہا اسے لے جاؤ۔ یہ ختم نہیں ہو گا کہ اللہ تمہیں اَور دے گا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ امیر المومنین! آپؓ نے اس کو بہت دے دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تیری ماں تجھے کھوئے یعنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ اللہ کی قسم! میں تو اس کے باپ اور اس کے بھائی کو اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے عرصے تک ایک قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا جسے انہوں نے آخر فتح کر لیا۔ پھر اس کے بعد صبح کے وقت ہم ان دونوں کے حصے اپنے درمیان تقسیم کرنے لگے یعنی وہ قلعہ ان دونوں نے فتح کیا تھا جس کی غنیمت کُل مسلمانوں کو ملی۔ گویا ہم نے ان کے حصہ میں سے بانٹا۔[525] پس یہ وجہ ہے کہ یہ اس کی حق دار بنتی ہے کہ اسے کچھ دیا جائے۔

بوڑھی اور معذور اور ضرورت مند عورتوں اور لوگوں کا کس طرح خیال رکھا کرتے تھے اس بارے میں روایت ہے۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے تو حضرت طلحہؓ نے دیکھ لیا۔ حضرت عمرؓ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ پھر دوسرے گھر میں داخل ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت طلحہؓ ان گھروں میں سے ایک گھر میں گئے، وہاں ایک نابینا بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت طلحہؓ نے اس سے پوچھا جو شخص تیرے پاس رات کو آتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا: وہ کافی عرصہ سے میری خدمت کر رہا ہے اور میرے کام کاج کو ٹھیک کرتا ہے اور میری گندگی دور کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت طلحہؓ نے ندامت سے اپنے آپ کو کہا اے طلحہ! تیری ماں تجھے کھوئے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تُو عمرؓ کی لغزشوں کی کھوج میں ہے اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اَور ہے۔[526]

رعایا کی خدمت کے یہ عظیم معیار تھے جو حضرت عمرؓ نے قائم فرمائے۔

حضرت عمرؓ کی لوگوں، ضرورت مندوں، عورتوں، بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی بہت سی روایات ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے آپؓ پوری کیا کرتے تھے اور کس طرح بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ آپؓ جب دیکھتے تھے کہ کسی کی ضرورت پوری نہیں ہوئی اور وہ آپؓ کی رعایا میں ہے

تو بہت بے چین ہوتے تھے۔ بعض مثالیں میں گذشتہ ہفتوں کے جمعوں میں مختلف حوالوں سے پیش کر چکا ہوں مثلاً کس طرح ایک موقع پر آپ نے جب رات کو ایک عورت سے اس کے بچے کے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کیونکہ عمرؓ نے دودھ پیتے بچوں کا راشن مقرر نہیں کیا اس لیے میں بچے کو غذا کھانے کی عادت ڈالنے کے لیے دودھ نہیں دے رہی اور یہ بھوک سے رو رہا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے اور فوراً کھانے پینے کے سامان کا انتظام کیا اور پھر اعلان کیا کہ آئندہ سے ہر پیدا ہونے والے بچے کو بھی راشن ملا کرے گا۔[527]

اسی طرح ایک موقع پر ایک مسافر خاتون جس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا اور رات کو اسے ڈیرہ ڈالنا پڑا اور بچے بھوک سے رو رہے تھے۔ آپؓ کو جب رات کو اس کا علم ہوا تو فوراً سٹور سے کھانے پینے کا سامان اٹھا کر اس تک پہنچایا اور بے چین ہو گئے اور اس وقت تک آپ کو چین نہیں آیا جب تک کہ کھانا پکا کر ان بچوں کو کھلا کر انہیں ہنستا نہ دیکھ لیا پھر آپؓ اس جگہ سے واپس ہوئے۔[528]

حضرت مصلح موعودؓ نے بیان کیا کہ:

”حضرت عمرؓ کو دیکھ لو ان کے رعب اور دبدبہ سے ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تک لرزہ براندام رہتی تھیں مگر دوسری طرف اندھیری رات میں ایک بدوی عورت کے بچوں کو بھوکا دیکھ کر عمرؓ جیسا عظیم المرتبت انسان تلملا اٹھا اور وہ اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اور گھی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ان کے پاس پہنچا اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر ان بچوں کو نہ کھلا لیا اور وہ اطمینان سے سو نہ گئے۔“[529]

پھر ایک واقعہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ حضرت عمرؓ جب شام سے مدینہ لَوٹ کر آئے تو لوگوں سے الگ ہو گئے تا کہ ان کے احوال معلوم کریں۔ یعنی اس قافلے سے الگ ہو گئے اور ایک طرف چلے گئے تا کہ لوگوں کے احوال معلوم کریں تو آپؓ کا گزر ایک بڑھیا کے پاس سے ہوا جو اپنے خیمے میں تھی۔ آپؓ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے تو اس نے کہا اے شخص عمرؓ نے کیا کیا؟ آپؓ نے کہا کہ وہ ادھر ہی تو ہے اور شام سے آ گیا ہے تو اس عورت نے کہا کہ خدا اس کو میری طرف سے جزائے خیر نہ دے۔ آپؓ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے! کیوں؟ یعنی تم ایسا کیوں کہتی ہو؟ اس نے کہا کہ جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے آج تک مجھے اس کا کوئی عطیہ نہیں ملا۔ نہ کوئی دینار نہ درہم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھ پر افسوس اور عمر کو تیرے حال کی خبر کیسے ہو سکتی ہے؟ اس بڑھیا کو نہیں پتہ تھا کہ حضرت عمرؓ ہیں، جبکہ تُو ایسی جگہ بیٹھی ہوئی ہے، دُور دراز علاقے میں جنگل کے قریب بیٹھی ہوئی ہے تو اس نے کہا سبحان اللہ! عورت کہنے لگی سبحان اللہ! میں گمان نہیں کرتی کہ کوئی لوگوں پر والی بن جائے اور اس کو یہ خبر نہ ہو کہ اس کے آگے مشرق و مغرب میں کیا ہے۔ تو عمرؓ روتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہائے عمر ہائے! کتنے دعویدار ہوں گے۔ ہر ایک تجھ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا ہے اے عمر۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس

سے فرمایا کہ تُو اپنی مظلومیت کے حق کو اس کے ہاتھ کتنے میں بیچتی ہے کہ میں اس کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہا کہ حضرت عمرؓ کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں۔ تُو بتا کہ اپنی مظلومیت کے حق کو کتنے میں بیچتی ہو۔ اس عورت نے کہا کہ ہم سے مذاق نہ کر۔ خدا تجھ پر رحمت کرے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا یہ مذاق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ اس سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے حق مظلومیت کو پچیس دینار میں خرید لیا۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود آ پہنچے اور ان دونوں نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس پر عورت نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور کہنے لگی کہ اللہ بھلا کرے۔ میں نے امیر المومنین کو ان کے سامنے برا بھلا کہہ دیا۔ تو امیر المومنین نے اس سے فرمایا: تجھ پر کوئی جرم نہیں۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ایک چمڑے کا ٹکڑا مانگا کہ اس پر لکھیں مگر نہ ملا۔ پھر اپنی چادر میں سے جس کو اوڑھا ہوا تھا ایک ٹکڑا کاٹا اور لکھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ اس کی دستاویز ہے جو عمر نے فلاں عورت سے آج کے دن تک اس کا حقِ مظلومیت پچیس دینار میں خریدا ہے جب سے وہ والی بنا ہے۔ اگر وہ اب اللہ کے سامنے محشر میں کھڑی ہو کر دعویٰ کرے تو عمر اس سے بری ہے۔ علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اس پر گواہ ہیں۔ پھر وہ تحریر حضرت علیؓ کو دے دی اور فرمایا کہ اگر میں تم سے پہلے دنیا سے گزر جاؤں تو اس کو میرے کفن میں رکھ دینا۔[530]

اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لیے لوگ کیا معیار رکھتے ہیں۔ آج کل بھی ہم دیکھتے ہیں بڑے بڑے اونچے معیار ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا کیا معیار تھا؟

اس بارے میں ایک روایت ہے، حضرت اسلمؓ سے مروی ہے جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ تھے کہ بعض راتوں میں سے ایک رات میں مَیں امیر المومنین کے ساتھ مدینہ کی اطراف میں پھر رہا تھا۔ آپؓ نے ایک گھڑی کے لیے یعنی کچھ وقت کے لیے استراحت کی غرض سے ایک دیوار کی جانب سہارا لیا۔ گھر کی دیوار تھی اس کے سہارے بیٹھ گئے تو آپؓ نے سنا کہ گھر کے اندر ایک بڑھیا اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا آپ نہیں جانتیں کہ امیر المومنین کے منادی نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا: نہ اس وقت امیر المومنین موجود ہے اور نہ اس کا منادی۔ لڑکی نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ بات تو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ سامنے تو ہم ان کی اطاعت کریں اور خلوت میں نافرمانی کرنے لگیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھی سے فرمایا کہ اے اسلم! اس مکان پر نشان لگا دو۔ اس کے دروازے پہ ایک نشان لگا دو۔ دوسرے دن آپ نے کسی کو بھیجا اور اس لڑکی کا رشتہ اپنے بیٹے عاصم سے کر دیا۔ اس کی اسی سچائی پر، نیکی کو دیکھتے ہوئے اپنے بیٹے کا رشتہ اس لڑکی سے کر دیا۔ اس سے عاصم کی ایک لڑکی پیدا ہوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز اسی لڑکی کی اولاد میں سے تھے۔[531]

ایک روایت میں ہے کہ سَلَمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں بازار سے گزر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے کسی کام سے گزر رہے تھے۔ آپؓ کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے سَلَمہ! اس طرح رستہ سے ہٹ کر چلا کرو۔ پھر مجھے ہلکا سا کوڑا مارا لیکن کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پر لگا۔ پس میں رستے سے ہٹ گیا اور آپؓ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ اس بات کو سال گزر گیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے میری بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپؓ نے فرمایا اے سَلَمہ! کیا اس سال حج کو جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا ہاں اے امیر المومنین۔ پھر آپؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر لے گئے اور ایک تھیلے میں سے چھ سو درہم مجھے دیے اور فرمانے لگے اے سَلَمہ! اس کو اپنی ضروریات میں استعمال کر لو اور یہ اس کا بدلہ ہے جو ایک سال پہلے مَیں نے تمہیں کوڑا مارا تھا۔ سَلَمہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! امیر المومنین! میں یہ بات بالکل بھول چکا تھا اور آج آپؓ نے یاد کروائی ہے۔[532]

حضرت عمرؓ یہ بھی دیکھا کرتے تھے کہ

بازار کی قیمتیں ایسی ہوں جن سے کسی بھی فریق کے شہری حقوق متاثر نہ ہوں۔ چنانچہ اسی بات کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے بیان کیا کہ "شہری حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لین دین کے معاملات میں خرابی نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اس حق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اسلام نے بھاؤ کو بڑھانے اور مہنگا سودا کرنے سے روکا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نقصان پہنچانے اور ان کو تجارت میں فیل کرنے کے لئے بھاؤ کو گرا دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔" جس طرح آجکل کی مارکیٹ میں یہ چلتا ہے۔ "ایک دفعہ مدینہ میں ایک شخص ایسے ریٹ پر انگور بیچ رہا تھا جس ریٹ پر دوسرے دکاندار نہیں بیچ سکتے۔ حضرت عمرؓ پاس سے گزرے تو انہوں نے اس شخص کو ڈانٹا کیونکہ اس طرح باقی دکانداروں کو نقصان پہنچتا تھا۔ غرض اسلام نے سودا مہنگا کرنے سے بھی روک دیا اور بھاؤ کو گرا دینے سے بھی روک دیا تاکہ نہ دکانداروں کو نقصان ہو اور نہ پبلک کو نقصان ہو۔"[533]

عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیٹی تھی جس کو جاہلیت میں زندہ درگور کر دیا گیا لیکن میں نے اسے مرنے سے پہلے نکال لیا۔ جب وہ اسلام لے آئی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد لگ گئی۔ غلط کام ہوا اس کی وجہ سے حد لگ گئی تو اس نے ایک چھری لی تاکہ اس سے اپنے آپ کو قتل کر دے۔ میں نے اسے پکڑ لیا جبکہ اس نے اپنی بعض رگوں کو کاٹ لیا تھا۔ پھر میں نے اس کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو گئی۔ پھر اس نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اچھی توبہ کی۔ اے امیر المومنین! اب مجھے اس کے لیے نکاح کے پیغامات آ رہے ہیں۔ لڑکی کے رشتے آ رہے ہیں۔ کیا میں اس کے پہلے معاملے کے بارے میں بتایا کروں کہ کیا زندگی تھی، اس کی پہلی زندگی کیا تھی، اس کے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا اور کیا اس نے اپنے ساتھ کیا؟ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عیب پر پردہ ڈالا ہے اور تُو اس کو ظاہر کرے گا! اللہ کی قسم! اگر تو نے اس کے معاملے کے

بارے میں کسی کو بھی بتایا تو میں تجھے پورے شہر والوں کے سامنے عبرت کا نشان بناؤں گا بلکہ اس کا نکاح ایک پاکدامن مسلمان عورت کی طرح کر دو۔[534] بھول جاؤ باتوں کو۔

طاعون عمواس اور حضرت عمرؓ کی لوگوں کی جانوں کے بارے میں فکر کیا تھی؟ اس بارے میں آتا ہے کہ رملہ سے بیت المقدس کے راستے میں چھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے جس کا نام عمواس ہے۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ یہاں سے مرض طاعون کا آغاز ہوا اور ارضِ شام میں پھیل گیا۔ اس لیے اسے طاعون عمواس کہا جاتا ہے۔ اس مرض سے شام میں لاتعداد اموات ہوئیں۔ بعض کے نزدیک اس سے پچیس ہزار کے قریب اموات ہوئیں۔ سترہ ہجری کو حضرت عمرؓ مدینہ سے شام کے لیے روانہ ہوئے اور سَرْغ مقام پر پہنچ کر سپہ سالارانِ لشکر سے ملاقات کی۔ سَرْغ بھی شام اور حجاز کے سرحدی علاقے میں وادیٔ تبوک کی ایک بستی کا نام ہے۔ اور آپؓ کو اس بات کی اطلاع دی گئی کہ زمینِ عمواس میں بیماری پھیلی ہوئی ہے تو آپؓ مشورے کے بعد واپس لوٹ آئے۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک روایت میں یوں مذکور ہے۔ یہ پہلے بھی ایک دفعہ ایک اور حوالے سے اس واقعہ کا کچھ بیان ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ سَرْغ مقام پر پہنچے تو آپؓ کی ملاقات فوجوں کے امراء حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ شام کے ملک میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پاس مشورہ کے لیے اولین مہاجرین کو بلایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ کیا مگر مہاجرین میں اختلاف رائے ہو گئی۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہاں سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے جبکہ بعض نے کہا کہ اس لشکر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ شامل ہیں اور ان کو اس وبا میں ڈالنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے مہاجرین کو بھجوا دیا اور انصار کو بلایا، ان سے مشورہ لیا گیا مگر انصار کی رائے میں بھی مہاجرین کی طرح اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے انصار کو بھجوایا اور پھر فرمایا قریش کے بوڑھے لوگوں کو بلاؤ جو فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کر کے مدینہ آئے تھے۔ ان کو بلایا گیا انہوں نے یک زبان ہو کر مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ چلیں اور وبائی علاقے میں لوگوں کو نہ لے کر جائیں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں میں واپسی کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس موقع پر سوال کیا۔ کیا اللہ کی تقدیر سے فرار ممکن ہے؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے فرمایا۔ اے ابو عبیدہ! کاش تمہارے علاوہ کسی اَور نے یہ بات کہی ہوتی۔ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے فرار ہوتے ہوئے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جاتے ہیں۔ اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ان کو لے کر ایسی وادی میں اترو جس کے دو کنارے ہوں۔ ایک سرسبز اور دوسرا خشک تو کیا ایسا نہیں کہ اگر تم اپنے اونٹوں کو سرسبز جگہ پر چراؤ تو وہ اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر تم ان کو خشک جگہ پر چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی آ گئے جو پہلے اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس اس مسئلے کا علم ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں کوئی وبا پھوٹ پڑی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر کوئی مرض کسی ایسی جگہ پر پھوٹ پڑے جہاں تم رہتے ہو تو وہاں سے فرار ہوتے ہوئے باہر مت نکلو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس لوٹ گئے۔[535]

حضرت عمرؓ مدینہ سے آئے تھے اور ابھی وبا والی جگہ پر نہیں پہنچے تھے اس لیے اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آ گئے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ چونکہ فوجیوں کے سپہ سالار تھے اور پہلے سے ہی وبا والے علاقے میں مقیم تھے اس لیے آپؓ اور مسلمان فوجیں طاعون زدہ علاقے میں ہی رہیں۔ جو جہاں تھے وہ وہیں رہے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ نے شام کے مسلمانوں کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ انہیں طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے۔

خاص طور پر حضرت عمرؓ کو حضرت ابوعبیدہؓ کا بہت خیال تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط بھیجا کہ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے اس لیے جب تمہیں یہ خط پہنچے تو فوراً مدینہ کے لیے روانہ ہو جانا۔ اگر خط رات کو پہنچے تو صبح ہونے کا انتظار نہ کرنا اور اگر خط صبح پہنچے تو رات ہونے کا انتظار نہ کرنا۔ یہ محبت تھی آپ کی حضرت ابوعبیدہؓ سے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جب وہ خط پڑھا تو کہنے لگے مَیں امیر المومنین کی ضرورت کو جانتا ہوں۔ اللہ حضرت عمرؓ پر رحم کرے وہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں ہے۔ یعنی یہ تو اللہ جانتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے، ابوعبیدہؓ نے یہ سوچا۔ پھر اس خط کا جواب دیا کہ یا امیر المومنین! میں آپؓ کی منشا کو سمجھ گیا ہوں مجھے نہ بلائیے۔ یہیں رہنے دیجیے۔ میں مسلمان سپاہیوں میں سے ایک ہوں۔ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں ان سے کیسے منہ موڑ سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جب وہ خط پڑھا تو رو پڑے۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا امیر المومنین! کیا حضرت ابوعبیدہؓ فوت ہو گئے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں لیکن شاید ہو جائیں۔[536]

حضرت عمرؓ نے اہل الرائے اصحاب کے مشورے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ تم لوگوں کو نشیب میں لے کر اترے ہو اس لیے کسی بلند اور پُر فضا مقام پر چلے جاؤ۔ نیچی جگہ کی بجائے ذرا اونچی جگہ، پہاڑی جگہ پر چلے جاؤ جہاں ذرا ہوا بھی صاف ہو۔ حضرت ابوعبیدہؓ ابھی اس حکم کی تعمیل کے متعلق فکر کر رہے تھے کہ طاعون نے ان پر وار کیا اور وہ فوت ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے جانشین حضرت معاذ بن جبلؓ کو نامزد کیا تھا لیکن وہ بھی طاعون میں مبتلا ہو گئے اور ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنا قائمقام حضرت عمرو بن عاصؓ کو بنایا تھا۔ آپؓ نے ایک تقریر کی اور فرمایا: یہ وبا جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ آپؓ لوگوں کو لے کر وہاں سے نکلے اور پہاڑوں میں چلے گئے یہاں تک کہ وبا کا زور ٹوٹ گیا اور گھٹتے گھٹتے بالکل ختم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو حضرت عمرو بن عاصؓ کی اس تقریر کا علم ہوا تو نہ صرف یہ کہ آپؓ نے اسے پسند

فرمایا بلکہ اسے اپنے اس حکم کی تعمیل قرار دیا جو آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو بھیجا تھا۔[537]

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت یزید بن ابوسفیانؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت سہیل بن عمروؓ اور حضرت عتبہ بن سہیلؓ اور ان کے علاوہ بھی دیگر معززین اس وبا سے فوت ہوئے تھے۔[538]

طاعون عمواس سے واپس آنے کا ذکر ایک جگہ پر حضرت مصلح موعودؓ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ "جب شام میں جنگ ہوئی اور وہاں طاعون پڑی حضرت عمرؓ وہاں خود تشریف لے گئے تا کہ لوگوں کے مشورہ سے فوج کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جاسکے مگر جب بیماری کا حملہ تیز ہو گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؓ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، آپؓ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ جب آپؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟ کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آپؓ بھاگتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا۔ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰهِ۔ ہاں ہم خدا تعالیٰ کی ایک تقدیر سے اس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ غرض دنیاوی سامانوں کو ترک کرنا جائز نہیں۔ ہاں دنیاوی سامانوں کو دین کے تابع رکھنا چاہئے۔"[539]

حضرت عمرؓ کی قبولیتِ دعا کے چند واقعات ہیں۔ حضرت خَوَّات بن جُبَیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں لوگ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ نکلے اور ان کو دو رکعت نماز استسقاء پڑھائی۔ پھر اپنی چادر اپنے دونوں کندھوں پر ڈالی اور چادر کے دائیں طرف کو بائیں کندھے پر ڈالا اور بائیں طرف والی چادر کو دائیں کندھے پر ڈالا یعنی لپیٹ لی۔ پھر اپنے ہاتھ کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَ نَسْتَسْقِيْكَ کہ اے اللہ عزوجل! بے شک ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور بارش کے خواستگار ہیں۔ ابھی آپ دعا مانگ کر اپنی جگہ سے پیچھے نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارے جو دیہاتی لوگ تھے وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا "اے امیر المومنین فلاں دن فلاں وقت ہم اپنے صحرائی مسکن میں تھے کہ بادلوں نے ہم پر سایہ کیا اور ہم نے اس میں سے ایک آواز سنی کہ اے ابوحفص! بارش کے ذریعہ مدد تمہارے پاس آئی۔ اے ابوحفص! بارش کے ذریعہ مدد تمہارے پاس آئی۔[540]

آپؓ کی ایک دعا کی قبولیت کا واقعہ دریائے نیل کے جاری ہونے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ دریائے نیل جب خشک ہوتا تھا تو اسلام سے پہلے وہاں کے لوگوں میں اسے جاری رکھنے کی ایک رسم تھی اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ واقعی اس رسم کا کوئی اثر ہوتا تھا یا نہیں لیکن اسلام نے آکر اس رسم کا خاتمہ کر دیا اور اس رسم کے خاتمے کے بارے میں جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ یوں ہے کہ قَیس بن حَجّاج سے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے باشندے عجمی مہینوں کے کسی دن حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس آئے تو لوگوں نے کہا اے امیر! ہمارے دریائے نیل کے لیے ایک رسم ہے جس کے بغیر یہ بہتا

نہیں ہے۔ حضرت عمروؓ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب گیارہ راتیں اس مہینے کی گزر جائیں تو ہم ایک کنواری لڑکی کے پاس اس کے والدین کی موجودگی میں جاتے ہیں۔ پھر اس کے والدین کو رضا مند کرتے ہیں اور اس کو بہترین کپڑے اور زیورات پہناتے ہیں۔ پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ یعنی شروع میں ڈال دیتے تھے۔ حضرت عمروؓ نے ان سے کہا کہ اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

یقیناً اسلام ان تمام رسموں کو ختم کرتا ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ پس وہ ٹھہرے رہے اور آخر جب ایسا وقت آ گیا کہ دریائے نیل بھی خشک ہو گیا۔ دریائے نیل اس وقت بالکل نہیں بہ رہا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے وطن سے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ لوگوں نے وہاں سے جانے کا، جگہ کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ پس جب حضرت عمروؓ نے یہ دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ کو اس کے بارے میں لکھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو جواباً لکھا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک ہے۔ یقیناً اسلام ان تمام رسموں کو ختم کرتا ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ انہوں نے خط کے اندر ایک چھوٹا رقعہ بھیجا اور حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ کو لکھا کہ یقیناً میں نے تمہاری طرف اپنے خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب حضرت عمرؓ کا خط حضرت عمرو بن عاصؓ کو پہنچا تو انہوں نے وہ رقعہ نکالا اور اس کو کھولا تو اس میں لکھا تھا۔ اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اما بعد، اگر تُو خود سے بہ رہا ہے تو نہ بہ، لیکن اگر اللہ تعالیٰ تجھے چلا رہا ہے تو میں اللہ واحد و قہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے چلائے۔ پس حضرت عمرؓو نے وہ رقعہ صلیب کے تہوار سے ایک دن پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ زیادہ پانی دریائے نیل میں جاری کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہلِ مصر کی اس رسم کا خاتمہ کر دیا۔[541]

اکثر تاریخی کتب میں تو اس واقعہ کی تصدیق ہی لکھی ہے لیکن حضرت عمرؓ کے ایک سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس کی تردید کی ہے کہ ایسی کوئی رسم نہیں تھی۔[542] بہر حال یہ ایک واقعہ ہے۔

<u>پھر حضرت ساریہؓ کی جنگ میں حضرت عمرؓ کی آواز سننے کا واقعہ ہے</u>، پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بھی اس حوالے سے بیان کر دیتا ہوں قبولیتِ دعا کے حوالے سے اور جو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص سلوک تھا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہ بن زُنیم کو فسا اور دارابجرد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کا محاصرہ کر لیا تو اس پر انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ وہ لوگ مسلمان لشکر کے مقابلہ کے لیے صحرا میں اکٹھے ہو گئے اور جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انہوں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔

حضرت عمرؓ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے فرمایا ''يَاسَارِيَةُ ابْنُ زُنَيْم، اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ''، یعنی اے ساریہ بن زُنیم! پہاڑ پہاڑ۔ مسلمان لشکر جس جگہ مقیم تھا اس کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا۔ اگر وہ اس کی پناہ لیتے تو دشمن صرف ایک طرف سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ پس انہوں نے پہاڑ کی

جانب پناہ لے لی۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ کی اور دشمن کو شکست دی اور بہت سامال غنیمت حاصل کیا۔[543]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا ہے کہ صحابہ سے ایسے خوارق کثرت سے ثابت ہیں۔[544]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو مکمل اقتباس ہے وہ مَیں گذشتہ خطبہ میں پڑھ چکا ہوں۔ پس دریائے نیل کے جاری کرنے والے واقعہ کو بھی ہم دیکھیں تو بعید نہیں کہ وہ بھی صحیح واقعہ ہی ہو جس کو بعض تاریخ دان صحیح نہیں مانتے۔

حضرت عمرؓ کی ٹوپی کی برکت اور قیصر روم کے بارے میں ایک ذکر ملتا ہے۔ اس کو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک دفعہ قیصر کے سر میں شدید درد ہوا اور باوجود ہر قسم کے علاج کے اسے آرام نہ آیا۔ کسی نے اسے کہا کہ حضرت عمرؓ کو اپنے حالات لکھ کر بھجوا دو اور ان سے تبرک کے طور پر کوئی چیز منگواؤ۔ وہ تمہارے لیے دعا بھی کریں گے اور تبرک بھی بھجوا دیں گے۔ ان کی دعا سے تمہیں ضرور شفا حاصل ہو جائے گی۔ اس نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔

حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ یہ متکبر لوگ ہیں۔ میرے پاس اس نے کہاں آنا ہے۔ اب یہ دکھ میں مبتلا ہوا ہے تو اس نے اپنا سفیر میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اگر میں نے اسے کوئی اور تبرک بھیجا تو ممکن ہے وہ اسے حقیر سمجھ کر استعمال نہ کرے۔ اس لیے مجھے کوئی ایسی چیز بھجوانی چاہیے جو تبرک کا کام بھی دے اور اس کے تکبر کو بھی توڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک پرانی ٹوپی جس پر جگہ جگہ داغ لگے ہوئے تھے اور جو میل کی وجہ سے کالی ہو چکی تھی اسے تبرک کے طور پر بھجوا دی۔ اس نے جب یہ ٹوپی دیکھی تو اسے بہت بُرا لگا تو اس نے ٹوپی نہ پہنی مگر خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہیں برکت اب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اسے اتنا شدید درد سر ہوا کہ اس نے اپنے نوکروں سے کہا وہ ٹوپی لاؤ جو عمرؓ نے بھجوائی تھی تا کہ میں اسے اپنے سر پر رکھوں۔ چنانچہ اس نے ٹوپی پہنی اور اس کا درد جاتا رہا۔ چونکہ اسے ہر آٹھویں دسویں دن سر درد ہو جایا کرتا تھا اس لیے پھر تو اس کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ دربار میں بیٹھتا تو وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میلی کچیلی ٹوپی اس نے اپنے سر پر رکھی ہوئی ہوتی۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ نشان جو خدا تعالیٰ نے اسے دکھایا اس میں ایک اَور بات بھی مخفی تھی۔ (اور وہ یہ کہ) رسول کریم ﷺ کے ایک صحابی قیصر کے پاس قید تھے اور اس نے حکم دیا تھا کہ انہیں سؤر کا گوشت کھلایا جائے۔ وہ فاقے برداشت کرتے مگر سؤر کے قریب نہیں جاتے تھے۔ گو اسلام نے یہ کہا ہے کہ اضطرار کی حالت میں سؤر کا گوشت کھالینا جائز ہے مگر وہ کہتے تھے کہ میں صحابی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جب کئی کئی دن کے فاقوں کے بعد وہ مرنے لگتے تو قیصر انہیں روٹی دے دیتا۔ جب پھر انہیں کچھ طاقت آجاتی تو وہ پھر کہتا کہ انہیں سؤر کھلایا

جائے۔ اس طرح نہ وہ انہیں مرنے دیتا نہ جینے۔ کسی نے اسے کہا کہ تجھے یہ سر درد اس لیے ہے کہ تُو نے اس مسلمان کو قید رکھا ہوا ہے اور اب اس کا علاج یہی ہے کہ تم عمرؓ سے اپنے لیے دعا کراؤ اور ان سے کوئی تبرک منگواؤ۔ جب حضرت عمرؓ نے اسے ٹوپی بھیجی اور اس کے درد میں افاقہ ہو گیا تو وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اس صحابی کو بھی چھوڑ دیا۔ اب دیکھو! کہاں قیصر ایک صحابی کو تکلیف دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی سزا کے طور پر اس کے سر میں درد پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی اور شخص اسے مشورہ دیتا ہے کہ عمرؓ سے تبرک منگواؤ اور ان سے دعا کرواؤ۔ وہ تبرک بھیجتے ہیں اور قیصر کا درد جاتا رہتا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ اس صحابی کی نجات کے بھی سامان کر دیتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔[545]

تفسیر رازی میں ہے کہ قیصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ مجھے سر درد ہے جو ٹھیک نہیں ہو رہی۔ آپ میرے لیے کوئی دوا بھجوائیں تو حضرت عمرؓ نے اس کے لیے ٹوپی بھجوائی۔ جب وہ اسے اپنے سر پر رکھتا تو اس کے سر میں درد رک جاتی اور جونہی وہ اسے سر سے اتارتا اسے دوبارہ سر درد ہو جاتی۔ پس اس بات سے وہ متعجب ہوا اس نے ٹوپی میں تلاش کیا اور اس میں ایک کاغذ پایا جس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا ہوا تھا۔ یہ تفسیر رازی کا ایک ذکر ہے۔[546]

حضرت عمرؓ کی دعائیں ہیں بعض۔ عَمرو بن مَیْمُون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیۡ مَعَ الۡاَبۡرَارِ وَلَا تُخَلِّفۡنِیۡ فِی الۡاَشۡرَارِ وَقِنِیۡ عَذَابَ النَّارِ وَاَلۡحِقۡنِیۡ بِالۡاَخۡیَارِ اے اللہ! مجھے نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے اور مجھے برے لوگوں میں پیچھے نہ چھوڑ اور مجھے آگ کے عذاب سے بچا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔[547]

یحییٰ بن سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب منیٰ سے لوٹے تو اپنے اونٹ کو اَبۡطَحۡ میں بٹھایا اور وادی بَطۡحا کے پتھروں سے ایک ڈھیر بنایا اور اس پر اپنی چادر کا ایک کنارہ بچھا کر لیٹ گئے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرنے لگے:

اَللّٰھُمَّ کَبُرَتۡ سِنِّیۡ وَضَعُفَتۡ قُوَّتِیۡ وَانۡتَشَرَتۡ رَعِیَّتِیۡ فَاقۡبِضۡنِیۡ اِلَیۡكَ غَیۡرَ مُضَیِّعٍ وَلَا مُفَرِّطٍ اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میری قوت کم ہو گئی ہے اور میری رعیّت پھیل گئی ہے۔ تو مجھے بغیر ضائع کیے اور کم کیے وفات دے دے۔ پس ابھی ذوالحجہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ آپؓ پر حملہ ہوا اور آپ کی شہادت ہو گئی۔[548]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قحط کے دنوں میں حضرت عمرؓ نے ایک نیا کام کیا جسے وہ نہ کیا کرتے تھے۔ وہ یہ تھا کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر میں داخل ہو جاتے اور آخر شب تک مسلسل نماز پڑھتے رہتے۔ پھر آپ باہر نکلتے اور مدینہ کے اطراف میں چکر لگاتے رہتے۔ ایک رات سحری کے وقت میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَجۡعَلۡ ھَلَاكَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلٰی یَدَیَّ اے اللہ! میرے ہاتھوں محمد ﷺ کی امت کو ہلاکت میں نہ ڈالنا۔[549]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں کہ "انسان کو چاہئے کہ اپنے خدا تعالیٰ کے واسطے خالصۃً عبادت کرے پھر خواہ خلقت اس کو برا سمجھے یا بھلا اس امر کی پرواہ نہیں چاہئے اور اپنے ظاہر کو جان بوجھ کر بُرا بنانا آنحضرت رسول کریم ﷺ کی سکھلائی ہوئی اس دعا سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ وہ دعا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی اور اس طرح ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَّتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَّتِیْ صَالِحَۃً اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو اچھا کر۔"
550

حضرت عمرؓ کا مسجد نبوی اور نماز کے آداب کا خیال رکھنا، اس بارے میں یہ روایت ہے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے مجھے کنکر ماری۔ میں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے کہا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ دو شخص تھے جو اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے۔ میں ان دونوں کو لے آیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم دونوں کون ہو یا کہا تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے باشندوں میں سے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم اس شہر کے باشندے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تم اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔[551]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ جب تک صفیں برابر نہیں ہوتی تھیں اس وقت تک اللہ اکبر نہیں کہتے تھے بلکہ صفیں سیدھی کروانے کے لیے ایک شخص مقرر فرمایا ہوا تھا۔ ابو عثمان نَہْدِی نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جب نماز کے لیے اقامت ہوتی تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے یعنی لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے اے فلاں! آگے ہو جاؤ اور اے فلاں! پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی صفیں سیدھی کر رہے ہوتے تھے۔ تم اپنی صفوں کو سیدھی رکھو۔ جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو پھر آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہتے۔[552]

حضرت عمرؓ کی مالی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں ایک روایت ہے۔ اور بھی بہت ساری روایتیں ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی اور وہ نبی ﷺ کے پاس اس کے متعلق مشورہ کرنے آئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! میں نے خیبر میں زمین حاصل کی ہے۔ میرے نزدیک اس سے بہتر مجھے کبھی کوئی جائیداد نہیں ملی۔ آپؐ مجھے اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین وقف کر دو اور اس کی آمدنی غرباء پر خرچ کرو۔ نافع کہتے تھے کہ پھر حضرت عمرؓ نے وہ صدقہ میں دے دی اس شرط پر کہ نہ وہ بیچی جائے اور نہ کسی کو ہبہ کی جائے، نہ ورثاء میں تقسیم کی جائے اور انہوں نے وہ زمین محتاجوں اور رشتہ داروں، غلاموں کے آزاد کرنے، اللہ کی راہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دی اور جو زمین کا نگران ہو اس کے لیے کوئی ہرج نہیں کہ وہ اس میں سے دستور کے مطابق خود کھائے اور

کھلائے مگر مال کو جمع کرنے والا نہ ہو۔[553]

جب بھی موقع آیا حضرت عمرؓ نے قربانی کرنے میں بڑھنے کی کوشش کی۔ وہ بھی موقع تھا جب آنحضرت ﷺ نے مال کی قربانی کی تحریک فرمائی تو اپنا آدھا مال لے کر آ گئے۔ پہلے بھی یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جب فوت ہونے لگے تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور فرماتے تھے کہ میں کسی انعام کا مستحق نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سزا سے بچ جاؤں۔[554] یہ تھا آپ کا خشیت، خوفِ خدا کا حال۔[555]

حضرت عمرؓ کے دربار میں علم رکھنے والے خاص طور پر قرآن کریم کا علم رکھنے والوں کا بڑا مقام تھا چاہے وہ چھوٹی عمر کے نوجوان ہیں یا بچے ہیں یا بڑے ہیں۔ بخاری میں ایک روایت ہے حضرت ابن عباسؓ نے کہا عُیَیْنَہ بن حِصن بن حُذَیفہ مدینہ آئے اور اپنے بھتیجے حُرّ بن قَیس کے پاس اترے اور حُرّ بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمرؓ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور قاری یعنی قرآن کے عالم ہی، بڑی عمر کے ہوں یا جوان، مجلس میں حضرت عمرؓ کے قریب بیٹھنے والے تھے، ان کو مشورہ دینے والے ہوتے تھے۔ عُیَینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے بھتیجے! اس امیر کے پاس تمہاری وجاہت ہے۔ اس لیے میرے لیے ان کے پاس آنے کی اجازت مانگو۔

حُر بن قیس نے کہا: میں تمہارے لیے ان کے پاس آنے کی اجازت لے لوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے چنانچہ حُر نے عُیینہ کے لیے اجازت مانگی اور حضرت عمرؓ نے ان کو اجازت دی۔ جب عُیینہ ان کے پاس آیا تو اس نے کہا خطاب کے بیٹے یہ کیا بات ہے۔ اللہ کی قسم! نہ تو آپؓ ہم کو بہت مال دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان اور ہمارے مال کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ ناراض ہو گئے یہاں تک کہ اس کو کچھ کہنے کو ہی تھے کہ حُر نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (الاعراف:200) یعنی اے نبی! ہمیشہ عفو اختیار کر اور معروف کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کر اور یہ عُیینہ جاہلوں میں سے ہی ہے۔ اللہ کی قسم! جب حُر نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تو حضرت عمرؓ وہیں رک گئے اور کچھ نہیں کہا اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کو سن کر رک جاتے تھے۔[556]

حضرت خلیفہ اوّلؓ حضرت عمرؓ کے دربار کا ایک واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کے دربار میں ایک امیر آیا۔ اس نے اس بات کو بہت مکروہ سمجھا کہ ایک دس برس کا لڑکا بھی بیٹھا ہے کہ ایسی عالیشان بارگاہ میں لونڈوں کو کیا کام؟ اتفاق سے حضرت عمرؓ اس امیر کی کسی حرکت پر ناراض ہوئے۔ جلاد کو بلایا۔ وہی لڑکا پکار اٹھا:

وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (آل عمران:135) اور پڑھا وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (الاعراف:200) اور کہا هٰذَا مِنَ

اَلْجَاھِلِیْن۔ حضرت عمرؓ کا چہرہ زرد ہو گیا اور خاموش رہ گئے۔ اس وقت اس کے بھائی نے ”یعنی اس شخص کے بھائی نے جو بول رہا تھا“ کہا۔ دیکھا اسی لونڈے نے تمہیں بچایا ہے جس کو تم حقیر سمجھتے تھے۔“[557]

حضرت عمرؓ بچوں کی تربیت کس طرح کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں ایک روایت ہے۔ یوسف بن یعقوب نے کہا:

ابن شہاب نے مجھے اور میرے بھائی کو اور میرے چچا کے بیٹے کو جبکہ ہم کم سن بچے تھے کہا تم اپنے آپ کو بچہ ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھنا کیونکہ حضرت عمرؓ کو جب کوئی معاملہ درپیش آتا تو آپ بچوں کو بلاتے اور ان سے بھی اس غرض سے مشورہ لیتے کہ آپ ان کی عقلوں کو تیز کرنا چاہتے تھے۔[558]

جنگ احد میں جب جنگ کا پانسا پلٹا اور مسلمانوں کو شدید نقصان برداشت کرنا پڑا تو اس وقت ابوسفیان نے تین بار پکار کر کہا۔ **یہاں حضرت عمرؓ کی غیرت کا سوال ہے کہ کیا ان لوگوں میں محمد ہے؟** نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسے جواب دینے سے روک دیا۔ پھر اس نے تین بار پکار کر پوچھا: کیا لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا ہے؟ پھر تین بار پوچھا: کیا ان لوگوں میں ابن خطاب ہے؟ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا اور کہنے لگا یہ جو تھے وہ تو مارے گئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بولے: اے اللہ کے دشمن! بخدا تم نے جھوٹ کہا ہے۔ جن کا تم نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور جو بات ناگوار ہے اس میں سے ابھی تیرے لیے بہت کچھ باقی ہے۔ ابوسفیان بولا یہ معرکہ بدر کے معرکہ کا بدلہ ہے اور لڑائی تو ڈول کی طرح ہے کبھی اس کی فتح اور کبھی اس کی۔[559]

پھر **بیت المال کے اموال کی حفاظت اور نگرانی** میں کس حد تک محتاط تھے۔ اس بارے میں روایت ہے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے دودھ پیا۔ آپ کو وہ پسند آیا۔ کسی نے گلاس میں دودھ دیا، آپؓ نے پیا اور پسند آیا۔ آپؓ نے اس شخص سے پوچھا جس نے آپؓ کو دودھ پلایا تھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے آپؓ کو بتایا کہ وہ ایک چشمہ پر گیا جس کا اس نے نام بھی لیا۔ وہاں زکوٰۃ کے اونٹوں کو لوگ پانی پلا رہے تھے۔ انہوں نے میرے لیے ان کا دودھ دوہا جس کو میں نے اپنے اس پانی پینے والے برتن میں ڈال لیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈال کر قے کر کے اس کو نکال دیا۔[560] کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے۔ یہ میں نہیں پیوں گا۔

بَراء بن مَعْرُور کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ گھر سے نکلے یہاں تک کہ آپؓ منبر پر تشریف لائے۔ آپؓ اس وقت بیمار تھے۔ آپ کی اس بیماری کے لیے شہد تجویز کیا گیا۔ بیت المال میں شہد کا برتن موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں اسے لے لیتا ہوں ورنہ یہ مجھ پر حرام ہے تو لوگوں نے اس بارے میں آپ کو اجازت دے دی۔[561]

بیت المال کے اموال کی حفاظت کا کس قدر خیال تھا اس بارے میں یہ واقعہ پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ مختصر بیان کرتا ہوں کہ ایک دوپہر کو شدید گرمی میں پیچھے رہ جانے والے دو اونٹوں کو خود ہانک کر

آپؓ چراگاہ میں لے کر جارہے تھے کہ کہیں ادھر ادھر گم نہ ہو جائیں۔ اتفاق سے حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا تو کہا کہ یہ کام ہم کر لیتے ہیں، آپؓ سائے میں آجائیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم لوگ آرام سے سائے میں بیٹھو۔ یہ میرا کام ہے۔ یہ مَیں ہی کروں گا۔[562]

اس واقعہ کو حضرت مصلح موعودؓ دیوں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں کو مال دیا، دولت دی، عزت دی، رتبہ دیا مگر وہ اسلام سے غافل نہیں ہوگئے۔ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ تم لوگوں میں کچھ ہے تو اپنے دین سے غافل نہ ہو، اسلام کی تعلیم سے غافل نہ ہو، اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ باہر قُبّہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اتنی شدید گرمی پڑ رہی تھی کہ دروازہ کھولنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں میرے غلام نے مجھے کہا۔ دیکھئے شدید دھوپ میں باہر ایک شخص پھر رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ شخص میرے قُبّہ کے قریب پہنچا اور میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی میں گھبرا کر باہر نکلا اور میں نے کہا اس گرمی میں آپؓ کہاں؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے کہ بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کی تلاش میں مَیں باہر پھر رہا ہوں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے آگے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ وہ ہوں گے تختوں پر مگر ہر وقت نگرانی ان کا کام ہوگا۔ دنیا کی نعمتیں اور دنیا کے آرام ان کو سست نہیں بنائیں گی۔ وہ ان آرَآئِك کے اندر سونہ رہے ہوں گے بلکہ بیدار اور ہوشیار ہوں گے۔ لوگوں کے حقوق کی دیکھ بھال کریں گے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری خوش اسلوبی سے ادا کرتے چلے جائیں گے۔[563]

<u>مساوات کے قیام کے بارے میں</u> روایت آتی ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک یہودی اور ایک مسلمان لڑتے ہوئے آئے۔ حضرت عمرؓ کو یہودی کی طرف حق معلوم ہوا تو انہوں نے اس کے موافق فیصلہ کیا۔ پھر یہودی بولا اللہ کی قسم! تم نے سچا فیصلہ کیا ہے۔[564]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مصر کا ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپؓ کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا: تُو نے اچھی پناہ گاہ ڈھونڈی ہے۔ اس نے کہا میں نے عمرو بن عاصؓ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ اس پر وہ مجھے کوڑے مارنے لگا اور کہا میں معزز فرد کا بیٹا ہوں۔ تمہیں یہ جرأت کس طرح ہوئی کہ میرے سے آگے نکلو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا اور انہیں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مصری کہاں ہے؟ کوڑا لو اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے اس لڑکے کو مارو۔ وہ اسے مارنے لگا۔ اور حضرت عمرؓ فرما رہے تھے، اس مصری شخص کو کہہ رہے تھے کہ 'معزز فرد کے بیٹے کو مار۔' حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس نے اسے مارا اور ہم اس کے مارنے کو پسند کر رہے تھے۔ وہ اسے مسلسل کوڑے مارتا رہا یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ اب چھوڑ

دے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس مصری شخص سے کہا کہ عمرو بن عاصؓ کے سر پر مارو۔ تو اس (مصری) نے کہا کہ اے امیر المومنین! ان کے بیٹے نے مجھے مارا تھا اور میں نے اس سے بدلہ لے لیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے کہا: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے؟ حضرت عمرو بن عاصؓ نے عرض کیا اے امیر المومنین! نہ مجھے اس واقعہ کا علم تھا اور نہ وہ مصری میرے پاس آیا۔[565]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ مال آیا اور آپؓ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے لگے۔ لوگوں نے بھیڑ لگا دی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ لوگوں سے مزاحمت کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور آپؓ تک پہنچ گئے۔ آپؓ نے انہیں ایک درہ لگایا اور کہا:

تم زمین میں اللہ کے سلطان سے نہیں ڈرے اور اژدھام کو چیرتے ہوئے آگے نکل آئے تو میں نے سوچا کہ تم کو بتادوں کہ اللہ کا سلطان بھی تم سے قطعاً نہیں ڈرتا۔[566]

حضرت عمرؓ میں وسعتِ حوصلہ کس حد تک تھی۔ اس بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! تم میں کوئی بھی شخص اگر مجھ میں ٹیڑھا پن دیکھے تو اسے سیدھا کر دے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا اگر ہم آپؓ میں ٹیڑھا پن دیکھیں گے تو اسے اپنی تلواروں سے سیدھا کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس امّت میں ایسا بھی آدمی پیدا کیا ہے جو عمر کے ٹیڑھے پن کو اپنی تلوار سے سیدھا کرے گا۔[567]

حضرت عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: مجھے بھلائی کا حکم دے کر، برائی سے روک کر اور مجھے نصیحت کر کے میری مدد کرو۔[568]

پھر ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو میرے عیوب سے مجھے آگاہ کرے۔[569]

پھر حضرت عمرؓ کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے کہ مجھے خوف ہے کہ مَیں غلطی کروں اور میرے ڈر سے کوئی مجھے سیدھا راستہ نہ دکھائے۔[570]

ایک دن آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور مجمع عام کے سامنے کہنے لگا: اے عمر! اللہ سے ڈرو۔ بعض لوگ اس کی بات سن کر سخت غصہ ہو گئے اور اسے خاموش کرانا چاہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے کہا:

تم میں کوئی خیر نہیں اگر تم عیب کو نہ بتاؤ اور ہم میں کوئی خیر نہیں اگر ہم اس کو نہ سنیں۔[571] یعنی اسے کہا صرف یہ بات نہ کرو بلکہ معین کر کے بتاؤ کہ کیا بات کرنا چاہتے ہو۔

ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے اتنا ہی کہا تھا اے لوگو! سنو اور اطاعت کرو کہ ایک آدمی نے بات کاٹتے ہوئے کہا: اے عمر! نہ ہم سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے نرمی سے پوچھا اللہ کے بندے! کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے

کہ بیت المال سے جو کپڑا سب میں تقسیم کیا گیا اس سے لوگ صرف قمیص بنوا سکے۔ جوڑا مکمل نہیں ہوا اور آپؓ کو بھی اتنا ہی کپڑا ملا ہو گا۔ پھر آپؓ کا جوڑا کیسے تیار ہو گیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا: اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور پھر اپنے بیٹے عبد اللہ کو بلایا۔ عبد اللہ نے بتایا کہ انہوں نے اپنے والد کو اپنے حصہ کا کپڑا دیا ہے تاکہ ان کا لباس مکمل ہو جائے۔ یہ سن کر سب لوگ مطمئن ہو گئے اور اس آدمی نے کہا۔ اے امیر المومنین! اب سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔[572]

بعض اس قسم کے اجڈ بھی ہوتے تھے لیکن اس قسم کی باتیں آنحضرت ﷺ کے جو تربیت یافتہ صحابہ تھے ان کے منہ سے کبھی آپ نہیں سنیں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دیر سے مسلمان ہوئے، یا پھر بالکل ہی اجڈ، اَن پڑھ اور جاہل تھے۔ جو کبار صحابہ تھے ان میں ایسی باتیں نہیں پائی جاتی تھیں ان میں کامل اطاعت ہوتی تھی۔

اسلام مذہبی امور میں آزادی دیتا ہے۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا طریق کیا تھا۔ فتح اسکندریہ کے بعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو پیغام بھیجا کہ اے اقوامِ عرب! میں تم سے زیادہ قابل نفرت قوموں یعنی اہلِ فارس اور روم کو جزیہ ادا کرتا تھا۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ آپ میرے علاقے کے جنگی قیدیوں کو لوٹا دیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے دربارِ خلافت میں تمام حالات لکھے۔

حضرت عمرؓ کا جواب آیا کہ تم حاکم اسکندریہ کے سامنے یہ تجویز رکھو کہ وہ جزیہ ادا کرے مگر جو جنگی قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں انہیں اختیار دیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کریں یا اپنی قوم کے مذہب کو برقرار رکھیں۔ جو مسلمان ہو جائے گا وہ مسلمانوں میں شامل ہو گا اور اس کے حقوق و فرائض انہی جیسے ہوں گے یعنی مسلمانوں جیسے مگر جو اپنی قوم کے مذہب پر برقرار رہے گا اس پر وہی جزیہ مقرر کیا جائے گا جو اس کے ہم مذہبوں پر ہو گا۔ چنانچہ عمرو بن عاصؓ نے تمام قیدیوں کو جمع کیا اور ان کو فرمانِ خلافت پڑھ کر سنایا گیا تو بہت سے قیدی مسلمان ہو گئے۔[573]

مذہبی آزادی میں آپ کس قدر محتاط تھے۔ اس بارے میں ایک واقعہ ہے۔ ایک دفعہ ایک بوڑھی نصرانی عورت اپنی کسی ضرورت سے حضرت عمرؓ کے پاس آئی تو آپؓ نے اس سے کہا مسلمان ہو جاؤ محفوظ رہو گی۔ اللہ نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس نے جواب دیا میں بوڑھی عورت ہوں اور موت میرے قریب ہے۔ آپؓ نے اس کی ضرورت پوری کر دی لیکن ڈرے کہ کہیں آپؓ کا یہ کام اس کی ضرورت سے غلط فائدہ اٹھا کر اسے مجبوراً مسلمان بنانے کے مترادف نہ ہو جائے۔ اس لیے آپؓ نے اس عمل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور کہا اے اللہ! مَیں نے اسے سیدھی راہ دکھائی تھی اسے مجبور نہیں کیا تھا۔ بہت احتیاط تھی۔[574]

پھر ایک واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا ایک عیسائی غلام تھا اس کا نام اَشَق تھا اس کا بیان ہے کہ میں

حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ آپؓ نے مجھ سے کہا مسلمان ہو جاؤ تا کہ مسلمانوں کے بعض معاملات میں تم سے مدد لے لیا کروں کیونکہ ہمارے لیے مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے معاملے میں ان لوگوں سے مدد لوں جو غیر مسلم ہیں لیکن میں نے انکار کر دیا، غلام نے کہا۔ تو آپؓ نے فرمایا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین اسلام میں زبردستی نہیں۔ جب آپؓ کی وفات قریب ہوئی تو آپؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا تمہاری جہاں مرضی ہو چلے جاؤ۔[575]

جانوروں پر شفقت اور رحم دلی کا واقعہ۔ اَحْنَف بن قَیس کا بیان ہے کہ ہم عمر بن خطابؓ کے پاس ایک وفد کی شکل میں فتح عظیم کی خوشخبری لے کر آئے۔ آپؓ نے پوچھا آپ لوگ کہاں ٹھہرے ہو؟ میں نے کہا فلاں جگہ۔ پھر آپؓ میرے ساتھ چل پڑے۔ ہماری سواری کے اونٹوں کے باڑے یعنی ان کے باندھنے کے مقام تک پہنچے اور ایک ایک کو غور سے دیکھنے کے بعد فرمانے لگے کیا تم اپنی سواریوں کے بارے میں اللہ سے خوف نہیں کھاتے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ان کا بھی تم پر حق ہے؟ انہیں کھلا کیوں نہ چھوڑ دیا کہ گھاس وغیرہ چرتے۔[576]

حضرت عمرؓ نے ایک اونٹ دیکھا جس پر بے بسی اور بیماری کے آثار بالکل نمایاں تھے۔ سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنا ہاتھ اونٹ کی پشت پر ایک زخم کے پاس رکھا اور خود کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تیرے بارے میں اللہ کے ہاں میری بازپرس نہ ہو۔[577]

پھر ایک روایت اسلم سے ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے دل میں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔

یَرْفَا (حضرت عمرؓ کے غلام کا نام ہے) سواری پر سوار ہوا اور آگے پیچھے چار میل تک دوڑا کر ایک عمدہ مچھلی خرید کر لایا۔

پھر سواری کی طرف متوجہ ہوا اور اسے غسل دیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے اور فرمانے لگے چلو یہاں تک کہ آپؓ نے سواری کو دیکھ کر فرمایا۔

تم اس پسینہ کو دھونا بھول گئے ہو جو اس کے کان کے نیچے ہے۔ تم نے عمر کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایک جانور کو تکلیف میں مبتلا کر ڈالا ہے۔ اللہ کی قسم! عمر تیری اس مچھلی کو نہیں چکھے گا۔[578]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت عراق سے ایک وفد آیا۔ اس میں اَحْنَف بن قَیس بھی تھے۔ حضرت عمرؓ سر پر پگڑی باندھ کر زکوۃ کے ایک اونٹ کو تارکول وغیرہ لگا رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا اے اَحْنَف! اپنے کپڑے اتارو اور آؤ۔ اس اونٹ میں امیر المومنین کی مدد کرو۔ یہ زکوۃ کا اونٹ ہے۔ اس میں یتیم، بیوہ اور مسکین کا حق ہے۔[579]

حضرت عمرؓ کا ایک یہودی کو ایک جواب اس کے بارے میں ایک روایت ہے۔ طارق نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کی کہ یہود میں سے کسی شخص نے ان سے کہا: امیر المومنین! آپؓ کی کتاب میں

ایک آیت ہے جسے آپ پڑھتے ہیں اگر وہ ہم پر یعنی یہود کی قوم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون سی ہے؟ اس نے کہا۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدہ:4) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تمہیں اپنی نعمت ساری کی ساری عطا کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہمیں وہ دن اور وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ آپؐ اس وقت جمعہ کے دن عرفات میں کھڑے تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ اس بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ سے ایک یہودی نے کہا کہ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔ اگر وہ ہماری کتاب میں اترتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ... الآیۃ۔ آپ نے فرمایا وہ دن تو ہمارے لئے دو عیدوں کا دن تھا یعنی جمعہ کا دن اور عرفہ کے دن۔ [اس دن] یہ آیت نازل ہوئی تھی۔" [580]

بعض بزرگان حضرت عمرؓ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ اَشْعَثْ سے روایت ہے کہ میں نے امام شعبی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ جب لوگ کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو دیکھو کہ حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں کیا کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ بغیر مشورہ کے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔[581]

امام شَعبی فرماتے ہیں: مَیں نے حضرت قَبِیصہ بن جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے آپ سے زیادہ کتاب اللہ کو پڑھنے والا اور اللہ کے دین کو سمجھنے والا اور آپ سے اچھا اس کی درس و تدریس کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔[582]

حضرت حسن بصریؒ نے کہا جب تم اپنی مجلس کو خوشبودار بنانا چاہو تو حضرت عمرؓ کا بہت ذکر کرو۔ [583]

مجاہد سے روایت ہے کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ بے شک حضرت عمرؓ کے دور میں شیاطین جکڑے ہوئے تھے۔ جب آپؓ شہید ہوئے تو شیاطین زمین میں کودنے لگے۔[584]

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ کا شاعرانہ ذوق بھی بہت تھا۔ خود شعر تو نہیں کہتے تھے لیکن شعر سنتے تھے، پسند کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک سفر میں نکلا۔ ایک رات جب ہم چل رہے تھے تو میں ان کے قریب آیا تو انہوں نے اپنے پالان کے اگلے حصہ پر ایک کوڑا مار کر یہ اشعار پڑھے۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللهِ يُقْتَلُ أَحْمَدُ وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلُ
وَنُسْلِمُهُ حَتَّى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

تم جھوٹ بولتے ہو۔ اللہ کے گھر خانہ کعبہ کی قسم! حضرت احمد ﷺ شہید نہیں ہو سکتے جب تک کہ

ہم ان کی حفاظت کے لیے نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے جوہر نہ دکھائیں۔ ہم انہیں نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ ہم ان کے قریب جنگ کرتے ہوئے مارے جائیں اور اپنے فرزند اور اہل و عیال کو بھول جائیں۔

وَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا أَبَرَّ وَأَوْفٰى ذِمَّةً مِنْ مُحَمَّدٍ

کسی اونٹنی نے اپنی پشت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نیکی کرنے والا اور وعدہ پورا کرنے والے انسان کو نہیں اٹھایا۔[585]

ایک تاریخ دان ڈاکٹر علی محمد صَلَّابی اپنی کتاب ”سیدنا عمر بن خطابؓ۔ شخصیت اور کارنامے“ میں شعر و شاعری سے لگاؤ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ شعر کے ذریعہ مثال دینے والے حضرت عمرؓ تھے۔

آپؓ کے بارے میں بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ آپؓ کے سامنے شاید ہی کوئی معاملہ آتا رہا ہو اور آپؓ اس پر شعر نہ سناتے رہے ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپؓ نیا جوڑا زیب تن کر کے باہر نکلے۔ لوگ آپؓ کو بہت دھیان سے دیکھنے لگے۔ اس پر آپؓ نے انہیں مثال دیتے ہوئے یہ اشعار سنائے:

لَمْ تُغْنِ عَنْ هُرْمُزٍ يَوْمًا خَزَائِنُهُ وَالْخُلْدُ قَدْ حَاوَلَتْ عَادٌ فَمَا خَلَدُوْا

أَيْنَ الْمُلُوْكُ الَّتِيْ كَانَتْ نَوَافِلُهَا مِنْ كُلِّ أَوْبٍ إِلَيْهَا رَاكِبٌ يَفِدُ

کہ موت کے وقت ہُرمز کو اس کے خزانوں نے کوئی فائدہ نہ دیا اور قوم عاد نے ہمیشہ آباد رہنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ نہ رہی۔ کہاں گئے وہ بادشاہ جن کے چشموں گھاٹوں سے ہر طرف سے آنے والا قافلہ سیراب ہوتا تھا۔[586]

علی محمد صَلَّابی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ انہی اشعار کو پسند کرتے تھے جن میں اسلامی زندگی کا جوہر چمکتا ہو۔

وہ اسلامی خصوصیات کی عکاسی کرتے ہوں اور ان کے معانی اور مطالب اسلام کی تعلیمات کے خلاف اور اس کی اقدار سے متعارض نہ ہوں۔ آپؓ مسلمانوں کو بہترین اشعار یاد کرنے پر ابھارتے اور فرماتے تھے۔ شعر سیکھو۔ اس میں وہ خوبیاں ہوتی ہیں جن کی تلاش ہوتی ہے نیز حکماء کی حکمت ہوتی ہے اور مکارم اخلاق کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔ آپؓ شعر کے فوائد کے سلسلہ میں صرف اتنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسے دلوں کی چابی اور انسان کے جسم میں خیر کے جذبات کا محرک تصور کرتے تھے۔ آپ شعر کی فضیلت اور فائدے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان کا سب سے بہترین فن شعر کے چند ابیات کی تخلیق ہے جنہیں وہ اپنی ضرورتوں میں پیش کرتا ہے۔ ان میں کریم اور سخی آدمی کے دل کو نرم کر لیتا ہے اور کمینے شخص کے دل کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔

جاہلی شعراء، زمانۂ جاہلیت کے جو پرانے شعراء تھے، ان کے کلام کو بھی اس لیے کافی لگن سے یاد

کرتے تھے کہ کتابِ الٰہی کے افہام و تفہیم سے ان کا گہرا تعلق ہے۔ آپؓ نے فرمایا: تم اپنے دیوان کو حفظ کر لو اور گمراہ نہ رہو۔ سامعین نے آپ سے پوچھا کہ ہمارا دیوان کون سا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا دورِ جاہلیت کے اشعار ہیں۔ ان میں تمہاری کتاب یعنی قرآن مجید کی تفسیر ہے اور تمہارے کلام کے معنی ہیں۔ آپؓ کا یہ فرمان آپؓ کے شاگرد اور ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس کے اس موقف سے بھی متفق ہے جس میں آپ نے کہا کہ جب تم قرآن پڑھو اور اس کو نہ سمجھ سکو تو اس کے مفہوم معانی عرب کے اشعار میں تلاش کرو کیونکہ شاعری عربوں کا دیوان ہے۔[587]

برصغیر کے معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب 'الفاروق' میں آپؓ کے شعر و شاعری کے ذوق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ حضرت عمرؓ کی شہرت عام طور پر کم ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپؓ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ ہم ترک نہیں کر سکتے۔ عرب کے ایک مشہور و معروف شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعرا کے کلام پر ان کی خاص خاص آراء تھی۔ اہلِ ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ آپؓ کے زمانہ میں اُن سے بڑھ کر کوئی شخص شعر پڑھنے والا نہ تھا۔

جَاحِظ نے اپنی کتاب 'البیان والتبیین' میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔ حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھے اشعار سنتے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔ اگرچہ آپؓ کو مہماتِ خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے اس لیے سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔ آپؓ صرف وہ اشعار پسند کرتے تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافتِ نفس، حمیت، عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بنا پر امرائے فوج اور اضلاع کے عاملوں کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتوں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔ تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ تھے: اپنی اولاد کو تیرنا اور شہ سواری سکھاؤ اور ضرب الامثال اور اچھے اشعار یاد کراؤ یعنی علمی ذوق بھی پیدا کرو۔ اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام اعلانیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجو گوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حُطَیْئَہ کو جو مشہور ہجو گو تھا اس جرم میں قید کیا۔[588]

علامہ شبلی نعمانی مزید لکھتے ہیں۔ اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر مُتَمِّمْ بن نُوَیْرَہ تھا جس کے بھائی کو

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیہ کہا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی تو اس نے چند اشعار پڑھے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ اگر مجھے کوئی ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپؓ کے بھائی کی طرح مارا جاتا یعنی شہادت کی موت مرتا تو میں ہر گز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ متمم جیسی تعزیت کسی نے نہیں کی۔[589]

حضرت عمرؓ کے فضائل اور مناقب کے بارے میں **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام** فرماتے ہیں: "بعض واقعات پیشگوئیوں کے جن کا ایک ہی دفعہ ظاہر ہونا امید رکھا گیا ہے وہ تدریجاً ظاہر ہوں یا کسی اَور شخص کے واسطہ سے ظاہر ہوں جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیشگوئی کہ قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کے ہاتھ پر رکھی گئی ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے ظہور سے پہلے آنحضرت ﷺ فوت ہو چکے تھے اور آنجنابؐ نے نہ قیصر اور کسریٰ کے خزانہ کو دیکھا اور نہ کنجیاں دیکھیں مگر چونکہ مقدّر تھا کہ وہ کنجیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب ﷺ کا وجود ہی تھا اس لیے عالمِ وحی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پیغمبر خدا ﷺ کا ہاتھ قرار دیا گیا۔"[590]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

"یہ عقیدہ ضروری ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق عمرؓ اور حضرت ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سب کے سب واقعی طور پر دین میں امین تھے۔ ابوبکرؓ جو اسلام کے آدم ثانی ہیں اور ایسا ہی حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اگر دین میں سچے امین نہ ہوتے تو آج ہمارے لئے مشکل تھا جو قرآن شریف کی کسی ایک آیت کو بھی من جانب اللہ بتا سکتے۔"[591]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "مجھے میرے رب کی طرف سے خلافت کے بارے میں ازروئے تحقیق تعلیم دی گئی ہے اور محققین کی طرح میں اس حقیقت کی تہ تک پہنچ گیا اور میرے رب نے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ صدیق اور فاروق اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نیکوکار اور مومن تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے چن لیا اور جو خدائے رحمان کی عنایات سے خاص کئے گئے اور اکثر صاحبان معرفت نے ان کے محاسن کی شہادت دی۔ انہوں نے بزرگ و برتر خدا کی خوشنودی کی خاطر وطن چھوڑے۔ ہر جنگ کی بھٹی میں داخل ہوئے اور موسم گرما کی دوپہر کی تپش اور سردیوں کی رات کی ٹھنڈک کی پرواہ نہ کی بلکہ نوخیز جوانوں کی طرح دین کی راہوں پر محو خرام ہوئے اور اپنوں اور غیروں کی طرف مائل نہ ہوئے اور اللہ رب العالمین کی خاطر سب کو خیرباد کہہ دیا۔ ان کے اعمال میں خوشبو اور ان کے افعال میں مہک ہے اور یہ سب کچھ ان کے مراتب کے باغات اور ان کی نیکیوں کے گلستانوں کی

طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان کی بادِ نسیم اپنے معطر جھونکوں سے ان کے اسرار کا پتہ دیتی ہے اور ان کے انوار اپنی پوری تابانیوں سے ہم پر ظاہر ہوتے ہیں پس تم ان کے مقام کی چمک دمک کا ان کی خوشبو کی مہک سے پتہ لگاؤ اور جلد بازی کرتے ہوئے بدگمانیوں کی پیروی مت کرو اور بعض روایات پر تکیہ نہ کرو! کیونکہ ان میں بہت زہر اور بڑا غلو ہے اور وہ قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بہت ساری روایات تہ وبالا کرنے والی آندھی اور بارش کا دھوکہ دینے والی بجلی کے مشابہ ہیں۔ پس اللہ سے ڈر اور ان (روایات) کی پیروی کرنے والوں میں سے نہ بن۔"[592]

پھر آپؑ فرماتے ہیں: بخدا اللہ تعالیٰ نے شیخین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اور تیسرے جو ذوالنورین ہیں ہر ایک کو اسلام کے دروازے اور خیر الانام محمد رسول اللہ ﷺ کی فوج کے ہراول دستے بنایا ہے۔ پس جو شخص ان کی عظمت سے انکار کرتا ہے اور ان کی قطعی دلیل کو حقیر جانتا ہے اور ان کے ساتھ ادب سے پیش نہیں آتا بلکہ ان کی تذلیل کرتا اور ان کو برا بھلا کہنے کے درپے رہتا ہے اور زبان درازی کرتا ہے مجھے اس کے بد انجام اور سلب ایمان کا ڈر ہے اور جنہوں نے اس کو دکھ دیا، ان پر لعن کیا اور بہتان لگائے تو دل کی سختی اور خدائے رحمان کا غضب ان کا انجام ٹھہرا۔

میرا بارہا کا تجربہ ہے اور میں اس کا کھلے طور پر اظہار بھی کر چکا ہوں کہ ان سادات سے بغض و کینہ رکھنا برکات ظاہر کرنے والے اللہ سے سب سے زیادہ قطع تعلقی کا باعث ہے اور جس نے بھی ان سے دشمنی کی تو ایسے شخص پر رحمت اور شفقت کی سب راہیں بند کر دی جاتی ہیں اور اس کے لئے علم و عرفان کے دروازے وا نہیں کئے جاتے اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی لذات و شہوات میں چھوڑ دیتا ہے اور نفسانی خواہشات کے گڑھوں میں گرا دیتا ہے اور اسے اپنے آستانے سے دور رہنے والا اور محروم کر دیتا ہے۔

انہیں یعنی خلفائے راشدین کو اسی طرح اذیت دی گئی جس طرح نبیوں کو دی گئی اور ان پر لعنتیں ڈالی گئیں جس طرح مرسلوں پر ڈالی گئیں اس طرح ان کا رسولوں کا وارث ہونا ثابت ہو گیا اور روز قیامت ان کی جزا اقوام و ملل کے ائمہ جیسی متحقق ہوگئی کیونکہ جب مومن پر کسی قصور کے بغیر لعنت ڈالی جائے اور کافر کہا جائے اور بلاوجہ اس کی ہجو کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جائے تو وہ انبیاء کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کی مانند بن جاتا ہے۔ پھر اسے بدلہ دیا جاتا ہے جیسا نبیوں کو بدلہ دیا جاتا ہے اور مرسلوں جیسی جزا پاتا ہے۔

یہ لوگ بلاشبہ حضرت خیر الانبیاء کی اتباع میں عظیم مقام پر فائز تھے اور جیسا کہ بزرگ و برتر اللہ نے ان کی مدح فرمائی وہ ایک اعلیٰ امّت تھے اور اس نے خود اپنی روح سے ان کی ایسی ہی تائید فرمائی جیسے وہ اپنے تمام برگزیدہ بندوں کی تائید فرماتا ہے اور فی الحقیقت ان کے صدق کے انوار اور ان کی پاکیزگی کے آثار پوری تابانی سے ظاہر ہوئے اور یہ کھل کر واضح ہو گیا کہ وہ سچے تھے اور اللہ ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے انہیں وہ کچھ عطا فرمایا جو دنیا جہان میں کسی اور کو نہ دیا گیا۔[593]

پھر آپؑ شیعہ حضرات کی ایک بات کو ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”شیعہ حضرات میں سے جو یہ خیال کرتا ہے کہ (ابوبکر) صدیقؓ یا (عمر) فاروقؓ نے (علی) مرتضیٰؓ یا (فاطمۃ) الزہرۃؓ کے حقوق کو غصب کیا اور ان پر ظلم کیا تو ایسے شخص نے انصاف کو چھوڑا اور زیادتی سے پیار کیا اور ظالموں کی راہ اختیار کی۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنے وطن، عزیز دوست اور مال و متاع چھوڑے اور جنہیں کفار کی طرف سے اذیتیں دی گئیں اور جو شر پسندوں کے ہاتھوں بے گھر ہوئے مگر (پھر بھی) انہوں نے اچھے اور نیک لوگوں کی طرح صبر کیا اور وہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے (پھر بھی) گھروں کو سیم و زر سے نہ بھرا اور نہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو سونے اور چاندی کا وارث بنایا بلکہ جو کچھ حاصل ہوا وہ بیت المال کو دے دیا اور انہوں نے دنیاداروں اور گمراہوں کی طرح اپنے بیٹوں کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ انہوں نے اس دنیا میں زندگی فقر اور تنگدستی کی حالت میں بسر کی اور وہ امراء اور رؤسا کی طرح ناز و نعمت کی طرف مائل نہ ہوئے۔ کیا ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ ازراہِ تعدّی لوگوں کے اموال چھیننے والے تھے اور حق چھیننے، لوٹ مار کرنے اور غارت گری کی طرف میلان رکھنے والے تھے۔ کیا سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت قدسیہ کا یہ اثر تھا؟ حالانکہ اللہ تمام کائنات کے رب نے ان کی حمد و ثناء کی۔

حقیقت یہ ہے کہ (اللہ) نے ان کے نفوس کا تزکیہ فرمایا اور ان کے دلوں کو پاکیزگی بخشی اور ان کے وجودوں کو منور کیا اور آئندہ آنے والے پاکبازوں کا پیش رَو بنایا اور ہم کوئی کمزور احتمال اور سطحی خیال بھی نہیں پاتے جو ان کی نیتوں کے فساد کی خبر دے یا ان کی ادنیٰ برائی کی طرف اشارہ کرتا ہو چہ جائیکہ ان کی ذات کی طرف ظلم منسوب کرنے کا کوئی پختہ ارادہ کرے۔ بخدا وہ انصاف کرنے والے لوگ تھے۔ اگر انہیں مالِ حرام کی وادی بھی دی جاتی تو وہ اس پر تھوکتے بھی نہیں اور نہ ہی حریصوں کی طرح اس کی طرف مائل ہوتے خواہ سونا پہاڑوں جتنا یا سات زمینوں جتنا ہوتا۔ اگر انہیں حلال مال ملتا تو وہ ضرور اسے صاحبِ جبروت (خدا) کی راہ اور دینی مہمات میں خرچ کرتے۔ پس ہم یہ کیسے خیال کرسکتے ہیں کہ انہوں نے چند درختوں کی خاطر (فاطمۃ) الزہراءؓ کو ناراض کر دیا اور جگر گوشۂ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شر پسندوں کی طرح اذیت دی بلکہ شرفاء نیک نیت ہوتے اور حق پر ثابت قدم ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ متقیوں کے باطن کو خوب جانتا ہے۔“[594]

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ”سچ تو یہ ہے کہ (ابوبکر) صدیقؓ اور (عمر) فاروقؓ دونوں اکابر صحابہ میں سے تھے۔ ان دونوں نے ادائیگی حقوق میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے تقویٰ کو اپنی راہ اور عدل کو اپنا مقصود بنالیا تھا۔ وہ حالات کا گہرا جائزہ لیتے اور اَسرار کی کنہ تک پہنچ جاتے تھے۔ دنیا کی خواہشات کا حصول کبھی بھی ان کا مقصود نہ تھا۔ انہوں نے اپنے نفوس کو اللہ کی اطاعت میں لگائے رکھا۔ کثرت فیوض اور نبی الثقلینؐ کے دین کی تائید میں شیخین (یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) جیسا میں نے کسی کو نہ

پایا۔ یہ دونوں ہی آفتاب امم و ملل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع میں مہتاب سے بھی زیادہ سریع الحرکت تھے اور آپؐ کی محبت میں فنا تھے۔ انہوں نے حق کے حصول کی خاطر ہر تکلیف کو شیریں جانا اور اس نبی کی خاطر جس کا کوئی ثانی نہیں، ہر ذلت کو برضا و رغبت گوارا کیا اور کافروں اور منکروں کے لشکروں اور کافروں سے مٹھ بھیڑ کے وقت شیروں کی طرح سامنے آئے یہاں تک کہ اسلام غالب آ گیا اور دشمن کی جمعیتوں نے ہزیمت اٹھائی۔ شرک چھٹ گیا اور اس کا قلع قمع ہو گیا اور ملّت و مذہب کا سورج جگمگ جگمگ کرنے لگا اور مقبول دینی خدمت بجالاتے ہوئے اور مسلمانوں کی گردنوں کو لطف و احسان سے زیر بار کرتے ہوئے ان دونوں کا انجام خیر المرسلینؐ کی ہمسائیگی پر منتج ہوا اور یہ اس اللہ کا فضل ہے جس کی نظر سے متقی پوشیدہ نہیں اور بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ جو شخص بکمال شوق اللہ کے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے ہرگز ضائع نہیں کرتا، خواہ دنیا بھر کی ہر چیز اس کی دشمن ہو جائے اور اللہ کا طالب کسی نقصان اور تنگی کا منہ نہیں دیکھتا اور اللہ صادقوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔

اللہ اکبر! ان دونوں (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے صدق و خلوص کی کیا بلند شان ہے! وہ دونوں ایسے (مبارک) مدفن میں دفن ہوئے کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو بصد رشک وہاں دفن ہونے کی تمنا کرتے لیکن یہ مقام محض تمنا سے تو حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ صرف خواہش سے عطا کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ تو بارگاہ ربّ العزت کی طرف سے ایک ازلی رحمت ہے اور یہ رحمت صرف انہی لوگوں کی طرف رخ کرتی ہے جن کی طرف عنایت (الٰہی) ازل سے متوجہ ہو۔ (یہی لوگ ہیں) جنہیں انجام کار اللہ کے فضل کی چادریں ڈھانپ لیتی ہیں۔"[595]

پھر آپؑ فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کچھ اسلام کا بنا ہے وہ اصحابِ ثلاثہ سے ہی بنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے وہ اگرچہ کچھ کم نہیں مگر ان کی کارروائیوں سے کسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خفت نہیں ہو سکتی کیونکہ کامیابی کی پٹڑی تو صدیق اکبرؓ نے ہی جمائی تھی اور عظیم الشان فتنہ کو انہوں نے ہی فرو کیا تھا۔ ایسے وقت میں جن مشکلات کا سامنا حضرت ابوبکرؓ کو پڑا وہ حضرت عمرؓ کو ہرگز نہیں پڑا۔ پس صدیقؓ نے رستہ صاف کر دیا تو پھر اس پر عمرؓ نے فتوحات کا دروازہ کھولا۔"[596]

پھر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل کی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں جو آپؑ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین حضرت ابوبکر و عمر کی محبت اور عزت کی تھی کہ:

"ایک دفعہ ایک دوست نے جو محبت مسیح موعودؑ میں فنا شدہ تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کی کہ کیوں نہ ہم آپؑ کو مدارج میں شیخینؓ" یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر "سے افضل سمجھا کریں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب قریب مانیں؟ اللہ اللہ! اس بات کو سن کر حضرت اقدسؑ" یعنی مسیح موعود

علیہ السلام "کا رنگ اُڑ گیا اور آپ کے سراپا پر عجیب اضطراب وبیتابی مستولی ہو گئی۔" کہتے ہیں کہ "میں خدائے غیور وقدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس گھڑی نے میرا ایمان حضور اقدسؑ کی نسبت اَور بھی زیادہ کر دیا۔ آپؑ نے برابر چھ گھنٹے کامل تقریر فرمائی۔ بولتے وقت میں نے گھڑی دیکھ لی تھی اور جب آپؑ نے تقریر ختم کی جب بھی دیکھی۔ پورے چھ ہوئے۔ ایک منٹ کا فرق بھی نہ تھا۔ اتنی مدت تک ایک مضمون کو بیان کرنا اور مسلسل بیان کرنا ایک خرق عادت تھا۔ اس سارے مضمون میں آپؑ نے رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے محامد وفضائل اور اپنی غلامی اور کفش برداری کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور جناب شیخین علیہم السلام" (حضرت ابو بکر و عمر) "کے فضائل بیان فرمائے اور فرمایا۔ "میرے لئے یہ کافی فخر ہے کہ میں ان لوگوں کا مداح اور خاک پا ہوں۔"

جو جزئی فضیلت خدا تعالیٰ نے انہیں بخشی ہے وہ قیامت تک کوئی اَور شخص نہیں پا سکتا۔

کب دوبارہ محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں پیدا ہوں اور پھر کسی کو ایسی خدمت کا موقع ملے جو جناب شیخین علیہما السلام" (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) "کو ملا۔"[597]

3

حضرت عثمانؓ بن عفان

حضرت عثمانؓ کے بارے میں پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ یہ خود جنگِ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے البتہ ان آٹھ خوش نصیب صحابہ میں شامل تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ نے جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ دے کر جنگ میں شامل ہونا ہی قرار دیا تھا۔

نام و نسب

آپ کا نام عثمان بن عفان بن ابو العاص بن اُمَیَّہ بن عبدِ شمس بن عبدِ مَناف بن قُصَیّ بن کِلاب ہے۔ اس طرح آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ نسب کے ساتھ پانچویں پشت پر عبدِ مَنَاف پر جا کر ملتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی والدہ کا نام اَرْوٰی بنت کُرَیز تھا۔ حضرت عثمانؓ کی نانی ام حکیم بَیْضَاء بنت عبد المطلب تھیں جو نبی ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی سگی بہن تھیں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ اور حضرت عثمانؓ کی نانی ام حکیم بَیْضَاء بنت عبد المطلب جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی والدہ اَرْوٰی بنت کریز نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں اور اپنے بیٹے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں فوت ہونے تک مدینہ میں ہی قیام پذیر رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے والد زمانۂ جاہلیت میں ہی فوت ہو گئے تھے۔[598]

کنیت

حضرت عثمانؓ کی کنیت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عَمرو تھی۔ جب حضرت رقیہؓ بنتِ رسول ﷺ سے آپ کے بیٹے عبد اللہ پیدا ہوئے تو اس کی مناسبت سے پھر مسلمانوں میں آپؓ کی کنیت ابو عبد اللہ بھی معروف ہو گئی۔[599]

ابن اسحاق کے مطابق نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی جو غزوۂ بدر کے ایام میں وفات پا گئیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت رقیہؓ کی بہن حضرت اُمِّ کلثومؓ سے حضرت عثمان کی شادی کر دی اس وجہ سے **آپؓ کو ذوالنورین کہا جانے لگا۔**[600]

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ذوالنورین اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپؓ ہر رات نماز تہجد میں بہت زیادہ تلاوت قرآن کریم کیا کرتے تھے چونکہ قرآن نور ہے اور قیام اللیل بھی نور ہے اس لیے آپؓ

ذوالنورین یعنی ''دونوروں والا'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔[601]

ایک صحیح قول کے مطابق حضرت عثمانؓ کی ولادت کے بارے میں یہ بھی ایک روایت ملتی ہے کہ حضرت عثمانؓ عام الفیل کے چھ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ طائف میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔[602]

قبول اسلام

آپؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں یزید بن رُوْمَان روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت طلحہ بن عُبید اللہؓ دونوں حضرت زُبیر بن عوامؓ کے پیچھے پیچھے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا اور انہیں قرآن کریم پڑھ کر سنایا اور انہیں اسلام کے حقوق کے بارے میں آگاہ کیا اور ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی عزت و اکرام کا وعدہ کیا۔

اس پر وہ دونوں، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں حال ہی میں ملک شام سے واپس آیا ہوں۔ جب ہم مَعَانْ اور زَرْقَاء مقام کے درمیان پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ مَعَان اردن کے جنوب میں حجاز کی حدود کے قریب ایک شہر ہے اور زرقاء یہ معان کے ساتھ ہی واقع ہے۔ بہر حال کہتے ہیں وہاں ہم پڑاؤ کیے ہوئے تھے اور ہم سوئے ہوئے تھے کہ ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ اے سونے والو! جاگو۔ یقیناً احمد مکہ میں ظاہر ہو چکا ہے۔ پھر جب ہم واپس پہنچے تو ہم نے آپؐ کے بارے میں سنا۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کے دارِ اَرْقَم میں داخل ہونے سے پہلے قدیمی اسلام لانے والوں میں سے تھے۔[603]

قبول اسلام کے بعد آپؓ پر ظلم بھی ہوئے۔

موسیٰ بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن ابوالعاص بن اُمَیَّہ نے آپ کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا اور کہا کیا تم اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کرتے ہو۔ بخدا میں تمہیں ہرگز نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ تم اپنا یہ نیا دین چھوڑ نہ دو۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا خدا کی قسم! میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ اس سے علیحدگی اختیار کروں گا۔ حکم نے جب آپ کے دین پر مضبوطی کی یہ حالت دیکھی تو پھر مجبوراً آپ کو چھوڑ دیا۔[604]

بنت رسول ﷺ حضرت رقیہؓ سے شادی

حضرت رُقَیَّہ ؓ سے جب آپ کی شادی ہوئی تو اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت رقیہؓ کا رشتہ ابولہب کے بیٹے عُتْبَہ سے اور ان کی بہن حضرت ام کلثومؓ کا

رشتہ عُتبہ کے بھائی عُتَیْبَہ سے ہو چکا تھا۔ جب سورۃ المَسَدْ یعنی سورۃ اللّھب نازل ہوئی تو ان کے باپ ابولہب نے ان سے کہا کہ اگر تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں سے علیحدہ نہ ہوئے تو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ یہ رشتے توڑ دو۔ اس پر ان دونوں نے رخصتی سے قبل ہی دونوں بہنوں کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے مکہ میں ہی حضرت رقیہؓ سے شادی کر لی اور ان کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں ہی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اَحْسَنَ زَوْجَیْنِ رَاٰھُمَا اِنْسَانٌ رُقَیَّۃُ وَزَوْجُھَا عُثْمَانُ۔ سب سے خوبصورت جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا ہو وہ حضرت رقیہؓ اور ان کے شوہر حضرت عثمانؓ ہیں۔[605]

عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے۔ وہ اس وقت حضرت عثمانؓ کا سر دھو رہی تھیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بیٹی! ابوعبداللہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتی رہو۔ یقیناً یہ میرے صحابہ میں اخلاق کے لحاظ سے مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔[606]

ہجرت حبشہ

ہجرت کے واقعہ کے بارے میں ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے صحابہ کو آزمائش پہنچ رہی تھی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقام و مرتبہ کی وجہ سے اور اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے آپؐ عافیت میں تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عافیت میں تھے اور یہ کہ جس آزمائش میں صحابہ تھے اسے روکنے کی آپؐ قدرت اور طاقت نہیں رکھتے تھے۔ گو خود تو کچھ حد تک امن میں تھے لیکن صحابہ پر جو ظلم ہو رہے تھے ان ظلموں کو روکنے کی آپؐ میں طاقت نہیں تھی۔ اس پر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکلو تو وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی ایک پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی کی سرزمین ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس آزمائش سے فراخی عطا فرما دے گا جس میں تم لوگ ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فتنہ کے خوف سے اور اپنے دین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرار کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے حبشہ کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ اسلام میں ہونے والی پہلی ہجرت تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل تھے۔[607]

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو ان کے ساتھ حضرت رقیہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی خبر پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ پتہ نہیں لگ رہا تھا کہ ہجرت کی ہے تو کہاں تک پہنچے ہیں، کیا حال ہے؟ تو آپؐ باہر نکل کر ان کے متعلق خبر کا انتظار

کرتے رہتے۔ پھر ایک عورت آئی اور اس نے آپ کو ان کے بارے میں بتایا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ **حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے اہل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔**[608]

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عَفَّانؓ نے ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ رقیہ کو بھی ہمراہ لے جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ تم میں سے ایک اپنے ساتھی کا حوصلہ بڑھاتا رہے گا۔ یعنی دونوں ہوں گے تو ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے رہو گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کو فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں کی خبر لاؤ کہ چلے گئے ہیں؟ کہاں تک پہنچے ہیں؟ کیا حالات ہیں باہر کے؟

حضرت اسماءؓ جب واپس آئیں تو حضرت ابو بکر بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ ایک خچر پر پالان ڈال کر حضرت رقیہؓ کو اس پر بٹھا کر سمندر کی طرف نکل گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد یہ دونوں ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔[609]

پھر حبشہ سے ان کی واپسی کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جن صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی انہیں خبر پہنچی کہ مکہ والے اسلام لے آئے ہیں۔ اس پر یہ مہاجرین حبشہ سے مکہ کی طرف واپس لوٹے۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اس پر یہ لوگ پوشیدہ طور پر یا کسی کی امان میں آکر مکہ میں داخل ہوئے۔

ان میں سے بعض تو ایسے تھے کہ جنہوں نے پھر مدینہ ہجرت کی اور بدر اور احد کی جنگ میں آپ کے ساتھ یعنی رسول پاک ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے اور بعض ایسے تھے جن کو کفار نے مکہ میں ہی روک لیا اور وہ جنگ بدر وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ حبشہ سے آکر پھر مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ اور ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول ﷺ بھی شامل تھیں۔[610]

حضرت عثمانؓ حبشہ میں چند سال رہے۔ کتاب میں ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ چند سال رہے۔ اس کے بعد جب بعض صحابہؓ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آگئے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ اس بنا پر بعض صحابہ پھر حبشہ کی طرف لوٹ گئے مگر حضرت عثمانؓ مکہ میں ہی رہے یہاں تک کہ مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا ارشاد فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے۔[611]

ایک روایت میں یہ ذکر ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔[612] لیکن اکثر کتب سیرت میں حضرت عثمانؓ کی حبشہ کی طرف اس دوسری ہجرت کا ذکر نہیں ہے۔ ویسے

بھی ہجرت حبشہ ثانیہ کا جو پس منظر اور تفصیلات کتب سیرت و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، محتاط سیرت نگار اس کو من و عن اس طرح تسلیم نہیں کرتے کیونکہ درایتاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ہجرت حبشہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جو اپنی تحقیق کی ہے گو اس میں سے کچھ حصہ مَیں پہلے گذشتہ بعض صحابہ کے ذکر میں کر چکا ہوں لیکن بہرحال یہاں بھی ذکر ضروری ہے۔ مرزا بشیر احمد صاحب کی تحقیق یہ ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "جب مسلمانوں کی تکلیف انتہا کو پہنچ گئی اور قریش اپنی ایذاء رسانی میں ترقی کرتے گئے تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ عادل اور انصاف پسند ہے۔ اس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ حبشہ کا ملک جو انگریزی میں ایتھوپیا یا ابی سینیا کہلاتا ہے برِاعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے اور جائے وقوع کے لحاظ سے جنوبی عرب کے بالکل مقابل پر ہے اور درمیان میں بحیرۂ احمر کے سوا کوئی اور ملک حائل نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں حبشہ میں ایک مضبوط عیسائی حکومت قائم تھی اور وہاں کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا بلکہ اب تک بھی وہاں کا حکمران اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔" یعنی جب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ لکھا۔ "حبشہ کے ساتھ عرب کے تجارتی تعلقات تھے اور ان ایام میں ...... حبشہ کا دارالسلطنت اکسوم (Axsum) تھا جو موجودہ شہر عدوا (Adowa) کے قریب واقع ہے اور اب تک ایک مقدس شہر کی صورت میں آباد چلا آتا ہے۔ اکسوم اُن دنوں میں ایک بڑی طاقتور حکومت کا مرکز تھا اور اس وقت کے نجاشی کا ذاتی نام اصحمہ تھا۔ جو ایک عادل، بیدار مغز اور مضبوط بادشاہ تھا۔ بہرحال جب مسلمانوں کی تکلیف انتہا کو پہنچ گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جن جن سے ممکن ہو حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر ماہ رجب 5/ نبوی میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے زیادہ معروف کے نام یہ ہیں: حضرت عثمانؓ بن عَفَّان اور ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عبدالرحمٰن بن عوف، زُبیر ابن العَوَّام، ابوحذیفہ بن عُتْبَہ، عثمان بن مَظْعُون، مُصْعَب بن عُمَیْر، ابوسَلَمَہ بن عَبْدُالْاَسَد اور ان کی زوجہ اُمِّ سَلَمَہ۔" مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان ابتدائی مہاجرین میں زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی تھی جو قریش کے طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور کمزور لوگ کم نظر آتے ہیں جس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اول یہ کہ طاقتور قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی قریش کے مظالم سے محفوظ نہ تھے۔ دوسرے یہ کہ کمزور لوگ مثلاً غلام وغیرہ اس وقت ایسی کمزوری اور بے بسی کی حالت میں تھے کہ ہجرت کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے۔

جب یہ مہاجرین جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے شُعَیْبَہ پہنچے جو اس زمانہ میں عرب کی ایک بندرگاہ تھی تو اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ ان کو ایک تجارتی جہاز مل گیا جو حبشہ کی طرف روانہ ہونے کو بالکل تیار تھا۔ چنانچہ یہ سب امن سے اس میں سوار ہو گئے اور جہاز روانہ ہو گیا۔ قریشِ مکہ کو ان کی

ہجرت کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے کہ یہ شکار مفت میں ہاتھ سے نکل گیا۔ چنانچہ انہوں نے ان مہاجرین کا پیچھا کیا مگر جب ان کے آدمی ساحل پر پہنچے تو جہاز روانہ ہو چکا تھا اس لئے خائب و خاسر واپس لوٹے۔ حبشہ میں پہنچ کر مسلمانوں کو نہایت امن کی زندگی نصیب ہوئی اور خدا خدا کر کے قریش کے مظالم سے چھٹکارا ملا۔ لیکن جیسا کہ بعض مورخین نے بیان کیا ہے ابھی ان مہاجرین کو حبشہ میں گئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک اڑتی ہوئی افواہ ان تک پہنچی کہ تمام قریش مسلمان ہو گئے ہیں اور مکہ میں اب بالکل امن و امان ہے۔ اس خبر کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر مہاجرین بلا سوچے سمجھے واپس آ گئے۔ جب یہ لوگ مکہ کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اب ان کے لئے بڑی مصیبت کا سامنا تھا۔ بالآخر بعض تو راستہ میں سے ہی واپس لوٹ گئے اور بعض چھپ چھپ کر یا کسی ذی اثر اور طاقتور شخص کی حمایت میں ہو کر مکہ میں آ گئے۔ یہ شوال 5/ نبوی کا واقعہ ہے۔ یعنی آغاز ہجرت اور مہاجرین کی واپسی کے درمیان صرف ڈھائی تین ماہ کا فاصلہ ہے......

گو حقیقتاً یہ افواہ بالکل جھوٹی اور بے بنیاد تھی جو مہاجرینِ حبشہ کو واپس لانے اور ان کو تکلیف میں ڈالنے کی غرض سے قریش نے مشہور کر دی ہو گی بلکہ زیادہ غور سے دیکھا جاوے تو اس افواہ اور مہاجرین کی واپسی کا قصہ ہی بے بنیاد نظر آتا ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح سمجھا جاوے تو ممکن ہے کہ اس کی تہ میں وہ واقعہ ہو جو بعض احادیث میں بیان ہوا ہے۔" اگر اس طرح دیکھا جائے، اگر اس کو صحیح مانا جائے تو بعضوں کی جو یہ روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ چند سال ٹھہرے وہ روایت پھر غلط نکلتی ہے اور اگر اس کو غلط سمجھا جائے تو پھر تین چار مہینے میں واپس آ گئے لیکن بہر حال حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بات غلط ہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اگر اسے صحیح سمجھا جاوے تو ممکن ہے کہ اس کی تہ میں وہ واقعہ ہو جو بعض احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اور وہ جیسا کہ بخاری میں آتا ہے یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صحنِ کعبہ میں سورۂ نجم کی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس وقت وہاں کئی ایک رؤسائے کفار بھی موجود تھے اور بعض مسلمان بھی تھے۔ جب آپؐ نے سورت ختم کی تو آپؐ نے سجدہ کیا اور آپؐ کے ساتھ ہی تمام مسلمان اور کافر بھی سجدہ میں گر گئے۔" بہر حال "کفار کے سجدہ کی وجہ حدیث میں بیان نہیں ہوئی" کہ وہ کیوں گر گئے "لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے نہایت پر اثر آواز میں آیاتِ الٰہی کی تلاوت فرمائی اور وہ آیات بھی ایسی تھیں جن میں خصوصیت کے ساتھ خدا کی وحدانیت اور اس کی قدرت و جبروت کا نہایت فصیح و بلیغ رنگ میں نقشہ کھینچا گیا تھا اور اس کے احسانات یاد دلائے گئے تھے اور پھر ایک نہایت پُر رعب و پُر جلال کلام میں قریش کو ڈرایا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ان کا وہی حال ہو گا جو ان سے پہلے ان قوموں کا ہوا جنہوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی اور پھر آخر میں ان آیات میں حکم دیا گیا تھا کہ آؤ اور اللہ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ اور ان آیات کی تلاوت کے بعد آنحضرت ﷺ اور سب مسلمان یکلخت سجدہ میں گر گئے تو اس کلام اور اس نظارہ کا ایسا ساحرانہ اثر قریش پر ہوا کہ وہ بھی بے اختیار

ہو کر مسلمانوں کے ساتھ سجدہ میں گر گئے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ایسے موقعوں پر ایسے حالات کے ماتحت...... بسا اوقات انسان کا قلب مرعوب ہو جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جو دراصل اس کے اصول و مذہب کے خلاف ہوتی ہے...... "ضروری نہیں ہوتا کہ اس کو مان کے یہ حرکت ہوئی ہو۔ بے اختیاری میں بعض دفعہ حرکت ہو جاتی ہے۔ "بعض اوقات ایک سخت اور ناگہانی آفت کے وقت ایک دہریہ بھی اللہ اللہ یا رام رام پکار اٹھتا ہے۔" میں نے بھی بعض دہریوں سے پوچھا ہے اور وہ کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک بات ہے کہ باوجود اس کے کہ ہمیں خدا پہ یقین نہیں لیکن کوئی ایسی خطرناک حالت ہو تو بے اختیار منہ سے خدا کا لفظ نکل آتا ہے۔ تو بہرحال "قریش تو دہریہ نہ تھے بلکہ بہر حال خدا کی ہستی کے قائل تھے۔ پس جب اس پُر رعب اور پُر جلال کلام کی تلاوت کے بعد مسلمانوں کی جماعت یکلخت سجدہ میں گر گئی تو اس کا ایسا ساحرانہ اثر ہوا کہ ان کے ساتھ قریش بھی بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر گئے لیکن ایسا اثر عموماً وقتی ہوتا ہے اور انسان پھر جلد ہی اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا اور سجدہ سے اٹھ کر قریش پھر وہی بت پرست کے بت پرست تھے۔" یہ نہیں کہ وہ موحد بن گئے تھے۔

"بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ پس اگر مہاجرینِ حبشہ کی واپسی کی خبر درست ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد قریش نے جو مہاجرین حبشہ کے واپس لانے کے لیے بیتاب ہو رہے تھے اپنے اس فعل کو آڑ بنا کر خود ہی یہ افواہ مشہور کر دی ہو گی کہ قریش مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ کہ اب مکہ میں مسلمانوں کے لئے بالکل امن ہے اور جب یہ افواہ مہاجرینِ حبشہ کو پہنچی تو وہ طبعاً اسے سن کر بہت خوش ہوئے اور سنتے ہی خوشی کے جوش میں واپس آ گئے لیکن جب وہ مکہ کے پاس پہنچے تو حقیقتِ امر سے آگاہی ہوئی جس پر بعض تو چھپ چھپ کر اور بعض کسی طاقتور اور صاحبِ اثر رئیس قریش کی حفاظت میں ہو کر مکہ میں آ گئے اور بعض واپس چلے گئے۔ پس اگر قریش کے مسلمان ہو جانے کی افواہ میں کوئی حقیقت تھی تو وہ صرف اسی قدر تھی جو سورۃ نجم کی تلاوت پر سجدہ کرنے والے واقعہ میں بیان ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال اگر مہاجرین حبشہ واپس آئے بھی تھے تو ان میں سے اکثر پھر واپس چلے گئے اور چونکہ قریش دن بدن اپنی ایذارسانی میں ترقی کرتے جاتے تھے اور ان کے مظالم روز بروز بڑھ رہے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر دوسرے مسلمانوں نے بھی خفیہ خفیہ ہجرت کی تیاری شروع کر دی اور موقع پا کر آہستہ آہستہ نکلتے گئے۔ یہ ہجرت کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ بالآخر ان مہاجرین حبشہ کی تعداد ایک سو ایک تک پہنچ گئی جن میں اٹھارہ عورتیں بھی تھیں اور مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت ہی تھوڑے مسلمان رہ گئے۔ اس ہجرت کو بعض مؤرخین ہجرت حبشہ ثانیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔......"

پھر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنا ایک تجزیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ایک اور بات

ہے جو اس افواہ اور مہاجرین کی واپسی کے قصہ کو سرے سے ہی مشتبہ کر دیتی ہے اور وہ یہ کہ تاریخ میں ہجرت حبشہ کے آغاز کی تاریخ رجب 5/ نبوی اور سجدہ کی تاریخ رمضان 5/ نبوی بیان ہوئی ہے اور پھر تاریخ میں ہی یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ اس افواہ کے نتیجہ میں مہاجرین حبشہ کی واپسی شوال 5 نبوی میں ہوئی تھی۔ گویا آغاز ہجرت اور واپسی مہاجرین کے زمانوں میں صرف دو سے لے کر تین ماہ کا فاصلہ تھا اور اگر سجدہ کی تاریخ سے زمانہ کا شمار کریں تو یہ عرصہ صرف ایک ہی ماہ کا بنتا ہے۔ اب اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے یہ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ مکہ اور حبشہ کے درمیان اس قلیل عرصہ میں تین سفر مکمل ہو سکے ہوں۔ یعنی سب سے پہلے مسلمان مکہ سے حبشہ پہنچے۔ اس کے بعد کوئی شخص قریش کے اسلام کی خبر لے کر مکہ سے حبشہ گیا اور پھر مسلمان حبشہ سے روانہ ہو کر مکہ میں واپس آئے۔ ان تین سفروں کی تکمیل قطع نظر اس عرصہ کے جو زائد امور میں صرف ہو جاتا ہے" تیاری بھی ہوتی ہے اور چیزیں ہیں "اس قلیل عرصہ میں قطعاً ناممکن تھی اور اس سے بھی زیادہ یہ بات ناممکن تھی کہ سجدہ کے زمانہ سے لے کر مہاجرین حبشہ کی مزعومہ واپسی تک دو سفر مکمل ہو سکے ہوں کیونکہ اس زمانہ میں مکہ سے حبشہ جانے کے لئے پہلے جنوب میں آنا پڑتا تھا اور پھر وہاں سے کشتی لے کر جو ہر وقت موجود نہیں ملتی تھی بحرِ احمر کو عبور کر کے افریقہ کے ساحل تک جانا ہوتا تھا اور پھر ساحل سے لے کر حبشہ کے دارالسلطنت اکسوم تک جو ساحل سے کافی فاصلہ پر ہے پہنچنا پڑتا تھا اور اس زمانہ کے آہستہ سفروں کے لحاظ سے اِس قسم کا ایک سفر بھی ڈیڑھ دو ماہ سے کم عرصہ میں ہر گز مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس جہت سے گویا یہ قصہ سرے سے ہی غلط اور بے بنیاد قرار پاتا ہے لیکن اگر بالفرض اِس میں کوئی حقیقت تھی بھی تو وہ یقیناً اس سے زیادہ نہیں تھی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم"[613]

مدینہ کی طرف ہجرت

بہر حال اس کی وجوہات جو بھی تھیں کچھ عرصہ کے بعد حضرت عثمانؓ کی حبشہ سے واپسی ہو گئی اور پھر حضرت عثمانؓ کی مدینہ کی طرف ہجرت اور مؤاخات کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ قبیلہ بنو نجار میں حضرت حسّان بن ثابتؓ کے بھائی حضرت اَوس بن ثابتؓ کے گھر ٹھہرے۔

مؤاخات

موسیٰ بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے مابین عقدِ مؤاخات قائم فرمایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت شدّاد بن اوسؓ کے والد حضرت اَوس بن ثابتؓ اور حضرت عثمانؓ کے مابین عقدِ مؤاخات قائم فرمایا گیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو عُبَادہ سعد بن عثمان زُرَقِی سے حضرت عثمانؓ کا عقدِ مؤاخات

قائم ہوا تھا۔[614]

ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کی مؤاخات نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھ قائم فرمائی تھی۔ چنانچہ طبقات کبریٰ میں لکھا ہے کہ ابنِ لَبِیْبَہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ محصور ہو گئے یعنی جب دشمنوں نے آپ کو محصور کر دیا، ہر طرح کی پابندی لگا دی تو آخری دنوں میں آپ نے ایک اونچی کوٹھڑی کے روشن دان سے جھانک کر لوگوں سے پوچھا کیا تم میں طلحہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں ہے۔ آپؓ نے انہیں فرمایا کہ تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا کہا کہ کیا آپ کو علم ہے ناں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی تھی تو اس وقت آپ ﷺ نے اپنے ہمراہ میری مؤاخات قائم فرمائی تھی۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اپنے ساتھ مؤاخات میں رکھا تھا۔ اس پر حضرت طلحہؓ نے کہا کہ واللہ یہ درست ہے۔ اس پر حضرت طلحہؓ سے پوچھا گیا حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیرے ہوئے جو ارد گرد مخالفین تھے انہوں نے ان سے پوچھا، جواب طلبی کی کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تو حضرت طلحہؓ نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے قسم لے کر پوچھا تھا اور جس بات کے بارے میں پوچھا تھا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی تو کیا میں اس کی شہادت نہ دیتا؟[615]

میں تو جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ جو تم نے مخالفت کرنی ہے کر لو۔

حضرت رقیہؓ کی وفات اور حضرت ام کلثومؓ سے شادی کے واقعہ کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ عبد اللہ بن مُکْنِفْ بن حَارِثَہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کے پاس چھوڑا۔ وہ بیمار تھیں اور انہوں نے اس روز وفات پائی جس دن حضرت زید بن حارثہؓ مدینہ کی طرف اس فتح کی خوشخبری لے کر آئے جو بدر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لیے بدر کے مالِ غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا اور آپ کا حصہ جنگِ بدر میں شامل ہونے والوں کے برابر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کی شادی کر دی۔[616]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حضرت عثمانؓ سے مسجد کے دروازے پر ملے اور فرمانے لگے کہ عثمان یہ جبریل ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم کا نکاح رُقَیَّہ جتنے حق مہر پر اور اس سے تمہارے حسن سلوک پر تمہارے ساتھ کر دیا ہے۔[617]

یعنی دوسری بیٹی کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ سے کر دیا جائے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ام کلثوم کی شادی حضرت عثمانؓ سے کی تو آپ نے حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا میری بیٹی ام کلثوم کو تیار کر کے عثمان کے ہاں چھوڑ آؤ اور اس کے

سامنے دف بجاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ تین دن کے بعد حضرت ام کلثومؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اے میری پیاری بیٹی! تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ ام کلثوم نے عرض کیا وہ بہترین شوہر ہیں۔[618]

حضرت ام کلثومؓ حضرت عثمانؓ کے ہاں 9ھ ہجری تک رہیں اس کے بعد وہ بیمار ہو کر وفات پا گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر کے پاس بیٹھے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو حضرت ام کلثومؓ کی قبر کے پاس اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔[619]

بخاری کی ایک روایت میں اس واقعہ کا یوں ذکر ہوا ہے کہ ہلال نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے جنازے پر موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔[620]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام کلثومؓ کی وفات پر فرمایا:

اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کی شادی بھی عثمان سے کروا دیتا۔[621]

حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت عثمانؓ وہاں بیٹھے تھے اور حضرت ام کلثومؓ بنت رسول ﷺ کی وفات کے غم میں رو رہے تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کے دونوں ساتھی یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا اے عثمان! تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ میرا آپؐ سے دامادی کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ دونوں بیٹیاں فوت ہو گئیں۔

آپؐ نے فرمایا کہ مت رو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور ایک ایک کر کے فوت ہو جاتیں تو میں ہر ایک کے بعد دوسری کو تجھ سے بیاہ دیتا یہاں تک کہ سو میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی۔[622]

بہر حال یہ ایک محبت کا اظہار تھا جو دونوں طرف سے ہوا۔ ایک فکر تھی حضرت عثمانؓ کی۔ اس رشتہ کا جو تعلق تھا وہ آنحضرت ﷺ نے قائم رکھا اور یہ یقین دہانی کرائی کہ یہ تعلق تو قائم ہے۔[623]

حضرت عثمانؓ کی غزوات میں شمولیت کا ذکر کرتا ہوں۔

جیسا کہ غزوۂ بدر کے بارے میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے کیونکہ آپ کی زوجہ حضرت رقیہؓ بنت رسول ﷺ سخت بیمار تھیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے آپؓ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ٹھہریں اور آپؓ کو بدر میں شامل ہونے والوں کی طرح ہی قرار دیا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کے لیے بدر میں شامل ہونے والوں کی طرح مالِ

غنیمت میں اور اجر میں حصہ مقرر فرمایا۔

غزوۂ غطفان محرم یا صفر 3/ہجری میں ہوا۔ غزوۂ غطفان کے لیے نجد کے علاقے کی طرف نکلتے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تو اس لحاظ سے اس میں بھی شامل نہیں ہوئے۔[624]

اس غزوہ کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ

"بنو غطفان کے بعض قبائل یعنی بنو ثَعلَبہ اور بنو مُحَارِب کے لوگ اپنے ایک نامور جنگجو دُعْثُور بن حارِث کی تحریک پر پھر مدینہ پر اچانک حملہ کر دینے کی نیت سے نجد کے ایک مقام ذِی اَمَر میں جمع ہونے شروع ہوئے لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے دشمنوں کی حرکات و سکنات کا باقاعدہ علم رکھتے تھے، آپؐ کو ان کے اس خونی ارادے کی بروقت اطلاع ہو گئی اور آپؐ ایک بیدار مغز جرنیل کی طرح پیش بندی کے طور پر ساڑھے چار سو صحابیوں کی جمعیت کو اپنے ساتھ لے کر محرم 3/ھ کے آخر یا صفر کے شروع میں مدینہ سے نکلے اور تیزی کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے ذِی اَمَر کے قریب پہنچ گئے۔ دشمن کو آپؐ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے جھٹ پٹ آس پاس کی پہاڑیوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا اور مسلمان ذی امر میں پہنچے تو میدان خالی تھا۔ البتہ بنو ثَعلَبہ کا ایک بدوی جس کا نام جَبَّارْ تھا صحابہ کے قابو میں آ گیا جسے قید کر کے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے سارے لوگ پہاڑیوں میں محفوظ ہو گئے ہیں اور وہ کھلے میدان میں مسلمانوں کے سامنے نہیں آئیں گے۔ ناچار آنحضرت ﷺ کو واپسی کا حکم دینا پڑا مگر اس غزوہ کا اتنا فائدہ ضرور ہو گیا کہ اس وقت جو خطرہ بنو غطفان کی طرف سے پیدا ہوا تھا وہ وقتی طور پر ٹل گیا۔"[625]

غزوۂ احد جو شوال 3/ہجری میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے۔ پہلے دو غزوات میں تو (شامل) نہیں ہوئے تھے اس غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے۔ دورانِ جنگ صحابہ کا ایک گروہ ایسا تھا جو اچانک حملہ اور آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر میدان سے اِدھر اُدھر ہو گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ صرف 12 صحابہ کا ایک چھوٹا سا گروہ رہ گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ پہلے گروہ میں سے تھے۔[626]

مسلمانوں نے جب لشکرِ قریش پر غلبہ پا لیا اور وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے تو آنحضور ﷺ نے جن پچاس تیر اندازوں کو اپنی جگہ نہ چھوڑنے کا ارشاد فرمایا تھا انہوں نے فتح کو دیکھ کر اپنی جگہ کو چھوڑ دیا حالانکہ نبی کریم ﷺ نے انہیں سختی سے اپنی جگہ نہ چھوڑنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ خالد بن ولید جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے یہ منظر دیکھ کر فوراً وہاں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ایسا اچانک، غیر متوقع اور اس قدر شدید تھا کہ مسلمان منتشر ہو گئے۔ ان منتشر ہونے والے صحابہ میں

حضرت عثمانؓ کا نام بھی بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف میں ان لوگوں کے ضمن میں ذکر آتا ہے کہ اس وقت کے خاص حالات اور ان لوگوں کے دلی ایمان اور اخلاص کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (آل عمران:156) یقیناً تم میں سے وہ لوگ جو اس دن پھر گئے جس دن دو گروہ متصادم ہوئے یقیناً شیطان نے انہیں پھسلا دیا تھا بعض ایسے اعمال کی وجہ سے جو وہ بجا لائے اور یقیناً اللہ ان سے در گزر کر چکا ہے۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بہت بردبار ہے۔

اس غزوہ کے دوران مسلمانوں کی اس کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے سیرت خاتم النبیین میں لکھا ہے کہ

"قریش کے لشکر نے قریباً چاروں طرف گھیرا ڈال رکھا تھا اور اپنے پے در پے حملوں سے ہر آن دباتا چلا آتا تھا۔ اس پر بھی مسلمان شاید تھوڑی دیر بعد سنبھل جاتے مگر غضب یہ ہوا کہ قریش کے ایک بہادر سپاہی عبد اللہ بن قَمِئَہ نے مسلمانوں کے علمبردار مُصْعَبْ بن عُمیرؓ پر حملہ کیا اور اپنی تلوار کے وار سے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ گرایا۔ مُصْعَبْؓ نے فوراً دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لیا اور ابن قَمِئَہ کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے مگر اس نے دوسرے وار میں ان کا دوسرا ہاتھ بھی قلم کر دیا۔ اس پر مُصْعَبْؓ نے اپنے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کر گرتے ہوئے اسلامی جھنڈے کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اسے چھاتی سے چمٹا لیا۔ جس پر ابن قَمِئَہ نے ان پر تیسرا وار کیا اور اب کی دفعہ مُصْعَبْ شہید ہو کر گر گئے۔ جھنڈا تو کسی دوسرے مسلمان نے فوراً آگے بڑھ کر تھام لیا مگر چونکہ مُصْعَبْ کا ڈیل ڈول آنحضرت ﷺ سے ملتا تھا ابن قَمِئَہ نے سمجھا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار لیا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی طرف سے یہ تجویز محض شرارت اور دھوکا دہی کے خیال سے ہو۔ بہرحال اس نے مُصْعَبْؓ کے شہید ہو کر گرنے پر شور مچا دیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار لیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی جاتے رہے اور ان کی جمعیت بالکل منتشر ہو گئی اور بہت سے صحابی سراسیمہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔ اس وقت مسلمان تین حصوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر میدان سے بھاگ گیا تھا مگر یہ گروہ سب سے تھوڑا تھا" یا یہ کہہ دیں کہ مایوس ہو کے منتشر ہو گیا تھا۔ "ان لوگوں میں حضرت عثمان بن عفانؓ بھی شامل تھے مگر جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر آتا ہے اس وقت کے خاص حالات اور ان لوگوں کے دلی ایمان اور اخلاص کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ ان لوگوں میں سے بعض مدینہ تک جا پہنچے اور اس طرح مدینہ میں بھی آنحضرت ﷺ کی خیالی شہادت اور لشکر اسلام کی ہزیمت کی خبر پہنچ گئی جس سے تمام شہر میں ایک کہرام مچ گیا اور مسلمان مرد عورت بچے بوڑھے نہایت سراسیمگی کی حالت میں شہر سے باہر نکل آئے اور

احد کی طرف روانہ ہو گئے اور بعض تو جلد جلد دوڑتے ہوئے میدان جنگ میں پہنچے اور اللہ کا نام لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو بھاگے تو نہیں تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر یا تو ہمت ہار بیٹھے تھے اور یا اب لڑنے کو بیکار سمجھتے تھے اور اس لئے میدان سے ایک طرف ہٹ کر سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو برابر لڑ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع تھے اور بے نظیر جان نثاری کے جوہر دکھا رہے تھے اور اکثر وہ تھے جو میدان جنگ میں منتشر طور پر لڑ رہے تھے۔ ان لوگوں اور نیز گروہ ثانی کے لوگوں کو جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ موجود ہونے کا پتہ لگتا جاتا تھا یہ لوگ دیوانوں کی طرح لڑتے بھڑتے آپؐ کے ارد گرد جمع ہوتے جاتے تھے۔ اس وقت جنگ کی حالت یہ تھی کہ قریش کا لشکر گویا سمندر کی مہیب لہروں کی طرح چاروں طرف سے بڑھا چلا آتا تھا اور میدان جنگ میں ہر طرف سے تیر اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ جاں نثاروں نے اس خطرہ کی حالت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد گھیرا ڈال کر آپؐ کے جسم مبارک کو اپنے بدنوں سے چھپا لیا مگر پھر بھی جب کبھی حملہ کی رو اٹھتی تھی تو یہ چند گنتی کے آدمی ادھر ادھر دھکیل دئے جاتے تھے اور ایسی حالت میں بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً اکیلے رہ جاتے تھے۔"[627]

بہر حال اس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مایوس ہو کے یا کسی وجہ سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کے وہاں سے چلے گئے تھے اور اسی طرح مایوس ہو کر بیٹھنے والوں میں نہیں تھے لیکن بیٹھنے والوں میں حضرت عمرؓ کا بھی ذکر آتا ہے۔ بہر حال وہ تو اپنے وقت پر بیان ہو گا۔

صلح حدیبیہ اور حضرت عثمانؓ

اب مَیں بیان کرتا ہوں صلح حدیبیہ کے موقع پر جو سفارت کاری ہوئی اور بیعتِ رضوان ہوئی اس میں حضرت عثمانؓ کا کردار یا آپؓ کے بارے میں کیا واقعات ملتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا دیکھا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ امن کے ساتھ اپنے سروں کو منڈائے ہوئے اور بال چھوٹے کیے ہوئے بیت اللہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس رؤیا کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ 6ہجری میں اپنے چودہ سو اصحاب کے ہمراہ عمرے کی ادائیگی کے لیے مدینہ سے نکلے۔ حدیبیہ کے مقام پر آپؐ نے پڑاؤ کیا۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرے کی ادائیگی سے روکا۔ فریقین کے درمیان جب سفارت کاری کا آغاز ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کے جوش و خروش کا حال سنا تو آپؐ نے فرمایا کسی ایسے بااثر شخص کو مکہ میں بھجوایا جائے جو مکّہ ہی کا رہنے والا ہو اور قریش کے کسی معزز قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔[628]

چنانچہ حضرت عثمانؓ کو اس مقصد کے لیے بھجوایا گیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا کچھ ذکر مَیں کرتا ہوں۔ آپؓ نے لکھا ہے کہ:

آنحضرت ﷺ نے ایک خواب دیکھی کہ آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس وقت ذوقعدہ کا مہینہ قریب تھا جو زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مبارک مہینوں میں سے سمجھا جاتا تھا جن میں ہر قسم کا جنگ وجدل منع تھا۔ گویا ایک طرف آپؐ نے یہ خواب دیکھی اور دوسری طرف یہ وقت بھی ایسا تھا کہ جب عرب کے طول وعرض میں جنگ کا سلسلہ رک کر امن وامان ہو جاتا تھا۔ گو یہ حج کے دن نہیں تھے اور ابھی تک اسلام میں حج باقاعدہ طور پر مقرر بھی نہیں ہوا تھا لیکن خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپؐ نے اس خواب دیکھنے کے بعد اپنے صحابہؓ سے تحریک فرمائی کہ عمرہ کے واسطے تیاری کر لیں۔ اس موقع پر آپؐ نے صحابہ میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ چونکہ اس سفر میں کسی قسم کا جنگی مقابلہ مقصود نہیں ہے بلکہ محض ایک پُرامن دینی عبادت کا بجالانا مقصود ہے اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سفر میں اپنے ہتھیار ساتھ نہ لیں۔ البتہ عرب کے دستور کے مطابق صرف اپنی تلواروں کو نیاموں کے اندر بند کر کے مسافرانہ طریق پر اپنے ساتھ رکھا جا سکتا ہے اور ساتھ ہی آپؐ نے مدینہ کے گردونواح کے بدوی لوگوں میں بھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے یہ تحریک فرمائی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو کر عمرہ کی عبادت بجالائیں مگر افسوس ہے کہ ایک نہایت قلیل یعنی برائے نام تعداد کے سوا ان مسلمان کہلانے والے کمزور ایمان بدوی لوگوں نے جو مدینہ کے آس پاس آباد تھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلنے سے احتراز کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ خواہ مسلمانوں کی نیت عمرہ کے سوا کچھ نہیں مگر قریش بہرحال مسلمانوں کو روکیں گے اور اس طرح مقابلہ کی صورت پیدا ہو جائے گی اور وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ یہ مقابلہ مکہ کے قریب اور مدینہ سے دور ہو گا اس لیے کوئی مسلمان بچ کر واپس نہیں آسکے گا۔ اس لیے ڈر کر وہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کچھ اوپر چودہ سو صحابیوں کی جمعیت کے ساتھ ذوقعدہ 6ر ہجری کے شروع میں ہی پیر کے دن بوقت صبح مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ آپؐ کے ہم رکاب تھیں اور مدینہ کا امیر نُمَیْلَہ بن عبد اللہؓ کو اور امام الصلوٰۃ عَبْدُاللہ بن اُمِّ مکتُوم ؓ کو جو آنکھوں سے معذور تھے مقرر کیا گیا تھا۔

جب آپؐ ذُوالْحُلَیْفَہ میں پہنچے جو مدینہ سے قریباً چھ میل کے فاصلہ پر مکہ کے راستہ پر واقع ہے تو آپؐ نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد قربانی کے اونٹوں کو جو تعداد میں ستّر تھے نشان لگائے جانے کا ارشاد فرمایا اور صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ حاجیوں کا مخصوص لباس جو اصطلاحاً احرام کہلاتا ہے پہن لیں اور آپؐ نے خود بھی احرام باندھ لیا اور پھر قریش کے حالات کا علم حاصل کرنے کے لیے کہ آیا وہ کسی شرارت کا ارادہ تو نہیں رکھتے ایک خبر رساں بُسر بن سُفْیَان نامی کو جو قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتا تھا، جو مکہ کے قرب میں آباد تھا، آگے بھجوا کر آہستہ آہستہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مزید احتیاط کے طور پر مسلمانوں کی بڑی جمعیت کے آگے آگے رہنے کے لیے عَبَّاد بن بِشْرؓ کی کمان میں بیس سواروں کا ایک دستہ بھی متعین فرمایا۔ جب آپؐ چند روز کے سفر کے بعد عَسْفَان کے قریب پہنچے جو مکہ

سے تقریباً دو منزل کے راستہ پر واقع ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ ایک منزل نو میل کی ہوتی ہے) تو آپؐ کے خبر رساں نے واپس آکر آپؐ کی خدمت میں اطلاع دی کہ قریش مکہ بہت جوش میں ہیں اور آپ کو روکنے کا پختہ عزم کیے ہوئے ہیں۔ حتی کہ ان میں سے بعض نے اپنے جوش اور وحشت کے اظہار کے لیے چیتوں کی کھالیں پہن رکھی ہیں اور جنگ کا پختہ عزم کر کے بہر صورت مسلمانوں کو روکنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش نے اپنے چند جانباز سواروں کا ایک دستہ خالد بن ولید کی کمان میں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے آگے بھجوا دیا ہے اور یہ کہ یہ دستہ اس وقت مسلمانوں کے قریب پہنچا ہوا ہے اور اس دستہ میں عکرمہ بن ابو جہل بھی شامل ہے وغیرہ وغیرہ۔ آنحضرت ﷺ نے یہ خبر سنی تو تصادم سے بچنے کی غرض سے صحابہ کو حکم دیا کہ مکہ کے معروف راستے کو چھوڑ کر دائیں جانب ہوتے ہوئے آگے بڑھیں۔ چنانچہ مسلمان ایک دشوار گزار اور کٹھن رستہ پر پڑ کر سمندر کی جانب ہوتے ہوئے آگے بڑھنا شروع ہوئے۔ جب آپ ﷺ اس نئے رستہ پر چلتے ہوئے حدیبیہ کے قریب پہنچے جو مکہ سے ایک منزل یعنی صرف نو میل کے فاصلہ پر ہے اور حدیبیہ کی گھاٹیوں پر سے مکہ کی وادی کا آغاز ہو جاتا ہے تو آپ کی اونٹنی جو اَلْقَصْوَا کے نام سے مشہور تھی اور بہت سے غزوات میں آپؐ کے استعمال میں رہ چکی تھی یکلخت پاؤں پھیلا کر زمین پر بیٹھ گئی اور باوجود اٹھانے کے اٹھنے کا نام نہ لیتی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ شاید یہ تھک گئی ہے مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں۔ یہ تھکی نہیں اور نہ ہی اس طرح تھک کر بیٹھ جانا اس کی عادت میں داخل ہے بلکہ حق یہ ہے کہ جس بالا ہستی نے اس سے پہلے اصحاب فیل کے ہاتھی کو مکہ کی طرف بڑھنے سے روکا تھا اسی نے اب اس اونٹنی کو بھی روکا ہے۔ پس خدا کی قسم! مکہ کے قریش جو مطالبہ بھی حرم کی عزت کے لیے مجھ سے کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔ یہ آپؐ نے فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی اونٹنی کو پھر اٹھنے کی آواز دی اور خدا کی قدرت کہ اس دفعہ وہ جھٹ اٹھ کر چلنے کو تیار ہو گئی۔ اس پر آپؐ اسے وادیٔ حدیبیہ کے پرلے کنارے کی طرف لے گئے اور وہاں ایک چشمہ کے پاس ٹھہر کر اونٹنی سے نیچے اتر آئے اور اسی جگہ آپؐ کے فرمانے پر صحابہؓ نے ڈیرے ڈال دیے۔

پھر یہاں آگے ذکر آتا ہے کہ قریش کے ساتھ صلح کی گفتگو کا آغاز کس طرح ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کی وادی میں پہنچ کر قیام فرمایا تو اس وادی کے چشمہ کے پاس قیام کیا۔ جب صحابہؓ اس جگہ ڈیرے ڈال چکے تو قبیلہ خُزَاعہ کا ایک نامور رئیس بُدَیل بن ورقا نامی جو قریب ہی کے علاقہ میں آباد تھا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لیے آیا اور اس نے آپؐ سے عرض کیا کہ مکہ کے رؤسا جنگ کے لیے تیار کھڑے ہیں اور وہ کبھی بھی آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم تو جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں اور افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ قریش مکہ کو جنگ کی آگ نے جلا جلا کر خاک کر رکھا ہے مگر پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے اور مَیں تو ان لوگوں کے ساتھ اس سمجھوتہ کے لیے بھی تیار ہوں کہ وہ

میرے خلاف جنگ بند کر کے مجھے دوسرے لوگوں کے لیے آزاد چھوڑ دیں۔ مکہ والوں سے مَیں کوئی تعارض نہیں کرتا۔ کچھ ان سے تعلق نہیں رکھوں گا اور دوسرے لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچاؤں گا لیکن اگر انہوں نے میری اس تجویز کو بھی ردّ کر دیا اور بہر صورت جنگ کی آگ کو بھڑکائے رکھا تو مجھے بھی اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ پھر مَیں بھی اس مقابلہ سے اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا کہ یا تو میری جان اس رستہ میں قربان ہو جائے اور یا خدا مجھے فتح عطا کرے۔ اگر میں ان کے مقابلہ میں آکر مٹ گیا تو قصہ ختم ہوا لیکن اگر خدا نے مجھے فتح عطا کی اور میرے لائے ہوئے دین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر مکہ والوں کو بھی ایمان لے آنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ بُدَیل بن وَرْقا پر آپؐ کی اس مخلصانہ اور دردمندانہ تقریر کا بہت اثر ہوا اور اس نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپ مجھے کچھ مہلت دیں کہ مَیں مکہ جا کر آپ کا پیغام پہنچاؤں اور مصالحت کی کوشش کروں۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور بُدَیلا پنے قبیلہ کے چند آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب بُدَیل بن وَرقا مکہ میں پہنچا تو اس نے قریش کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میں اس شخص یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آرہا ہوں اور میرے سامنے اس نے ایک تجویز پیش کی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا ذکر کروں۔ اس پر قریش کے جوشیلے اور غیر ذمہ دار لوگ کہنے لگے کہ ہم اس شخص کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں مگر اہل الرائے اور ثقہ لوگوں نے کہا۔ ہاں جو تجویز بھی ہے وہ ہمیں بتاؤ۔ چنانچہ بُدَیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تجویز کا اعادہ کیا۔ اس پر ایک شخص عُرْوَہ بن مسعود نامی جو قبیلہ ثقیف کا ایک بہت بااثر رئیس تھا اور اس وقت مکہ میں موجود تھا کھڑا ہو گیا اور قدیم عربی انداز میں قریش سے کہنے لگا کہ اے لوگو! کیا میں تمہارے باپ کی جگہ نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا آپ لوگ میرے بیٹوں کی طرح نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر عُرْوَہ نے کہا کیا تمہیں مجھ پر کسی قسم کی بے اعتمادی ہے؟ قریش نے کہا ہرگز نہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ پھر میری یہ رائے ہے کہ اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سامنے ایک عمدہ بات پیش کی ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس کی تجویز کو قبول کر لیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر مزید گفتگو کروں۔ قریش نے کہا بے شک آپ جائیں اور گفتگو کریں۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچا تو اس وقت وہاں ایک روح پرور نظارہ بھی اس نے دیکھا۔ عُرْوَہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپؐ کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ آپؐ نے اس کے سامنے اپنی وہی تقریر دوہرائی جو اس سے قبل بُدَیل بن وَرْقا کے سامنے فرما چکے تھے۔ عُرْوَہ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے ساتھ متفق تھا مگر قریش کی سفارت کا حق ادا کرنا اور ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ شرائط محفوظ کرانا چاہتا تھا۔ عُرْوَہ آپؐ کے ساتھ گفتگو ختم کر کے قریش کی طرف لوٹا اور جاتے ہی قریش سے کہنے لگا۔ اے لوگو! مَیں نے دنیا میں بہت سفر کیے ہیں۔ بادشاہوں کے دربار میں شامل ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی

کے سامنے بطور وفد کے پیش ہو چکا ہوں مگر خدا کی قسم! جس طرح میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابیوں کو محمد کی عزت کرتے دیکھا ہے ایسا میں نے کسی اَور جگہ نہیں دیکھا۔ پھر اس نے اپنا وہ سارا مشاہدہ بیان کیا جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دیکھا تھا اور آخر میں کہنے لگا کہ مَیں پھر یہی مشورہ دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تجویز ایک منصفانہ تجویز ہے اسے قبول کر لینا چاہیے۔

عُرْوَہ کی یہ گفتگو سن کر قبیلہ بنی کنانہ کے ایک رئیس نے جس کا نام حُلَیْس بن عَلْقَمَہ تھا قریش سے کہا اگر آپ لوگ پسند کریں تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں بے شک جاؤ۔ چنانچہ یہ شخص حدیبیہ میں آیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دُور سے آتے دیکھا تو صحابہؓ سے فرمایا یہ شخص جو ہماری طرف آرہا ہے ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے مناظر کو پسند کرتے ہیں۔ پس فوراً اپنے قربانی کے جانوروں کو اکٹھا کر کے اس کے سامنے لاؤ تا کہ اسے پتہ لگے اور احساس پیدا ہو کہ ہم کس غرض سے آئے ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ اپنے قربانی کے جانوروں کو ہنکاتے ہوئے اور تکبیروں کی آواز بلند کرتے ہوئے اس کے سامنے جمع ہو گئے۔ جب اس نے یہ نظارہ دیکھا تو کہنے لگا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ تو حاجی لوگ ہیں۔ انہیں بیت اللہ کے طواف سے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ وہ جلدی ہی قریش کی طرف واپس لوٹ گیا اور قریش سے کہنے لگا مَیں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے جانوروں کے گلے میں قربانی کے ہار باندھ رکھے ہیں اور ان پر قربانی کے نشان لگائے ہوئے ہیں۔ پس یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ انہیں طوافِ کعبہ سے روکا جائے۔

قریش میں اس وقت ایک سخت انتشار کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور لوگوں کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک پارٹی بہر صورت مسلمانوں کو واپس لوٹانے پر مُصر تھی اور مقابلہ کے خیالات پر سختی سے قائم تھی مگر دوسری پارٹی اسے اپنی قدیم مذہبی روایات کے خلاف پا کر خوف زدہ ہو رہی تھی اور کسی باعزت سمجھوتہ کی متمنی تھی۔ اس لیے فیصلہ معلق چلا جا رہا تھا۔ اس موقع پر ایک عربی رئیس مِکْرَز بن حَفْص نامی نے قریش سے کہا کہ مجھے جانے دو۔ مَیں کوئی فیصلہ کی راہ نکالوں گا۔ قریش نے کہا اچھا تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دُور سے آتے دیکھا تو فرمایا خدا خیر کرے یہ آدمی تو اچھا نہیں۔ بہر حال مِکْرَز آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا مگر ابھی وہ بات کر ہی رہا تھا کہ مکہ کا ایک نامور رئیس سُہَیل بن عَمْرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جسے غالباً قریش نے اپنی گھبراہٹ میں مِکْرَز کی واپسی کا انتظار کرنے کے بغیر بھجوا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا یہ سُہَیل آتا ہے۔ اب خدا نے چاہا تو معاملہ آسان ہو جائے گا۔

بہر حال یہ بات چیت ہوتی رہی۔ اس موقع پر یہ واقعہ بھی ہوا کہ جب قریش کی طرف سے پے در پے سفیر آنے شروع ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر کے کہ آپ کی طرف سے بھی کوئی فہمیدہ شخص قریش کی طرف جانا چاہیے جو انہیں ہمدردی اور دانائی کے ساتھ مسلمانوں کا زاویہ نظر سمجھا

سکے ایک شخص خِرَاشْ بن اُمَیّہ کو اس کام کے لیے چنا جو قبیلہ خُزاعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یعنی وہی قبیلہ جس سے قریش کے سب سے پہلے سفیر بُدَیْل بن وَرْقَا کا تعلق تھا اور اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے خِرَاشْ کو سواری کے لیے خود اپنا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ خِرَاشْ قریش کے پاس گیا مگر چونکہ ابھی یہ گفتگو کا ابتدائی مرحلہ تھا اور نوجوانانِ قریش بہت جوش میں تھے۔ ایک جوشیلے نوجوان عکرمہ بن ابوجہل نے خراش کے اونٹ پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا جس کے عربی دستور کے مطابق یہ معنی تھے کہ ہم تمہاری نقل و حرکت کو جبراً روکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قریش کی یہ جوشیلی پارٹی خود خِرَاشْ پر بھی حملہ کرنا چاہتی تھی مگر بڑے بوڑھوں نے بیچ بچاؤ کر کے اس کی جان بچائی اور وہ اسلامی کیمپ میں واپس آ گیا۔ کفار کی طرف سے وہ واپس آ گیا۔ قریش مکہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے جوش میں اندھے ہو کر اس بات کا بھی ارادہ کیا کہ اب جبکہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مکہ سے اس قدر قریب اور مدینہ سے اتنی دور آئے ہوئے ہیں تو ان پر حملہ کر کے جہاں تک ممکن ہو نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے چالیس پچاس آدمیوں کی ایک پارٹی حدیبیہ کی طرف روانہ کی اور اس گفت و شنید کے پردے میں جو اس وقت فریقین میں جاری تھی ان لوگوں کو ہدایت دی کہ اسلامی کیمپ کے ارد گرد گھومتے ہوئے تاک میں رہیں اور موقع پا کر مسلمانوں کا نقصان کرتے رہیں بلکہ بعض روایتوں سے یہاں تک پتہ لگتا ہے کہ یہ لوگ تعداد میں اسّی تھے اور اس موقع پر قریش نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی بھی سازش کی تھی مگر بہر حال خدا کے فضل سے مسلمان اپنی جگہ ہوشیار تھے۔ چنانچہ قریش کی اس سازش کا راز کھل گیا اور یہ لوگ سب کے سب گرفتار کر لیے گئے۔ مسلمانوں کو اہل مکہ کی اس حرکت پر جو اَشْہرِ حرم میں اور پھر گویا حَرم کے علاقہ میں کی گئی تھی سخت طیش تھا مگر آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا اور مصالحت کی گفتگو میں روک نہ پیدا ہونے دی۔ اہل مکہ کی اس حرکت کا قرآن شریف نے بھی ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (الفتح:25) یعنی خدا نے اپنے فضل سے کفار کے ہاتھوں کو مکہ کی وادی میں تم سے روک کر رکھا اور تمہاری حفاظت کی اور پھر جب تم نے ان لوگوں پر غلبہ پا لیا اور انہیں اپنے قابو میں کر لیا تو خدا نے تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک کر رکھا۔

حضرت عثمانؓ کا مکہ جانا اور بیعت رضوان

بہر حال جب ہم ان تمام حالات اور اس پس منظر میں آنحضرت ﷺ کے مسلسل صبر اور حوصلہ اور امن کی کوشش کو دیکھتے ہیں جو انتہا کو پہنچا ہوا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ ایک **صبر اور امن کی کوشش ہے جس کی کوئی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔** آپ مسلسل اس کوشش میں تھے کہ امن کی صورت پیدا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے جب قریش کی شرارت کو دیکھا اور ساتھ ہی خِرَاشْ بن امیہ سے اہل مکہ کے جوش

وخروش کا حال سنا تو قریش کو ٹھنڈا کرنے اور راہ راست پر لانے کی غرض سے ارادہ فرمایا کہ کسی ایسے بااثر شخص کو مکہ میں بھجوایا جائے جو مکہ ہی کا رہنے والا ہو اور قریش کے کسی معزز قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ یعنی اس کے بعد بھی آپ نے کوشش چھوڑی نہیں بلکہ پھر بھی یہ رسک (risk) لیا کہ کسی کو دوبارہ بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے فرمایا کہ بہتر ہوگا کہ آپ مکہ میں جائیں اور مسلمانوں کی طرف سے سفارت کا فرض سرانجام دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ جانتے ہیں کہ مکہ کے لوگ میرے سخت دشمن ہو رہے ہیں اور اس وقت مکّہ میں میرے قبیلہ کا کوئی بااثر آدمی موجود نہیں جس کا اہلِ مکّہ پر دباؤ ہو۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ کامیابی کا رستہ آسان کرنے کے لیے اس خدمت کے لیے عثمان بن عفّانؓ کو چنا جائے جن کا قبیلہ بنو امیہ اس وقت بہت بااثر ہے اور مکہ والے عثمان کے خلاف شرارت کی جرأت نہیں کر سکتے اور اگر حضرت عثمانؓ کو بھیجا جائے تو کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ **آنحضرت ﷺ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا کہ وہ مکہ جائیں اور قریش کو مسلمانوں کے پُرامن ارادوں اور عمرہ کی نیت سے آگاہ کریں** اور آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے ایک تحریر بھی لکھ کر دی جو رؤسائے قریش کے نام تھی۔ اس تحریر میں آنحضرت ﷺ نے اپنے آنے کی غرض بیان کی اور قریش کو یقین دلایا کہ ہماری نیت صرف ایک عبادت کا بجالانا ہے اور ہم پُرامن صورت میں عمرہ بجالا کر واپس چلے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی فرمایا کہ مکّہ میں جو کمزور مسلمان ہیں انہیں بھی ملنے کی کوشش کرنا اور ان کی ہمت بڑھانا اور کہنا کہ ذرا اَور صبر سے کام لیں۔ خدا عنقریب کامیابی کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ یہ پیغام لے کر حضرت عثمانؓ مکہ میں گئے اور ابوسفیان سے مل کر جو اس زمانہ میں مکہ کا رئیس اعظم تھا اور حضرت عثمانؓ کا قریبی عزیز بھی تھا اہلِ مکہ کے ایک عام مجمع میں پیش ہوئے۔ اس مجمع میں حضرت عثمانؓ نے آنحضرت ﷺ کی تحریر پیش کی جو مختلف رؤسائے قریش نے فرداً فرداً بھی ملاحظہ کی مگر باوجود اس کے سب لوگ اپنی اس ضد پر قائم رہے کہ بہرحال مسلمان اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمانؓ کے زور دینے پر قریش نے کہا کہ اگر تمہیں زیادہ شوق ہے تو ہم تم کو ذاتی طور پر طواف بیت اللہ کا موقع دے دیتے ہیں مگر اس سے زیادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو مکہ سے باہر روکے جائیں اور میں طواف کروں! مگر قریش نے کسی طرح نہ مانا اور بالآخر حضرت عثمانؓ مایوس ہو کر واپس آنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس موقع پر مکہ کے شریر لوگوں کو یہ شرارت سوجھی کہ انہوں نے غالباً اس خیال سے کہ اس طرح ہمیں مصالحت میں زیادہ مفید شرائط حاصل ہو سکیں گی حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں روک لیا۔ اس پر مسلمانوں میں یہ افواہ مشہور ہوئی کہ اہلِ مکّہ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا ہے۔ **یہ خبر جب پہنچی تو آنحضرت ﷺ کو بھی شدید غصہ اور صدمہ تھا۔ تب آپ نے وہاں بیعتِ رضوان لی۔**

اس کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ خبر حدیبیہ میں پہنچی تو مسلمانوں میں سخت جوش پیدا ہوا کیونکہ

عثمان آنحضرت ﷺ کے داماد اور معزز ترین صحابہ میں سے تھے اور مکہ میں بطور اسلامی سفیر کے گئے تھے اور یہ دن بھی اَشْہرِ حُرُم کے تھے، حرمت والا مہینہ تھا اور پھر مکہ خود حرم کا علاقہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً تمام مسلمانوں میں اعلان کر کے انہیں ایک ببول یعنی کیکر کے درخت کے نیچے جمع کیا اور جب صحابہ جمع ہو گئے تو اس خبر کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر یہ اطلاع درست ہے تو خدا کی قسم! ہم اس جگہ سے اس وقت تک نہیں ٹلیں گے کہ عثمان کا بدلہ نہ لے لیں۔ پھر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: آؤ اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر جو اسلام میں بیعت کا طریقہ ہے یہ عہد کرو کہ تم میں سے کوئی شخص پیٹھ نہیں دکھائے گا اور اپنی جان پر کھیل جائے گا مگر کسی حال میں اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا۔ اس اعلان پر صحابہؓ بیعت کے لیے اس طرح لپکے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے اور ان چودہ پندرہ سو مسلمانوں کا کہ یہی اس وقت اسلام کی جمع پونجی تھی، کُل مسلمان تھے، ایک ایک فرد اپنے محبوب آقا کے ہاتھ پر گویا دوسری دفعہ بک گیا۔ جب بیعت ہو رہی تھی تو آنحضرت ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے کیونکہ اگر وہ یہاں ہوتا تو اس مقدس سودے میں کسی سے پیچھے نہ رہتا لیکن اس وقت وہ خدا اور اس کے رسول کے کام میں مصروف ہے۔ اس طرح یہ بجلی کا سا منظر اپنے اختتام کو پہنچا۔ **اسلامی تاریخ میں یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے** یعنی وہ بیعت جس میں مسلمانوں نے خدا کی کامل رضامندی کا انعام حاصل کیا۔ قرآن شریف نے بھی اس بیعت کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا** (الفتح:19) یعنی اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا مسلمانوں سے جب کہ اے رسول! وہ ایک درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے کیونکہ اس بیعت سے ان کے دلوں کا مخفی اخلاص خدا کے ظاہری علم میں آ گیا سو خدا نے بھی ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں ایک قریب کی فتح کا انعام عطا کیا۔

صحابہ کرامؓ بھی ہمیشہ اس بیعت کو بڑے فخر اور محبت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر بعد میں آنے والے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم تو مکہ کی فتح کو فتح شمار کرتے ہو مگر ہم بیعت رضوان ہی کو فتح خیال کرتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ بیعت اپنے کوائف کے ساتھ مل کر ایک نہایت عظیم الشان فتح تھی۔ نہ صرف اس لیے کہ اس نے آئندہ فتوحات کا دروازہ کھول دیا بلکہ اس لیے بھی کہ اس سے اسلام کی اس جاں فروشانہ روح کا جو دینِ محمدی کا گویا مرکزی نقطہ ہے ایک نہایت شاندار رنگ میں اظہار ہوا اور فدائیانِ اسلام نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ وہ اپنے رسولؐ اور اس رسولؐ کی لائی ہوئی صداقت کے لیے ہر میدان میں اور اس میدان کے ہر قدم پر موت و حیات کے سودے کے لیے تیار ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ بیعتِ رضوان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ یہ بیعت موت کے عہد کی بیعت تھی یعنی اس عہد کی بیعت تھی کہ ہر مسلمان اسلام کی خاطر اور اسلام کی عزت کی خاطر اپنی

جان پر کھیل جائے گا مگر پیچھے نہیں ہٹے گا اور اس بیعت کا خاص پہلو یہ تھا کہ یہ عہد وپیمان صرف منہ کا ایک وقتی اقرار نہیں تھا جو عارضی جوش کی حالت میں کر دیا گیا ہو بلکہ دل کی گہرائیوں کی آواز تھی جس کے پیچھے مسلمانوں کی ساری طاقت ایک نقطۂ واحد پر جمع تھی۔

معاہدہ صلح حدیبیہ

جب قریش کو اس بیعت کی اطلاع پہنچی تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور نہ صرف حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا بلکہ اپنے ایلچیوں کو بھی ہدایت دی کہ اب جس طرح بھی ہو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیں مگر یہ شرط ضرور رکھی جائے کہ اس سال کی بجائے مسلمان آئندہ سال آکر عمرہ بجا لائیں اور بہر حال اب واپس چلے جائیں۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ بھی ابتدا سے یہ عہد کر چکے تھے کہ میں اس موقع پر کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو حرم المحرم اور بیت اللہ کے احترام کے خلاف ہو اور چونکہ آپؐ کو خدا نے یہ بشارت دے رکھی تھی کہ اس موقع پر قریش کے ساتھ مصالحت آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ بننے والی ہے اس لیے گویا فریقین کے لحاظ سے یہ ماحول مصالحت کا ایک نہایت عمدہ ماحول تھا اور اسی ماحول میں سُہیل بن عمرو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور آپؐ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معاملہ آسان ہوتا نظر آتا ہے۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی جب سُہیل بن عمرو آنحضرت ﷺ کے سامنے آیا تو آپؐ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سُہیل آتا ہے۔ اب خدا نے چاہا تو معاملہ سہل ہو جائے گا۔ بہر حال سہیل آیا اور آتے ہی آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا۔ آؤ جی۔ اب لمبی بحث جانے دو۔ ہم معاہدے کے لیے تیار ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہم بھی تیار ہیں اور اس ارشاد کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے سیکرٹری حضرت علیؓ کو بلوایا۔ اس معاہدہ کی شرائط حسب ذیل تھیں۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے ساتھی اس سال واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال وہ مکہ میں آکر رسم عمرہ ادا کر سکتے ہیں مگر سوائے نیام میں بند تلوار کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ اگر کوئی مرد مکہ والوں میں سے مدینہ جائے تو خواہ وہ مسلمان ہی ہو آنحضرت ﷺ اسے مدینہ میں پناہ نہ دیں اور واپس لوٹا دیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ کو چھوڑ کر مکہ میں آجائے تو اسے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ ایک اَور روایت میں یہ ہے کہ اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص اپنے ولی یعنی گارڈین (guardian) کی اجازت کے بغیر مدینہ آجائے تو اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔

قبائل عرب میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے اور جو چاہے اہل مکہ کا۔ یہ معاہدہ فی الحال دس سال تک کے لیے ہو گا اور اس عرصہ میں قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ بند رہے گی۔

اس معاہدہ کی دو نقلیں کی گئیں اور بطور گواہ کے فریقین کے متعدد معززین نے ان پر دستخط کیے۔ مسلمانوں کی طرف سے دستخط کرنے والوں میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ جو اس وقت

تک مکہ سے واپس آ چکے تھے یعنی کفار نے جو ان کو روکا تھا تو اس وقت چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے بھی اس معاہدے پر دستخط کیے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوعبیدہؓ تھے۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد سُہیل بن عمرو معاہدہ کی ایک نقل لے کر مکہ کی طرف واپس لوٹ گیا اور دوسری نقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہی۔ [629]

حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ بعض ارد گرد کے لوگوں نے مکہ والوں سے اصرار کیا کہ یہ لوگ صرف طواف کے لیے آئے ہیں آپ ان کو کیوں روکتے ہیں؟ مگر مکہ کے لوگ اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس پر بیرونی قبائل کے لوگوں نے مکہ والوں سے کہا کہ آپ لوگوں کا یہ طریق بتاتا ہے کہ آپ کو شرارت مدّ نظر ہے، صلح مدّ نظر نہیں۔ اس لیے ہم لوگ آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ ایک نئی بات ہے جو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمائی ہے کہ ارد گرد کے قبائل کا بھی پریشر (pressure) تھا۔ اس پر مکہ کے لوگ ڈر گئے اور انہوں نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتے کی کوشش کریں گے۔ جب اس امر کی اطلاع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو جو بعد میں آپؐ کے تیسرے خلیفہ ہوئے، مکّہ والوں سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔ جب حضرت عثمانؓ مکہ پہنچے تو چونکہ مکہ میں ان کی بڑی وسیع رشتہ داری تھی۔ ان کے رشتہ دار ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور ان سے کہا کہ آپ طواف کر لیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال آکر طواف کریں مگر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں اپنے آقاؐ کے بغیر طواف نہیں کر سکتا۔ چونکہ رؤسائے مکہ سے آپ کی گفتگو لمبی ہو گئی تو مکّہ میں بعض لوگوں نے شرارت سے یہ خبر پھیلا دی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ خبر پھیلتے پھیلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا: سفیر کی جان ہر قوم میں محفوظ ہوتی ہے۔ تم نے سنا ہے کہ عثمان کو مکہ والوں نے مار دیا ہے۔ اگر یہ خبر درست نکلی تو ہم بزور مکہ میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمارا پہلا ارادہ صلح کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے کا تھا، جن حالات میں وہ کیا گیا تھا وہ حالات چونکہ تبدیل ہو جائیں گے اس لیے ہم اس ارادہ کے پابند نہیں رہیں گے۔ جو لوگ یہ عہد کرنے کے لیے تیار ہوں کہ اگر ہمیں آگے بڑھنا پڑا تو یا ہم فتح کر کے لوٹیں گے یا ایک ایک کر کے میدان میں مارے جائیں گے وہ اس عہد پر میری بیعت کریں۔ آپؐ کا یہ اعلان کرنا تھا کہ پندرہ سو زائر جو آپ کے ساتھ آیا تھا یکدم پندرہ سو سپاہی کی شکل میں بدل گیا اور دیوانہ وار ایک دوسرے پر پھاندتے ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دوسروں سے پہلے بیعت کرنے کی کوشش کی۔ یہ بیعت تمام اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور درخت کا عہد نامہ کہلاتی ہے کیونکہ جس وقت یہ بیعت لی گئی اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ جب تک اس بیعت میں شامل ہونے والا آخری آدمی بھی دنیا میں زندہ رہا وہ فخر سے اس بات کا ذکر کیا کرتا تھا کیونکہ پندرہ سو آدمیوں میں سے ایک شخص نے بھی یہ عہد کرنے سے

دریغ نہ کیا تھا کہ اگر دشمن نے اسلامی سفیر کو مار دیا ہے تو آج دو صورتوں میں سے ایک ضرور پیدا کر کے چھوڑیں گے یا وہ شام سے پہلے پہلے مکہ کو فتح کر کے چھوڑیں گے یا شام سے پہلے پہلے میدان جنگ میں مارے جائیں گے۔ لیکن ابھی بیعت سے مسلمان فارغ ہی ہوئے تھے کہ حضرت عثمانؓ واپس آ گئے اور انہوں نے بتایا کہ مکہ والے اس سال تو عمرے کی اجازت نہیں دے سکتے مگر آئندہ سال اجازت دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں معاہدہ کرنے کے لیے انہوں نے اپنے نمائندے مقرر کر دیے۔ حضرت عثمانؓ کے آنے کے تھوڑی دیر کے بعد مکہ کا ایک رئیس سُہَیل نامی معاہدہ کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ معاہدہ لکھا گیا۔[630]

ایک غزوہ تھا غزوۂ ذات الرقاع:

نبی کریم ﷺ نجد میں غطفان کے قبیلہ بنو ثَعْلَبہ اور بنو مُحَارِبْ پر حملہ کے لیے چار سو یا ایک روایت کے مطابق سات سو صحابہ کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور مدینہ میں حضرت عثمانؓ کو امیر مقرر فرمایا اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوذر غِفَاریؓ کو امیر مقرر فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نجد میں نَخْل مقام پر پہنچے جسے ذَاتُ الرِّقَاع کہتے ہیں۔ وہاں آنحضرت ﷺ کے مقابلے کے لیے بڑا لشکر تیار تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے تاہم جنگ نہ ہوئی اور لوگ ایک دوسرے سے خوفزدہ رہے۔ اسی جنگ کے دوران پہلی مرتبہ مسلمانوں نے صلوٰۃِ خوف ادا کی۔[631]

اس غزوہ کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اسے ذات الرقاع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں صحابہ نے اپنے جھنڈوں میں پیوند لگائے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس علاقے میں درخت یا پہاڑ تھا جس کا نام ذات الرقاع ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں اس طرح ذکر ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک حملے میں نبی ﷺ کے ساتھ نکلے اور ہم چھ آدمی تھے۔ ہمارے پاس ایک مشترکہ اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ ہمارے پاؤں پھٹ گئے یعنی غزوہ میں چھ آدمی نہیں تھے۔ یہ چھ آدمی اس اونٹ کے لیے تھے۔ اور میرے دونوں پاؤں بھی پھٹ گئے اور میرے ناخن گر گئے اور ہم اپنے پاؤں پر کپڑوں کے ٹکڑے لپیٹتے تھے۔ اس لیے اس کا نام غزوۂ ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں والی لڑائی رکھا گیا کیونکہ ہم کپڑوں کے ٹکڑے اپنے پیروں پر باندھے ہوئے تھے۔[632]

یہ ایک نوٹ ہے وہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔ ریسرچ سیل نے ٹھیک نوٹ لکھا ہے کہ کتب تاریخ و سِیَر کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع چار ہجری میں ہوا تھا جبکہ امام بخاری نے اس غزوہ کو غزوۂ خیبر کے بعد قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اس غزوہ میں شامل ہوئے تھے اور وہ غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے تھے* اس لیے سات ہجری کی تاریخ اس غزوہ کی زیادہ قرین قیاس ہے۔[633]

* غزوہ خیبر کے بعد مدینہ تشریف لائے تھے۔ مرتب

فتح مکہ کے ضمن میں جو روایات ہیں جو 8/ ہجری میں ہوئی اس میں ایک تفصیلی روایت سنن نسائی میں یوں مذکور ہے جس میں فتح مکہ کے موقع پر ان افراد کی تفصیل بیان ہوئی ہے جن کے قتل کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے ارشاد جاری ہوا تھا۔ حضرت مُصْعَبْ بن سَعدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے علاوہ باقی سب کفار کو امان دے دی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ان چار کو قتل کر دو خواہ تم انہیں کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے پاؤ۔ وہ عکرمہ بن ابو جہل، عبداللہ بن خَطَل، مَقِیس بن صُبَابَہ اور عبداللہ بن سعد بن اَبِی سَرح تھے۔ عبداللہ بن خَطَل جب پکڑا گیا تو اس نے خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑا ہوا تھا۔ حضرت سعید بن حُرَیْث ؓ اور حضرت عَمَّار بن یاسرؓ دونوں اس کی طرف لپکے اور سعیدؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ مَقِیس کو لوگوں نے بازار میں پایا اور اسے قتل کر دیا۔ عکرمہ سمندر کی طرف بھاگ گیا۔ کشتی پر سوار لوگوں کو سمندری طوفان نے آلیا۔ اس پر کشتی والوں نے کہا تم لوگ اخلاص اور سچائی سے کام لو کیونکہ تمہارے معبود یہاں کچھ فائدہ نہیں دیں گے۔ اس پر عکرمہ نے کہا بخدا! مجھے سمندر میں اگر کوئی چیز بچائے گی تو اخلاص و سچائی ہے اور خشکی پر بھی اخلاص و سچائی ہی مجھے بچائے گی۔ اے اللہ! میں تجھ سے پختہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تُو مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھے تو میں ضرور محمد ﷺ کے پاس جا کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھوں گا اور مَیں ضرور انہیں عفو کرنے والا اور کریم پاؤں گا۔ پھر وہ واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس بارہ میں زیادہ مشہور روایت تو یہی ہے کہ جہاز پر چڑھنے سے پہلے ہی اس کی بیوی نے آکر اسے قائل کر لیا تھا اور واپس لے گئی تھی۔ یہ روایت بھی آگے آجائے گی۔ بہر حال یہ سنن نسائی کی ایک روایت ہے۔ جہاں تک عبداللہ بن ابی سرح کا تعلق ہے تو وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاں چھپ گیا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی تو حضرت عثمانؓ اسے نبی ﷺ کے سامنے لائے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! عبداللہ کی بیعت قبول فرمائیں۔ آپؐ نے اپنا سر اٹھا کر اس کی طرف تین مرتبہ دیکھا اور تینوں مرتبہ انکار کیا۔ بہر حال آخر آپؐ نے اس کی بیعت لے لی اور پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی صاحبِ عقل شخص نہ تھا جو اس شخص کو قتل کر دیتا جس کی بیعت لینے سے میں نے تخلف کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہمیں کیسے علم ہوتا کہ آپؐ کے دل میں کیا تھا۔ آپؐ نے کیوں نہ آنکھ سے ہمیں اشارہ کیا؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنکھوں کی خیانت کا مرتکب ہو۔ یہ روایت سنن ابو داؤد میں بھی ہے۔ البتہ سنن ابو داؤد میں ایک دوسری روایت بھی موجود ہے لیکن اس روایت کے آخری فقرات یعنی اس کو قتل کرنے وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

چنانچہ اس روایت میں بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا۔ اسے شیطان نے بہکا دیا۔ وہ کفار سے مل گیا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کے لیے پناہ طلب کی۔ اس پر

رسول اللہ ﷺ نے اسے پناہ دے دی۔[634]

آنحضرت ﷺ کا ارشاد کہ قتل کرنا تھا کیوں نہیں قتل کیا؟ اس کے بارے میں ایک وضاحت یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا صحابہ کو یہ فرمانا کہ جب میں نے بیعت لینے میں تامل کیا تو تم لوگوں نے اس کو قتل کیوں نہ کر دیا محلِ نظر ہے کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ اس کی بیعت نہ لینا چاہتے اور اس کے قتل کے فیصلہ پر قائم رہنا پسند فرماتے تو اس کو قتل کرنے کا ارشاد فرما سکتے تھے۔ آپؐ فاتح تھے، سربراہِ ریاست تھے اور اس کے قتل کا فیصلہ بھی مبنی بر انصاف تھا۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس روایت میں کسی راوی کی اپنی رائے یا خیال شامل ہو گیا ہو۔ مزید برآں یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود نہیں ہے اور ابوداؤد میں اسی مضمون کی ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس میں قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 15 کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کا تذکرہ یوں بیان کرتے ہیں کہ

"اس آیت کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ بھی وابستہ ہے جس کا یہاں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ایک کاتب وحی تھا جس کا نام عبداللہ بن ابی سرح تھا۔ آپؐ پر جب کوئی وحی نازل ہوتی تو اسے بلوا کر لکھوا دیتے۔ ایک دن آپؐ یہی آیتیں اسے لکھوا رہے تھے۔ جب آپ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ پر پہنچے تو اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا کہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہی وحی ہے۔ اس کو لکھ لو۔ اس بدبخت کو یہ خیال نہ آیا کہ پچھلی آیتوں کے نتیجہ میں یہ آیت طبعی طور پر آپ ہی بن جاتی ہے۔ اس نے سمجھا کہ جس طرح میرے منہ سے یہ آیت نکلی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو وحی قرار دے دیا ہے اسی طرح آپؐ نعوذ باللہ خود سارا قرآن بنا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ مرتد ہو گیا اور مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر جن لوگوں کو قتل کرنے کا رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا ان میں ایک عبداللہ بن ابی سرح بھی تھا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے پناہ دے دی اور وہ آپؓ کے گھر میں تین دن چھپا رہا۔ ایک دن جب کہ رسول کریم ﷺ مکہ کے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی سرح کو بھی آپؐ کی خدمت میں لے گئے اور اس کی بیعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ رسول کریم ﷺ نے پہلے تو کچھ دیر تامل فرمایا مگر پھر آپؐ نے اس کی بیعت لے لی۔ اور اس طرح دوبارہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔"[635]

سنن نسائی کی بیان کردہ روایت میں **عکرمہ بن ابو جہل کے قبولِ اسلام کا واقعہ** یوں بیان ہوا ہے جبکہ کتب سیرت میں اس کے اسلام قبول کرنے کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا ذرا مختلف ہیں کہ عکرمہ بن ابو جہل ان لوگوں میں سے تھا جن کے قتل کا نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حکم دیا ہوا تھا۔ عکرمہ اور اس کا والد نبی کریم ﷺ کو اذیت دیتا تھا اور وہ مسلمانوں پر

بہت زیادہ سختی کرتا تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون بہانے کا حکم دیا ہے تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی بیوی نے بعد اس کے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کا پیچھا کیا اور اس نے عکرمہ کو سمندر کے ساحل پر پایا جب وہ کشتی پر سوار ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ایک قول کے مطابق اس نے عکرمہ کو تب پایا جبکہ وہ کشتی میں سوار ہو چکا تھا۔ اس نے عکرمہ کو یہ کہتے ہوئے روکا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! مَیں تمہارے پاس اس انسان کی طرف سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ جوڑنے والے اور لوگوں میں سب سے زیادہ نیک اور لوگوں میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ تُو اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈال کیونکہ میں تمہارے لیے امان طلب کر چکی ہوں۔ اس پر وہ اپنی بیوی کے ساتھ آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا اسلام بہت خوبصورت رہا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی نے مجھے بتایا ہے کہ آپؐ نے مجھے امان دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تُو نے سچ کہا۔ یقیناً تُو امن میں ہے۔ اس پر عکرمہ نے کہا مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سِوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور آپؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس نے اپنا سر شرم سے نیچے جھکا لیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اے عکرمہ! تُو مجھ سے جو بھی چیز مانگے گا اگر میں اس کی طاقت رکھتا ہوں گا تو ضرور تجھے دوں گا۔ عکرمہ نے عرض کیا کہ میری ہر اس عداوت کے لیے بخشش کی دعا کر دیں جو میں نے آپؐ سے روا رکھی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! عکرمہ کی ہر وہ عداوت اس کو بخش دے جو اس نے مجھ سے روا رکھی یا ہر وہ بُری بات بخش دے جو اس نے کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ خوشی سے سرشار اٹھے اور اپنی چادر اس پر ڈال دی اور فرمایا: خوش آمدید اس شخص کو جو ایمان لانے کی حالت میں اور ہجرت کرنے کی حالت میں ہمارے پاس آیا۔ عکرمہ بعد میں بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔

عکرمہ کے ایمان لانے سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی جو آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے بیان فرمائی تھی کہ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ جنت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے وہاں انگور کا ایک خوشہ دیکھا جو آپؐ کو بہت اچھا لگا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کس کے لیے ہے تو کہا گیا کہ ابوجہل کے لیے ہے۔ یہ بات آپؐ پر گراں گزری۔ آپ کو اچھی نہیں لگی، پریشان ہوئے اور آپؐ نے فرمایا:

جنت میں تو سوائے مومن جان کے اَور کوئی داخل نہیں ہوتا تو یہ ابوجہل کے لیے کس طرح؟ پھر جب عکرمہ بن ابوجہل نے اسلام قبول کیا تو آپؐ اس سے خوش ہوئے اور اس خوشہ کی تعبیر یہ بیان فرمائی کہ اس سے مراد عکرمہ تھا۔[636]

غزوۂ تبوک جو رجب 9ھ ہجری میں ہوئی اس غزوۂ تبوک کو جَیشُ الْعُسْرَۃ یعنی تنگی والا لشکر بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کی تیاری کے لیے حضرت عثمانؓ کو جس مالی خدمت کی توفیق ملی اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے

کہ غزوۂ تبوک کو جَیش العسرۃ یعنی تنگی والا لشکر بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ کی تیاری کے لیے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تحریک فرمائی تو حضرت عثمانؓ نے شام کی طرف تجارت کی غرض سے تیار کیا جانے والا اپنا سو اونٹوں کا قافلہ ان کے کجاووں اور پالانوں سمیت پیش کر دیا۔

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پھر تحریک فرمائی تو اس غزوہ کی ضروریات کے پیش نظر حضرت عثمانؓ نے مزید سو اونٹ کجاووں اور پالانوں کے ساتھ تیار کروا کر پیش کر دیے۔ آپؐ نے پھر تحریک فرمائی تو تیسری مرتبہ حضرت عثمانؓ نے پھر مزید ایک سو اونٹ کجاووں اور پالانوں کے ساتھ تیار کروا کے آپؐ کی خدمت میں پیش کیے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب منبر سے نیچے اترے تو آپؐ نے فرمایا مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ. مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ. اس کے بعد عثمان جو بھی کرے اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ اس کے بعد عثمان جو بھی کرے اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ سونا بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حضور پیش کیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حاضر ہو کر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جھولی میں ایک ہزار دینار ڈال دیے۔ اس پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جھولی میں پڑے دیناروں کو الٹتے پلٹتے رہے اور دو مرتبہ فرمایا: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ. آج کے بعد عثمان جو بھی کرے گا اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ نے اس موقع پر دس ہزار دینار عطا کیے تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ دعا کی۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا يُبَالِي مَا عَمِلَ بَعْدَهَا کہ اے عثمان! اللہ تجھ سے مغفرت کا سلوک فرمائے جو تُو نے مخفی طور پر کیا اور جو تُو نے اعلانیہ کیا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ اس کے بعد وہ جو بھی عمل کرے اسے کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔

ایک روایت کے مطابق آپؓ نے اس جنگ کی تیاری کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ سے فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تجھے وہ سب کچھ معاف فرمائے جو تُو نے مخفی طور پر کیا اور جو تُو نے اعلانیہ کیا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ اس عمل کے بعد یہ جو بھی کرے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے حق میں یہ دعا کی کہ اَللّٰهُمَّ ارْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَإِنِّيْ عَنْهُ رَاضٍ کہ اے اللہ! تُو عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ مَیں اس سے راضی ہوں۔[637]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”صحابہ نے بعض دفعہ اپنے گھر کا مال و اسباب بیچ کر جنگ کے اخراجات پورے کیے بلکہ یہ بھی نظر آتا کہ بعض دفعہ انہوں نے اپنی جائیدادیں بیچ کر دوسروں پر خرچ کر دیں اور ان کے لیے تمام ضروریات مہیا کیں۔ چنانچہ ایک دفعہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باہر تشریف لائے اور آپؐ نے فرمایا کہ فلاں سفر پر ہماری فوج جانے والی ہے مگر مومنوں کے پاس کوئی چیز نہیں۔ کیا

کوئی تم میں سے ہے جو ثواب حاصل کرے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی اٹھے اور آپؓ نے اپنا اندوختہ نکال کر وہ رقم مسلمانوں کے اخراجات کے لیے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا عثمانؓ نے جنت خرید لی۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک کنواں بک رہا تھا۔ مسلمانوں کو چونکہ ان دنوں پانی کی بہت تکلیف تھی اس لیے آپؐ نے اس موقع پر پھر فرمایا کوئی ہے جو ثواب حاصل کرے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مَیں حاضر ہوں۔ چنانچہ آپؓ نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ رسول کریم ﷺ نے پھر فرمایا کہ عثمان نے جنت خرید لی۔ اسی طرح ایک اَور موقع پر بھی رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی الفاظ کہے۔ غرض تین موقعے ایسے آئے ہیں جہاں رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے جنت خرید لی ہے۔"[638]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بارہا یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے جنت خرید لی اور وہ جنتی ہیں اور ایک دفعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں سے دوبارہ بیعت لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے تو آپؐ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ میں اس کی طرف سے اپنے ہاتھ پر رکھتا ہوں۔ اس طرح آپؐ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور پھر ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا اے عثمان! خدا تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے گا۔ منافق چاہیں گے کہ وہ تیری اس قمیص کو اتار دیں مگر تُو اس قمیص کو اُتاریو نہیں۔" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "اب محمد رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اس قمیص کو نہ اتارنا اور جو تم سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں گے وہ منافق ہوں گے۔"[639]

تو اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ لوگ جو بھی تھے وہ منافق تھے کیونکہ ان کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی فرما دی۔

حضرت خلیفہ ثالثؒ نے ایک جگہ حضرت عثمانؓ کی قربانی کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ:

"جنگی ضرورت تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے ضرورت حقہ کو رکھا اور مالی قربانیاں پیش کرنے کی انہیں تلقین کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اپنا سارا مال لے کر آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے کر آ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میری یہ پیشکش قبول کر لی جائے کہ میں دس ہزار صحابہؓ کا پورا خرچ برداشت کروں گا اور اس کے علاوہ آپؓ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے دیئے۔"[640]

حضرت عثمانؓ کا حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں کیا کردار تھا اور آپ کا مقام اور مرتبہ کیا تھا؟

حضرت ابو بکرؓ آپ کو کس طرح کا مقام دیتے تھے۔ کیا سمجھتے تھے؟ حضرت ابو بکر کے دورِ خلافت میں

حضرت عثمانؓ ان صحابہ اور اہل شوریٰ میں سے تھے جن سے اہم ترین مسائل میں رائے لی جاتی تھی۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کر کے اسے ختم کر دیا تو روم پر چڑھائی کرنے اور مختلف اطراف میں مجاہدین کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس سلسلہ میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے مزید مشورہ طلب فرمایا۔ جس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ آپؓ اس دین کے ماننے والوں کے خیر خواہ اور مشفق ہیں۔ پس آپؓ جس رائے کو عام لوگوں کے لیے مفید سمجھیں تو اس پر عمل کرنے کا پختہ عزم کر لیں کیونکہ آپؓ کے بارے میں بدظنی نہیں کی جا سکتی۔ یعنی حضرت ابو بکر کو عرض کیا کہ آپؓ کے بارے میں بدظنی نہیں کی جاسکتی۔ اس پر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت سعید بن زیدؓ اور اس مجلس میں موجود مہاجرین و انصار نے کہا حضرت عثمانؓ نے سچ کہا ہے۔ آپؓ جو مناسب سمجھیں کر گزریں۔ ہم نہ تو آپؓ کی مخالفت کریں گے اور نہ ہی آپؓ پر کوئی الزام لگائیں گے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے گفتگو کی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بیان کیا جس کا وہ اہل ہے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا۔ پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر اسلام کے ذریعے سے فضل نازل فرمایا اور جہاد کے ذریعہ تمہیں عزت بخشی اور اس دین کے ذریعہ تم لوگوں کو تمام ادیان پر فضیلت بخشی۔ پس اے اللہ کے بندو! ملک شام میں روم کے ساتھ جنگ کے لیے لشکر کی تیاری کرو۔ [641]

حضرت ابو بکرؓ نے جب اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ حضرت آبان بن سعیدؓ کے بعد کس کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا جائے تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے عرض کیا اس آدمی کو بھیجیں جسے رسول اللہ ﷺ نے بحرین والوں پر گورنر مقرر فرمایا تھا اور وہ ان کے قبول اسلام اور اطاعت کرنے کا موجب ہوا تھا اور وہ ان لوگوں سے اور ان کے علاقے سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ وہ عَلَاء بن حَضْرَمی ہے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عَلَاء بن حَضْرَمی کو بحرین بھیجنے پر اتفاق کر لیا۔ [642]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہیں ہوئی۔ لوگ حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آسمان بارش نہیں برسا رہا اور زمین فصلیں نہیں اگا رہی۔ لوگ سخت شدید مصیبت کا شکار ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تم لوگ جاؤ اور شام تک صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانی کو دور فرما دے گا۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ کا سو اونٹوں کا تجارتی قافلہ گندم یا کھانے کا سامان لادے شام سے مدینہ پہنچ گیا۔ اس کی خبر سن کر لوگ حضرت عثمانؓ کے دروازے پر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت عثمانؓ لوگوں میں نکلے اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ قحط سالی کا زمانہ ہے۔ آسمان بارش نہیں برسا رہا اور زمین بھی فصلیں نہیں اگا رہی۔ لوگ شدید پریشانی کا شکار ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس غلّہ ہے۔ آپ اسے ہمارے پاس فروخت کر دیں تاکہ ہم اسے فقراء اور مساکین تک پہنچا دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

بہت اچھا! اندر آجاؤ۔ اندر آکے خرید لیں۔ تاجر لوگ آپ کے گھر میں داخل ہوئے اور غلے کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں پڑا ہوا پایا۔ حضرت عثمانؓ نے تاجروں سے کہا جو سامان میں نے ملک شام سے، جو جہاں سے میں نے خریدا ہے میری قیمت خرید پر آپ کتنا منافع دیں گے؟ شام سے سامان لے کر آیا ہوں۔ میں یہاں وہاں سے خرید کے لایا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ تم مجھے اس پر کتنا منافع دو گے؟ وہاں جتنے لوگ تھے کچھ مفت تقسیم کرنا چاہتے تھے کچھ تاجر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دس کے بارہ دے دیں گے۔ اگر اس کی قیمت دس درہم ہے تو ہم بارہ دے دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہم دس کے پندرہ دے دیں گے۔ دس کے بجائے ہم پندرہ دینے کو تیار ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا اے ابو عمرو! مدینہ میں تو ہمارے علاوہ اَور کوئی تاجر نہیں ہے۔ تو کون آپ کو اس سے زیادہ دے رہا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے ہر درہم کے بدلے دس زیادہ دے رہا ہے۔ ہر ایک کے بدلے میں دس گنا دے رہا ہے۔ کیا آپ لوگ اس سے زیادہ دے سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں ہم تو اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: مَیں اللہ کو گواہ بناتے ہوئے اس غلے کو مسلمانوں کے فقراء پر صدقہ کرتا ہوں۔ یعنی یہ سارے کا سارا غلہ میں غریبوں کو دیتا ہوں اور اس کی کوئی قیمت نہیں لوں گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن یہ واقعہ ہوا، غلہ تقسیم کیا گیا، صدقہ دیا گیا میں نے اس رات رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ ایک غیر عربی گھوڑے پر سوار ہیں جو بڑے جثے والا ہے۔ آپؐ پر نور کی پوشاک ہے اور آپؐ کے پیروں میں نور کی جوتیاں ہیں اور ہاتھ میں نور کی چھڑی ہے اور آپؐ جلدی میں ہیں۔

مَیں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! مَیں آپؐ کا اور آپؐ سے گفتگو کا بہت مشتاق ہوں۔ آپؐ اتنی جلدی میں کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے ابن عباس! عثمان نے ایک صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا ہے اور جنّت میں اس کی شادی کی ہے اور ہمیں ان کی شادی میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔[643]

حضرت عثمانؓ کا "حضرت عمرؓ کے عہد میں کردار اور مقام اور مرتبہ" کے بارے میں یہ چند باتیں بیان کرتا ہوں۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو آپؓ نے بڑے صحابہ سے بیت المال سے اپنے وظیفہ کے متعلق مشورہ کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ کھائیے اور کھلائیے۔[644]

جو آپ کی ضروریات ہیں آپ پوری کریں اور جو لوگوں کی ضروریات ہیں وہ بھی پوری کریں۔ کوئی فکس (fix) کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور مال کی کثرت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے صحابہ میں سے بعض کو اس مال کے بارے میں مشاورت کے لیے اکٹھا کیا۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: مَیں دیکھتا ہوں کہ مال بہت ہو گیا ہے جو لوگوں کے لیے کافی ہے۔ اگر لوگوں کے اعداد و شمار اکٹھے نہ کیے گئے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس نے لے لیا ہے اور کس نے نہیں لیا تو مجھے ڈر ہے

کہ مشکلات پیدا ہوں گی۔ بعض دفعہ لوگ دو دو دفعہ لے جائیں گے۔ باقاعدہ انتظام ہونا چاہیے۔ کھاتے بننے چاہئیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور مردم شماری کر کے لوگوں کے نام رجسٹروں میں محفوظ کرنے کا کام عمل میں آیا۔[645]

اور پھر باقاعدہ اس کے حساب سے ہر ایک کو امداد ملنی شروع ہوئی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی بھی ہے۔ اس کا پہلے اشارۃً قمیص پہننے کا اور منافقوں کا قمیص اتارنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت اَبُوبَکْرَہ سے یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تم میں سے کسی نے خواب دیکھی ہے۔ ایک شخص نے کہا۔ میں نے دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اترا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت ابوبکرؓ کو تولا گیا تو آپؐ ابوبکر سے بھاری نکلے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو تولا گیا تو حضرت ابوبکرؓ بھاری نکلے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو تولا گیا تو حضرت عمرؓ بھاری نکلے۔ پھر ترازو اٹھا لیا گیا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ناپسندیدگی دیکھی۔ آپؐ نے اس خواب پر خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ بڑی ناپسندیدگی ہوئی۔[646]

ایک اَور روایت یوں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک صالح شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا گیا ہے اور حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے اور حضرت عثمان کو حضرت عمرؓ سے۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر آئے تو ہم نے کہا کہ مرد صالح سے مراد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے جوڑے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ اس امر یعنی دین کے والی ہوں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔[647]

حضرت سَمُرَہ بن جُنْدُب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہؐ! میں نے دیکھا گویا کہ آسمان سے ایک ڈول لٹکایا گیا۔ پہلے حضرت ابوبکر آئے تو اس کی دونوں لکڑیاں پکڑ کر اس میں سے تھوڑا سا پیا۔ پھر عمر آئے تو اس کی دونوں لکڑیاں پکڑیں اور انہوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر عثمان آئے اور اس کی دونوں لکڑیاں پکڑیں اور خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر حضرت علی آئے اور اس کی دونوں لکڑیاں پکڑیں تو وہ چھلک گیا اور اس میں سے کچھ ان کے اوپر بھی پڑ گیا۔[648]

خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے یہ بھی اشارہ تھا اور علیؓ کے ساتھ جو سارا دور گزرا وہ مشکلات کا ہی تھا۔ اس طرف اشارہ تھا کہ صحیح طرح پینے کا موقع نہیں ملا۔

حضرت عثمانؓ کے انتخابِ خلافت کے لیے جو مجلس شوریٰ قائم ہوئی تھی اس بارے میں حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمَہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ اپنے اوپر ہونے والے حملے کے بعد جب ابھی ٹھیک تھے تو آپؓ سے بار بار درخواست کی جاتی کہ آپؓ کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیں لیکن آپؓ انکار فرماتے۔ ایک روز آپؓ منبر پر تشریف لائے اور چند کلمات کہے اور فرمایا اگر مَیں مر جاؤں تو تمہارا

معاملہ ان چھ افراد کے ذمہ ہو گا جو رسول اللہ ﷺ سے اس حالت میں جدا ہوئے جبکہ آپؐ ان سے راضی تھے۔ علی بن ابو طالبؓ اور آپؓ کے نظیر زبیر بن عوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور آپؓ کے نظیر عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ اور آپؓ کے نظیر سعد بن مالکؓ۔ پھر آپؓ نے فرمایا خبردار! مَیں تم سب کو فیصلہ کرنے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور تقسیم میں انصاف اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے انتخابِ خلافت کے لیے مجلس شوریٰ کے اراکین سے کہا کہ اپنے اس معاملے میں باہم مشورہ کرو۔ پھر اگر دونوں طرف دو دو ووٹ ہوں تو دوبارہ مشورہ کرو اور اگر چار اور دو ووٹ ہوں تو پھر جس کے ووٹ زیادہ ہوں اسے اختیار کرو۔ زید بن اسلم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر دونوں طرف تین تین ووٹ ہوں تو جس طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں گے اس طرف کے لوگوں کی سننا اور اطاعت کرنا۔

عبدالرحمٰن بن سعید بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو آپؓ نے فرمایا صہیبؓ تم لوگوں کو تین دن تک نماز پڑھائیں گے۔ یعنی کہ صہیبؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا۔ پھر فرمایا: اپنے اس معاملے میں یعنی خلافت کے بارے میں مشاورت کرو اور یہ معاملہ ان چھ افراد کے سپرد ہے۔ پھر اس کے بعد جو تمہاری مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دو۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے کچھ دیر قبل حضرت ابو طلحہؓ کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا اے ابو طلحہ! تُو اپنی قوم انصار میں سے پچاس افراد کو لے کر ان اصحاب شوریٰ کے پاس چلے جاؤ اور انہیں تین دن تک نہ چھوڑنا یہاں تک کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کر لیں۔ اے اللہ! تو ان پر میرا خلیفہ ہے۔

اسحاق بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت عمرؓ کی قبر تیار ہوتے وقت کچھ دیر رکے اور اس کے بعد اصحاب شوریٰ کے ساتھ ہی رہے۔ پھر جب ان اصحاب شوریٰ نے اپنا معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ وہ جسے چاہیں امیر مقرر کر دیں تو حضرت ابو طلحہؓ اس وقت تک حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے گھر کے دروازے پر رہے جب تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ کر لی۔

حضرت سلمہ بن ابو سلمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ پھر اس کے بعد حضرت علیؓ نے۔ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام عمر بن عُمَیرَہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ اس کے بعد لوگوں نے پے درپے آپؓ کی بیعت کی۔[649]

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی آخری بیماری میں اپنے بعد میں آنے والے خلیفہ کو نصائح اور مجلس شوریٰ کے حوالے سے جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کا ذکر یوں ملتا ہے کہ لوگوں نے کہا امیر المومنین! وصیت کر دیں۔ کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں۔ انہوں نے فرمایا میں اس خلافت کا حقدار ان چند لوگوں میں

سے بڑھ کر اَور کسی کو نہیں پاتا کہ رسول اللہ ﷺ ایسی حالت میں فوت ہوئے کہ آپ ﷺ ان سے راضی تھے اور انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا اور کہا عبداللہ بن عمر تمہارے ساتھ شریک رہے گا اور اس خلافت میں اس کا کوئی حق نہیں۔ یہ روایت پہلے بھی مَیں بیان کر چکا ہوں۔ اس لیے یہاں مختصر بیان کرتا ہوں۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جب ان کی تدفین سے فراغت ہوئی تو وہ آدمی جمع ہوئے جن کا نام حضرت عمرؓ نے لیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا اپنا معاملہ اپنے میں سے تین آدمیوں کے سپرد کر دو۔ حضرت زبیرؓ نے کہا میں نے اپنا اختیار حضرت علیؓ کو دیا اور حضرت طلحہؓ نے کہا میں نے اپنا اختیار حضرت عثمانؓ کو دیا اور حضرت سعدؓ نے کہا میں نے اپنا اختیار حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا آپ دونوں میں سے جو بھی اس امر سے دستبردار ہو گا ہم اسی کے حوالے اس معاملے کو کر دیں گے اور اللہ اور اسلام اس کا نگران ہو گا یعنی انتخاب خلافت کا معاملہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ان میں سے اسی کو تجویز کرے گا جو اس کے نزدیک افضل ہے۔ اس بات نے دونوں بزرگوں کو خاموش کر دیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ کیا آپ اس معاملے کو میرے سپرد کرتے ہیں اور اللہ میرا نگران ہے کہ جو آپ میں سے افضل ہے اس کو تجویز کرنے کے متعلق کوئی بھی کمی نہیں کروں گا۔ پھر یہی ہے کہ میرے سپرد کر دو۔ اب اس کمیٹی کی جو صدارت ہے وہ پھر میرے سپرد ہو جائے گی۔ پہلے تو ان دونوں سے کہا کہ کسی ایک کو صدر بنا دیا جائے۔ انہوں نے کہا وہ علیحدہ نہیں ہوتے، دستبردار نہیں ہوتے تو انہوں نے کہا اچھا پھر میں اس معاملے سے دستبردار ہوتا ہوں اور صدارت اس طرح ہو گی۔ بہرحال انہوں نے کہا پھر میں جو فیصلہ کروں گا وہ انصاف سے کروں گا اور اللہ میرا نگران ہے۔ ان دونوں نے کہا اچھا۔ پھر عبدالرحمٰن ان دونوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئے اور کہنے لگے آپ کا آنحضرت ﷺ سے رشتہ کا تعلق ہے اور اسلام میں آپ کا جو مقام ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں۔ اللہ آپ کا نگران ہے۔ بتائیں اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو کیا آپ ضرور انصاف کریں گے؟ اور اگر میں عثمان کو امیر بناؤں تو آپ اس کی بات سنیں گے اور ان کا حکم مانیں گے؟ یعنی پہلے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے گئے۔ ان سے پوچھا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ دوسرے کو تنہائی میں لے گئے یعنی اب حضرت عثمانؓ کی باری آئی اور ان سے بھی ویسے ہی کہا جب انہوں نے پختہ عہد لے لیا تو پھر آپ نے حضرت عثمانؓ کو کہا کہ آپ اپنا ہاتھ اٹھائیں اور انہوں نے ان سے بیعت کی اور حضرت علیؓ نے بھی ان سے بیعت کی اور گھر والے اندر آ گئے اور انہوں نے بھی ان سے بیعت کی۔[650]

حضرت مصلح موعودؓ حضرت عمرؓ کی وفات اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کی بابت بیان فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ جب زخمی ہوئے اور آپؓ نے محسوس کیا کہ اب آپ کا آخری وقت قریب

ہے تو آپؓ نے چھ آدمیوں کے متعلق وصیت کی کہ وہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی آپ نے اس مشورہ میں شریک کرنے کے لیے مقرر فرمایا مگر خلافت کا حقدار قرار نہ دیا اور وصیت کی کہ یہ سب لوگ تین دن میں فیصلہ کریں اور تین دن کے لیے صہیبؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کیا اور مشورہ کی نگرانی مقداد بن الاسودؓ کے سپرد کی اور انہیں ہدایت کی کہ وہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے فیصلہ کرنے پر مجبور کریں اور خود تلوار لے کر دروازہ پر پہرہ دیتے رہیں۔ اور فرمایا کہ جس پر کثرت رائے سے اتفاق ہو سب لوگ اس کی بیعت کریں اور اگر کوئی انکار کرے تو اسے قتل کر دو لیکن اگر دونوں طرف تین تین ہو جائیں تو عبداللہ بن عمر اُن میں سے جس کو تجویز کریں وہ خلیفہ ہو۔ اگر اس فیصلہ پر وہ راضی نہ ہوں تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں وہ خلیفہ ہو۔ آخر پانچوں اصحاب نے مشورہ کیا (کیونکہ طلحہؓ اس وقت مدینہ میں نہیں تھے) مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بہت لمبی بحث کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ اچھا جو شخص اپنا نام واپس لینا چاہتا ہے وہ بولے۔ جب سب خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنا نام واپس لیتا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا" کہ میں بھی لیتا ہوں "پھر باقی دو نے" بھی کہا۔ "حضرت علیؓ خاموش رہے۔ آخر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے عہد لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ انہوں نے عہد کیا اور سب کام ان کے سپرد ہو گیا۔" یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد ہو گیا۔ "حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تین دن مدینہ کے ہر گھر گئے اور مردوں اور عورتوں سے پوچھا کہ ان کی رائے کس شخص کی خلافت کے حق میں ہے۔ سب نے یہی کہا کہ انہیں حضرت عثمانؓ کی خلافت منظور ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا اور وہ خلیفہ ہو گئے۔"[651]

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی 29 ذوالحجہ 23 ہجری کو پیر کے روز بیعت کی گئی۔

نَزَّال بن سَبْرَہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ہم نے باقی رہ جانے والوں میں سے سب سے بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے اور ہم نے اس انتخاب میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

حضرت عثمانؓ نے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جب پہلا خطاب فرمایا تو اس کے بارے میں یہ روایت ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابوربیعہ مخزومی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت کی گئی تو آپ یعنی حضرت عثمانؓ لوگوں میں تشریف لائے اور ان سے خطاب فرمایا۔ جس میں آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اے لوگو! پہلے پہل جو کام کیا جائے وہ مشکل ہوتا ہے۔ نیا نیا کام کوئی پہلی دفعہ کر رہا ہو تو مشکل ہوتا ہے۔

آج کے بعد اور بھی دن آنے والے ہیں اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ تمہارے سامنے مناسب خطاب بھی کر سکوں گا۔ آج تو یہ مختصر خطاب کر رہا ہوں۔ آئندہ دن بھی آئیں گے میں مناسب خطاب کروں گا۔ پھر فرمایا: ہم کوئی خطیب نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہمیں سکھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ خطاب کرنے کے طریقے بھی سکھا دے گا۔[652]

بدر بن عثمان اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہلِ شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی تو آپؓ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپؓ ان سب سے زیادہ غمگین تھے۔ پھر آپ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر آئے اور لوگوں سے خطاب کیا۔ آپؓ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا۔ پھر فرمایا! یقیناً تم لوگ ایک ایسے گھر میں ہو جسے چھوڑ جانا ہے یعنی یہ دنیا اور تم عمر کے آخری حصوں میں ہو اس لیے موت سے پہلے پہل جس قدر نیک کام کر سکتے ہو کر لو۔ یقیناً تم موت کے گھیرے میں ہو اور یہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ خبردار! یقیناً دنیا مکر و فریب سے آراستہ ہے۔ پس تمہیں دنیاوی زندگی دھوکا نہ دے دے اور اللہ کے بارے میں سخت دھوکے باز شیطان تمہیں ہرگز دھوکے میں مبتلا نہ کرے۔ گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت حاصل کرو اور پھر بھرپور کوشش کرو اور غافل نہ رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے غافل نہیں۔ وہ دنیادار اور ان کے بھائی کہاں ہیں جنہوں نے زمین کو پھاڑا اور اسے آباد کیا اور ایک لمبا عرصہ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے؟ کیا اس نے انہیں نکال باہر نہیں پھینکا؟ پس تم بھی دنیا کو وہاں پھینک دو جہاں اللہ تعالیٰ نے اسے پھینکا ہوا ہے اور آخرت کو طلب کرو۔ آخرت کو طلب کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کی مثال اور اس چیز کی جو بہترین ہے مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (الکہف:46-47)

الکہف کی یہ آیات ہیں۔ اور ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر جو ایسے پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا۔ پھر اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی شامل ہو گئی۔ پھر وہ چُورا چُورا ہو گئی جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے طور پر بہتر اور امنگ کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں۔ اس کے بعد لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لیے لپکے۔[653]

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جو فتوحات ہوئیں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں درج ذیل علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا۔ فتح افریقیہ۔ یہ الجزائر اور مراکش کے علاقے ہیں۔ فتح اندلس، سپین 27/ہجری۔ فتح قبرص، سائپرس (cyprus)۔ 28/ہجری۔ فتح طبرستان 30/ہجری۔ فتح صَوَارِی۔ فتح آرمینیا۔ فتح خراسان 31/ہجری۔ بلادِ روم کی طرف پیش قدمی مَرو

رُوْذ.طَالَقَان،فَارِیَاب،جُوْزَجَان اور طَخَارِسْتَان کی فتوحات۔بَلْخ،ھَرَات کی مہم 32/ ہجری۔اس کے علاوہ اس امر کا تذکرہ بھی ملتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دَور میں ہندوستان میں اسلام کی آمد ہو گئی تھی۔ [654]

ان مہمات اور فتوحات کی مختصر تفصیل یوں ہے۔27/ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن ابی سرح کو دس ہزار فوج دے کر افریقیہ روانہ فرمایا۔ افریقیہ سے مراد وہی مراکش اور الجزائر کا علاقہ ہے۔ پس اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

اندلس، 27/ ہجری، سپین۔ حضرت عثمان نے عبد اللہ بن نَافع بن حُصَین فِھْری اور عبد اللہ بن نَافِع بن عبدِقَیس فہری کو افریقیہ سے اندلس کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ پس یہ اَنْدُلَس کی طرف چلے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا۔ [655]

فتح قبرص 28/ ہجری۔ ابومَعْشَر کا قول ہے کہ قبرص 33/ ہجری میں فتح ہوا۔ بعض لوگوں کے مطابق 27/ ہجری میں قبرص کی جنگ لڑی گئی۔ تاریخ طبری اور بِدَایَةوَالنِّھَایَة دونوں نے اس کو 28/ ہجری کے واقعات میں بیان کیا ہے۔ اس جنگ میں صحابہ میں سے حضرت ابوذر غِفَاریؓ، حضرت عُبَادہ بن صامتؓ اور آپ کی زوجہ حضرت اُمِّ حَرَام بنت مِلْحَان ؓ، حضرت مِقدادؓ، حضرت ابودَرْدَاء ؓ، حضرت شَدَّاد بن اوسؓ شامل تھے۔

قبرص ملک شام کے غربی جانب ایک اکیلا جزیرہ ہے۔ اس میں باغات اور کانیں بکثرت تھیں۔ قبرص حضرت عثمانؓ کے دور میں آپؓ کی اجازت اور حکم سے امیر معاویہ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

اس جنگ میں حضرت ام حَرام بنت مِلحانؓ بھی شامل تھیں جن کو آنحضور ﷺ نے شہادت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ اس جنگ سے واپسی پر آپ کے لیے سواری لائی گئی۔ آپ اس پر سوار ہوئیں لیکن اس پر سے گر پڑیں اور آپ کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی جس سے آپ کی شہادت ہو گئی۔ [656]

علی بن محمد مَدَائِنِی بیان کرتے ہیں کہ طبرستان پر حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت سعید بن عاصؓ نے 30/ ہجری میں حملہ کیا، وہاں لڑائی ہوئی اور قلعہ فتح کیا۔ [657]

اسی طرح فتح صَوَارِی 31/ ہجری میں ہے اس کے بارے میں آتا ہے کہ اکثر کتب تاریخ میں اس معرکے کے مقام کی تعیین درج نہیں ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اس معرکے کا مقام اسکندریہ لکھا ہے۔ [658]

ایک قول کے مطابق 31/ ہجری میں مسلمانوں نے اہلِ روم کے ساتھ ایک جنگ لڑی جسے صواری کہا جاتا ہے۔

ابومَعْشَر کی روایت کے مطابق غزوۂ صَوَارِی 34/ ہجری میں ہوا اور اَسَاوِدَہْ کی بحری جنگ 31/ ہجری میں ہوئی۔ واقدی کے مطابق جنگ صَوَارِی اور جنگ اَسَاوِدَہْ دونوں 31/ ہجری میں ہوئیں۔ [659]

جب حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سَرحؓ نے فرنگیوں یعنی فرنچ اور بربریوں کو افریقیہ اور اندلس میں شکست دے دی تو رومی بڑے سیخ پا ہوئے اور سب مل کر قُسطَنطِین بن ہِرَقل کے پاس جمع ہوئے اور مسلمانوں کے مقابلے میں ایسی فوج لے کر نکلے جس کی آغازِ اسلام سے اب تک کوئی مثال نہیں دیکھی گئی تھی۔ یہ لشکر پانچ سو بحری جہازوں پر مشتمل تھا جو مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلا۔ امیر معاویہ نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو بحری بیڑے کا امیر مقرر کیا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو سخت مقابلہ ہوا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور قُسطَنطِین اور اس کا باقی ماندہ لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔[660]

فتح آرمینیا 31/ ہجری میں ہوئی۔ واقِدی کے قول کے مطابق 31/ ہجری میں حبیب بن مَسلَمہ فِہرِی کے ہاتھ پر آرمینیا فتح ہوا۔[661]

فتح خُراسَان 31/ ہجری میں حضرت عبد اللہ بن عَامِر خُراسَان کی طرف روانہ ہوئے اور انہوں نے اَبرَشَہر (Abarshahr)، طُوس (Tous)، اَبِی وَرْد (Abivard) اور نسا (Nesa) کو فتح کر لیا یہاں تک کہ وہ سَرخَس (Sarakhs) پہنچ گئے۔ اہل مَرْو (Merv) نے بھی اسی سال صلح کر لی۔[662]

یہ مَرْو ترکمانستان میں ہے۔ باقی علاقے ایران کے ہیں۔ بلادِ روم کی طرف پیش قدمی 32/ ہجری میں ہوئی۔ 32/ ہجری میں امیر معاویہ نے بلادِ روم سے جنگ کی حتی کہ وہ قسطنطنیہ کے دروازے پر جا پہنچے۔[663]

مَرْوِ رُوْذ، طَالَقَان، فَارِیَاب (Faryab)، جُوزَجَان (Jowz) اور طَخَارِسْتَان (Takhar) کی فتوحات 32/ ہجری کی ہیں۔

32/ ہجری میں حضرت عبد اللہ بن عامر نے مَرْوِ رُوْذ، طَالَقَان موجودہ افغانستان میں بلخ اور مرورُوذ کے درمیان علاقہ ہے، فاریاب یہ بھی افغانستان کا علاقہ ہے۔ جُوزَجَان، یہ بھی افغانستان کا علاقہ ہے۔ طَخَارِسْتَان، یہ بھی افغانستان کا علاقہ ہے، یہ سب علاقے فتح کیے۔[664]

ابو الاَشْہَب سعدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اَحنَف بن قَیس کی اہل مَرْوِ رُوْذ، طَالَقَان فَارِیَاب اور جُوزَجَان سے رات کی تاریکی تک جنگ جاری رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔[665]

اَحنَف بن قَیس نے اَقْرَع بن حَابِس کو ایک گھڑ سوار لشکر کے ساتھ جُوزَجَان کی طرف روانہ کیا۔ اَقْرَع کو اس باقی ماندہ لشکر کی طرف بھیجا گیا تھا جسے اَحنَف شکست دے چکا تھا۔ چنانچہ اَقْرَع بن حَابِس نے ان سے سخت جنگ کی جس میں ان کے شہ سوار شہید بھی ہوئے تاہم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔[666]

بَلْخ کی فتح 32/ ہجری میں ہوئی۔ احنف بن قیس مَرْورُوذ سے بَلْخ کی طرف گئے اور وہاں جا کر اہلِ

بَلخ کا محاصرہ کر لیا۔ قدیم بَلخ خراسان کا ایک اہم ترین شہر تھا اور یہ موجودہ افغانستان کا سب سے قدیم شہر ہے۔ آج کل قدیم شہر کھنڈر کی شکل میں موجود ہے۔ دریائے بَلخ کے دائیں کنارے سے 12 کلومیٹر دور واقع ہے۔ وہاں کے لوگوں نے چار لاکھ کی رقم ادا کرنے پر صلح کی درخواست کی جو اَحْنَف بن قَیس نے قبول کر لی۔[667]

ھَرَات کی مہم 32؍ ہجری میں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے خُلَیْد بن عبد اللہ بن حَنَفِی کو ھَرَات اور بَاذَغِیْس کی طرف روانہ کیا انہوں نے ان دونوں کو فتح کر لیا لیکن بعد میں انہوں نے بغاوت کر دی اور قارِن بادشاہ کے ساتھ ہو گئے۔[668]

32؍ ہجری میں حضرت عبد اللہ بن عامر نے خُرَاسَان پر قَیس بن ھَیْثَم کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود وہاں سے روانہ ہو گئے۔[669]

قَارِن نے مسلمانوں کے لیے ایک بڑی فوج تیار کر رکھی تھی۔ قیس بن ھَیْثَم امارت عبد اللہ بن خازم کے حوالے کر کے حضرت عبد اللہ بن عامر کے پاس مدد اور کمک کے لیے چلے گئے۔[670]

کیونکہ فوج کافی تھی جس کا مقابلہ تھا۔ عبد اللہ بن خَازِم چار ہزار کی فوج لے کر قَارِن کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ عبد اللہ بن خَازِم نے چھ سو سپاہیوں کو ہراول دستے کے طور پر آگے بھیجا اور ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ وہ ہراول دستہ آدھی رات کو قارن کے لشکر تک پہنچ گیا اور ان پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے دشمن خوفزدہ ہو گیا اور جب مسلمانوں کی باقی فوج پہنچی تو دشمن کو بری طرح شکست ہوئی اور قارن قتل ہوا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور بہت سے لوگوں کو قتل اور گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔[671]

حضرت عثمانؓ کے دَور میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام پہنچ گیا۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں امام زہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مصر اور شام حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے اور افریقیہ اور خراسان اور سندھ کا کچھ علاقہ حضرت عثمانؓ کے دور میں فتح ہوا۔[672]

برصغیر میں اسلام کی آمد کے متعلق ایک روایت یوں ملتی ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت عبید اللہ بن مَعْمَر کو فوج کا ایک دستہ دے کر مکران اور سندھ کی طرف بھیجا گیا۔ فتوحات مکران میں انہوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ بعد ازاں اس نواح کے مفتوحہ علاقوں کی امارت ان کے سپرد ہوئی۔[673]

حضرت مُجَاشِعْ بن مسعود سُلَمِی کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت مُجَاشِعْ نے موجودہ افغانستان کے دارالحکومت کابل میں اسلامی فوج کے ایک دستہ کی کمان کرتے ہوئے مخالفینِ اسلام سے جہاد کیا۔ مؤرخین کے نزدیک اس زمانے میں کابل کا شمار بلادِ ہند میں ہوتا تھا۔ حضرت مُجَاشِعْنے حضرت عثمانؓ کے

دورِ خلافت میں پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں مخالفینِ اسلام سے جنگ کی اور اس سے ملحقہ علاقے سِجِسْتَانْ پر عَلَم لہرایا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے برصغیر کے ان علاقوں میں سکونت اختیار کر لی اور انہیں اپنا وطن قرار دے دیا تھا۔ [674]

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فتنہ کی بابت آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیاں

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فتنہ کی بابت آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیاں بھی ہیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اے عثمان! ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے۔ اگر لوگ تجھ سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تُو ان کے کہنے پر اسے ہرگز نہ اتارنا۔ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ [675]

سنن ابن ماجہ میں یہ روایت اس طرح ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ کسی دن یہ امر تمہارے سپرد کر دے اور منافق تم سے چاہیں کہ تم اپنی قمیص کو جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو تو تم اسے نہ اتارنا۔ آپؐ نے یہ تین دفعہ فرمایا۔

راوی نعمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ آپؓ کو کس بات نے منع کیا تھا کہ آپؓ لوگوں کو اس سے آگاہ کریں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے یہ بات بھلا دی گئی تھی۔ [676]

حضرت کَعْب بن عُجْرَہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا اور اسے قریب بتایا تو ایک شخص گزرا۔ جب بیان فرما رہے تھے تو وہاں سے ایک شخص گزرا جس نے سر ڈھانپا ہوا تھا، چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن ہدایت پر ہو گا جب یہ فتنہ ہو گا۔ تو راوی کہتے ہیں کہ میں نے چھلانگ لگائی اور میں نے اس شخص کو پکڑا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ ان کو دونوں بازوؤں سے پکڑا۔ پھر میں نے رسول اللہؐ کی طرف رخ کیا اور عرض کیا۔ کیا یہ؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں یہی۔ [677]

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس بعض صحابہ ہوں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا ہم آپ کی خدمت میں ابو بکرؓ کو نہ بلا لیں؟ آپؐ خاموش رہے۔ پھر ہم نے کہا کیا ہم آپؐ کی خدمت میں عمرؓ کو نہ بلا لیں؟ آپؐ خاموش رہے۔ پھر ہم نے کہا کیا ہم آپ کی خدمت میں عثمانؓ کو نہ بلا لیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ وہ آئے اور آپ ﷺ ان سے تنہائی میں ملے اور نبی ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے اور عثمانؓ کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔

قیس کہتے ہیں مجھ سے ابوسَہْلَہ جو حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے یوم الدار کے موقع پر بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک تاکیدی ارشاد فرمایا تھا اور میں اس کی طرف جا رہا ہوں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ اَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ۔ میں اس پر مضبوطی سے قائم ہوں۔ یوم الدار اس دن کو کہا جاتا ہے جس دن حضرت عثمانؓ کو منافقوں

نے آپؓ کے گھر میں محصور کر دیا تھا اور پھر انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا۔[678]

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اختلافات کا آغاز اور اس کی وجوہات کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ "یہ دونوں بزرگ اسلام کے اوّلین فدائیوں میں سے ہیں اور ان کے ساتھی بھی اسلام کے بہترین ثمرات میں سے ہیں۔ ان کی دیانت اور ان کے تقویٰ پر الزام کا آنا در حقیقت اسلام کی طرف عار کا منسوب ہونا ہے۔ اور جو مسلمان بھی سچے دل سے اس حقیقت پر غور کرے گا اُس کو اِس نتیجہ پر پہنچنا پڑے گا کہ ان لوگوں کا وجود در حقیقت تمام قسم کی دھڑا بندیوں سے ارفع اور بالا ہے اور یہ بات بے دلیل نہیں بلکہ تاریخ کے اوراق اس شخص کے لئے جو آنکھ کھول کر ان پر نظر ڈالتا ہے اس امر پر شاہد ہیں۔ جہاں تک میری تحقیق ہے ان بزرگوں اور ان کے دوستوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ اسلام کے دشمنوں کی کارروائی ہے اور گو صحابہؓ کے بعد بعض مسلمان کہلانے والوں نے بھی اپنی نفسانیت کے ماتحت ان بزرگوں میں سے ایک یا دوسرے پر اتہام لگائے ہیں لیکن باوجود اس کے صداقت ہمیشہ بلند و بالا رہی ہے اور حقیقت کبھی پردہ ٔخفا کے نیچے نہیں چھپی۔"[679]

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ اٹھا تھا اس کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "سوال یہ ہے کہ یہ فتنہ کہاں سے پیدا ہوا؟ اس کا باعث بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قرار دیا ہے اور بعض نے حضرت علیؓ کو۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے بعض بدعتیں شروع کر دی تھیں جن سے مسلمانوں میں جوش پیدا ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے خلافت کے لئے خفیہ کوشش شروع کر دی تھی اور حضرت عثمانؓ کے خلاف مخالفت پیدا کر کے انہیں قتل کرا دیا تاکہ خود خلیفہ بن جائیں۔" حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نہ حضرت عثمانؓ نے کوئی بدعت جاری کی اور نہ حضرت علیؓ نے خود خلیفہ بننے کے لئے انہیں قتل کرایا یا ان کے قتل کے منصوبہ میں شریک ہوئے بلکہ اس فتنہ کی اَور ہی وجوہات تھیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دامن اس قسم کے الزامات سے بالکل پاک ہے۔ وہ نہایت مقدس انسان تھے۔ حضرت عثمانؓ تو وہ انسان تھے جن کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے اسلام کی اتنی خدمات کی ہیں کہ وہ اب جو چاہیں کریں خدا ان کو نہیں پوچھے گا۔" یہ ترمذی کی روایت ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں "اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ خواہ وہ اسلام سے ہی برگشتہ ہو جائیں تو بھی مؤاخذہ نہیں ہو گا بلکہ یہ تھا" مطلب اس کا "کہ ان میں اتنی خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں اور وہ نیکی میں اس قدر ترقی کر گئے تھے کہ یہ ممکن ہی نہ رہا تھا کہ ان کا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہو۔

پس حضرت عثمانؓ ایسے انسان نہ تھے کہ وہ کوئی خلاف شریعت بات جاری کرتے اور نہ حضرت علیؓ ایسے انسان تھے کہ خلافت کے لئے خفیہ منصوبے کرتے۔"[680]

پھر حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”حضرت عثمانؓ کی شروع خلافت میں چھ سال تک ہمیں کوئی فساد نظر نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عام طور پر آپؓ سے خوش تھے۔ بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ لوگوں کو محبوب تھے“ یعنی حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ لوگوں کو محبوب تھے ”صرف محبوب ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کے دلوں میں آپؓ کا رعب بھی تھا جیسا کہ اس وقت کا شاعر اس امر کی شعروں میں شہادت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے فاسقو! عثمانؓ کی حکومت میں لوگوں کا مال لوٹ کر نہ کھاؤ کیونکہ ابنِ عَفَّانْ وہ ہے جس کا تجربہ تم لوگ کر چکے ہو۔ وہ لٹیروں کو قرآن کے احکام کے ماتحت قتل کرتا ہے اور ہمیشہ سے اس قرآن کریم کے احکام کی حفاظت کرنے والا اور لوگوں کے اعضاء و جوارح پر اس کے احکام جاری کرنے والا ہے۔ لیکن چھ سال کے بعد ساتویں سال ہمیں ایک تحریک نظر آتی ہے اور وہ تحریک حضرت عثمانؓ کے خلاف نہیں بلکہ یا تو صحابہؓ کے خلاف ہے یا بعض گورنروں کے خلاف۔ چنانچہ طبری بیان کرتا ہے کہ لوگوں کے حقوق کا حضرت عثمانؓ پورا خیال رکھتے تھے مگر وہ لوگ جن کو اسلام میں سبقت اور قدامت حاصل نہ تھی وہ سابقین اور قدیم مسلمانوں کے برابر نہ تو مجالس میں عزت پاتے اور نہ حکومت میں ان کو ان کے برابر حصہ ملتا اور نہ مال میں ان کے برابر ان کا حق ہوتا تھا۔ اس پر کچھ مدت کے بعد بعض لوگ اس تفضیل پر گرفت کرنے لگے اور اسے ظلم قرار دینے لگے مگر یہ لوگ عامۃ المسلمین سے ڈرتے بھی تھے اور اس خوف سے کہ لوگ ان کی مخالفت کریں گے اپنے خیالات کو ظاہر نہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے یہ طریق اختیار کیا ہوا تھا کہ خفیہ خفیہ صحابہؓ کے خلاف لوگوں میں جوش پھیلاتے تھے اور جب کوئی ناواقف مسلمان یا کوئی بدوی غلام آزاد شدہ مل جاتا تو اس کے سامنے اپنی شکایات کا دفتر کھول بیٹھتے تھے اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے یا خود اپنے لئے حصولِ جاہ کی غرض سے کچھ لوگ ان کے ساتھ مل جاتے۔ ہوتے ہوتے یہ گروہ تعداد میں زیادہ ہونے لگا اور اس کی ایک بڑی تعداد ہو گئی۔“ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”جب کوئی فتنہ پیدا ہونا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی غیر معمولی طور پر جمع ہونے لگتے ہیں۔ اِدھر تو بعض حاسد طبائع میں صحابہؓ کے خلاف جوش پیدا ہونا شروع ہوا اُدھر وہ اسلامی جوش جو ابتداءً ہر ایک مذہب تبدیل کرنے والے کے دل میں ہوتا ہے ان نومسلموں کے دلوں سے کم ہونے لگا جن کو نہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی صحبت ملی تھی اور نہ آپؐ کے صحبت یافتہ لوگوں کے پاس زیادہ بیٹھنے کا موقع ملا تھا بلکہ اسلام کے قبول کرتے ہی انہوں نے خیال کر لیا تھا کہ وہ سب کچھ سیکھ گئے ہیں۔ جوشِ اسلام کے کم ہوتے ہی وہ تصرف جو ان کے دلوں پر اسلام کو تھا کم ہو گیا اور وہ پھر ان معاصی میں خوشی محسوس کرنے لگے جس میں وہ اسلام لانے سے پہلے مبتلا تھے۔ ان کے جرائم پر ان کو سزا ملی تو بجائے اصلاح کے سزا دینے والوں کی تخریب کرنے کے درپے ہوئے اور آخر اتحاد اسلامی میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا کرنے کا موجب ثابت ہوئے۔ ان لوگوں کا مرکز تو کوفہ میں تھا مگر سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود مدینہ منورہ

میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض لوگ اسلام سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے کہ آج کل بعض نہایت تاریک گوشوں میں رہنے والے جاہل لوگ۔

حُمْرَان ابن اَبَانْ ایک شخص تھا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت کے دوران میں ہی نکاح کر لیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو آپؓ اس پر ناراض ہوئے اور اس عورت کو اس سے جدا کر دیا اور اس کے علاوہ اس کو مدینہ سے "اس شخص کو مدینہ سے "جلاوطن کر کے بصرہ بھیج دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بعض لوگ صرف اسلام کو قبول کر کے اپنے آپ کو عالمِ اسلام خیال کرنے لگے تھے اور زیادہ تحقیق کی ضرورت نہ سمجھتے تھے یا یہ کہ مختلف اباحتی خیالات کے ماتحت شریعت پر عمل کرنا ایک فعل عبث خیال کرتے تھے۔"[681]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "حق یہی ہے کہ یہ سب شورش ایک خفیہ منصوبہ کا نتیجہ تھی جس کے اصل بانی یہودی تھے جن کے ساتھ طمع دنیاوی میں مبتلا بعض مسلمان جو دین سے نکل چکے تھے شامل ہو گئے تھے ورنہ امراء بلاد کا نہ کوئی قصور تھا نہ وہ اس فتنہ کے باعث تھے۔" بعض یہودی اس کے بانی تھے اور ان کے ساتھ بعض مسلمان بھی مل گئے تھے۔

بہرحال جو مختلف امراء حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقرر کئے گئے تھے ان کا کوئی قصور نہیں تھا نہ ہی وہ اس فتنہ کا باعث بنے تھے۔ "ان کا صرف اسی قدر قصور تھا کہ ان کو حضرت عثمانؓ نے اس کام کے لئے مقرر کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کا یہ قصور تھا کہ باوجود پیرانہ سالی اور نقاہتِ بدنی کے اتحاد اسلام کی رسی کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے بیٹھے تھے اور امّتِ اسلامیہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے تھے اور شریعتِ اسلام کے قیام کی فکر رکھتے تھے اور متمرد ین اور ظالموں کو اپنی حسب خواہش کمزوروں اور بے وارثوں پر ظلم و تعدی کرنے نہ دیتے تھے۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ کوفہ میں انہی فساد چاہنے والوں کی ایک مجلس بیٹھی اور اس میں افساد امر المسلمین پر گفتگو ہوئی تو سب لوگوں نے بالاتفاق یہی رائے دی۔ لَاوَاللّٰہِ لَا یَرْفَعُ رَأْسٌ مَا دَامَ عُثْمَانُ عَلَی النَّاسِ یعنی کوئی شخص اس وقت تک سر نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ عثمانؓ کی حکومت ہے۔ عثمانؓ ہی کا ایک وجود تھا جو سرکشی سے باز رکھے ہوئے تھا۔ اس کا درمیان سے ہٹانا آزادی سے اپنی مرادیں پوری کرنے کے لئے ضروری تھا۔"[682]

اس فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ آپؓ نے ان مفسدوں کو بھی بلوایا اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ کو بھی جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ نے ان لوگوں کا سب حال سنایا اور وہ دونوں مخبر بھی بطور گواہ کھڑے ہوئے اور گواہی دی جنہوں نے خبریں حضرت عثمانؓ کو پہنچائی تھیں کہ مفسدین کیا فساد پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر سب صحابہ نے فتویٰ دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ یہ جو مفسدین ہیں جو اصلاح کے نام پر فساد پھیلا رہے ہیں ان کو قتل کر دیجیے کیونکہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں کہ ایک امام موجود ہو اپنی

اطاعت یا کسی اَور کی اطاعت کے لیے لوگوں کو بلاوے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ تم ایسے شخص کو قتل کر دو خواہ کوئی ہو۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ قول یاد دلایا کہ میں تمہارے لیے کسی ایسے شخص کا قتل جائز نہیں سمجھتا جس میں مَیں شریک نہ ہوں۔ یعنی سوائے حکومت کے اشارے کے کسی شخص کا قتل جائز نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کا یہ فتویٰ سن کر فرمایا کہ نہیں۔ ہم ان کو معاف کریں گے اور ان کے عذروں کو قبول کریں گے اور اپنی ساری کوشش سے ان کو سمجھاویں گے اور کسی شخص کی مخالفت نہیں کریں گے جب تک کہ وہ کسی حد شرعی کو نہ توڑے یا اظہار کفر نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے کچھ باتیں بیان کی ہیں جو تم کو بھی معلوم ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ وہ ان باتوں کے متعلق مجھ سے بحث کریں گے تا کہ واپس جا کر کہہ سکیں کہ ہم نے ان امور کے متعلق عثمان سے بحث کی اور وہ ہار گئے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے سفر میں یعنی حضرت عثمانؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے سفر میں پوری نماز ادا کی۔ ایک سفر کے دوران میں مکہ میں پوری نماز ادا کی حالانکہ رسول کریم ﷺ سفر میں نماز قصر کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں مگر میں نے صرف منیٰ میں پوری نماز پڑھی ہے اور وہ بھی دو وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ میری وہاں جائیداد تھی اور میں نے وہاں شادی کی ہوئی تھی۔ دوسرے یہ کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ ان دنوں حج کے لیے آئے ہیں۔ ان میں سے ناواقف لوگ کہنے لگیں گے کہ خلیفہ تو دو رکعت پڑھتا ہے اور اس لیے نماز دو رکعت ہی ہو گی۔ کیا یہ بات درست نہیں؟ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے پوچھا کیا یہ بات درست نہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں درست ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: دوسرا الزام یہ لگاتے ہیں کہ میں نے رَکھ مقرر کرنے کی بدعت جاری کی ہے حالانکہ یہ الزام غلط ہے۔ رَکھ مجھ سے پہلے مقرر کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی ابتدا کی تھی اور میں نے صرف صدقہ کے اونٹوں کی زیادتی پر اس کو وسیع کیا تھا۔ جو سرکاری چراگاہ تھی جہاں جانور رکھے جاتے تھے اس کو وسیع کیا تھا اور پھر رَکھ میں جو زمین لگائی گئی ہے وہ کسی کا مال نہیں ہے۔ یہ سرکاری زمین تھی اور میرا اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ میرے تو صرف دو اونٹ ہیں حالانکہ جب میں خلیفہ منتخب ہوا تھا اس وقت میں سب عرب سے زیادہ مالدار تھا۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا اس وقت میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں اور میں سب سے زیادہ مالدار تھا جب خلیفہ منتخب ہوا ہوں۔ اب صرف دو اونٹ ہیں جو حج کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں درست ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ کہتے ہیں کہ نوجوانوں کو حاکم بناتا ہے حالانکہ میں ایسے ہی لوگوں کو حاکم بناتا ہوں جو نیک صفات، نیک اطوار ہوتے ہیں اور مجھ سے پہلے بزرگوں نے میرے مقرر کردہ والیوں سے زیادہ نوعمر لوگوں کو حاکم مقرر کیا تھا اور رسول کریم ﷺ پر اسامہ بن زید کے سردارِ لشکر مقرر کرنے پر اس سے زیادہ اعتراض کیے گئے تھے جو اَب مجھ پر کیے جاتے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں درست ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کے سامنے عیب تو بیان کرتے ہیں مگر

اصل واقعات نہیں بیان کرتے۔ غرض اسی طرح حضرت عثمانؓ نے تمام اعتراضات ایک ایک کر کے بیان کیے اور ان کے جواب بیان کیے۔ صحابہؓ برابر زور دیتے کہ ان مفسدین کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عثمانؓ نے ان کی یہ بات نہ مانی اور ان کو چھوڑ دیا۔ طبری کہتا ہے کہ اَبَی الْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا قَتْلَهُمْ وَ اَبَی اِلَّا تَرْكَهُمْ یعنی باقی سب مسلمان تو ان لوگوں کے قتل کے سوا کسی بات پر راضی نہ ہوتے تھے مگر حضرت عثمانؓ سزا دینے پر کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسد لوگ کس کس قسم کے فریب اور دھوکے سے کام کرتے تھے اور اس زمانے میں جبکہ پریس اور سامانِ سفر کا وہ انتظام نہ تھا جو آج کل ہے۔ کیسا آسان تھا کہ یہ لوگ ناواقف لوگوں کو گمراہ کر دیں۔ اصل میں ان لوگوں کے پاس کوئی معقول وجہ فساد کی نہیں تھی۔ نہ حق ان کے ساتھ تھا نہ یہ حق کے ساتھ تھے۔ ان کی تمام کارروائیوں کا دارومدار جھوٹ اور باطل پر تھا اور صرف حضرت عثمانؓ کا رحم ان کو بچائے ہوئے تھا ورنہ مسلمان ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ وہ یعنی صحابہؓ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور جو پرانے مسلمان تھے یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ امن و امان جو انہوں نے اپنی جانیں قربان کر کے حاصل کیا تھا چند شریروں کی شرارتوں سے اس طرح جاتا رہے اور وہ دیکھتے تھے کہ ایسے لوگوں کو جلد سزا نہ دی گئی تو اسلامی حکومت تہ و بالا ہو جائے گی مگر حضرت عثمانؓ رحم مجسم تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو ان لوگوں کو ہدایت مل جائے اور یہ کفر پر نہ مریں۔ پس آپؓ ڈھیل دیتے تھے اور ان کے صریح بغاوت کے اعمال کو محض ارادہ بغاوت سے تعبیر کر کے سزا کو پیچھے ڈالتے چلے جاتے تھے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ ان لوگوں سے بالکل متنفر تھے کیونکہ اول تو خود وہ بیان کرتے ہیں کہ صرف تین اہل مدینہ ہمارے ساتھ ہیں یعنی مفسدین نے صرف تین اہل مدینہ کا نام لیا جو اُن کے ساتھ تھے اس سے زیادہ نہیں۔ اگر اَور صحابہ بھی ان کے ساتھ ہوتے تو وہ ان کا نام بھی لیتے۔ دوسرے صحابہؓ نے اپنے عمل سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ان لوگوں کے افعال سے متنفر تھے اور ان کے اعمال کو ایسا خلاف شریعت سمجھتے تھے کہ سزا قتل سے کم ان کے نزدیک جائز ہی نہ تھی۔ اگر صحابہ ان کے ساتھ ہوتے یا اہل مدینہ ان کے ہم خیال ہوتے تو کسی مزید حیلہ و بہانہ کی ان لوگوں کو کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی وقت وہ لوگ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیتے اگر مدینہ والے بہت سارے ان کے ساتھ ہوتے اور ان کی جگہ کسی اَور شخص کو خلافت کے لیے منتخب کر لیتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل میں کامیاب ہوتے خود ان کی جانیں صحابہ کی شمشیر ہائے برہنہ سے خطرے میں پڑ گئی تھیں اور صرف اسی رحیم و کریم وجود کی عنایت و مہربانی سے یہ لوگ بچ کر واپس جا سکے جس کے قتل کا ارادہ ظاہر کرتے تھے اور جس کے خلاف اس قدر فساد برپا کر رہے تھے۔ ان مفسدوں کی کینہ وری اور تقویٰ سے بُعد پر تعجب آتا ہے۔ اس واقعہ سے انہوں نے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کے ایک

ایک اعتراض کا خوب جواب دیا گیا اور سب الزام غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیے گئے۔

حضرت عثمانؓ کا رحم و کرم انہوں نے دیکھا اور ہر ایک شخص کی جان اس پر گواہی دے رہی تھی کہ اس شخص کا مثیل اتنا رحم کرنے والا اس وقت دنیا کے پردے پر نہیں مل سکتا مگر بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے، جفاؤں پر پشیمان ہوتے، اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے، اپنی شرارتوں سے رجوع کرتے۔ یہ لوگ غیظ و غضب کی آگ میں اَور بھی زیادہ جلنے لگے اور اپنے لاجواب ہونے کو اپنی ذلت اور حضرت عثمانؓ کے عفو اور اپنے حسنِ تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہوئے آئندہ کے لئے اپنی بقیہ تجویز کے پورے کرنے کی تدابیر سوچتے ہوئے یہ لوگ واپس چلے گئے۔[683]

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ اٹھا تھا اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ نے جو بیان فرمایا ہے اس کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس بارے میں مزید فرماتے ہیں اور زیادہ تر حوالے آپؓ نے طبری سے لے کر پھر ان کا تجزیہ کیا ہے یا اس کے مطابق آگے اپنا جو نقطۂ نظر ہے اور جو تجزیہ ہے وہ پیش کیا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین لوگ یعنی محمد بن ابو بکر، محمد بن حذیفہ اور عمار بن یاسر جو تھے یہ باغیوں کے ساتھ مل گئے تھے، ان کی باتوں میں آ گئے تھے۔ فرمایا کہ اس کے سوا باقی شخص اہلِ مدینہ میں سے صحابی ہو یا غیر صحابی ان مفسدوں کا ہمدرد نہ تھا اور ہر ایک شخص ان پر لعنت ملامت کرتا تھا مگر ان کے ہاتھ میں اس وقت انتظام نہ تھا۔ یہ کسی کی ملامت کی پروا نہ کرتے تھے۔ بیس دن تک یہ لوگ یعنی مخالفین جو تھے یہ صرف زبانی طور پر کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں مگر حضرت عثمانؓ نے اس امر سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جو قمیص مجھے خدا تعالیٰ نے پہنائی ہے میں اسے اتار نہیں سکتا اور نہ امّتِ محمدیہ ﷺ کو بے پناہ چھوڑ سکتا ہوں کہ جس کا جو جی چاہے دوسرے پر ظلم کرے۔ ان لوگوں کو، باغیوں کو بھی یہ سمجھاتے رہے کہ اس فساد سے باز آ جائیں اور فرماتے رہے کہ آج یہ لوگ فساد کرتے ہیں اور میری زندگی سے بیزار ہیں۔ آپؓ نے فرمایا یہ لوگ جو آج فساد کر رہے ہیں اور میری زندگی سے بیزار ہیں مگر جب میں نہ رہوں گا تو خواہش کریں گے کہ کاش عثمان کی عمر کا ایک ایک دن ایک ایک سال سے بدل جاتا اور وہ ہم سے جلد رخصت نہ ہوتا کیونکہ میرے بعد سخت خونریزی ہو گی اور حقوق کا اتلاف ہو گا اور انتظام کچھ کا کچھ بدل جائے گا۔ چنانچہ بنو امیہ کے زمانے میں خلافت حکومت سے بدل گئی اور ان مفسدوں کو ایسی سزائیں ملیں کہ سب شرارتیں ان کو بھول گئیں۔

بہرحال بیس دن گزرنے کے بعد یہ مخالفین جو تھے، باغی جو تھے ان لوگوں کو خیال ہوا کہ جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہیے تا ایسا نہ ہو کہ صوبہ جات سے فوجیں آ جائیں اور ہمیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے۔ پتہ تھا کہ ہم غلط ہیں اور اکثریت جو مسلمانوں کی ہے وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ کا گھر سے نکلنا بند کر دیا اور کھانے پینے کی چیزوں کا اندر جانا بھی روک دیا اور سمجھے کہ شاید اس طرح مجبور ہو کر حضرت عثمانؓ ہمارے مطالبات کو قبول کر لیں گے لیکن آپؓ نے تو

فرمایا تھا کہ جو قمیص مجھے اللہ تعالیٰ نے پہنائی ہے وہ میں کس طرح اتار سکتا ہوں۔

بہرحال مدینہ کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے مل کر مصر کی فوجوں کے سردار غَافِقِی کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح مدینہ کا حاکم گویا اس وقت غَافِقِی تھا اور کوفہ کی فوج کا سردار اَشْتَر تھا اور بصرہ کی فوج کا سردار حکیم بن جَبَلَہ تھا، وہی ڈاکو جسے اہل ذمہ کے مال لوٹنے پر حضرت عثمانؓ نے بصرہ میں نظر بند کر دینے کا حکم دیا تھا۔ وہ ڈاکو سردار بن گیا تھا۔

دونوں غَافِقِی کے ماتحت کام کرتے تھے۔ حکیم بن جَبَلَہ بھی اور اشتر بھی غافقی کے ماتحت کام کرنے لگے اور آپؓ فرماتے ہیں کہ اس سے ایک دفعہ پھر یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس فتنے کی جڑ مصری تھے جہاں عبداللہ بن سبا کام کر رہا تھا۔

مسجد نبویؐ میں غافِقِی نماز پڑھاتا تھا اور رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ اپنے گھروں میں مقیّد رہتے یا اس کے پیچھے نماز ادا کرنے پر مجبور تھے۔ جب تک ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا تب تک تو لوگوں سے زیادہ تعارض نہیں کرتے تھے مگر محاصرہ کرنے کے ساتھ ہی ان باغیوں نے دوسرے لوگوں پر بھی سختیاں شروع کر دیں۔ اب مدینہ دارالامن کی بجائے دارالحرب ہو گیا تھا۔ اہل مدینہ کی عزت اور ننگ و ناموس خطرے میں تھی اور کوئی شخص اسلحہ کے بغیر گھر سے نہیں نکلتا تھا اور جو شخص ان کا مقابلہ کرتا اسے یہ لوگ قتل کر دیتے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا اور پانی تک اندر جانے سے روک دیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک ہمسائے کے لڑکے کو حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور امہات المومنین کی طرف بھیجا کہ ان لوگوں نے ہمارا پانی بھی بند کر دیا ہے۔ آپ لوگوں سے اگر کچھ ہو سکے تو کوشش کریں اور ہمیں پانی پہنچائیں۔

مَردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ آئے اور آپؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ تم لوگوں نے کیا رویہ اختیار کیا ہے۔ تمہارا عمل تو نہ مومنوں سے ملتا ہے نہ کافروں سے۔ حضرت عثمانؓ کے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں مت روکو۔ حضرت علیؓ نے ان کو فرمایا کہ روم اور فارس کے لوگ بھی قید کرتے ہیں تو کھانا کھلاتے ہیں اور پانی پلاتے ہیں اور اسلامی طریق کے موافق تو تمہارا یہ فعل کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ حضرت عثمانؓ نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم ان کو قید کر دینے اور قتل کر دینے کو جائز سمجھنے لگے ہو۔

حضرت علیؓ کی اس نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم اس شخص تک دانہ پانی نہ پہنچنے دیں گے۔ یہ وہ جواب تھا جو انہوں نے اس شخص کو دیا جسے وہ رسول کریم ﷺ کا وصی اور آپؐ کا حقیقی جانشین قرار دیتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں ہی کہتے تھے ناں کہ یہ حقیقی جانشین ہے، اور اُن کو یہ جواب مل رہا ہے۔ اور کیا اس جواب کے بعد کسی اَور شہادت کی بھی اس امر کے ثابت کرنے کے لیے ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ حضرت علیؓ کو وصی قرار دینے والا گروہ حق کی حمایت اور اہل بیت کی محبت کی خاطر اپنے گھروں سے نہیں نکلا تھا بلکہ یہ لوگ اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرنے کے لیے آئے تھے۔

امہات المومنین میں سے سب سے پہلے حضرت اُمّ حبیبہؓ آپ کی مدد کے لیے آئیں۔ ایک خچر پر آپؓ سوار تھیں۔ آپؓ اپنے ساتھ ایک مشکیزہ پانی کا بھی لائیں لیکن اصل غرض آپؓ کی یہ تھی کہ بنوامیہ کے یتامیٰ اور بیواؤں کی وصیتیں حضرت عثمانؓ کے پاس تھیں اور آپؓ نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کا پانی باغیوں نے بند کر دیا ہے تو آپؓ کو خوف ہوا کہ وہ وصایا بھی کہیں تلف نہ ہو جائیں اور آپؓ نے چاہا کہ کسی طرح وہ وصایا محفوظ کر لی جائیں ورنہ پانی آپؓ کسی اَور ذریعہ سے بھی پہنچا سکتی تھیں۔ جب آپؓ حضرت عثمانؓ کے دروازے تک پہنچیں تو باغیوں نے آپؓ کو روکنا چاہا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ اُمّ المومنین اُمّ حبیبہؓ ہیں مگر اس پر بھی وہ لوگ باز نہ آئے اور آپؓ کی خچر کو مارنا شروع کیا۔ اُمّ المومنین اُمّ حبیبہؓ نے ان لوگوں کو، باغیوں کو فرمایا کہ میں ڈرتی ہوں کہ بنوامیہ کے یتامیٰ اور بیوگان کی وصایا ضائع نہ ہو جائیں اس لیے اندر جانا چاہتی ہوں تا کہ ان کی حفاظت کا سامان کر دوں۔ مگر ان بدبختوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو جواب دیا کہ تم جھوٹ بولتی ہو اور آپؓ کی خچر پر حملہ کر کے اس کے پالان کے رسّے کاٹ دیے اور زین الٹ گئی اور قریب تھا کہ حضرت ام حبیبہؓ گر کر ان مفسدوں کے پیروں کے نیچے روندی جا کر شہید ہو جاتیں کہ بعض اہل مدینہ نے جو قریب تھے جھپٹ کر آپؓ کو سنبھالا اور گھر پہنچایا۔

یہ وہ سلوک تھا جو ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سے کیا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا اخلاص اور عشق رکھتی تھیں کہ جب پندرہ سولہ سال کی جدائی کے بعد، والدین سے جو ان کی جدائی تھی اس کے بعد جب آپؓ کا باپ جو عرب کا سردار تھا اور مکہ میں ایک بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا ایک خاص سیاسی مشن پر مدینہ آیا اور آپؓ (اُمّ حبیبہؓ) کو ملنے کے لیے بھی گیا تو آپ نے اس کے نیچے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کھینچ لیا۔ جب وہ بیٹھنے لگا تو نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا۔ جب آپؓ کا باپ بیٹھنے لگا تو آپؓ نے بستر کھینچ لیا اس لیے کہ خدا کے رسول کے پاک کپڑے سے ایک مشرک کے نجس جسم کو چھوتے ہوئے دیکھنا آپؓ کی طاقت برداشت سے باہر تھا، باپ کو بھی نہیں بیٹھنے دیا۔ تعجب ہے کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں آپؐ کے کپڑے تک کی حرمت کا خیال رکھا مگر ان مفسدوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت میں آپؐ کی حرمِ محترم کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ نادانوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی جھوٹی ہیں حالانکہ جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ درست تھا۔

حضرت عثمانؓ بنوامیہ کے یتامیٰ کے ولی تھے اور ان لوگوں کی بڑھتی ہوئی عداوت کو دیکھ کر آپؓ کا خوف درست تھا۔ ام حبیبہؓ کا خوف درست تھا کہ یتامیٰ اور بیواؤں کے اموال ضائع نہ ہو جائیں۔ جھوٹے وہ تھے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کے دین کی تباہی کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا، نہ ام المومنین اُمّ حبیبہؓ۔ آپؓ جھوٹی نہیں تھیں۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا تھا جب اس کی خبر مدینہ میں پھیلی تو صحابہ اور اہلِ مدینہ حیران رہ گئے اور سمجھ لیا کہ اب ان لوگوں سے کسی

قسم کی خیر کی امید رکھنی فضول ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اسی وقت حج کا ارادہ کر لیا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپؓ مدینہ سے جانے والی ہیں تو بعض نے آپؓ سے درخواست کی کہ اگر آپؓ یہیں ٹھہریں تو شاید فتنہ کے روکنے میں کوئی مدد ملے اور باغیوں پر کچھ اثر ہو مگر انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک ہو جو اُمّ حبیبہؓ سے ہوا ہے۔ خدا کی قسم! مَیں اپنی عزت کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی کیونکہ وہ رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی عزت تھی۔ اگر کسی قسم کا معاملہ مجھ سے کیا گیا تو میری حفاظت کا کیا سامان ہو گا؟ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنی شرارتوں میں کہاں تک ترقی کریں گے اور ان کا کیا انجام ہو گا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چلتے چلتے ایک ایسی تدبیر کی، جب حج پر جانے لگیں تو ایک ایسی تدبیر کی جو اگر کارگر ہو جاتی تو شاید فساد میں کچھ کمی ہو جاتی اور وہ تدبیر یہ تھی کہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کو کہلا بھیجا جو اپنی لاعلمی کی وجہ سے یا چھوٹے ہونے کی وجہ سے، کمزور ایمان کی وجہ سے ان باغیوں کے ساتھ تھے کہ تم بھی میرے ساتھ حج کو چلو مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا کروں بے بس ہوں۔ اگر میری طاقت ہوتی تو ان لوگوں کو اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہ ہونے دیتی۔ حضرت عائشہؓ تو حج پر تشریف لے گئیں اور بعض صحابہ بھی جن سے ممکن ہو سکا اور مدینہ سے نکل سکے مدینہ سے تشریف لے گئے اور باقی لوگ سوائے چند اکابر صحابہ کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور آخر حضرت عثمانؓ کو بھی یہ محسوس ہو گیا کہ یہ لوگ نرمی سے مان نہیں سکتے اور آپؓ نے ایک خط تمام والیانِ صوبہ جات کے نام روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد بلا کسی خواہش یا درخواست کے مجھے ان لوگوں میں شامل کیا گیا تھا جنہیں خلافت کے متعلق مشورہ کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے جو خط لکھا اس میں یہ فرمایا۔ پھر فرمایا پھر بلا میری خواہش یا سوال کے مجھے خلافت کے لیے چنا گیا اور میں برابر وہ کام کرتا رہا جو مجھ سے پہلے خلفاء کرتے رہے اور میں نے اپنے پاس سے کوئی بدعت نہیں نکالی لیکن چند لوگوں کے دلوں میں بدی کا بیج بویا گیا اور شرارت جاگزیں ہوئی اور انہوں نے میرے خلاف منصوبے کرنے شروع کر دیے اور لوگوں کے سامنے کچھ ظاہر کیا اور دل میں کچھ اَور رکھا اور مجھ پر وہ الزام لگانے شروع کیے جو مجھ سے پہلے خلفاء پر بھی لگتے تھے لیکن میں معلوم ہوتے ہوئے خاموش رہا اور یہ لوگ میرے رحم سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شرارت میں اَور بھی بڑھ گئے اور آخر کفار کی طرح مدینہ پر حملہ کر دیا۔ پس آپ لوگ اگر کچھ کر سکیں تو مدد کا انتظام کریں۔ اسی طرح ایک خط، جس کا خلاصہ مطلب اس طرح ہے، جو حج پر آنے والوں کے نام لکھ کر کچھ دن کے بعد مکّہ میں روانہ کیا۔ آپؓ نے حاجیوں کے لیے لکھا کہ میں آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور اس کے انعامات یاد دلاتا ہوں۔ اس وقت کچھ لوگ فتنہ پردازی کر رہے ہیں اور اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش میں مشغول ہیں مگر ان لوگوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور:56) یعنی اللہ

تعالیٰ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا اور اتفاق کی قدر نہیں کرتے۔ فرمایا کہ اور اتفاق کی قدر نہیں کرتے حالانکہ خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (آل عمران:104) کہ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ پھر آپ نے فرمایا اور مجھ پر الزام لگانے والوں کی باتوں کو قبول کیا اور قرآن کریم کے اس حکم کی پرواہ نہ کی کہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (الحجرات:7) یعنی اے مومنو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق اہم خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر فرمایا کہ اور میری بیعت کا ادب نہیں کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی نسبت فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (الفتح:11) یعنی وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ صرف اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ فرمایا اور میں رسول کریم ﷺ کا نائب ہوں یعنی یہی حکم جو ہے یہی بات جو ہے مجھ پر بھی لاگو ہوتی ہے کہ میں رسول کریم ﷺ کا نائب ہوں۔ کوئی امّت بغیر سردار کے ترقی نہیں کر سکتی اور اگر کوئی امام نہ ہو تو جماعت کا تمام کام خراب و برباد ہو جائے گا۔ پھر آپؓ نے آگے تحریر فرمایا کہ یہ لوگ امّت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں اور اس کے سوا ان کی کوئی غرض نہیں کیونکہ میں نے ان کی بات کو قبول کر لیا تھا اور والیوں کے بدلنے کا وعدہ کر لیا تھا مگر انہوں نے اس پر بھی شرارت نہ چھوڑی۔ اب یہ تین باتوں میں سے ایک کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ تین مطالبے انہوں نے، باغیوں نے سامنے رکھے تھے۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں کو میرے عہد میں سزا ملی ہے ان سب کا قصاص مجھ سے لیا جائے۔ اگر یہ مجھے منظور نہ ہو تو پھر خلافت کو چھوڑ دوں۔ اگر میں لوگوں کا قصاص نہیں دیتا جن کو سزا دی ہے تو پھر میں خلافت کو چھوڑ دوں اور یہ لوگ میری جگہ کسی اَور کو مقرر کر دیں۔ یہ بھی نہ مانوں تو پھر یہ لوگ دھمکی دیتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے تمام ہم خیال لوگوں کو پیغام بھیجیں گے کہ میری اطاعت سے باہر ہو جائیں۔ اگر یہ نہ مانوں تو پھر یہ دھمکی دیتے ہیں کہ میری اطاعت سے باہر نکل جاؤ۔

پہلی بات کا تو یہ جواب ہے کہ مجھ سے پہلے خلفاء بھی کبھی فیصلوں میں غلطی کرتے تھے مگر ان کو کبھی سزا نہ دی گئی۔ جو غلط فیصلے بھی ہوئے ان کے قصاص پہلے خلفاء نے نہیں دیے۔ نہ ان کو کسی قسم کی کوئی سزا ملی اور اسی طرح میں نے کیا ہے اور اس قدر سزائیں مجھ پر جاری کرنے کا مطلب سوائے مجھے مارنے کے اَور کیا ہو سکتا ہے! یہ باتیں تم جو کر رہے ہو کہ قصاص دو یا سزا لو تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ پھر فرمایا خلافت سے معزول ہونے کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ موچنوں سے نوچ نوچ کے میری بوٹیاں کر دیں تو یہ مجھے منظور ہے مگر خلافت سے میں جدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قمیص پہنائی ہے کبھی نہیں ہو سکتا کہ چھوڑ دوں۔ باقی رہی تیسری بات کہ پھر یہ لوگ اپنے آدمی چاروں طرف بھیجیں گے کہ کوئی میری بات نہ مانے۔ سو میں خدا کی طرف سے ذمہ دار نہیں ہوں۔ اگر یہ لوگ ایک امر خلافِ شریعت کرنا چاہتے ہیں تو کریں۔ پہلے بھی جب انہوں نے میری بیعت

کی تھی تو ان پر میں نے جبر نہیں کیا تھا۔ ان کو مجبور نہیں کیا تھا کہ ضرور میری بیعت کرو۔ جو شخص عہد توڑنا چاہتا ہے میں اس کے اس فعل پر راضی نہیں نہ خدا تعالیٰ راضی ہے۔ اب عہد کو توڑنا چاہتے ہو تو توڑو۔ میں نے نہ پہلے جبر کیا تھا نہ اب جبر کروں گا۔ ہاں میں راضی بہر حال نہیں۔ یہ بہر حال غلط کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی اس پر راضی نہیں ہے۔ ہاں وہ اپنی طرف سے جو چاہے کرے۔ کیونکہ حج کے دن قریب آ رہے تھے اور چاروں طرف سے لوگ مکہ مکرمہ میں جمع ہو رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اس خیال سے کہ کہیں وہاں بھی یہ باغی کوئی فساد کھڑا نہ کریں اور اس خیال سے بھی کہ حج کے لیے جمع ہونے والے مسلمانوں میں اہل مدینہ کی مدد کی تحریک کریں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حج کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی عرض کی کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپؓ مجھے حج کے لیے امیر بنا کے بھیج رہے ہیں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے جہاد کروں مگر حضرت عثمانؓ نے ان کو مجبور کیا کہ وہ حج کے لیے جاویں اور حج کے ایام میں امیر حج کا کام کریں تا کہ مفسد وہاں اپنی شرارت نہ پھیلا سکیں اور وہاں جمع ہونے والے لوگوں میں بھی مدینہ کے لوگوں کی مدد کی تحریک کی جاوے اور مذکورہ بالا خط آپ ہی کے ہاتھ روانہ کیا۔

جب ان خطوں کا ان مفسدوں کو علم ہوا تو انہوں نے اَور بھی سختی کرنا شروع کر دی اور اس بات کا موقع تلاش کرنے لگے کہ کسی طرح لڑائی کا کوئی بہانہ مل جائے تو حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں مگر ان کی تمام کوششیں فضول جاتی تھیں اور حضرت عثمانؓ ان کو کوئی موقع شرارت کا ملنے نہ دیتے تھے۔ آخر تنگ آ کر یہ تدبیر سوجھی کہ جب رات پڑتی اور لوگ سو جاتے تو یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر میں پتھر پھینکتے اور اس طرح اہلِ خانہ کو اشتعال دلاتے تا کہ جوش میں آ کر وہ بھی پتھر پھینکیں تو لوگوں کو کہہ سکیں کہ دیکھو انہوں نے ہم پہ حملہ کیا ہے اس لیے ہم بھی جواب دینے پر مجبور ہیں مگر حضرت عثمانؓ نے اپنے تمام اہلِ خانہ کو جواب دینے سے روک دیا۔ کچھ جواب نہیں دینا۔ ایک دن موقع پا کر دیوار کے پاس حضرت عثمانؓ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو! مَیں تو تمہارے نزدیک تمہارا گناہگار ہوں، تم سمجھتے ہو ناں مجھے گناہگار تو گناہگار ہوں مگر دوسرے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے؟ تم سمجھتے ہو کہ میں گناہ گار ہوں تو پھر مجھ سے جو زیادتی کرنی ہے کرو۔ دوسرے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے کہ تم پتھر پھینکتے ہو۔ اس سے دوسروں کو بھی چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم نے پتھر نہیں پھینکے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں پھینکتے تو اَور کون پھینکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ پھینکتا ہو گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو۔ اگر خدا تعالیٰ ہم پر پتھر پھینکتا تو اس کا کوئی پتھر خطا نہ جاتا۔ یہ نہ ہوتا کہ اس کا نشانہ اچک جاتا لیکن تمہارے پھینکے ہوئے پتھر تو اِدھر اُدھر جا پڑتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ ان کے سامنے سے ہٹ گئے۔

گو صحابہ کو اب حضرت عثمانؓ کے پاس جمع ہونے کا موقع نہ دیا جاتا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے فرض سے

غافل نہ تھے۔ مصلحت وقت کے ماتحت انہوں نے دو حصوں میں اپنا کام تقسیم کیا ہوا تھا۔ جو سِن رسیدہ تھے، بوڑھے تھے اور جن کا اخلاقی اثر عوام پر زیادہ تھا وہ تو اپنے اوقات کو لوگوں کو سمجھانے پر صرف کرتے اور جو لوگ ایسا کوئی اثر نہ رکھتے تھے یا نوجوان تھے وہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کی کوشش میں لگے رہتے۔ اوّل الذکر جماعت میں سے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ فاتح فارس فتنہ کے کم کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ تو اس فتنہ کے ایام میں اپنے تمام کام چھوڑ کر اس کام میں لگ گئے تھے۔ چنانچہ ان واقعات کی رؤیت کے گواہوں میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نامی بیان کرتا ہے کہ ان ایام فتنہ میں مَیں نے دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے تمام کام چھوڑ دیے تھے اور حضرت عثمانؓ کے دشمنوں کا غضب ٹھنڈا کرنے اور آپؓ کی تکالیف دور کرنے کی فکر میں ہی رات دن لگے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپؓ تک پانی پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی تو حضرت طلحہؓ پر جن کے سپرد یہ کام تھا حضرت علیؓ سخت ناراض ہوئے اور اس وقت تک آرام نہ کیا جب تک پانی حضرت عثمانؓ کے گھر میں پہنچ نہ گیا۔ دوسرا گروہ ایک ایک دو دو کر کے جس جس وقت موقع ملتا تھا تلاش کر کے حضرت عثمانؓ یا آپؓ کے ہمسائے کے گھروں میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور اس نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا کہ ہم اپنی جانیں دے دیں گے مگر حضرت عثمانؓ کی جان پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ اس گروہ میں حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی اولاد کے سوائے خود صحابہؓ میں سے بھی ایک جماعت شامل تھی۔ یہ لوگ رات اور دن حضرت عثمانؓ کے مکان کی حفاظت کرتے تھے اور آپؓ تک کسی دشمن کو پہنچنے نہ دیتے تھے۔ اور گو یہ قلیل تعداد اس قدر کثیر تعداد کا مقابلہ تو نہ کر سکتی تھی مگر چونکہ باغی چاہتے تھے کہ کوئی بہانہ رکھ کر حضرت عثمانؓ کو قتل کریں وہ بھی اس قدر زور نہ دیتے تھے۔ اس وقت کے حالات سے حضرت عثمانؓ کی اسلامی خیر خواہی پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تین ہزار کے قریب باغیوں کا لشکر آپؓ کے دروازے کے سامنے پڑا ہے اور کوئی تدبیر اس سے بچنے کی نہیں مگر جو لوگ آپؓ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں ان کو بھی آپؓ روکتے ہیں کہ جاؤ اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو۔ ان لوگوں کو صرف مجھ سے عداوت ہے تم سے کوئی تعارض نہیں۔ آپؓ کی آنکھ اس وقت کو دیکھ رہی تھی جبکہ اسلام ان مفسدوں کے ہاتھوں سے ایک بہت بڑے خطرے میں ہو گا اور صرف ظاہری اتحاد ہی نہیں بلکہ روحانی انتظام بھی پراگندہ ہونے کے قریب ہو جاوے گا اور آپؓ جانتے تھے کہ اس وقت اسلام کی حفاظت اور اس کے قیام کے لیے ایک ایک صحابی کی ضرورت ہو گی۔ پس آپؓ نہیں چاہتے تھے کہ آپؓ کی جان بچانے کی بے فائدہ کوشش میں صحابہ کی جانیں جاویں اور سب کو یہی نصیحت کرتے تھے کہ ان لوگوں سے تعارض نہ کرو اور چاہتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے آئندہ فتنوں کو دور کرنے کے لیے وہ جماعت محفوظ رہے جس نے رسول کریم رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی ہے مگر باوجود آپؓ کے سمجھانے کے جن صحابہ کو آپؓ کے گھر تک پہنچنے کا موقع مل جاتا وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرتے اور آئندہ کے خطرات پر موجودہ خطرے کو مقدم رکھتے اور اگر ان کی

جائیں اس عرصہ میں محفوظ تھیں تو صرف اس لیے کہ ان لوگوں کو جلدی کی کوئی ضرورت نہ معلوم ہوتی تھی۔ یعنی ان لوگوں کو جو باغی تھے جلدی کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی اور بہانہ کی تلاش تھی۔ بہانہ یہ تھا کہ اس دن حضرت عثمانؓ پہ حملہ کریں۔ لیکن وہ وقت بھی آخر آ گیا جبکہ زیادہ انتظار کرنا ناممکن ہو گیا کیونکہ حضرت عثمانؓ کا دل کو ہلا دینے والا وہ پیغام جو آپؓ نے حج پر جمع ہونے والے مسلمانوں کو بھیجا تھا حجاج کے مجمع میں سنا دیا گیا اور وادی مکہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کی آواز سے گونج رہی تھی۔ اور حج پر جمع ہونے والے مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حج کے بعد جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہ رہیں گے اور مصری مفسدوں اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع کر کے چھوڑیں گے۔ مفسدوں کے جاسوسوں نے انہیں اس ارادے کی اطلاع دے دی اور اب ان مفسدوں کے کیمپ میں سخت گھبراہٹ کے آثار تھے۔ حتیٰ کہ ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ اب اس شخص کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اگر اسے ہم نے قتل نہ کیا تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہمارے قتل میں اب کوئی شبہ نہیں۔ اس گھبراہٹ کو اس خبر نے اَور بھی دوبالا کر دیا کہ شام اور کوفہ اور بصرہ میں بھی حضرت عثمانؓ کے خطوط پہنچ گئے ہیں اور وہاں کے لوگ جو پہلے سے ہی حضرت عثمانؓ کے احکام کے منتظر تھے ان خطوط کے پہنچنے پر اَور بھی جوش سے بھر گئے ہیں اور صحابہؓ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے مسجدوں اور مجلسوں میں تمام مسلمانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلا کر ان مفسدوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جس نے آج جہاد نہ کیا اس نے گویا کچھ بھی نہ کیا۔ کوفہ میں عُقبہ بن عمرو، عبداللہ بن ابی اَوْفیٰ اور حَنۡظَلَہ بن رَبِیع التَّمِیۡمِی اور دیگر صحابہ کرامؓ نے لوگوں کو اہل مدینہ کی مدد کے لیے ابھارا ہے تو بصرہ میں عمران بن حُصَین، انس بن مالک، ہشام بن عامر اور دیگر صحابہ نے۔ شام میں اگر عُبادَہ بن صامت، ابواُمامہ اور دیگر صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی آواز پر لبیک کہنے پر لوگوں کو اکسایا ہے تو مصر میں خارجہ اور دیگر لوگوں نے اور سب ملکوں سے فوجیں اکٹھی ہو کر مدینہ کی طرف بڑھتی چلی آتی ہیں۔ غرض ان خبروں سے باغیوں کی گھبراہٹ اَور بھی بڑھ گئی۔ آخر حضرت عثمانؓ کے گھر پر حملہ کر کے بزور اندر داخل ہونا چاہا۔ صحابہؓ نے مقابلہ کیا اور آپس میں سخت جنگ ہوئی۔ گو صحابہ کم تھے مگر ان کی ایمانی غیرت ان کی کمی کی تعداد کو پورا کر رہی تھی۔ جس جگہ لڑائی ہوئی یعنی حضرت عثمانؓ کے گھر کے سامنے وہاں جگہ بھی تنگ تھی اس لیے بھی مفسد اپنی کثرت سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حضرت عثمانؓ کو جب اس لڑائی کا علم ہوا تو آپؓ نے صحابہ کو لڑنے سے منع کیا مگر وہ اس وقت حضرت عثمانؓ کو اکیلا چھوڑ دینا ایمانداری کے خلاف اور اطاعت کے حکم کے متضاد خیال کرتے تھے اور باوجود حضرت عثمانؓ کے اللہ کی قسم دینے کے انہوں نے لَوٹنے سے انکار کر دیا۔ آخر حضرت عثمانؓ نے ڈھال ہاتھ میں پکڑی اور باہر تشریف لائے اور صحابہ کو اپنے مکان کے اندر لے گئے اور دروازے بند کرا دیے اور آپؓ نے سب صحابہؓ اور ان کے مددگاروں کو وصیت کی کہ خدا تعالیٰ نے آپ لوگوں کو دنیا اس لیے نہیں دی کہ تم اس کی طرف جھک جاؤ بلکہ اس لیے دی ہے کہ تم اس کے ذریعہ

سے آخرت کے سامان جمع کرو۔ یہ دنیا تو فنا ہو جائے گی اور آخرت ہی باقی رہے گی۔ پس چاہیے کہ فانی چیز تم کو غافل نہ کرے۔ باقی رہنے والی چیز کو فانی ہو جانے والی چیز پر مقدم کرو اور خدا تعالیٰ کی ملاقات کو یاد رکھو اور جماعت کو پراگندہ نہ ہونے دو اور اس نعمتِ الٰہی کو مت بھولو کہ تم ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو نجات دے کر بھائی بھائی بنا دیا۔ اس کے بعد آپؓ نے سب کو رخصت کیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ تم سب اب گھر سے باہر جاؤ اور ان صحابہ کو بھی بلواؤ جن کو مجھ تک آنے نہیں دیا تھا خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کو۔ یہ لوگ باہر آ گئے اور دوسرے صحابہ کو بھی بلوایا گیا۔ اس وقت کچھ ایسی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور ایسی افسردگی چھا رہی تھی کہ باغی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ وقتی طور پر ایسے حالات پیدا ہو گئے۔ جب آپ نے کہا کہ باہر جاؤ، یہ لوگ نکلے تو باغیوں نے حملہ نہیں کیا لیکن بہر حال یہ باہر گئے اور بڑے صحابہ کو اکٹھا کیا اور کیوں نہ ہو تا سب دیکھ رہے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جلائی ہوئی ایک شمع اب اس دنیا کی عمر کو پوری کر کے اس دنیا کے لوگوں کی نظر سے اوجھل ہونے والی ہے۔

غرض باغیوں نے زیادہ تعارض نہ کیا اور سب صحابہؓ جمع ہوئے۔ انہوں نے بھی کچھ نہیں کہا۔ صحابہ کو جمع ہونے دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ گھر کی دیوار پر چڑھے اور فرمایا میرے قریب ہو جاؤ۔ جب سب قریب ہو گئے تو فرمایا کہ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ اس پر صحابہ بھی اور مجلس کی ہیبت سے متاثر ہو کر باغی بھی بیٹھ گئے۔ جب سب بیٹھ گئے تو آپؓ نے فرمایا کہ اہلِ مدینہ! مَیں تم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اس سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد تمہارے لیے خلافت کا کوئی بہتر انتظام فرما دے۔ آج کے بعد اس وقت تک کہ خدا تعالیٰ میرے متعلق کوئی فیصلہ فرما دے، میں باہر نہیں نکلوں گا اور مَیں کسی کو کوئی ایسا اختیار نہیں دے جاؤں گا کہ جس کے ذریعہ سے دین یا دنیا میں وہ تم پر حکومت کرے اور اس امر کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا کہ وہ جسے چاہے اپنے کام کے لیے پسند کرے۔ اس کے بعد صحابہ اور دیگر اہل مدینہ کو قسم دی کہ وہ آپؓ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ عظیم میں نہ ڈالیں اور اپنے گھروں کو چلے جاویں۔ آپؓ کے اس حکم نے صحابہ میں ایک بہت بڑا اختلاف پیدا کر دیا۔ ایسا اختلاف کہ جس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ صحابہ ماننے کے سوا اَور کچھ جانتے ہی نہ تھے مگر آج اس حکم کے ماننے میں ان میں سے بعض کو اطاعت نہیں، غداری کی بُو نظر آتی تھی کہ ہم نے مانا تو یہ اطاعت نہیں ہے غداری ہے۔ بعض صحابہ نے اطاعت کے پہلو کو مقدم سمجھ کر بادلِ نخواستہ آئندہ کے لیے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا اور غالباً انہوں نے سمجھا کہ ہمارا کام صرف اطاعت ہے۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس حکم پر عمل کرنے کے کیا نتائج ہوں گے۔ مگر بعض صحابہ نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بیشک خلیفہ کی اطاعت فرض ہے مگر جب خلیفہ یہ حکم دے کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خلافت سے وابستگی چھوڑ دو۔ پس یہ اطاعت درحقیقت بغاوت پیدا کرتی ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ

حضرت عثمانؓ کا ان کو گھروں کو واپس کرنا ان کی جانوں کی حفاظت کے لیے تھا یعنی صحابہ کی جانوں کی حفاظت کے لیے تھا تو پھر کیا وہ ایسے محبت کرنے والے وجود کو خطرے میں چھوڑ کر اپنے گھروں میں جاسکتے تھے کہ حضرت عثمانؓ تو ان کی محبت کی خاطر ان کی جانوں کو ضائع ہونے سے بچا رہے ہیں اور وہ حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیں یہ ممکن نہیں تھا۔ اس مؤخر الذکر گروہ میں سب اکابر صحابہ شامل تھے۔ چنانچہ باوجود اس حکم کے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کے لڑکوں نے اپنے اپنے والد کے حکم کے ماتحت حضرت عثمانؓ کی ڈیوڑھی پر ہی ڈیرہ جمائے رکھا اور اپنی تلواروں کو میانوں میں نہ داخل کیا۔

باغیوں کی گھبراہٹ اور جوش کی کوئی حد باقی نہ رہی جبکہ حج سے فارغ ہو کر آنے والے لوگوں میں سے اِکّے دُکّے مدینہ میں داخل ہونے لگے اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اب ہماری قسمت کے فیصلہ کا وقت بہت نزدیک ہے۔ چنانچہ مُغِیرہ بن الْاَخْنَس سب سے پہلے شخص تھے جو حج کے بعد ثواب جہاد کے لیے مدینہ میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ ہی یہ خبر باغیوں کو ملی کہ اہلِ بصرہ کا لشکر جو مسلمانوں کی امداد کے لیے آ رہا ہے صِرَارْ مقام پر جو مدینہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر ہے آ پہنچا ہے۔ ان خبروں سے متاثر ہو کر انہوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح ہو اپنے مدعا کو جلد پورا کیا جائے اور چونکہ وہ صحابہ اور ان کے ساتھی، جنہوں نے باوجود حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے حضرت عثمانؓ کی حفاظت نہ چھوڑی تھی اور صاف کہہ دیا تھا کہ اگر ہم آپ کو باوجود ہاتھوں میں طاقت مقابلہ ہونے کے چھوڑ دیں تو خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھلائیں گے بوجہ اپنی قلت تعداد اب مکان کے اندر کی طرف سے حفاظت کرتے تھے اور دروازہ تک پہنچنا باغیوں کے لیے مشکل نہ تھا۔ انہوں نے دروازے کے سامنے لکڑیوں کے انبار جمع کر کے آگ لگا دی تا کہ دروازہ جل جائے اور اندر پہنچنے کا رستہ مل جاوے۔ صحابہؓ نے اس بات کو دیکھا تو اندر بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ تلواریں پکڑ کر باہر نکلنا چاہا مگر حضرت عثمانؓ نے اس بات سے روکا اور فرمایا گھر کو آگ لگانے کے بعد اَور کون سی بات رہ گئی ہے۔ اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تم لوگ اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالو اور اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو صرف میری ذات سے عداوت ہے مگر جلد یہ لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے۔ مَیں ہر ایک شخص کو جس پر میری اطاعت فرض ہے اس کے فرض سے سبکدوش کرتا ہوں اور اپنا حق معاف کرتا ہوں۔ مگر صحابہؓ نے اور دیگر لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور تلواریں پکڑ کر باہر نکلے۔ ان کے باہر نکلتے وقت حضرت ابوہریرہؓ بھی آ گئے اور باوجود اس کے کہ وہ فوجی آدمی نہ تھے وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے اور فرمایا کہ آج کے دن کی لڑائی سے بہتر اَور کون سی لڑائی ہو سکتی ہے اور پھر باغیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ یٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَی النَّارِ (المومن:42) یعنی اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔

یہ لڑائی ایک خاص لڑائی تھی اور مٹھی بھر صحابہؓ جو اس وقت جمع ہو سکے انہوں نے اس لشکر عظیم کا

مقابلہ جان توڑ کر کیا۔ حضرت امام حسنؓ جو نہایت صلح جو بلکہ صلح کے شہزادے تھے انہوں نے بھی اس دن رَجز پڑھ پڑھ کر دشمن پر حملہ کیا۔ ان کا اور محمد بن طلحہ کا اس دن کا رَجز خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ ان سے ان کے دلی خیالات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضرت امام حسنؓ یہ شعر پڑھ کر باغیوں پر حملہ کرتے تھے کہ

لَا دِيْنُهُمْ دِيْنِيْ وَلَا اَنَا مِنْهُمْ حَتّٰى اَسِيْرَ اِلٰى طَمَارِ شَمَامِ

یعنی ان لوگوں کا دین میرا دین نہیں اور نہ ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق ہے اور میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں گا کہ شَمام پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جاؤں۔ (شَمام عرب کا ایک پہاڑ ہے جس کو بلندی پر پہنچنے اور مقصد کے حصول سے مشابہت دیتے ہیں)

بہرحال حضرت امام حسنؓ کا یہ مطلب ہے کہ جب تک مَیں اپنے مدعا کو نہ پہنچ جاؤں اس وقت تک مَیں برابر ان سے لڑتا رہوں گا اور ان سے صلح نہ کروں گا کیونکہ ہم میں کوئی معمولی اختلاف نہیں کہ بغیر ان پر فتح پانے کے ہم ان سے تعلق قائم کر لیں۔ یہ تو وہ خیالات ہیں جو اس شہزادہ صلح کے دل میں موجزن تھے۔ اب ہم طلحہ کے لڑکے محمد کا رَجز لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

اَنَا ابْنُ مَنْ حَامٰى عَلَيْهِ بِاُحُدٍ وَرَدَّ اَحْزَابًا عَلٰى رَغْمِ مَعَدٍّ

یعنی میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رسول کریم ﷺ کی حفاظت اُحُد کے دن کی تھی اور جس نے باوجود اس کے کہ عربوں نے سارا زور لگایا تھا ان کو شکست دے دی تھی۔ یعنی آج بھی اُحُد کی طرح کا ایک واقعہ ہے اور جس طرح میرے والد نے اپنے ہاتھ کو تیروں سے چھلنی کروالیا تھا مگر رسول کریم ﷺ کو آنچ نہ آنے دی تھی میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے اور بری طرح زخمی ہوئے۔ مروان بھی سخت زخمی ہوا اور موت تک پہنچ کر لوٹا۔ مغیرہ بن الاخنس مارے گئے۔ جس شخص نے ان کو مارا تھا اس نے دیکھ کر کہ آپ زخمی ہی نہیں ہوئے بلکہ مارے گئے ہیں زور سے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سردارِ لشکر نے اسے ڈانٹا کہ اس خوشی کے موقع پر افسوس کا اظہار کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ آج رات میں نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ مُغِیرہ کے قاتل کو دوزخ کی خبر دو۔ پس یہ معلوم کر کے کہ میں ہی اس کا قاتل ہوں مجھے اس کا صدمہ ہونا لازمی تھا۔

مذکورہ بالا لوگوں کے سوا اور لوگ بھی زخمی ہوئے اور مارے گئے اور حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرنے والی جماعت اَور بھی کم ہو گئی لیکن اگر باغیوں نے باوجود آسمانی اِنذار کے اپنی ضد نہ چھوڑی اور خدا تعالیٰ کی محبوب جماعت کا مقابلہ جاری رکھا تو دوسری طرف مخلصین نے بھی اپنے ایمان کا اعلیٰ نمونہ دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ باوجود اس کے کہ اکثر محافظ مارے گئے یا زخمی ہو گئے پھر بھی ایک قلیل گروہ برابر دروازے کی حفاظت کرتا رہا۔[684]

آخری حج

حضرت عثمانؓ نے اپنی وفات سے یا جب فتنہ زوروں پر تھا اس سے **تقریباً ایک سال پہلے آخری حج** کیا۔ بہر حال ان کا جو آخری حج تھا اس وقت فتنہ پردازوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ **حج سے واپسی پر حضرت معاویہ بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ مدینہ آئے۔** کچھ دن ٹھہر کر آپ واپس جانے لگے تو آپ نے حضرت عثمانؓ سے علیحدہ مل کر درخواست کی کہ فتنہ بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کے متعلق کچھ عرض کروں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اول میرا مشورہ یہ ہے کہ آپؓ میرے ساتھ شام چلیں کیونکہ شام میں ہر طرح سے امن ہے اور کسی قسم کا فساد نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم کسی قسم کا فساد اٹھے اور اس وقت کوئی انتظام نہ ہو سکے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو جواب دیا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی کو کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتا خواہ جسم کی دھجیاں اڑا دی جائیں۔ حضرت معاویہ نے کہا پھر دوسرا مشورہ یہ ہے کہ آپؓ مجھے اجازت دیں کہ میں ایک دستہ شامی فوج کا آپؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دوں۔ ان لوگوں کی موجودگی میں کوئی شخص شرارت نہیں کر سکے گا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ نہ میں عثمان کی جان کی حفاظت کے لیے اس قدر بوجھ بیت المال پر ڈال سکتا ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ مدینہ کے لوگوں کو فوج رکھ کر تنگی میں ڈالوں۔ اس پر حضرت معاویہ نے عرض کی کہ پھر تیسری تجویز یہ ہے کہ صحابہؓ کی موجودگی میں لوگوں کو جرأت ہے کہ اگر عثمانؓ نہ رہے تو ان میں سے کسی کو آگے کھڑا کر دیں گے۔ ان لوگوں کو مختلف ملکوں میں پھیلا دیں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہے میں ان کو پراگندہ کر دوں، پھیلا دوں۔ اس پر معاویہ رو پڑے اور عرض کی کہ اگر ان تدابیر میں سے جو آپؓ کی حفاظت کے لیے میں نے پیش کی ہیں آپؓ کوئی بھی قبول نہیں کرتے تو اتنا تو کیجیے کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ اگر میری جان کو کوئی نقصان پہنچا تو معاویہ کو میرے قصاص کا حق ہو گا۔ شاید لوگ اس سے خوف کھا کر شرارت سے باز رہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ معاویہ! جو ہونا ہے ہو کر رہے گا، میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کی طبیعت سخت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہ کو کہا کہ آپ کی طبیعت سخت ہے ایسا نہ ہو کہ آپ مسلمانوں پر سختی کریں۔ اس پر حضرت معاویہ روتے ہوئے آپ کے پاس سے اٹھے اور کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ اور باہر نکل کر صحابہؓ سے کہا۔ اسلام کا دارومدار آپ لوگوں پر ہے۔ حضرت عثمانؓ اب بالکل ضعیف ہو گئے ہیں اور فتنہ بڑھ رہا ہے۔ آپ لوگ ان کی نگہداشت رکھیں۔ یہ کہہ کر معاویہ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔[685]

حضرت عثمانؓ کا جو مضبوط عزم و ہمت تھا اس کے بارے میں بیان ہے، مجاہد نے بیان

کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر سے محاصرین کو جھانک کر فرمایا کہ اے میری قوم! مجھے قتل نہ کرو کیونکہ میں حاکم وقت اور تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ بخدا میں نے ہمیشہ مقدور بھر اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے خواہ میرا موقف درست تھا یا مجھ سے کوئی خطا ہوئی۔ یاد رکھو اگر تم نے مجھے قتل کیا تو تم لوگ کبھی بھی اکٹھے نماز نہ پڑھ سکو گے اور نہ ہی کبھی اکٹھے جہاد کر سکو گے اور نہ ہی اموالِ غنیمت کی تم میں منصفانہ تقسیم ہو سکے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب محاصرہ کرنے والوں نے انکار کیا تو آپؓ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگوں نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت جبکہ تم سب متحد تھے اور سب دین اور حق پر قائم تھے وہ دعا نہ کی تھی جو تم نے کی تھی یعنی خلافت کے بارے میں۔ پھر کیا اب تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعائیں قبول نہیں کیں یا پھر یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اب دین کی کوئی پروا نہیں رہی یا پھر یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں نے اس چیز یعنی خلافت کو تلوار کے زور سے یا غاصبانہ قبضہ کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور مسلمانوں کے مشورے سے اسے حاصل نہیں کیا یا پھر تمہارا خیال ہے کہ میری خلافت کے ابتدائی زمانے میں اللہ تعالیٰ میرے بارے میں وہ باتیں نہیں جانتا تھا جن کا اسے بعد میں پتہ چلا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ اس پر بھی جب محاصرین نے آپؓ کی بات نہ مانی تو آپؓ نے دعا کی کہ یا اللہ! تُو انہیں اچھی طرح گن لے اور ان سب کو چن چن کر مارنا اور ان سب میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑنا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس فتنہ میں جس جس نے بھی حصہ لیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔[686]

...... تم کبھی متحد نہ ہو سکو گے

ابو لیلیٰ کِنْدِی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا جبکہ آپ محصور تھے۔ آپؓ نے ایک روشن دان سے جھانک کر فرمایا اے لوگو! مجھے قتل نہ کرو اور اگر میرا قصور ہے تو مجھے توبہ کا موقع دو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے اور کبھی بھی متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور ضرور تم آپس میں اختلاف کرو گے اور اس طرح تم الجھ کر رہ جاؤ گے۔ راوی کہتے ہیں آپؓ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بتایا کہ ایسے۔ پھر آپؓ نے فرمایا:

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (ھود:90) اور اے میری قوم! میری دشمنی تمہیں ہرگز ایسی بات پر آمادہ نہ کرے کہ تمہیں بھی ویسی ہی مصیبت پہنچے جیسی نوح کی قوم کو اور ہود کی قوم کو اور صالح کی قوم کو پہنچی تھی اور لوط کی قوم بھی تم سے کچھ دور نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام کی طرف پیغام بھیجا۔ انہوں نے آکر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

تو آپؓ نے یعنی حضرت عثمانؓ نے فرمایا لڑائی سے بچو۔ لڑائی سے بچو۔ کیونکہ یہ بات تمہارے حق میں بطور دلیل زیادہ مضبوط ہوگی۔ [687]

محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ انصار دروازے پر حاضر ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم دوسری مرتبہ اللہ کے انصار بننے کو تیار ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ نہیں، قتال ہرگز نہیں کرنا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ یوم الدّار کو میں نے حضرت عثمانؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے امیر المومنینؓ! اب تو تلوار اٹھانا ہی مناسب ہے۔ آپؓ نے فرمایا اے ابوہریرہؓ! کیا تم پسند کرو گے کہ تم تمام لوگوں کو اور مجھے بھی قتل کر دو۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب لوگ قتل ہو گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں پھر واپس آ گیا۔ اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ آج ہی لڑنے کا موقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ میں نے محاصرہ کے روز حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے امیر المومنینؓ! ان لوگوں سے جنگ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کے لیے ان سے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا اللہ کی قسم! مَیں ان سے کبھی بھی جنگ نہیں کروں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس پر وہ لوگ آپؓ کے پاس گھر میں گھس آئے جبکہ آپؓ روزے سے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے گھر کے دروازے پر حضرت عبداللہ بن زبیر کو نگران مقرر فرمایا ہوا تھا۔ آپؓ نے فرمایا تھا کہ جو میری اطاعت کرنا چاہتا ہے وہ عبداللہ بن زبیر کی اطاعت کرے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے امیر المومنین! یقیناً آپ کے پاس گھر میں آپ کی حفاظت کے لیے ایک گروہ ہے جسے اللہ کی تائید و نصرت حاصل ہے اور وہ ان محاصرین کی نسبت تعداد میں کم ہیں۔ پس آپ مجھے باغیوں سے قتال کی اجازت دیں۔ تو آپؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں یا فرمایا میں تمہیں اللہ کے نام پر نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی آدمی میری خاطر اپنا خون نہ بہائے یا میری خاطر کسی اَور کا خون نہ بہائے۔ [688]

شہادت سے قبل کی تفصیلات

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے قبل کے فتنہ اور آپؓ کے واقعہ شہادت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیان فرمایا ہے وہ اس طرح ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ چونکہ باغیوں کو بظاہر غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے آخری حیلے کے طور پر پھر ایک شخص کو حضرت عثمانؓ کی طرف بھیجا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر خود دستبردار ہو جائیں گے تو مسلمانوں کو انہیں سزا دینے کا کوئی حق اور موقع نہ رہے گا یعنی باغیوں کو پھر سزا دینے کا موقع نہیں ملے گا۔ حضرت

عثمانؓ کے پاس جو پیامبر پہنچا تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے تو جاہلیت میں بھی بدیوں سے پرہیز کیا ہے اور اسلام میں بھی اس کے احکام کو نہیں توڑا۔ مَیں کیوں اور کس جرم میں اس عہدے کو چھوڑ دوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے دیا ہے؟ میں تو اس قمیص کو کبھی نہیں اتاروں گا جو خدا تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ وہ شخص یہ جواب سن کر واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں سے ان الفاظ میں آکر مخاطب ہوا کہ خدا کی قسم! ہم سخت مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ خدا کی قسم! مسلمانوں کی گرفت سے عثمان کو قتل کرنے کے سوائے ہم بچ نہیں سکتے کیونکہ اس صورت میں حکومت تہ و بالا ہو جائے گی اور انتظام بگڑ جائے گا اور کوئی پوچھنے والا نہ ہو گا اور اس کا قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں یعنی حل تو یہی ہے لیکن قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اس شخص کے یہ فقرات نہ صرف ان لوگوں کی گھبراہٹ پر دلالت کرتے ہیں بلکہ اس امر پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ اس وقت تک بھی حضرت عثمانؓ نے کوئی ایسی بات پیدا نہ ہونے دی تھی جسے یہ لوگ بطور بہانہ استعمال کر سکیں اور ان کے دل محسوس کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کا قتل کسی صورت میں جائز نہیں۔

شہادت کا دردناک واقعہ

جب یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا منصوبہ کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن سلام جو بحالت کفر بھی اپنی قوم میں نہایت معزز تھے اور جن کو یہود اپنا سردار مانتے تھے اور عالمِ بے بدل جانتے تھے، تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کو نصیحت کرنی شروع کی اور حضرت عثمانؓ کے قتل سے ان کو منع فرمایا کہ اے قوم! خدا کی تلوار کو اپنے اوپر نہ کھینچو۔ خدا کی قسم! اگر تم نے تلوار کھینچی تو پھر اسے میان میں کرنے کا موقع نہ ملے گا، پھر ہمیشہ مسلمانوں میں تلوار کھنچی رہے گی۔ ہمیشہ مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہی رہے گا۔ عقل کرو۔ آج تم پر حکومت صرف کوڑے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ عموماً حدود شریعہ میں کوڑے کی سزا دی جاتی ہے اور اگر تم نے اس شخص کو قتل کر دیا یعنی حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا تو حکومت کا کام بغیر تلوار کے نہ چلے گا۔ یعنی چھوٹے چھوٹے مجرموں کے جرموں پر بھی لوگوں کو قتل کیا جائے گا۔ یاد رکھو کہ اس وقت مدینہ کے محافظ ملائکہ ہیں۔ اگر تم اس کو قتل کر دو گے تو ملائکہ مدینہ کو چھوڑ جائیں گے۔ اس نصیحت سے ان لوگوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ عبداللہ بن سلام صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھتکار دیا اور ان کو پہلے دین کا طعنہ دے کر کہا کہ اے یہودن کے بیٹے! تجھے ان کاموں سے کیا تعلق؟ افسوس کہ ان لوگوں کو یہ تو یاد رہا کہ عبداللہ بن سلام یہودن کے بیٹے تھے لیکن یہ بھول گئے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے ایمان لانے پر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر ایک مصیبت اور دکھ میں آپ شریک ہوئے اور اسی طرح یہ بھی بھول گیا کہ ان کا لیڈر اور ان کو ورغلانے والا حضرت علیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دے کر حضرت عثمانؓ کے مقابلے پر کھڑا کرنے والا عبداللہ بن سبا بھی یہودن کا بیٹا تھا بلکہ خود یہودی تھا اور صرف ظاہر میں اسلام کا اظہار کر رہا تھا۔

آج شام کو روزہ ہمارے ساتھ کھولنا

حضرت عبداللہ بن سلام تو یہ باتیں سن کے ان لوگوں سے مایوس ہو کر چلے گئے اور ادھر ان لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ دروازے کی طرف سے جا کر حضرت عثمانؓ کو قتل کرنا مشکل ہے کیونکہ اس طرف تھوڑے بہت جو لوگ بھی روکنے والے موجود ہیں وہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ کسی ہمسائے کے گھر کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس ارادے سے چند لوگ ایک ہمسائے کی دیوار پھاند کر آپؓ کے کمرے میں گھس گئے۔ جب اندر گھسے تو حضرت عثمانؓ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور جب سے کہ محاصرہ ہوا تھا رات اور دن آپؓ کا یہی شغل تھا کہ نماز پڑھتے یا قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور اس کے سوا اَور کسی کام کی طرف توجہ نہ کرتے اور ان دنوں میں صرف آپؓ نے ایک کام کیا اور وہ یہ کہ ان لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے آپؓ نے دو آدمیوں کو خزانے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا کیونکہ جیسا کہ ثابت ہے اس دن رات کو رؤیا میں **رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کو نظر آئے، حضرت عثمانؓ کو خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ عثمانؓ آج شام کو روزہ ہمارے ساتھ کھولنا۔** اس رؤیا سے آپؓ کو یقین ہو گیا تھا کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ پس آپؓ نے اپنی ذمہ داری خیال کر کے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ خزانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہرہ دیں تا کہ شور و شر میں کوئی شخص خزانے کو لُوٹنے کی کوشش نہ کرے۔ غرض جب یہ لوگ اندر پہنچے تو حضرت عثمانؓ کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے پایا۔ ان حملہ آوروں میں محمد بن ابی بکر بھی تھے اور بوجہ اپنے اقتدار کے جو ان لوگوں پر ان کو حاصل تھا اپنا فرض سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا ناں کہ میں حضرت ابوبکر کا بیٹا ہوں تو مجھے فوقیت حاصل ہے۔ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ ہر ایک کام میں آگے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑ لی اور زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے اس فعل پر صرف اس قدر فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ یعنی حضرت ابوبکرؓ اس وقت ہوتا تو تُو کبھی ایسا نہ کرتا۔ تجھے کیا ہوا۔ تُو خدا کے لیے مجھ پر ناراض ہے۔ کیا اس کے سوا تجھے مجھ پر کوئی غصہ ہے کہ تجھ سے مَیں نے خدا کے حقوق ادا کروائے ہیں؟ مَیں یہی کہتا ہوں ناں کہ خدا کے حقوق ادا کرو۔ اس پر محمد بن ابی بکر شرمندہ ہو کر واپس لَوٹ گئے لیکن دوسرے شخص وہیں رہے اور چونکہ اس رات بصرہ کے لشکر کی مدینہ میں داخل ہونے کی یقینی خبر آ چکی تھی اور یہ موقع ان لوگوں کے لیے آخری موقع تھا۔ ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ بغیر اپنا کام کیے واپس نہ لَوٹیں گے اور ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور ایک لوہے کی سیخ حضرت عثمانؓ کے سر پر ماری اور پھر حضرت عثمانؓ کے سامنے جو قرآن کریم دھرا ہوا تھا اس کو لات مار کر پھینک دیا۔ قرآن کریم لڑھک کر حضرت عثمانؓ کے پاس آ گیا اور آپؓ کے سر پر سے خون کے قطرات گر کر اس پر آ پڑے۔ قرآن کریم کی بے ادبی تو کسی نے کیا کرنی ہے مگر ان لوگوں کے تقویٰ اور دیانت کا پردہ اس واقعہ سے اچھی طرح فاش ہو گیا۔ جس آیت پر آپؓ کا خون گرا وہ ایک زبردست پیشگوئی تھی جو اپنے وقت پر جا کر اس شان سے پوری ہوئی کہ سخت دل سے سخت دل آدمی نے

اس کے خونی حروف کی جھلک کو دیکھ کر خوف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ وہ آیت یہ تھی:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرة:138)

اللہ تعالیٰ ضرور ان سے تیرا بدلہ لے گا اور وہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس کے بعد ایک اَور شخص سُودَان نامی آگے بڑھا اور اس نے تلوار سے آپؓ پر حملہ کرنا چاہا۔ پہلا وار کیا تو آپؓ نے اپنے ہاتھ سے اس کو روکا اور آپؓ کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس پر آپؓ نے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم! یہ وہ ہاتھ ہے جس نے سب سے پہلے قرآن کریم لکھا تھا۔ اس کے بعد پھر اس نے دوسرا وار کرکے آپؓ کو قتل کرنا چاہا تو آپ کی بیوی نائلہ وہاں آ گئیں اور اپنے آپ کو بیچ میں کھڑا کر دیا مگر اس شقی نے ایک عورت پر وار کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اور وار کر دیا جس سے آپؓ کی بیوی کی انگلیاں کٹ گئیں اور وہ علیحدہ ہو گئیں۔ پھر اس نے ایک وار حضرت عثمانؓ پر کیا اور آپؓ کو سخت زخمی کر دیا۔ اس کے بعد اس شقی نے یہ خیال کرکے کہ ابھی جان نہیں نکلی، شاید بچ جائیں اسی وقت جبکہ زخموں کے صدموں سے آپ بیہوش ہو چکے تھے اور شدت درد سے تڑپ رہے تھے آپؓ کا گلا پکڑ کر گھونٹنا شروع کیا اور اس وقت تک آپ کا گلا نہیں چھوڑا جب تک آپؓ کی روح جسم خاکی سے پرواز کرکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہتی ہوئی عالم بالا کو پرواز نہیں کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پہلے حضرت عثمانؓ کی بیوی اس نظارے کی ہیبت سے متاثر ہو کر بول نہ سکیں لیکن آخر انہوں نے آواز دی اور وہ لوگ جو دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے اندر کی طرف دوڑے مگر اب مدد فضول تھی، جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ایک آزاد کردہ غلام نے سُودَان کے ہاتھ میں وہ خون آلود تلوار دیکھی جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا تو اس سے نہ رہا گیا اور اس نے آگے بڑھ کر اس شخص کا تلوار سے سر کاٹ دیا۔ اس پر اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس کو قتل کر دیا۔

اب اسلامی حکومت کا تخت خلیفہ سے خالی ہو گیا۔ اہل مدینہ نے مزید کوشش فضول سمجھی اور ہر ایک اپنے اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو مار کر گھر پر دستِ تعدّی دراز کرنا شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نے چاہا کہ اس جگہ سے ہٹ جاویں تو اس کے لَوٹتے وقت ان میں سے ایک کمبخت نے اپنے ساتھیوں سے ان کے متعلق نہایت غلیظ الفاظ میں تبصرہ کیا۔ بے شک ایک حیادار آدمی کے لیے خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو کیوں نہ ہو اس بات کو باور کرنا بھی مشکل ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت سابق قدیمی صحابی، آپؐ کے داماد، تمام اسلامی ممالک کے بادشاہ اور پھر خلیفۂ وقت کو یہ لوگ ابھی ابھی مار کر فارغ ہوئے تھے ایسے گندے خیالات کا ان لوگوں نے اظہار کیا ہو لیکن ان لوگوں کی بے حیائی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ کسی قسم کی بداعمالی بھی ان سے بعید نہ تھی۔ یہ لوگ کسی نیک مدعا کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے تھے نہ ان کی جماعت نیک آدمیوں کی جماعت تھی۔ ان میں سے بعض عبداللہ بن سبا یہودی کے فریب خوردہ اور اس کی عجیب و غریب مخالف اسلام تعلیموں کے دلدادہ تھے۔ کچھ حد سے بڑھی ہوئی سوشلزم بلکہ بولشویزم کے فریفتہ تھے۔ کچھ سزا یافتہ

مجرم تھے جو اپنے دیرینہ بغض کو نکالنا چاہتے تھے۔ کچھ لٹیرے اور ڈاکو تھے جو اس فتنہ پر اپنی ترقیات کی راہ دیکھتے تھے۔ پس ان کی بے حیائی قابل تعجب نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اگر ایسی حرکات نہ کرتے تب تعجب کا مقام تھا۔ جب یہ لوگ لوٹ مار کر رہے تھے تو ایک اَور آزاد کردہ غلام سے حضرت عثمانؓ کے گھر والوں کی چیخ وپکار سن کر نہ رہا گیا اور اس نے حملہ کر کے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے پہلے غلام کو مارا تھا۔ اس پر ان لوگوں نے اسے بھی قتل کر دیا اور عورتوں کے جسم پر سے بھی زیور اتار لیے اور ہنسی ٹھٹھا کرتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔[689]

حضرت مصلح موعودؓ ان قاتلین کی بدتہذیبی کا مزید ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ خود انہوں نے کیا کیا! حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور جب خون میں تڑپ رہے تھے تو قاتل ان کی بیوی، حضرت عثمانؓ کی بیوی کے متعلق بیہودہ بکواس کر رہے تھے، جسم کے بارے میں تبصرے کر رہے تھے۔ پھر اس سے بھی بدتر انہوں نے کام کیا یعنی حضرت عثمانؓ کی بیوی پر ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے اور حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے متعلق بھی باتیں کیں۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں سن کے میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بہت بڑا مرتبہ دیا ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ کاش میں اُس وقت ہوتا اور اب نہ ہوتا تو مَیں ان لوگوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ ان لوگوں کی انتہا کیا تھی؟ حضرت عائشہؓ کے بارے میں جیسا کہ مَیں نے کہا فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بے پردکیا اور دیکھ کر کہا تھا کہ یہ تو نوجوان ہے۔[690]

حضرت عثمانؓ کی جرأت وبہادری

حضرت عائشہؓ پر بھی تبصرے سے باز نہیں آئے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں سے کبھی خائف نہیں ہوئے یعنی حضرت عثمانؓ اس بات سے کبھی خائف نہیں ہوئے کہ مجھ سے کیا سلوک ہو گا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو وہ نماز سے پہلے تمام مسجد میں پھیل جاتے اور اہل مدینہ کو ایک دوسرے سے جدا جدا رکھتے تا وہ اکٹھے ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں مگر باوجود اس شورش اور فتنہ انگیزی اور فساد کے حضرت عثمانؓ نماز پڑھنے کے لیے اکیلے مسجد میں تشریف لاتے اور ذرا بھی خوف محسوس نہ کرتے اور اس وقت تک برابر آتے رہے جب تک لوگوں نے آپ کو منع نہ کر دیا۔ جب فتنہ بہت بڑھ گیا اور حضرت عثمانؓ کے گھر پر مفسدوں نے حملہ کر دیا تو بجائے اس کے کہ آپ صحابہ کا اپنے مکان کے ارد گرد پہرہ لگواتے آپ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ وہ آپ کی حفاظت کر کے اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں اور اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ کیا شہادت سے ڈرنے والا آدمی بھی ایسا ہی کیا کرتا ہے اور وہ لوگوں سے کہا کرتا ہے کہ میری فکر نہ کرو بلکہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ کو شہادت سے کوئی خوف نہیں تھا۔ پھر اس بات کا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان واقعات سے کچھ

بھی خائف نہیں تھے ایک اَور زبردست ثبوت یہ ہے جیسا کہ خطبہ کے شروع میں بیان ہوا تھا کہ اس فتنہ کے دوران میں ایک دفعہ حضرت معاویہ حج کے لیے آئے۔ جب وہ شام کو واپس جانے لگے تو مدینہ میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور عرض کیا کہ آپؓ میرے ساتھ شام چلیں وہاں آپ ان فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ آپؓ نے فرمایا کہ معاویہ مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کو یہ بات منظور نہیں تو میں شامی سپاہیوں کا ایک لشکر آپ کی حفاظت کے لیے بھیج دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا اپنی حفاظت کے لیے ایک لشکر رکھ کر مسلمانوں کے رزق میں کمی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت معاویہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین! لوگ آپ کو دھوکے سے قتل کر دیں گے یا ممکن ہے کہ آپؓ کے خلاف وہ برسرِ جنگ ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مجھے اس کی پروا نہیں۔ میرے لیے میرا خدا کافی ہے۔ آخر انہوں نے کہا اگر آپؓ اَور کچھ منظور نہیں کرتے تو اتنا کریں کہ شرارتی لوگوں کو بعض اکابر صحابہ کے متعلق گھمنڈ ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے بعد وہ کام سنبھال لیں گے۔ چنانچہ وہ ان کا نام لے لے کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ ان سب کو مدینہ سے رخصت کر دیں اور بیرونی ملکوں میں پھیلا دیں۔ اس سے شریروں کے ارادے پست ہو جائیں گے اور وہ خیال کریں گے کہ آپؓ سے تعارض کر کے انہوں نے کیا لینا ہے جبکہ مدینہ میں کوئی اَور کام کو سنبھالنے والا ہی نہیں ہے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی نہ مانی، پہلے ذکر ہو چکا ہے، اور کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہے میں انہیں جلاوطن کر دوں۔ حضرت معاویہ یہ سن کر رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ اَور کچھ نہیں کرتے تو اتنا ہی اعلان کر دیں کہ میرے خون کا بدلہ معاویہ لے گا۔ آپؓ نے فرمایا معاویہ تمہاری طبیعت تیز ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ مسلمانوں پر تم کہیں سختی نہ کرو۔ اس لیے میں یہ اعلان بھی نہیں کر سکتا۔ **اب کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ دل کے کمزور تھے مگر تم خود ہی بتاؤ کہ اس قسم کی جرأت کتنے لوگ دکھا سکتے ہیں؟ اور کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے کہا جا سکتا ہے** کہ ان کے دل میں کچھ بھی خوف تھا یعنی حضرت عثمانؓ کے دل میں کوئی خوف تھا۔ اگر خوف ہوتا تو وہ کہتے کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ میری حفاظت کے لیے بھجوا دو۔ انہیں تنخواہ مَیں دلا دوں گا اور اگر خوف ہوتا تو آپ اعلان کر دیتے اگر مجھ پر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ سن لے کہ میرا بدلہ معاویہ لے گا مگر آپؓ نے سوائے اس کے کوئی جواب نہ دیا کہ معاویہ تمہاری طبیعت تیز ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر مَیں نے تم کو یہ اختیار دے دیا تو تم مسلمانوں پر سختی کرو گے۔

پھر جب آخر میں دشمنوں نے دیوار پھاند کر آپ پر حملہ کیا تو بغیر کسی ڈر اور خوف کے اظہار کے آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک بیٹا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، آگے بڑھا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی پکڑ کے اسے زور سے جھٹکا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف آنکھ اٹھائی اور فرمایا میرے بھائی کے بیٹے! اگر تیرا باپ اس وقت ہوتا تو تُو کبھی ایسا نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی اس کا سر سے لے کر پیر تک جسم کانپ گیا اور شرمندہ ہو کر واپس لوٹ گیا۔

اس کے بعد ایک اَور شخص آگے بڑھا اور اس نے ایک لوہے کی سیخ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت عثمانؓ کے سر پہ ماری اور آگے قرآن جو پڑا ہوا تھا اس کو پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ الگ پھینک دیا۔ وہ ہٹا تو ایک اَور شخص آگے آیا اور اس نے تلوار سے آپ کو شہید کر دیا۔ ان واقعات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان واقعات سے خائف تھے۔ [691]

خلافت کا عظیم الشان سلسلہ

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور اسی رنگ میں آئے جس رنگ میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دوسرے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور آپؑ کے بعد بھی اسی رنگ میں سلسلۂ خلافت شروع ہوا جس طرح پہلے انبیاء کے بعد خلافت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اگر ہم عقل کے ساتھ دیکھیں اور اس کی حقیقت کو پہچاننے کی کوشش کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ ایک عظیم الشان سلسلہ ہے۔ یعنی خلافت کا سلسلہ ایک عظیم الشان سلسلہ ہے بلکہ **میں کہتا ہوں کہ اگر دس ہزار نسلیں بھی اس کے قیام کے لیے قربان کر دی جائیں** تو کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ میں دوسروں کے متعلق تو نہیں جانتا مگر کم از کم اپنے متعلق جانتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی تاریخ پڑھنے کے بعد جب میں حضرت عثمانؓ پر پڑی ہوئی مصیبتوں پر نظر کرتا ہوں اور دوسری طرف اس نور اور روحانیت کو دیکھتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان میں پیدا کی تو میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں میری دس ہزار نسلیں پیدا ہونے والی ہوتیں اور وہ ساری کی ساری ایک ساعت میں جمع کر کے قربان کر دی جاتیں تا وہ فتنہ ٹل سکتا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جُوں دے کر ہاتھی خریدنے کا سودا ہے یعنی بہت چھوٹی سی چیز دے کر، جُوں تو ایک بڑا معمولی سا کیڑا ہے وہ دے کے ہاتھی خریدنے کے سودے سے بھی یہ سستا ہے۔ در حقیقت ہمیں کسی چیز کی قیمت کا پتہ پیچھے لگتا ہے۔ [692]

فضائل و مناقب

بعد میں پتہ لگتا ہے کہ اصل قیمت کیا ہے۔ **حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پتہ لگا کہ خلافت کی اہمیت کیا** ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے لیے حضرت عثمانؓ پر پڑی اور آپ اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے اس کام کے لیے منتخب کیے گئے۔ آپؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور یکے بعد دیگرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں آپؓ سے بیاہی گئیں اور جب دوسری لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اَور بیٹی ہوتی تو میں اُسے بھی حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں آپ کو خاص قدر و منزلت حاصل تھی۔ آپ اہلِ مکہ کی نظر میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے اور اس وقت ملکِ عرب کے حالات کے مطابق مالدار آدمی تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام اختیار کرنے کے بعد جن خاص خاص لوگوں کو تبلیغ

اسلام کے لیے منتخب کیا ان میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے اور آپؓ پر حضرت ابو بکرؓ کا گمان غلط نہیں گیا بلکہ تھوڑے دنوں کی تبلیغ سے ہی آپ نے "حضرت عثمانؓ نے "اسلام قبول کر لیا اور اس طرح اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں یعنی اسلام میں داخل ہونے والے اس پیشرو گروہ میں شامل ہوئے جن کی قرآن کریم نہایت قابل رشک الفاظ میں تعریف فرماتا ہے۔

عرب میں انہیں جس قدر عزت و توقیر حاصل تھی اس کا کسی قدر پتہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بنا پر مکہ تشریف لائے اور اہل مکہ نے بغض و کینہ سے اندھے ہو کر آپؐ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا کہ کسی خاص معتبر شخص کو اہل مکہ کے پاس اس امر پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا جاوے اور حضرت عمرؓ کا اس کے لیے انتخاب کیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ! میں تو جانے کو تیار ہوں مگر مکہ میں اگر کوئی شخص ان سے گفتگو کر سکتا ہے تو وہ حضرت عثمانؓ ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کی نظر میں خاص عزت رکھتا ہے۔ پس اگر کوئی دوسرا شخص گیا تو اس پر کامیابی کی اتنی امید نہیں ہو سکتی جتنی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہے۔ اور آپؓ کی اس بات کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درست تصور کیا اور انہی کو اس کام کے لیے بھیجا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کفار میں بھی خاص عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپؐ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تب بھی آپؐ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو آپؐ نے جھٹ اپنے کپڑے سمیٹ کر درست کر لیے اور فرمایا حضرت عثمانؓ کی طبیعت میں حیا بہت ہے۔ اس لیے میں اس کے احساسات کا خیال کر کے ایسا کرتا ہوں۔ آپؓ ان شاذ آدمیوں میں سے ایک ہیں" یعنی حضرت عثمانؓ ان شاذ آدمیوں میں سے ایک ہیں" جنہوں نے اسلام کے قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا اور زنا کے نزدیک نہیں گئے اور یہ ایسی خوبیاں ہیں جو عرب کے ملک میں جہاں شراب کا پینا فخر اور زنا ایک روزمرہ کا شغل سمجھا جاتا تھا اسلام سے پہلے چند گنتی کے آدمیوں سے زیادہ لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ غرض آپؓ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق آپؓ میں پائے جاتے تھے۔ دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے آپؓ نہایت ممتاز تھے۔ اسلام میں سبقت رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ پر نہایت خوش تھے اور حضرت عمرؓ نے آپ کو ان چھ آدمیوں میں سے ایک قرار دیا ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تک آپؐ کی اعلیٰ درجہ کی خوشنودی کو حاصل کیے رہے اور پھر آپؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک فرد ہیں یعنی ان دس آدمیوں میں سے ایک ہیں جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔"[693]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سترہ یا اٹھارہ ذوالحجہ

35/ ہجری کو جمعہ کے دن شہید کیے گئے۔ ابو عثمان نَہْدِی کے مطابق حضرت عثمانؓ کی شہادت ایام تشریق کے وسط میں ہوئی یعنی بارہ ذوالحجہ کو جبکہ ابن اسحاق کے مطابق حضرت عثمانؓ کا واقعہ شہادت حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کے گیارہ سال گیارہ ماہ اور بائیس دن کے بعد ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچیس سال بعد ہوا۔[694]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے بروز جمعہ 18/ ذوالحجہ 36/ ہجری میں نماز عصر کے بعد بیاسی سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپؓ شہادت کے وقت روزے سے تھے۔ ابُو مَعْشَر کے نزدیک شہادت کے وقت آپ کی عمر 75 سال تھی۔[695]

حضرت عثمانؓ کی تجہیز و تکفین کے بارے میں بیان ہے کہ نِیَار بن مُکْرَم نے کہا کہ ہفتہ کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان حضرت عثمانؓ کی میت کو ہم چار اشخاص نے اٹھایا یعنی مَیں اور جُبَیر بن مُطْعِمؓ اور حکیم بن حِزَام اور ابو جُہَم بن حُذَیفہ۔ حضرت جُبَیر بن مُطْعِمؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ معاویہ نے اس بات کی تصدیق کی۔ یہی چار آپؓ کی قبر میں اترے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جُبَیر بن مُطْعِمؓ نے سولہ افراد کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ علامہ ابن سعد کا قول ہے کہ پہلی روایت زیادہ درست ہے یعنی چار آدمیوں والی جس میں ذکر ہے کہ چار افراد نے آپؓ کی نماز جنازہ ادا کی تھی۔[696]

عبداللہ بن عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو ہفتے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان حَشِّ کَوْکَبْ میں دفن کیا گیا۔ ربیع بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کی یہ آرزو تھی کہ وہ اپنے مُردوں کو حَشِّ کَوْکَبْ میں دفن کیا کریں۔ حش چھوٹے باغ کو کہتے ہیں اور کوکب ایک انصاری کا نام تھا جس کا یہ باغ تھا۔ یہ جنت البقیع کے بالکل قریب ہی ایک جگہ تھی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک مرد صالح وفات پائے گا اور اسے وہاں دفن کیا جائے گا یعنی حَشِّ کَوْکَبْ میں دفن کیا جائے گا اور لوگ اس کی پیروی کریں گے۔ مالِک بن ابُوعامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پہلے شخص تھے جو وہاں دفن کیے گئے۔[697]

حضرت عثمانؓ کی تدفین کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ مفسدین اور باغیوں نے تین روز تک آپؓ کی تدفین نہیں ہونے دی۔ چنانچہ تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ابو بشیر عابِدِی نے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ کی نعش تین دن تک بے گور و کفن رہی اور ان کی تدفین نہ ہونے دی گئی۔ پھر حضرت حکیم بن حِزامؓ اور حضرت جُبَیر بن مُطْعِمؓ نے حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کی تدفین کی بابت بات کی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے اہل سے ان کی تدفین کی اجازت طلب کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایسا کیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کو اجازت دے دی۔ جب ان لوگوں نے یعنی مفسدین نے یہ بات سنی تو وہ پتھر لے کر راستے میں بیٹھ گئے اور حضرت عثمانؓ کے جنازے کے ساتھ ان کے اہل میں سے چند لوگ ساتھ

نکلے۔ وہ لوگ مدینہ میں ایک احاطے میں جانا چاہتے تھے جسے حَشِّ کَوْکَبْ کہتے تھے۔ یہود وہاں اپنے مردے دفن کیا کرتے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ کا جنازہ باہر آیا تو ان لوگوں نے آپؓ کی چارپائی پر پتھر مارے اور آپ کو گرانے کی کوشش کی۔ جب یہ بات حضرت علیؓ تک پہنچی تو انہوں نے ان لوگوں کی طرف پیغام بھجوایا اور کہا کہ وہ ایسا کرنے سے باز آجائیں۔ اس پر وہ لوگ باز آ گئے۔ جنازہ چلا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو حش کوکب میں دفن کر دیا گیا۔ جب امیر معاویہ لوگوں پر غالب آ گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ اس احاطے کی دیوار کو گرا دیا جائے یہاں تک کہ وہ بقیع یعنی قبرستان جو تھا اس میں شامل ہو جائے اور انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے وفات یافتگان کو حضرت عثمانؓ کی قبر کے ارد گرد دفن کریں یہاں تک کہ وہ احاطہ مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ جا ملا۔[698] بعض کتب تاریخ میں یہ بھی بیان ہے کہ اس جگہ کو حضرت عثمانؓ نے خود خرید کر جنت البقیع میں شامل کر دیا تھا۔[699]

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کے واقعات

شہادت کے بعد کے ایام کے بارے میں حضرت **مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچھ مختصر سا تحریر کیا ہے۔** آپؓ لکھتے ہیں کہ اب مدینہ انہی لوگوں کے قبضہ میں رہ گیا اور ان ایام میں ان لوگوں نے جو حرکات کیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو شہید تو کر چکے تھے۔ ان کی نعش کے دفن کرنے پر بھی ان کو اعتراض ہوا اور تین دن تک آپ کو دفن نہ کیا جا سکا۔

آخر صحابہ کی ایک جماعت نے ہمت کر کے رات کے وقت آپؓ کو دفن کیا۔ ان لوگوں کے راستوں میں بھی انہوں نے روکیں ڈالیں لیکن بعض لوگوں نے سختی سے مقابلہ کرنے کی دھمکی دی تو دب گئے۔[700]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئیاں فرمائی تھیں۔ ان کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے باغ کے دروازے پر پہرہ دینے کا حکم فرمایا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اندر آنے دو اور اسے جنت کی بشارت دو تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر ایک اَور شخص آیا اور اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آنے دو اور اسے جنت کی بشارت دو تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر ایک اَور شخص آیا اور اجازت مانگی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا اسے آنے دو اور اسے جنت کی بشارت دو تاہم ایک بڑی مصیبت اسے پہنچے گی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔[701]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد پر چڑھے جبکہ آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے۔ احد پہاڑ ہلنے لگا تو آپؐ نے فرمایا احد ٹھہر جا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے اس پر اپنا پاؤں بھی مارا اور فرمایا تم پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔[702]

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص اس فتنہ میں حالت مظلومیت میں مارا جائے گا۔ یہ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔[703]

حضرت عثمانؓ نے جو ترکہ چھوڑا تھا اس کے بارے میں جو ذکر ملتا ہے وہ یہ ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے اس روز آپؓ کے خزانچی کے پاس آپ کے تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار پڑے تھے۔ وہ سب لُوٹ لیے گئے۔ نیز آپؓ نے رَبَذَہ مقام پر ایک ہزار اونٹ چھوڑے ہوئے تھے۔ رَبَذَہ حجاز کے رستہ میں مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ایک بستی ہے۔ اسی طرح بَرَادِیْس اور خیبر اور وادی القریٰ میں دو لاکھ دینار کے صدقات چھوڑے جن سے آپ صدقہ دیا کرتے تھے۔[704]

پہلے یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ میں امیر آدمی تھا اور اب میرے پاس صرف دو اونٹ ہیں جو حج کے لیے میں نے رکھے ہوئے ہیں۔[705]

ہو سکتا ہے کہ جو بات کی جا رہی ہے یہ اس وقت کی ہو جب قومی خزانے میں اس قدر مال ہو جو راوی نے حضرت عثمانؓ کی ذات کی طرف منسوب کر دیا ہے اور یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ذاتی بھی ہوں تو اپنی ذات پر اب خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ صدقات اور قومی ضروریات پر ہی خرچ کیا کرتے تھے۔ بہر حال ایک روایت ہے جو میں نے بیان کی۔ اس سے پہلے ان کے اپنے حوالے سے بھی ایک روایت بیان ہو چکی ہے اور خزانے کی حفاظت کے لیے جو آدمی مقرر کیے تھے ان خزانچیوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قومی خزانہ تھا جس کی حفاظت کے لیے آپؓ نے مقرر کیا تھا۔[706]

صحابہ **حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت کے بارے میں جو بیان کرتے ہیں وہ اس طرح ہے۔ حضرت علیؓ** سے پوچھا گیا کہ آپؓ ہمیں حضرت عثمانؓ کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپؓ نے فرمایا وہ تو ایسا شخص تھا جو ملأ اعلیٰ میں بھی ذوالنورین کہلاتا تھا۔[707] اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ ذوالنّورین تھا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ ہم میں سب سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والے تھے۔

حضرت عائشہؓ کو جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے فرمایا: ان لوگوں نے آپؓ کو قتل کر دیا حالانکہ آپؓ ان سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور ان سب سے زیادہ رب کا تقویٰ اختیار کرنے والے تھے۔[708]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے دامادوں کے حق میں جو دعا ہے اس کی بھی ایک روایت ملتی ہے۔ 'الاستیعاب' میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزّوجلّ سے یہ دعا مانگی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو آگ میں داخل نہ کرے جو میرا داماد ہو یا جس کا میں داماد ہوں۔[709]

حضرت عثمانؓ کے لباس اور حلیہ کے بارے میں محمود بن لَبِیْد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان ؓ کو ایک خچر پر اس حالت میں سوار دیکھا کہ آپؓ کے جسم پر دو زرد چادریں تھیں۔

حَکَمْ بن صَلْت بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا جبکہ آپؓ پر سیاہ رنگ کی چادر تھی اور آپؓ نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا۔

سُلَیم ابو عامر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ پر ایک یمنی چادر دیکھی جس کی قیمت سو درہم تھی۔ محمد بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عبداللہ، عُروہ بن خالد اور عبدالرحمٰن بن ابوزِناد سے حضرت عثمانؓ کے حلیہ وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ ان سب نے بغیر اختلاف کے کہا کہ آپؓ نہ پست قد تھے نہ ہی بہت لمبے۔ آپؓ کا چہرہ خوبصورت، جلد نرم، داڑھی گھنی اور لمبی، رنگ گندمی، جوڑ مضبوط، کندھے چوڑے، سر کے بال گھنے تھے۔ آپؓ داڑھی کو خضاب سے پیلا کرتے تھے۔ واقِد بن ابویاسر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دانتوں کو سونے کی تار سے باندھا ہوا تھا۔ موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ آپؓ جمعہ کے روز باہر تشریف لاتے تو آپؓ پر دو زرد چادریں ہوتیں۔ پھر آپؓ منبر پر تشریف رکھتے اور مؤذن اذان دیتا۔ پھر جب مؤذن خاموش ہو جاتا تو ایک ٹیڑھی مٹھ والے عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے اور عصا ہاتھ میں لیے ہوئے خطبہ دیتے۔ پھر آپؓ منبر سے اترتے اور مؤذن اقامت کہتا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو مسجد میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر سوتے ہوئے دیکھا۔[710]

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ نے ایک عصا کا سہارا لیا ہوا تھا۔ آپؓ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ آپؓ پر دو زرد رنگ کے کپڑے ہوتے تھے ایک چادر اور ایک تہ بند یہاں تک کہ آپؓ منبر پر آتے اور اس پر بیٹھ جاتے۔[711]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگوٹھی تھی جس پر 'محمد رسول اللہ' لکھا ہوا تھا، کندہ تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں روایت آتی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کی طرف خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اگر اس خط پر کوئی مہر نہ لگی ہوئی ہو گی تو آپؐ کا خط نہیں پڑھیں گے۔ اس پر آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر یہ نقش تھا 'محمد رسول اللہ' راوی کہتے ہیں گویا میں ابھی بھی انگوٹھی کی سفیدی کو آپؐ کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں۔[712] وہ بات مجھے اتنی تازہ ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی آپؐ کے ہاتھ میں رہی۔ آپؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں رہی۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہی۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو ایک بار اَرِیس نامی کنویں پر آپؓ بیٹھے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؓ نے وہ انگوٹھی نکالی اور اس سے کھیلنے لگے۔ یعنی انگلی میں پھیرنے لگ گئے ہوں گے تو وہ گر گئی۔* راوی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عثمانؓ کے ہمراہ تین روز تک اسے تلاش کیا اور کنویں کا سارا پانی بھی باہر نکالا لیکن وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔

اس انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسے ڈھونڈ کر لانے والے کے لیے مال کثیر دینے کا اعلان کیا اور اس انگوٹھی کے گم ہونے کا آپ کو بہت زیادہ غم ہوا۔ جب آپؓ اس انگوٹھی کے ملنے سے، اس کی تلاش سے مایوس ہو گئے تو آپؓ نے ویسی ہی چاندی کی ایک اَور انگوٹھی بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بالکل ویسی ہی ایک انگوٹھی تیار کی گئی جس کا نقش بھی 'محمد رسول اللہ' تھا۔ وہ انگوٹھی آپؓ نے اپنی وفات تک پہنے رکھی۔ آپؓ کی شہادت کے وقت وہ انگوٹھی کسی نامعلوم شخص نے لے لی۔[713]

عشرہ مبشرہ میں بھی آپؓ شامل تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن اَخنَس سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں تھے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کا بے ادبی سے ذکر کیا۔ اس پر حضرت سعید بن زیدؓ کھڑے ہو گئے اور کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دس آدمی جنت میں جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ہوں گے۔ ابو بکرؓ جنت میں ہوں گے۔ عمرؓ جنت میں ہوں گے۔ عثمانؓ جنت میں ہوں گے۔ علیؓ جنت میں ہوں گے۔ طلحہؓ جنت میں ہوں گے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنت میں ہوں گے۔ زبیر بن عوامؓ جنت میں ہوں گے۔ سعد بن مالکؓ جنت میں ہوں گے اور اگر میں چاہوں تو دسویں کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ دسواں کون ہے؟ حضرت سعید بن زیدؓ کچھ دیر خاموش رہے۔ اس پر لوگوں نے پھر پوچھا کہ دسواں کون ہے؟ تو انہوں نے کہا سعید بن زیدؓ یعنی میں خود ہوں۔[714]

پہلے بھی ایک جگہ پہ یہ روایت ان کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں۔[715]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ جنت میں رفاقت کے بارے میں آتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عُبَید اللہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق یعنی جنت میں میرا ساتھی، رفیق عثمان ہو گا۔[716]

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک گھر میں مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ تھے جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے ہم کفو کے ہمراہ کھڑا ہو جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا اور

---

* بعض روایات کے مطابق یہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے نہیں بلکہ ان کے خاتم بردار حضرت معیقیبؓ سے گری تھی۔

(صحیح مسلم، کتاب اللباس حدیث 2091/ اسد الغابہ زیر اسم "معیقیب بن ابی فاطمہ")

فرمایا اَنْتَ وَلِیِّیْ فِی الدُّنْیَا وَ وَلِیِّیْ فِی الْاٰخِرَةِ کہ تم دنیا میں بھی میرے دوست ہو اور آخرت میں بھی میرے دوست ہو۔[717]

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ابوسَہْلَہ بیان کرتے ہیں کہ یوم الدّار کو یعنی جس دن حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے آپؓ کے گھر میں محصور کر کے شہید کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس دن میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا اے امیر المومنینؓ! ان مفسدین سے لڑیں۔

حضرت عبداللہؓ نے بھی آپؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنینؓ! ان مفسدین سے لڑیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں لڑائی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک بات کا وعدہ کیا تھا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ وہ پورا ہو۔[718]

منافقین کے بے سروپا اعتراض

حضرت عثمانؓ کے غزوۂ بدر سے پیچھے رہنے، اُحُد میں فرار اور بیعتِ رضوان میں شامل نہ ہونے کی بابت **اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ منافقین نے بھی آپؓ پہ اعتراض کیے تھے۔** عثمان بن مَوْہَبْ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مصر سے ایک شخص حج کے لیے آیا تو اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے اس نے باتیں کیں۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا: ان میں یہ بوڑھا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ اس نے کہا اے ابن عمرؓ! آپؓ سے ایک بات کے متعلق پوچھتا ہوں۔ آپؓ مجھے بتائیں کیا آپؓ کو علم ہے کہ حضرت عثمانؓ اُحُد کے دن فرار ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کیا آپؓ جانتے ہیں کہ وہ جنگِ بدر سے غیر حاضر رہے اور اس میں شریک نہ ہوئے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا کیا آپؓ جانتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان سے بھی غیر حاضر تھے اور اس میں شریک نہیں تھے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس پر اس شخص نے تعجب سے کہا اللہ اکبر۔ حضرت ابن عمرؓ نے اسے کہا ادھر آؤ۔ تم نے اعتراض تو کیا ہے۔ مَیں تمہیں حقیقت حال کھول کر بتاتا ہوں۔ جنگِ اُحُد کے دن جو اُن کا بھاگ جانا تھا تو مَیں یہ شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو معاف کر دیا تھا اور آپؓ سے مغفرت کا سلوک فرمایا تھا۔ اس وقت جب ایسی ہنگامی حالت تھی یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کافروں نے شہید کر دیا ہے تو اس وقت پھر بہرحال ایسی حالت تھی جو ایک وقتی اضطراب کے طور پہ آپؓ چلے گئے تھے۔ کہتے ہیں جہاں تک بدر سے حضرت عثمانؓ کا غائب رہنا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی جو آپؓ کی بیوی تھیں وہ بیمار تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ سے فرمایا تھا کہ تم اپنی بیوی کے پاس ہی رہو۔ تمہارے لیے بدر میں شامل ہونے والوں کی مانند اجر اور مالِ غنیمت میں سے حصہ ہو گا۔ اور جہاں تک بیعتِ رضوان سے آپؓ کی غیر حاضری ہے تو یاد رکھو اگر وادیٔ مکہ میں حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر کوئی اَور شخص معزز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی جگہ اس شخص کو کفار کی طرف سفیر بنا کر بھیجتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا اور بیعتِ رضوان اس وقت ہوئی جب آپؓ مکہ والوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔ بیعتِ رضوان کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر زور سے رکھتے ہوئے فرمایا یہ عثمانؓ کے لیے ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہ بیان فرمانے کے بعد اس شخص سے کہا۔ اب یہ باتیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور یاد رکھنا یہ کوئی اعتراض کی باتیں نہیں ہیں۔ جاؤ۔[719] یہ بخاری کی روایت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسجد نبویؐ کی توسیع ہوئی تھی۔ **اس میں بھی حضرت عثمانؓ کو حصہ لینے کی توفیق ملی۔** ابو مَلِیْح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد مدینہ کی توسیع کے لیے زمین کے ایک ٹکڑے کے مالک کو جو ایک انصاری تھا فرمایا: تمہارے لیے اس قطعہ کے بدلے جنت میں گھر ہو گا مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ آئے اور اس شخص سے کہا کہ تمہارے لیے اس قطعہ کے بدلے، اس ٹکڑا زمین کے بدلے مَیں دس ہزار درہم دیتا ہوں۔ آپؓ نے اس سے وہ قطعہ خرید لیا۔

پھر حضرت عثمانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! آپؐ مجھ سے زمین کا یہ ٹکڑا خرید یں جو میں نے انصاری سے خریدا ہے۔ اس پر آپؐ نے وہ زمین کا ٹکڑا حضرت عثمانؓ سے جنت میں گھر کے بدلے خرید لیا۔ وہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت عثمانؓ کو فرمائی کہ تمہارا جنت میں گھر ہو گا۔ حضرت عثمانؓ نے بتایا کہ میں نے دس ہزار درہم کے بدلے میں اسے خرید لیا ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بلایا تو انہوں نے بھی ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلایا انہوں نے بھی ایک اینٹ رکھی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور انہوں نے بھی ایک اینٹ رکھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی لوگوں سے فرمایا کہ اب تم سب اینٹیں رکھو تو ان سب نے رکھیں۔[720] یہ جو اس کی ایکسٹینشن (extension) ہوئی تھی تو اس طرح اس کی بنیاد پڑی۔

ثُمَامَہ بن حَزْن قُشَیْرِی بیان کرتے ہیں کہ میں محاصرے کے وقت حاضر تھا جب حضرت عثمانؓ نے جھانک کر لوگوں سے فرمایا۔ جب حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا: تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو رُومہ نامی کنویں کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو رُومہ کنویں کو خریدے گا تاکہ وہ اس میں اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈالے۔ یعنی وہ خود بھی پیے اور **مسلمان بھی اس سے پئیں اور جنت میں اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہو گا۔** حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اس پر میں نے وہ کنواں اپنے ذاتی مال سے خریدا اور اس میں اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈولوں کے ساتھ ڈالا اور آج تم مجھے اس سے پانی پینے سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ میں سمندر کا پانی پینے پر مجبور ہو جاؤں۔ اس پر لوگوں نے کہا اللہ کی قسم! آپؓ نے درست فرمایا ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے

فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں نے جیش عُسْرَہ، غزوۂ تبوک کے لشکر کی تیاری اپنے مال سے کی تھی۔ اس پر لوگوں نے کہا اللہ کی قسم ایسے ہی ہے۔

پھر آپؓ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ یہ مسجد نبویؐ جب نمازیوں کے لیے تنگ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فلاں خاندان سے زمین کا یہ ٹکڑا خرید کر مسجد میں شامل کر دے گا تو اس کے لیے جنت میں اس سے بہتر ہو گا۔

چنانچہ مَیں نے زمین کا یہ ٹکڑا اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا اور اب تم لوگ مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی روک رہے ہو۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔

پھر آپؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی ثَبِیْر نامی پہاڑی پر تھے اور آپؐ کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور مَیں تھا۔ جب پہاڑی لرزی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا پاؤں مارتے ہوئے فرمایا اے ثَبِیر! ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔ آپؓ نے فرمایا اللہ اکبر! رَبِّ کعبہ کی قسم ان لوگوں نے میرے حق میں یہ گواہی دے دی ہے یعنی یہ کہ میں شہادت کا مقام پانے والا ہوں۔[721]

مسجد نبویؐ کی مزید توسیع جو ہوئی وہ زیادہ تر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس لیے اس کی مختصر تاریخ اور ابتدائی حالات اور پھر توسیع کے بارے میں جو بھی بیان ہے وہ بتاتا ہوں۔ پہلے تو یہ بیان کیا گیا ہے ناں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں توسیع کی گئی۔ اس کے بارے میں ایک نوٹ یہ بھی ہے کہ ماہ ربیع الاول یکم ہجری بمطابق اکتوبر 622ء کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے مسجدِ نبویؐ کا سنگِ بنیاد رکھا۔ بنیاد تقریباً تین ذرع یعنی ڈیڑھ میٹر گہری تھی۔ بنیاد کے لیے پتھر سے گھڑی ہوئی اینٹوں سے دیوار بنائی گئی جبکہ اوپر کی دیوار گارے سے بنی اور دھوپ میں سکھائی گئی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور دھوپ میں سکھائی گئی۔ دیوار کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔[722]

یہ مسجد کی تعمیر کی تاریخ ہے۔ ساتھ ساتھ اس میں توسیع کا بھی ذکر آ جائے گا۔ مسجد کی دیواریں تقریباً پون میٹر، تقریباً دو اڑھائی فٹ چوڑی رکھی گئی تھیں، جن کی اونچائی تقریباً سات ذرع یعنی تقریباً ساڑھے تین میٹر تھی۔[723]

مسجد نبویؐ کی تکمیل ماہ شوال یکم ہجری، اپریل 623ء میں ہوئی۔[724]

حضرت خارِجہ بن زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کا طول ستر ذرع، تقریباً 35 میٹر اور عرض ساٹھ ذرع، تقریباً 30 میٹر رکھا تھا۔[725]

رسول کریم ﷺ کے دَور میں مسجد نبویؐ کی پہلی توسیع محرم 7/ ہجری، جون 628ء میں ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے کامیاب ہو کر لَوٹے تو آپؐ نے مسجد نبویؐ کی توسیع اور تعمیرِ نَو کا حکم جاری فرمایا۔ مسجد کی توسیع جنوبی یعنی جانب قبلہ اور مشرقی جانب نہ کی گئی۔ زیادہ تر توسیع شمالی جانب کی

گئی اور کچھ مغربی جانب بھی۔ شمالی جانب صحابہ کرام کے چند گھر تھے۔ اس جانب ایک انصاری صحابی کا گھر تھا جس کو اپنا مکان دینے میں کچھ پس و پیش تھا۔ ایسے میں جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنی جیب سے دس ہزار دینار دے کر وہ گھر خرید لیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح مسجد کی توسیع زیادہ تر شمالی جانب اور مغربی جانب ممکن ہو سکی۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا کل رقبہ 100×100 ذرع یعنی 50×50 میٹر ہو گیا۔[726]

حضرت عمرؓ کے دور میں مسجد نبویؐ کی دوسری توسیع 17/ ہجری میں ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دَور میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اسی حالت میں رہنے دیا اور اس میں کوئی تبدیلی یا توسیع نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی تعمیرِ نَو اور توسیع کروائی مگر اس کی ہیئت اور طرزِ تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں کروائی۔ جس طرح تھا انہی بنیادوں پر یا اسی طرح پرانا حصہ رہنے دیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے اسی طرح کے طرز تعمیر سے بنوایا صرف ایکسٹینشن ہوئی۔ چھت پہلے کی طرح کھجور کے پتوں کی ہی رہی۔ انہوں نے صرف ستون لکڑی کے ڈلوا دیے۔ حضرت عمرؓ نے 17/ ہجری میں مسجد کی تعمیر کو اپنے زیرِ نگرانی مکمل کروایا۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ 50×50 میٹر جو پہلے تھا سے بڑھ کر 70×60 میٹر ہو گیا یا 140×120 ذرع ہو گیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بھی مسجد نبویؐ وہی رہی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی تاہم حضرت عمرؓ کی تعمیرِ نَو کے ساتھ اس میں کافی توسیع ہو گئی۔[727]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع ہوئی اور تعمیرِ نَو بھی ہوئی۔ یہ 29/ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کی توسیع اور تعمیرِ نَو کی تو اسے خوبصورت اور مضبوط بنانے کے لیے پتھر جپسم اور نقش و نگار کا استعمال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے دیواریں پتھر کی بنوائیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور مسجد نبویؐ میں پہلی بار سفیدی کے لیے چونے کا استعمال بھی کیا گیا۔ چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ 24/ ہجری میں خلیفہ منتخب ہوئے تو لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ مسجد نبویؐ کی توسیع کر دی جائے۔ انہوں نے صحن کی تنگی کی شکایت کی۔ خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات پر ایسا کثرت سے ہوتا۔ اکثر ہوتا کہ لوگوں کو مسجد کے باہر والے حصہ میں نماز ادا کرنی پڑتی تھی۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی تھی کہ پرانی مسجد کو مسمار کر کے اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کر دی جائے۔ پہلی مسجد کو گرا دیا جائے، نئی تعمیر کی جائے۔ ایک دن حضرت عثمانؓ نے نماز ظہر کے بعد منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں مسجد کو مسمار کر کے اس کی جگہ نئی مسجد بنانا چاہتا ہوں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جو بھی مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ایک گھر عطا کر دیتا ہے۔ مجھ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ تھے ان کے ہاتھوں

مسجد نبویؐ کی توسیع اور تعمیرِ نَو میرے لیے ایک مثال اور نظیر ہے۔ میں نے صائب الرائے اصحاب سے مشورہ کیا ہے اور ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مسجد نبویؐ کو مسمار کر کے اسے دوبارہ بنایا جانا چاہیے۔

جب حضرت عثمانؓ نے مسجد کی تعمیر نَو کا منصوبہ پیش کیا تو چند صحابہ کرام نے اس معاملے میں اپنے تحفظات پیش کیے۔ ان کا خیال تھا گرانی نہیں چاہیے۔ ان میں وہ صحابہ کرام شامل تھے جو بالکل مسجد نبویؐ کے قریب مقیم تھے اور جن کے مکانات اس منصوبے سے متاثر ہوتے نظر آ رہے تھے۔ عوام کی اکثریت نے تو اس منصوبے کی حمایت کی مگر چند صحابہ کرام نے اعتراض کیا۔ حضرت اَفْلَح بن حمید نے بیان کیا کہ جب حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ منبر پر تشریف لا کر لوگوں کی رائے معلوم کریں تو مَرْوَان بن حَکَم نے کہا بلا شبہ یہ ایک نیک کام ہے۔ لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ آپ لوگوں کی رائے معلوم کریں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کی سرزنش کی اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تیرا بھلا ہو مَیں کسی معاملے میں لوگوں پر جبر و اکراہ کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ان سے ضرور مشورہ کرنا ہے۔ آپؓ نے فرمایا میں اپنی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ میں تو جو کام بھی کروں گا ان کی مرضی سے کروں گا۔ پھر جب آپؓ نے اپنے منصوبے کے متعلق اہل الرائے اصحاب کو اعتماد میں لے لیا تو مسجد نبویؐ کی شمالی جانب واقع گھروں کو خرید کر ان کی زمین حاصل کی۔ اگرچہ آپ نے معاوضہ کے طور پر ان اصحاب کو کافی رقوم پیش کی تھیں مگر پھر بھی چند اصحاب اپنے مکانات دینے کے حق میں نہ تھے اور تقریباً چار سال گزر گئے مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ حضرت عُبَیْدُ اللہ خَوْلَانیؒ سے مروی ہے کہ جب لوگ اپنے مکانات دینے کے لیے پس و پیش کر رہے تھے اور دلائل طوالت پکڑتے جا رہے تھے تو میں نے حضرت عثمانؓ کو کہتے ہوئے سنا تم لوگ بہت باتیں بنا چکے۔ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔

اسی طرح حضرت محمود بن لَبِیدؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر نَو کا ارادہ کیا تو لوگوں کو ان کا منصوبہ پسند نہ آیا۔ ان کا اصرار تھا کہ مسجد نبویؐ کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی۔ اس پر آپؓ نے فرمایا جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔ جب حضرت عثمانؓ لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آپؓ نے ماہ ربیع الاول 29ر ہجری، نومبر 649ء میں کام کی ابتدا کروا دی۔ تعمیرِ نَو کے کام میں صرف دس ماہ صرف ہوئے اور یوں یکم محرم 30ر ہجری کو مسجد نبویؐ تیار ہو گئی۔ آپؓ بنفسِ نفیس کام کی نگرانی فرماتے تھے۔ دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کے وقت اگر نیند مجبور کرتی تو مسجد نبویؐ میں ہی سستا لیا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سَفِیْنَہ ؓ سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا کہ مسجد کی تعمیر کے لیے مصالحہ اٹھا اٹھا کر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس لایا جاتا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ ہمیشہ اپنے پاؤں پر کھڑے کھڑے کاریگروں سے کام

کرواتے اور پھر جب نماز کا وقت آ جاتا تو ان کے ساتھ نماز ادا کرتے اور پھر کبھی کبھی وہیں سو بھی جایا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کو جنوب میں قبلہ کی جانب وسعت دی اور اس کی قبلہ کی دیوار کو اس جگہ تک لے آئے جہاں کہ آج تک ہے۔ شمالی جانب اس میں پچاس ذرع، تقریباً 25 میٹر کا اضافہ کیا گیا اور کچھ توسیع مغربی جانب بھی کروائی گئی۔ البتہ شرقی جانب جہاں حجراتِ مبارکہ تھے کوئی توسیع نہیں کی گئی۔ اس کے بعد مسجد نبویؐ کا کُل رقبہ 160×150 ذرع یعنی تقریباً 80×75 میٹر ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں مسجد کے دروازوں کی تعداد چھ تھی۔ پہلی مرتبہ مسجد نبویؐ میں پتھروں پر نقش و نگار بنوائے گئے۔ اس میں سفیدی کروائی گئی۔ حضرت خَارِجَہ بن زیدؓ کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ نے مسجد نبویؐ کی شرقی اور غربی دیواروں میں روشن دان رکھوائے تھے۔ مسجد نبویؐ کی توسیع کے لیے حضرت عثمانؓ کو جو مکان لینے پڑے ان میں اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کا حجرہ بھی شامل تھا جن کو اس کا متبادل مکان دیوارِ قبلہ سے متصل جنوب مشرقی کونے پر دے دیا گیا تھا اور ایک دریچہ کے ذریعہ سے ان کی آمد و رفت حجرے تک ممکن اور آسان بنا دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت جعفر بن ابوطالبؓ کے ورثاء سے ان کے مکان کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا گیا اور اس طرح دارالعباس کا کچھ حصہ خرید کر مسجد نبویؐ میں شامل کیا گیا تھا۔ دیوار قبلہ کو جنوبی جانب لے جانے کے علاوہ سب سے نمایاں فرق جو کہ مسجد نبویؐ میں ہوا وہ یہ تھا کہ محراب نبوی کی جگہ مقام قبلہ بھی اس کی سیدھ میں اتنا ہی آگے لے جانا پڑا جہاں تک دیوار قبلہ لے جائی گئی تھی جو عین اسی جگہ پر تھی جہاں آج کل ہم محراب عثمانی کو دیکھتے ہیں وہاں علامتی محراب بھی بنائی گئی تھی۔ مٹی کے گارے کی جگہ انہوں نے پسا ہوا پتھر استعمال کروایا تھا اور پتھر سے بنے ہوئے ستون میں سیسے کی بنی سلاخیں ڈلوائی گئی تھیں۔ اس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا کہ نئے ستون انہی ستونوں کی جگہ استوار کیے جائیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارکہ میں کھجور کے تنے سے بنے ہوئے ستون ہوا کرتے تھے۔

تعمیر میں جو مواد اور طرزِ تعمیر استعمال ہوا وہ اسی طرح کا تھا جیسا کہ یروشلم میں گنبد صَخْرَہ کی تعمیر میں بازنطینیوں نے استعمال کیا تھا۔ چھت شیشم کی لکڑی سے بنائی گئی تھی جو کہ لکڑی کے شہتیروں پر رکھی گئی تھی جو سیسہ پلائے پتھروں کے ستونوں پر استوار تھے۔

چونکہ حضرت عمرؓ کی شہادت محراب نبوی میں نماز کی امامت کرواتے ہوئے ہوئی تھی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ آئندہ کوئی ایسا حادثہ رونما نہ ہو حضرت عثمانؓ نے محراب کے مقام پر ایک مقصورہ (مسجد میں صفوں سے آگے امام کے لیے کھڑا ہونے کی جگہ جس میں منبر بنا ہوتا ہے) تعمیر کروایا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنا تھا اور اس میں جھروکے اور روزن رکھے گئے تھے تاکہ مقتدی اپنے امام کو دیکھ سکیں۔

یہ پہلا حفاظتی طریقہ تھا جو کہ مسجد نبویؐ میں تعمیر ہوا جو کہ بعد میں دمشق میں خلفائے بنو امیہ کے حفاظتی پروٹوکول کا باقاعدہ حصہ بن گیا تھا۔[728] یعنی محراب کو دیوار بنا کے محفوظ کیا گیا تھا لیکن مقتدی امام

کو دیکھ سکتے تھے۔

بہرحال اس کے بعد پھر مختلف وقتوں میں مسجد کی توسیع ہوتی رہی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سے مشابہت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ:

"**حضرت عثمانؓ کو تو میں حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دیتا ہوں۔ ان کو بھی عمارات کا بڑا شوق تھا۔** حضرت علیؓ کے وقت میں اندرونی فتنے ضرور تھے۔ ایک طرف معاویہ تھے اور دوسری طرف علیؓ اور ان فتنوں کے باعث مسلمانوں کے خون بہے۔ 6 سال کے اندر اسلام کے لیے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ اسلام کے لیے تو عثمانؓ تک ہی ساری کارروائیاں ختم ہو گئیں۔ پھر تو خانہ جنگی شروع ہو گئی۔"[729]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ ضروری نہیں ہے کہ مسجد مرصّع اور پکی عمارت کی ہو بلکہ صرف زمین روک لینی چاہیے اور وہاں مسجد کی حد بندی کر دینی چاہیے اور بانس وغیرہ کا کوئی چھپر وغیرہ ڈال دو تا کہ بارش وغیرہ سے آرام ہو۔ خدا تعالیٰ تکلفات کو پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد چند کھجوروں کی شاخوں کی تھی اور اسی طرح چلی آئی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس لیے کہ ان کو عمارت کا شوق تھا اپنے زمانہ میں اسے پختہ بنوایا۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ حضرت سلیمان اور عثمان کا قافیہ خوب ملتا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے ان کو ان باتوں کا شوق تھا۔"[730]

مسجد الحرام کی توسیع 26ر ہجری میں ہوئی۔ 26ر ہجری میں حضرت عثمانؓ نے حرم کے نشانات کی از سرِنو تجدید کی اور مسجد الحرام کی توسیع فرمائی اور ارد گرد کے مکانات خرید کر مسجد الحرام میں شامل کیے۔ بعض لوگوں نے اپنی رضامندی سے مکانات فروخت کر دیے لیکن بعض اپنے مکانات فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو ہر ممکن طریقے سے راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے موقِف پر قائم رہے۔ آخر حضرت عثمانؓ کے حکم سے وہ تمام مکانات گرا دیے گئے اور ان کی قیمت آپ نے بیت المال میں جمع کرا دی۔

اس پر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شور مچایا تو آپ نے انہیں گرفتار کر کے جیل بھیجنے کا حکم دیا۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ کس بات کی وجہ سے تم میں میرے خلاف یہ جرأت ہوئی ہے؟ اس جرأت کا سبب صرف میرا حلم ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا تھا مگر ان کے خلاف تو تم لوگوں نے کوئی ہنگامہ نہ کیا تھا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن خالد بن اُسَید نے حضرت عثمانؓ سے ان ہنگامہ کرنے والوں کے بارے میں بات کی تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔[731]

پہلا اسلامی بحری بیڑا بھی 28ر ہجری میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بنایا گیا۔ امیر معاویہ بن ابوسفیان وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بحری جنگ کی۔ امیر معاویہ نے

حضرت عمرؓ سے بھی بحری جنگ کی اجازت مانگی تھی لیکن آپؓ نے اجازت نہیں دی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو امیر معاویہ نے آپ سے بھی بار بار تذکرہ کیا اور اجازت مانگی۔ آخر کار حضرت عثمانؓ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ تم خود لوگوں کا انتخاب نہ کرو اور نہ ہی ان کے درمیان قرعہ اندازی کرو بلکہ انہیں اختیار دو۔ پھر جو اپنی خوشی سے اس جنگ میں شامل ہونا چاہے اسے ساتھ لے جاؤ اور اس کی مدد کرو۔

چنانچہ امیر معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن قَیس جَاسِی کو امیر البحر مقرر کیا جس نے سمندر میں موسم گرما اور موسم سرما میں پچاس جنگیں کیں اور ان سب جنگوں میں مسلمانوں کا نہ تو کوئی سپاہی ڈوبا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی نقصان ہوا۔[732]

روایت میں یہ آتا ہے کہ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق میں سب سے زیادہ مشابہت حضرت عثمانؓ کی تھی۔** حضرت عبدالرحمٰن بن عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے جبکہ وہ حضرت عثمانؓ کا سر دھو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: اے میری بیٹی! ابوعبداللہ یعنی عثمان سے بہترین سلوک سے پیش آیا کرو کیونکہ وہ میرے صحابہ میں سے اخلاق کے لحاظ سے سب سے زیادہ میرے مشابہ ہے۔[733]

حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطِبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بات کو مکمل اور خوبصورت رنگ میں بیان کرنے میں حضرت عثمانؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا تاہم آپؓ زیادہ بات چیت سے گریز کرتے تھے۔[734]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت رُقیہؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ غالباً یہاں حضرت رُقیہؓ کی جگہ حضرت ام کلثومؓ مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رُقیہؓ کی وفات ہو گئی تھی اور حضرت ابوہریرہؓ اس کے پانچ سال کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور مدینہ آئے تھے تو حضرت ام کلثومؓ مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کی وفات 9ر ہجری میں ہوئی تھی۔

بہرحال یہ روایت ہے کہ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو حضرت عثمانؓ کی بیوی تھیں اور ان کے ہاتھ میں کنگھی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے تشریف لے گئے ہیں اور میں نے آپؐ کے سر میں کنگھی کی ہے تو آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تم ابوعبداللہ حضرت عثمانؓ کو کیسا پاتی ہو؟ مَیں نے عرض کیا بہت عمدہ۔

آپؐ نے فرمایا: پس تُو بھی ان سے عزت سے پیش آیا کر کیونکہ وہ میرے صحابہ میں سے اخلاق کے لحاظ سے مجھ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔[735]

حضرت عثمانؓ میں عفت اور حیا بہت زیادہ تھی۔ اس بارے میں ایک روایت ہے۔ حضرت انس بن

مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔ اللہ کے دین میں ان سب سے زیادہ مضبوط عمرؓ ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ حقیقی حیا والے عثمانؓ ہیں۔ ان میں سے سب سے عمدہ فیصلہ کرنے والے علی بن ابی طالبؓ ہیں۔

ان میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کو جاننے والے اُبَی بن کعبؓ ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والے مُعاذ بن جبلؓ ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید بن ثابتؓ ہیں۔ سنو ہر اُمّت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعُبیدہ بن جرّاحؓ ہیں۔[736]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکرؓ ہیں اور اللہ کے احکام کی تعمیل و تنفیذ میں ان میں سب سے زیادہ مضبوط عمرؓ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حیا کرنے والے عثمانؓ ہیں۔[737]

حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں کہ نہ میں نے کبھی لاپروائی کی اور نہ میں نے کبھی تمنا کی۔[738] یعنی خلافت کی یا کسی بھی عہدے کی یا جھوٹی تمنا نہیں کی۔

<u>**حضرت عائشہؓ آپؓ کی حیا کے بارے میں روایت کرتی ہیں**</u> کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں اپنی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے ہوئے لیٹے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت مانگی تو آپؐ نے اسی حالت میں انہیں اجازت دی۔ پھر آپؐ باتیں کرنے لگے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی تو آپؐ نے اسی حالت میں انہیں بھی اجازت دے دی۔ پھر بھی آپؐ باتیں کرتے رہے۔ پھر جب حضرت عثمانؓ نے اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو ٹھیک کیا۔

محمد جو راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب ایک دن میں ہوا۔ مختلف وقتوں کی باتیں ہو سکتی ہیں۔ وہ آئے باتیں کیں اور جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ آئے لیکن ان کے لیے آپؐ نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔ پھر عمرؓ آئے تو ان کے لیے بھی آپؐ نے کوئی خاص خیال نہ کیا۔ لیکن جب عثمانؓ اندر آئے تو آپؐ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کیا مَیں اس شخص کا لحاظ نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں! ایک دوسری جگہ اس روایت کو بیان کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ صرف حضرت عثمانؓ کے لیے آپؐ نے یہ ایسا خاص اہتمام کیوں کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں! اس ذات کی قَسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! یقیناً فرشتے عثمانؓ سے اسی طرح حیا کرتے ہیں جیسے وہ فرشتے اللہ اور اس کے رسولؐ سے حیا کرتے ہیں۔ اگر عثمانؓ اندر آتے اور تُو میرے قریب ہی ہوتی تو ان میں اتنی حیا ہے کہ وہ واپس جانے تک نہ ہی اپنا سر اوپر اٹھاتے یعنی نظر اوپر بھی نہ اٹھاتے اور نہ ہی کوئی بات کرتے۔[739]

حضرت عثمانؓ کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ آپؓ نے اللہ

تعالیٰ کی صفت کریم کے بیان میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کریم سے شرم کی جاتی ہے۔ کریم جو صفت ہے جس میں ہو اُس سے شرم کی جاتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپؐ کی ٹانگوں کا کچھ حصہ ننگا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ آئے اور بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور بیٹھ گئے مگر آپؐ نے کوئی پروانہ کی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت عثمانؓ نے دستک دے دی۔ آپؐ فوراً اٹھ بیٹھے اور اپنی ٹانگوں کو کپڑے سے ڈھانک لیا اور فرمایا عثمانؓ بہت شرمیلا ہے۔ اس کے سامنے ٹانگ کا کچھ حصہ ننگا رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں (پہلے بیان بھی ہوئے ہیں) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا ہوا تھا۔ اسی حالت میں ابو بکرؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپؐ اسی طرح لیٹے رہے اور آپؐ نے اجازت دے دی، ان سے گفتگو فرماتے رہے۔ پھر عمرؓ آئے۔ انہوں نے اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور اسی طرح لیٹے رہے۔ (لیٹے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے) پھر تھوڑی دیر بعد عثمانؓ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور کپڑے کو درست کر لیا اور ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب سب چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ! ابو بکرؓ آئے اور عمرؓ آئے تو آپؐ نے ان کی آمد پر خاص پروانہ کی اور اسی طرح لیٹے رہے جیسے لیٹے تھے لیکن عثمانؓ کی آمد پر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور کپڑے ٹھیک کر لیے۔ آپؐ نے جواب دیا اے عائشہؓ! کیا میں اس سے شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔ تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ کی شرم کا لحاظ کیا کہ وہ لوگوں سے شرماتے تھے۔ آپؐ ان سے شرمائے یعنی حضرت عثمانؓ لوگوں سے شرماتے تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شرمائے۔ اس واقعہ کو بیان کر کے آپؓ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کریم ہونے سے لوگوں کو گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حیا کرنی چاہیے اس کی بات ماننی چاہیے۔ نہ یہ کہ گناہوں پر جرأت پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے کرم کر دے گا۔ ہمارے گناہوں کے باوجود ہم پر کرم کر دے گا۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ اس بات کو سامنے رکھنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت کریم ہے تو پھر بندے کو بھی حیا کرنی چاہیے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ [740]

تواضع اور سادگی کے بارے میں آتا ہے۔ عبد اللہ رومی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ رات کے وضو کا خود انتظام کرتے تھے۔ آپؓ سے عرض کی گئی کہ اگر آپؓ کسی خادم کو حکم دیں تو وہ آپؓ کے لیے انتظام کر دیا کرے۔ اس پر آپؓ نے فرمایا: نہیں، رات تو ان لوگوں کی ہے جس میں یہ آرام کرتے ہیں۔ [741]

یعنی کہ کام کرنے والے خدمت گزاروں کو رات کو آرام کرنے کے لیے وقت دینا چاہیے۔

علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا جبکہ

آپؓ منبر پر تھے کہ اے عثمانؓ! آپؓ نے اس امّت کو ایک بہت ہی مشکل معاملے میں ڈال دیا۔ آپؓ نے خطاب فرمایا۔ کچھ باتیں کیں، کچھ تنبیہ کی امّت کو۔ پس آپؓ توبہ کریں اور وہ بھی آپؓ کے ساتھ توبہ کریں۔ اللہ کا بڑا خوف دلایا تھا تو اس پر ایک صحابی نے یہ عرض کر دی۔

راوی کہتے ہیں اس پر آپؓ نے اسی وقت اپنا چہرہ قبلہ رخ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ کہ اے اللہ! یقیناً میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف جھکتا ہوں۔ اور اس موقع پر موجود لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے خوف اور خشیت اور آپؓ کی عاجزی کا مقام ہے کہ فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ کسی بحث میں نہیں پڑے۔ اپنے لیے دعا کی، امّت کے لیے دعا کی۔[742]

سخاوت اور فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں روایات ملتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس چیزیں اپنے رب کے حضور چھپا کے رکھی ہوئی ہیں۔ میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے چوتھا شخص ہوں۔ نہ میں نے کبھی لہو و لعب والے گانے سنے اور نہ کبھی جھوٹی بات کی ہے اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی ہے تب سے میں نے اپنی شرمگاہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہیں چھوا اور اسلام قبول کرنے کے بعد مجھ پر کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں مَیں نے کوئی گردن آزاد نہ کی ہو ماسوائے اس جمعہ کے کہ جس میں میرے پاس آزاد کرنے کے لیے کوئی غلام نہ ہو۔ اس صورت میں مَیں جمعہ کے علاوہ کسی اَور دن میں غلام آزاد کر دیتا تھا اور میں نے نہ زمانہ جاہلیت میں زنا کیا اور نہ ہی اسلام میں۔[743]

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے گھر کے محاصرہ کے دوران بیس غلام آزاد کیے۔[744]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنگ میں تھے کہ لوگوں کو بھوک کی تکلیف آ پہنچی یہاں تک کہ میں نے مسلمانوں کے چہروں پر پریشانی اور منافقین کے چہروں پر خوشی کے آثار دیکھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم! سورج غروب نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے رزق کے سامان فرما دے گا۔ حضرت عثمانؓ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپؓ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بالکل سچ فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپؓ نے چودہ اونٹ غلّہ سمیت خریدے اور ان میں سے نو نبی ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے یہ آپؐ کی طرف ہدیۃً ارسال کیے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر خوشی اور مسرت پھیل گئی اور منافقوں کے چہروں پر بے چینی اور پریشانی چھا گئی۔ تب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغل کی سفیدی نظر آنے لگی اور آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے لیے دعا کی۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی اَور کے

حق میں ایسی دعا کرتے ہوئے نہ پہلے کبھی سنا اور نہ بعد میں، اور وہ دعا یہ تھی اَللّٰهُمَّ أَعْطِ عُثْمَانَ، اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِعُثْمَانَ۔ اے اللہ! عثمان کو بہت عطا فرما۔ اے اللہ! عثمان پر اپنا فضل و کرم نازل فرما۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میرے پاس تشریف لائے تو آپؐ نے گوشت دیکھ کر فرمایا یہ کس نے بھیجا ہے؟ مَیں نے عرض کیا حضرت عثمانؓ نے۔ آپؓ کہتی ہیں کہ اس پر مَیں نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر عثمان کے لیے دعا کرتے دیکھا۔[745]

محمد بن ہلال اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی دادی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں جبکہ آپؓ گھر میں محصور کر دیے گئے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ان کی دادی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ہلال رکھا گیا۔ جب ایک روز حضرت عثمانؓ نے انہیں موجود نہ پایا تو پوچھنے پر آپؓ کو معلوم ہوا کہ آج رات ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔

میری دادی کہتی ہیں کہ اس پر حضرت عثمانؓ نے میری طرف پچاس درہم اور ایک بڑی چادر میں سے ٹکڑا بھجوایا اور فرمایا تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور یہ اس کے پہننے کے لیے کپڑا ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو ہم اس کا وظیفہ بڑھا کر سو درہم کر دیں گے۔[746]

ابن سعید بن یَرْبُوع بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار دوپہر کے وقت گھر سے نکلا جبکہ میں بچہ تھا۔ میرے پاس ایک پرندہ تھا جسے میں مسجد میں اڑا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک خوبصورت چہرے والے بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کے سر کے نیچے اینٹ یا اینٹ کا کوئی ٹکڑا تھا۔ تکیہ کی جگہ اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ میں کھڑا ہو کر ان کی خوبصورتی کو تعجب سے دیکھنے لگا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر مجھ سے پوچھا۔ اے بچے تم کون ہو؟ میں نے اپنے متعلق بتایا تو انہوں نے قریب ہی سوئے ہوئے ایک لڑکے کو آواز دی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر انہوں نے مجھے کہا کہ اسے بلا کر لاؤ۔ چنانچہ میں اسے بلا لایا۔ اس بزرگ نے اسے کچھ لانے کا حکم دیا اور مجھے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ پھر وہ لڑکا چلا گیا اور ایک پوشاک اور ایک ہزار درہم لے کر آیا۔ انہوں نے میرا لباس اتروایا اور اس کی جگہ مجھے وہ پوشاک پہنا دی اور وہ ایک ہزار درہم اس پوشاک میں ڈال دیے۔

جب میں اپنے والد کے پاس پہنچا تو انہیں یہ سب کچھ بتایا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اے میرے بیٹے! کیا تجھے علم ہے کہ کس نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم سوائے اس کے کہ وہ کوئی ایسا شخص تھا جو مسجد میں سو رہا تھا اور اس سے بڑھ کر حسین میں نے کبھی زندگی میں کسی کو نہیں دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔[747]

ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ حضرت عثمانؓ سے اس وقت ملے جبکہ آپ مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے کہا آپؓ کے پچاس ہزار درہم جو میرے ذمہ تھے وہ اب میسر آ گئے ہیں۔ آپ انہیں وصول کرنے کے لیے کسی شخص کو میری طرف بھیج دیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان

سے فرمایا کہ آپ کی مروت کی وجہ سے وہ ہم نے آپ کو ھبہ کر دیے ہیں۔ وہ نہیں لینے۔

اَصْمَعِی کہتے ہیں کہ ابن عامر نے قَطَنْ بن عَوف ہِلَالِی کو کِرمان کے علاقے پر گورنر بنایا۔ وہ چار ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر نکلا۔ راستے میں ایک وادی بارش کے پانی کی وجہ سے بہ پڑی جس کی وجہ سے ان کا راستہ بند ہو گیا اور قَطَنْ کو بروقت نہ پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص اس وادی کو عبور کرے گا اس کے لیے ایک ہزار درہم بطور انعام ہو گا۔ اس پر لوگ تیر کر پار کرنے لگے۔ جب بھی کوئی شخص وادی کو پار کر لیتا تو قَطَن کہتے اسے اس کا جائزہ یعنی انعام دو۔

یہاں تک کہ سارے لشکر نے وادی پار کر لی اور یوں ان سب کو چالیس لاکھ درہم دیے گئے مگر گورنر ابن عامر نے قَطَن کو یہ رقم دینے سے انکار کر دیا اور یہ بات حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تحریر کی۔ اس پر آپؓ نے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ رقم قَطَن کو دے دو کیونکہ اس نے تو اللہ کے راستے میں مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ پس اس وادی کو عبور کرنے کی وجہ سے اس دن سے انعام میں دی جانے والی رقم کا نام جوائز پڑ گیا۔ جو جائزہ کی جمع ہے۔[748]

حضرت عثمانؓ سے، ایک دفعہ جب بیمار ہوئے تھے تو خلیفہ مقرر کرنے کی درخواست بھی کی گئی۔ اس واقعہ کو ہشام نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مَرْوَان بن حَکَم نے مجھے بتایا کہ جس سال نکسیر کی بیماری پھیلی حضرت عثمان بن عفانؓ کو بھی سخت نکسیر ہوئی۔ ناک میں سے خون آنے لگا یہاں تک کہ اس بیماری نے ان کو حج سے روک دیا اور انہوں نے وصیت کر دی تو اس وقت قریش میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔

آپؓ کی ایسی حالت ہو رہی ہے کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کیا لوگوں نے یہ بات کہی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا کہ کس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟ وہ خاموش رہا۔ اتنے میں ایک اَور شخص ان کے پاس آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ حارث تھا۔ کہنے لگا کہ خلیفہ مقرر کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کیا لوگوں نے یہ کہا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا وہ کون ہے جو خلیفہ ہو گا؟ وہ خاموش رہا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا شاید وہ کہتے ہیں زبیر کو۔ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جہاں تک مجھے علم ہے وہ ان میں سے یقیناً بہتر ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سب سے زیادہ پیارا تھا۔[749]

آپ کو کتابتِ وحی کا بھی موقع ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ مزمل کے نزول کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو کتابتِ وحی کی سعادت ملی۔ ام کلثوم بن ثُمامہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ہم آپؓ سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھتے ہیں کیونکہ لوگ ان کے بارے میں ہم سے بکثرت پوچھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اس گھر میں ایک شدید گرم رات میں دیکھا جبکہ نبی ﷺ پر حضرت جبرئیل وحی نازل کر رہے

تھے۔ جب آپؐ پر نزولِ وحی ہوتا تو آپؐ پر بہت شدید بوجھ نازل ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا (المزمل:6) کہ یقیناً ہم تجھ پر ایک بھاری فرمان اتاریں گے۔ حضرت عثمانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے لکھتے جا رہے تھے اور آپؐ فرما رہے تھے کہ اے عثمانؓ! لکھ۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا قرب کسی نہایت معزز و مکرم شخص کو ہی عطا فرماتا ہے۔[750]

اشاعت قرآن

حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قرآن کریم کے تحریری صحیفے جمع ہوئے جو انہوں نے اپنے پاس رکھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس وہ صحیفے رہے۔ اس کے بعد حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہے۔ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا تو آپؓ کے پاس یہ نسخے پہنچنے کی روایت اس طرح ملتی ہے۔

حضرت حُذَیفہ بن یَمان بیان کرتے ہیں کہ وہ اہلِ عراق کے ساتھ مل کر فتح آرمینیا اور آذر بائیجان کے لیے اہل شام سے جنگ کر رہے تھے اور وہاں سے لَوٹ کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حُذَیفہؓ کو ان علاقوں کے لوگوں کی قرآن کریم کی قراءت میں اختلاف کی وجہ سے خوف لاحق ہوا۔ آپؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! اس امّت کو سنبھالیں قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی مانند اختلاف کرنے لگ جائیں۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ قرآن کریم کے تحریری صحیفے ہمیں بھیج دیں تاکہ ہم ان کے نسخے تیار کریں۔ اس کے بعد وہ صحیفے آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھجوا دیے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کی نقول تیار کریں۔ حضرت عثمانؓ نے مؤخر الذکر تینوں صحابہ کو جو قریش سے تھے کہا کہ جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی ٹکڑے کے متعلق اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں تحریر کرو کیونکہ قرآن کریم قریش کی زبان میں اترا ہے۔ چنانچہ ان اصحاب نے یہ کام کیا۔ جب نقول تیار ہو گئیں تو اصلی صحیفے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو واپس بھجوا دیے اور نئے تیار شدہ نسخے مختلف ممالک میں بھجوا کر حکم دیا کہ اس کے علاوہ جو بھی دیگر نسخے ہوں وہ جلا کر تلف کر دیے جائیں۔[751]

علامہ ابنُ التِّین کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کے واقعہ کا فرق یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کو اس خوف سے جمع کیا کہ کہیں حفاظ قرآن کے وفات پا جانے کی وجہ سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ قرآن یکجا جمع نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا آپ نے قرآن کریم کو اس کی آیات کی اس ترتیب کے مطابق جمع کیا جس ترتیب کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قرآن کریم حفظ کروایا تھا جبکہ حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن کا واقعہ یہ ہے کہ جب قراءت میں بہت زیادہ اختلاف ہونے لگا یہاں کے

لوگوں نے اپنے لہجہ اور لغات کے مطابق قرآن پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے تو آپؓ ڈرے کہ کہیں یہ معاملہ سنگین صورت نہ اختیار کر جائے۔ چنانچہ آپؓ نے ان صحائف کو جو حضرت ابو بکرؓ نے تیار کروائے تھے ایک مُصْحَف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا اور صرف قریش کی لغت کو ملحوظ رکھا اور یہ دلیل دی کہ قرآن کا نزول قریش کی لغت میں ہوا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں آسانی کی خاطر دوسری لغات کے مطابق قرآن کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی مگر جب آپؓ نے دیکھا کہ اب ایسا کرنے کی حاجت نہیں رہی تو آپؓ نے ایک ہی لغت کی قراءت پر اکتفا کا ارشاد فرمایا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اپنے والے مصحف پر جمع کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی جبکہ آپؓ سے قبل حضرت ابو بکرؓ اس کام کو کر چکے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جو کیا اس کا مقصد مصحف کی تدوین پر لوگوں کو جمع کرنا نہ تھا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ آپؓ قرآنی صحیفے ہمیں بھیج دیں ہم ان کی کاپیاں بنا کر اصل صحیفے آپؓ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ قدم صرف اس لیے اٹھایا کہ قراءت قرآن کے بارے میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے۔ کیونکہ صحابہ مختلف شہروں میں منتشر ہو چکے تھے اور اختلافِ قراءت کی صورتحال سنگین ہو چکی تھی اور اہل شام و عراق کے درمیان اختلاف نے وہ شکل اختیار کر لی تھی جس کو حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا ہے۔[752]

حضرت مصلح موعودؓ سورۃ الاعلیٰ کی آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ ہم تمہیں وہ کلام سکھائیں گے جسے قیامت تک تم نہیں بھولو گے بلکہ یہ کلام اسی طرح محفوظ رہے گا جس طرح اس وقت ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے اشد ترین معاند بھی آج کھلے بندوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم اسی شکل و صورت میں محفوظ ہے جس شکل و صورت میں رسول کریم ﷺ نے اسے پیش فرمایا تھا۔ نولڈکے (Theodor Noldeke)، سپرنگر (Springer) اور ولیم میور (William Muir) سب نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر ہم سوائے قرآن کریم کے اَور کسی کتاب کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس شکل میں بانیٔ سلسلہ نے وہ کتاب پیش کی تھی اسی شکل میں وہ دنیا کے سامنے موجود ہے۔ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے متعلق حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جس شکل میں محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو یہ کتاب دی تھی اسی شکل میں اب بھی محفوظ ہے۔ وہ لوگ چونکہ اس بات کے قائل نہیں کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ کتاب خود بنائی ہے اس لیے وہ یہ تو نہیں کہتے کہ جس شکل میں یہ کتاب نازل ہوئی تھی اسی شکل میں محفوظ ہے مگر وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس شکل میں محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ کتاب پیش کی تھی اسی شکل میں یہ کتاب اب تک دنیا میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب 'دی کران' (القرآن) میں لکھتے

ہیں:۔

”یہ تمام ثبوت دل کو پوری تسلی دلا دیتے ہیں کہ وہ قرآن جسے ہم آج پڑھتے ہیں لفظاً لفظاً وہی ہے جسے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کو پڑھ کر سنایا تھا۔“

پھر سر ولیم میور اپنی کتاب ”لائف آف محمدؐ“ میں لکھتے ہیں کہ:

”اب جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے گو یہ بالکل ممکن ہے کہ محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے زمانہ میں اسے خود بنایا ہو اور بعض دفعہ اس میں خود ہی بعض تبدیلیاں بھی کر دی ہوں مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں دیا تھا۔“ اسی طرح سے لکھتے ہیں کہ ”ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصلی ہے۔ اور محمدؐ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر محرف تصنیف ہے۔“

پھر نولڈکے جرمن مستشرق لکھتا ہے کہ:

”ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں (یعنی طرزِ تحریر کی) ہوں تو ہوں لیکن جو قرآن عثمانؓ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اس کا مضمون وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش کیا تھا۔ گو اس کی ترتیب عجیب ہے۔ یورپین علماء کی یہ کوششیں کہ وہ ثابت کریں کہ قرآن میں بعد کے زمانہ میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی بالکل ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ الغرض یورپین مصنفین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ جہاں تک قرآن کی ظاہری حفاظت کا سوال ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً یہ وہی کتاب ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔“[753]

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن بتلاتے ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ صرف عثمانؓ کے لفظ کے ساتھ قافیہ ملایا ہے۔ ہاں **شائع کنندہ قرآن اگر کہیں تو کسی حد تک بجا ہے۔** آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا تھا اس لئے آپ نے چند نسخہ نقل کرا کر مکہ، مدینہ، شام، بصرہ، کوفہ اور بلاد میں بھجوا دیئے تھے اور جمع تو اللہ تعالیٰ کی پسند کی ہوئی ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا تھا اور اسی پسندیدہ ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچایا گیا ہے۔ ہاں اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہم سب کے ذمہ ہے۔“[754]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہ جب بجائے اس کے کہ مکہ والے مکہ میں رہتے، مدینہ والے مدینہ میں رہتے، نجد والے نجد میں رہتے، طائف والے طائف میں رہتے، یمن والے یمن میں رہتے اور وہ ایک دوسرے کی زبان اور محاورات سے ناواقف ہوتے۔ مدینہ دارالحکومت بن گیا تو تمام قومیں ایک ہو گئیں کیونکہ اس وقت مدینہ والے حاکم تھے جن میں ایک بڑا طبقہ مہاجرین مکہ کا تھا اور خود اہل مدینہ بھی اہل مکہ کی صحبت میں حجازی عربی سیکھ چکے تھے۔ پس چونکہ قانون کا نفاذ ان کی طرف سے ہوتا تھا۔ مال ان کے قبضہ میں تھا“ یعنی حکومت جن کے پاس تھی۔

"اور دنیا کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس وقت طائف کے بھی اور نجد کے بھی اور مکہ کے بھی اور یمن کے بھی اور دوسرے علاقوں کے بھی اکثر لوگ مدینہ میں آتے جاتے تھے اور مدینہ کے مہاجر و انصار سے ملتے اور دین سیکھتے تھے اور اسی طرح سب ملک کی علمی زبان ایک ہوتی جاتی تھی۔ پھر کچھ ان لوگوں میں سے مدینہ میں ہی آکر بس گئے تھے۔ ان کی زبان تو گویا بالکل ہی حجازی ہوگئی تھی۔ یہ لوگ جب اپنے وطنوں کو جاتے ہوں گے تو چونکہ یہ علماء اور استاد ہوتے تھے یقیناً ان کے علاقہ پر ان کے جانے کی وجہ سے بھی ضرور اثر پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں جنگوں کی وجہ سے عرب کے مختلف قبائل کو اکٹھا رہنے کا موقعہ ملتا تھا اور افسر چونکہ اکابر صحابہؓ ہوتے تھے ان کی صحبت اور ان کی نقل کی طبعی خواہش بھی زبان میں یک رنگی پیدا کرتی تھی۔ پس گو ابتدا میں تو لوگوں کو قرآن کریم کی زبان سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ہوں گی مگر مدینہ کے دارالحکومت بننے کے بعد جب تمام عرب کا مرکز مدینہ منورہ بن گیا اور قبائل اور اقوام نے بار بار وہاں آنا شروع کر دیا تو پھر اس اختلاف کا کوئی امکان نہ رہا۔ کیونکہ اس وقت تمام علمی مذاق کے لوگ قرآنی زبان سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ آئندہ صرف حجازی قراءت پڑھی جائے۔ اور کوئی قراءت پڑھنے کی اجازت نہیں۔ آپؓ کے اس حکم کا مطلب یہی تھا کہ اب لوگ حجازی زبان کو عام طور پر جاننے لگ گئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں حجازی عربی کے الفاظ کا بدل استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔

حضرت عثمانؓ کے اس حکم کی وجہ سے ہی شیعہ لوگ جو سنیوں کے مخالف ہیں کہا کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن بیاضِ عثمانی ہے حالانکہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک عربوں کے میل جول پر ایک لمبا عرصہ گذر چکا تھا اور وہ آپس کے میل جول کی وجہ سے ایک دوسرے کی زبانوں کے فرق سے پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے۔ اس وقت اس بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ قراءتوں میں بھی لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی جاتی۔ یہ اجازت محض وقتی طور پر تھی اور اس ضرورت کے ماتحت تھی کہ ابتدائی زمانہ تھا، قومیں متفرق تھیں اور زبان کے معمولی معمولی فرق کی وجہ سے الفاظ کے معانی بھی تبدیل ہو جاتے تھے۔ اس نقص کی وجہ سے عارضی طور پر بعض الفاظ کو جو ان قبائل میں رائج تھے اصل وحی کے بدل کے طور پر خدا تعالیٰ کی وحی کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ قرآن کریم کے احکام کے سمجھنے اور اس کی تعلیم سے روشناس ہونے میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہو اور ہر زبان والا اپنی زبان کے محاورات میں اس کے احکام کو سمجھ سکے اور اپنے لہجہ کے مطابق پڑھ سکے۔ جب بیس سال کا عرصہ اس اجازت پر گزر گیا۔ زمانہ ایک نئی شکل اختیار کر گیا۔ قومیں ایک نیا رنگ اختیار کر گئیں۔ وہ عرب جو متفرق قبائل پر مشتمل تھا ایک زبردست قوم بلکہ ایک زبردست حکومت بن گیا۔ آئین ملک کا نفاذ اور نظام تعلیم کا اجرا ان کے ہاتھ میں آگیا۔ مناصب کی تقسیم ان کے اختیار میں آگئی۔ حدود اور قصاص کے احکام کا اجرا انہوں نے شروع کر دیا تو اس کے بعد اصلی

قرآنی زبان کے سمجھنے میں لوگوں کو کوئی دِقّت نہ رہی اور جب یہ حالت پیدا ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس عارضی اجازت کو جو محض وقتی حالات کے ماتحت دی گئی تھی منسوخ کر دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کا منشا تھا مگر شیعہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا قصور اگر قرار دیتے ہیں تو یہی کہ انہوں نے مختلف قراءتوں کو مٹا کر ایک قراءت جاری کر دی۔ حالانکہ اگر وہ غور کرتے تو آسانی سے سمجھ سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مختلف قراتوں میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت اسلام کے دوسرے دَور میں دی ہے، ابتدائی دور میں نہیں دی۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کا نزول گو حجازی زبان میں ہوا ہے مگر قراءتوں میں فرق دوسرے قبائل کے اسلام لانے پر ہوا۔ چونکہ بعض دفعہ ایک قبیلہ اپنی زبان کے لحاظ سے دوسرے قبیلہ سے کچھ فرق رکھتا تھا اور یا تو وہ تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا تھا یا ان الفاظ کا معنوں کے لحاظ سے فرق ہو جاتا تھا۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے منشا کے ماتحت بعض اختلافی الفاظ کے لہجہ کے بدلنے یا اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنے کی اجازت دے دی۔ مگر اس کا آیات کے معانی یا ان کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو فرق پڑتا۔ چنانچہ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک سورت عبد اللہ بن مسعود کو اور طرح پڑھائی اور حضرت عمرؓ کو اَور طرح پڑھائی کیونکہ حضرت عمرؓ خالص شہری تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گڈریا تھے اور اس وجہ سے بدوی لوگوں سے ان کا تعلق زیادہ تھا۔ پس دونوں زبانوں میں بہت بڑا فرق تھا۔ ایک دن عبد اللہ بن مسعودؓ قرآن کریم کی وہی سورت پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو کسی قدر فرق سے اس سورہ کی تلاوت کرتے سنا۔ انہیں بڑا تعجب آیا کہ یہ کیا بات ہے کہ الفاظ کچھ اَور ہیں اور یہ کچھ اَور طرح پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے گلے میں پٹکا ڈالا اور کہا چلو رسول کریم ﷺ کے پاس میں ابھی تمہارا معاملہ پیش کرتا ہوں۔ تم سورت کے بعض الفاظ اَور طرح پڑھ رہے ہو اور اصل سورت اَور طرح ہے۔ غرض وہ انہیں رسول کریم ﷺ کے پاس لائے اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! آپؐ نے یہ سورت مجھے اَور طرح پڑھائی تھی اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور طرح پڑھ رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تم یہ سورت کس طرح پڑھ رہے تھے؟ وہ ڈرے اور کانپنے لگ گئے کہ کہیں مجھ سے غلطی نہ ہو گئی ہو مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ڈرو نہیں، پڑھو۔ انہوں نے پڑھ کر سنائی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بالکل ٹھیک ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یارسول اللہؐ! آپؐ نے تو مجھے اَور طرح پڑھائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: قرآن کریم سات قراءتوں میں نازل کیا گیا ہے تم ان معمولی معمولی باتوں پر آپس میں لڑا نہ کرو۔ اس فرق کی وجہ دراصل یہی تھی کہ رسول کریم ﷺ نے سمجھا عبد اللہ بن مسعودؓ گڈریا ہیں اور ان کا اَور لہجہ ہے اس لئے ان کے لہجہ کے مطابق جو قراءت تھی وہ انہیں پڑھائی۔ حضرت عمرؓ کے متعلق آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ خالص شہری ہیں اس لئے انہیں اصل مکی

زبان کی نازل شدہ قراءت بتائی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ان کی اپنی زبان میں سورت پڑھنے کی اجازت دے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خالص شہری زبان میں وہ سورت پڑھا دی۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فرق ہیں جو مختلف قراءتوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے مگر ان کا نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ہر شخص سمجھتا تھا کہ یہ تمدن اور تعلیم اور زبان کے فرق کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔"

پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ "......تمدن اور حکومت کے ذریعہ سے قبائلی حالت کی جگہ ایک قومیت اور ایک زبان نے لے لی اور سب لوگ حجازی زبان سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے سمجھا اور صحیح سمجھا کہ اب ان قراءتوں کو قائم رکھنا اختلاف کو قائم رکھنے کا موجب ہو گا۔ اس لئے ان قراءتوں کا عام استعمال اب بند کرنا چاہئے، باقی کتب قراءت میں تو وہ محفوظ رہیں گی۔ پس انہوں نے اس نیک خیال کے ماتحت عام استعمال میں حجازی اور اصل قراءت کے سوا باقی قراءتوں سے منع فرما دیا اور عربوں اور عجمیوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کرنے کے لئے تلاوت کے لئے ایسے نسخوں کی اجازت دی جو حجازی اور ابتدائی قراءت کے مطابق تھے۔"[755]

صحابہؓ میں حضرت عثمانؓ کا مقام

حضرت عثمانؓ کا کیا مقام تھا، صحابہؓ ان کو کس طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی دیکھتے تھے۔ اس بارے میں روایت ہے۔ نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ہم لوگوں میں سے ایک کو دوسرے سے بہتر قرار دیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکر سب سے بہتر ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم۔ بخاری کی روایت ہے۔[756]

اور ایک دوسری روایت بخاری میں اس طرح ہے۔ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں تھے۔ کسی کو بھی حضرت ابو بکرؓ کے برابر نہیں سمجھا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ کے برابر۔ پھر حضرت عثمانؓ کے برابر۔ پھر نبی ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے۔ ان میں سے کسی کو ایک دوسرے سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔[757]

پھر حضرت عثمانؓ کے آنحضرت ﷺ کے بعد بہترین لوگوں میں شمار ہونے کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں اس میں محمد بن حَنَفِیَّہ کی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ انہوں نے کہا ابو بکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد کون؟ انہوں نے کہا پھر عمرؓ۔ پھر میں نے ڈرتے ہوئے پوچھا کہ پھر کون؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ۔ پھر میں نے کہا اے میرے باپ! ان کے بعد کیا آپؓ؟ تو آپؓ نے جواب دیا

کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔ [758]

آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمانؓ سے جو تعلق تھا اور آپؐ کی نظر میں ان کا جو مقام تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والے ایک شخص کا جنازہ آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھا۔ اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تا کہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں لیکن آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائی۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہؐ! اس سے پہلے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے کسی کی نماز جنازہ چھوڑی ہو۔ اس پر آپؐ نے فرمایا یہ شخص عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ بھی اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ [759]

پھر حضرت عثمانؓ کے انصاف کے بارے میں روایت آتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے بھائی کا بھی قصور ثابت ہونے پر ان کو سزا دینے کا کہا۔ عبید اللہ بن عدی نے بیان کیا حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمَہؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن اسود بن عَبْدِ یَغُوث دونوں نے مجھے کہا کہ تمہیں کیا بات روکتی ہے کہ حضرت عثمانؓ سے ان کے بھائی ولید سے متعلق گفتگو کرو کیونکہ لوگوں نے ان کے متعلق بعض غلط باتوں کی وجہ سے بہت چہ میگوئیاں کی ہیں تو میں حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ وہ نماز کے لیے باہر آئے۔ میں نے کہا آپؓ سے مجھے ایک کام ہے اور وہ آپؓ کی خیر خواہی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا بھلے آدمی تم سے.... مَعْمَر نے کہا۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے کہا ہے ان کا پیغام لے کے آیا ہے تو۔ پھر کہا میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ سن کر وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کے پاس گیا تھا وہاں سے چل دیا اور ان لوگوں کے پاس واپس آیا اتنے میں حضرت عثمانؓ کا پیغامبر آیا اور میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تمہاری خیر خواہی کیا ہے؟ کہتا تھا ناں آپ کی خیر خواہی چاہتا تھا۔ تو میں نے کہا اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپؐ پر کتاب نازل کی اور آپؓ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت قبول کی اور آپؓ نے دو ہجرتیں کیں اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور آپؓ نے حضور کی روش دیکھی اور پھر میں نے کہا کہ ولید جو حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے اس کے متعلق لوگ بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے پوچھا اور کہا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا؟ میں نے کہا نہیں لیکن آپؐ کے علم سے وہ باتیں مجھے پہنچی ہیں۔ زمانہ تو نہیں پایا لیکن وہ باتیں مجھ تک پہنچی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے کی تھیں اور جو ایک کنواری عورت کو بھی اس کے پردے میں پہنچتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ امابعد۔ اللہ نے یقیناً محمد ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت قبول کی اور میں ان تمام باتوں پر ایمان لایا جن کے ساتھ آپ ﷺ مبعوث کیے گئے اور میں نے دو ہجرتیں بھی کیں جیسا کہ تم نے کہا اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا اور آپؐ کی بیعت کی اور اللہ کی قسم! میں نے آپؐ کی نافرمانی نہیں کی اور نہ آپؐ سے کوئی دغا

کیا یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو وفات دی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ بھی میرے لیے ویسے ہی مطاع رہے۔ حضرت عمرؓ بھی ویسے ہی مطاع رہے، ان کی بھی میں نے اطاعت کی۔ پھر مجھے خلیفہ بنایا گیا تو کیا میرا بھی وہی حق نہیں جو ان کا ہے، جو پہلے دو خلفاء کا ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا پھر کیا باتیں ہیں جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچتی رہتی ہیں اور یہ جو ولید کے معاملے سے متعلق تم نے ذکر کیا ہے تو ہم ان شاء اللہ اس کو واجبی سزا دیں گے یعنی جو سزا اس جرم کے لیے ہے جو جرم اس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس نے کیا تو اس کی سزا دیں گے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اس کو دُرّے لگائیں تو انہوں نے اس کو اسّی دُرّے لگائے۔[760]

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بخاری کی روایت ہے کہ ”ولید بن عقبہ کے خلاف تعزیر عائد کرنے کا جو ذکر ہے اس کا تعلق شراب پینے کے الزام سے ہے۔ شہادت سے ثابت ہونے پر کہ وہ زمانہ جاہلیت والی شراب ہی تھی نہ کہ منقہ یا کھجور کا شربت۔ حضرت عثمانؓ نے قرابت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ قرابت کی وجہ سے اسے دوگنا سزا دی۔ بجائے چالیس کے اسّی کوڑے لگوائے اور یہ تعداد حضرت عمرؓ کے تعامل سے ثابت تھی۔“[761]

پھر ایک روایت میں آتا ہے عطاء بن یزید نے انہیں خبر دی کہ حُمران نے جو کہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک برتن منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ تین بار پانی ڈال کر دھوئے۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور کلی کی اور ناک صاف کیا۔ پھر اپنا منہ اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک تین تین بار دھوئے۔

پھر کہا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر اس طرح دو رکعتیں پڑھیں کہ ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کیں تو جو گناہ بھی اس سے پہلے ہو چکے ہیں ان سب سے اس کی مغفرت کی جائے گی۔[762]

جمعہ کے دن دوسری اذان کا جو اضافہ ہوا ہے یہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا یعنی پہلی اذان جو ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے۔ زہری نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ جمعہ کے دن پہلی اذان نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا اور لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے زَوْرَاء میں تیسری اذان بڑھادی۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ زَوْرَاء مدینہ کے بازار میں ایک مقام ہے۔[763]

فقہ احمدیہ میں بھی اس کے متعلق حدیث کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن منبر کے پاس (جو یقیناً مسجد کے اندر رکھا ہوا تھا) ایک ہی اذان دی جاتی تھی۔ بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دوسری اذان کا رواج پڑا جو

مسجد کے دروازہ پر پڑے ہوئے ایک بڑے پتھر پر کھڑے ہو کر دی جاتی تھی جس کا نام زَوْرَاء تھا۔"[764]

صحیح بخاری کی شرح 'نعمۃ الباری' میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:۔

"ابن شہاب زہری نے سائب سے روایت کی ہے کہ اس باب کی حدیث میں اس کو تیسری اذان جو کہا ہے وہ اقامت کے اعتبار سے ہے۔"[765]

پہلے دو اذانیں تھیں۔ تیسری اذان دلوائی جاتی تھی۔ پہلی روایت جو میں نے پڑھی تھی اس میں لکھا تھا ناں کہ لوگ بہت ہو گئے تو انہوں نے زَوْرَاء میں تیسری اذان بڑھا دی۔ تیسری اذان سے مراد یہ ہے کہ پہلی اذان، دوسری اذان یہ اور تکبیر جو ہے اس کو بھی اذان کے نام سے کہا گیا ہے اس طرح تین دفعہ نماز کے لیے بلایا جاتا ہے۔

عید کے روز جمعہ کی نماز سے رخصت کے بارے میں بھی روایت ملتی ہے۔ ابن اَزْھَر کا آزاد کردہ غلام ابو عُبید بیان کرتا ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کی اقتدا میں ایک عید الاضحیٰ کے دن نماز عید ادا کی۔ آپؓ نے خطبہ سے قبل نماز پڑھائی۔ پھر آپؓ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا اے لوگو! یقیناً رسول اللہ ﷺ نے تمہیں ان دو عیدوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک تو روزوں کے افطار ہونے کی خوشی میں عید کا دن ہے اور دوسرا وہ دن ہے جب تم اپنی قربانیوں میں سے کھاتے ہو۔ ابو عبید کہتا ہے کہ پھر اس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانے میں آپؓ کے پیچھے ایک عید پڑھی۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپؓ نے خطبہ سے قبل نماز پڑھائی۔ پھر آپؓ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا اے لوگو! یہ وہ دن ہے جس میں تمہارے لیے دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ پس مدینہ کے اطراف میں رہنے والوں میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو وہ انتظار کر سکتا ہے اور جو واپس جانا پسند کرتا ہے تو اس کو میری طرف سے واپس جانے کی اجازت ہے۔[766]

فقہ احمدیہ میں ایک چیز جو لکھی گئی ہے اس پہ مجھے تو ابھی تک کوئی واضح ثبوت نہیں ملے۔ وہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر جمعہ اور عید ایک روز جمع ہو جائیں تو عید کی نماز کے بعد نہ جمعہ پڑھا جائے اور نہ ظہر بلکہ عصر کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جائے۔

"چنانچہ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ایک بار جمعہ اور عید الفطر دونوں ایک دن میں اکٹھے ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں ان کو اکٹھا کر کے پڑھا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے دونوں کے لئے دو رکعتیں دوپہر سے پہلے پڑھیں۔ اس کے بعد عصر تک کوئی نماز نہ پڑھی۔ یعنی اس دن صرف نماز عصر ادا کی۔"[767]

اس بارے میں ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی یہی فرمایا تھا۔ اور تحقیق کی تھی۔[768]

پہلے میرا خیال تھا کہ ضرورت نہیں پھر کیونکہ کوئی اور ایسی روایات نہیں ملیں جو براہ راست

آنحضرت ﷺ کے تعامل سے یا عمل سے ثابت ہوتی ہوں جبکہ ظہر کی نماز بھی چھوڑی گئی ہو۔ یہی ایک روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کیا۔ تو اس بارے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ فقہ دوبارہ ریوائز (revise) ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے اس بات کو مزید غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہاں تک یہ صحیح ہے کہ ظہر کی نماز بھی نہ پڑھی جائے۔ جمعہ تو ٹھیک ہے نہیں پڑھا جائے گا لیکن یہ کہنا کہ ظہر کی نماز بھی نہ پڑھی جائے اس میں سوائے اس روایت کے آنحضرت ﷺ سے براہ راست یا خلفائے راشدین سے براہ راست کوئی ایسی روایت نہیں ملتی یا ابھی تک سامنے نہیں آئی۔ جہاں تک میں نے تحقیق کروائی ہے۔

جمعہ کے دن غسل کے بارے میں روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق اشارةً فرمایا۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اذان کے بعد بھی دیر سے آتے ہیں؟ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا اے امیر المومنین! میں تو اذان سنتے ہی وضو کر کے چلا آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا صرف وضو۔ کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو چاہیے کہ وہ غسل کرے۔[769]

اگر پانی میسر ہے، سہولتیں میسر ہیں تو غسل کرنا ضروری ہے۔ "سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہ کی نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں۔ آپ کی کل روایتوں کی تعداد 146 ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں اور آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔ اس طرح صحیحین میں آپؓ کی کل سولہ حدیثیں ہیں۔ ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات حدیث میں" یعنی حضرت عثمانؓ روایات حدیث میں "حد درجہ محتاط تھے۔ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو۔" کہتے ہیں کوئی بات میں بیان کروں تو یہ روک ہوتی ہے کہ یہ نہ ہو کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں میرا حافظہ اتنا مضبوط نہ ہو اور ان کی بات صحیح ہو۔ اس لیے میں روایات بیان کرنے میں بڑا محتاط ہوں۔ فرمایا کہ "لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف وہ منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔ اسی لیے وہ (حضرت عثمانؓ) حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے۔"

"عبدالرحمٰن بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے۔"[770]

حُمران بن اَبان کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ کُلّی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا اور بازوؤں کو تین تین مرتبہ دھویا اور سر پر اور دونوں پاؤں کے اوپر والے حصہ پر مسح فرمایا۔ پھر آپؓ ہنس پڑے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کیا تم مجھ سے ہنسنے کی وجہ نہیں پوچھو گے؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! آپؓ کیوں ہنسے تھے؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو

دیکھا کہ آپؓ نے اسی جگہ کے قریب پانی منگوایا۔ پھر آپؓ نے اسی طرح وضو کیا جیسا کہ میں نے وضو کیا ہے۔ پھر آپؓ ہنس دیے۔ پھر آپؓ نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کیا تم مجھ سے نہیں پوچھو گے کہ میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کس وجہ سے ہنسے ہیں! آپؐ نے فرمایا انسان جب وضو کا پانی منگوائے اور اپنا چہرہ دھوئے تو اللہ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے جو چہرے سے ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے بازو دھوتا ہے تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور جب وہ اپنے پاؤں پاک کرتا ہے تب بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔[771]

یہ روایت اصل میں تو پہلی وضو والی روایت کے ساتھ ہی بیان ہونی چاہیے تھی۔ بہرحال اب بیان ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کی شادیاں اور اولاد کے متعلق جو روایات ہیں اس کے مطابق حضرت عثمانؓ نے آٹھ شادیاں کیں۔ یہ سب شادیاں اسلام قبول کرنے کے بعد کیں۔ آپؓ کی ازواج اور اولاد کے نام درج ذیل ہیں۔ حضرت رقیہ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؓ کے بطن سے آپؓ کے فرزند عبداللہ بن عثمان پیدا ہوئے۔ حضرت امّ کلثومؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے آپؓ سے شادی کی۔ حضرت فاختہ بنت غزوانؓ۔ آپ حضرت عُتبہ بن غزوانؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کے بطن سے آپؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بھی عبداللہ تھا اور اس کو عبداللہ الاصغر کہا جاتا تھا۔ حضرت ام عمرو بنت جُنْدُب اَزْدِیہ۔ ان کے بطن سے عمرو، خالد، اَبان، عمر اور مریم کی ولادت ہوئی۔ حضرت فاطمہ بنت ولید مخزومیہؓ۔ ان کے بطن سے ولید، سعید اور ام سعید کی ولادت ہوئی۔ حضرت ام البنین بنت عُیَیْنَہ بن حِصْن فزاریہؓ۔ ان کے بطن سے آپؓ کے فرزند عبدالملک کی ولادت ہوئی۔ حضرت رَمْلَہ بنت شَیْبہ بن رَبِیعہؓ۔ ان کے بطن سے عائشہ، ام اَبان اور ام عمرو کی ولادت ہوئی۔ حضرت نائلہ بنت فَرَافِصَۃ بِنْ اَحْوَصیہ پہلے نصرانی تھیں لیکن رخصتی سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔ ان سے آپؓ کی بیٹی مریم پیدا ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بیٹا عنبسہ بھی پیدا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی جب شہادت ہوئی تو اس وقت ایک روایت کے مطابق آپ کی یہ چار ازواج آپ کے پاس تھیں۔ حضرت رملہؓ اور حضرت نائلہؓ اور حضرت ام البنین اور حضرت فاختہؓ جبکہ ایک اَور روایت کے مطابق محاصرہ کے ایام میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام البنین کو طلاق دے دی تھی۔[772]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سورۂ نور کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک نور معرفت کا ہوتا ہے جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ وہ نور ان گھروں میں ہوتا ہے جن گھروں میں صبح شام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ تاجر ہیں۔ ان کے گھر چھوٹے ہیں مگر کسی دن اللہ ان کے گھروں کو بڑا بنا دے گا۔ چنانچہ اس قرآن شریف کا جمع کرنے والا حضرت ابو بکر صدیقؓ ہے۔ پھر حضرت عمرؓ۔ پھر حضرت عثمانؓ اس کے شائع کرنے والے ہیں۔ پھر حضرت علیؓ جن سے سچے روحانی علوم دنیا میں پہنچے۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی خود بلاواسطہ حضرت علیؓ سے

قرآن کے بعض معارف سیکھے ہیں۔ پھر حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان رکوعوں میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ انصار میں خلافت نہ ہو گی بلکہ مہاجرین میں۔ پھر یہ بتایا کہ ان کا مقابلہ مسلمان بھی کریں گے اور کفار بھی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت اسی طرح ہوئی۔ بعض لوگ خلافت کے قائل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مثال دی کہ ایک وہ جو کلر کے بخارات کو پانی سمجھے۔ دوسرے وہ جو شریعت کے سمندر میں بھی ہو کر مقابلہ کریں گے۔ پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ انجام یہ کہ چرند پرند ان کا گوشت کھائیں گے۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت ابو بکرؓ کے لیے بہت مشکلات تھے۔ لشکر حضرت اسامہؓ کے ساتھ روانہ کر دیا گیا تھا۔ ادھر عرب میں جا بجا بغاوت پھیل گئی۔ مکہ میں لوگ آمادہ بغاوت تھے کہ وہاں ایک عقل مند انسان پہنچ گیا، اس نے مکہ والوں کو کہا کہ تم ایمان لانے میں سب سے پیچھے تھے اب مرتد ہونے میں سب سے پہلے ہو۔ اس پر وہ باز آ گئے۔

پھر آپؓ فرماتے ہیں اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (النور:49) میں جس گروہ کا ذکر ہے وہ نہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں، نہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں، نہ حضرت عثمانؓ و علیؓ کے زمانے میں غرض کبھی بھی مظفر و منصور نہیں ہوا۔ یہ گروہ کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ مگر دوسرا فریق سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (البقرہ:286) کہنے والا ہے۔ مظفر و منصور رہا۔ ہمیشہ کامیاب رہا۔ چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا ہے وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرہ:6)[773]

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک۔۔۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ:

"میں تو یہ جانتا ہوں کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان نہیں بن سکتا جب تک ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا رنگ پیدا نہ ہو۔ وہ دنیا سے محبت نہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں۔"[774]

پھر آپؑ فرماتے ہیں "یہ عقیدہ ضروری ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق عمرؓ اور حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ" یعنی حضرت عثمانؓ اور "حضرت علی مرتضیٰؓ سب واقعی طور پر دین میں امین تھے۔ ابو بکرؓ جو اسلام کے آدم ثانی ہیں اور ایسا ہی حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اگر دین میں سچے امین نہ ہوتے تو آج ہمارے لیے مشکل تھا جو قرآن شریف کی کسی ایک آیت کو بھی منجانب اللہ بتا سکتے۔"[775]

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "بخدا اللہ تعالیٰ نے شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کو اور تیسرے جو ذوالنورین ہیں ہر ایک کو اسلام کے دروازے اور خیر الانام (محمد رسول اللہؐ) کی فوج کے ہراول دستے بنایا ہے۔ پس جو شخص ان کی عظمت سے انکار کرتا ہے اور ان کی قطعی دلیل کو حقیر جانتا ہے اور ان کے ساتھ ادب سے پیش نہیں آتا بلکہ ان کی تذلیل کرتا اور ان کو برا بھلا کہنے کے درپے رہتا ہے اور زبان درازی کرتا ہے مجھے اس کے بد انجام اور سلب ایمان کا ڈر ہے اور جنہوں نے ان کو دکھ دیا، ان پر لعن کیا اور بہتان لگائے تو دل کی سختی اور خدائے رحمٰن کا غضب ان کا انجام ٹھہرا۔ میرا بارہا کا تجربہ ہے اور میں اس کا

کھلے طور پر اظہار بھی کر چکا ہوں کہ ان سادات سے بغض و کینہ رکھنا برکات ظاہر کرنے والے اللہ سے سب سے زیادہ قطع تعلقی کا باعث ہے اور جس نے بھی ان سے دشمنی کی تو ایسے شخص پر رحمت اور شفقت کی سب راہیں بند کر دی جاتی ہیں اور اس کے لئے علم و عرفان کے دروازے وانہیں کئے جاتے اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی لذات و شہوات میں چھوڑ دیتا ہے اور نفسانی خواہشات کے گڑھوں میں گرا دیتا ہے اور اسے (اپنے آستانے سے) دور رہنے والا اور محروم کر دیتا ہے۔"[776]

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "**آنحضرت ﷺ کے بعد جو کچھ اسلام کا بنا ہے وہ اصحابِ ثلاثہ سے ہی بنا ہے۔**"[777] یعنی حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اہل تشیع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہم تمہاری گالیوں کا شکوہ کیا کریں کیونکہ تم تمام صحابہ کو گالیاں دیتے ہو مگر قدرے قلیل اور نیز تم آنحضرت ﷺ کی بیویوں امہات المومنین کو لعنت سے یاد کرتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ خدا کی کتاب میں کچھ زیادہ اور کم کیا گیا ہے اور کہتے ہو کہ وہ بیاضِ عثمان ہے اور خدا کی طرف سے نہیں ہے...... تم نے اسلام کو ایسا سمجھ لیا جیسا کہ ایک بیابان جس کی زمین خشک اور زراعت سے خالی ہے یعنی خدا کے مقربوں سے خالی ہے۔" پھر فرمایا "پس کون سی عزت تمہارے ہاتھوں سے باقی رہی اے حد سے نکلنے والو!؟"[778]

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"مجھے میرے رب کی طرف سے خلافت کے بارے میں ازروئے تحقیق تعلیم دی گئی ہے اور محققین کی طرح مَیں اس حقیقت کی تہ تک پہنچ گیا اور میرے رب نے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ صدیق اور فاروق اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نیکوکار اور مومن تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے چن لیا اور جو خدائے رحمٰن کی عنایات سے خاص کئے گئے اور اکثر صاحبانِ معرفت نے ان کے محاسن کی شہادت دی۔ انہوں نے بزرگ و برتر خدا کی خوشنودی کی خاطر وطن چھوڑے۔ ہر جنگ کی بھٹی میں داخل ہوئے اور موسم گرما کی دوپہر کی تپش اور سردیوں کی رات کی ٹھنڈک کی پروانہ کی بلکہ نوخیز جوانوں کی طرح دین کی راہوں پر محوِ خرام ہوئے اور اپنوں اور غیروں کی طرف مائل نہ ہوئے اور اللہ رب العالمین کی خاطر سب کو خیر باد کہہ دیا۔ ان کے اعمال میں خوشبو اور ان کے افعال میں مہک ہے اور یہ سب کچھ ان کے مراتب کے باغات اور ان کی نیکیوں کے گلستانوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ان کی بادِ نسیم اپنے معطر جھونکوں سے ان کے اَسرار کا پتہ دیتی ہے اور ان کے انوار اپنی پوری تابانیوں سے ہم پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پس تم ان کے مقام کی چمک دمک کا ان کی خوشبو کی مہک سے پتہ لگاؤ اور جلد بازی کرتے ہوئے بدگمانیوں کی پیروی مت کرو اور بعض روایات پر تکیہ نہ کرو! کیونکہ ان میں بہت زہر اور بڑا غلو ہے اور وہ قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بہت ساری روایات تہ و بالا کرنے والی آندھی اور بارش کا دھوکا دینے والی بجلی کے مشابہ ہیں۔ پس اللہ سے ڈر اور ان (روایات) کی پیروی کرنے والوں میں سے نہ بن۔"[779]

4

حضرت علیؓ

نام ونسب اور کنیت

حضرت علی بن ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم۔ ان کے والد کا نام عبد مناف تھا جن کی کنیت ابو طالب تھی۔ آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ آپؓ بعثت نبویؐ سے دس سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کے حلیہ کے بارے میں بیان ہوتا ہے کہ آپؓ کا قد درمیانہ تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ آپؓ کا جسم فربہ تھا۔ کندھے چوڑے تھے۔[780]

حضرت علیؓ کی والدہ نے آپؓ کا نام اپنے والد کے نام پر اسد رکھا تھا اور آپؓ کی پیدائش کے وقت ابو طالب گھر پر موجود نہ تھے۔ جب ابو طالب واپس آئے تو انہوں نے آپؓ کا نام اسد کے بجائے علی رکھ دیا۔ حضرت علیؓ کے تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ ان کے بھائی طالب، عقیل، جعفر اور بہنیں اُمِّ ہانی اور جُمانہ۔ ان میں طالب اور جُمانہ کے علاوہ باقی سب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[781]

حضرت علیؓ کی کنیت ابو الحسن، ابو سِبْطین اور ابو تُراب تھی۔[782]

ابو تراب

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر آئے تو حضرت علیؓ کو گھر میں نہ پایا۔ آپؐ نے پوچھا: تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا: میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہو گئی تھی تو وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے اور قیلولہ بھی میرے پاس نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے کسی آدمی سے کہا دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، مسجد میں چلے گئے اور حضرت علیؓ وہاں لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے پہلو سے ان کی چادر ہٹی ہوئی تھی اور کچھ مٹی پہلو پر، کمر پر لگ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مٹی پونچھی اور فرمایا: اٹھو اے ابو تراب! اٹھو اے ابو تراب![783] اس وقت سے وہ ابو تراب کی کنیت سے پکارے جانے لگے۔

آنحضرت ﷺ کی کفالت میں

آنحضرت ﷺ کی کفالت میں کس طرح آئے؟ اس بارے میں بیان ہوتا ہے مجاہد بن جبر ابو الحجّاج بیان کرتے ہیں کہ قریش کو ایک بڑی مصیبت پیش آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علیؓ پر

انعام اور خیر و برکت کا باعث بنا۔ حضرت ابوطالب کثیر العیال تھے۔ وہاں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے جو بنو ہاشم میں زیادہ خوشحال تھے فرمایا کہ اے عباس! آپ کا بھائی ابو طالب کثیر العیال ہے۔ اس قحط سے لوگوں کی جو حالت ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیں تا کہ ہم ان کی عیال داری میں کچھ کمی کر دیں۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ان کے بیٹوں میں سے ایک مَیں لے لیتا ہوں اور حضرت عباسؓ کو کہا کہ ایک آپ لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا ہم ان دونوں کے لیے حضرت ابو طالب کی طرف سے کافی ہو جائیں گے۔ حضرت عباس نے کہا ٹھیک ہے۔ دونوں حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی عیال داری میں کچھ تخفیف کر دیں یہاں تک کہ لوگوں کی وہ حالت جاتی رہے جس میں وہ اس وقت مبتلا ہیں۔ حضرت ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دو اس کے علاوہ جو مرضی کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیا اور حضرت عباسؓ نے جعفر کو لیا اور اسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو بطور نبی مبعوث فرما دیا۔ پھر حضرت علیؓ نے آپؐ کی پیروی اختیار کی اور آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی اور حضرت جعفرؓ حضرت عباسؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ انہوں نے یعنی حضرت جعفرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا اور وہ یعنی حضرت عباسؓ پھر حضرت جعفرؓ سے بے نیاز ہو گئے۔[784]

یہ پہلی تو تاریخ طبری کی روایت تھی۔ اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کو یوں بیان فرمایا ہے کہ ”ابو طالب ایک بہت باعزت آدمی تھے مگر غریب تھے اور بڑی تنگی سے ان کا گزارہ چلتا تھا۔ خصوصاً ان ایام میں جب کہ مکہ میں ایک قحط کی صورت تھی۔ ان کے دن بہت ہی تکلیف میں کٹتے تھے۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے جب اپنے چچا کی اس تکلیف کو دیکھا تو اپنے دوسرے چچا عباس سے ایک دن فرمانے لگے کہ چچا! آپ کے بھائی ابو طالب کی معیشت تنگ ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ان کے بیٹوں میں سے ایک کو آپ اپنے گھر لے جائیں اور ایک کو میں لے آؤں۔ عباس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور پھر دونوں مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور ان کے سامنے یہ درخواست پیش کی۔ ان کو اپنی اولاد میں عقیل سے بہت محبت تھی۔“ ابو طالب کو عقیل سے بہت محبت تھی۔ ”کہنے لگے عقیل کو میرے پاس رہنے دو اور باقیوں کو اگر تمہاری خواہش ہے تو لے جاؤ۔ چنانچہ جعفر کو عباس اپنے گھر لے آئے اور علیؓ کو آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اپنے پاس لے آئے۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت قریباً چھ سات سال کی تھی۔ اس کے بعد علیؓ ہمیشہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس رہے۔“[785]

قبول اسلام

حضرت علیؓ کے قبول اسلام کے بارے میں ابن اسحاق سے یہ روایت ہے کہ حضرت علی بن

ابو طالب حضرت خدیجہؓ کے اسلام لانے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے ایک دن بعد آئے۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت علیؓ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دین ہے جو اس نے اپنے لیے چن لیا ہے اور رسولوں کو اس کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پس میں تمہیں اللہ اور اس کی عبادت کی طرف اور لات اور عزیٰ کے انکار کی طرف بلاتا ہوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے آپؐ سے کہا یہ ایسی بات ہے جس کے بارے میں آج سے پہلے مَیں نے کبھی نہیں سنا۔ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کر سکتا جب تک ابو طالب سے اس کا ذکر نہ کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا کہ آپؐ کے اعلان نبوت سے پہلے یہ راز کھل جائے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اے علی! اگر تم اسلام نہیں قبول کرتے تو اس بات کو پوشیدہ رکھو۔ پس حضرت علیؓ نے وہ رات گزاری پھر اللہ نے حضرت علیؓ کے دل میں اسلام کو داخل کر دیا اور اگلی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمدؐ! رات کو آپ نے میرے سامنے کیا چیز پیش فرمائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لات اور عزیٰ کا انکار کرو اور اللہ تعالیٰ کے شریکوں سے براءت کا اظہار کرو۔ حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت علیؓ ابو طالب کے خوف سے پوشیدہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے اور انہوں نے اپنا اسلام مخفی رکھا۔[786]

حالانکہ رہتے بھی وہیں تھے کیونکہ روایتوں میں تو یہی ہے۔ بہر حال اسد الغابہ کی یہ روایت ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؓ تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر تیرہ برس تھی۔ بعض دوسری روایات میں پندرہ، سولہ اور اٹھارہ سال عمر کا بھی ذکر ملتا ہے۔[787]

سیرت نگاروں نے یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ مردوں میں سے پہلے کون ایمان لایا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ یا حضرت علیؓ یا حضرت زیدؓ۔ بعض اس کا یہ حل نکالتے ہیں کہ بچوں میں سے حضرت علیؓ اور بڑوں میں سے حضرت ابو بکرؓ اور غلاموں میں سے حضرت زیدؓ۔

اس بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اپنا ایک نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ”حضرت خدیجہؓ کے بعد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض حضرت ابو بکر عبد اللہ بن ابی قحافہ کا نام لیتے ہیں۔ بعض حضرت علیؓ کا جن کی عمر اس وقت صرف دس سال کی تھی اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کا۔

مگر ہمارے نزدیک یہ جھگڑا فضول ہے۔ حضرت علیؓ اور زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے آدمی تھے اور آپؐ کے بچوں کی طرح آپؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اور ان کا ایمان لانا، بلکہ ان کی طرف سے تو شاید کسی قولی اقرار کی بھی ضرورت نہ تھی۔ پس ان کا نام بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اور ان کا ایمان لانا، سے کوئی نہیں فرق پڑتا ایک ہی

بات ہے۔ اس کے لیے کسی قولی اقرار کی ضرورت نہیں ”پس ان کا نام بیچ میں لانے کی ضرورت نہیں اور جو باقی رہے ان سب میں سے حضرت ابو بکرؓ مسلّمہ طور پر مقدم ہیں اور سابق بالایمان تھے۔“[788]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے پر ایک مددگار ملا تھا مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی شان دیکھو کہ آپ کو بن مانگے مددگار مل گیا۔“ یہاں حضرت مصلح موعودؓ حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرمانا چاہ رہے ہیں اور آپؓ کا بتا رہے ہیں کہ حضرت خدیجہ آپ کی مددگار تھیں۔ کہتے ہیں دیکھو! محمد رسول اللہ کی شان دیکھو!! کہ آپ کو بن مانگے مددگار مل گیا ”یعنی آپ کی وہ بیوی جس کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی سب سے پہلے آپ پر ایمان لے آئی۔ کیونکہ ہر شخص کا مذہب اور عقیدہ آزاد ہوتا ہے اور کوئی کسی کو جبراً منوا نہیں سکتا، اس لیے ممکن تھا کہ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے خدا تعالیٰ کی پہلی وحی کا ذکر کیا تو وہ آپ کا ساتھ نہ دیتیں اور کہہ دیتیں کہ میں ابھی سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گی لیکن نہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے بلا تامل، بلا توقف اور بلا پس و پیش آپ کے دعویٰ کی تائید کی اور رسول کریم ﷺ کا یہ فکر کہ ممکن ہے خدیجہؓ مجھ پر ایمان نہ لائے جاتا رہا اور سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہؓ ہی ہوئیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا کہہ رہا تھا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تجھے خدیجہؓ کے ساتھ پیار تھا اور محبت تھی اور تیرے دل میں یہ خیال تھا کہ کہیں خدیجہؓ تجھے چھوڑ نہ دے اور تُو اس فکر میں تھا کہ خدیجہؓ مجھ پر ایمان لاتی ہے یا نہیں۔ مگر کیا ہم نے تیری ضرورت کو پورا کیا یا نہ کیا؟“

اس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”اس کے بعد جب آپ کے گھر میں خدا تعالیٰ کی وحی کے متعلق باتیں ہوئیں تو زید بن حارث غلام جو آپ کے گھر میں رہتا تھا آگے بڑھا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ جن کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ ابھی بالکل بچہ ہی تھے اور وہ دروازہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اس گفتگو کو سن رہے تھے جو رسول کریم ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کے درمیان ہو رہی تھی۔

جب انہوں نے یہ سنا کہ خدا کا پیغام آیا ہے تو وہ علیؓ جو ایک ہونہار اور ہوشیار بچہ تھا۔ وہ علیؓ جس کے اندر نیکی تھی۔ وہ علیؓ جس کے نیکی کے جذبات جوش مارتے رہتے تھے مگر نشوونما نہ پا سکے تھے۔ وہ علیؓ جس کے احساسات بہت بلند تھے مگر ابھی تک سینے کے اندر دبے ہوئے تھے اور وہ علیؓ جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا مادہ ودیعت کیا تھا مگر ابھی تک اسے کوئی موقع نہ مل سکا تھا اس نے جب دیکھا کہ اب میرے جذبات کے ابھرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس نے جب دیکھا کہ اب میرے احساسات کے نشوونما کا موقع آ گیا ہے۔ اس نے جب دیکھا کہ اب خدا مجھے اپنی طرف بلا رہا ہے تو وہ بچہ سا علیؓ اپنے درد سے معمور سینے کے ساتھ لجاتا اور شرماتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! جس بات پر میری چچی ایمان لائی ہے اور جس بات پر زید ایمان لایا ہے اس پر میں بھی ایمان لاتا ہوں۔“[789]

حضرت ابو طالبؓ کی حمایت

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو رسول کریم ﷺ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف چلے جاتے اور حضرت علیؓ بھی آپ کے چچا ابو طالب اور دیگر چچاؤں اور تمام قوم سے چھپ کر آپ کے ساتھ ہو لیتے اور دونوں وہاں نماز ادا کرتے۔ شام کو واپس تشریف لے آتے۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ پھر ایک دن ابو طالب نے ان دونوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے میرے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جس کی پیروی کرتے ہوئے میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے میرے چچا یہ اللہ کا دین ہے اور اس کے فرشتوں کا دین ہے اور اس کے رسولوں کا دین ہے اور ہمارے باپ حضرت ابراہیم کا دین ہے۔ یا اس سے ملتا جلتا کچھ فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مجھے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور اے چچا! تُو اس بات کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ مَیں تجھے اس کی نصیحت کروں اور تجھے اس ہدایت کی طرف بلاؤں اور تُو اس بات کا زیادہ سزاوار ہے کہ مجھے قبول کرے اور میری مدد کرے یا اس طرح کی بات فرمائی۔ اس پر ابو طالب نے کہا اے میرے بھتیجے! میں اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین اور جس پر وہ تھے اس کو چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن اللہ کی قسم! مَیں جب تک زندہ ہوں تمہیں کوئی ایسی چیز نہیں پہنچے گی جسے تُو ناپسند کرتا ہو۔[790]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک اس طرف سے ابو طالب کا گذر ہوا۔ ابو طالب کو ابھی تک اسلام کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس لیے وہ کھڑا ہو کر نہایت حیرت سے یہ نظارہ دیکھتا رہا۔ جب آپؐ نماز ختم کر چکے تو اس نے پوچھا بھتیجے! یہ کیا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ چچا! یہ دینِ الٰہی اور دینِ ابراہیم ہے اور آپؐ نے ابو طالب کو مختصر طور پر اسلام کی دعوت دی لیکن ابو طالب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا مگر ساتھ ہی اپنے بیٹے حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ہاں بیٹا تم بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ تم کو سوائے نیکی کے اور کسی طرف نہیں بلائے گا۔“[791]

قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق نبی کریم ﷺ کا اپنے اقرباء کو ڈرانے کا ذکر ایک جگہ یوں ملتا ہے۔ حضرت بَراء بن عازِبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء:215) اور تُو اپنے اہل خاندان یعنی اقربا کو ڈرا۔ آپؐ نے فرمایا اے علی! ہمارے لیے ایک صاع کھانے کے ساتھ بکری کی ران تیار کرو اور ایک روایت میں صاع کے بجائے مُدّ کا لفظ ملتا ہے۔ ایک صاع چار مُدّ کا تھا یعنی کچھ کم اڑھائی سیر وزن میں یا اڑھائی کلو کہہ سکتے ہیں اور یہاں یہ بھی لکھا

ہے کہ اہل کوفہ اور عراق کا صاع آٹھ مُدّ کا ہوتا تھا یعنی چار سیر کا یا ساڑھے چار سیر کا لیکن بہر حال بہت تھوڑی مقدار۔ جتنا بھی ہو اڑھائی سیر ہو یا چار سیر ہو خاندان کے افراد کو بلانا تھا، دعوت کرنی تھی اس کے لیے کھانا تیار کرنا تھا۔ اور ہمارے لیے ایک بڑا پیالہ دودھ کا تیار کرو۔ پھر بنو عبد المطلب کو جمع کرو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں مَیں نے ایسا ہی کیا۔ وہ سب جمع ہوئے۔ کوئی چالیس افراد تھے۔ ایک زیادہ یا ایک کم تھا۔ ان میں آپؐ کے چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس اور ابولہب بھی تھے۔ میں نے ان کے سامنے کھانے کا وہ بڑا برتن پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اپنے دانتوں سے اسے کاٹا۔ پھر اس پیالے کے اطراف میں اسے برکت دینے کی خاطر بکھیر دیا اور فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ۔ لوگوں نے کھایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! مَیں نے ان سب کے لیے جو پیش کیا تھا وہ صرف ایک آدمی کھا سکتا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا لوگوں کو پلاؤ۔ چنانچہ میں دودھ کا وہ پیالہ لایا۔ انہوں نے پیا یہاں تک کہ سب کے سب سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! ان میں سے صرف ایک شخص سارا پی سکتا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ حاضرین سے بات کریں تو ابولہب نے جلدی سے بولنا شروع کر دیا اور کہا دیکھو! تمہارے ساتھی نے تم پر کیسا جادو کیا ہے! پھر وہ لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے۔ اگلے روز آپؐ نے فرمایا۔ اے علی! جو کھانا اور مشروب تم نے کل تیار کیا تھا ویسا ہی تیار کرو۔ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ پھر میں نے ان لوگوں کو جمع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا جیسا کہ کل کیا تھا یعنی کھانے کو برکت بخشی تھی۔ پھر ان لوگوں نے کھایا اور پیا یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! مَیں عرب کے کسی نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر بات لے کر آیا ہو جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کا معاملہ لے کر آیا ہوں۔ پھر فرمایا اس پر کون میری مدد کرے گا؟ حضرت علیؓ کہتے ہیں اس پر سب لوگ خاموش رہے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! باوجود اس کے کہ میں ان سب میں کم عمر ہوں میں آپ کا مددگار ہوں گا۔[792]

سیرت خاتم النبیینؐ میں اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس طرح لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو اور اس میں بنو عبد المطلب کو بلاؤ تاکہ اس ذریعہ سے ان تک پیغامِ حق پہنچایا جاوے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے دعوت کا انتظام کیا اور آپؐ نے اپنے سب قریبی رشتہ داروں کو جو اس وقت کم و بیش چالیس نفوس تھے اس دعوت میں بلایا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو آپؐ نے کچھ تقریر شروع کرنی چاہی مگر بدبخت ابولہب نے کچھ ایسی بات کہہ دی جس سے سب لوگ منتشر ہو گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ موقع تو جاتا رہا۔ اب پھر دعوت کا انتظام کرو۔ چنانچہ آپؐ کے رشتہ دار پھر جمع ہوئے اور آپؐ نے انہیں یوں مخاطب کیا کہ اے بنو عبد المطلب! دیکھو میں تمہاری طرف وہ بات لے کر آیا ہوں کہ اس

سے بڑھ کر اچھی بات کوئی شخص اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا۔ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانو تو تم دین و دنیا کی بہترین نعمتوں کے وارث بنو گے۔ اب بتاؤ اس کام میں میرا کون مددگار ہو گا؟ سب خاموش تھے اور ہر طرف مجلس میں ایک سناٹا تھا کہ یکلخت ایک طرف سے ایک تیرہ سال کا دبلا پتلا بچہ، جس کی آنکھوں سے پانی بہ رہا تھا اٹھا اور یوں گویا ہوا۔ گو میں سب میں کمزور ہوں اور سب میں چھوٹا ہوں مگر میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ یہ حضرت علیؓ کی آواز تھی۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے یہ الفاظ سنے تو اپنے رشتہ داروں کی طرف دیکھ کر فرمایا اگر تم جانو تو اس بچے کی بات سنو اور اسے مانو۔ حاضرین نے یہ نظارہ دیکھا تو بجائے عبرت حاصل کرنے کے سب کھل کھلا کر ہنس پڑے اور ابولہب اپنے بڑے بھائی ابو طالب سے کہنے لگا۔ لو اب محمد تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی پیروی اختیار کرو۔ اور پھر یہ لوگ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی کمزوری پر ہنسی اڑاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔"[793]

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعے کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کا واقعہ ہے وہ بھی گیارہ سال کے تھے۔" بچوں کو بھی اس کو غور سے سننا چاہیے "جب وہ دین کی تائید کے لیے کھڑے ہوئے۔ جب رسول کریم ﷺ کو وحی ہوئی تو آپ نے ایک دعوت کی جس میں مکہ کے تمام بڑے بڑے امراء کو بلایا اور انہیں کھانا کھلایا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں کچھ اپنے دعویٰ کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر سارے اٹھ کر بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے بھائی! آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ جانتے ہیں کہ یہ بڑے دنیادار لوگ ہیں ان کو پہلے سنانا تھا اور پھر کھانا کھلانا تھا۔ یہ بے ایمان تو کھانا کھا کر بھاگ گئے کیونکہ یہ کھانے کے بھوکے ہیں۔ اگر آپ پہلے باتیں سناتے تو چاہے دو گھنٹہ سناتے وہ ضرور بیٹھے رہتے۔ پھر ان کو کھانا کھلاتے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے پھر اس طرح کیا۔ پھر دوبارہ ان کو بلایا اور ان کی دعوت کی لیکن پہلے کچھ باتیں سنالیں اور پھر کھانا کھلایا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں خدا کی باتیں سنائی ہیں۔ کیا کوئی تم میں سے ہے جو میری مدد کرے اور اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے؟ مکہ کے سارے بڑے بڑے آدمی بیٹھے رہے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے میرے چچا کے بیٹے! میں ہوں۔ آپ کی مدد کروں گا۔ آپ نے سمجھا کہ یہ تو بچہ ہے۔ چنانچہ پھر آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو! کیا تم میں سے کوئی ہے جو میری مدد کرے؟ پھر سارے بڈھے بڈھے بیٹھے رہے اور وہ گیارہ سال کا بچہ کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا کے بیٹے! میں جو ہوں میں تیری مدد کروں گا۔ پھر رسول کریم ﷺ نے سمجھا کہ خدا کے نزدیک جوان یہی گیارہ سالہ بچہ ہے باقی بڈھے سب بچے ہیں۔" ان میں کوئی طاقت نہیں ہے یہی بچہ ہے جو عقلمند ہے "چنانچہ آپ نے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور پھر وہی علیؓ آخر تک آپؐ کے ساتھ رہے اور پھر آپؐ کے بعد خلیفہ بھی ہوئے اور انہوں نے دین کی بنیاد ڈالی۔ اسی طرح آپ کی نسل کو بھی اللہ

تعالیٰ نے نیک بنایا اور بارہ نسلوں تک برابر ان میں بارہ امام پیدا ہوئے۔"[794]

حضرت مصلح موعودؓ ایک جگہ حضرت علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت علیؓ جب ایمان لائے تو ابھی بچے ہی تھے اور وہ بھی یہ سمجھ کر ایمان لائے تھے کہ مجھے اسلام کے لیے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے پڑیں گے۔" بچے تھے لیکن یہ سمجھ کر ایمان لائے تھے کہ قربانی مجھے دینی پڑے گی" یہاں تک کہ اگر جان قربان کرنے کا وقت آیا تو مجھے اپنی جان بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کرنی پڑے گی۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے ابتدائی ایام میں ایک دعوت کی جس میں بنو عبدالمطلب کو بلایا تاکہ ان تک پیغام حق پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے بہت سے رشتہ دار اس دعوت میں شریک ہوئے۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر تقریر کرنا چاہی مگر ابولہب نے ان سب لوگوں کو منتشر کر دیا اور وہ آپؐ کی بات سنے بغیر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ آپؐ بہت حیران ہوئے کہ یہ اچھے لوگ ہیں جو دعوت کھا کر بھی بات نہیں سنتے مگر آپؐ مایوس نہیں ہوئے بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دوبارہ ان کی دعوت کی جائے۔ چنانچہ دوبارہ ان سب کو کھانے پر مدعو کیا گیا۔ جب وہ سیر ہو کر کھا چکے تو آپؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا یہ تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنا نبی تمہارے اندر بھیجا ہے۔ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانو گے تو تم دینی اور دنیوی نعماء کے وارث قرار پاؤ گے۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اس کام میں میرا مددگار بنے؟ یہ سن کر ساری مجلس پر سناٹے کی سی حالت طاری ہو گئی۔ مگر یکلخت ایک کونے سے ایک نو عمر بچہ اٹھا اور اس نے کہا کہ گو مَیں ایک کمزور ترین فرد ہوں اور عمر میں سب سے چھوٹا ہوں مگر مَیں آپ کا ساتھ دوں گا۔ یہ بچے حضرت علیؓ تھے جنہوں نے اس وقت اسلام کی تائید کا اعلان کیا۔"[795]

حضرت علیؓ کی قربانی کا واقعہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت حضرت علیؓ نے دی۔

اس کا بھی ذکر اس طرح ملتا ہے کہ:

اہل مکہ نے باہم مشورہ کر کے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حملہ آور ہو کر آپ کو قید کرنے یا قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو وحی الٰہی سے آپ کو دشمنوں کے اس ارادے کی اطلاع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو آپؐ نے ہجرت کی تیاری کی اور حضرت علیؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹیں۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی سرخ حَضْرَمِی چادر اوڑھ کر رات گزاری جس میں آپؐ سویا کرتے تھے۔[796]

مشرکین کا وہ گروہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھات لگائے ہوئے بیٹھا تھا وہ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور حضرت علیؓ بستر سے اٹھے۔ جب وہ حضرت علیؓ کے قریب ہوئے تو ان لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور پوچھا تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نگران تھا؟ تم نے انہیں مکے سے نکل

جانے کا کہا اور وہ چلے گئے۔ مشرکوں نے آپ کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور زدو کوب کیا۔ پکڑ کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور کچھ دیر محبوس رکھا۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ [797]

پھر ایک اَور سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت علیؓ تین دن کے بعد اہل مکہ کی امانتیں لوٹا کر ہجرت کر کے نبی کریمؐ کے پاس پہنچے اور آپ کے ساتھ قبا میں کُلثُوم بن ہِدْم کے ہاں قیام پذیر تھے۔ [798]

سیرت خاتم النبیینؐ میں اس واقعہ کا جو ہجرت کے دوران ہوا اس کا ذکر یوں آیا ہے کہ "رات کا تاریک وقت تھا اور ظالم قریش جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اپنے خونی ارادے کے ساتھ آپؐ کے مکان کے ارد گرد جمع ہو کر آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر چکے تھے اور انتظار تھا کہ صبح ہو یا آپؐ اپنے گھر سے نکلیں تو آپؐ پر ایک دم حملہ کر کے قتل کر دیا جاوے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بعض کفار کی امانتیں پڑی تھیں کیونکہ باوجود شدید مخالفت کے اکثر لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے صِدق و امانت کی وجہ سے آپؐ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت علیؓ کو ان امانتوں کا حساب کتاب سمجھا دیا اور تاکید کی کہ بغیر امانتیں واپس کیے مکہ سے نہ نکلنا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور تسلی دی کہ انہیں خدا کے فضل سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ وہ لیٹ گئے اور آپؐ نے اپنی چادر جو سرخ رنگ کی تھی ان کے اوپر اوڑھا دی۔ اس کے بعد آپؐ اللہ کا نام لے کر اپنے گھر سے نکلے۔ اس وقت محاصرین آپؐ کے دروازے کے سامنے موجود تھے مگر چونکہ انہیں یہ خیال نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ اس قدر اوّل شب میں ہی گھر سے نِکل آئیں گے وہ اس وقت اس قدر غفلت میں تھے کہ آپؐ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے۔" آپ ﷺ ان مخالفین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے "ان کے درمیان سے نکل گئے اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ اب آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ مگر جلد جلد مکہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں آبادی سے باہر نکل گئے اور غارِ ثور کی راہ لی۔ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ پہلے ہی تمام بات طے ہو چکی تھی۔ وہ بھی راستہ میں مل گئے۔ غارِ ثور جو اسی واقعہ کی وجہ سے اسلام میں ایک مقدس یادگار سمجھی جاتی ہے مکہ سے جانب جنوب یعنی مدینہ سے مختلف جانب تین میل کے فاصلہ پر ایک بنجر اور ویران پہاڑی کے اوپر خاصی بلندی پر واقع ہے اور اس کا راستہ بھی بہت دشوار گذار ہے۔" مدینے کی طرف نہیں ہے بلکہ مخالف سمت میں ہے۔ "وہاں پہنچ کر پہلے حضرت ابو بکرؓ نے اندر گھس کر جگہ صاف کی اور پھر آپؐ بھی اندر تشریف لے گئے۔ دوسری طرف وہ قریش جو آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے گھر کے اندر جھانک کر دیکھتے تھے تو حضرت علیؓ کو آپؐ کی جگہ پر لیٹا دیکھ کر مطمئن ہو جاتے تھے لیکن صبح ہوئی تو انہیں علم ہوا کہ ان کا شکار ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس پر وہ اِدھر اُدھر بھاگے، مکہ کی گلیوں میں صحابہ کے مکانات پر تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ اس غصہ میں انہوں نے حضرت علیؓ کو پکڑا اور کچھ مارا پیٹا۔" [799]

حضرت علیؓ کی اس قربانی کا ذکر حضرت مصلح موعودؓ نے یوں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر سے نکلتے وقت حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا تھا۔ (چارپائی کا رواج ان دنوں نہیں تھا بلکہ اب تک بھی مکہ میں چارپائی کا عام رواج نہیں۔ بعض روایات میں غلطی سے یوں بیان ہوا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے آپ کو اپنی چارپائی پر لٹا دیا)" بستر بنایا جاتا تھا باقاعدہ چارپائی نہیں ہوتی تھی "جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو ان میں سے بعض نے آپ کو دیکھا بھی مگر انہوں نے خیال کر لیا کہ یہ کوئی اَور شخص ہے جو شاید آپ سے ملنے کے لیے آیا ہو گا اور اب واپس جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نہایت دلیری کے ساتھ باہر نکلے تھے اور آپ کی طبیعت پر ذرا بھی خوف نہیں تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ اتنی دلیری سے آپ اس وقت باہر نکلنے کی جرأت کہاں کر سکتے ہیں۔ یہ ضرور کوئی اور آدمی ہے جو آپ سے ملنے کے لیے آیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے دروازہ کی دراڑ" دروازے کی درز "میں سے اندر جھانکا یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ کہیں آپ باہر تو نہیں نکل گئے تو انہوں نے ایک آدمی کو سویا ہوا دیکھا اور خیال کیا کہ یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

غرض ساری رات وہ آپؐ کے مکان کا پہرہ دیتے رہے پھر جب مناسب وقت سمجھا تو اندر داخل ہوئے اور شاید انہیں جسم سے شک پڑ گیا کہ یہ جسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔ انہوں نے منہ پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا یا شاید منہ ننگا تھا بہرحال انہیں معلوم ہوا کہ سونے والے شخص حضرت علیؓ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سلامتی کے ساتھ جا چکے ہیں اور ان کے لیے اب سوائے ناکامی کے کچھ باقی نہیں رہا۔"[800]

حضرت علیؓ کو یہ عظیم الشان قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائی

ایک اَور جگہ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو یہ عظیم الشان قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے لیے رات کے وقت اپنے گھر سے نکلنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ تا کہ کفار اگر جھانک کر دیکھیں تو انہیں یہ دکھائی دیتا رہے کہ کوئی شخص بستر پر سو رہا ہے اور وہ تعاقب کے لیے اِدھر اُدھر نہ نکلیں۔ اس وقت حضرت علیؓ نے یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ! مکان کے ارد گرد تو قریش کے چنیدہ نوجوان ہاتھ میں تلوار لیے کھڑے ہیں۔ اگر صبح کو انہیں معلوم ہوا کہ آپؐ کہیں باہر تشریف لے جا چکے ہیں تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں گے بلکہ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ یعنی حضرت علیؓ بڑے اطمینان کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے اور آپؐ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی۔ جب صبح ہوئی اور قریش نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ آپ کے بستر سے اٹھے ہیں تو وہ اپنی ناکامی پر دانت پیس کر رہ گئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ کر مارا پیٹا مگر اس سے کیا بن سکتا تھا۔

خدائی نوشتے پورے ہو چکے تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ سلامتی کے ساتھ مکہ سے باہر جا چکے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو کیا معلوم تھا کہ مجھے اس ایمان کے بدلے میں کیا ملنے والا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس قربانی کے بدلے میں صرف حضرت علیؓ ہی عزت نہیں پائیں گے بلکہ حضرت علیؓ کی اولاد بھی عزت پائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ پر پہلا فضل تو یہ کیا کہ ان کو رسول کریم ﷺ کی دامادی کا شرف بخشا۔ دوسرا فضل اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ کیا کہ رسول کریم ﷺ کے دل میں ان کے لیے اتنی محبت پیدا کی کہ آپؐ نے بارہا ان کی تعریف فرمائی۔[801]

بہرحال یہ ایک ہی واقعہ کے مختلف ذریعوں سے حوالے میں نے پیش کیے ہیں جو اصل واقعہ کے لحاظ سے تو ایک ہی چیز ہوتی ہے لیکن مختلف رنگوں میں جب مَیں بیان کرتا ہوں تو اس لیے کہ اس کی تفصیل اور تشریح جو ہے اس میں اس صحابی کی بعض نئی باتیں پتہ لگ جاتی ہیں یا نئے انداز میں پیش کی جاتی ہیں جس سے کئی پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔ اور یہاں حضرت علیؓ کے معاملے میں حضرت علیؓ کی شخصیت کے مختلف پہلو بھی سامنے آ گئے۔

آنحضرت ﷺ کا ہر صحابی سے جو تعلق تھا اس کا بھی پتہ لگ جاتا ہے تو اس طرح بعض دفعہ لگتا یہی ہے کہ ایک ہی حوالہ مختلف جگہ پیش کیا جا رہا ہے لیکن ہر حوالے کا انداز مختلف ہوتا ہے اس لیے پیش کرتا ہوں اور یہاں حضرت علیؓ کے حوالے سے بھی یہی باتیں ہمیں پتہ چلی ہیں۔[802]

مؤاخات

حضرت علیؓ کی مؤاخات کے بارے میں روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو دو مرتبہ اپنا بھائی قرار دیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کے درمیان مکے میں مؤاخات قائم فرمائی۔ پھر آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مدینے میں ہجرت کے بعد مؤاخات قائم فرمائی اور دونوں مرتبہ حضرت علیؓ سے فرمایا:

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔[803]

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالبؓ اور حضرت سہل بن حُنَیفؓ کے درمیان مؤاخات کا رشتہ قائم کیا۔[804]

یہ مؤاخات کب کب ہوئی؟ اس بارے میں تاریخ میں ذکر ملتا ہے کہ مؤاخات دو مرتبہ ہوئی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے ایک شارح علامہ قسطلانی بیان کرتے ہیں کہ مؤاخات دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ ہجرت سے قبل مکّے میں مہاجرین میں جن میں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے درمیان اور حضرت علیؓ اور اپنے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں مؤاخات قائم فرمائی۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سو صحابہ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی یعنی پچاس مہاجرین اور پچاس انصار کے درمیان۔[805]

غزوات میں شمولیت اور جرأت و بہادری

حضرت علیؓ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل ہوئے سوائے غزوۂ تبوک کے۔ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل و عیال کی نگہداشت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔[806]

حضرت ثَعْلَبَہ بن ابومالِکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عُبادہؓ ہر موقعے پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علمبردار ہوتے تھے مگر جب لڑائی کا وقت آتا تو حضرت علی بن ابوطالبؓ جھنڈا لے لیتے۔[807]

غزوہ عُشَیرہ جمادی الاولیٰ دو ہجری میں ہوا تھا۔ تاریخ و سیرت کی کتب میں اس غزوہ کا نام غزوہ عُشَیرہ کے علاوہ غزوہ ذوالعُشیرہ، ذات العُشیرہ اور عُسیرہ بھی بیان ہوا ہے۔ عُشَیرہ ایک قلعے کا نام ہے جو کہ حجاز میں یَنْبُع اور ذُو الْمَرْوَۃ کے درمیان واقع ہے۔

اس کے متعلق تفصیل بیان فرماتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ جمادی الاولیٰ سن 2 ہجری میں قریش مکہ کی طرف سے کوئی خبر پا کر آپ ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ مدینے سے نکلے اور اپنے پیچھے اپنے رضاعی بھائی ابوسَلَمہ بن عَبْدُالْاَسَد کو امیر مقرر فرمایا۔ اس غزوے میں آپ ﷺ کئی چکر کاٹتے ہوئے بالآخر ساحل سمندر کے قریب یَنْبُع کے پاس مقام عُشَیْرَہ تک پہنچے اور گو قریش کا مقابلہ نہیں ہوا مگر اس میں آپ ﷺ نے قبیلہ بنومُدْلِج کے ساتھ ایک معاہدہ طے فرمایا اور پھر واپس تشریف لے آئے۔[808]

حضرت علیؓ اس غزوے میں شامل ہوئے تھے۔ اس حوالے سے مسند احمد بن حنبل کی روایت اس طرح ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات العُشَیر ہمیں حضرت علیؓ اور مَیں رفیقِ سفر تھے۔ جب آنحضور ﷺ اس جگہ تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا تو ہم نے بنومُدْلِج کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھجور کے باغات میں اپنے ایک چشمے پر کام کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے مجھے فرمایا اے اَبُویَقْظَان تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا ہم ان لوگوں کے پاس جائیں اور دیکھیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ پس ہم ان کے پاس آئے اور ان کے کام کو کچھ دیر دیکھا۔ پھر ہمیں نیند آنے لگی تو مَیں اور حضرت علیؓ وہاں سے چلے اور کھجوروں کے درمیان مٹی پر ہی لیٹ کر سو گئے۔ اللہ کی قسم! ہمیں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نے نہ جگایا۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنے پاؤں کے مس سے جگایا جبکہ ہمارے جسموں پر مٹی لگ چکی تھی۔ اس دن نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کے جسم پر مٹی دیکھ کر فرمایا۔ اے ابوتراب! پھر آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں دو بدبخت ترین آدمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں۔ ابوتراب کا ذکر پچھلی دفعہ بھی خطبے میں ہوا

تھا کہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے۔ مٹی لگ گئی تھی تو آپؐ نے کہا اے ابو تراب! ابو تراب کے نام سے پکارا۔ اس وقت سے آپؓ کی کنیت یہ بھی ہو گئی تھی یا ہو سکتا ہے اس وقت سے آپ نے یہ نام رکھا ہو، بعد میں بھی ہو یا دونوں جگہ فرمایا ہو۔ جو بھی پہلے کا واقعہ ہے۔ پہلے کا واقعہ تو یہی لگتا ہے۔ بہر حال کیا میں تمہیں دو بد بخت ترین آدمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں! ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا پہلا شخص قوم ثمود کا اُحَیمِر تھا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں اور دوسرا شخص وہ ہے جو اے علی! تمہارے سر پر وار کرے گا یہاں تک کہ خون سے یہ داڑھی تر ہو جائے گی۔[809]

غزوۂ سَفْوَان، بَدْرُ الْاُوْلٰی جُمَادَی الآخِر میں 2/ ہجری میں ہوا تھا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کے بارے میں تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ عُشَیرہ سے واپس مدینہ تشریف لائے ہوئے دس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ مکہ کے ایک رئیس کُرْزبن جَابِر فِہْرِی نے قریش کے ایک دستہ کے ساتھ کمال ہوشیاری سے مدینہ کی چراگاہ پر جو شہر سے صرف تین میل پر تھی اچانک حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹ وغیرہ لوٹ کر جاتا رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی تو آپ فوراً زید بن حارِثہؓ کو اپنے پیچھے امیر مقرر کر کے مہاجرین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اس کے تعاقب میں نکلے اور سَفْوَان تک جو بدر کے پاس ایک جگہ ہے اس کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۂ بدر الاولیٰ بھی کہتے ہیں۔[810]

اس غزوے کے موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سفید جھنڈا اعطا فرمایا تھا۔[811]

غزوۂ بدر 2/ ہجری مطابق مارچ 624ء* میں ہوا تھا اور اس کا ذکر اور اس میں حضرت علیؓ کے بارے میں یوں تذکرہ ملتا ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت بَسْبَس بن عَمْروؓ کو مشرکین کی خبر دریافت کرنے کے لیے بدر کے چشمہ پر بھیجا۔ انہوں نے قریش کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا اور مشرکین کی اس جماعت کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔[812]

غزوۂ بدر کے موقعے پر جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے تو سب سے پہلے ربیعہ کے دونوں بیٹے شَیْبَہ، عُتْبَہ اور ولید بن عُتْبَہ نکلے اور مبارزت کی دعوت دی تو قبیلہ بنو حارث کے تین انصاری معاذ اور معوذ اور عوف جو عفراء کے فرزند تھے ان کی طرف سے مقابلے کے لیے نکلے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناپسند فرمایا کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان پہلی مڈھ بھیڑ میں انصار شامل ہوں بلکہ آپ نے یہ پسند فرمایا کہ آپ کے چچا کی اولاد اور آپ کی قوم کے ذریعہ سے یہ شوکت ظاہر ہو۔ پس آپؐ نے انصار کو حکم دیا تو وہ اپنی صفوں میں واپس آگئے اور آپ نے ان کے لیے کلمہ خیر فرمایا۔ پھر مشرکین نے کہا اے محمدؐ! ہماری طرف مقابلے کے لیے ہماری قوم میں سے ہمارے ہم پلّہ لوگ بھیجو۔

*وہاں سن 623ء لکھا ہوا ہے جو سہو کتابت معلوم ہوتا ہے۔ مرتب

پس رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے بنو ہاشم! اٹھو اپنے حق کے لیے لڑو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے نبی کو مبعوث کیا ہے جبکہ وہ لوگ اپنے باطل کے ساتھ آئے کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ پس حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ، حضرت علی بن ابو طالبؓ اور حضرت عُبَیدَہ بن حارِثؓ کھڑے ہوئے اور ان کی طرف بڑھے تو عتبہ نے کہا کچھ بولو تا کہ ہم تمہیں پہچان سکیں۔ ان لوگوں نے خَود پہنے ہوئے تھے جن کی وجہ سے چہرے چھپے ہوئے تھے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا کہ میں حمزہ بن عبد المطلب اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا شیر ہوں۔ اس پر عتبہ نے کہا اچھا مقابل ہے اور میں حلیفوں کا شیر ہوں۔ تیرے ساتھ یہ دو کون ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے کہا علی بن ابو طالبؓ اور عُبَیدہ بن حارِثؓ۔ عتبہ نے کہا دونوں اچھے مقابل ہیں۔ پھر اس نے یعنی عتبہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے ولید! اٹھو۔ پس حضرت علیؓ اس کے مقابل گئے اور ان دونوں میں تلوار چلنے لگی اور حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر عُتبہ کھڑا ہوا اور اس کے مقابل میں حضرت حمزہؓ نکلے۔ پھر ان دونوں کے درمیان تلوار چلی۔ حضرت حمزہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ پھر شَیْبہ کھڑا ہوا اور اس کے مقابل پر حضرت عُبَیدہ بن حارِثؓ نکلے جبکہ وہ (حضرت عبیدہؓ) اس دن رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اصحاب میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ شَیْبَہ نے حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ پر تلوار کا کنارا مارا جو آپ کی پنڈلی کے گوشت میں لگا اور اس کو چیر دیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے شَیْبَہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔[813]

یہ روایت دو سال ہوئے پہلے بھی بیان ہوئی تھی[814] کچھ حصہ مَیں بیان کرتا ہوں۔ ایک اَور روایت ہے جو حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور اس کے پیچھے اس کا بیٹا اور بھائی بھی نکلے اور پکار کر کہا کہ کون ہمارے مقابلے کے لیے آتا ہے تو انصار کے کئی نوجوانوں نے اس کا جواب دیا۔ عتبہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے بتا دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ عتبہ نے کہا کہ ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ہم تو صرف اپنے چچا کے بیٹوں سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا! اے حمزہ! اٹھو۔ اے علی! کھڑے ہو۔ اے عبیدہ بن حارث! آگے بڑھو۔ حمزہؓ تو عتبہ کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں شیبہ کی طرف بڑھا اور عبیدہؓ اور ولید کے درمیان جھڑپ ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو سخت زخمی کیا اور پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو مار ڈالا اور عُبَیدہ کو ہم میدان جنگ سے اٹھا کر لے آئے۔[815]

حضرت علیؓ غزوۂ بدر کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ رات بھر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خدا کے حضور عاجزانہ دعاؤں اور تضرعات میں مصروف رہے۔ جب کفار کا لشکر ہمارے قریب ہوا اور ہم ان کے سامنے صف آرا ہوئے تو ناگاہ ایک شخص پر نظر پڑی جو سرخ اونٹ پر سوار تھا اور لوگوں کے درمیان اس کی سواری چل رہی تھی۔ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اے علیؓ، حمزہؓ! جو کفار کے قریب کھڑے ہیں انہیں پکار کر پوچھو کہ سرخ اونٹ والا کون ہے اور کیا کہہ رہا

ہے؟ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص انہیں خیر بھلائی کی نصیحت کر سکتا ہے تو وہ سرخ اونٹ والا شخص ہے۔ اتنی دیر میں حضرت حمزہؓ بھی آ گئے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ وہ عُتْبہ بن رَبِیعہ ہے جو کفار کو جنگ سے منع کر رہا ہے جس کے جواب میں ابوجہل نے اسے کہا کہ تم بزدل ہو اور لڑائی سے ڈرتے ہو۔ عُتبہ نے جوش میں آکر کہا کہ آج دیکھتے ہیں کہ بزدل کون ہے۔[816]

بہرحال پھر وہ جنگ میں شامل ہوا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقعے پر میرے اور حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں فرمایا تم دونوں میں سے ایک کے دائیں جانب حضرت جبرئیل ہیں اور دوسرے کے دائیں جانب حضرت میکائیل ہیں اور حضرت اسرافیل عظیم فرشتہ ہے جو لڑائی کے وقت حاضر ہوتا ہے اور صف میں ہوتا ہے۔[817]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ غزوۂ بدر کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ:

مجھے لڑتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا خیال آتا تھا تو میں آپؐ کے سائبان کی طرف بھاگ جاتا تھا لیکن جب بھی میں گیا میں نے آپؐ کو سجدہ میں گڑگڑاتے ہوئے پایا۔ اور میں نے سنا کہ آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔ اے خدا میرے زندہ خدا، اے میرے خدا زندگی بخش آقا۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر بے چین ہوئے جاتے تھے اور کبھی کبھی بے ساختہ عرض کرتے تھے یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ اپنے وعدے ضرور پورے کرے گا۔ مگر اس کے باوجود آپؐ کا برابر دعا کیے جانا، آپؐ دعا میں مصروف تھے اور اس خوف میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے بھی بعض دفعہ مشروط ہوتے ہیں۔[818]

حضرت فاطمہؓ سے شادی

حضرت فاطمہؓ سے شادی 2/ہجری میں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست کی جسے حضور ﷺ نے بخوشی قبول فرمایا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ دونوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست کی لیکن رسول کریم ﷺ خاموش رہے اور انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کی شادی مجھ سے کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: گھوڑا تو تمہارے لیے ضروری ہے البتہ اپنی زرہ کو بیچ دو۔ چنانچہ میں نے اپنی زرہ کو چار سو اَسّی درہم میں بیچ کر حق مہر کی رقم کا انتظام کیا۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق مہر رکھ لو تو جو ہو گا دیکھی جائے گی، دے دیں گے۔ لیکن ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حق مہر

کے لیے پہلے انتظام کرو۔ اس کا مطلب یہ فوری حق ہے۔ یہ نہیں ہے جب کہ بعض لوگ مجھے لکھ دیتے ہیں کہ عورتیں حق مہر کا پہلے مطالبہ کر لیتی ہیں حالانکہ ہم ہنسی خوشی رہ رہے ہیں۔ مطالبہ کر دیتی ہیں تو یہ ان کا حق ہے۔ یہ تو اسی وقت دینا چاہیے اور اس کے نہ دینے سے پھر جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر طلاق خلع کے وقت تو یہ ادا ہونا چاہیے حالانکہ اس یعنی حق مہر کا طلاق اور خلع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بہر حال ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ زرہ حضرت عثمانؓ کو بیچی۔ حضرت عثمانؓ نے زرہ کی قیمت بھی ادا کر دی اور زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں وہ رقم لے کر آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے مٹھی بھر بلال کو دیتے ہوئے فرمایا: اس سے کچھ خوشبو خرید لاؤ اور کچھ لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز تیار کرو۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے لیے ایک چارپائی، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی یہ سب تیار کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ سے یہ رشتہ کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: میرے ربّ نے مجھے ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

رخصتی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ جب فاطمہ تمہارے پاس آئیں تو جب تک میں نہ آؤں کوئی بات نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت امّ ایمنؓ کے ساتھ آئیں اور گھر کے ایک حصہ میں بیٹھ گئیں۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا میرا بھائی یہاں ہے۔ ام ایمن نے کہا کہ آپؐ کا بھائی؟ اور آپؐ نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ کیونکہ ایسے رشتے میں شادی ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ سگا بھائی نہیں ہے۔ آپ اندر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے کہا میرے پاس پانی لاؤ۔ وہ اٹھیں اور گھر میں رکھے ہوئے ایک پیالے میں پانی لائیں۔ آپؐ نے اسے لیا اور اس میں کلی کی پھر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ آگے بڑھو وہ آگے ہوئیں۔ آپ نے ان پر اور ان کے سر پر کچھ پانی چھڑکا اور دعا دیتے ہوئے کہا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اے اللہ! اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا دوسری طرف رخ کرو۔ جب انہوں نے دوسری طرف رخ کیا تو آپ نے ان کے کندھوں کے درمیان پانی چھڑکا۔ پھر ایسا ہی حضرت علیؓ کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؓ سے فرمایا اپنے اہل کے پاس جاؤ اللہ کے نام اور برکت کے ساتھ۔

اسی طرح حضرت علیؓ سے ایک روایت یوں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں وضو کیا۔ پھر اس پانی کو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ پر چھڑکا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ شَمْلِهِمَا ۔ اے اللہ! ان دونوں میں برکت رکھ دے اور ان دونوں کے جمع ہونے میں برکت رکھ دے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ ہم فاطمہ کو تیار کریں۔ یہاں تک کہ ہم اس کو حضرت علیؓ کے پاس لے جائیں۔ چنانچہ ہم گھر کی طرف متوجہ

ہوئے۔ ہم نے اس کو بطحا کے نواح کی نرم مٹی سے لیپا۔ پھر کھجور کے ریشوں سے دو تکیے بھرے۔ ہم نے اس کو اپنے ہاتھوں سے دھنا۔ پھر ہم نے کھجور اور منقہ کھانے کے لیے اور میٹھا پانی پینے کے لیے رکھا اور ایک لکڑی لی اور اس کو کمرے میں ایک طرف لگا دیا تا کہ اس پر کپڑے وغیرہ لٹکائے جا سکیں اور اس پر مشکیزہ لٹکایا جائے۔ یعنی کپڑے لٹکانے کے لیے اور مشکیزہ لٹکانے کے لیے وہ لکڑی کھڑی کی۔

ہم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی سے اچھی کوئی شادی نہیں دیکھی۔ دعوت ولیمہ کھجور، جَو، پنیر اور حَیْس پر مشتمل تھا۔ حَیْس اس کھانے کو کہتے ہیں جو کھجور اور گھی اور پنیر وغیرہ سے ملا کے بنایا جاتا ہے۔ حضرت اسماء بنت عُمَیس بیان کرتی ہیں کہ اس زمانے میں اس دعوت ولیمہ سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔[819]

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شادی کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیینؐ میں یوں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی اس اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی اور آپؐ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ کو عزیز رکھتے تھے۔ اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے وہی اس امتیازی محبت کی سب سے زیادہ اہل بھی تھیں۔ اب ان کی عمر کم و بیش پندرہ سال کی تھی اور شادی کے پیغامات آنے شروع ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے درخواست کی مگر آنحضرت ﷺ نے عذر کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا مگر ان کی درخواست بھی منظور نہ ہوئی۔ اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے یہ سمجھ کر کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ سے تحریک کی کہ تم فاطمہ کے متعلق درخواست کر دو۔ حضرت علیؓ نے جو غالباً پہلے سے خواہش مند تھے مگر بوجہ حیا خاموش تھے فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کر دی۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ کو خدائی وحی کے ذریعہ یہ اشارہ ہو چکا تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے درخواست پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے متعلق پہلے سے خدائی اشارہ ہو چکا ہے۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا تو وہ بوجہ حیا کے خاموش رہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا اظہارِ رضا مندی تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو جمع کر کے حضرت علیؓ اور فاطمہ کا نکاح پڑھایا۔ یہ 2 ہجری کی ابتدا یا وسط کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد جب جنگ بدر ہو چکی تو غالباً ماہ ذوالحجہ 2/ہجری میں رخصتانہ کی تجویز ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ ہے یا نہیں؟

یہ باغ والا واقعہ جو پچھلی دفعہ بیان ہوا تھا اس شادی کے واقعہ سے پہلے کا ہے۔ یہ میں نے صحیح کہا تھا۔ حضرت علیؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ ہے یا نہیں؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ زرہ کیا ہوئی جو میں نے اس دن

یعنی بدر کے مغانم میں سے تمہیں دی تھی؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا وہ تو ہے۔ آپؐ نے فرمایا بس وہی لے آؤ۔ چنانچہ یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی گئی اور آنحضرت ﷺ نے اسی رقم میں سے شادی کے اخراجات مہیا کیے۔ جو جہیز آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا وہ ایک بیل دار چادر، ایک چمڑے کا گدیلا جس کے اندر کھجور کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک مشکیزہ تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کے جہیز میں ایک چکی بھی دی تھی۔ جب یہ سامان ہو چکا تو مکان کی فکر ہوئی۔ حضرت علیؓ اب تک غالباً آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد کے کسی حجرے وغیرہ میں رہتے تھے مگر شادی کے بعد یہ ضروری تھا کہ کوئی الگ مکان ہو جس میں خاوند بیوی رہ سکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم کوئی مکان تلاش کرو جس میں تم دونوں رہ سکو۔ حضرت علیؓ نے عارضی طور پر ایک مکان کا انتظام کیا اور اس میں حضرت فاطمہؓ کا رخصتانہ ہو گیا۔ اسی دن رخصتانہ کے بعد آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور تھوڑا سا پانی منگوا کر اس پر دعا کی اور پھر وہ پانی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ ہر دو پر یہ الفاظ فرماتے ہوئے چھڑکا کہ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا نَسْلَهُمَا یعنی اے میرے اللہ! تو ان دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور ان کے ان تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوں اور ان کی نسل میں برکت دے اور پھر آپؐ اس نئے جوڑے کو اکیلا چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جو ایک دن آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حارِثہ بن نُعمان انصاری کے پاس چند ایک مکانات ہیں آپ ان سے فرماویں کہ وہ اپنا کوئی مکان خالی کر دیں۔

آپؐ نے فرمایا وہ ہماری خاطر اتنے مکانات پہلے ہی خالی کر چکے ہیں اب مجھے تو انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حارثہ کو کسی طرح اس کا علم ہوا تو وہ بھاگے ہوئے آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میرا جو کچھ ہے وہ حضورؐ کا ہے اور واللہ جو چیز آپؐ مجھ سے قبول فرما لیتے ہیں وہ مجھے زیادہ خوشی پہنچاتی ہے بہ نسبت اس چیز کے جو میرے پاس رہتی ہے اور پھر اس مخلص صحابی نے باصرار اپنا ایک مکان خالی کروا کے پیش کر دیا اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ وہاں آ گئے۔[820]

زہد و قناعت کرنے والا جوڑا

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اپنی تنگدستی اور غربت کے باوجود زہد و قناعت کا نمونہ دکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ذکر ہے کہ حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ نے چکی چلانے سے اپنے ہاتھ میں تکلیف کی شکایت کی اور نبی ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے تو وہ حضور ﷺ کی طرف گئیں اور آپؐ کو نہ پایا۔ آپ یعنی حضرت فاطمہؓ، حضرت عائشہؓ سے ملیں اور ان کو بتایا کہ کس طرح میں آئی تھی۔ جب نبی ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کے اپنے ہاں آنے کا بتایا۔ حضرت علیؓ

کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ ہم کھڑے ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنی جگہوں پر ٹھہرے رہو۔ پھر آپؐ ہمارے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں جو تم نے مانگا ہے وہ یہ ہے کہ جب تم دونوں اپنے بستروں پر لیٹو تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہو۔ یہ تم دونوں کے لیے خادم سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپؐ سے خادم مانگنے کے لیے حاضر ہوئیں اور کام کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا تم اس خادم کو ہمارے پاس نہیں پاؤ گی یعنی اس طرح تمہیں مجھ سے خادم نہیں ملے گا۔ آپؐ نہیں دینا چاہتے تھے۔

حالانکہ حضرت علیؓ کا بھی مال غنیمت میں سے حق بنتا تھا لیکن آپؐ نے نہیں دیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تجھے ایسی بات نہ بتاؤں جو تیرے لیے خادم سے بہتر ہے؟ تم اپنے بستر پر جاتے ہوئے تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہو، تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو اور چونتیس دفعہ اللہ اکبر کہو۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔[821]

حضرت مصلح موعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان فرماتے ہوئے اس واقعے کو بخاری کے حوالہ سے یوں بیان فرماتے ہیں۔ حدیث یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شکایت کی کہ چکی پیسنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اسی عرصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے۔ آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئیں لیکن آپؐ کو گھر پر نہ پایا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی آمد کی وجہ سے اطلاع دے کر گھر لوٹ آئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ کی آمد کی اطلاع دی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے۔ میں نے آپؐ کو آتے دیکھ کر چاہا کہ اٹھوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جگہ لیٹے رہو۔ پھر ہم دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے یہاں تک کہ آپؐ کے قدموں کی خنکی میرے سینے پر محسوس ہونے لگی۔ جب آپؐ بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں کوئی ایسی بات نہ بتاؤں جو اس چیز سے جس کا تم نے سوال کیا ہے بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بستروں پر لیٹ جاؤ تو چونتیس دفعہ تکبیر کہو، تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہو۔ پس یہ تمہارے لیے خادم سے اچھا ہو گا۔ حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اموال کی تقسیم میں ایسے محتاط تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت فاطمہؓ کو ایک خادم کی ضرورت تھی اور چکی پیسنے سے آپؓ کے ہاتھوں کو تکلیف ہوتی تھی مگر پھر بھی آپؐ نے ان کو خادم نہ دیا بلکہ دعا کی تحریک کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ کیا۔ آپؐ اگر چاہتے تو حضرت فاطمہؓ کو خادم دے سکتے تھے کیونکہ جو اموال تقسیم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے وہ بھی صحابہ میں تقسیم کرنے کے لیے آتے تھے

اور حضرت علیؓ کا بھی ان میں حق ہو سکتا تھا اور حضرت فاطمہؓ بھی اس کی حقدار تھیں لیکن آپ ﷺ نے احتیاط سے کام لیا اور نہ چاہا کہ ان اموال سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو دے دیں کیونکہ ممکن تھا کہ اس سے آئندہ لوگ کچھ کا کچھ نتیجہ نکالتے اور بادشاہ اپنے لیے اموال الناس کو جائز سمجھ لیتے۔

پس احتیاط کے طور پر آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ان غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو آپؐ کے پاس اس وقت بغرض تقسیم آئیں کوئی نہ دی۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان اموال میں آپؐ کا اور آپؐ کے رشتہ داروں کا خدا تعالیٰ نے حصہ مقرر فرمایا ہے ان سے آپؐ خرچ فرما لیتے تھے اور اپنے متعلقین کو بھی دیتے تھے۔ ہاں جب تک کوئی چیز آپؐ کے حصہ میں نہ آئے اسے قطعاً خرچ نہ فرماتے اور اپنے عزیز سے عزیز رشتہ داروں کو بھی نہ دیتے۔

کیا دنیا کسی بادشاہ کی مثال پیش کر سکتی ہے جو بیت المال کا ایسا محافظ ہو۔ اگر کوئی نظیر مل سکتی ہے تو صرف اسی پاک وجود کے خدام میں سے ورنہ دوسرے مذاہب اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔[822]

نمازِ تہجد کی تلقین

حضرت علی بن ابو طالبؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات ان کے اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہے کہ ہمیں اٹھائے تو ہمیں اٹھاتا ہے۔

آپ ﷺ نے مجھے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ نماز سے مراد تہجد تھی یعنی کہ نماز تہجد اگر نہیں پڑھتے، تہجد کے وقت اگر ہماری آنکھ نہیں کھلتی تو یہ اللہ کی مرضی ہے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ہمیں اٹھا دے اور جب اٹھا دیتا ہے تو ہم پڑھ لیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے کوئی بحث نہیں کی اور واپس تشریف لے گئے۔ پھر میں نے آپؐ کو سنا جبکہ آپؐ واپس جا رہے تھے۔ آپؐ اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے فرما رہے تھے کہ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا کہ انسان سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا ہے۔[823]

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعے کو بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”ایک دفعہ آپؐ رات اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور فرمایا کیا تہجد پڑھا کرتے ہو؟ (یعنی وہ نماز جو آدھی رات کے قریب اٹھ کر پڑھی جاتی ہے) حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! پڑھنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کی منشا کے ماتحت کسی وقت ہماری آنکھ بند رہتی ہے تو پھر تہجد رہ جاتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا تہجد پڑھا کرو اور اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے اور راستہ میں بار بار کہتے جاتے تھے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اکثر اپنی غلطی تسلیم کرنے سے گھبراتا ہے اور مختلف قسم کی دلیلیں دے کر اپنے قصور پر پردہ ڈالتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ یہ کہتے کہ ہم سے کبھی کبھی غلطی بھی ہو

جاتی ہے انہوں نے یہ کیوں کہا کہ جب خدا تعالیٰ کا منشا ہوتا ہے کہ ہم نہ جاگیں تو ہم سوئے رہتے ہیں اور اپنی غلطی کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا۔"[824]

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعے کو مزید کھول کے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک موقعے پر جبکہ حضرت علیؓ نے آپ کو ایسا جواب دیا جس میں بحث اور مقابلے کا طرز پایا جاتا تھا تو بجائے اس کے کہ آپ ﷺ ناراض ہوتے یا خفگی کا اظہار کرتے آپؐ نے ایک ایسی لطیف طرز اختیار کی کہ حضرت علیؓ غالباً اپنی زندگی کے آخری ایام تک اس کی حلاوت سے مزہ اٹھاتے رہے ہوں گے اور انہوں نے جو لطف اٹھایا ہوگا وہ تو انہی کا حق تھا۔ اب بھی آنحضرت ﷺ کے اس اظہار ناپسندیدگی کو معلوم کر کے ہر ایک باریک بین نظر محو حیرت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ بخاری کی روایت ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ ایک رات میرے اور فاطمۃ الزہرا کے پاس تشریف لائے جو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور فرمایا کہ کیا تم تہجد کی نماز نہیں پڑھا کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ! ہماری جانیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور جب وہ اٹھانا چاہے اٹھا دیتا ہے۔ آپؐ اس بات کو سن کر لَوٹ گئے اور مجھے کچھ نہیں کہا۔ پھر میں نے آپؐ سے سنا اور آپؐ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہہ رہے تھے کہ انسان تو اکثر باتوں میں بحث کرنے لگ پڑتا ہے۔ اللہ اللہ، کس لطیف طرز سے حضرت علیؓ کو آپؐ نے سمجھایا کہ آپؐ کو یہ جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔ کوئی اَور ہوتا تو اول تو بحث شروع کر دیتا کہ میری پوزیشن اور رتبہ کو دیکھو پھر اپنے جواب کو دیکھو۔ کیا تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس طرح میری بات کو ردّ کر دو۔ یہ نہیں تو کم سے کم بحث شروع کر دیتا کہ یہ تمہارا دعویٰ غلط ہے کہ انسان مجبور ہے اور اس کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جس طرح چاہے کرواتا ہے۔ چاہے نماز کی توفیق دے چاہے نہ دے۔ اور کہتا کہ جبر کا مسئلہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔ لیکن آپؐ نے ان دونوں طریقوں سے کوئی بھی اختیار نہ کیا اور نہ تو ان پر ناراض ہوئے، نہ بحث کر کے حضرت علیؓ کو ان کے قول کی غلطی پر آگاہ کیا بلکہ ایک طرف ہو کر ان کے اس جواب پر اس طرح حیرت کا اظہار کر دیا کہ انسان بھی عجیب ہے کہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی پہلو اپنے موافق نکال ہی لیتا ہے اور بحث شروع کر دیتا ہے۔ حقیقت میں آپ ﷺ کا اتنا کہہ دینا ایسے ایسے منافع اپنے اندر رکھتا تھا کہ جس کا عشر عشیر بھی کسی اَور کی سو بحثوں سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

اس حدیث سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور اسی جگہ ان کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو دین داری کا کس قدر خیال تھا کہ رات کے وقت پھر کر اپنے قریبیوں کا خیال رکھتے تھے۔ بہت لوگ ہوتے ہیں جو خود تو نیک ہوتے ہیں، لوگوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیتے ہیں لیکن ان کے گھر کا حال خراب ہوتا ہے اور ان میں یہ مادہ نہیں ہوتا کہ اپنے گھر کے

لوگوں کی بھی اصلاح کریں اور انہی لوگوں کی نسبت مثل مشہور ہے کہ چراغ تلے اندھیرا۔ یعنی جس طرح چراغ اپنے آس پاس تمام اشیاء کو روشن کر دیتا ہے لیکن خود اس کے نیچے اندھیرا ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی دوسروں کو تو نصیحت کرتے پھرتے ہیں مگر اپنے گھر کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری روشنی سے ہمارے اپنے گھر کے لوگ کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس بات کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عزیز بھی اس نور سے منور ہوں جس سے وہ دنیا کو روشن کرنا چاہتے تھے اور اس کا آپؐ تعہد بھی کرتے تھے اور ان کے امتحان و تجربہ میں لگے رہتے تھے اور تربیتِ اعزّاء ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے جو اگر آپؐ میں نہ ہوتا تو آپؐ کے اخلاق میں ایک قیمتی چیز کی کمی رہ جاتی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس تعلیم پر کامل یقین تھا جو آپ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے اور ایک منٹ کے لیے بھی آپ اس پر شک نہیں کرتے تھے اور جیسا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ دنیا کو اُلّو بنانے کے لیے اور اپنی حکومت جمانے کے لیے آپؐ نے یہ سب کارخانہ بنایا تھا اور نہ آپؐ کو کوئی وحی نہیں آتی تھی۔ یہ بات نہ تھی بلکہ آپؐ کو اپنے رسول اور خدا کے مامور ہونے پر ایسا ثلج قلب عطا تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں میں آپؐ بناوٹ سے کام لے کر اپنی سچائی کو ثابت کرتے ہوں لیکن یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ رات کے وقت ایک شخص خاص طور پر اپنی بیٹی اور داماد کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے کہ کیا وہ اس عبادت کو بھی بجالاتے ہیں جو اس نے فرض نہیں کی بلکہ اس کا ادا کرنا مومنوں کے اپنے حالات پر چھوڑ دیا ہے اور جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر ادا کی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کا جانا اور اپنی بیٹی اور داماد کو ترغیب دینا کہ وہ تہجد بھی ادا کیا کریں اس کامل یقین پر دلالت کرتا ہے جو آپؐ کو اس تعلیم پر تھا جس پر آپؐ لوگوں کو چلانا چاہتے تھے۔ ورنہ ایک مفتری انسان جو جانتا ہو کہ ایک تعلیم پر چلنا ایک سا ہے، اپنی اولاد کو ایسے پوشیدہ وقت میں اس تعلیم پر عمل کرنے کی نصیحت نہیں کر سکتا یعنی تعلیم پر چلنا بے شک ایک ہے لیکن وہ نصیحت پوشیدہ وقت میں تو نہیں کر سکتا۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک آدمی کے دل میں یقین ہو کہ اس تعلیم پر چلے بغیر کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔ یعنی کہ تعلیم پر چلنا یا نہ چلنا یہ ایک جیسا ہے لیکن نصیحت کرنا، رات کے وقت، پوشیدہ وقت میں نصیحت کرنا یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب یقین ہو کہ جو تعلیم ہے اس پر چلے بغیر انسان اس کے دین کے یا اس تعلیم کے جو اعلیٰ کمال ہیں ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ تیسری بات وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے لیے میں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر ایک بات کے سمجھانے کے لیے تحمل سے کام لیا کرتے تھے اور بجائے لڑنے کے محبت اور پیار سے کسی کو اس کی غلطی پر آگاہ فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر جب حضرت علیؓ نے آپؐ کے سوال کو اس طرح ردّ کرنا چاہا کہ جب ہم سو جائیں تو ہمارا کیا اختیار ہے کہ ہم جاگیں کیونکہ سویا ہوا انسان اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتا۔ جب وہ سو گیا تو اب اسے کیا خبر ہے کہ فلاں وقت آ گیا ہے اب میں فلاں فلاں کام کر لوں۔ اللہ تعالیٰ آنکھ کھول دے تو نماز ادا کر لیتے ہیں

ورنہ مجبوری ہوتی ہے کیونکہ اس وقت الارم کی گھڑیاں نہ تھیں۔

اس بات کو سن کر آنحضرت ﷺ کو حیرت ہوئی ہی تھی کیونکہ آپ ﷺ کے دل میں جو ایمان تھا وہ کبھی آپ کو ایسا غافل نہ ہونے دیتا تھا کہ تہجد کا وقت گزر جائے اور آپ کو خبر نہ ہو۔ اس لیے آپؐ نے دوسری طرف منہ کر کے صرف یہ کہہ دیا کہ انسان بات مانتا نہیں جھگڑتا ہے۔ یعنی تم کو آئندہ کے لیے کوشش کرنی چاہیے تھی کہ وقت ضائع نہ ہو نہ کہ اس طرح ٹالنا چاہیے تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ میں نے پھر کبھی تہجد میں ناغہ نہیں کیا۔[825]

غزوہ احد

غزوۂ احد کے موقعے پر جب ابن قمئہ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کیا تو اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ قریش کی طرف لوٹا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔ جب حضرت مصعبؓ شہید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور باقی مسلمانوں نے لڑائی کی۔[826]

ایک روایت میں آتا ہے کہ غزوۂ احد کے موقعے پر مشرکین کے علمبردار طلحہ بن ابو طلحہ نے حضرت علیؓ کو للکارا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر ڈھیر ہو کر تڑپنے لگا۔

حضرت علیؓ نے یکے بعد دیگرے کفار کے علمبرداروں کو تہِ تیغ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کفار کی ایک جماعت دیکھ کر حضرت علیؓ کو ان پر حملہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عمرو بن عبد اللہ جُمَحِی کو قتل کر کے انہیں منتشر کر دیا۔ پھر آپؐ نے کفار کے دوسرے دستہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ نے شَیْبَۃ بِنْ مَالِكٍ کو ہلاک کیا تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً یہ ہمدردی کے لائق ہے، یعنی حضرت علیؓ کے بارے میں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں **علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں۔** تو جبرئیلؑ نے کہا کہ میں آپ دونوں میں سے ہوں۔[827]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے لوگ ہٹ گئے تو میں نے شہداء کی لاشوں میں دیکھنا شروع کیا تو ان میں رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا۔

تب میں نے کہا خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نہ بھاگنے والے تھے اور نہ ہی میں نے آپؐ کو شہداء میں پایا ہے لیکن اللہ ہم سے ناراض ہوا اور اس نے اپنے نبی کو اٹھا لیا ہے پس اب میرے لیے بھلائی یہی ہے کہ میں لڑوں یہاں تک کہ قتل کر دیا جاؤں۔

پھر میں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کفار پر حملہ کیا۔ وہ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان ہیں۔[828]

یہ عشق و وفا کی وہ داستان ہے جو بچپن کے عہد سے شروع ہوئی اور ہر موقعے پر اپنا جلوہ دکھاتی رہی۔ غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کو جو زخم لگے اس حوالے سے ایک روایت ہے کہ حضرت سہل بن

سعدؓ سے رسول اللہ ﷺ کے زخم کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا مجھ سے پوچھتے ہو تو اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ کون رسول اللہ ﷺ کا زخم دھو رہا تھا۔ یعنی یہ نظارہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور کون پانی ڈال رہا تھا اور کیا دوا لگائی گئی تھی۔ حضرت سہلؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال میں سے پانی ڈال رہے تھے۔

جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی خون کو اَور نکال رہا ہے تو انہوں نے بوریہ کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کو جلایا اور ان کے ساتھ چپکا دیا۔ اس سے خون رک گیا اور اس دن آپؐ کا سامنے والا دانت بھی ٹوٹ گیا تھا اور آپؐ کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا اور آپؐ کا خَود آپؐ کے سر پر ٹوٹ گیا تھا۔[829]

حضرت سعید بن مُسَیِّب سے روایت ہے کہ غزوۂ احد میں حضرت علیؓ کو سولہ زخم لگے تھے۔[830]

حضرت مصلح موعودؓ یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ مصائب کے نیچے برکتوں کے خزانے مخفی ہوتے ہیں تو یہ مضمون بیان فرماتے ہوئے آپؓ نے یہ بیان فرمایا کہ ”حضرت علیؓ نے احد سے واپس آکر حضرت فاطمہؓ کو اپنی تلوار دی اور کہا اس کو دھو دو۔ آج اس تلوار نے بڑا کام کیا ہے۔

رسول کریم ﷺ حضرت علیؓ کی یہ بات سن رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: علیؓ! تمہاری ہی تلوار نے کام نہیں کیا اَور بھی بہت سے تمہارے بھائی ہیں جن کی تلواروں نے جوہر دکھائے ہیں۔ آپؐ نے چھ سات صحابہؓ کے نام لیتے ہوئے فرمایا ان کی تلواریں تمہاری تلوار سے کم تو نہ تھیں۔“[831]

اور پھر انہی مصیبتوں میں سے گزرتے ہوئے ان لوگوں کو آخر فتح یابی ہوئی۔

غزوۂ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس موقع پر کفار کے لشکر نے جب مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ان کے رؤساء نے اس امر پہ اتفاق کیا کہ مل کر حملہ کیا جائے۔ وہ خندق میں کوئی ایسی تنگ جگہ تلاش کرنے لگے جہاں سے وہ اپنے گھڑ سوار نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب تک پہنچا دیں مگر انہیں کوئی جگہ نہ ملی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایسی تدبیر ہے جس کو عرب میں آج تک کسی نے نہیں کیا تھا۔

ان سے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک فارسی شخص ہے جس نے آپؐ کو اس بات کا مشورہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ اسی کی تدبیر ہے یعنی کفار نے کہا۔ پھر وہ لوگ ایسے تنگ مقام پر پہنچے جس سے مسلمان غافل تھے تو عِکرِمہ بن ابوجہل، نَوفل بن عبداللہ اور ضُرار بن خَطّاب اور هُبَیرہ بن ابووَهب اور عَمرو بن عبدِ وُدّ نے اس جگہ سے خندق کو پار کیا۔ **عمرو بن عبدِ وُدّ** مقابلے کے لیے بلاتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگا کہ:۔

وَلَقَدْ بَحِحْتُ مِنَ النِّدَاءِ   لِجَمْعِهِمْ هَلْ مِنْ مُبَارِزْ

یعنی ان کی جماعت کو آواز دیتے دیتے خود میری آواز بیٹھ گئی ہے کہ ہے کوئی جو مقابلے کے لیے نکلے۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ اشعار کہے۔

لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ اَتَاكَ   مُجِيْبُ صَوْتِكَ غَيْرُ عَاجِزْ

فِیۡ نِیَّۃٍ وَبَصِیۡرَۃٍ وَالصِّدۡقُ مَنۡجِیۡ کُلِّ فَائِزۡ

اِنِّیۡ لَاَرۡجُوۡ اَنۡ اُقِیۡمَ عَلَیۡکَ نَائِحَۃَ الۡجَنَائِزۡ

مِنۡ ضَرۡبَۃٍ نَجۡلَاءَ یَبۡقٰی ذِکۡرُھَا عِنۡدَ الۡھَزَاھِزۡ

تم ہر گز جلدی نہ کرو۔ تمہاری آواز کا جواب دینے والا تمہارے پاس آگیا ہے جو بے بسی اور کمزوری کا اظہار کرنے والا نہیں۔ مضبوط ارادے اور مکمل بصیرت کے ساتھ اور میدان میں ثابت قدمی اور ڈٹ جانا ہی ہر کامیاب ہونے والے کی نجات کا ذریعہ ہے۔ میں یقیناً امید رکھتا ہوں کہ میں تجھ پر میتوں پر نوحہ کرنے والیاں اکٹھی کر دوں گا۔ ایسا بڑا زخم لگا کر جس کا تذکرہ جنگوں میں باقی رہے گا۔

حضرت علی بن ابو طالبؓ نے جب کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس سے مقابلے کے لیے نکلوں گا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی تلوار دی اور عمامہ باندھا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس یعنی عمرو بن عبدِ وُدّ کے مقابل میں اس کی مدد کر۔ حضرت علیؓ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔

دونوں ایک دوسرے سے مقابلہ کے لیے ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور جب مقابلے پہ آئے تو وہاں ان دونوں کے درمیان مٹی کا غبار اٹھا۔ حضرت علیؓ نے اسے مار کر قتل کر دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو ہم نے جان لیا کہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے ساتھی پشت پھیر کر بھاگ گئے اور اپنے گھوڑوں کی وجہ سے جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔[832]

اس کی مزید تفصیل بیان فرماتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ عمرو ایک نہایت نامور شمشیر زن تھا اور اپنی بہادری کی وجہ سے اکیلا ہی ایک ہزار سپاہی کے برابر سمجھا جاتا تھا اور چونکہ وہ بدر کے موقع پر خائب و خاسر ہو کر واپس گیا تھا اس لئے اس کا سینہ مسلمانوں کے خلاف بغض وانتقام کے جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے میدان میں آتے ہی نہایت مغرورانہ لہجے میں مبارز طلبی کی۔ کہا کوئی ہے جو میرے مقابلے پہ آئے۔ بعض صحابہ اس کے مقابلہ سے کتراتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حضرت علیؓ اس کے مقابلہ کے لئے آگے نکلے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار ان کو عنایت فرمائی اور ان کے واسطے دعا کی۔ حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر عمرو سے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر قریش میں سے کوئی شخص تم سے دو باتوں کی درخواست کرے گا تو تم ان میں سے ایک بات ضرور مان لو گے۔ عمرو نے کہا ہاں۔ حضرت علیؓ نے کہا تو پھر میں پہلی بات تم سے یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤ اور آنحضرت ﷺ کو مان کر خدائی انعامات کے وارث بنو۔ عمرو نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر یہ بات منظور نہیں ہے تو پھر آؤ میرے ساتھ لڑنے کو تیار ہو جاؤ۔ اس پر عمرو ہنسنے لگا اور کہنے لگا میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی شخص مجھ سے یہ الفاظ کہہ سکتا ہے۔ پھر اس نے حضرت علیؓ کا نام ونسب پوچھا اور ان کے بتانے پر کہنے لگا کہ بھتیجے تم ابھی بچے ہو۔ میں تمہارا خون نہیں گرانا چاہتا۔ اپنے بڑوں میں سے کسی کو بھیجو۔ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا کہ تم میرا خون تو

نہیں گرانا چاہتے مگر مجھے تمہارا خون گرانے میں تامل نہیں ہے۔

اس پر عمرو جوش میں اندھا ہو کر اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور اس کی کونچیں کاٹ کر اسے نیچے گرا دیا تا کہ گھوڑے سے واپسی کا بھی کوئی رستہ نہ رہے اور پھر ایک آگ کے شعلہ کی طرح دیوانہ وار حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور اس زور سے حضرت علیؓ پر تلوار چلائی کہ وہ ان کی ڈھال کو قلم کرتی ہوئی ان کی پیشانی پر لگی اور ان کی پیشانی کو کسی قدر زخمی بھی کیا مگر ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر! کا نعرہ لگاتے ہوئے ایسا وار کیا کہ وہ اپنے آپ کو بچا تا رہ گیا اور حضرت علی کی تلوار اسے شانے پر سے کاٹتی ہوئی نیچے اتر گئی اور عمرو تڑپتا ہوا گرا اور جان دے دی۔[833]

عمرو بن عبدِ وُدّ کے قتل ہونے کے بعد کفار نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ وہ اس کی لاش دس ہزار درہم کے بدلے میں خرید لیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لے جاؤ۔ ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔[834]

معاہدہ صلح حدیبیہ کی تحریر لکھنے والے

حضرت بَرَاء بن عَازِب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علی بن ابوطالبؓ نے ان کے درمیان ایک تحریر لکھی اور اس میں آپؐ کا نام محمد رسول اللہ ﷺ لکھا۔ مشرکوں نے کہا کہ محمد رسول اللہ نہ لکھو۔ اگر آپؐ رسول ہوتے تو ہم آپ سے نہ لڑتے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اسے مٹا دو۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ میں وہ شخص نہیں جو اسے مٹائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ تین دن مکہ میں رہیں گے اور وہ اس میں ہتھیار جُلُبَّان میں رکھ کر داخل ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ جُلُبَّان کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ غلاف جس میں تلوار مع میان کے رکھی جاتی ہے۔[835]

اس واقعہ کو حضرت مصلح موعودؓ نے ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ:

”جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلح حدیبیہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور کفار صلح کے لئے شرائط پیش کر رہے تھے۔ صحابہ اپنے دلوں میں ایک آگ لئے بیٹھے تھے اور ان کے سینے ان مظالم کی تپش سے جل رہے تھے جو کفار کی طرف سے بیس سال سے ان پر کئے جا رہے تھے۔ ان کی تلواریں میانوں سے باہر نکلی پڑتی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح موقع آئے تو ان مظالم کا جو انہوں نے اسلام پر کئے ہیں بدلہ لیا جائے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کی باتیں سنیں اور جب یہ تجویز ان کی طرف سے پیش ہوئی کہ آؤ ہم آپس میں صلح کر لیں تو آپ نے فرمایا بہت اچھا ہم صلح کر لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ اس سال تم عمرہ نہیں کر سکتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت اچھا اس سال ہم عمرہ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے کہا کہ دوسرے سال جب آپ عمرہ کے

لئے آئیں تو یہ شرط ہو گی کہ آپ مکہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت اچھا۔ مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ کو مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا: بہت اچھا ہم مسلح ہو کر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ صلح کا معاہدہ طے ہو رہا تھا اور صحابہ کے دل اندر ہی اندر جوش سے ابل رہے تھے۔ وہ غصہ سے تلملا رہے تھے مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ انہوں نے جب یہ معاہدہ لکھنا شروع کیا تو انہوں نے لکھا کہ یہ معاہدہ ایک طرف تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہے اور دوسری طرف مکہ کے فلاں فلاں رئیس اور مکہ والوں کی طرف سے ہے۔
اس پر کفار بھڑک اٹھے اور انہوں نے کہا ہم ان الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ اگر مانتے تو ان سے لڑائی کس بات پر ہوتی۔ ہم تو ان سے محمد بن عبد اللہ کی حیثیت سے معاہدہ کر رہے ہیں، محمد رسول اللہ کی حیثیت سے معاہدہ نہیں کر رہے۔ پس یہ الفاظ اس معاہدہ میں نہیں لکھے جائیں گے۔
اس وقت صحابہ کے جوش کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ غصہ سے کانپنے لگ گئے۔ انہوں نے سمجھا اب خدا نے ایک موقع پیدا کر دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی بات نہیں مانیں گے اور ہمیں ان سے لڑائی کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے گا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ معاہدہ میں سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دینا چاہئے۔" آپؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ "علی! اس لفظ کو مٹا دو مگر حضرت علیؓ ایسے انسان جو فرمانبرداری اور اطاعت کا نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھے ان کا دل بھی کانپنے لگ گیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! یہ لفظ مجھ سے نہیں مٹایا جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لاؤ مجھے کاغذ دو اور کاغذ لے کر جہاں رسول اللہ کا لفظ لکھا تھا اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔"[836]

میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے!!!

غزوۂ خیبر جو محرم اور صفر سات ہجری میں ہوئی تھی اس کے بارے میں صحیح مسلم کی ایک لمبی روایت ہے۔ حضرت سَلَمَۃ بن اَکْوَع بیان کرتے ہیں کہ جب ہم خیبر پہنچے تو ان کا سردار مَرْحَبْ اپنی تلوار لہراتا ہوا نکلا اور وہ کہہ رہا تھا کہ خیبر جانتا ہے کہ میں مَرحب ہتھیار بند بہادر تجربہ کار ہوں جب کہ جنگیں شعلے بھڑکاتی ہوئی آئیں یعنی میری بہادری کا پتہ لگتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے مقابلے کے لیے میرے چچا عامر نکلے اور انہوں نے کہا خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہتھیار بند بہادر خطرات میں اپنے آپ کو ڈالنے والا ہوں۔ راوی کہتے ہیں دونوں نے ضربیں لگائیں۔ مَرحب کی تلوار عامر کی ڈھال پر پڑی اور عامر اس پر نیچے سے وار کرنے لگے کہ ان کی اپنی تلوار ہی ان کو آن لگی اور اس نے ان کی رگ کاٹ

دی اور وہ اسی سے شہید ہو گئے۔ سَلَمَۃ کہتے ہیں۔ میں نکلا تو نبی ﷺ کے بعض صحابہ کہہ رہے تھے کہ عامر کے عمل باطل ہو گئے اس نے اپنے آپ کو قتل کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ مَیں روتے ہوئے نبی ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ! عامرؓ کے عمل ضائع ہو گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کس نے کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا آپؐ کے بعض صحابہ نے۔

آپؐ نے فرمایا جس نے یہ کہا غلط کہا۔ اس کے لیے تو دوہرا اجر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے حضرت علیؓ کی طرف بھیجا۔ ان کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں مَیں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور انہیں ساتھ لے کر چل پڑا۔ ان کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں۔ یعنی بیماری سے آنکھیں ابلی ہوئی تھیں، سوجی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ میں انہیں لے کر رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا۔ وہ ٹھیک ہو گئیں۔

آپؐ نے انہیں جھنڈا دیا اور مَرحب نکلا اور اس نے کہا کہ خیبر جانتا ہے کہ میں مَرحب ہوں۔ ہتھیار بند بہادر تجربہ کار جبکہ جنگیں شعلے بھڑکا رہی ہوتی ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے۔ ہیبت ناک شکل والے شیر کی مانند جو جنگلوں میں ہوتا ہے۔ میں ایک صاع کے بدلے سَنْدَرَہ دیتا ہوں۔ یہ عربی کا ایک محاورہ ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ سیر کے مقابلے میں سوا سیر جو اردو محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ ایسے کو تیسا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والا۔ سندرہ کے لفظی معنی 'مِکْیَالٌ وَاسِع' یعنی بہت بڑا پیمانہ ہے۔ صاع صرف تین سیر کا ہوتا ہے سَنْدَرَہ بڑا ہوتا ہے۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ یہ کہنے کے بعد حضرت علیؓ نے مَرحب کے سر پر ضرب لگائی اور قتل کر دیا اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ یہ بھی مسلم کی روایت ہے۔[837]

حضرت مصلح موعودؓ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"خیبر کے دن حضرت علیؓ کو موقع ملا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آج مَیں اسے موقع دوں گا جو خدا سے محبت کرتا ہے اور جس سے خدا تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تلوار اس کے سپرد کروں گا جسے خدا تعالیٰ نے فضیلت دی ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور اپنا سر اونچا کرتا تھا کہ شاید رسول کریم ﷺ مجھے دیکھ لیں اور مجھے دے دیں۔ مگر آپؐ دیکھتے اور چپ رہتے۔ مَیں پھر سر اونچا کرتا اور آپؐ پھر دیکھتے اور چپ رہتے حتی کہ علیؓ آئے، ان کی آنکھیں سخت دکھتی تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ علی! آگے آؤ۔ وہ آپ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے لعاب دہن ان کی آنکھوں پر لگایا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو شفا دے۔ یہ تلوار لو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہے۔"[838]

ایک اَور جگہ بھی حضرت مصلح موعودؓ اس کا اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آنے کے قریباً پانچ ماہ بعد یہ فیصلہ کیا کہ یہودی خیبر سے جو مدینہ سے صرف چند منزل کے فاصلہ پر تھا اور جہاں سے مدینہ کے خلاف آسانی سے سازش کی جاسکتی تھی نکال دیئے جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے سولہ سو صحابہؓ کے ساتھ اگست 628ء میں خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔

خیبر ایک قلعہ بند شہر تھا اور اس کے چاروں طرف چٹانوں کے اوپر قلعے بنے ہوئے تھے۔ ایسے مضبوط شہر کو اتنے تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ فتح کر لینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اردگرد کی چھوٹی چھوٹی چوکیاں تو چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد فتح ہو گئیں۔ لیکن جب یہودی سمٹ سمٹا کر شہر کے مرکزی قلعہ میں آگئے تو اس کے فتح کرنے کی تمام تدابیر بیکار جانے لگیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ اس شہر کی فتح حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مقدر ہے۔

آپؐ نے صبح کے وقت یہ اعلان کیا کہ میں اسلام کا سیاہ جھنڈا آج اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کو خدا اور اس کا رسول اور مسلمان پیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس قلعہ کی فتح اس کے ہاتھ پر مقدر کی ہے۔ اس کے بعد دوسری صبح آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ جنہوں نے صحابہؓ کی فوج کو ساتھ لے کر قلعہ پر حملہ کیا۔ باوجود اس کے کہ یہودی قلعہ بند تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کو اس دن ایسی قوت بخشی کہ شام سے پہلے پہلے قلعہ فتح ہو گیا۔“[839]

پھر ایک اَور جگہ حضرت علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے اسی واقعہ کے تعلق میں حضرت مصلح موعودؓ نے اس طرح فرمایا ہے کہ ”خیبر کی فتح کا سوال پیدا ہوا تو رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور لشکر اسلامی کا علم آپؓ کے سپرد کرنا چاہا مگر حضرت علیؓ کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں“ یہاں آنکھوں کے دکھنے کا بھی ذکر آگیا ”اور شدت تکلیف کی وجہ سے وہ سوجی ہوئی تھیں۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس حالت میں دیکھا تو آپؐ نے علیؓ سے فرمایا ادھر آؤ۔ وہ سامنے آئے تو آپؐ نے اپنا لعاب دہن حضرت علیؓ کی آنکھوں پر لگایا اور ان کی آنکھیں اسی وقت اچھی ہو گئیں۔“[840]

پھر ایک اَور جگہ آنحضرتؐ کے دست شفا کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایسے نظارے نظر آتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی طور پر شفاء بعض مریضوں کو ملتی ہے بغیر اس کے کہ طبعی ذرائع استعمال ہوں یا ان موقعوں پر شفاء ملتی ہے کہ جب طبعی ذرائع مفید نہیں ہوا کرتے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات میں سے اس قسم کی شفاء کی ایک مثال جنگ خیبر کے وقت ملتی ہے۔ خیبر کی جنگ کے دوران میں ایک دن آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ خیبر کی فتح اس شخص کے لئے مقدر ہے جس کے ہاتھ میں میں جھنڈا دوں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب وہ وقت آیا تو میں نے گردن اونچی کر کر کے دیکھنا شروع کیا کہ شاید مجھے ہی رسول کریم ﷺ جھنڈا دیں۔ مگر آپؐ نے انہیں اس کام کے لئے مقرر نہ فرمایا۔ اتنے میں حضرت علیؓ آئے اور ان کی

آنکھیں سخت دکھ رہی تھیں۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا دیا اور آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں اور آپؐ نے ان کے ہاتھ میں جھنڈا دے کر خیبر کی فتح کا کام ان کے سپرد کیا۔"[841]

حضرت علیؓ کی ایک مثال بڑی ایمان افزاء ہے

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کی ایک مثال بڑی ایمان افزاء ہے۔ جنگ خیبر میں ایک بہت بڑے یہودی جرنیل کے مقابلہ کے لئے نکلے اور بڑی دیر تک اس سے لڑتے رہے کیونکہ وہ بھی لڑائی کے فن کا ماہر تھا اس لئے کافی دیر تک مقابلہ کرتا رہا، آخر حضرت علیؓ نے اسے گرالیا اور آپ اس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ تلوار سے اس کی گردن کاٹ دیں۔ اتنے میں اس یہودی نے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ اس پر حضرت علیؓ اسے چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ وہ یہودی سخت حیران ہوا کہ انہوں نے یہ کیا کیا؟" کہ حضرت علیؓ نے مجھ پر قابو پالیا تھا پھر مجھے چھوڑ دیا۔ "جب یہ میرے قتل پر قادر ہو چکے تھے تو انہوں نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟ چنانچہ اس نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں تم سے خدا کی رضا کے لئے لڑ رہا تھا مگر جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں نے سمجھا کہ اب اگر میں تم کو قتل کروں گا تو میرا قتل کرنا اپنے نفس کے لئے ہو گا، خدا کے لئے نہیں ہو گا۔ پس میں نے تمہیں چھوڑ دیا تا کہ میرا غصہ فرو ہو جائے اور میرا تمہیں قتل کرنا اپنے نفس کے لئے نہ رہے۔ یہ کتنا عظیم الشان کمال ہے کہ عین جنگ کے میدان میں انہوں نے ایک شدید دشمن کو محض اس لئے چھوڑ دیا تا کہ ان کا قتل کرنا اپنے نفس کے غصہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔"[842]

سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات کا حج کے موقعہ پر اعلان

روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات کا حج کے موقع پر اعلان کیا۔ یہ روایت اس طرح ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی سے روایت ہے کہ جب سورۃ براءت (سورۃ توبہ) رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کو بطور امیر حج بھجوا چکے تھے۔ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ! اگر آپؐ یہ سورت حضرت ابو بکرؓ کی طرف بھیج دیں تا کہ وہ وہاں پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے کسی شخص کے سوا کوئی یہ فریضہ میری طرف سے ادا نہیں کر سکتا۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور انہیں فرمایا: سورۃ توبہ کے آغاز میں جو بیان ہوا ہے اس کو لے جاؤ اور قربانی کے دن جب لوگ منیٰ میں اکٹھے ہوں تو ان میں اعلان کر دو کہ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو گا اور اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ نہ ہی کسی کو ننگے بدن بیت اللہ کے طواف کی اجازت ہو گی اور جس کسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے کوئی معاہدہ کیا ہے اس کی مدت پوری کی جائے گی۔ حضرت علی بن ابو طالبؓ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عَضْبَاء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ راستہ

میں ہی حضرت ابو بکرؓ سے جا ملے۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ کو راستے میں دیکھا تو کہا کہ آپؓ کو امیر مقرر کیا گیا ہے یا آپؓ میرے ماتحت ہوں گے؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ آپؓ کے ماتحت۔ پھر دونوں روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کی حج کے امور پر نگرانی کی اور اس سال اہلِ عرب نے اپنی انہی جگہوں پر پڑاؤ کیا ہوا تھا جہاں وہ زمانہ جاہلیت میں پڑاؤ کیا کرتے تھے۔ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں اس بات کا اعلان کیا جس کا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اور کہا اے لوگو! جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ نہ ہی کسی کو ننگے بدن بیت اللہ کے طواف کی اجازت ہو گی اور جس کسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے کوئی معاہدہ کیا ہے اس کی مدت پوری کی جائے گی اور لوگوں کو اس اعلان کے دن سے چار ماہ تک کی مہلت دی تا کہ ہر قوم اپنے امن کی جگہوں یا اپنے علاقوں کی طرف لَوٹ جائے۔ پھر نہ کسی مشرک کے لیے کوئی عہد یا معاہدہ ہو گا اور نہ ذمہ داری سوائے اس عہد یا معاہدہ کے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس کسی مدت تک ہو۔ یعنی جس معاہدے کی مدت ابھی باقی ہے ان معاہدوں کے علاوہ کوئی نیا معاہدہ نہیں ہو گا۔ تو اس کا مقررہ مدت تک پاس کیا جائے گا۔ پھر اس سال کے بعد نہ کسی مشرک نے حج کیا اور نہ کسی نے ننگے بدن حج کیا۔ پھر وہ دونوں (حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔[843]

یہ روایت جو اَب میں پڑھنے لگا ہوں پہلے بھی ایک صحابی کے ذکر میں بیان ہو چکی ہے[844] لیکن یہاں حضرت علیؓ کے حوالے سے بھی بیان کرتا ہوں۔ فتح مکہ کے موقع کی ہے جو رمضان 8/ہجری میں جنوری 630ء کا واقعہ ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیرؓ اور مقداد بن اسودؓ کو بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا تم چلے جاؤ تم روضہ خاخ، یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے جو عورت کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ جب تم روضہ خاخ ایک جگہ ہے وہاں پہنچو تو وہاں ایک شتر سوار عورت ہو گی اور اس کے پاس ایک خط ہے تم وہ خط اس سے لے لو۔ ہم چل پڑے۔ ہمارے گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوئے ہمیں لے گئے۔ جب ہم روضہ خاخ میں پہنچے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک شتر سوار عورت موجود ہے۔ ہم نے اسے کہا کہ خط نکالو۔ وہ کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا تمہیں خط نکالنا ہو گا ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے اور تلاشی لیں گے۔ اس پر اس نے وہ خط اپنے جُوڑے سے نکالا اور ہم وہ خط رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کے مشرکوں کے نام۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی ارادہ کی ان کو اطلاع دے رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلایا اور پوچھا حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہؐ! میرے متعلق جلدی نہ فرمائیں۔ میں ایک ایسا آدمی تھا جو قریش میں آ کر مل گیا تھا۔ ان میں سے نہ تھا اور دوسرے مہاجرین جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے ان کی مکہ میں رشتہ داریاں تھیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے گھر بار اور مال و اسباب کو بچاتے

رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ان مکہ والوں پر کوئی احسان کر دوں کیونکہ ان میں کوئی رشتہ داری تو میری تھی نہیں شاید وہ اس احسان ہی کی وجہ سے میرا پاس کریں اور میں نے کسی کفر یا ارتداد کی وجہ سے یہ نہیں کیا، (نہ میں نے انکار کیا ہے، نہ مرتد ہوا ہوں، نہ میں نے اسلام کو چھوڑا ہے، نہ میں منافق ہوں۔ میں نے یہ کام اس لیے نہیں کیا) اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کبھی پسند نہیں کیا جا سکتا۔ (میں آپ کو یقین دلاتا ہوں) یہ سن کر رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: اس نے تم سے سچ بیان کیا ہے۔ یعنی ان کی بات مان لی۔[845]

اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں۔ "صرف ایک کمزور صحابیؓ نے مکہ والوں کو خط لکھ دیا کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپؐ کہاں جا رہے ہیں لیکن مَیں قیاس کرتا ہوں کہ غالباً وہ مکہ کی طرف آ رہے ہیں۔ میرے مکہ میں بعض عزیز اور رشتہ دار ہیں مَیں امید کرتا ہوں کہ تم اس مشکل گھڑی میں ان کی مدد کرو گے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دو گے۔ یہ خط ابھی مکہ نہیں پہنچا تھا کہ رسول کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صبح کے وقت حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا تم فلاں جگہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں ایک عورت اونٹنی پر سوار تم کو ملے گی اس کے پاس ایک خط ہو گا جو وہ مکہ والوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ تم وہ خط اس عورت سے لے لینا اور فوراً میرے پاس آجانا۔ جب وہ جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔ دیکھنا وہ عورت ہے اس پر سختی نہ کرنا۔ اصرار کرنا اور زور دینا کہ تمہارے پاس خط ہے لیکن اگر پھر بھی وہ نہ مانے اور منتیں سماجتیں بھی کام نہ آئیں تو پھر تم سختی بھی کر سکتے ہو اور اگر اسے قتل کرنا پڑے تو قتل بھی کر سکتے ہو لیکن خط نہیں جانے دینا۔ چنانچہ حضرت علیؓ وہاں پہنچ گئے۔ عورت موجود تھی۔ وہ رونے لگ گئی اور قسمیں کھانے لگ گئی کہ کیا میں غدار ہوں؟ دھوکے باز ہوں؟ آخر کیا ہے؟ تم تلاشی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا، اس کی جیبیں ٹٹولیں، سامان دیکھا مگر خط نہ ملا۔ صحابہؓ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے خط اس کے پاس نہیں۔ حضرت علیؓ کو جوش آگیا۔ آپؓ نے کہا تم چپ رہو اور بڑے جوش سے کہا کہ خدا کی قسم! رسول کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے کہا ہے کہ تیرے پاس خط ہے اور خدا کی قسم! میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ پھر آپؓ نے تلوار نکالی اور کہا یا تو سیدھی طرح خط نکال کر دے دے ورنہ یاد رکھ اگر تجھے ننگا کر کے بھی تلاشی لینی پڑی تو میں تجھے ننگا کروں گا کیونکہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سچ بولا ہے اور تُو جھوٹ بول رہی ہے۔ چنانچہ وہ ڈر گئی اور جب اسے ننگا کرنے کی دھمکی دی گئی تو اس نے جھٹ اپنی مینڈھیاں کھولیں۔ ان مینڈھیوں میں اس نے خط رکھا ہوا تھا جو اس نے نکال کر دے دیا۔"[846]

پھر ایک جگہ اس واقعے کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں ایک صحابی نے اپنے رشتہ داروں کو مکہ پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر پوشیدہ طور پر پہنچانی چاہی تا کہ اس ہمدردی کے اظہار کی وجہ سے وہ اس کے رشتہ داروں سے نیک سلوک کریں۔ لیکن آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو الہام کے ذریعہ یہ بات بتا دی گئی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ اور چند ایک اَور

صحابہ کو بھیجا کہ فلاں جگہ ایک عورت ہے اس سے جا کر کاغذ لے آؤ۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر اس عورت سے کاغذ مانگا تو اس نے انکار کر دیا۔ بعض صحابہ نے کہا کہ شاید رسول کریمؐ کو غلطی لگی ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا نہیں۔ آپؐ کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس سے کاغذ نہ ملے میں یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ انہوں نے اس عورت کو ڈانٹا تو اس نے وہ کاغذ نکال کر دے دیا۔"[847]

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے تو حضرت علیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ میں کعبہ کی چابی تھی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے سِقَایَہ یعنی حج کے موقع پر پانی پلانے کی ڈیوٹی کے ساتھ حِجَابَہ، خانہ کعبہ کو کھولنے اور بند کرنے کی ڈیوٹی کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ آپؐ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کدھر ہے؟ اسے بلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! یہ تیری چابی ہے۔ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو ایسی چیز نہیں دوں گا جس سے تم لوگ مشقت اور تکلیف میں پڑو بلکہ وہ دوں گا جس میں تم لوگوں کے لیے خیر اور برکت ہوگی اور میں تم کو وہ چیز نہیں دوں گا جس کی تم خود ذمہ داری لینا چاہو۔ خود مانگ کے لے رہے ہو تو نہیں (دوں گا)[848]

حضرت امّ ہانی بنت ابی طالبؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے بالائی حصہ میں پڑاؤ فرمایا تو بنی مَخْزُوم میں سے میرے دو سسرالی رشتہ دار بھاگ کر میرے پاس آ گئے۔ حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ میرا بھائی علی میرے پاس آیا اور کہا خدا کی قسم! میں ان دونوں کو قتل کر دوں گا۔

حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان دونوں کے لیے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر مَیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ کے بالائی حصہ میں آئی۔ میں نے آپؐ کو پانی کے ایک برتن میں سے غسل کرتے پایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے نشانات موجود تھے اور آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ایک کپڑے کے ساتھ آپؐ کے لیے پردہ کیے ہوئے تھیں۔ غسل کے بعد آپؐ نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ پھر چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ پھر آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ام ہانیؓ۔ خوش آمدید۔ تمہارا کیسے آنا ہوا؟

انہوں نے ان دونوں آدمیوں اور حضرت علیؓ کے متعلق سارا معاملہ بتایا کہ اس طرح حضرت علیؓ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اور میں ان کو اپنے گھر میں چھپا کے آئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جن کو تم نے پناہ دی انہیں ہم نے پناہ دی اور جن کو تم نے امان دی ان کو ہم نے بھی امان دی۔ پس وہ ان دونوں کو قتل نہ کرے یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علیؓ ان کو قتل نہیں کریں گے۔[849]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حُوَیْرِث بن نُقَیدکے قتل کا حکم نامہ جاری فرمایا ہوا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ایذا پہنچاتا تھا اور آپؐ کی اذیت کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتا تھا اور ہجو کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے جب حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُمّ کلثوم کو مکہ سے

مدینہ بھجوانے کے لیے اونٹ پر بٹھایا تو حُوَیْرِث نے اس اونٹ کو گرا دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے فتح مکہ کے موقع پر حُوَیْرِث بن نُقَیْد کو قتل کیا تھا جبکہ وہ بھاگنے کے لیے نکل چکا تھا۔[850]

غزوۂ حنین جو شوال آٹھ ہجری میں ہوئی۔ روایت میں آتا ہے کہ غزوۂ حنین کے موقعے پر مہاجرین کا جھنڈا حضرت علیؓ کے پاس تھا۔

غزوۂ حنین کے دوران جب گھمسان کی جنگ ہوئی اور کفار کے سخت حملے کی وجہ سے آپؐ کے گرد صرف چند صحابہ ہی رہ گئے تو ان چند صحابہ میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔[851]

غزوۂ حنین میں مشرکوں کی صفوں کے آگے سرخ اونٹ پر سوار ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پرچم تھا۔ یہ پرچم ایک بہت لمبے نیزے سے باندھا گیا تھا۔ بنو ہوازن کے لوگ اس شخص کے پیچھے تھے۔ اگر کوئی شخص اس کی زد میں آجاتا تو وہ فوراً اس کو نیزہ مار دیتا اور اگر وہ اس کے نیزے کی زد سے بچ جاتا تو وہ اپنے پیچھے والوں کے لیے نیزہ اٹھا کر اشارہ کرتا اور وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اور وہ سرخ اونٹ والے کے پیچھے رہتے۔

یہ شخص اسی طرح حملے کرتا پھر رہا تھا کہ اچانک حضرت علیؓ اور ایک انصاری شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قتل کرنے کے لیے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اس کی پشت کی طرف سے آکر اس کے اونٹ کے کولہوں پر وار کیا جس کے نتیجہ میں اونٹ الٹے منہ گرا۔ اسی وقت اس انصاری شخص نے اس پر چھلانگ لگائی اور ایسا سخت وار کیا کہ اس کی ٹانگ آدھی پنڈلی سے کٹ گئی۔ اسی وقت مسلمانوں نے مشرکوں پر ایک سخت حملہ کر دیا۔[852]

سریہ حضرت علیؓ بطرف بنو طَیّ کے بارے میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو افراد کے ہمراہ بنو طَیّ کے بت فُلْس کو گرانے کے لیے روانہ فرمایا۔ (بنو طَیّ کا علاقہ مدینے کے شمال مشرق میں واقع تھا) آپؐ نے اس سریہ کے لیے حضرت علیؓ کو ایک کالے رنگ کا بڑا جھنڈا اور سفید رنگ کا چھوٹا پرچم عطا فرمایا۔ حضرت علیؓ صبح کے وقت آل حاتم پر حملہ آور ہوئے اور ان کے بت فُلْس کو منہدم کر دیا۔ حضرت علیؓ بنو طَیّ سے بہت سارا مالِ غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ واپس آئے۔[853]

غزوۂ تبوک جو رجب 9ہجری میں ہوا اس کے بارے میں روایت ہے جو مُصْعَب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے نکلے اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائمقام مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ نے کہا: کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں میں پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: کیا تم خوش نہیں ہوتے کہ تمہارا مقام مجھ سے وہی ہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا مگر یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔[854]

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”رسول کریم ﷺ ایک دفعہ جنگ پر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے قائمقام بنا گئے۔ پیچھے صرف منافق ہی منافق رہ

گئے تھے۔ اس وجہ سے وہ گھبرا کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مجھے بھی لے چلیں۔ آپؐ نے تسلی دی اور فرمایا۔ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ۔ یعنی اے علیؓ! تمہیں مجھ سے ہارونؑ اور موسیٰؑ کی نسبت حاصل ہے۔ ایک دن ہارونؑ کی طرح تم بھی میرے خلیفہ ہوگے لیکن باوجود اس نسبت کے تم نبی نہ ہوگے۔"[855]

حضرت علیؓ یمن کی طرف

آنحضرت ﷺ کا حضرت علیؓ کو یمن کی طرف بھیجنے کے بارے میں آتا ہے کہ دس ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کی طرف بھجوایا۔ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی طرف بھیجا کہ وہ ان کو اسلام کی طرف بلائیں، یعنی یمن والوں کی طرف، لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا پھر اس پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اہل یمن کو آپ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا۔ پھر پورے ہمدان نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کر لیا۔

حضرت علیؓ نے ان کے قبول اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کو خط لکھا تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ جملہ دُہرایا کہ ہمدان پر سلامتی ہو۔ ہمدان یمن میں مدینہ کے جنوب مشرق میں مدینہ سے تقریباً ساڑھے گیارہ سو کلو میٹر دور واقع ایک شہر ہے۔ پھر اس کے بعد اہل یمن نے بھی اسلام قبول کر لیا اور حضرت علیؓ نے اس کے متعلق آپ ﷺ کو لکھا۔ اس پر آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔[856]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ مجھے بھیج رہے ہیں اور میں نوجوان ہوں اور مجھے قضا کا کوئی علم بھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تیرے دل کو ضرور ہدایت دے گا اور تیری زبان کو ثبات بخشے گا۔

پس جب تیرے سامنے دو جھگڑا کرنے والے بیٹھیں تو فیصلہ نہ کرنا یہاں تک کہ تو دوسرے سے بھی سن لے جیسا کہ تُو نے پہلے سے سنا۔ ایسا کرنا اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تیرے لیے فیصلہ واضح ہو جائے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے فیصلہ کرنے میں کبھی کوئی شک پیدا نہیں ہوا۔[857]

حضرت عَمرو بن شَاس اَسْلَمِیؓ جو صلح حدیبیہ کے شاملین میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے ہمراہ یمن کی طرف روانہ ہوا۔ سفر کے دوران انہوں نے میرے ساتھ سختی کی یہاں تک کہ میں اپنے دل میں ان کے بارے میں کچھ محسوس کرنے لگا۔

پس جب میں یمن سے واپس آیا تو میں نے ان کے خلاف مسجد میں شکایت کی یہاں تک کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی۔ ایک دن مَیں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جب آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی تو آپؐ نے مجھے غور سے دیکھا۔

وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے تیز نظر سے دیکھا یہاں تک کہ جب میں بیٹھا تو آپؐ نے فرمایا: اے عَمرو! خدا کی قسم! تو نے مجھے اذیت دی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مَیں اللہ کی

پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آپ کو تکلیف پہنچاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں جس نے علیؓ کو اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی۔ یہ مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے۔[858]

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں۔ یہ روایت جو میں نے پہلے پڑھی ہے وہ مسند کی ہے۔ اگلی ایک روایت یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ ایک موقع پر لوگوں نے حضرت علیؓ کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ ہم میں خطاب کے لیے کھڑے ہوئے۔

میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اے لوگو! تم علی کی شکایت نہ کرو۔ خدا کی قسم! وہ اللہ کی ذات کے بارے میں بہت ڈرنے والا ہے یا فرمایا وہ اللہ کے رستے میں بہت ڈرنے والا ہے اس بات سے کہ اس کی شکایت کی جائے۔[859]

آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری میں آپؐ کی خدمت

آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری میں آپؐ کی خدمت کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ جب نبی ﷺ بیمار ہو گئے اور آپؐ کی بیماری بڑھ گئی تو آپؐ نے اپنی ازواج سے اجازت لی کہ میرے گھر میں آپؐ کی تیمار داری کی جائے تو آپؐ کو انہوں نے اجازت دے دی۔ اس پر آپؐ دو آدمیوں کے درمیان نکلے۔

آپؐ کے پاؤں زمین پر لکیر ڈال رہے تھے اور آپؐ حضرت عباسؓ اور ایک دوسرے آدمی کے درمیان تھے یعنی حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہی تھے اور وہیں سے آپؐ مسجد جانے کے لیے دو آدمیوں کا سہارا لے کر باہر آئے۔

عبید اللہ نے کہا کہ میں نے اس بات کا ذکر حضرت ابن عباسؓ سے کیا جو حضرت عائشہؓ نے کہی تھی تو انہوں نے کہا کیا تم جانتے ہو وہ کون آدمی تھے جس کا حضرت عائشہؓ نے نام لیا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ ایک تو حضرت عباسؓ تھے جن کا حضرت عائشہؓ نے نام لیا تھا اور دوسرے آدمی جس کا نام نہیں لیا تھا انہوں نے کہا کہ وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔[860]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابو طالبؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آپؐ کی اس بیماری کے دوران جس میں آپؐ فوت ہوئے باہر نکلے۔ لوگوں نے پوچھا اے ابو الحسن! آج صبح رسول اللہ ﷺ کی طبیعت کیسی ہے؟ انہوں نے کہا الحمد للہ۔

آج صبح آپؐ کی طبیعت اچھی ہے۔ اس پر حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا اللہ کی قسم! تم تین دن کے بعد کسی اَور کے ماتحت ہو جاؤ گے کیونکہ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں جلد فوت ہو جائیں گے کیونکہ موت کے وقت بنو عبد المطلب کے چہروں کی مجھے خوب شناخت ہے۔ آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں اور آپؐ سے پوچھیں کہ یہ معاملہ (یعنی خلافت) کن میں ہو گی؟ اگر ہمارے میں ہوئی تو ہمیں علم ہو جائے گا اور اگر یہ ہمارے علاوہ

کسی اَور میں ہوئی تو بھی ہم یہ بات جان لیں گے اور آپؐ اس کے بارے میں ہمیں کوئی وصیت کر جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پوچھی اور آپؐ نے ہمیں یہ (اعزاز) نہ دیا تو آپؐ کے بعد لوگ ہمیں نہیں دیں گے۔ بخدا میں تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق نہیں پوچھوں گا۔[861]

یہ بھی بخاری کی روایت ہے بخاری میں اس جگہ عربی الفاظ ہیں أَنْتَ وَاللّٰهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا اس کے متعلق حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں یہ نوٹ درج کیا ہے کہ یہ اس شخص کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جو آپ ﷺ کے بعد کسی اَور کے ماتحت ہو جائے گا اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تین دن کے بعد وفات ہو جائے گی۔[862]

حضرت عامر سے روایت ہے کہ (نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد) رسول اللہ ﷺ کو حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے غسل دیا اور انہی افراد نے آپؐ کو قبر میں اتارا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بھی داخل کیا۔[863]

حضرت ابو بکرؓ کی بیعت

حضرت علیؓ کی حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنے کے بارے میں مختلف روایتیں آتی ہیں کیونکہ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے پوری رضا و رغبت کے ساتھ فوراً حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ بعض اس کے خلاف لکھتے ہیں۔

بہرحال حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت مروی ہے کہ مہاجرین و انصار نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تو حضرت ابو بکرؓ منبر پر چڑھے تو انہوں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو ان میں حضرت علیؓ کو نہ پایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انصار میں سے کچھ لوگ گئے اور حضرت علیؓ کو لے آئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے اور آپؐ کے داماد! کیا تم مسلمانوں کی طاقت کو توڑنا چاہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! گرفت نہ کیجیے۔ پھر انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔[864]

تاریخ طبری میں ہے کہ حبیب بن ابو ثابت سے یہ روایت ہے کہ

حضرت علیؓ اپنے گھر میں تھے جب ان کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کہا گیا کہ حضرت ابو بکرؓ بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہیں۔

حضرت علیؓ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ جلدی سے اس حالت میں باہر نکلے کہ نہ ہی ان پر ازار تھا اور نہ ہی کوئی چادر۔ آپ اس امر کو ناپسند کرتے ہوئے نکلے کہ کہیں اس سے دیر نہ ہو جائے یہاں تک کہ آپؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپؓ نے اپنے کپڑے منگوائے

اور وہ کپڑے پہنے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کی مجلس میں ہی بیٹھے رہے۔[865]

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلے دن یا دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ اور یہی سچ ہے کیونکہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو کبھی نہیں چھوڑا اور نہ ہی انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز کی ادائیگی ترک کی۔[866]

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اوّل اوّل حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے بھی تخلف کیا تھا مگر پھر گھر جا کر خدا جانے کیا خیال آیا کہ پگڑی بھی نہ باندھی اور فوراً ٹوپی سے ہی بیعت کرنے کو آ گئے اور پگڑی پیچھے منگوائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خیال آ گیا ہو گا کہ یہ تو بڑی معصیت ہے۔ اس واسطے اتنی جلدی کی کہ پگڑی بھی نہ باندھی۔[867] یعنی کپڑے بھی پورے نہیں پہنے اور جلدی جلدی آ گئے۔

دوسری قسم کی روایات میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی تھی جیسا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات تک بیعت نہیں کی تھی۔[868]

جبکہ بہت سے علماء نے بخاری میں موجود اس روایت پر جرح کی ہے۔ چنانچہ امام بیہقی سنن الکبریٰ میں امام شہاب الدین زہری کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت حضرت فاطمہؓ کی وفات تک نہیں کی تھی، تحریر کرتے ہیں۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ امام زہری کی یہ بات کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے حضرت فاطمہؓ کی وفات تک رکے رہے یہ منقطع قول ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے سقیفہ کے بعد ہونے والی عام بیعت میں حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔[869]

اور بعض علماء نے بخاری میں موجود اس روایت کی تطبیق اس طرح سے کی ہے کہ اس دوسری بیعت کو تجدید بیعت کا نام دیا ہے۔ شاید ان علماء کا یہ خیال ہو کہ آخر کوئی بات تو ہو گی اس لیے بخاری جیسی کتاب میں اس روایت کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ حضرت علیؓ کی اس دوسری بیعت کو کوئی نام دیا جائے۔ بہر حال یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ بخاری کی سب روایات ٹھیک ہی ہوں۔

چنانچہ ڈاکٹر علی محمد صلابی اپنی کتاب سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب شخصیتہٗ وعَصْرُہٗ میں تحریر کرتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر اور بہت سے اہل علم کے نزدیک حضرت علیؓ نے چھ ماہ بعد جب حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی اپنی بیعت کی تجدید کی ہے۔[870]

انہوں نے اس کا نام تجدید بیعت رکھ دیا ہے کہ پہلے بیعت تو کر لی تھی اور حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد دوبارہ تجدید کی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت علیؓ نے مناسب سمجھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اپنی بیعت کی تجدید کریں۔[871]

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف 'سر الخلافۃ' میں بیان فرماتے ہیں یہ عربی کی کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ صدیق اکبر ان لوگوں میں سے تھے (یہ ان کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ پر الزام لگاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس وقت حضرت علیؓ کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا) اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ صدیق اکبر ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دنیا اور اس کی رعنائیوں کو مقدم کیا اور انہیں چاہا اور وہ غاصب تھے تو ایسی صورت میں ہم اس بات پر مجبور ہوں گے کہ پھر یہ بھی اقرار کریں کہ شیر خدا علی بھی منافقوں میں شامل تھے (نعوذ باللہ) اور جیسا کہ ہم ان کے متعلق خیال کرتے ہیں وہ دنیا کو تیاگ کر اللہ سے لَو لگانے والے نہ تھے بلکہ وہ دنیا اور اس کی دل فریبیوں پر گر پڑنے والے اور اس کی رعنائیوں کے فریفتہ تھے اور اسی وجہ سے آپ نے کافر مرتدوں کا ساتھ نہ چھوڑا (یعنی یہ کافر کہتے ہیں ناں۔ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں) بلکہ مداہنت اختیار کرنے والوں کی طرح ان میں شامل رہے اور قریباً تیس سال کی مدت تک تقیہ اختیار کیے رکھا۔ پھر جب صدیق اکبر، علی رضی اللہ عنہ وارضیٰ کی نگاہ میں کافر یا غاصب تھے تو پھر کیوں ان کی بیعت پر راضی ہوئے اور کیوں انہوں نے ظلم، فتنے اور ارتداد کی سرزمین سے دوسرے ممالک کی جانب ہجرت نہ کی؟ کیا اللہ کی زمین اتنی فراخ نہ تھی کہ وہ اس میں ہجرت کر جاتے جیسا کہ یہ تقویٰ شعاروں کی سنت ہے۔ وفا شعار ابراہیم کو دیکھو کہ وہ حق کی شہادت میں کیسے شدید القویٰ تھے، (بڑے باہمت نکلے) جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ گمراہ ہو گیا اور راہ حق سے بھٹک گیا ہے اور یہ دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو پوج رہی ہے اور وہ بزرگ و برتر رب کے تارک ہیں تو انہوں نے بلا کسی خوف کے اور ان کی پروا کیے بغیر ان سے منہ موڑ لیا۔ وہ آگ میں ڈالے گئے اور شریروں کے خوف سے تقیہ اختیار نہ کیا۔ یہ ہے نیکو کاروں کی سیرت کہ وہ شمشیر و سناں سے نہیں ڈرتے اور وہ تقیہ کو گناہ کبیرہ اور بے حیائی اور تعدی تصور کرتے ہیں۔ اگر (بالفرض) ان سے اس قسم کی ذلیل حرکت ذرا سی بھی صادر ہو جائے تو وہ اللہ کی طرف استغفار کرتے ہوئے رجوع کرتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ صدیقؓ اور فاروقؓ کافر اور حقوق غصب کرنے والے ہیں، انہوں نے ان کی کیسے بیعت کر لی۔ وہ یعنی حضرت علیؓ ان دونوں کی معیت میں ایک لمبی عمر تک ساتھ رہے اور پورے اخلاص اور عقیدے سے ان دونوں کی اتباع کی اور اس میں نہ کبھی انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ ہی کسی کراہت کا اظہار فرمایا، نہ کوئی اور وجہ آڑے آئی اور نہ ہی آپؓ کے ایمانی تقویٰ نے آپؓ کو اس سے روکا۔ بایں ہمہ کہ آپؓ ان حضرات کے فساد، کفر اور ارتداد سے آگاہ تھے۔ (علاوہ ازیں) آپ کے اور اقوام عرب کے درمیان نہ کوئی بند دروازہ تھا اور نہ ہی کوئی لمبا چوڑا پردہ اور نہ ہی آپ

کوئی قیدی تھے۔ (ایسی صورت میں) آپ پر یہ واجب تھا کہ آپ کسی دوسرے عرب علاقے اور شرق اور غرب کے کسی حصہ کی جانب ہجرت فرما جاتے۔ (اگر ایسے حالات تھے، زبردستی تھی۔ کوئی زبردستی تو نہیں تھی۔ ہجرت کر سکتے تھے) اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ صرف ہجرت کر جاتے بلکہ لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتے کہ یہ لوگ تو مرتد اور کافر ہیں ان کے خلاف جنگ کرو۔ اور بادیہ نشینوں کو لڑائی کی ترغیب دیتے اور اپنی فصاحت بیانی سے ان کو مسخر کرتے اور پھر مرتد ہونے والے لوگوں سے جنگ کرتے۔ پھر فرماتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کے گرد اندازاً ایک لاکھ بادیہ نشین جمع ہو گئے تھے جبکہ علی اس مدد کے زیادہ حقدار تھے اور اس مہم جوئی کے لیے زیادہ مناسب تھے۔ پھر کیوں آپ یعنی حضرت علیؓ کافروں کے پیچھے لگ گئے، یعنی پہلے خلفاء کے جن کو تم کافر کہتے ہو۔ آپ برسر اقتدار ہوئے مگر سست لوگوں کی طرح بیٹھے رہے اور مجاہدوں کی طرح اٹھ کھڑے نہ ہوئے۔ وہ کون سی بات تھی جس نے آپ کو اقبال و عروج کی تمام علامات ہوتے ہوئے بھی اس خروج سے روکے رکھا، ان باتوں سے روکے رکھا۔ آپ جنگ و جدل اور حق کی تائید اور لوگوں کو دعوت دینے کے لیے کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ کیا آپ قوم کے سب سے فصیح و بلیغ واعظ اور ان لوگوں میں سے نہ تھے جو کلام میں روح پھونک دیا کرتے ہیں۔ اپنی بلاغت اور حسن بیان کے زور سے اور سامعین کے لیے اپنی قوت تاثیر سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینا آپ کے لیے محض ایک گھنٹہ بلکہ اس سے بھی کم تر وقت کا کام تھا۔ اور جب لوگ ایک کاذب دجال کے گرد جمع ہو گئے تو شیر خدا کی کیفیت تو کچھ اور ہی ہونی چاہیے تھی جو بڑے بڑے کام کرنے والے رب کا تائید یافتہ اور رب العالمین کا محبوب تھا۔ پھر عجیب تر اور حیران کن بات یہ ہے کہ آپ نے صرف مبائعین میں سے ہونے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ یعنی یہی نہیں کیا کہ صرف بیعت کر لی، بلکہ ہر نماز شیخین (یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ) کے پیچھے ادا کی اور کسی وقت بھی اس میں تخلّف نہ فرمایا اور نہ ہی شکوہ کرنے والوں کی طرح اس سے گریز کیا۔

آپؓ ان کی شوریٰ میں شامل ہوئے اور ان کے دعویٰ کی تصدیق کی اور اپنی پوری ہمت اور پوری طاقت سے ان کی مدد کی اور کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ اس لیے غور کرو اور بتاؤ کہ کیا ستم رسیدوں اور مکفروں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں؟ اور پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ کذب و افترا کا علم ہونے کے باوجود وہ یعنی حضرت علیؓ کاذبوں کی اتباع کرتے رہے گویا کہ صدق و کذب ان کے نزدیک یکساں تھے۔ آپ حضرت علیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کیا حضرت علیؓ یہ نہیں جانتے تھے کہ جو لوگ قادر و توانا ذات پر توکل کرتے ہیں وہ ایک لحظہ کے لیے بھی مداہنت کی راہ کو اہمیت نہیں دیتے خواہ انہیں سچائی کی خاطر جلا دیا جائے، ہلاکت میں ڈال دیا جائے اور پارہ پارہ کر دیا جائے۔[872]

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرما دیا کہ حضرت علیؓ نے کبھی بھی اپنے سے پہلے خلفاء کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ ان کی بیعت کی ورنہ جو باتیں تم حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہو کہ

انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی یہ بات تو حضرت علیؓ کے مقام کو گراتی ہے نہ کہ بڑھاتی ہے۔

خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرت علیؓ کی کیا خدمات تھیں یعنی آپ سے پہلے جو تین خلفاء گزرے ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے اور مدینہ میں بھی منافقین نے سر اٹھایا اور بنو حَنِیفہ اور یمامہ کے بہت زیادہ لوگ مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گئے جبکہ قبیلہ بنو اسد اور طے اور دیگر بہت سے لوگ طُلَیحَہ اَسَدِی کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اس نے بھی مسیلمہ کی طرح نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مصیبت بہت بڑھ گئی اور صورتحال بشدت بگڑ گئی۔

ایسے میں جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا تو آپؓ کے پاس بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔ اس پر بہت سے بدوؤں کا مدینہ پر قبضہ کے لیے دل للچایا اور انہوں نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ میں داخل ہونے والے مختلف راستوں پر مدینہ کے ارد گرد پہرے دار مقرر کر دیے جو اپنے دستوں کے ساتھ مدینہ کے ارد گرد پہرہ دیتے ہوئے رات گزارتے تھے۔ ان پہرہ داروں کے نگرانوں میں سے حضرت علی بن ابی طالبؓ، زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ تھے۔[873]

یعنی فوج کا جو ایک حصہ تھا، جو حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا تھا حضرت علیؓ اس وقت بھی اس کے نگران تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی جب عام خبر پھیلی تو عرب کے اکثر قبائل مرتد ہو گئے اور ادائیگی زکوٰۃ سے پہلو تہی کرنے لگے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ مہاجرین وانصار کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور جب نجد کے بلند علاقے کے بالمقابل ایک تالاب پر پہنچے تو بدو وہاں سے اپنے بال بچوں سمیت بھاگ کھڑے ہوئے۔

اصل میں تو یہ ہے کہ ایک طرف مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ تھا، پوری طرح مرتد بھی نہیں تھے اور دوسری طرف زکوٰۃ دینے سے بھی انکاری تھے اس لیے جنگ کی گئی تھی۔ یہ نہیں ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے ان کو سزا مل رہی تھی۔

اس پر جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اس پر لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ اپنے بچوں اور عورتوں کے پاس واپس مدینہ لَوٹ چلیں اور لشکر پر کسی شخص کو امیر بنا دیں۔

لوگوں کے اصرار پر آپؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر لشکر مقرر کیا اور ان سے فرمایا کہ اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں اور زکوٰۃ دیں تو تم میں سے جو واپس آنا چاہے یعنی بیعت میں آجائیں اور زکوٰۃ دیں تو جو واپس آنا چاہے وہ آجائے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ مدینہ لَوٹ آئے۔[874]

خلافت راشدہ کے دوران امیر مدینہ

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ

خلافت میں بعض سفروں کے پیش آنے پر حضرت علیؓ کو اپنی جگہ مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ واقعہ جسر کے موقع پر جو مسلمانوں کو ایرانی فوجوں کے مقابلہ پر ایک قسم کی زک اٹھانی پڑی تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کے مشورہ سے ارادہ کیا کہ آپ خود اسلامی فوج کے ساتھ ایران کی سرحد پر تشریف لے جائیں تو آپ نے اپنے پیچھے حضرت علیؓ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔"[875]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "سب سے بڑی اور ہولناک شکست جو اسلام کو پیش آئی وہ جنگ جسر تھی۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا زبردست لشکر گیا۔ ایرانی سپہ سالار نے دریا پار اپنے مورچے بنائے اور ان کا انتظار کیا۔ اسلامی لشکر نے جوش میں بڑھ کر ان پر حملہ کیا اور دھکیلتے ہوئے آگے نکل گئے مگر یہ ایرانی کمانڈر کی چال تھی۔ اس نے ایک فوج بازو سے بھیج کر" یعنی ایک سائیڈ سے بھیج کر "پل پر قبضہ کر لیا اور تازہ حملہ مسلمانوں پر کر دیا۔ مسلمان مصلحتاً پیچھے لوٹے مگر دیکھا کہ پل پر دشمن کا قبضہ ہے۔ گھبرا کر دوسری طرف ہوئے تو دشمن نے شدید حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد دریا میں کودنے پر مجبور ہو گئی اور ہلاک بھی ہو گئی۔

مسلمانوں کا یہ نقصان ایسا خطرناک تھا کہ مدینہ تک اس سے ہل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ والوں کو جمع کیا اور فرمایا اب مدینہ اور ایران کے درمیان کوئی روک باقی نہیں۔ مدینہ بالکل ننگا ہے اور ممکن ہے کہ دشمن چند دنوں تک یہاں پہنچ جائے اس لئے میں خود کمانڈر بن کر جانا چاہتا ہوں۔ باقی لوگوں نے تو اس تجویز کو پسند کیا مگر حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر خدانخواستہ آپؓ کام آگئے" "شہید ہو گئے" "تو مسلمان تتر بتر ہو جائیں گے اور ان کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جائے گا۔ اس لئے کسی اور کو بھیجنا چاہئے آپ خود تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو جو شام میں رومیوں سے جنگ میں مصروف تھے لکھا کہ تم جتنا لشکر بھیج سکتے ہو بھیج دو کیونکہ اس وقت مدینہ بالکل ننگا ہو چکا ہے اور اگر دشمن کو فوری طور پر نہ روکا گیا تو وہ مدینہ پر قابض ہو جائے گا۔"[876]

خلافت عثمانؓ میں حضرت علیؓ کی مخلصانہ دفاعی کوششیں

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کا رفع کرنے کے لیے ان کو مخلصانہ مشورے دیے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجود شورش اور ہنگامے کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے (حضرت علیؓ نے) نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپؓ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عُمّال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو حضرت عمرؓ کے پیش نظر تھے پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں دے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے

سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھتا۔ بڑی سختی سے نگرانی رکھی ہوئی تھی۔ برخلاف اس کے آپؓ ضرورت سے زیادہ نرم ہیں۔ آپ کے عُمّال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو اس کی خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ رعایا سمجھتی ہے کہ عُمّال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تکمیل ہے۔ اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑتا ہے۔

جب مصریوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس قدر شدت اختیار کی کہ کھانے پینے سے بھی محروم کر دیا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو محاصرہ کرنے والوں کے پاس گئے اور فرمایا تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو کھانے پینے سے محروم نہیں کرتے۔

حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا کہ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو۔ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پروا نہیں کی اور محاصرے میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے گئے۔ [877]

لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ ان کا پانی بند کر دیا۔ اس پر آپؓ نے (حضرت عثمانؓ نے) اوپر سے جھانک کر دیکھا۔ انہوں نے کہا کیا تم لوگوں میں علیؓ ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا سعدؓ ہیں؟ جواب ملا نہیں۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر حضرت عثمانؓ نے کہا کیا تم میں سے کوئی ہے جو علیؓ سے جا کر کہے کہ وہ ہمیں پانی پلائیں۔ حضرت علیؓ کو یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے پانی کی بھری ہوئی تین مشکیں آپ کے گھر روانہ کیں مگر باغیوں کی مزاحمت کی وجہ سے یہ مشکیں حضرت عثمانؓ کے گھر نہیں پہنچ رہی تھیں، ان کو لے جانے نہیں دے رہے تھے۔ ان مشکوں کو پہنچانے کی کوشش میں بَنُو ھَاشِم اور بَنُو اُمَیَّہ کے کئی غلام زخمی ہوئے تاہم پانی آخر کار حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچ گیا۔

حضرت عثمانؓ کے گھر حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا پہرا

حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا منصوبہ ہے تو آپؓ نے اپنے صاحبزادوں امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے فرمایا: اپنی تلواریں لے کر جاؤ اور حضرت عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور خبردار کوئی بلوائی آپؓ تک پہنچنے نہ پائے۔ یہ دیکھ کر باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازے پر تیر اندازی شروع کر دی جس سے حضرت حسنؓ اور محمد بن طلحہ لہولہان ہو گئے۔ اسی اثنا میں محمد بن ابو بکر دو ساتھیوں سمیت ایک انصاری کے گھر کی طرف سے چھپ کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں کودے اور آپؓ کو شہید کر دیا۔ جب یہ خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپؓ نے آکر دیکھا کہ حضرت عثمانؓ واقعی شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس پر آپؓ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا۔ تم دونوں کے دروازے پر پہرہ دار ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ کس طرح شہید کر دیے گئے؟ یہ کہہ کر آپؓ نے حضرت حسنؓ کو تھپڑ مارا اور

حضرت حسینؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور محمد بن طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر کو برا بھلا کہا اور غصہ کی حالت میں وہاں سے آپ گھر لَوٹ آئے۔ 878

شدّاد بن اوس بیان کرتے ہیں کہ یَوْمُ الدَّار کو جب حضرت عثمانؓ کے محاصرے نے شدت اختیار کر لی۔ (یوم الدار اس دن کو کہا جاتا ہے جس دن حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے اپنے گھر میں محصور کر کے انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تھا) تو حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جھانک کر دیکھا اور فرمایا اے اللہ کے بندو! راوی کہتے ہیں اس پر میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اپنے گھر سے باہر نکل رہے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عمامہ باندھا ہوا ہے اور اپنی تلوار لٹکائی ہوئی ہے۔ ان کے آگے مہاجرین و انصار کا گروہ تھا جس میں حضرت حسنؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے باغیوں پر حملہ کر کے انہیں وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور حضرت علیؓ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین آپ پر سلامتی ہو۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دین کی بلندی اور مضبوطی اس وقت حاصل ہوئی جب آپ نے ماننے والوں کو ساتھ لے کر منکرین سے جنگ کی۔ بخدا میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کو ضرور قتل کرنے والے ہیں۔ پس آپ ہمیں ان سے لڑائی کرنے کا حکم دیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہر اس شخص کو جو اللہ کو حق سمجھتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ میرا اس پر حق ہے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میری خاطر نہ کسی کا سینگی برابر خون بہائے اور نہ میری خاطر اپنا خون بہائے۔ حضرت علیؓ نے دوبارہ وہی درخواست کی جس پر حضرت عثمانؓ نے وہی جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں اس پر میں نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! تُو جانتا ہے کہ ہم نے اپنی تمام کوششیں صرف کر ڈالی ہیں۔ پھر آپ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے آپ سے کہا اے ابوالحسن! آگے بڑھیں اور لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکتا جبکہ امام محصور ہے، میں اکیلے نماز پڑھ لوں گا۔ پھر آپؓ تنہا نماز پڑھ کر واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ کا بیٹا آیا اور اس نے آپ سے کہا اے میرے باپ! بخدا مخالفین نے حضرت عثمانؓ کے گھر پر حملہ کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ خدا کی قسم! وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا حضرت عثمانؓ کہاں ہوں گے یعنی شہادت کے بعد۔ فرمایا اللہ کی قسم! جنت میں۔ لوگوں نے پوچھا اور یہ لوگ کہاں ہوں گے جنہوں نے قتل کیا ہے اے ابوالحسن! یہ لوگ کہاں ہوں گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! آگ میں۔ آپؓ نے تین بار یہ کہا۔ 879

باغیوں نے جب مدینے کا محاصرہ کر لیا تو ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس گئے۔ وہ اس وقت مدینہ سے باہر ایک حصہ لشکر کی کمان کر رہے تھے اور اس کا سر کچلنے پر آمادہ کھڑے تھے۔ ان لوگوں نے آپؓ کے پاس پہنچ کر عرض کیا کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بد انتظامی کے باعث اب خلافت کے قابل نہیں ہم ان کو علیحدہ کرنے کے لئے آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپؓ ان کے بعد اس عہدے کو قبول کریں گے۔ انہوں نے ان کی بات سن کر اس غیرت دینی سے" یعنی حضرت علی نے منافقین کی بات سن کر "اس غیرت دینی سے کام لے کر جو آپؓ کے رتبہ کے آدمی کا حق تھا ان لوگوں کو دھتکار دیا اور بہت سختی سے پیش آئے اور فرمایا کہ سب نیک لوگ جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کے طور پر ذُوالْمَرْوَہ اور ذُو خُشُب (جہاں ان لوگوں کا ڈیرہ تھا) پر ڈیرہ لگانے والے لشکروں کا ذکر فرما کر ان پر لعنت فرمائی تھی۔[880]

پس خدا تمہارا برا کرے تم واپس چلے جاؤ۔ اس پر ان لوگوں نے کہا بہت اچھا۔ ہم واپس چلے جائیں گے اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔"[881]

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اس کے بعد حضرت علیؓ کی جو بیعت خلافت ہے اس کے بارے میں ذکر کہیں پہلے بھی میں ایک دفعہ مختصر بیان کر چکا ہوں۔[882] بہر حال پہلے تفصیل سے کیا تھا۔ اب یہاں تھوڑا سا واقعہ مختصر بتا دیتا ہوں۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو تمام لوگ حضرت علیؓ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے جن میں صحابہ اور دیگر لوگ بھی شامل تھے۔ وہ سب یہی کہہ رہے تھے کہ علی امیر المومنین ہیں۔ وہ آپ کے پاس آپ کے گھر حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں کیونکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا یہ تمہارا کام نہیں ہے بلکہ یہ اصحابِ بدر کا کام ہے۔ پس جس کے بارے میں اصحاب بدر راضی ہوں گے وہی خلیفہ ہو گا۔ اس پر سبھی لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم کسی کو آپ سے زیادہ اس بات کا حقدار نہیں سمجھتے۔ پس اپنا ہاتھ بڑھائیں کہ ہم آپ کی بیعت کریں۔

آپؓ نے فرمایا طلحہؓ اور زبیر کہاں ہیں۔ پھر سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے آپؓ کی زبانی بیعت کی اور سب سے پہلے حضرت سعدؓ نے آپؓ کی دستی بیعت کی۔ جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو آپؓ مسجد کی طرف نکلے اور منبر پر چڑھے۔ حضرت طلحہؓ سب سے پہلے شخص تھے جو حضرت علیؓ کی طرف منبر پر چڑھے اور آپؓ کی بیعت کی ان کے بعد حضرت زبیرؓ نے بیعت کی اور پھر باقی صحابہؓ نے بیعت کی۔[883]

حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات کا جو تذکرہ کیا ہے اس میں جس طرح آپؓ نے بیان فرمایا وہ یوں ہے کہ:

جب حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو مفسدوں نے بیت المال کو لوٹا اور اعلان کر دیا کہ جو مقابلہ کرے گا قتل کر دیا جائے گا۔ لوگوں کو جمع نہیں ہونے دیا جاتا تھا، کوئی اکٹھا نہیں ہو سکتا تھا۔ جس طرح آج کل دفعہ 144 لگتی ہے اس طرح لگا دی تھی اور مدینہ کا انہوں نے سخت محاصرہ کر رکھا تھا اور کسی کو باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا یا کہنا چاہیے کرفیو جس طرح لگتا ہے اس طرح لگا دیا تھا حتی کہ حضرت علیؓ جن کی محبت کا وہ لوگ دعویٰ کرتے تھے ان کو بھی روک دیا گیا تھا اور مدینہ میں خوب لوٹ مچائی۔ ادھر تو یہ

حالت تھی اور ادھر انہوں نے اپنی قساوتِ قلبی کا یہاں تک ثبوت دیا کہ حضرت عثمانؓ جیسے مقدس انسان کو جن کی رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے بڑی تعریف کی ہے قتل کرنے کے بعد بھی نہ چھوڑا اور لاش کو تین چار دن تک دفن نہ کرنے دیا۔ آخر چند صحابہؓ نے مل کر رات کو پوشیدہ طور پر دفن کیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہی کچھ غلام بھی شہید ہوئے تھے۔ ان کی لاشوں کو دفن کرنے سے روک دیا اور کتوں کے آگے ڈال دیا۔ حضرت عثمانؓ اور غلاموں کے ساتھ یہ سلوک کرنے کے بعد مفسدوں نے مدینہ کے لوگوں کو جن کے ساتھ ان کی کوئی مخالفت نہ تھی چھٹی دے دی اور صحابہؓ نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ پانچ دن اسی طرح گزر گئے کہ مدینہ کا کوئی حاکم نہ تھا۔ مفسد اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی کو خود خلیفہ بنائیں اور جس طرح چاہیں اس سے کرائیں لیکن صحابہ میں سے کسی نے یہ برداشت نہ کیا کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے ان کا خلیفہ بنے۔ مفسد حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس باری باری گئے اور انہیں خلیفہ بننے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جب انہوں نے انکار کر دیا اور مسلمان ان کی موجودگی میں اَور کسی کو خلیفہ نہیں مان سکتے تھے تو مفسدوں نے ان کے متعلق بھی جبر سے کام لینا شروع کر دیا کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ اگر کوئی خلیفہ نہ بنا تو تمام عالم اسلامی میں ہمارے خلاف ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر دو دن کے اندر اندر کوئی خلیفہ بنا لیا جائے تو بہتر ورنہ ہم علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ اور سب بڑے بڑے لوگوں کو قتل کر دیں گے۔ اس پر مدینہ والوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا وہ ہم سے اور ہمارے بچوں اور عورتوں سے کیا کچھ نہ کریں گے۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور انہیں خلیفہ بننے کے لیے کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں خلیفہ ہوا تو تمام لوگ یہی کہیں گے کہ میں نے عثمانؓ کو قتل کرایا ہے اور یہ بوجھ مجھ سے نہیں اٹھ سکتا۔ یہی بات حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہی اور صحابہ نے بھی جن کو خلیفہ بننے کے لیے کہا گیا انکار کر دیا۔ آخر سب لوگ پھر علیؓ کے پاس گئے اور کہا جس طرح بھی ہو آپؓ یہ بوجھ اٹھائیں۔

آخر انہوں نے کہا کہ میں اس شرط پر یہ بوجھ اٹھاتا ہوں کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوں اور مجھے قبول کریں۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے قبول کیا مگر بعض نے اس پر انکار کر دیا کہ جب تک حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا نہ دی جائے اس وقت تک ہم کسی کو خلیفہ نہیں مانیں گے اور بعض نے کہا جب تک باہر کے لوگوں کی رائے نہ معلوم ہو جائے کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہیے مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ اس طرح حضرت علیؓ نے خلیفہ بننا تو منظور کر لیا مگر وہی نتیجہ ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔ تمام عالم اسلامی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کرایا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اگر اَور تمام خوبیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو میرے نزدیک ایسی خطرناک حالت میں ان کا خلافت کو منظور کر لینا ایسی جرأت اور دلیری کی بات تھی جو نہایت ہی قابل تعریف تھی کہ انہوں نے اپنی عزت اور اپنی ذات کی اسلام کے مقابلے میں کوئی پروا

نہیں کی اور اتنا بڑا بوجھ اٹھالیا۔[884]

پھر حضرت مصلح موعودؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات میں ایک اَور جگہ ذکر کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں کہ ”ایک دو دن تو خوب لوٹ مار کا بازار گرم رہا لیکن جب جوش ٹھنڈا ہوا تو ان باغیوں کو اپنے انجام کا فکر ہوا اور ڈرے کہ اب کیا ہو گا۔ چنانچہ بعض تو یہ سمجھ کر کہ حضرت معاویہؓ ایک زبردست آدمی ہیں اور ضرور اس قتل کا بدلہ لیں گے شام کا رخ کیا اور وہاں جا کر خود ہی واویلا کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے اور کوئی ان کا قصاص نہیں لیتا۔

کچھ بھاگ کر مکہ کے راستے میں حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جا ملے اور کہا کہ کس قدر ظلم ہے کہ خلیفہ اسلام شہید کیا جائے اور مسلمان خاموش رہیں۔ کچھ بھاگ کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس وقت مصیبت کا وقت ہے اسلامی حکومت کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے آپؓ بیعت لیں تا لوگوں کا خوف دور ہو اور امن و امان قائم ہو۔ جو صحابہ مدینہ میں موجود تھے انہوں نے بھی بالاتفاق یہی مشورہ دیا کہ اس وقت یہی مناسب ہے کہ آپؓ اس بوجھ کو اپنے سر پر رکھیں کہ آپؓ کا یہ کام موجب ثواب و رضائے الٰہی ہو گا۔ جب چاروں طرف سے آپؓ کو مجبور کیا گیا تو کئی دفعہ انکار کرنے کے بعد آپؓ نے مجبوراً اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور بیعت لی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ کا یہ فعل بڑی حکمت پر مشتمل تھا۔ اگر آپؓ اس وقت بیعت نہ لیتے تو اسلام کو اس سے بھی زیادہ نقصان پہنچتا جو آپ کی اور حضرت معاویہ کی جنگ سے پہنچا۔“[885]

یہ حضرت مصلح موعودؓ نے نتیجہ نکالا ہے۔ پھر حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہئے کہ **حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کو توڑا یہ غلط مثال ہے۔** یہ جو تھا ناں کہ بیعت کر لی اور آرام سے بیعت کر لی تو وہ اتنی آرام سے نہیں ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پھر بیعت کو توڑ کر حضرت عائشہؓ کے ساتھ چلے گئے یا ان کے خلاف جنگ کی۔ اس کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں۔ یہ غلط مثال اور تاریخ سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ اس طرح نہیں ہوا۔ تاریخیں اس بات پر متفقہ طور پر شاہد ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی جو بیعت کی تھی وہ بیعت طوعی نہیں تھی بلکہ جبراً ان سے بیعت لی گئی تھی۔ چنانچہ محمد اور طلحہ دو راویوں سے طبری میں یہ روایت آتی ہے کہ حضرت عثمانؓ جب شہید ہو گئے تو لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ جلد کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے تا امن قائم ہو اور فساد مٹے۔ آخر لوگ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ آپ ہماری بیعت لیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر تم نے میری بیعت کرنی ہے تو تمہیں ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ اگر یہ بات تمہیں منظور ہے تو میں تمہاری بیعت لینے کے لئے تیار ہوں ورنہ کسی اور کو اپنا خلیفہ مقرر کر لو میں اس کا ہمیشہ فرمانبردار رہوں گا اور تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا جو بھی خلیفہ ہو گا۔

انہوں نے کہا کہ ہمیں آپؐ کی اطاعت منظور ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پھر سوچ لو اور آپس میں مشورہ کر لو۔ چنانچہ انہوں نے مشورے سے یہ طے کیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اگر حضرت علیؓ کی بیعت کر لیں تو سب لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر لیں گے ورنہ جب تک وہ حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کریں گے اس وقت تک پورے طور پر امن قائم نہیں ہو گا۔ اس پر حکیم بن جَبَلَہ کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت زبیرؓ کی طرف اور مالک اُشتَر کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت طلحہؓ کی طرف روانہ کیا گیا جنہوں نے تلواروں کا نشانہ کر کے انہیں بیعت پر آمادہ کیا یعنی وہ تلواریں سونت کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنی ہے تو کرو ورنہ ابھی ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر رضامندی کا اظہار کر دیا اور یہ واپس آ گئے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا: اے لوگو! تم نے کل مجھے ایک پیغام دیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ تم اس پر غور کر لو۔ کیا تم نے غور کر لیا ہے اور کیا تم میری کل والی بات پر قائم ہو؟ اگر قائم ہو تو یاد رکھو کہ تمہیں میری کامل فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ اس پر وہ پھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان کو زبردستی کھینچ کر لائے اور روایت میں صاف لکھا ہے کہ جب وہ حضرت طلحہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے بیعت کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا۔ اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا۔ دیکھو میں زبردستی بیعت کر رہا ہوں۔ خوشی سے بیعت نہیں کر رہا۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ کے پاس جب لوگ گئے اور بیعت کے لئے کہا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا۔ کہ تم مجھ کو مجبور کر کے بیعت کروا رہے ہو، دل سے میں یہ بیعت نہیں کر رہا۔ اس طرح عبدالرحمٰن بن جُندُب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد اُشتَر طلحہ کے پاس گئے اور بیعت کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے مہلت دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے نہ چھوڑا اور جَاءَ بِہٖ یَتُلُّہٗ تَلًّا عَنِیْفًا۔ ان کو زمین پر نہایت سختی سے گھسیٹتے ہوئے لے آئے جیسے بکرے کو گھسیٹا جاتا ہے۔[886]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی حضرت طلحہؓ جس وقت ایک باہمی اختلاف کے موقع پر حضرت علیؓ کے مقابل پر کھڑے ہوئے اور پھر جب ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ اس میں میری غلطی تھی تو وہ میدانِ جنگ سے چلے گئے۔" یہاں یہ قصہ اب شروع ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ مقابلے پر آئے اور بیعت نہیں کی لیکن اس کی تفصیل بھی بیان فرماتے ہیں، آپؓ مقابلہ پر بیشک آئے، پہلے بیعت زبردستی کی۔ پھر مقابلے پر بھی آئے۔ مطلب زبردستی کروائی گئی پھر بعد میں جب موقع ملا تو اختلاف بھی ہوا، پھر جنگ بھی ہوئی لیکن جب بات ان کی سمجھ میں آ گئی تو پھر وہ چھوڑ کے میدانِ جنگ سے چلے گئے کہ حضرت علیؓ ٹھیک ہیں۔ اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں۔ "آپ واپس گھر جا رہے تھے تو کسی وحشی انسان نے جو حضرت علیؓ کی فوج میں سے کہلاتا تھا راستے میں جاتے ہوئے ان کو قتل کر دیا اور پھر حضرت علیؓ کے پاس انعام کی خواہش

میں آکر کہا کہ میں آپؓ کو بشارت دیتا ہوں کہ آپؓ کا دشمن طلحہؓ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں تم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ طلحہؓ کو ایک جہنمی قتل کرے گا۔"[887]

پھر ایک اور جگہ اسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں: "حاکم نے روایت کی ہے کہ ثَوْر بن مَجْزَاۃ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میں واقعہ جمل کے دن حضرت طلحہؓ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت ان کی نزع کی حالت قریب تھی۔" جب اس نے زخمی کیا اس وقت نزع کی حالت تھی "مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم کون سے گروہ سے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت امیر المومنین علیؓ کی جماعت میں سے ہوں تو کہنے لگے اچھا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر جان بحق تسلیم کر گئے۔ میں نے آکر حضرت علیؓ سے تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپؓ سن کر کہنے لگے اللہ اکبر! خدا کے رسول کی بات کیا سچی ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ طلحہؓ میری بیعت کے بغیر جنت میں نہ جائے۔ (آپؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے)۔"[888]

پہلے گو مجبوری کی بیعت تھی لیکن جیسا کہ میں نے کہا وفات سے قبل کامل شرح صدر سے بیعت کر لی۔ نیکی تھی، سعادت تھی۔ اللہ تعالیٰ کا جنت میں لے جانے کا وعدہ بھی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ایسا انجام ہو کہ جب آپ خلافت کی بیعت سے باہر ہوں اور اس وقت ان کو موقع ملا اور خلافت کی بیعت کر لی۔[889]

مسلمانوں کی تباہی کے اسباب

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور باغیوں کا ذکر ہوا تھا اور اس بارے میں حضرت علیؓ کی کیا کوششیں تھیں یا اب جو آگے حضرت علیؓ کے واقعات آئیں گے، اس بارے میں ایک بہت اہم بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ

"چونکہ تم لوگ بھی صحابہؓ کے مشابہ ہو اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تاریخ سے بیان کروں کہ کس طرح مسلمان تباہ ہوئے اور کون سے اسباب ان کی ہلاکت کا باعث بنے۔ پس تم ہوشیار ہو جاؤ اور جو لوگ تم میں نئے آئیں ان کے لیے تعلیم کا بندوبست کرو۔" یعنی تربیت صحیح ہونی چاہیے۔ ان کی دینی تعلیم ہونی چاہیے۔ "حضرت عثمانؓ کے وقت جو فتنہ اٹھا تھا وہ صحابہؓ سے نہیں اٹھا تھا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے اٹھایا تھا ان کو دھوکا لگا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے مقابلے میں بہت سے صحابہؓ تھے اور معاویہ کے مقابلہ میں بھی لیکن میں کہتا ہوں کہ اس فتنہ کے بانی صحابہؓ نہیں تھے بلکہ وہی لوگ تھے جو بعد میں آئے اور جنہیں آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی صحبت نصیب نہ ہوئی اور آپؐ کے پاس نہ بیٹھے۔ پس میں آپ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں اور فتنہ سے بچنے کا یہ طریق بتاتا ہوں کہ کثرت سے" اس وقت آپؓ قادیان میں تھے کہ کثرت سے "قادیان آؤ اور بار بار آؤ تا کہ تمہارے ایمان تازہ رہیں اور تمہاری

خشیت اللہ بڑھتی رہے۔"[890]

یعنی تمہارا مرکز سے تعلق بھی رہے اور خلافت سے تعلق بھی رہے۔ یہ رہے گا تو صحیح تربیت بھی رہے گی۔ **آج کل اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایم ٹی اے کی صورت مہیا فرمائی ہے۔** خطبات ساری دنیا میں سنے جاتے ہیں، دکھائے جاتے ہیں، سنائے جاتے ہیں۔ اور پروگرام دکھائے جاتے ہیں اور سنائے جاتے ہیں۔ اس لیے تربیت کے لیے بہت ضروری ہے کہ علاوہ اس کے کہ خود بھی **حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کریں۔ ایم ٹی اے کے ساتھ بھی تعلق رکھیں** اور خاص طور پر جمعے کے خطبات ضرور ایم ٹی اے کے ذریعہ سے سنا کریں تاکہ خلافت سے تعلق قائم رہے اور بہتر ہوتا رہے اور بڑھتا رہے۔

جنگِ جمل کے واقعہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ جنگِ جمل حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان 36ر ہجری میں ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ حضرت عائشہؓ میدانِ جنگ میں ایک اونٹ پر سوار تھیں اسی وجہ سے اس جنگ کا نام جنگ جمل مشہور ہے۔ حضرت عائشہؓ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکّہ گئی ہوئی تھیں۔ وہ وہیں قیام پذیر تھیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ جب عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تو راستے میں مقام سَرف پر عُبَید بن ابوسلمہ نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے اور حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں اور مدینہ منورہ میں ہنگامہ برپا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ راستے ہی سے مکّہ واپس ہو گئیں اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور فتنے کے خاتمہ کے لیے اکٹھا کیا۔ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کی سرکردگی میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور یہ قافلہ وہاں سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے بھی یہ دیکھ کر بصرہ کا رخ کیا کہ یہ قافلہ ادھر جا رہا ہے۔ بصرہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ نے اہل شہر کو اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ اہل شہر کی ایک بڑی تعداد حضرت عائشہؓ کے ساتھ شامل ہو گئی لیکن ایک جماعت نے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ بصرہ کے عامل عثمان بن حُنیف کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس دوران دونوں جماعتوں میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کے قریب پڑاؤ کیا۔ حضرت علیؓ کا یہ لشکر بھی پہنچ گیا اور انہوں نے قریب پڑاؤ کیا۔ دونوں طرف سے مصالحت کی طَرح ڈالی گئی، کوشش کی گئی اور مذاکرات کامیاب بھی ہو گئے مگر عین رات کے وقت وہ گروہ جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھا اور اس کا ایک حصہ حضرت علیؓ کے لشکر میں بھی شامل تھا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا جس سے جنگ کا آغاز ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ جاں نثار یکے بعد دیگرے اونٹ کی مہار پکڑتے اور شہید ہوتے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت عائشہؓ جب تک اونٹ پر سوار رہیں گی جنگ ختم نہیں ہو گی۔ اس لیے آپؓ نے جنگجوؤں کو حکم دیا کہ اس اونٹ کو کسی نہ کسی طرح مار گراؤ کیونکہ جنگ کا خاتمہ اس کے گرنے پر منحصر ہے۔ اس پر ایک شخص نے آگے بڑھ کر اونٹ کے پاؤں میں تلوار ماری اور وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ حضرت علیؓ

کی فوج نے اونٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت عائشہؓ کا اونٹ گر جانے پر اہلِ جمل منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ ہتھیار ڈالنے یا گھر کا دروازہ بند کرنے والا امن و امان میں ہے۔ کسی کا تعاقب نہ کیا جائے۔ کسی کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر اس پر دست درازی نہ کی جائے۔ حضرت علیؓ کی فوج نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت طلحہؓ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔[891] اس کا ایک حصّہ ابن اثیر کی تاریخ سے خلاصہ لیا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ "انہی لوگوں کی ایک جماعت نے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جہاد کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر میں جنگ ہوئی۔" یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تو حضرت عائشہؓ کے لشکر میں تھے۔ حضرت علیؓ کا اور حضرت عائشہؓ کا جو مین (main) لشکر تھا ان کی جنگ ہوئی۔ "جسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے شروع میں ہی حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ کی زبان سے رسول کریم ﷺ کی ایک پیشگوئی سن کر علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے جنگ نہیں کریں گے اور اس بات کا اقرار کیا کہ اپنے اجتہاد میں انہوں نے غلطی کی۔ دوسری طرف حضرت طلحہؓ نے بھی اپنی وفات سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کا اقرار کر لیا۔" پہلے بھی گذشتہ خطبے میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ "کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ وہ زخموں کی شدت سے تڑپ رہے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا تم کس گروہ میں سے ہو؟ اس نے کہا حضرت علیؓ کے گروہ میں سے۔ اس پر انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ تیرا ہاتھ علیؓ کا ہاتھ ہے اور میں تیرے ہاتھ پر حضرت علیؓ کی دوبارہ بیعت کرتا ہوں۔ غرض باقی صحابہؓ کے اختلاف کا تو جنگ جمل کے وقت ہی فیصلہ ہو گیا مگر حضرت معاویہؓ کا اختلاف باقی رہا یہاں تک کہ جنگ صِفِّین ہوئی۔"[892]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مزید فرماتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے گروہ مختلف جہات میں پھیل گئے تھے اور اپنے آپ کو الزام سے بچانے کے لیے دوسروں پر الزام لگاتے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے مسلمانوں سے بیعت لے لی ہے تو ان کو آپ پر الزام لگانے کا عمدہ موقع مل گیا اور یہ بات درست بھی تھی کہ آپ کے ارد گرد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے اس لیے ان کو الزام لگانے کا عمدہ موقع حاصل تھا۔ چنانچہ ان میں سے جو جماعت مکہ کی طرف گئی تھی اس نے حضرت عائشہؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جہاد کا اعلان کریں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت اس شرط پر کر لی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے جلد سے جلد بدلہ لیں

گے۔ انہوں نے جلدی کے جو معنی سمجھے تھے وہ حضرت علیؓ کے نزدیک خلاف مصلحت تھے۔ ان کا خیال تھا" حضرت علیؓ کا خیال تھا" کہ پہلے تمام صوبوں کا انتظام ہو جائے پھر قاتلوں کو سزا دینے کی طرف توجہ کی جائے کیونکہ اول مقدم اسلام کی حفاظت ہے۔ قاتلوں کے معاملہ میں دیر ہونے سے کوئی ہرج نہیں۔ اسی طرح قاتلوں کے تعین میں بھی اختلاف تھا۔ جو لوگ نہایت افسردہ شکلیں بنا کر سب سے پہلے حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے تھے اور اسلام میں تفرقہ ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے تھے ان کی نسبت حضرت علیؓ کو بالطبع شبہ نہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ فساد کے بانی ہیں، دوسرے لوگ ان پر شبہ کرتے تھے" حضرت علیؓ کو ان پر شبہ نہیں تھا لیکن باقی کچھ لوگوں کو شبہ تھا۔ "اس اختلاف کی وجہ سے طلحہؓ اور زبیرؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت علیؓ اپنے عہد سے پھرتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے ایک شرط پر بیعت کی تھی اور وہ شرط ان کے خیال میں حضرت علیؓ نے پوری نہ کی تھی اس لیے وہ شرعاً اپنے آپ کو بیعت سے آزاد خیال کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کا اعلان ان کو پہنچا تو وہ بھی ان کے ساتھ جا ملے اور سب مل کر بصرہ کی طرف چلے گئے۔ بصرہ میں گورنر نے لوگوں کو آپ کے ساتھ ملنے سے باز رکھا لیکن جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے صرف اکراہ سے" مجبوری سے "اور ایک شرط سے مقید کر کے حضرت علیؓ کی بیعت کی ہے تو اکثر لوگ آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب حضرت علیؓ کو اس لشکر کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک لشکر تیار کیا اور بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بصرہ پہنچ کر آپ نے ایک آدمی کو حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف بھیجا۔ وہ آدمی پہلے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کا ارادہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ صرف اصلاح ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی بلوایا اور ان سے پوچھا کہ آپ بھی اسی لیے جنگ پر آمادہ ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں۔" یعنی کہ اصلاح کی وجہ سے۔ "اس شخص نے جواب دیا کہ اگر آپ کا منشاء اصلاح ہے تو اس کا یہ طریق نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ تو فساد ہے۔ اس وقت ملک کی ایسی حالت ہے کہ اگر ایک شخص کو آپ قتل کریں گے تو ہزار اس کی تائید میں کھڑے ہو جائیں گے اور ان کا مقابلہ کریں گے تو اَور بھی زیادہ لوگ ان کی مدد کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔" پس یہ تو سلسلہ چلتا جائے گا۔ "پس اصلاح یہ ہے کہ پہلے ملک کو اتحاد کی رسی میں باندھا جائے پھر شریروں کو سزا دی جائے ورنہ اس بدامنی میں کسی کو سزا دینا ملک میں اَور فتنہ ڈلوانا ہے۔ حکومت پہلے قائم ہو جائے تو وہ سزا دے گی۔" پہلے حکومت قائم ہو جائے پھر وہ سزا دے گی۔ "یہ بات سن کر انہوں نے کہا کہ اگر حضرت علیؓ کا یہی عندیہ ہے تو وہ آجائیں، ہم ان کے ساتھ ملنے کو تیار ہیں۔ اس پر اس شخص نے حضرت علیؓ کو اطلاع دی اور طرفین کے قائمقام ایک دوسرے کو ملے اور فیصلہ ہو گیا کہ جنگ کرنا درست نہیں، صلح ہونی چاہئے۔ جب یہ خبر سبائیوں کو (یعنی جو عبداللہ بن سبا کی جماعت کے لوگ اور قاتلین حضرت عثمانؓ تھے) پہنچی تو ان کو سخت گھبراہٹ ہوئی اور خفیہ خفیہ ان کی ایک جماعت مشورہ کے لیے اکٹھی ہوئی۔ انہوں نے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ مسلمانوں میں صلح ہو جانی ہمارے لیے سخت مضر ہو

گی کیونکہ اسی وقت تک ہم حضرت عثمانؓ کے قتل کی سزا سے بچ سکتے ہیں جب تک کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے۔ اگر صلح ہو گئی اور امن ہو گیا تو ہمارا ٹھکانہ کہیں نہیں۔" کہیں بھی ہمارا ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ "اس لیے جس طرح سے ہو صلح نہ ہونے دو۔ اتنے میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور آپؓ کے پہنچنے کے دوسرے دن آپ کی" یعنی اس علاقے میں اور آپ کی "اور حضرت زبیرؓ کی ملاقات ہوئی۔ وقت ملاقات حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ نے میرے لڑنے کے لیے تو لشکر تیار کیا ہے مگر کیا خدا کے حضور میں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر بھی تیار کیا ہے؟ آپ لوگ کیوں اپنے ہاتھوں سے اس اسلام کے تباہ کرنے کے درپے ہوئے ہیں جس کی خدمت سخت جانکاہیوں سے کی تھی۔ کیا میں آپ لوگوں کا بھائی نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ پہلے تو ایک دوسرے کا خون حرام سمجھا جاتا تھا لیکن اب حلال ہو گیا۔ اگر کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہوتی تو بھی بات تھی۔ جب کوئی نئی بات پیدا ہی نہیں ہوئی تو پھر یہ مقابلہ کیوں ہے؟ اس پر حضرت طلحہؓ نے کہا، وہ بھی حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قتل پر لوگوں کو اکسایا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہونے والوں پر لعنت کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا کہ کیا تم کو یاد نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ خدا کی قسم! تُو علیؓ سے جنگ کرے گا اور تُو ظالم ہو گا" یعنی حضرت زبیرؓ کو فرمایا تھا۔ "یہ سن کر حضرت زبیرؓ اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹے اور قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے اور اقرار کیا کہ انہوں نے اجتہاد میں غلطی کی۔ جب یہ خبر لشکر میں پھیلی تو سب کو اطمینان ہو گیا کہ اب جنگ نہ ہو گی بلکہ صلح ہو جائے گی لیکن مفسدوں کو سخت گھبراہٹ ہونے لگی" جنہوں نے فساد پیدا کرنا تھا قدرتی بات ہے انہیں گھبراہٹ ہونی تھی۔ ان کو گھبراہٹ ہونے لگی "اور جب رات ہوئی تو انہوں نے صلح کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ان میں سے جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر پر رات کے وقت شب خون مار دیا اور جو ان کے لشکر میں تھے۔" انہوں نے جو دوسرے لشکر میں تھے "انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر شب خون مار دیا۔" دونوں طرف جو منافق تھے، بٹ کر شامل ہوئے تھے ناں، حضرت عائشہؓ کی طرف بھی اور حضرت علیؓ کی طرف بھی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ خود آپس میں نہیں لڑے "جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شور پڑ گیا اور ہر فریق نے خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے دھوکا کیا حالانکہ اصل میں یہ صرف سبائیوں کا ایک منصوبہ تھا۔ جب جنگ شروع ہو گئی تو حضرت علیؓ نے آواز دی کہ کوئی شخص حضرت عائشہؓ کو اطلاع دے۔ شاید ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو دور کر دے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کا اونٹ آگے کیا گیا لیکن نتیجہ اور بھی خطرناک نکلا۔ مفسدوں نے یہ دیکھ کر کہ ہماری تدبیر پھر الٹی پڑنے لگی۔ حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر تیر مارنے شروع کیے۔ حضرت عائشہؓ نے زور زور سے پکارنا شروع کیا کہ اے لوگو! جنگ کو ترک کرو اور خدا اور یوم حساب کو یاد کرو لیکن مفسد باز نہ آئے اور برابر آپ کے اونٹ پر تیر مارتے چلے گئے۔ چونکہ اہل بصرہ اس لشکر کے ساتھ تھے جو

حضرت عائشہؓ کے ارد گرد جمع ہوا تھا ان کو یہ بات دیکھ کر سخت طیش آیا اور اُمّ المومنین کی یہ گستاخی دیکھ کر ان کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی اور تلواریں کھینچ کر لشکر مخالف پر حملہ آور ہو گئے" مخالف لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔ "اور اب یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ جنگ کا مرکز بن گیا۔ صحابہ اور بڑے بڑے بہادر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور ایک کے بعد ایک قتل ہونا شروع ہوا لیکن اونٹ کی باگ انہوں نے نہ چھوڑی۔ حضرت زبیرؓ تو جنگ میں شامل ہی نہ ہوئے اور ایک طرف نکل گئے مگر ایک شقی نے ان کے پیچھے سے جا کر اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت طلحہؓ عین میدان جنگ میں ان مفسدوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جب جنگ تیز ہو گئی تو یہ دیکھ کر کہ اس وقت تک جنگ ختم نہ ہو گی جب تک حضرت عائشہؓ کو درمیان سے ہٹایا نہ جائے۔ بعض لوگوں نے آپ کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے اور ہودج اتار کر زمین پر رکھ دیا تب کہیں جا کر جنگ ختم ہوئی۔ اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت علیؓ کا چہرہ مارے رنج کے سرخ ہو گیا لیکن یہ جو کچھ ہوا اس سے چارہ بھی نہ تھا۔ جنگ کے ختم ہونے پر جب مقتولین میں حضرت طلحہؓ کی نعش ملی تو حضرت علیؓ نے سخت افسوس کیا۔ ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس لڑائی میں صحابہؓ کا ہرگز کوئی دخل نہ تھا بلکہ یہ شرارت بھی قاتلان عثمانؓ کی ہی تھی اور یہ کہ طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کی بیعت ہی میں فوت ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے ارادہ سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کا اقرار کر لیا تھا لیکن بعض شریروں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے قاتلوں پر لعنت بھی کی۔"[893]

جنگ جمل کے اختتام پر حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے لیے تمام سواری اور زادِ راہ تیار کیا اور حضرت عائشہؓ کو چھوڑنے کے لیے خود تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے ہمراہ جو لوگ جانا چاہتے تھے ان کو روانہ کیا۔ جس دن حضرت عائشہؓ نے روانہ ہونا تھا حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور آپ کے لیے کھڑے ہوئے اور تمام لوگوں کی موجودگی میں حضرت عائشہؓ لوگوں کے سامنے نکلیں اور کہا کہ اے میرے بیٹو! ہم نے تکلیف پہنچا کر اور زیادتی کر کے ایک دوسرے کو ناراض کر دیا۔ آئندہ ہمارے ان اختلافات کے باعث کوئی شخص بھی ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے اور خدا کی قسم! میرے اور حضرت علیؓ کے درمیان شروع سے کبھی کوئی اختلاف نہ تھا سوائے اس کے جو مرد اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے درمیان عام طور پر بات ہوا کرتی ہے۔ یعنی چھوٹی موٹی باتیں ہیں اور حضرت علیؓ میری نیکیوں کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے لوگو! حضرت عائشہؓ نے اچھی اور سچی بات کہی ہے۔ میرے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان محض یہی اختلاف تھا۔ حضرت عائشہؓ دنیا و آخرت میں تمہارے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کو چھوڑنے کے لیے کئی میل ساتھ تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہؓ کے ہمراہ جائیں اور ایک دن کے بعد واپس آ جائیں۔[894] یہ طبری کا حوالہ تھا جو میں نے ابھی پڑھا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”حضرت طلحہؓ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے بعد بھی زندہ رہے اور جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا اور ایک گروہ نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کے مارنے والوں سے ہمیں بدلہ لینا چاہیے تو اس گروہ کے لیڈر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ تھے لیکن دوسرے گروہ نے کہا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ چکا ہے۔ آدمی مرا ہی کرتے ہیں۔ سرِ دست ہمیں تمام مسلمانوں کو اکٹھا کرنا چاہئے تاکہ اسلام کی شوکت اور اس کی عظمت قائم ہو۔ بعد میں ہم اِن لوگوں سے بدلہ لے لیں گے۔ اِس گروہ کے لیڈر حضرت علیؓ تھے۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے الزام لگایا کہ علیؓ ان لوگوں کو پناہ دینا چاہتے ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا ہے اور حضرت علیؓ نے الزام لگایا کہ “(جو یہ کہتے ہیں کہ فوری بدلہ لیا جائے)”اِن لوگوں کو اپنی ذاتی غرضیں زیادہ مقدم ہیں۔ اسلام کا فائدہ ان کے مدّ نظر نہیں ہے۔ گویا اختلاف اپنی انتہائی صورت تک پہنچ گیا اور پھر آپس میں جنگ بھی شروع ہوئی ایسی جنگ جس میں حضرت عائشہؓ نے لشکر کی کمان کی۔ آپ اونٹ پر چڑھ کر لوگوں کو لڑواتی تھیں اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اِس لڑائی میں شامل تھے۔ جب دونوں فریق میں جنگ جاری تھی تو ایک صحابی حضرت طلحہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ طلحہؓ! تمہیں یاد ہے فلاں موقع پر میں اور تم رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ طلحہؓ! ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم اَور لشکر میں ہوگے اور علیؓ اَور لشکر میں ہوگا اور علیؓ حق پر ہوگا اور تم غلطی پر ہوگے۔ **حضرت طلحہؓ نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے کہاہاں! مجھے یہ بات یاد آگئی ہے اور پھر اسی وقت لشکر سے نکل کر چلے گئے۔** جب وہ لڑائی چھوڑ کر جا رہے تھے تاکہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی بات پوری کی جائے تو ایک بدبخت انسان جو حضرت علیؓ کے لشکر کا سپاہی تھا اس نے پیچھے سے جا کر آپ کو خنجر مار کر شہید کر دیا۔ حضرت علیؓ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اِس خیال سے “یعنی جو حضرت طلحہ کا قاتل تھا اس خیال سے ”کہ مجھے بہت بڑا انعام ملے گا دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین! آپ کو آپ کے دشمن کے مارے جانے کی خبر دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ کون دشمن؟ اس نے کہا۔ اے امیر المومنین! میں نے طلحہؓ کو مار دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے شخص! میں بھی تجھے رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی طرف سے بشارت دیتا ہوں کہ تُو دوزخ میں ڈالا جائے گا کیونکہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک دفعہ فرمایا (جبکہ طلحہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا) کہ اے طلحہؓ! تُو ایک دفعہ حق وانصاف کی خاطر ذِلت برداشت کرے گا اور تجھے ایک شخص مار ڈالے گا مگر خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا۔“[895]

پھر **جنگ صِفّین** ہوئی تھی۔ اس کے واقعات میں لکھا ہے کہ یہ جنگ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ کے درمیان 37ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ صِفّین شام اور عراق کے درمیان ایک مقام ہے۔ حضرت علیؓ کوفہ سے فوج لے کر چلے اور جب صفین پہنچے تو دیکھا کہ شامی لشکر امیر معاویہ کی سرکردگی میں پہلے سے

پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور ان کی ایک جماعت دریائے فرات کے گھاٹ پر قابض تھی۔ حضرت علیؓ نے یقین دلایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ امیر معاویہ سے تصفیہ کرنے آئے ہیں تاہم امیر معاویہ تصفیہ پر رضامند نہ ہوئے۔ شامی لشکر نے حضرت علیؓ کے لشکر کو دریائے فرات سے پانی لینے سے روک دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح حضرت علیؓ کی فوج شامی فوج کو پسپا کرنے اور اپنے لیے دریا تک کا راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے شامیوں کو فرات سے پانی لے کر جانے کی کھلی اجازت بھی دے دی۔ شامیوں نے تو حضرت علیؓ کو منع کیا تھا، پانی لینے سے روک دیا تھا لیکن آپ نے جب دریا پہ قبضہ کر لیا تو آپ نے ان کو پانی لینے سے نہیں روکا بلکہ اجازت دی۔ امیر معاویہ کا اصرار تھا کہ حضرت علیؓ قاتلینِ عثمان کو ان کے حوالے کر دیں۔ ایک دفعہ جب لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو دونوں طرف کے صلح پسندوں نے روک تھام کروا دی۔ جنگ کا آغاز صفر 37ر ہجری میں شروع ہوا۔ جنگ سے قبل جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن دونوں فریق عام جنگ کے مہلک نتائج سے خائف ہونے کے باعث گریز کرتے رہے۔ صلح کے ہر امکان کی گنجائش باقی رکھنے کی غرض سے فریقین اس پر متفق ہو گئے کہ حرمت والے مہینوں میں عارضی صلح کر لی جائے لیکن یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہوئی۔

چنانچہ آغاز صفر میں دوبارہ جنگ کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ جب لڑائی کچھ مدت تک بغیر حتمی فیصلہ کے ہوتی رہی تو امیر معاویہ کی ہمت پست ہو گئی۔ اس خطرناک حالت میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ قرآن مجید کے نسخے نیزوں کے سروں پر بندھوائیں اور کہیں کہ اس کتاب کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے متبعین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک بڑی تعداد نے یہ کہہ دیا کہ اللہ سے فیصلہ چاہنے کی استدعا مسترد نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح حضرت علیؓ نے ہراول دستے کو واپس بلا لیا اور لڑائی رک گئی۔ حضرت علیؓ کی فوج کی اکثریت نے امیر معاویہ کی تجویز مان لی کہ دونوں فریق ایک ایک حکم کا انتخاب کریں اور یہ دونوں حکم مل کر قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں۔ کتب تاریخ میں اس واقعہ کو 'تحکیم' کہا جاتا ہے۔ بہرحال شامیوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کا انتخاب کیا اور حضرت علیؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد کیا اور اقرار نامہ پر دستخط کے بعد فوجیں منتشر ہو گئیں۔ یہ ابن اثیر کی تاریخ کا حوالہ ہے۔[896]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس بارے میں اس طرح تحریر فرمایا ہے، بیان فرمایا ہے کہ "اس جنگ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں نے یہ ہوشیاری کی کہ نیزوں پر قرآن اٹھا دیے اور کہا کہ جو کچھ قرآن فیصلہ کرے وہ ہمیں منظور ہے اور اس غرض کے لیے حکم مقرر ہونے چاہئیں۔ اس پر وہی مفسد جو حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش میں شامل تھے اور جو آپ کی شہادت کے معاً بعد اپنے بچاؤ کے لیے حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے انہوں نے حضرت علیؓ پر یہ زور دینا شروع کر دیا کہ یہ بالکل درست کہتے ہیں۔ آپ فیصلہ کے لیے حکم مقرر کر دیں۔ حضرت علیؓ نے بہتیرا انکار کیا مگر انہوں نے اور کچھ ان کمزور طبع لوگوں

نے جو اُن کے اس دھوکا میں آ گئے تھے حضرت علیؓ کو اس بات پر مجبور کیا کہ آپ حکم مقرر کریں۔ چنانچہ معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری حکم مقرر ہوئے۔ یہ تحکیم دراصل قتلِ عثمانؓ کے واقعہ میں تھی اور شرط یہ تھی کہ قرآن کریم کے مطابق فیصلہ ہو گا۔" اور یہ حکم اس لیے مقرر کیے گئے تھے کہ حضرت عثمانؓ کا جو قتل ہے اس واقعہ کے بارے میں فیصلہ ہو گا اور یہ تھا کہ قرآن کریم کے مطابق جو بھی قاتل ہیں ان کو سزا دینے کے لیے یا ان کو پکڑنے کے لیے فیصلہ ہو گا۔ "مگر عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری دونوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ بہتر ہو گا کہ پہلے ہم دونوں یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو ان کی امارت سے معزول کر دیں۔" تحکیم تو اس لیے تھی، اس لیے حکم مقرر کیے گئے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بارے میں فیصلہ کریں لیکن یہاں دونوں حکمین جو مقرر کیے گئے تھے انہوں نے یہ ایک فیصلہ کر دیا کہ دونوں کو پہلے معزول کیا جائے پھر بعد میں بات ہو گی "کیونکہ تمام مسلمان انہی دونوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں" یہ ان دونوں کا خیال تھا" اور پھر آزادانہ رنگ میں مسلمانوں کو کوئی فیصلہ کرنے دیں تا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں حالانکہ وہ اس کام کے لیے مقرر ہی نہیں ہوئے تھے۔" یہ تو بات ہی غلط تھی جس کے بارے میں ان حکمین نے سوچنا شروع کر دیا تھا کیونکہ وہ اس کام کے لیے مقرر نہیں کیے گئے تھے "مگر بہر حال ان دونوں نے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے لیے ایک جلسہ عام منعقد کیا اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا کہ پہلے آپ اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیں، بعد میں مَیں اعلان کر دوں گا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے اعلان کر دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ابوموسیٰ نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور مَیں بھی ان کی اس بات سے متفق ہوں اور حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو مَیں معزول نہیں کرتا بلکہ اس کے عہدہ امارت پر انہیں بحال رکھتا ہوں (حضرت عمرو بن العاص خود بہت نیک آدمی تھے لیکن اس وقت..." حضرت مصلح موعودؓ لکھتے ہیں کہ "...مَیں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا) اس وقت بہر حال وہ باوجود اس نیکی کے وہاں کسی طرح لوگوں کی باتوں میں آ گئے یا کیا ہوا؟ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے اس لیے اس بحث میں نہیں پڑتا لیکن بہر حال ان کا فیصلہ غلط تھا۔ "اس فیصلہ پر حضرت معاویہ کے ساتھیوں نے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو لوگ حکم مقرر ہوئے تھے انہوں نے علیؓ کی بجائے معاویہؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ درست ہے مگر حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ حکم اس غرض کے لیے مقرر تھے اور نہ ان کا یہ فیصلہ کسی قرآنی حکم پر ہے۔ اس پر حضرت علیؓ کے وہی منافق طبع ساتھی جنہوں نے حکم مقرر کرنے پر زور دیا تھا یہ شور مچانے لگ گئے کہ حکم مقرر ہی کیوں کیے گئے تھے جبکہ دینی معاملات میں کوئی حکم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اوّل تو یہ بات معاہدہ میں شامل تھی کہ ان کا فیصلہ قرآن کے مطابق ہو گا جس کی انہوں نے تعمیل نہیں

کی۔ ”کہ قرآن کے مطابق فیصلہ ہوا ہی نہیں۔“ دوسرے حکم تو خود تمہارے اصرار کی وجہ سے ”مقرر کیے گئے تھے یا“ مقرر کیا گیا تھا اور اب تم ہی کہتے ہو کہ میں نے حکم کیوں مقرر کیا؟ (یہ جو باغی تھے جو منافق تھے) انہوں نے کہا ہم نے جھک مارا تھا اور ہم نے آپ سے جو کچھ کہا تھا وہ ہماری غلطی تھی۔

مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ بات کیوں مانی۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ ہم بھی گنہگار ہو گئے اور آپ بھی۔“ برابر ہو گئے دونوں۔ ”ہم نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا اور آپ نے بھی۔ اب ہم نے تو اپنی غلطی سے توبہ کر لی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ بھی توبہ کریں اور اس امر کا اقرار کریں کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے ناجائز کیا ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ نے انکار کیا تو وہ یہ کہہ کر آپ کی بیعت سے الگ ہو جائیں گے کہ انہوں نے چونکہ ایک خلافِ اسلام فعل کیا ہے اس لیے ہم آپ کی بیعت میں نہیں رہ سکتے اور اگر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا“ اگر علیؓ نے انکار کیا تو وہ یہ کہہ کر بیعت سے الگ ہو جائیں گے کہ خلافِ اسلام فعل کیا ہے اس لیے ہم آپ کی بیعت میں نہیں رہ سکتے اور اگر انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔“ اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں تو بھی ان کی خلافت باطل ہو جائے گی کیونکہ جو شخص اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کرے وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

حضرت علیؓ نے جب یہ باتیں سنیں تو کہا کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ جس امر کے متعلق میں نے حکم مقرر کیا تھا اس میں کسی کو حکم مقرر کرنا شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہے۔ باقی میں نے حکم مقرر کرتے وقت صاف طور پر یہ شرط رکھی تھی کہ وہ جو کچھ فیصلہ کریں گے اگر قرآن اور حدیث کے مطابق ہو گا تب میں اسے منظور کروں گا ورنہ ”نہیں“ میں اسے کسی صورت میں بھی منظور نہیں کروں گا۔ انہوں نے چونکہ اس شرط کو ملحوظ نہیں رکھا اور نہ جس غرض کے لیے انہیں مقرر کیا گیا تھا اس کے متعلق انہوں نے کوئی فیصلہ کیا ہے اس لیے میرے لیے ان کا فیصلہ کوئی حجت نہیں۔ مگر انہوں نے حضرت علیؓ کے اس عذر کو تسلیم نہ کیا اور بیعت سے علیحدہ ہو گئے اور خوارج کہلائے اور انہوں نے یہ مذہب نکالا کہ واجب الاطاعت خلیفہ کوئی نہیں۔ کثرتِ مسلمین کے فیصلہ کے مطابق عمل ہوا کرے گا کیونکہ کسی ایک شخص کو امیر واجب الاطاعت ماننا لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ کے خلاف ہے۔“[897]

جنگِ نہروان 38ھ ہجری میں ہوئی تھی۔ نہروان بغداد اور وَاسِط کے درمیان واقع ہے۔ اس مقام پر حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان جنگ لڑی گئی تھی۔[898]

ابن اثیر کی تاریخ میں یوں لکھا ہے کہ جنگ صفین کے تصفیہ کے لیے حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص حکم مقرر ہوئے۔ تاریخ میں اس واقعہ کو 'تحکیم' کہتے ہیں۔ تحکیم کے معاملے میں حضرت علیؓ سے ان کے لشکر کے ایک گروہ نے اختلاف کیا اور بغاوت کرتے ہوئے علیحدہ ہو کر خوارج کہلایا۔ ان خوارج نے تحکیم کو گناہ قرار دے کر حضرت علیؓ سے توبہ کرنے اور خلافت سے معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ کیوں انکار کیا

یہ وضاحت پہلے آچکی ہے۔ حضرت علی امیر معاویہ کے خلاف دوبارہ شام کی طرف پیش قدمی کی تیاری میں مصروف تھے کہ خوارج نے فسادی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ انہوں نے عبداللہ بن وَہَب کو اپنا امام بنایا اور کوفہ سے نہروان کی طرف چلے گئے۔ خوارج نے بصرہ میں بھی اپنا جتھا جمع کیا جو بعد ازاں نہروان میں عبداللہ بن وَہَب کے لشکر سے جاملا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ایک صحابی عبداللہ بن خَبَّابْ کو حضرت علیؓ کی طرفداری پر قتل کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے نہایت بیدردی سے اسے بھی قتل کر دیا اور قبیلہ طَے کی تین عورتوں کو بھی قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ تک جب یہ حالات پہنچے تو آپ نے تحقیق کے لیے حارث بن مُرَّہ کو سفیر کے طور پر بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس گئے تو خوارج نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت علیؓ نے شام جانے کا ارادہ ترک کیا اور تقریباً پینسٹھ ہزار کا لشکر جو شام کے لیے تیار کیا تھا اسے لے کر خوارج کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ جب آپ نہروان مقام پر پہنچے تو خوارج کو صلح کی دعوت دی اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو جھنڈا دیا کہ جو اس کی پناہ میں آجائے گا اس سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ یہ اعلان سن کر خوارج جن کی تعداد چار ہزار تھی ان میں سے ایک سو حضرت علیؓ کے ساتھ شامل ہو گئے اور ایک بڑی تعداد کوفہ کو لَوٹ گئی۔ صرف ایک ہزار آٹھ سو افراد عبداللہ بن وَہَب خارجی کی سرکردگی میں آگے بڑھے اور حضرت علی کے پینسٹھ ہزار کے لشکر سے جنگ ہوئی **جس میں تمام خوارج مارے گئے۔** ایک روایت کے مطابق خوارج کی معمولی تعداد جو کہ دس سے بھی کم تھی بچ سکی۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں سے سات آدمی شہید ہوئے۔[899]

حضرت عَمْرَہ بنت عبدالرحمٰنؓ نے بیان کیا کہ جب حضرت علیؓ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو الوداعی ملاقات کے لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زوجہ مطہرہ حضرت امّ سلمہؓ کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے فرمایا آپ اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں جائیں یعنی حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں جائیں۔ خدا کی قسم! یقیناً آپ حق پر ہیں اور حق آپ کے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اگر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کے ہمراہ چلتی لیکن اللہ کی قسم! تاہم میں اپنے بیٹے عمر کو آپ کے ساتھ روانہ کرتی ہوں جو میرے نزدیک سب سے افضل ہے اور وہ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔[900]

حضرت علیؓ کی شہادت اور اس کا پس منظر

حضرت مصلح موعودؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے پس منظر میں بیان فرماتے ہیں کہ "ابھی معاملات پوری طرح سلجھے نہ تھے کہ خوارج کے گروہ نے یہ مشورہ کیا کہ اس فتنہ کو اس طرح دور کرو کہ جس قدر بڑے آدمی ہیں ان کو قتل کر دو۔ چنانچہ ان کے دلیر "یعنی بہادر لوگ جو تھے، بعض جرأت والے لوگ جو تھے "یہ اقرار کر کے نکلے کہ ان میں سے ایک حضرت علیؓ کو، ایک حضرت معاویہؓ کو اور ایک عمرو بن

العاصؓ کو ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں قتل کر دے گا۔ جو حضرت معاویہؓ کی طرف گیا تھا اس نے تو حضرت معاویہؓ پر حملہ کیا لیکن اس کی تلوار ٹھیک نہیں لگی اور حضرت معاویہ صرف معمولی زخمی ہوئے۔
وہ شخص پکڑا گیا اور بعد ازاں قتل کیا گیا۔ جو عمرو بن العاصؓ کو مارنے گیا تھا وہ بھی ناکام رہا کیونکہ وہ بوجہ بیماری نماز کے لیے نہ آئے تھے اور جو شخص ان کو نماز پڑھانے کے لیے آیا تھا" یعنی اس وقت حضرت عمرو بن عاصؓ کی جگہ "اس نے اس کو مار دیا۔" جو عمرو بن عاصؓ پہ حملہ کرنے گیا تھا خود پکڑا گیا اور بعد ازاں مارا گیا۔
جو شخص حضرت علیؓ کو مارنے کے لیے نکلا تھا اس نے جبکہ آپؓ صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے آپؓ پر حملہ کیا اور آپ خطرناک طور پر زخمی ہوئے۔ آپؓ پر حملہ کرتے وقت اس شخص نے یہ الفاظ کہے کہ اے علیؓ! تیرا حق نہیں کہ تیری ہر بات مانی جایا کرے بلکہ یہ حق صرف اللہ کو ہے۔"[901]

حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔ حضرت عبید اللہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اے علی! کیا تم جانتے ہو کہ اوّلین اور آخرین میں سے سب سے بدبخت شخص کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسولؐ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ پہلوں میں سب سے بدبخت شخص حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا تھا اور اے علی! آخرین میں سب سے بدبخت وہ شخص ہو گا جو تمہیں نیزہ مارے گا اور آپ ﷺ نے اس جگہ کی طرف اشارہ فرمایا جہاں آپؓ کو نیزہ مارا جائے گا۔
حضرت علیؓ کی لونڈی اُمّ جعفر کی روایت ہے کہ میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ آپؓ نے اپنا سر اٹھایا اور اپنی داڑھی کو پکڑ کر اسے ناک تک بلند کیا اور داڑھی کو مخاطب کر کے فرمایا واہ واہ! تیرے کیا کہنے۔ تم ضرور خون میں رنگی جاؤ گی۔ پھر جمعہ کے دن آپ شہید کر دیے گئے۔

حضرت علیؓ کا واقعہ شہادت ایک جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔ ابن حَنَفِیَّہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ حمام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس ابن مُلْجَم آیا۔ جب وہ داخل ہوا تو گویا حسنین نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ تیری یہ جرأت کہ اس طرح یہاں ہمارے پاس آئے۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تم اسے منہ نہ لگاؤ۔ قسم سے کہ یہ تمہارے خلاف جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ حضرت علیؓ پر حملہ کے وقت ابنِ مُلْجَم کو قیدی بنا کر لایا گیا تو ابنِ حَنَفِیَّہ نے کہا میں تو اسے اس دن ہی اچھی طرح جان گیا تھا جس دن یہ حمام میں ہمارے پاس آیا تھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ قیدی ہے۔ لہٰذا اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کرو اور اسے عزت کے ساتھ ٹھہراؤ۔ اگر میں زندہ رہا تو یا تو اسے قتل کروں گا یا اسے معاف کروں گا اور اگر میں مر گیا تو اسے میرے قصاص میں قتل کر دینا اور حد سے نہ بڑھنا۔ یقیناً اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام قُثَم سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے میرے بڑے بیٹے کو اپنی وصیت میں لکھا کہ اس یعنی ابنِ مُلْجَم کے پیٹ اور شرم گاہ میں نیزہ نہ مارا جائے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ خوارج میں سے تین آدمیوں کو نامزد کیا گیا تھا عَبدُالرحمٰن بن مُلْجَم مُرَادِی جو قبیلہ حِمْیَر سے تھا اور اس کا شمار قبیلہ مُرَاد میں ہوتا تھا جو کِنْدَہ کے خاندان بَنُو جَبَلَہ کا حلیف تھا اور بُرَك بن عبداللہ تَمِیْمِی اور عَمْرو بن بُکَیر تَمِیْمِی یہ تینوں مکّہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے پختہ عہد و پیمان کیے کہ وہ تین آدمیوں یعنی حضرت علی بن ابوطالبؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو ضرور قتل کریں گے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ نام ان تین قتل کرنے والوں کے تھے جس کا واقعہ حضرت مصلح موعودؓ نے شروع میں بیان کیا تھا، اور لوگوں کو ان سے نجات دلائیں گے۔ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم نے کہا مَیں علی بن ابوطالب کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ بُرَكْ نے کہا مَیں معاویہ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں اور عمرو بن بُکَیر نے کہا مَیں تمہیں عمرو بن عاص سے نجات دلاؤں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اس بات پر باہم پختہ عہد و پیمان کیا اور ایک دوسرے کو یقین دلایا کہ وہ اپنے نامزد کردہ شخص کو قتل کرنے کے عہد سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور وہ اس تک پہنچے گا یہاں تک کہ اسے قتل کر دے یا اس راہ میں اپنی جان دے دے یعنی اس حد تک وہ جائیں گے یا تو ان تینوں کو قتل کر دیں گے یا اپنی جان دے دیں گے، واپس نہیں آئیں گے۔ انہوں نے آپس میں رمضان کی سترھویں رات اس غرض کے لیے مقرر کی۔ پھر ان میں سے ہر شخص اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا جس میں اس کا مطلوبہ شخص رہتا تھا یعنی جسے اس نے قتل کرنا تھا۔ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم کوفہ آیا اور اپنے خارجی دوستوں سے ملا مگر ان سے اپنے قصد کو پوشیدہ رکھا۔ وہ انہیں ملنے جاتا اور وہ اسے ملنے آتے رہے۔ اس نے ایک روز تَیْمُ الرِّبَاب قبیلہ کی ایک جماعت دیکھی جس میں ایک عورت قَطَام بنتِ شِجْنَہ بن عَدِی تھی۔ حضرت علیؓ نے جنگ نَہْرَوَان میں اس کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا۔ وہ عورت ابن مُلْجَم کو پسند آئی تو اس نے اسے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس نے کہا میں اس وقت تک تجھ سے نکاح نہ کروں گی جب تک تُو مجھ سے ایک وعدہ نہ کرے۔ ابن مُلْجَم نے کہا کہ تُو جو مانگے گی میں وہ تجھے دوں گا۔ اس نے کہا کہ تین ہزار اور علی بن ابی طالب کا قتل۔ درہم تین ہزار ہوں گے اور علی بن ابوطالب کا قتل۔ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں تو اس شہر میں علی بن ابوطالب کو قتل کرنے کے واسطے ہی آیا ہوں اور میں تجھے وہ ضرور دوں گا جو تُو نے مانگا۔ پھر ابنِ مُلْجَم، شَبِیْب بن بَجَرَة اَشْجَعِی سے ملا اور اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا اور اپنے ساتھ رہنے کا کہا۔ شَبِیْب نے اس کی یہ بات مان لی۔ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم نے وہ رات جس کی صبح کو اس نے حضرت علیؓ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا اَشْعَثْ بن قَیْس کِنْدِی کی مسجد میں اس سے سرگوشی کرتے ہوئے گزاری۔ طلوع فجر کے قریب اَشْعَثْ نے اسے کہا، اٹھو صبح ہو گئی ہے۔ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم اور شَبِیْب بن بَجَرَة کھڑے ہو گئے اور اپنی تلواریں لے کر اس تھڑے کے بالمقابل آ کر بیٹھ گئے جہاں سے حضرت علیؓ نکلتے تھے۔ حضرت حسن

بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں صبح سویرے حضرت علیؓ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا: میں رات بھر اپنے گھر والوں کو جگاتا رہا پھر بیٹھے بیٹھے میری آنکھوں پر نیند غالب آگئی تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ کی اُمّت کی طرف سے ٹیڑھے پن اور شدید جھگڑے کا سامنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ میں نے کہا: اے اللہ! مجھے ان کے بدلے میں وہ دے جو ان سے بہتر ہو اور ان کو میرے بدلے وہ دے جو مجھ سے بدتر ہو۔ اتنے میں ابنِ نَبّاح مؤذن آئے اور کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا تو وہ کھڑے ہو کر چلنے لگے۔ ابنِ نَبّاح آپؓ کے آگے تھے اور مَیں پیچھے۔ جب آپؓ دروازے سے باہر نکلے تو آپؓ نے آواز دی کہ اے لوگو! نماز، نماز۔ صلوٰۃ، صلوٰۃ کی آواز دیتے تھے۔ آپؓ ہر روز اسی طرح کیا کرتے تھے۔ جب آپ نکلتے تو آپ کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا تھا اور آپؓ اُسے دروازوں پہ مار کے لوگوں کو جگایا کرتے تھے۔ عین اس وقت وہ دونوں حملہ آور آپؓ کے سامنے نکل آئے۔ عینی شاہدوں میں سے بعض کا کہنا ہے کہ میں نے تلوار کی چمک دیکھی اور ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے علی! حکم اللہ کے لیے ہے نہ کہ تمہارے لیے۔ پھر مَیں نے دوسری تلوار دیکھی۔ پھر دونوں نے مل کر وار کیا۔ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم کی تلوار حضرت علیؓ کی پیشانی سے سر کی چوٹی تک پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی جبکہ شَبِیب کی تلوار دروازے کی لکڑی پر جا لگی۔

میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ آدمی تم سے بھاگنے نہ پائے۔ لوگ ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے مگر شَبِیب بچ کر نکل گیا جبکہ عبدالرحمٰن بن مُلْجَم گرفتار کر لیا گیا اور اسے حضرت علیؓ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسے اچھا کھانا کھلاؤ اور نرم بستر دو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں اس کا خون معاف کرنے یا قصاص لینے کا زیادہ حق دار ہوں گا اور اگر مَیں فوت ہو گیا تو اسے بھی قتل کر کے میرے ساتھ ملا دینا۔ میں رب العالمین کے پاس اس سے جھگڑوں گا۔[902]

یعنی پھر آپؓ یہ معاملہ اللہ کے حضور میں پیش کریں گے۔

حضرت علیؓ کی وصیت

جب حضرت علیؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے وصیت کی۔ آپ کی وصیت یہ تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ وصیت ہے جو علی بن ابی طالب نے کی ہے۔ علی نے یہ وصیت کی ہے کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تھا تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیں خواہ یہ بات مشرکین کو بُری ہی لگے۔ یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور

میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اس کے بعد اے حسن، اپنے بیٹے کو مخاطب فرمایا کہ مَیں تجھے اور اپنی تمام اولاد اور اپنے تمام گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں جو تمہارا پروردگار ہے اور یہ کہ تم حالتِ اسلام میں ہی دنیا سے رخصت ہونا۔ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور آپس میں تفرقہ نہ کرنا کیونکہ میں نے ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے کہ باہمی تعلقات کی اصلاح کرنا نفل نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے۔ (یہ بڑی اہم بات ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ باہمی تعلقات کی اصلاح کرنا نفل نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے۔ آپس میں صلح صفائی سے رہنا اصلاح کرنا اور کروانا یہ بہت بڑی نیکی ہے) تم اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اس سے اللہ تعالیٰ تم پر حساب آسان فرما دے گا۔ یتیموں کے معاملات میں اللہ سے ڈرنا۔ نہ تو انہیں اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اپنی زبان سے تم سے مدد طلب کریں اور نہ اس بات پر کہ وہ تمہارے سامنے ضائع ہو جائیں۔ پڑوسیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ یہ تمہارے نبی ﷺ کی وصیت ہے۔ آپ ہمیشہ پڑوسیوں کے حقوق کی وصیت کرتے رہے حتی کہ ہمیں گمان ہوا کہ کہیں آپ ﷺ پڑوسیوں کو وارث ہی نہ بنا دیں۔ قرآن کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ قرآن پر عمل کرنے میں کہیں دوسرے تم پر سبقت نہ لے جائیں۔ نماز کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اپنے رب کے گھر کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور زندگی بھر اسے خالی نہ ہونے دو کیونکہ اگر وہ خالی چھوڑ دیا گیا تو اس جیسا کوئی گھر تمہیں نہ ملے گا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ اور زکوٰۃ کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ یہ رب کے غصہ کو بجھاتی ہے۔ اور اپنے نبی ﷺ کی ذمہ داری کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارے درمیان کسی پر ظلم نہ کیا جائے۔ اور اپنے نبی ﷺ کے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں وصیت فرمائی ہے۔ اور فقراء اور مساکین کے بارہ میں بھی اللہ سے ڈرو اور انہیں اپنے سامان معیشت میں شریک کرو۔ اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہوئے ہیں یعنی جن کی ذمہ واری تمہارے سپرد کی گئی ہے ان کے معاملات کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرو۔ نماز کی حفاظت کرو۔ نماز کی حفاظت کرو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی ملامت کرنے والے کا خوف مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سامنے ہونی چاہیے۔ (بہت اہم چیز ہے) وہ خدا تمہارے لیے کافی ہو گا اس شخص کے خلاف جو تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور تمہارے خلاف بغاوت کرے۔ اور لوگوں سے نیک بات کہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑو ورنہ تم میں سے بُرے تمہارے حاکم بن جائیں گے۔ (بڑی اہم بات ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیک کاموں کا کہنا اور بُرے کاموں سے روکنا اس پر ہمیشہ کاربند رہو۔ اس کو کبھی نہ چھوڑنا ورنہ تم میں سے بُرے تمہارے حاکم بن جائیں گے) پھر تم دعا کرو گے مگر تمہاری دعائیں قبول

نہ ہوں گی۔ (جو آج کل مسلمان ملکوں کا حال ہے) ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق رکھو اور تکلفات کے بغیر ایک دوسرے کے کام آؤ۔ خبر دار! ایک دوسرے سے دشمنیاں نہ بڑھاؤ، نہ قطع تعلق کرو اور نہ تفرقہ کرو اور نیکی اور تقویٰ میں باہم تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں تعاون نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ اے اہل بیت کے معزز افراد! اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے ذریعہ حفاظت کرے یعنی تمہارے نیک نمونے کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہمیشہ زندہ رہیں۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجتا ہوں۔[903]

ابوسِنَان کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ زخمی تھے تو وہ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپ کی اس زخمی حالت پر ہمیں بہت تشویش ہو رہی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا لیکن خدا کی قسم! مجھے اپنے اوپر کوئی تشویش نہیں ہے کیونکہ صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتا دیا تھا کہ تمہیں اس اس جگہ پر زخم آئیں گے اور آپؐ نے اپنی کنپٹیوں کی طرف اشارہ کیا پھر وہاں سے خون بہے گا حتی کہ تیری داڑھی رنگین ہو جائے گی اور ایسا کرنے والا اس امّت کا سب سے بڑا بدبخت شخص ہو گا جیسا کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا قوم ثمود کا سب سے بڑا بدبخت تھا۔[904]

ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے قاتل اِبنِ مُلْجَم کے بارے میں فرمایا اس کو بٹھاؤ۔ اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا مگر اس کا مُثْلَہ نہ کرنا اور اگر مَیں زندہ رہا تو مَیں خود اس کی معافی یا قصاص کا فیصلہ کروں گا۔[905]

حضرت مصلح موعودؓ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ ”تاریخوں میں لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک شخص نے خنجر کے ساتھ حملہ کیا اور آپ کا پیٹ چاک کر دیا وہ پکڑا گیا۔“

بہرحال آپ نے یہ لکھا ہے کہ پیٹ چاک کیا۔ سر کا زخم بھی تھا۔ شاید پیٹ پہ بھی زخم ہوا ہو یا ویسے ہی آپ کا خیال تھا یا محاورۃً بولا۔ کیونکہ اکثر روایتیں بہرحال سر کے زخم کی آتی ہیں۔ وہ پکڑا گیا ”تو صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں۔

آپ نے حضرت امام حسنؓ کو بلوایا اور وصیت کی کہ اگر میں مر جاؤں تو میری جان کے بدلے اس کی جان لے لی جائے لیکن اگر میں بچ جاؤں تو پھر اسے قتل نہ کیا جائے۔“[906]

عَمْرو ذِی مُرّ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کو تلوار کے زخم آئے تو میں آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ نے اپنا سر لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے اپنا زخم دکھائیں۔

آپؓ نے زخم سے کپڑا کھولا تو مَیں نے عرض کیا ہلکا سا زخم ہے اور کچھ نہیں ہے۔

آپؓ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے جدا ہونے والا ہوں۔ اس پر آپ کی صاحبزادی اُمّ کلثوم پردے کے پیچھے سے رو پڑیں۔ آپؓ نے اسے فرمایا چپ ہو جاؤ۔ اگر تم وہ دیکھ لو جو مَیں دیکھ رہا ہوں تو نہ روؤ۔ میں

نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا یہ فرشتوں اور نبیوں کے وفد ہیں اور یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو فرما رہے ہیں (یعنی ایک نظارہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتوں اور نبیوں کے وفد ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ بھی وہاں ہیں۔ آپؐ یعنی آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں) کہ اے علی! خوش ہو جاؤ کیونکہ جس طرف تم جارہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم موجود ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنی وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: **میں آپ سب کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتا ہوں۔ اس کے بعد کوئی بات نہیں کی سوائے لا الٰہ الّا اللہ کے کلمہ کے، یہاں تک کہ آپ کی روح قبض ہو گئی۔**[907]

حضرت حسن بن علیؓ کا خطبہ

جب حضرت علی بن ابو طالبؓ کی وفات ہوئی تو حضرت حسن بن علیؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو! آج کی رات ایک ایسے شخص کی وفات ہوئی ہے کہ نہ اس سے پہلے لوگ اس سے سبقت لے جا سکے اور نہ بعد میں آنے والے اس کا مقام پا سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب اسے کسی مہم پر بھیجتے تو جبرئیل اس کے دائیں طرف اور میکائیل اس کے بائیں طرف ہوتے تھے اور وہ واپس نہ لَوٹتا تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح نہ عطا کر دیتا تھا۔ اس نے صرف سات سو درہم ترکہ چھوڑا ہے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس رقم سے غلام خریدے اور **اس کی روح اسی رات کو قبض کی گئی جس رات کو حضرت عیسیٰؑ کی روح کا رفع ہوا تھا یعنی ستائیس رمضان المبارک کی رات۔**

ایک اَور روایت میں ہے حضرت علیؓ کی شہادت کی تاریخ سترھویں رمضان کی رات سن چالیس ہجری بیان ہوئی ہے۔ یہ چالیس ہجری کا سال تھا اور آپ کا دور خلافت چار سال ساڑھے آٹھ ماہ رہا۔[908]

حضرت مصلح موعودؓ اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں۔ طبقات ابن سعد کی جلد ثالث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے حالات میں حضرت امام حسنؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! آج وہ شخص فوت ہوا ہے کہ اس کی بعض باتوں کو نہ پہلے پہنچے اور نہ بعد کو آنے والے پہنچیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اسے جنگ کے لیے بھیجتے تھے تو جبرئیل اس کے دائیں طرف ہوتے تھے اور میکائیل بائیں طرف۔ پس وہ بِلا فتح حاصل کیے واپس نہیں ہوتا تھا۔ بغیر فتح حاصل کیے واپس نہیں ہوتا تھا اور اس نے صرف سات سو درہم اپنا ترکہ چھوڑا ہے جس سے اس کا ارادہ تھا کہ ایک غلام خریدے اور وہ اس رات کو فوت ہوا ہے جس رات عیسیٰ بن مریمؑ کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی تھی یعنی رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو۔[909]

حضرت علیؓ کو ان کے دونوں بیٹوں اور حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے غسل دیا اور آپؓ کے بیٹے حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں۔ آپ کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا

جس میں قمیص نہیں تھی۔ آپ کی تدفین سحری کے وقت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس کچھ متبرک مُشک تھا جو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے جسد مبارک کو لگائے گئے مُشک سے بچا تھا اور حضرت علیؓ کی وصیت تھی کہ وہ مُشک آپ کی میت کو لگایا جائے۔

آپؓ کی عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا آپ کی عمر ستاون سال تھی، بعض کے نزدیک اٹھاون سال تھی، بعض کے نزدیک پینسٹھ سال تھی، بعض کے نزدیک تریسٹھ سال تھی۔ تاہم اکثریت کے نزدیک تریسٹھ سال والی روایت زیادہ درست تھی۔[910]

حضرت علیؓ کا مزار کہاں واقع ہے؟ اس بارے میں بھی سوال اٹھتا ہے۔ اس کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں متفرق روایات ملتی ہیں جو یوں ہیں۔ حضرت علیؓ کو رات کے وقت کوفہ میں دفن کیا گیا اور ان کی تدفین کو مخفی رکھا گیا۔ حضرت علیؓ کو کوفہ کی جامع مسجد میں دفن کیا گیا۔ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت علیؓ کی لاش کو مدینہ منتقل کیا اور حضرت فاطمہؓ کی قبر کے پاس بقیع میں دفن کیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب ان دونوں نے حضرت علیؓ کی لاش کو ایک صندوق میں ڈال کر اونٹ پر رکھا تو اونٹ گم ہو گیا۔ اس اونٹ کو طَے قبیلہ نے پکڑا۔ وہ اس صندوق کو مال سمجھ رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ صندوق میں لاش ہے تو وہ اس کو پہچان نہیں سکے اور انہوں نے اس لاش کو صندوق سمیت دفن کر دیا اور کوئی نہیں جانتا کہ حضرت علیؓ کی قبر کہاں ہے۔ پھر ایک روایت ہے کہ حضرت حسن نے حضرت علیؓ کو کوفہ میں جَعْدَہ بِن هُبَيْرَہ کی آل کے کسی حجرے میں دفن کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جَعْدَہ حضرت علیؓ کا بھانجا تھا۔

امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا رات کے وقت جنازہ پڑھا گیا اور کوفہ میں ان کی تدفین ہوئی اور ان کی قبر کے مقام کو مخفی رکھا گیا تاہم وہ قصر امارت کے پاس تھا۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کا جنازہ پڑھایا اور کوفہ کے باہر حضرت علیؓ کی تدفین کی گئی اور ان کی قبر کو اس خوف سے مخفی رکھا گیا کہ خوارج وغیرہ ان کی اور قبر کی بے حرمتی نہ کریں۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا مزار نجف میں ہے، اس مقام پر جس کو آج کل مَشْهَدُ النَّجَف کہتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق کوفہ میں حضرت علیؓ کو شہید کیا گیا تاہم آپ کی قبر کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کا جنازہ پڑھایا اور کوفہ کے دارالاِمارۃ میں حضرت علیؓ کی تدفین کی گئی اس خوف سے کہ خوارج ان کی لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت مشہور ہے اور جس نے یہ کہا کہ انہیں جانور پر رکھا گیا اور وہ اسے لے گیا اور کوئی نہ جان سکا کہ وہ جانور کہاں چلا گیا تو یہ درست نہیں ہے اور اس نے اس بارے میں تکلف سے کام لیا ہے جس کا اس کو کوئی علم نہیں اور نہ ہی عقل اور نہ ہی شریعت اس کا جواز پیش کرتی ہے اور جو اکثر جاہل رَوَافِض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا مزار مَشْهَدُ النَّجَف میں ہے تو

اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی حقیقت ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہاں تو حضرت مُغِیْرَہ بن شُعْبَہ کی قبر ہے۔[911]

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ نَجَف میں مشہد کے نام سے جو مقام ہے اہل علم اس پر متفق ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی قبر کا مقام نہیں بلکہ وہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے۔ اہل بیت، شیعہ اور دیگر مسلمانوں نے کوفہ میں ان کی حکومت اور تین سو سال سے زیادہ بیت جانے کے باوجود کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ یہ حضرت علیؓ کی قبر ہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے تین سو سال بعد اس جگہ کو مشہد علی کا نام دیا گیا ہے اس لیے یہ روایت بالکل غلط ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی قبر ہے۔[912]

نیز علامہ ابن جَوزِی نے اپنی تاریخ کی کتاب میں حضرت علیؓ کے مزار کے متعلق متفرق روایات جنہیں اوپر بیان کر دیا گیا ہے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اَیُّ الْاَقْوَالِ اَصَحُّ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سا قول زیادہ درست اور صحیح ہے۔[913]

شادی اور اولاد

حضرت علیؓ کی جو شادیاں اور اولادیں ان کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ حضرت علیؓ نے مختلف وقتوں میں آٹھ شادیاں کیں جن کے نام یہ ہیں۔

فاطمہ بنتِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خولہ بنتِ جعفر بن قَیس، لیلیٰ بنت مسعود بن خالد، اُمُّ البَنِیْن بنت حِزَام بن خالد، اَسْمَاء بنت عُمَیْس، صَھْبَاء اُمِّ حبیب بنت رَبِیعہ، اُمَامَہ بنت ابوالعاص بن ربیع۔ یہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی اور نبی کریم ﷺ کی نواسی تھیں۔ اُمّ سعید بنت عُرْوَة بن مسعود ثَقَفِی۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو کثیر اولاد عطا کی جن کی تعداد تیس سے زائد بنتی ہے۔ چودہ لڑکے اور انیس لڑکیاں۔ آپ کی نسل حضرت حسن، حضرت حسین، محمد بن حَنَفِیَّہ، عباس بن کِلَابِیَہ اور عمرو بن تَغْلَبِیَّہ سے چلی۔[914]

فضائل و مناقب

حضرت علیؓ کے فضائل و خصائل اور مناقب کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ:

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْمَدِيْنَةَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے جو اس شہر کا قصد کرے اس کو چاہیے کہ وہ اس کے دروازے پر آئے۔[915]

حضرت مصلح موعودؓ اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہ میں سے زیادہ بہادر اور دلیر حضرت ابوبکرؓ تھے اور پھر انہوں نے کہا کہ جنگ بدر میں جب رسول کریم ﷺ کے لیے ایک علیحدہ چبوترہ بنایا گیا تو اس وقت سوال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا کام کس

کے سپرد کیا جائے؟ اس پر حضرت ابو بکرؓ فوراً ننگی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس انتہائی خطرے کے موقع پر نہایت دلیری سے آپؐ کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا یعنی کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ پس حضرت علیؓ کو بھی رسول کریم ﷺ نے علماء میں سے قرار دیا ہے مگر خیبر کی جنگ میں سب سے نازک وقت میں اسلام کا جھنڈا رسول کریم ﷺ نے آپؓ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وقت علماء بزدل نہیں تھے بلکہ سب سے زیادہ بہادر تھے۔[916]

یہ ذکر آپ علماء کی بہادری کا فرمارہے ہیں۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ میں اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھتا تھا اور آج میرا صدقہ یعنی زکوۃ چار ہزار دینار تک پہنچ چکا ہے۔

ایک روایت میں چالیس ہزار دینار کا ذکر ہے۔ ابو بحر اپنے ایک استاد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو موٹی تہ بند پہنے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: مَیں نے یہ پانچ درہم میں خریدی ہے جو مجھے اس پر ایک درہم کا نفع دے گا میں اسے یہ فروخت کر دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کے پاس چند درہم کی تھیلی دیکھی تو آپ نے کہا یہ یَنْبُعْ کی جائیداد میں سے ہمارا بچنے والا نفقہ ہے۔ یَنْبُع ایک بستی ہے جو مدینہ سے سات منزل دور تھی، ساحل سمندر کی طرف واقع ہے۔ آپ کی انگوٹھی پر، حضرت علیؓ کی انگوٹھی پر اَللّٰهُ الْمَلِكُ کندہ تھا کہ اللہ ہی بادشاہ ہے۔[917]

جُمَیع بن عُمَیر بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضرت عائشہؓ کے پاس اپنی پھوپھی کے ساتھ آیا تو انہوں نے سوال کیا کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو کون عزیز تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا فاطمہؓ۔ پھر سوال کیا گیا کہ مَردوں میں سے؟ تو آپ نے فرمایا ان کے خاوند حضرت علیؓ۔[918]

حضرت ثَعْلَبَہ بن ابو مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عُبَادہؓ ہر میدان جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علمبردار ہوتے تھے مگر جب لڑائی کا وقت آتا تھا تو حضرت علی بن ابو طالبؓ جھنڈا تھام لیتے تھے۔[919]

قبیلہ ثَقِیف کے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے مجھے سَابُور علاقے کا عامل مقرر کیا۔ سابور فارس میں ایک علاقہ ہے جو شیراز سے کوئی تقریباً 75 میل کے فاصلہ پر ہے اور فرمایا کسی شخص کو بھی ایک درہم ٹیکس کی وجہ سے کوڑا نہ مارنا اور لوگوں کے رزق کے پیچھے نہ پڑنا اور نہ سردیوں یا گرمیوں میں ان کے کپڑوں کے پیچھے پڑنا۔ اس طرح ٹیکس نہیں لینا کہ کپڑے اتر جائیں اور نہ ان سے کسی ایسے جانور کا مطالبہ کرنا جسے وہ کام میں استعمال کرتے ہوں۔ کسی کو ایک درہم کی طلب میں کھڑے نہ رکھنا۔

یعنی جو بھی ٹیکس وصول کرنا ہے جزیہ وصول کرنا ہے اس کے لیے کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینی، بوجھ نہیں ڈالنا۔ میں نے کہا یا امیر المومنین! پھر تو میں آپ کی طرف ایسے ہی لوٹوں گا جیسے میں آپ کے پاس سے جا رہا ہوں۔ کچھ نہیں ملے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارا بھلا ہو۔ ہاں خواہ تم خالی ہاتھ ہی لوٹو ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے اس مال میں سے لیں جو اُن کی ضرورت سے زائد ہو۔[920]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم میرے بھائی اور میرے ساتھی ہو۔[921]

علی بن رَبِیعَہ سے روایت ہے کہ میں حضرت علیؓ کے پاس حاضر تھا جب ان کے لیے ایک جانور لایا گیا تاکہ اس پر سوار ہوں۔ جب آپؓ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو تین مرتبہ بسم اللہ کہا۔ جب اس کی پشت پر سیدھا بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا۔ پھر کہا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ (الزخرف:14-15) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا جبکہ ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے تھے اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف لَوٹ کر جانے والے ہیں۔ پھر آپؓ نے تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ نے یہ دعا پڑھی کہ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ یعنی تُو پاک ہے یقیناً مَیں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا۔ پس مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ پھر آپؓ مسکرائے۔ راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپؓ کس وجہ سے مسکرائے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا جس طرح میں نے کیا ہے۔ پھر آپؐ مسکرائے تھے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپؐ کس وجہ سے مسکرائے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: یقیناً تیرا رب اپنے بندے سے بہت خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ اس بات پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسکرائے تھے۔[922]

یَحییٰ بن یَعمُر سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت علی بن ابو طالبؓ نے خطاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد آپؓ نے فرمایا:

اے لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ ان کے نیک لوگ اور علماء انہیں اس بات سے منع نہ کرتے تھے۔ پھر جب وہ گناہوں میں حد سے بڑھ گئے تو انہیں قسما قسم کی سزاؤں نے پکڑ لیا۔ پس تم لوگ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو قبل اس کے کہ تم پر بھی ان جیسا عذاب آ جائے۔ یاد رکھو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا اور نہ تمہاری موت کو قریب کرے گا۔[923]

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک انصاری عورت کے گھر میں تھے جس نے آپؐ کے لیے کھانا تیار کیا ہوا تھا، دعوت کی ہوئی تھی۔ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ داخل ہوئے تو ہم نے انہیں مبارک باد دی۔ پھر آپؐ نے دوبارہ فرمایا ابھی تمہارے پاس، ایک جنتی آدمی آئے گا۔ اس پر حضرت عمرؓ داخل ہوئے تو ہم نے انہیں مبارکباد دی۔ پھر تیسری دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس وقت نبی کریم ﷺ اپنا سر کھجور کے ایک چھوٹے سے پودے کے نیچے چھپائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! اگر تُو چاہے تو یہ آنے والا علی ہو۔ پھر حضرت علیؓ داخل ہوئے تو ہم نے انہیں مبارکباد دی۔[924]

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اور وہ ہیں علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ۔[925]

ابو عثمان نَھْدِی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور ہم مدینہ کی ایک گلی سے گزر کر ایک باغ کے پاس پہنچے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہؐ! یہ باغ کس قدر خوبصورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لیے جنت میں اس سے بھی زیادہ خوبصورت باغ ہے۔[926]

حضرت عَمَّار بن یَاسِرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت علیؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی خوبی عنایت کی ہے کہ اس سے بہتر خوبی اس نے اپنے بندوں کو عطا نہیں کی اور وہ ہے دنیا سے بے رغبتی۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ نہ تم دنیا میں سے کچھ لیتے ہو نہ دنیا تم میں سے کچھ لیتی ہے یعنی تمہیں دنیا کی، دنیا کی چیزوں کی کوئی خواہش نہیں ہے اور نہ ہی دنیا کی خواہش رکھنے والے لوگ تم سے کوئی تعلق رکھنا چاہتے ہیں۔ نیز تجھے اللہ تعالیٰ نے مساکین کی محبت عطا کی ہے وہ تم کو اپنا امام بنا کر خوش ہیں اور تم ان کو اپنا پیروکار بنا کر خوش ہو۔ پس خوشخبری ہو اس شخص کو جو تم سے محبت کرے اور تمہارے بارے میں سچ بولے اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو تم سے بغض رکھے اور تمہارے خلاف جھوٹ بولے۔ وہ لوگ جو تم سے محبت رکھتے ہیں اور تمہارے بارے میں سچ بولتے ہیں وہ جنت میں تمہارے گھر کے پڑوسی اور تمہارے محل میں تمہارے ساتھی ہوں گے اور جو لوگ تم سے بغض رکھتے ہیں اور تم پر جھوٹ باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے ذمہ لے رکھی ہے کہ قیامت کے دن وہ انہیں سخت جھوٹوں کے کھڑے ہونے کی جگہ پر کھڑا کرے گا۔[927]

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت میں جس درجہ میں مَیں ہوں گا اس میں علیؓ اور فاطمہؓ ہوں گے۔“[928]

حضرت علیؓ کے عشرہ مبشرہ میں ہونے کے بارے میں ذکر ہے کہ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اسی دنیا میں جنت کی خوشخبری ملی۔ حضرت سعید بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں 9/لوگوں کے بارے میں اس بات کی گواہی

دیتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں اور اگر میں دسویں کے بارے میں بھی یہی کہوں یعنی گواہی دوں تو گناہگار نہیں ہوں گا۔ کہا گیا کہ وہ کیسے تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ حرا پہاڑ پر تھے تو وہ ہلنے لگا۔ اس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

ٹھہر اے حرا! یقیناً تجھ پر ایک نبی یا صدیق یا شہید ہے۔ کسی نے پوچھا وہ دس جنتی لوگ کون ہیں۔ حضرت سعید بن زیدؓ نے کہا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خود، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں اور کہا گیا کہ دسواں کون ہے؟ تو حضرت سعید بن زیدؓ نے کہا: وہ مَیں (ہوں)۔[929]

یہ واقعہ جو بیان کرنے لگا ہوں یہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے لیکن نفس پر قابو رکھنے اور انانیت کو دور کرنے کے ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اس لیے مَیں یہاں دوبارہ یہ بیان کر رہا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک دشمن سے لڑتے تھے اور محض خدا کے لیے لڑتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ نے اس کو اپنے نیچے گرا لیا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے جھٹ حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؓ فوراً اس کی چھاتی پر سے اتر آئے اور اسے چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اب تک تو مَیں محض خدا تعالیٰ کے لئے تیرے ساتھ لڑتا تھا لیکن اب جبکہ تُو نے میرے منہ پر تھوک دیا ہے تو میرے اپنے نفس کا بھی کچھ حصہ اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ پس مَیں نہیں چاہتا کہ اپنے نفس کے لئے تمہیں قتل کروں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے اپنے نفس کے دشمن کو دشمن نہیں سمجھا۔ ایسی فطرت اور عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔"

آپؑ جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں۔ "اگر نفسانی لالچ اور اغراض کے لئے کسی کو دکھ دیتے اور عداوت کے سلسلوں کو وسیع کرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والی کیا بات ہو گی؟"[930]

پھر آپؑ نے ایک اَور موقع پہ تفصیل سے بیان فرمایا اور اس پر مزید روشنی ڈالی۔ فرماتے ہیں کہ "جوش نفسانی اور للّٰہی جوش میں فرق کے واسطے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے سبق حاصل کرو۔ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا ایک کافر پہلوان کے ساتھ جنگ شروع ہوا۔ بار بار آپؓ اس کو قابو کرتے تھے وہ قابو سے نکل جاتا تھا۔ آخر اس کو پکڑ کر اچھی طرح سے جب قابو کیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قریب تھا کہ خنجر کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیتے کہ اس نے نیچے سے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ جب اس نے ایسا فعل کیا تو حضرت علیؓ اس کی چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گئے۔ اس پر اس نے تعجب کیا اور حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے اس قدر تکلیف کے ساتھ پکڑا اور میں آپؓ کا جانی دشمن ہوں اور خون کا پیاسا ہوں۔ پھر باوجود ایسا قابو پا چکنے کے آپ نے مجھے اب چھوڑ دیا۔ یہ کیا بات ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ہماری تمہارے ساتھ کوئی ذاتی عداوت نہیں۔ چونکہ تم دین کی مخالفت کے سبب مسلمانوں کو دکھ دیتے ہو اس واسطے تم واجب القتل ہو اور میں

محض دینی ضرورت کے سبب تم کو پکڑ تا تھا۔ لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا اور اس میں مجھے غصہ آیا تو میں نے خیال کیا کہ یہ اب نفسانی بات درمیان میں آگئی ہے۔ اب اس کو کچھ کہنا جائز نہیں تا کہ ہمارا کوئی کام نفس کے واسطے نہ ہو۔ جو ہو سب اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو۔ جب میری اس حالت میں تغیر آئے گا اور یہ غصہ دور ہو جائے گا تو پھر وہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔ اس بات کو سن کر کافر کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ تمام کفر اس کے دل سے خارج ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا دین دنیا میں اچھا ہو سکتا ہے جس کی تعلیم کے اثر سے انسان ایسا پاک نفس بن جاتا ہے۔ پس اس نے اسی وقت توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔"[931] پس یہ ہے اصل تقویٰ جو نتیجہ بھی دکھاتا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے بھی کم و بیش اس یہودی کی حضرت علیؓ سے لڑائی کے واقعہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شامل تھے۔ ایک بہت بڑا دشمن جس کا مقابلہ بہت کم لوگ کر سکتے تھے آپؓ کے مقابلہ پر آیا اور کئی گھنٹے تک آپؓ کی اور اس یہودی پہلوان کی لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کئی گھنٹے کی لڑائی کے بعد آپؓ نے اس یہودی کو گرا لیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ خنجر سے اس کی گردن کاٹ دیں کہ اچانک اس یہودی نے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اسے چھوڑ کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور وہ یہودی سخت حیران ہوا اور کہنے لگا یہ عجیب بات ہے کہ کئی گھنٹے کی کشتی کے بعد آپ نے مجھے گرایا ہے اور اب یکدم مجھے چھوڑ کر الگ ہو گئے ہیں۔ یہ آپ نے کیسی بیوقوفی کی ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے بیوقوفی نہیں کی بلکہ جب میں نے تمہیں گرایا اور تم نے میرے منہ پر تھوک دیا تو یکدم میرے دل میں غصہ پیدا ہوا کہ اس نے میرے منہ پر کیوں تھوکا ہے مگر ساتھ ہی مجھے خیال آیا کہ اب تک تو میں جو کچھ کر رہا تھا خدا کے لئے کر رہا تھا اگر اس کے بعد مَیں نے لڑائی جاری رکھی تو تیرا خاتمہ میرے نفس کے غصہ کی وجہ سے ہو گا۔" یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس یہودی کو ختم کرنا میرے ذاتی غصہ کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے "خدا کی رضا کے لئے نہیں ہو گا۔ اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس وقت میں تجھے چھوڑ دوں۔ جب غصہ جاتا رہے گا تو پھر خدا کے لئے مَیں تجھے گرا لوں گا۔"[932]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین صاحبؓ نے ایک دفعہ سوال کیا" یعنی حضرت علیؓ سے "کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اس پر بڑا تعجب کیا اور کہا کہ ایک دل میں دو محبتیں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے کہا کہ وقت مقابلہ پر آپؓ کس سے محبت کریں گے؟ فرمایا" (حضرت علیؓ نے فرمایا) "اللہ سے۔"[933]

اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ: "حضرت حسنؓ نے

حضرت علیؓ سے ایک سوال کیا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے پھر سوال کیا کہ کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے کہا تب تو آپ ایک رنگ میں شرک کے مرتکب ہوئے۔ شرک اسی کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت میں کسی اور کو شریک بنا لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حسنؓ! میں شرک کا مرتکب نہیں ہوں۔ مَیں بیشک تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن جب تیری محبت خدا تعالیٰ کی محبت سے ٹکرا جائے تو میں فوراً اسے چھوڑ دوں گا۔"[934]

پھر حضرت مصلح موعودؓ حضرت علیؓ کے بارے میں ایک جگہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کو جب کوئی بڑی مصیبت پیش آتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ

یَا کٓھٰیٰعٓصٓ اِغْفِرْلِیْ۔ یعنی اے کٓھٰیٰعٓصٓ! مجھے معاف فرمادے۔"[935]

اُمّ ہانی کی ایک روایت کے مطابق ان مقطعات کے یہ معنی ہیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کاف قائم مقام صفت کافی کا ہے، ہاء قائم مقام صفت ہادی کا ہے اور عین قائم مقام صفت عالم یا علیم کی ہے اور ص قائم مقام صفت صادق کی ہے۔[936]

یعنی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! تُو کافی ہے۔ تُو ہادی ہے۔ تُو علیم ہے اور تُو سچا ہے، صادق ہے۔ تیری تمام صفات کا واسطہ ہے کہ مجھے بخش دے۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"مفسرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنے ایک نوکر کو آواز دی مگر وہ نہ بولا۔ آپؓ نے بار بار آواز دی مگر پھر بھی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکا اتفاقاً آپؓ کو سامنے نظر آ گیا تو آپ نے اس سے پوچھا مَا لَكَ لَمْ تُجِبْنِی کہ تجھے کیا ہو گیا کہ میں نے تجھے اتنی بار بلایا مگر تُو پھر بھی نہیں بولا قَالَ لِثِقَتِیْ بِحِلْمِكَ وَاَمْنٍ مِنْ عُقُوْبَتِكَ فَاسْتَحْسَنَ جَوَابَهٗ وَاَعْتَقَهٗ اس نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے آپ کی نرمی کا یقین تھا اور آپ کی سزا سے میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حضرت علیؓ کو اس لڑکے کا یہ جواب پسند آیا تو آپ نے اسے آزاد کر دیا۔"[937]

اب کوئی دنیادار ہوتا تو شاید اسے سزا دیتا کہ تُو میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے لیکن آپؓ نے اس کو انعام سے نوازا۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو ایک شخص پڑھایا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ ایک دفعہ اپنے بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؓ نے سنا کہ آپؓ کے بچوں کو ان کا استاد خَاتِمَ النبیین پڑھا رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: میرے بچوں کو خَاتِمَ النبیین نہ پڑھاؤ بلکہ خَاتَمَ النبیین پڑھایا کرو"، یعنی 'ت' کے نیچے زیر کے بجائے 'ت' کے اوپر زبر کے ساتھ پڑھاؤ۔ "یعنی بیشک

یہ دونوں قراءتیں ہیں لیکن مَیں خَاتَمَ النبیین کی قراءت کو زیادہ پسند کرتا ہوں کیونکہ خَاتَمَ النبیین کے معنی ہیں نبیوں کی مہر اور خَاتِمَ النبیین کے معنی ہیں نبیوں کو ختم کرنے والا۔ میرے بچوں کو تاء کی زبر سے پڑھایا کرو۔" 938

پھر حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں "حضرت علیؓ کی نسبت بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کے حافظ تھے بلکہ انہوں نے قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن لکھنے کا کام رسول کریم ﷺ کی وفات کے معاً بعد شروع کر دیا تھا۔" 939

ایک جگہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو کسی صحابیؓ نے کھانے پر بلایا۔ بعض صحابہؓ بھی مدعو تھے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ آپؓ کی عمر نسبتاً چھوٹی تھی" حضرت علی کی عمر چھوٹی تھی "اس لئے بعض صحابہؓ کو آپ سے مذاق کی سوجھی۔ وہ کھجوریں کھاتے جاتے تھے اور گٹھلیاں حضرت علیؓ کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اسی طرح کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ جوان تھے کھانے میں مصروف رہے اور اس طرف نہیں دیکھا۔ جب دیکھا تو گٹھلیوں کا ڈھیر آپؓ کے سامنے لگا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے مذاقاً حضرت علیؓ سے کہا تم نے ساری کھجوریں کھالی ہیں !! یہ دیکھو! ساری گٹھلیاں تمہارے آگے پڑی ہیں۔ حضرت علیؓ کی طبیعت میں بھی مذاق تھا۔ چڑچڑا پن نہیں تھا۔ چڑچڑا پن ہوتا تو آپ صحابہؓ سے لڑ پڑتے اور کہتے کہ آپ مجھ پر الزام لگاتے ہیں یا مجھ پر بدظنی کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ سمجھ گئے کہ یہ مذاق ہے جو اُن سے کیا گیا ہے۔" حضرت علیؓ نے سوچا کہ "اب میری خوبی یہ ہے کہ میں بھی اس کا جواب مذاق میں دوں۔" چنانچہ "آپؓ نے فرمایا: آپ سب گٹھلیاں بھی کھا گئے ہیں لیکن مَیں گٹھلیاں رکھتا رہا ہوں" کہ آپ سب لوگ جب کھا رہے تھے تو گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھا گئے ہیں لیکن میں نے گٹھلیاں رکھی ہوئی ہیں "اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ گٹھلیوں کا ڈھیر میرے سامنے پڑا ہے۔ صحابہؓ پر یہ مذاق الٹ پڑا۔" 940

حضرت مصلح موعودؓ ایک جگہ حضرت علیؓ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ "حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت علیؓ نے لقمہ دیا۔ نماز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ تمہارا کام نہ تھا۔ غلطی کی طرف توجہ دلانے کے لئے میں نے آدمی مقرر کئے ہوئے ہیں۔" 941

نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے تو کہیں آگے پیچھے ہو گیا ہو گا اور حضرت علیؓ نے لقمہ دیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں تم نہ دو۔ حالانکہ حضرت علیؓ بھی کافی عالم تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ ایک اَور جگہ بیان فرماتے ہیں کہ: "قرآن کریم میں حکم ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے کوئی مشورہ لو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ کہتے ہیں حضرت علیؓ نے اس حکم

سے پہلے کبھی آنحضرت ﷺ سے کوئی مشورہ نہ لیا تھا مگر جب یہ حکم نازل ہوا تو حضرت علیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ رقم بطور صدقہ پیش کر کے عرض کیا کہ میں کچھ مشورہ لینا چاہتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے الگ جا کر حضرت علیؓ سے باتیں کیں۔ کسی دوسرے صحابی نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ کیا بات تھی جس کے متعلق آپؓ نے مشورہ لیا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ کوئی خاص بات تو مشورہ طلب نہ تھی مگر **میں نے چاہا کہ قرآن کریم کے اس حکم پر بھی عمل ہو جائے۔**"[942]

یہ تھے صحابہ کے طریق۔ ایک جگہ یہ واقعہ اس طرح بھی ملتا ہے کہ ایک صحابی لوگوں کے گھروں میں جایا کرتے تھے کہ قرآن کریم کا یہ جو حکم ہے کہ اگر تمہیں کوئی گھر والا کہے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ کہتے ہیں میں نے کئی دفعہ کوشش کی بلکہ بعض دفعہ روزانہ کوشش کی، کسی نہ کسی گھر میں جاتا کہ کوئی مجھے کہے کہ واپس چلے جاؤ اور میں خوشی خوشی واپس آ جاؤں تا کہ قرآن کریم کے حکم کی تعمیل ہو جائے لیکن میری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی۔ کسی گھر والے نے کبھی مجھے یہ نہیں کہا کہ واپس چلے جاؤ۔[943]

آج کل اگر ہم کسی کو کہیں کہ مصروف ہیں، واپس چلے جاؤ یا ملاقات نہیں ہو سکتی تو لوگ بُرا مان جاتے ہیں لیکن صحابہ کا تقویٰ یہ تھا کوشش کرتے تھے کہ قرآن کریم کے ہر حکم پر عمل کریں۔ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ کسی غرض کے لئے صحابہؓ سے چندہ مانگا۔ حضرت علیؓ باہر گئے گھاس کاٹا اور اسے بیچ کر جو قیمت ملی وہ چندہ میں دے دی۔"[944]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک دفعہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ایک جگہ غالباً اپنے درس میں بیان فرمایا تھا کہ **حضرت علامہ عبید اللہ صاحب بسمل ایک چوٹی کے شیعہ عالم تھے۔** اتنے بزرگ اور اتنے علم میں گہرے اور متبحر کہ جب یہ احمدی ہو گئے تو اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ہی نہیں بعد میں پارٹیشن تک، پارٹیشن کے بعد بھی ان کی بعض کتب ابھی تک تدریس کے طور پر شیعہ مدرسوں میں پڑھائی جا رہی ہیں کیونکہ مجھے یاد ہے خلیفۃ المسیح الرابع کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شیعہ دوست میرے پاس گفتگو کے لیے آئے جب میں وقفِ جدید میں ہوتا تھا تو گفتگو کے بعد انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور اللہ کے فضل سے احمدی ہو گئے۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے بتایا کہ میں پہلے آپ کو بتایا نہیں کرتا تھا۔ پہلے وہ ایک شیعہ عالم تھے، ان کا مجھے عہدہ یاد نہیں مگر وہ شیخوپورہ کے کسی گاؤں یا فیصل آباد کے کسی گاؤں، ان کے بازو کے علاقے کے تھے کہیں کے، انہوں نے بتایا کہ مَیں شیعوں میں یہ مرتبہ رکھتا ہوں، عالم ہوں۔ یعنی کہ یہ جو آدمی جنہوں نے بیعت کی ان کے بارے میں خلیفہ رابعؒ بتا رہے ہیں کہ وہ شیعہ عالم تھے۔ اور (وہ کہتے ہیں) میں عالم ہوں اور شیعوں میں کافی مرتبہ رکھتا ہوں لیکن آج میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ ابھی تک عبید اللہ صاحب بسمل کی کتب ہمارے مدرسوں

میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ اتنا ان کا رعب ہے، ان کے علم کا اور ہمیں یہ لوگ بتاتے نہیں۔ خلیفہ رابع کہتے ہیں ہمیں یہ شیعہ لوگ نہیں بتاتے کہ کس طرح وہ بسمل صاحب کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔ آپ بتا رہے ہیں کہ مجھے تو ویسے پتہ لگ گیا ہے اس عالم کے ذریعہ سے۔ لیکن یہ وہاں پڑھاتے ہوئے نہیں بتاتے کہ وہ کون تھا اور بعد میں، بسمل صاحب کے ساتھ کیا ہوا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کیا اور ان ساری عزتوں کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا جو ان کو اس زمانے میں شیعہ مسلک سے حاصل تھیں۔ یہ ان کی کتب کا حوالہ ہے یعنی کسی معمولی آدمی کا حوالہ نہیں ہے۔ اس کتاب کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ حوالہ دے رہے ہیں۔ یہ ساری تمہید باندھ کے کہ البزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ جواب دیا کہ آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑ سے لڑتا ہوں پھر میں سب سے زیادہ بہادر کیسے ہوا؟ اب تم یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ حضرت علیؓ نے دوبارہ پوچھا۔ یہ بسمل صاحب نے ایک کتاب کے حوالے سے اپنی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ جناب ہم کو نہیں معلوم آپ ہی فرمائیں۔ آپؓ نے ارشاد کیا کہ سب سے زیادہ بہادر اور شجاع حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ آپؓ نے ارشاد کیا یعنی حضرت علیؓ نے ارشاد کیا کہ سب سے زیادہ بہادر اور شجاع حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ سنو! جنگ بدر میں ہم نے رسول خدا ﷺ کے لیے ایک سائبان بنایا تھا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس سائبان کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مشرک رسول اللہ ﷺ پر حملہ کر دے۔ بخدا ہم میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھا کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ شمشیر برہنہ کے ساتھ، شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے اور پھر کسی مشرک کو آپ کے پاس آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اگر کسی نے ایسی جرأت کی بھی تو آپ فوراً اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس لیے آپؓ ہی سب سے زیادہ بہادر ہیں یعنی حضرت ابوبکرؓ۔ یہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے نرغے میں لے لیا اور وہ آپ کو گھسیٹ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم ہی وہ ہو جو کہتے ہو کہ خدا ایک ہے۔ حضرت علیؓ فرما رہے ہیں کہ خدا کی قسم! کسی کو مشرکین سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے اور مشرکین کو مار مار کر اور دھکے دے دے کر ہٹاتے جاتے اور فرماتے جاتے، تم پر افسوس ہے کہ تم ایسے شخص کو ایذا پہنچا رہے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔ یہ فرما کر حضرت علیؓ نے اپنی چادر اٹھائی، چادر منہ پر رکھ کر اتنا روئے کہ آپؓ کی داڑھی بھیگ گئی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے۔ اے لوگو! بتاؤ کہ مومن آل فرعون اچھے تھے کہ ابوبکرؓ اچھے ہیں۔ آل فرعون سے جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے پیغمبر پر اس قدر جاں نثاری نہیں کی جتنی ابوبکرؓ نے کی ہے۔ لوگ یہ سن کر خاموش رہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! جواب کیوں نہیں دیتے۔ خدا کی

قسم! ابو بکرؓ کی ایک ساعت آل فرعون کے مومن کی ہزار ساعتوں سے بہتر ہے اور بڑھ کر ہے اس لیے کہ وہ لوگ اپنا ایمان چھپاتے پھرتے تھے اور ابو بکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار علی الاعلان کیا۔[945]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

"رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو نصیحت کی۔ فرمایا اے علیؓ! اگر تیری تبلیغ سے ایک آدمی بھی ایمان لے آئے تو یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان تیری بھیڑوں اور بکریوں کا ایک بڑا بھاری گلّہ جا رہا ہو اور تُو اسے دیکھ کر خوش ہو۔"[946]

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ مَیں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے علیؓ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔[947]

حضرت زر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا۔ یقیناً نبی اُمّی ﷺ کا یہ مجھ سے عہد تھا کہ مجھ سے صرف مومن محبت رکھے گا اور صرف منافق مجھ سے بغض رکھے گا۔[948]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ کی سی ہے جن سے یہودیوں نے اتنا بغض کیا کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھ دیا اور عیسائی لوگ آپؑ کی محبت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے آپؑ کو وہ مقام دے دیا جو کہ ان کا مقام نہ تھا۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا:

خبردار! میرے بارے میں دو طرح کے آدمی ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ جو محبت میں غلو کر کے مجھے وہ مقام دیں گے جو کہ میرا مقام نہیں ہے اور دوسرے وہ لوگ جو مجھ سے بغض رکھیں گے اور میری دشمنی میں مجھ پر بہتان باندھیں گے۔[949]

حضرت علیؓ فَے کے مال یعنی وہ مالِ غنیمت جو دشمن سے جنگ کیے بغیر ہاتھ لگے، اس کی تقسیم میں حضرت ابو بکرؓ کے طریق کو اختیار کرتے تھے۔ آپؓ کے پاس جب بھی مال آتا تو آپؓ وہ سارے کا سارا تقسیم کر دیتے اور اس میں سے کچھ بھی بچا کر نہ رکھتے سوائے اس کے جو اس روز تقسیم ہونے سے رہ جاتا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے دنیا! جا میرے علاوہ کسی اَور کو جا کر دھوکا دے۔ آپ فَے کے مال میں سے نہ تو خود لیتے اور نہ کسی گہرے دوست یا عزیز کو اس میں سے کچھ دیتے۔ آپؓ گورنری اور عہدہ وغیرہ صرف دیانت دار اور امین لوگوں کو دیتے۔ جب آپ کو ان میں سے کسی کی خیانت کی خبر پہنچتی تو آپ ان کو یہ آیات لکھ کر بھیجتے۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (یونس:58) یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت کی بات آ چکی ہے اور اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اَشۡیَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۔ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ (ہود:86-87) ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کی چیزیں ان کو کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں مفسد بنتے ہوئے بدامنی نہ پھیلاؤ۔ اللہ کی طرف سے جو تجارت میں بچتا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سچے مومن ہو اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ نیز اسے لکھتے جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو تمہارے پاس ہمارے جو اموال ہیں وہ سنبھال کر رکھنا یہاں تک کہ ہم تمہاری طرف کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو تم سے وہ اموال وصول کرے۔

پھر آپؓ اپنی نظریں آسمان کی طرف کر کے فرماتے اے اللہ! یقیناً تُو جانتا ہے کہ میں نے انہیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اَبْجَر بن جُرْمُوز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا مَیں نے حضرت علی بن ابوطالبؓ کو دیکھا کہ آپؓ کوفہ سے نکل رہے تھے اور آپؓ کے اوپر دو قِطری چادریں تھیں۔ قِطر بحرین کی ایک بستی کا نام ہے جہاں سرخ دھاری دار چادریں بنتی تھیں۔ جن میں سے ایک کو آپ نے تہبند کے طور پر باندھا ہوا تھا اور دوسری کو اوپر لیا ہوا تھا۔ آپ کی تہبند نصف پنڈلی تک تھی۔ آپ ایک کوڑا تھامے ہوئے بازار میں چل رہے تھے اور لوگوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے، سچی بات کہنے، عمدگی سے خرید و فروخت کرنے اور ماپ تول اور وزن کو پورا کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔

مُجَمِّع تَیْمِی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے بیت المال میں جتنا مال تھا وہ سارے کا سارا مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر آپ کے حکم سے اس میں چونا کروایا گیا۔ پھر آپ نے اس میں اس امید پر نماز پڑھی کہ قیامت کے دن وہ آپ کے لیے گواہی دے۔[950]

حضرت مصلح موعودؓ حضرت علیؓ کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 7/دسمبر 1892ء کو اپنا ایک رؤیا بیان فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ مَیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن گیا ہوں یعنی خواب میں ایسا معلوم کرتا ہوں کہ وہی ہوں۔ اور خواب کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اپنے تئیں دوسرا شخص خیال کر لیتا ہے سو اس وقت مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں علی مرتضیٰ ہوں اور ایسی صورت واقع ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے یعنی وہ گروہ میری خلافت کے امر کو روکنا چاہتا ہے اور اس میں فتنہ انداز ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہیں اور شفقت اور تودّد سے مجھے فرماتے ہیں کہ یَا عَلِیُّ! دَعۡهُمۡ وَ اَنۡصَارَهُمۡ وَزِرَاعَتَهُمۡ ۔ یعنی اے علی! ان سے اور ان کے مددگاروں اور ان کی کھیتی سے کنارہ کر اور ان کو چھوڑ دے اور ان سے منہ پھیر لے اور میں نے پایا کہ اس فتنہ کے وقت صبر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو فرماتے ہیں اور اعراض کے لئے تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تُو ہی حق پر ہے مگر ان لوگوں سے ترکِ خطاب بہتر ہے۔"[951]

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے لشکر کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ ہتھیار اور جنگی سواریاں تو لوگوں میں تقسیم کروائے لیکن سامان و غلام اور لونڈیوں کو کوفہ واپس آنے پر ان کے مالکوں کو لوٹا دیا۔“[952]

پھر ایک اَور حوالے سے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

”حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ کی نسبت حضرت عمرؓ کا زمانہ رسول کریم ﷺ سے زیادہ دور تھا۔ یہی حال حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا تھا۔ بیشک ان کا درجہ اپنے سے پہلے خلیفوں سے کم تھا لیکن ان کے وقت جو واقعات پیش آئے ان میں ان کے درجہ کا اتنا اثر نہیں تھا جتنا رسول کریمؐ کے زمانہ سے دور ہونے کا اثر تھا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی صحبت اٹھائی تھی لیکن بعد میں دوسروں کا زیادہ دخل ہو گیا۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں تو ایسے فتنے اور فساد نہ ہوتے تھے جیسے آپؓ کے وقت میں ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ماتحت میرے جیسے لوگ تھے اور میرے ماتحت تیرے جیسے لوگ ہیں۔“[953]

پھر ایک اَور جگہ حضرت مصلح موعودؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص اس زمانہ میں جبکہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان جنگ جاری تھی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ حضرت علیؓ کے زمانہ کی جنگوں میں کیوں شامل نہیں ہوتے حالانکہ قرآن کریم میں صاف حکم موجود ہے کہ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ انہوں نے جواب دیا کہ... ہم نے یہ حکم رسول کریم ﷺ کے وقت میں پورا کر دیا ہے جبکہ اسلام بہت قلیل تھا اور آدمی کو اس کے دین کی وجہ سے فتنہ میں ڈالا جاتا تھا یعنی یا تو اسے قتل کیا جاتا تھا یا عذاب دیا جاتا تھا یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا۔ پھر کسی کو فتنہ میں نہیں ڈالا جاتا تھا۔“[954]

یعنی اگر جنگیں تھیں تو دین بدلنے کے لیے تھیں اور ان کے خلاف تھیں جو دین بدلنا چاہتے تھے۔ اب یہاں تو دین قائم ہو گیا۔ اسلام قائم ہو گیا۔ عقیدے کا تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعض نظریاتی اختلاف ہیں اس لیے میں جنگوں میں شامل نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ ان کا اپنا ایک نظریہ تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ”جب رومی بادشاہ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ کی خبر معلوم کر کے اسلامی مملکت پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اسے لکھا کہ ہوشیار رہنا ہمارے آپس کے اختلاف سے دھوکہ نہ کھانا۔ اگر تم نے حملہ کیا تو حضرت علیؓ کی طرف سے جو پہلا جرنیل تمہارے مقابلہ کے لئے نکلے گا وہ میں ہوں گا۔“[955]

آپ نے اس کا ذرا تفصیل سے ذکر اس طرح بھی بیان فرمایا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب روم کے بادشاہ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف دیکھا تو اس نے چاہا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے

لیے ایک لشکر بھیجے۔ اس وقت رومی سلطنت کی ایسی ہی طاقت تھی جیسی اس وقت امریکہ کی ہے۔ اس کی لشکر کشی کا ارادہ دیکھ کر ایک پادری نے جو بڑا ہوشیار تھا کہا بادشاہ سلامت آپ میری بات سن لیں اور لشکر کشی کرنے سے اجتناب کریں۔ یہ لوگ اگرچہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن آپ کے مقابلے میں متحد ہو جائیں گے اور باہمی اختلاف کو بھول جائیں گے۔ پھر اس نے ایک مثال دی وہ بھی شاید اس نے تحقیر کے رنگ میں ہی دی ہو بہر حال کس نیت سے دی، تحقیر کی نیت سے یا ویسے ہی سمجھا ہو گا کہ یہ بہتر مثال ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کتے منگوائیں اور انہیں ایک عرصہ تک بھوکا رکھیں۔ پھر ان کے آگے گوشت ڈالیں وہ آپس میں لڑنے لگ جائیں گے۔ اگر آپ انہی کتوں پر شیر چھوڑ دیں تو وہ دونوں اپنے اختلاف کو بھول کر شیر پر جھپٹ پڑیں گے۔ اس مثال سے اس نے یہ بتایا کہ تُو چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت علی اور معاویہ کے اختلاف سے فائدہ اٹھا لے لیکن مَیں یہ بتا دیتا ہوں کہ جب بھی کسی بیرونی دشمن سے لڑنے کا سوال پیدا ہو گا یہ دونوں اپنے باہمی اختلافات کو بھول جائیں گے اور دشمن کے مقابلے میں متحد ہو جائیں گے اور ہوا بھی یہی۔ جب حضرت معاویہ کو روم کے بادشاہ کے ارادے کا علم ہوا تو آپ نے اسے پیغام بھیجا کہ تُو چاہتا ہے کہ ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کرے لیکن مَیں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری حضرت علی کے ساتھ بیشک لڑائی ہے لیکن اگر تمہارا لشکر حملہ آور ہوا تو حضرت علی کی طرف سے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے جو سب سے پہلا جرنیل نکلے گا وہ میں ہوں گا۔[956]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ ہم میں سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے اُبَی بن کعبؓ ہیں اور ہم میں سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔[957]

حضرت اُمّ عَطِیَّہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا۔ اے اللہ! تُو مجھے موت نہ دینا جب تک کہ تو مجھے علیؓ کو دکھا نہ دے۔[958]

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو ایک سریہ پر بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول اور جبرئیل تجھ سے راضی ہیں۔[959]

ایک جگہ ایک واقعہ آتا ہے کہ امیر معاویہ نے ضِرَار صُدَائِی سے کہا کہ مجھے حضرت علیؓ کے اوصاف بتاؤ۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین! مجھے اس سے معاف فرمائیں۔ امیر معاویہ نے کہا تمہیں بتانا پڑے گا۔ ضرار نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر سنیں۔ خدا کی قسم! حضرت علیؓ بلند حوصلہ اور مضبوط قویٰ کے مالک تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے اور عدل سے فیصلہ کرتے تھے۔ آپ علم و معرفت کا بہتا چشمہ تھے اور آپ کی بات بات سے حکمت ٹپکتی تھی۔ آپؓ دنیا اور اس کی رونقوں سے وحشت محسوس کرتے اور رات اور اس کی تنہائی سے انس رکھتے تھے۔ آپؓ بہت رونے والے اور بہت غور و فکر کرنے والے انسان تھے۔ آپؓ مختصر لباس اور نہایت سادہ کھانا پسند کرتے تھے۔ آپ ہمارے درمیان ہمارے جیسے ایک عام شخص

کی طرح رہتے تھے۔ ہم سوال کرتے تو آپ جواب دیتے اور کسی واقعہ کی بابت دریافت کرتے تو اس کے بارے میں بتاتے۔ خدا کی قسم! باوجودیکہ ہمارا ان سے اور ان کا ہم سے محبت اور قرب کا بڑا تعلق تھا مگر ہم ان کے رعب کی وجہ سے ان سے کم کم بات کرتے تھے۔ وہ دیندار لوگوں کی تعظیم کرتے اور مساکین کو اپنے قرب میں جگہ دیتے تھے۔ کوئی طاقتور شخص یہ طمع نہیں رکھ سکتا تھا کہ وہ اپنی جھوٹی بات آپ سے منوالے گا اور کوئی کمزور شخص آپ کے عدل و انصاف سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم! بعض موقعوں پر میں نے دیکھا کہ جب رات ڈھل جاتی اور ستارے ماند پڑ جاتے تو آپ اپنی داڑھی پکڑ کر ایسے تڑپتے جیسے سانپ کا ڈسا ہوا شخص تڑپتا ہے اور سخت غمگین شخص کی طرح روتے اور کہتے اے دنیا! جا تُو میرے سوا کسی اَور کو جا کر دھوکا دے۔ کیا تُو میرے منہ لگتی ہے اور مجھے بن سنور کر دکھاتی ہے۔ تُو جو چاہتی ہے وہ کبھی نہیں ہو گا، کبھی نہیں ہو گا۔ میں تو تمہیں تین طلاقیں دے چکا جن کے بعد کوئی رجوع نہیں ہوتا کیونکہ تیری عمر تھوڑی ہے اور تُو بے وقعت ہے۔ یہ تمثیلی زبان میں دنیا سے مخاطب ہیں کیونکہ تیری عمر تھوڑی ہے اور تُو بے وقعت ہے۔ آہ! زادِ راہ کم ہے اور سفر لمبا اور راستہ وحشت ناک ہے۔ آپ کی صفات کے بارے میں یہ ساری باتیں بتائیں تو یہ سن کر امیر معاویہ رو پڑے اور کہا۔ اللہ! ابوالحسن پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضِرار! علی کی وفات پر تمہیں کیسا غم ہوا؟ ضِرار نے کہا اس عورت کے غم جیسا جس کے بچے کو اس کی گود میں ہی ذبح کر دیا جائے۔[960]

حضرت علیؓ کے قضائی فیصلے بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض بیان کرتا ہوں جو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک واقعہ جو طبری نے لکھا ہے، بتاتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے اس احتیاط پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ عَدل بن عثمان بیان کرتے ہیں۔" حضرت مصلح موعودؓ نے اس کی ساری عربی عبارت ہی لکھی ہے میں اس وقت وہ عربی کی عبارت چھوڑ دیتا ہوں۔ ان شاء اللہ خطبہ چھپے گا تو اس وقت یہ لکھی جائے گی۔ (رَاَیْتُ عَلِیًّا عَمَّ خَارِجًا مِنْ هَمْدَانَ فَرَاٰی فِئَتَیْنِ تَقْتُلَانِ فَفَرَّقَ بَیْنَهُمَا ثُمَّ مَضٰی فَسَمِعَ صَوْتًا یَا غَوْثًا بِاللّٰہِ فَخَرَجَ یَحُضُّ نَحْوَہٗ حَتّٰی سَمِعْتُ خَفْقَ نَعْلِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ اَتَاكَ الْغَوْثُ فَإِذَا رَجُلٌ یُلَازِمُ رَجُلًا فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِعْتُ مِنْ هٰذَا ثَوْبًا بِتِسْعَةِ دَرَاهِمَ وَشَرَطْتُ عَلَیْهِ اَنْ لَّا یُعْطِیَنِیْ مَغْمُوْرًا وَلَا مَقْطُوْعًا وَكَانَ شَرْطُهُمْ یَوْمَئِذٍ فَاَتَیْتُهٗ بِهٰذِهِ الدَّرَاهِمِ لِیُبَدِّلَهَا لِیْ فَاَبٰی فَلَزِمْتُهٗ فَلَطَمَنِیْ فَقَالَ اَبْدِلْهُ فَقَالَ بَیِّنَتُكَ عَلَی اللَّطْمَةِ فَاَتَاهُ بِالْبَیِّنَةِ فَاَقْعَدَهٗ ثُمَّ قَالَ دُوْنَكَ فَاقْتَصَّ فَقَالَ اِنِّیْ قَدْ عَفَوْتُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُ اَنْ اَحْتَاطَهٗ فِیْ حَقِّكَ ثُمَّ ضَرَبَ الرَّجُلَ تِسْعَ دُرَّاتٍ وَقَالَ هٰذَا حَقُّ السُّلْطَانِ) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ہمدان سے باہر مقیم تھے کہ اسی اثناء میں آپ نے دو گروہوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا اور آپ نے ان میں صلح کرادی لیکن ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ آپ کو کسی شخص کی آواز آئی کہ کوئی خدا کے

لیے مدد کو آئے۔ پس آپ تیزی سے اس آواز کی طرف دوڑے حتی کہ آپ کے جوتوں کی آواز بھی آ رہی تھی اور آپ کہتے چلے جاتے تھے کہ مدد آگئی۔ مدد آگئی۔ جب آپ اس جگہ کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی دوسرے سے لپٹا ہوا ہے۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں نے اس شخص کے پاس ایک کپڑا نو درہم کو بیچا تھا اور شرط یہ تھی کہ کوئی روپیہ "یعنی جو درہم ہے وہ "مشکوک یا کٹا ہوا نہ ہو اور اس نے (خریدنے والے نے) اس کو منظور کر لیا تھا لیکن آج جو میں اس کو بعض ناقص روپے دینے کے لئے آیا" (اس نے جب مجھے روپے دیے تو ان درہم میں سے بعض ناقص تھے۔ جب میں ان کو ناقص روپے دینے کے لیے آیا) "تو اس نے بدلانے سے انکار کر دیا۔ جب میں پیچھے پڑا تو اس نے مجھے تھپڑ مارا۔ آپ نے مشتری سے کہا کہ اس کو روپے بدل دے۔" جو خریدار تھا اس کو یہ کہا اس کو روپے بدل کے دو۔ رقم بدل کے دو "پھر دوسرے شخص سے کہا کہ تھپڑ مارنے کا ثبوت پیش کر۔ جب اس نے ثبوت دے دیا تو آپ نے مارنے والے کو بٹھا دیا اور اس سے کہا کہ اس سے بدلہ لے۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! میں نے اس کو معاف کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تُو نے تو اس کو معاف کر دیا مگر مَیں چاہتا ہوں کہ تیرے حق میں احتیاط سے کام لوں۔ معلوم ہوتا ہے وہ شخص سادہ تھا اور اپنے نفع نقصان کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔" حضرت مصلح موعودؓ لکھ رہے ہیں۔ "اور پھر اس شخص کو" جس نے تھپڑ مارا تھا اس شخص کو "9 کوڑے مارے۔ اور فرمایا اس شخص نے تو تجھے معاف کر دیا تھا مگر یہ سزا حکومت کی طرف سے ہے۔"[961]

پھر ایک اَور واقعہ حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ "ایک عمدہ مثال حضرت علیؓ کے عمل سے ملتی ہے۔ آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک شخص نے دوسرے کو پیٹا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو روکا اور مضروب کو کہا کہ اب تم اس کو مارو۔ مگر مضروب نے کہا کہ میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے سمجھ لیا کہ ڈر کے مارے اس نے اسے مارنے سے انکار کیا ہے کیونکہ وہ مارنے والا بڑا جبار شخص تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا تم نے اپنا ذاتی حق معاف کر دیا ہے مگر میں اب قومی حق کو استعمال کرتا ہوں اور اسے اسی قدر پِٹوا دیا جس قدر کہ اس نے دوسرے کمزور شخص کو پیٹا تھا۔"[962]

حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ان کا ایک مقدمہ ایک اسلامی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا تو مجسٹریٹ نے حضرت علیؓ کا کچھ لحاظ کیا۔ آپؓ نے فرمایا یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے کی ہے" کہ میرا لحاظ کر رہے ہو "میں اور یہ اس وقت برابر ہیں۔"[963]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کیا آپ قوم کے سب سے فصیح و بلیغ واعظ اور ان لوگوں میں سے نہ تھے جو لفظوں میں جان ڈال دیتے ہیں؟ اپنی بلاغت اور حسنِ بیان کے زور سے اور سامعین کے لئے اپنی پُر کشش تاثیر سے لوگوں کو

اپنے گرد جمع کر لینا آپ کے لئے محض ایک گھنٹے بلکہ اس سے بھی کم تر وقت کا کام تھا۔"[964]

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میں تو یہ جانتا ہوں کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان نہیں بن سکتا جب تک ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا رنگ پیدا نہ ہو۔ وہ دنیا سے محبت نہ کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں۔"[965]

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ "خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فاسق قرار دیتے ہیں اور بہت سے امور خلافِ تقویٰ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ حِلْیَہ اِیْمَان سے بھی ان کو عاری سمجھتے ہیں۔" یعنی سمجھتے ہیں کہ ان میں تو ایمان ہی نہیں تھا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان کے زیور سے عاری تھے۔ "تو اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ صدیق کے لئے تقویٰ اور امانت اور دیانت شرط ہے تو یہ تمام بزرگ اور اعلیٰ طبقہ کے انسان جو رسول اور نبی اور ولی ہیں کیوں خدا تعالیٰ نے ان کے حالات کو عوام کی نظر میں مشتبہ کر دیا۔" کیوں یہ لوگ جو تھے ان کو صحیح طرح سمجھ نہیں آئی کیوں ان کی جو حالت تھی، ان کا جو سارا اسوہ تھا مشتبہ تھا؟

"اور وہ اُن کے افعال اور اقوال کو سمجھنے سے اس قدر قاصر رہے کہ ان کو دائرہ تقویٰ اور امانت اور دیانت سے خارج سمجھا اور ایسا خیال کر لیا کہ گویا وہ لوگ ظلم کرنے والے اور مالِ حرام کھانے والے اور خون ناحق کرنے والے اور دروغ گو اور عہد شکن اور نفس پرست اور جرائم پیشہ تھے حالانکہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ نہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ نبی ہونے کا اور نہ اپنے تئیں ولی اور امام اور خلیفۃ المسلمین کہلاتے ہیں لیکن بایں ہمہ کوئی اعتراض ان کے چال چلن اور زندگی پر نہیں ہوتا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ تا اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بدبخت شتاب کاروں سے جن کی عادت بدگمانی ہے مخفی رکھے جیسا کہ خود وجود اس کا اس قسم کی بدظنی کرنے والوں سے مخفی ہے۔"[966]

یعنی یہ کہنے والے خود بدبخت ہیں اور بدظنی کرنے والے ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو مخفی رکھا ہوا ہے اور لوگ اللہ تعالیٰ پر بدظنی کرتے ہیں اسی طرح اس کے جو مقرب ہیں ان پر بھی خود یہ بدبخت لوگ اعتراض میں جلدی کرنے والے ہیں یہی لوگ اصل میں ایسے ہیں جن میں تقویٰ نہیں ہے اور یہ متقیوں پر الزام لگاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"**اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ حضرت علیؓ متلاشیان (حق) کی امید گاہ اور سخیوں کا بے مثال نمونہ اور بندگان (خدا) کے لئے حجۃ اللہ تھے۔** نیز اپنے زمانے کے لوگوں میں بہترین انسان اور ملکوں کو روشن کرنے کے لئے اللہ کے نور تھے لیکن آپ کی خلافت کا دور امن و امان کا زمانہ نہ تھا بلکہ فتنوں اور ظلم و تعدی کی تُند ہواؤں کا زمانہ تھا۔ عوام الناس آپ کی اور ابن ابی سفیان کی خلافت کے بارے میں اختلاف

کرتے تھے اور ان دونوں کی طرف حیرت زدہ شخص کی طرح ٹکٹکی لگائے بیٹھے تھے اور بعض لوگ ان دونوں کو آسمان کے فرقد نامی دو ستاروں کی مانند تصور کرتے تھے اور دونوں کو درجہ میں ہم پلہ سمجھتے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ حق (علی) مرتضیٰؓ کے ساتھ تھا اور جس نے آپ کے دور میں آپ سے جنگ کی تو اس نے بغاوت اور سرکشی کی لیکن آپ کی خلافت اس امن کی مصداق نہ تھی جس کی بشارت خدائے رحمٰن کی طرف سے دی گئی تھی بلکہ (حضرت علی) مرتضیٰؓ کو ان کے مخالفوں کی طرف سے اذیت دی گئی اور آپ کی خلافت مختلف قسم اور طرح طرح کے فتنوں کے نیچے پامال کی گئی۔

آپ پر اللہ کا بڑا افضل تھا لیکن زندگی بھر آپ غمزدہ اور دل فگار رہے اور پہلے خلفاء کی طرح دین کی اشاعت اور شیطانوں کو رجم کرنے پر قادر نہ ہو سکے بلکہ آپ کو قوم کی طعن زنی سے ہی فرصت نہ ملی اور آپ کو ہر ارادے اور خواہش سے محروم کیا گیا۔ وہ آپ کی مدد کے لئے جمع نہ ہوئے بلکہ آپ پر پیہم ظلم ڈھانے پر یکجا ہو گئے اور اذیت دینے سے باز نہ آئے بلکہ آپ کی مزاحمت کی اور ہر راستے میں بیٹھے اور آپ بہت صابر اور صالحین میں سے تھے مگر یہ ممکن نہیں کہ ہم ان کی خلافت کو اس (آیت استخلاف والی) بشارت کا مصداق قرار دیں کیونکہ آپ کی خلافت فساد، بغاوت اور خسارے کے زمانے میں تھی۔" 967

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یہ عقیدہ ضروری ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق عمرؓ اور حضرت ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سب کے سب واقعی طور پر دین میں امین تھے۔" 968

<u>پھر آپؑ حضرت علیؓ کے مقام و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے</u> فرماتے ہیں کہ "آپ" یعنی حضرت علی "رضی اللہ عنہ تقویٰ شعار، پاک باطن اور ان لوگوں میں سے تھے جو خدائے رحمان کے ہاں سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں اور آپ قوم کے برگزیدہ اور زمانے کے سرداروں میں سے تھے۔ آپ خدائے غالب کے شیر، خدائے مہربان کے جوانمرد، سخی، پاک دل تھے۔ آپ ایسے منفرد بہادر تھے جو میدان جنگ میں اپنی جگہ نہیں چھوڑتے خواہ ان کے مقابلے میں دشمنوں کی ایک فوج ہو۔ آپ نے ساری عمر تنگدستی میں بسر کی اور نوعِ انسانی کے مقامِ زہد کی انتہا تک پہنچے۔ آپ مال و دولت عطا کرنے، لوگوں کے ہم و غم دور کرنے اور یتیموں، مسکینوں اور ہمسایوں کی خبر گیری کرنے میں اول درجے کے مرد تھے۔ آپ نے جنگوں میں طرح طرح کے بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ تیر اور تلوار کی جنگ میں آپ سے حیرت انگیز واقعات ظاہر ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت شیریں بیان اور فصیح اللسان بھی تھے۔ آپ کا بیان دلوں کی گہرائی میں اتر جاتا اور اس سے ذہنوں کے زنگ صاف ہو جاتے اور برہان کے نور سے اس کا چہرہ دمک جاتا۔ آپ قسما قسم کے انداز بیان پر قادر تھے اور جو آپ سے ان میں مقابلہ کرتا تو اسے ایک مغلوب شخص کی طرح آپ سے معذرت کرنا پڑتی۔ آپ ہر خوبی میں اور بلاغت و فصاحت

کے طریقوں میں کامل تھے اور جس نے آپ کے کمال کا انکار کیا تو اس نے بے حیائی کا طریق اختیار کیا اور آپ لاچاروں کی غمخواریوں کی جانب ترغیب دلاتے اور قناعت کرنے والوں اور خستہ حالوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیتے۔ آپ اللہ کے مقرب بندوں میں سے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ فرقان (حمید) کے جام (معرفت) نوش کرنے میں سابقین میں سے تھے اور آپ کو قرآنی دقائق کے ادراک میں ایک عجیب فہم عطا کیا گیا تھا۔ میں نے عالمِ بیداری میں انہیں دیکھا ہے نہ کہ نیند میں۔ پھر (اسی حالت میں) آپ نے خدائے علام (الغیوب) کی کتاب کی تفسیر مجھے عطا کی اور فرمایا یہ میری تفسیر ہے اور یہ اب آپ کو دی جاتی ہے۔ پس آپ کو اس عطا پر مبارک ہو" یعنی حضرت علیؓ نے یہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی اور فرمایا آپ کو اس عطا پر مبارک ہو۔ "جس پر میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔" حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ جس پر میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا" اور وہ تفسیر لے لی اور میں نے صاحبِ قدرت عطا کرنے والے اللہ کا شکر ادا کیا اور میں نے آپ کو خَلق میں متناسب اور خُلق میں پختہ اور متواضع منکسر المزاج تاباں اور منور پایا اور میں یہ حلفاً کہتا ہوں کہ آپ مجھ سے بڑی محبت والفت سے ملے اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آپ مجھے اور میرے عقیدے کو جانتے ہیں اور میں اپنے مسلک اور مشرب میں شیعوں سے جو اختلاف رکھتا ہوں وہ اسے بھی جانتے ہیں لیکن آپ نے کسی بھی قسم کی ناپسندیدگی یا ناگواری کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی (مجھ سے) پہلو تہی کی بلکہ وہ مجھے ملے اور مخلص محبین کی طرح مجھ سے محبت کی اور انہوں نے سچے صاف دل رکھنے والے لوگوں کی طرح محبت کا اظہار فرمایا اور آپ کے ساتھ"، یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ "حسین بلکہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں اور سید الرسل خاتم النبیینؐ بھی تھے اور ان کے ساتھ ایک نہایت خوبرو، صالحہ جلیلۃ القدر، بابرکت، پاکباز، لائق تعظیم، باوقار، ظاہر وباہر نور مجسم جوان خاتون بھی تھیں جنہیں میں نے غم سے بھرا ہوا پایا لیکن وہ اسے چھپائے ہوئے تھیں اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ آپ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔ آپ میرے پاس تشریف لائیں اور مَیں لیٹا ہوا تھا۔ پس آپ بیٹھ گئیں اور آپ نے میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا اور شفقت کا اظہار فرمایا اور مَیں نے دیکھا کہ وہ میرے کسی غم کی وجہ سے غمزدہ اور رنجیدہ ہیں اور بچوں کی تکالیف کے وقت ماؤں کی طرح شفقت و محبت اور بے چینی کا اظہار فرما رہی ہیں۔" (اس بات پہ بھی بعض غیر از جماعت لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ دیکھو جی۔ کیسی غلط بات کی ہے کہ ران پر سر رکھ لیا حالانکہ آپ نے یہ ماؤں کی مثال دی ہے اور اس سے پہلے جو باتیں کی ہیں اور وہ ساری جو صفات بیان کی ہیں اس کو اگر غور سے پڑھیں اور پھر یہ فقرہ دیکھیں کہ ماؤں کی طرح شفقت و محبت کی تو سارے اعتراض دور ہو جاتے ہیں لیکن گندی ذہنیت ہے اس لیے ان لوگوں میں اعتراض پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بہرحال پھر آپ یعنی مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں) "پھر مجھے بتایا گیا کہ دین کے تعلق میں ان کے نزدیک میری حیثیت بمنزلہ بیٹے کے ہے اور میرے دل میں خیال آیا کہ ان کا غمگین ہونا" یعنی حضرت فاطمہؓ کا غمگین ہونا "اس امر پر

کنایہ ہے جو مَیں قوم، اہلِ وطن اور دشمنوں سے ظلم دیکھوں گا۔ پھر حسن اور حسین دونوں میرے پاس آئے اور بھائیوں کی طرح مجھ سے محبت کا اظہار کرنے لگے اور ہمدردوں کی طرح مجھے ملے اور یہ کشف بیداری کے کشفوں میں سے تھا اور اس پر کئی سال گزر چکے ہیں اور مجھے حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ ایک لطیف مناسبت ہے اور اس مناسبت کی حقیقت کو مشرق و مغرب کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا اور مَیں حضرت علیؓ اور آپ کے دونوں بیٹوں سے محبت کرتا ہوں اور جو اُن سے عداوت رکھے اس سے مَیں عداوت رکھتا ہوں اور بایں ہمہ مَیں جور و جفا کرنے والوں میں سے نہیں اور یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ مَیں اس سے اعراض کروں جو اللہ نے مجھ پر منکشف فرمایا اور نہ ہی میں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں۔ اگر تم قبول نہ کرو تو میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے اور اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ضرور فیصلہ فرمائے گا اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سے سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔"[969]

حوالہ جات

[1] الاصابہ جلد 4 صفحہ 484، اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 138
[2] تاریخ دمشق لابن عساکر جلد 47 صفحہ 45، الاصابہ جلد 4 صفحہ 484، ماخوذ از اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ 102
[3] الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 204، ماخوذ از اٹلس سیرت نبوی ﷺ صفحہ 75
[4] تاریخ الخمیس جزء اول صفحہ 259
[5] الاصابہ جلد 4 صفحہ 484
[6] سیرت ابن ہشام صفحہ 429
[7] ماخوذ از اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 143
[8] تاریخ الخلفاء صفحہ 91–92
[9] اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 143
[10] الاصابہ جلد 4 صفحہ 484
[11] ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل (مترجم) صفحہ 51-52
[12] ماخوذ از سیر الصحابہ جلد 1 صفحہ 133
[13] اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 642
[14] سیرت ابن ہشام صفحہ 159
[15] تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 286 تا 288
[16] سنن الترمذی حدیث 3681
[17] مستدرک جلد 3 صفحہ 89 حدیث 4485-4483
[18] الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 143
[19] الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 204
[20] السیرۃ الحلبیۃ جلد 1 صفحہ 470، لغات الحدیث جلد 4 صفحہ 527
[21] السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 469، فرہنگ سیرت صفحہ 135
[22] خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 8 مئی 2020ء
[23] الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 142-143، ماخوذ از سیرت خاتم النبیین صفحہ 129
[24] اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 140
[25] مسند احمد جلد 1 صفحہ 108–109، حدیث 107
[26] صحیح بخاری حدیث 3866
[27] سیرت خاتم النبیین صفحہ 159 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 23 اپریل 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 14 مئی 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 39)
[28] تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 288 تا 290
[29] خطبات محمود جلد 23 صفحہ 10
[30] ماخوذ از سیرت خاتم النبیین صفحہ 159
[31] تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 294

32 ملفوظات جلد2 صفحہ 64-65
33 ملفوظات جلد3 صفحہ 135-136
34 ملفوظات جلد6 صفحہ 223-224
35 ملفوظات جلد3 صفحہ 417
36 الاستیعاب جزء3 صفحہ 237
37 الاصابہ جزء4 صفحہ 484
38 سیرت ابن ہشام صفحہ 162
39 سیرت ابن ہشام صفحہ 161-162
40 صحیح بخاری حدیث 3864
41 ماخوذ از صحیح بخاری (مترجم) جلد7 صفحہ 346-347
42 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 141
43 الطبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 143
44 صحیح بخاری حدیث 3684
45 صحیح بخاری حدیث 6632
46 اسد الغابہ جلد نمبر3 صفحہ 648-649
47 الفاروق عمر جزء1 صفحہ 53-54
48 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 145
49 سیر الصحابہ جلد1 صفحہ 93
50 فرہنگ سیرت صفحہ 230
51 سبل الھدیٰ والرشاد جلد3 صفحہ 363، طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 206
52 ماخوذ از سیرت خاتم النبیین صفحہ 277
53 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 5 اپریل 2019ء
54 سنن ترمذی حدیث 189
55 تفسیر کبیر جلد10 صفحہ 389 (خطبہ جمعہ 7 مئی 2021ء، الفضل انٹر نیشنل (خصوصی اشاعت برائے یوم خلافت) 21 تا 31/ مئی 2021ء صفحہ 11 تا 15 جلد 28 شمارہ 41 تا 43)
56 الطبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 206
57 السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ 204
58 السیرۃ الحلبیہ جلد2 صفحہ 205-206، فرہنگ سیرت صفحہ 125
59 صحیح مسلم حدیث 4588
60 ماخوذ از دروس حضرت مصلح موعودؓ (غیر مطبوعہ) سورۃ الانفال، رجسٹر نمبر 36 صفحہ 968-969
61 تفسیر کبیر علامہ امام رازی جلد8 جزء15 صفحہ 158، سیرت النبیؐ جلد اوّل صفحہ 194
62 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 367-368
63 صحیح البخاری حدیث 4005
64 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 477-478
65 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 493 تا 495

[66] سیرۃ ابن ہشام صفحہ 537
[67] ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 498-499
[68] السیرۃ الحلبیۃ جلد 2 صفحہ 348
[69] خطبہ جمعہ 21 مئی 2021ء الفضل انٹرنیشنل 11/جون 2021ء صفحہ 5 تا 8 جلد 28 شمارہ 47
[70] معجم البلدان جلد 2 صفحہ 346، ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 504-505
[71] کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 278
[72] سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 504-505
[73] سیرت خاتم النبیین صفحہ 557 تا 559
[74] صحیح مسلم حدیث 6583
[75] سیرت ابن ہشام صفحہ 672
[76] الاستیعاب جلد 3 صفحہ 941
[77] صحیح البخاری حدیث 596، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 529
[78] صحیح بخاری حدیث 598
[79] صحیح بخاری حدیث 4111
[80] مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 6-7 حدیث 3555
[81] روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 389-390
[82] سیرت ابن ہشام صفحہ 685، سبل الہدیٰ والرشاد جلد 5 صفحہ 46
[83] خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 29 جنوری 2021ء
[84] سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 766-768
[85] خطابات طاہر (تقاریر جلسہ سالانہ قبل از خلافت) صفحہ 428
[86] سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 769
[87] سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 770 تا 772، فرہنگ سیرت صفحہ 200، 243
[88] خطبات محمود جلد 30 صفحہ 220 (خطبہ جمعہ 4 جون 2021ء الفضل انٹرنیشنل 25/جون 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 51)
[89] سیرت ابن ہشام صفحہ 735، الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 115
[90] عمر بن خطابؓ از علی محمد محمد الصلابی صفحہ 51
[91] طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 206، فرہنگ سیرت صفحہ 75 زیر لفظ تربہ
[92] ماخوذ از سبل الہدیٰ والرشاد جلد 5 صفحہ 120، 124، 125
[93] سیرت ابن ہشام صفحہ 710
[94] صحیح بخاری حدیث 4274
[95] صحیح البخاری حدیث 4322
[96] صحیح البخاری حدیث 4320
[97] سنن ابو داؤد حدیث 1678
[98] انوار العلوم جلد 11 صفحہ 577
[99] ملفوظات جلد 5 صفحہ 192
[100] صحیح مسلم حدیث 4234

101 صحیح البخاری حدیث 114
102 صحیح البخاری حدیث 114 مترجم اردو جلد 1 صفحہ 190
103 صحیح البخاری حدیث 3667، 3668، فرہنگ سیرت صفحہ 157
104 صحیح البخاری حدیث 4454
105 روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 579 تا 583
106 تحفہ غزنویہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 581-582 حاشیہ
107 ملفوظات جلد 1 صفحہ 397-398
108 سیرت ابن ہشام صفحہ 901
109 صحیح البخاری حدیث 3668
110 سیرت ابن ہشام صفحہ 903
111 صحیح البخاری حدیث 7284، 7285
112 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 246
113 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 2 اپریل 2021ء حضرت عثمان بن عفانؓ کے تذکرہ میں
114 صحیح البخاری حدیث 4679 (خطبہ جمعہ 11 جون 2021ء الفضل انٹرنیشنل 2 جولائی 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 53)
115 الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد 2 صفحہ 272-273
116 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 353
117 سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 44-45
118 صحیح تاریخ الطبری جلد 3 صفحہ 126 حاشیہ
119 الکامل جلد 2 صفحہ 273-274
120 الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 143
121 ماخوذ از حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 206
122 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 151
123 روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 487
124 الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 208
125 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 355
126 ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جلد 3 صفحہ 226 تا 228
127 انوار العلوم جلد 18 صفحہ 11 تا 13
128 انوار العلوم جلد 10 صفحہ 262
129 ماخوذ از انوار العلوم جلد 21 صفحہ 155-156
130 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جلد 3 صفحہ 292-293، فرہنگ سیرت صفحہ 264
131 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جلد 3 صفحہ 241
132 البدایۃ والنھایۃ جلد 4 جزء 8 صفحہ 214-215 (خطبہ جمعہ 18 جون 2021ء الفضل انٹرنیشنل 9 جولائی 2021ء صفحہ 5 تا 8 جلد 28 شمارہ 55)
133 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 567-568، فرہنگ سیرت صفحہ 172، 102، 101، سیدنا عمر بن خطاب شخصیت اور کارنامے صفحہ 442، لسان العرب زیر مادہ "حر"

134 انوار العلوم جلد8 صفحہ 296-297
135 انوار العلوم جلد22 صفحہ 596
136 البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جلد10 صفحہ 185-186
137 خطبات محمود جلد27 صفحہ 353
138 ملفوظات جلد1 صفحہ 495
139 خطباتِ محمودؓ جلد4 صفحہ 63 سال 1914ء
140 ماخوذ از تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 111
141 البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جلد10 صفحہ 186
142 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مترجم) جلد3 صفحہ 228-229
143 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مترجم) جلد3 صفحہ 286-287، معجم البلدان جلد1 صفحہ 95
144 انوار العلوم جلد21 صفحہ 379
145 انوار العلوم جلد16 صفحہ 42-43
146 خطبہ جمعہ 25 جون 2021ء الفضل انٹرنیشنل 16/جولائی 2021ء صفحہ 5 تا 8 جلد28 شمارہ 57
147 انوار العلوم جلد21 صفحہ 444، 478-479
148 انوار العلوم جلد18 صفحہ 26-27
149 تاریخ طبری جلد2 صفحہ 508
150 ماخوذ از طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 165 تا 169، لغات الحدیث جلد1 صفحہ 234 زیر لفظ ثرید، فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد5 صفحہ 460-461 حدیث 2764
151 تاریخ طبری جلد2 صفحہ 508-509
152 طبقات الکبریٰ جلد4 صفحہ 21
153 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم از شاہ ولی اللہ جلد3 صفحہ 236، السیرت نبوی صفحہ 168
154 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ 459
155 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد10 صفحہ 29 تا 31
156 انوار العلوم جلد18 صفحہ 61-62
157 تفسیر کبیر جلد15 صفحہ 101-102
158 ماخوذ از الفاروق صفحہ 185
159 ماخوذ از الفاروق صفحہ 180 تا 182
160 ماخوذ از الفاروق صفحہ 189 تا 193
161 ماخوذ از خطبات محمود جلد23 صفحہ 222-223
162 ماخوذ از الفاروق صفحہ 198، 202، 207-208
163 ماخوذ از الفاروق صفحہ 209-210
164 خطبہ جمعہ 2 جولائی 2021ء الفضل انٹرنیشنل 23/جولائی 2021ء صفحہ 3 تا 8 جلد28 شمارہ 59
165 ماخوذ از الفاروق صفحہ 195 تا 198
166 ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 199، 200
167 انوار العلوم جلد8 صفحہ 300

[168] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 202
[169] انوار العلوم جلد 4 صفحہ 404
[170] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 203 تا 205
[171] اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 667، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد 16 صفحہ 279
[172] تفسیر کبیر جلد 11 صفحہ 460
[173] خطبہ جمعہ فرمودہ 25 جون 2021ء
[174] ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم اشتیاق احمد صاحب جلد 3 صفحہ 286
[175] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 206 تا 210
[176] ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 214 تا 217 و 221
[177] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 216 تا 218، سیر الصحابہ جلد 1 صفحہ 126، 127، لسان العرب زیر مادہ 'دب'
[178] ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 154، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 504
[179] انوار العلوم جلد 18 صفحہ 53
[180] تفسیر کبیر جلد 15 صفحہ 100
[181] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 233
[182] صحیح بخاری حدیث 3934
[183] فتح الباری لابن حجر جلد 7 صفحہ 314-315 حدیث 3934، سبل الھدیٰ والرشاد جلد 12 صفحہ 36-37
[184] ماخوذ از سیرت خاتم النبیین ﷺ صفحہ 243، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ جزء 2 صفحہ 102
[185] فتح الباری جلد 7 صفحہ 315۔ حدیث 3934، الکامل فی التاریخ جزء 1 صفحہ 13، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 248
[186] ماخوذ از الفاروق صفحہ 250، ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ 310
[187] ماخوذ از الفاروق صفحہ 401 تا 403، 212 (خطبہ جمعہ 9 جولائی 2021ء) الفضل انٹرنیشنل 27 جولائی تا 12 اگست 2021ء (سالانہ نمبر بعنوان اطاعت خلافت) صفحہ 7 تا 11 جلد 28 شمارہ 60 تا 64)
[188] ماخوذ از الفاروق صفحہ 159
[189] بخاری کتاب العمل فی الصلوٰۃ باب تفکر الرجل الشیٔ فی الصلوٰۃ
[190] تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقالہ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 7 تا 9، تاریخ طبری جلد 2 حصہ 2 مترجم صفحہ 194، تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 334 و 360-361، اخبار الطوال صفحہ 165-166، فتوح البلدان صفحہ 350، ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 353، 354، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 78، 79
[191] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 9 تا 12، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 362-363، معجم البلدان جلد 2 صفحہ 434، جلد 5 صفحہ 351
[192] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 12، 13، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 364
[193] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 14، ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 357، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 261
[194] خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 دسمبر 2020ء حضرت علیؓ کے تذکرہ میں
[195] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 18 تا 21، تاریخ طبری مترجم جلد دوم حصہ دوم صفحہ 229، ماخوذ از تاریخ ابن خلدون مترجم جلد 3 حصہ اوّل صفحہ 270 تا 273، الکامل فی التاریخ صفحہ 311

[196] انوار العلوم جلد22 صفحہ 56-57 (خطبہ جمعہ 16 جولائی 2021ء الفضل انٹرنیشنل 27 جولائی تا 12 اگست 2021ء (سالانہ نمبر بعنوان اطاعت خلافت) صفحہ 12 تا 14 جلد 28 شمارہ 60 تا 64)

[197] الاخبار الطوال صفحہ 166-167

[198] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 23-24، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 372، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 607، جلد 2 صفحہ 376

[199] ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 361 تا 363، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 373-374، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 82 تا 84، ماخوذ از الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 288 تا 291، ماخوذ از تاریخ طبری مترجم جلد 2 حصہ 2 صفحہ 237-238، 240-241، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 28-29

[200] ماخوذ از الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 294 تا 295، فرہنگ سیرت صفحہ 229، معجم البلدان جلد 2 صفحہ 45، جلد 3 صفحہ 187

[201] ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 85 تا 86، فرہنگ سیرت صفحہ 172

[202] تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 381، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 35 تا 37

[203] تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 382

[204] تاریخ طبری مترجم جلد دوم حصہ دوم صفحہ 253-254

[205] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 48 تا 50، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 386-387، معجم البلدان جلد 3 صفحہ 131، 304

[206] ماخوذ از الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 299-302، معجم البلدان جلد 4 صفحہ 333

[207] تاریخ الطبری جلد 4 صفحہ 115-116

[208] تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 387، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 50-51

[209] تاریخ الطبری جلد 4 صفحہ 117-118

[210] ماخوذ از الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 301 تا 333، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 91 تا 95، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 84 تا 89، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 435-436، ماخوذ از تاریخ طبری مترجم جلد دوم حصہ دوم صفحہ 263، 310، 325، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 267، جلد 4 صفحہ 94، 356

[211] تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 367-368

[212] خطبہ جمعہ 23 جولائی 2021ء الفضل انٹرنیشنل 13/ اگست 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 65

[213] سیرت خاتم النبیین صفحہ 577-578

[214] ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 413 تا 417، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 100 تا 103، ماخوذ از تاریخ طبری مترجم جلد دوم حصہ دوم صفحہ 388، معجم البلدان جلد 4 صفحہ 553، جلد 5 صفحہ 88، 89

[215] ماخوذ از تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 468 تا 471، ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 420، 421، ماخوذ از الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 104

[216] الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 106، الأخبار الطوال، صفحہ 183

[217] طبری جلد 2 صفحہ 475

[218] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 120، فتوح البلدان صفحہ 185

[219] ماخوذ از تاریخ طبری جلد دوم صفحہ 438 تا 442، فرہنگ سیرت صفحہ 116، معجم البلدان جلد 2 صفحہ 259-260

[220] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 124 تا 127، طبری جلد 2 صفحہ 494، فتوح البلدان صفحہ 225-226

221 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر، صفحہ 127-128، تاریخ الطبری جلد2، صفحہ 473و494

222 ماخوذ از الاخبار الطوال صفحہ 188 تا190، ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 422 تا425، فتوح البلدان صفحہ 536، معجم البلدان جلد3 صفحہ 19، جلد2 صفحہ 34

223 العقد الفرید جلد دوم صفحہ 144

224 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر، صفحہ 135

225 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد3 صفحہ 145-146 (خطبہ جمعہ 30 جولائی 2021ء الفضل انٹرنیشنل 20 اگست 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 67)

226 ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 425، ماخوذ از سیدنا عمر بن خطاب، شخصیت کارنامے صفحہ 689، معجم البلدان جلد2 صفحہ 198

227 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر، صفحہ 135

228 انوار العلوم جلد12 صفحہ 405

229 ماخوذ از انوار العلوم جلد24 صفحہ 293-294

230 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر صفحہ 136 تا138، تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 502-503

231 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر صفحہ 138-139

232 فتوح البلدان صفحہ 184، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 521، اخبار الطوال صفحہ 192، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر صفحہ 139

233 اٹلس فتوحات اسلامیہ جلد2 صفحہ 118

234 سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 426

235 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 522

236 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 523

237 اخبار الطوال صفحہ 192، فتوح البلدان صفحہ 170، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر صفحہ 140

238 اخبار الطوال صفحہ 192

239 تاریخ الطبری جلد2، صفحہ 523

240 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 523-524

241 اخبار الطوال صفحہ 193

242 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 524

243 اخبار الطوال صفحہ 193

244 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 523-524

245 اخبار الطوال صفحہ 193

246 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 523

247 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 524

248 اخبار الطوال صفحہ 193

249 فتوح البلدان صفحہ 183
250 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 518
251 اخبار الطوال صفحہ 194
252 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 525
253 فتوح البلدان صفحہ 183
254 صحیح بخاری حدیث:3159
255 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 520
256 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 525
257 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 526
258 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 520
259 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 526
260 اخبار الطوال صفحہ 194
261 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 526
262 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 526-527
263 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 521، 527
264 اخبار الطوال صفحہ 195
265 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 533
266 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 527-528
267 فتوح البلدان صفحہ 183
268 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 528
269 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 521
270 فتوح البلدان صفحہ 184
271 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 521
272 تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 528
273 فتوح البلدان صفحہ 184
274 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 164 تا 166
275 طبری جلد نمبر 2 صفحہ 531 تا 532
276 فتوح البلدان صفحہ 188
277 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 166 تا 168
278 ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 431
279 مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 169 (خطبہ جمعہ 20 اگست 2021ء الفضل انٹرنیشنل 10 ستمبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 73)
280 تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 537، مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 170 تا 172، معجم البلدان جلد 1 صفحہ 511 جلد 3 صفحہ 132
281 سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 432

[282] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 176 تا179، تاریخ طبری جلد2 صفحہ 539-540

[283] مقالہ 'تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ' از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب صفحہ 180 تا184

[284] تاریخ طبری مترجم جلد3 حصہ اول صفحہ 183 تا 185، تاریخ الطبری جلد 2 صفحہ 546-547، معجم البلدان جلد 2 صفحہ 26،105 جلد3 صفحہ 451،250،37،191،252 جلد4 صفحہ 347،471،253

[285] سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از الصلابی صفحہ 433 تا435، تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 548

[286] تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 549، تاریخ طبری مترجم جلد3 حصہ اول صفحہ 190

[287] تاریخ طبری مترجم جلد سوم حصہ اول صفحہ 192-193

[288] سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 436، الکامل فی التاریخ جلد2 صفحہ 382-383

[289] تاریخ طبری مترجم جلد 3 حصہ اول صفحہ 194 تا196، تاریخ طبری جلد2 صفحہ 553-554، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 6 صفحہ 370، سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 436، معجم البلدان جلد2 صفحہ 273، جلد3 صفحہ 434

[290] تقدیر الٰہی، انوار العلوم جلد4 صفحہ 575

[291] براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد1 صفحہ 653-654 حاشیہ در حاشیہ نمبر4

[292] سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 436

[293] تاریخ طبری مترجم جلد سوم حصہ اول صفحہ 196-197

[294] تاریخ طبری مترجم جلد سوم حصہ اول صفحہ 197

[295] تاریخ طبری مترجم جلد سوم حصہ اول صفحہ 198-199، تاریخ طبری جلد2 صفحہ 555

[296] ماخوذ از الفاروق از شبلی صفحہ 157 (خطبہ جمعہ 27 اگست 2021ء الفضل انٹرنیشنل 17/ستمبر 2021ء صفحہ 5 تا9 جلد28 شمارہ75)

[297] خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 2 ستمبر 2022ء

[298] سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 730، معجم البلدان جلد اوّل صفحہ 623،557،402، معجم البلدان جلد 2 صفحہ 20،364

[299] معجم البلدان جلد اول صفحہ 537-538

[300] سیدنا عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 194-195، الفاروق صفحہ 114، معجم البلدان جلد4 صفحہ 268

[301] ماخوذ از الفاروق صفحہ 114 تا، سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 730، سیدنا عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 213

[302] تاریخ طبری (مترجم) جلد دوم حصہ دوم صفحہ 216، الفاروق صفحہ 114

[303] تاریخ طبری (مترجم) جلد دوم حصہ دوم صفحہ 216-217

[304] ماخوذ از الفاروق صفحہ 118-119، معجم البلدان جلد2 صفحہ 347

[305] سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 734

[306] ماخوذ از سیدنا عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 331-332

[307] الکامل فی التاریخ جلد2 صفحہ 321، تاریخ الطبری (مترجم) جلد دوم حصہ دوم صفحہ 359-360

[308] سیدنا عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 333، معجم البلدان جلد2 صفحہ 345، معجم البلدان جلد 3 صفحہ 272

[309] حضرت عمر فاروق اعظم، مترجم صفحہ 333-334، الفاروق صفحہ 118-119

[310] ماخوذ از الفاروق صفحہ 119

[311] سیدنا عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 333 تا339، تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 445، معجم البلدان جلد2 صفحہ 238

312 تاریخ طبری جلد2 صفحہ 511، معجم البلدان جلد4 صفحہ 478
313 سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم صفحہ 357-359، سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب صفحہ 735-736، 744-745، الفاروق از شبلی نعمانی صفحہ 140-141 (خطبہ جمعہ 10 ستمبر 2021ء، الفضل انٹر نیشنل یکم اکتوبر 2021ء صفحہ 5 تا 8 جلد 28 شمارہ 79)
314 تاریخ دمشق الکبیر جزء2 صفحہ 141-143
315 ماخوذ از الفاروق صفحہ 119 تا 130، الاکتفاء جزء2 صفحہ 271، فتوح الشام جزء1 صفحہ 242، تاریخ طبری جز2 صفحہ 338، تاریخ اسلام کی بہادر خواتین صفحہ 116، البدایۃ والنہایۃ جلد9 صفحہ 560
316 خطبات محمود جلد24 صفحہ 15 تا 17
317 انوار العلوم جلد26 صفحہ 229-231
318 خطبہ جمعہ 17 ستمبر 2021ء، الفضل انٹر نیشنل 08 اکتوبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 81
319 ماخوذ از تاریخ ابن خلدون مترجم جلد3 حصہ اول صفحہ 207
320 ماخوذ از تاریخ الطبری جلد2 حصہ دوم صفحہ 804
321 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 449، معجم البلدان جلد اول صفحہ 348
322 ماخوذ از حضرت عمر فاروق اعظمؓ صفحہ 365-366
323 حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 358، 368، تاریخ الخلفاء الراشدین صفحہ 279
324 ماخوذ از الفاروق صفحہ 124، ماخوذ از حضرت عمر فاروقؓ مترجم صفحہ 369
325 الاکتفاء جلد2 جزء1 صفحہ 292-293
326 ماخوذ از الفاروق صفحہ 124
327 الاکتفاء جلد2 جزء1 صفحہ 295
328 ماخوذ از تاریخ طبری مترجم جلد2 حصہ دوم صفحہ 369-370، ماخوذ از الفاروق صفحہ 125
329 ماخوذ از حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 368 و 371، فتوح البلدان صفحہ 88
330 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 449
331 ماخوذ از تاریخ ابن خلدون جلد3 حصہ 1 صفحہ 208
332 ماخوذ از حضرت عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 373
333 ماخوذ از تاریخ طبری مترجم جلد دوم حصہ دوم صفحہ 809
334 ماخوذ از الفاروق صفحہ 125-126، فتوح الشام مترجم جلد2 صفحہ 224، خلفائے راشدین صفحہ 126-127، الاکتفاء جلد2 جزء1 صفحہ 295-296
335 حضرت عمر فاروق اعظم مترجم صفحہ 382
336 الاکتفاء جلد2 جزء1 صفحہ 305-306
337 حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 174
338 خطبات محمود جلد11 صفحہ 437
339 تفسیر کبیر جلد8 صفحہ 110-111
340 سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 384 تا 390، 590، سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب صفحہ 750 تا 752، الفاروق صفحہ 134 تا 136 (خطبہ جمعہ 24 ستمبر 2021ء، الفضل انٹر نیشنل 15 تا 21 اکتوبر 2021ء (خصوصی اشاعت بابت سیرت النبی ﷺ حصہ اوّل) صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 83-84)

341 انوار العلوم جلد18 صفحہ 359-360
342 سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 556-557
343 ماخوذ از الفاروق صفحہ 160
344 الاکتفاء جلد2 صفحہ 324-325
345 ماخوذ از سیدنا عمر بن خطاب مترجم صفحہ 755، 756
346 سیدنا عمر بن خطاب مترجم صفحہ 757-758، ماخوذ از حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 564-565، الاکتفاء جزء2 صفحہ 346، معجم البلدان جلد1 صفحہ 567، اٹلس فتوحات اسلامیہ جلد2 صفحہ 225
347 سیدنا عمر بن خطاب مترجم صفحہ 758-759
348 حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 567-570
349 سیدنا عمر بن خطابؓ مترجم صفحہ 759
350 ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 571-572
351 سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 573و579، اٹلس فتوحات اسلامیہ جلد2 صفحہ 229
352 ماخوذ از الفاروق صفحہ 150-151
353 سیرت عمر فاروقؓ صفحہ 264-265
354 ماخوذ از الفاروق صفحہ 150
355 سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 760، ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 582و584و590
356 سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 760، ماخوذ از الفاروق صفحہ 150
357 سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے مترجم صفحہ 760
358 سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ 608، 605، 603، 602
359 ماخوذ از الفاروق صفحہ 162 تا 165، ماخوذ از سیدنا عمر بن خطابؓ مترجم صفحہ 760 تا 764
360 سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 224
361 کنز العمال جزء10 صفحہ 138 حدیث 28697
362 ماخوذ از سیرت عمر فاروقؓ صفحات 294 تا 297
363 ماخوذ از تصدیق براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 203-204
364 ماخوذ از تصدیق براہین احمدیہ جلد اوّل صفحہ 203 حاشیہ
365 سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے صفحہ 765-766، معجم البلدان جلد1 صفحہ 462، جلد5 صفحہ 357
366 خطبات محمود جلد13 صفحہ 189
367 خطبات محمود جلد30 صفحہ 175-176
368 خطبہ جمعہ یکم اکتوبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 22 تا 28 اکتوبر 2021ء (خصوصی اشاعت بابت سیرت النبی ﷺ حصہ دوم) صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 85-86
369 ماخوذ از الفاروق صفحہ 170 تا 177، 287، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 20 صفحات 529-530، اردو لغت جلد 19 صفحہ 932، اردو لغت جلد پنجم صفحہ 281-282، معجم البلدان جلد1 صفحہ 249-250
370 مسند احمد بن حنبل جلد2 صفحہ 429، حدیث 5620
371 صحیح البخاری حدیث 3675
372 المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول صفحہ 67-68، روایت 61

373 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ252
374 خطبات محمود جلد17 صفحہ474-475
375 ماخوذ از خطبات محمود جلد1 صفحہ166۔167
376 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ252-253
377 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ255
378 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ278، البدایۃ والنھایۃ جلد4 صفحہ134
379 ماخوذ از تاریخ الطبری جزء5 صفحہ54، الکامل فی التاریخ جزء2 صفحہ448، ماخوذ از الفاروق صفحہ154
380 صحیح بخاری حدیث3700، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد16 صفحہ292، لغات الحدیث جلد1 صفحہ137 (خطبہ جمعہ 8 اکتوبر2021ء، الفضل انٹرنیشنل 29اکتوبر2021ء صفحہ5 تا10 جلد28 شمارہ87)
381 فتح الباری جلد7 صفحہ64 شرح حدیث نمبر3700، طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ263
382 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ266
383 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ263
384 البدایہ والنھایہ جلد4 صفحہ144
385 ماخوذ از سیرت عمر فاروق مترجم، صفحہ340 تا344
386 ماخوذ از الفاروق عمرؓ مترجم، صفحہ869 تا872
387 صحیح مسلم کتاب حدیث4713
388 صحیح مسلم حدیث4714
389 ماخوذ از صحیح البخاری حدیث3692
390 تفسیر کبیر جلد8 صفحہ587-588
391 انوار العلوم جلد18 صفحہ28-29
392 خطبات محمود جلد11 صفحہ240۔241
393 خطبات محمود جلد16 صفحہ68-69
394 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ257
395 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ273
396 وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ جلد 1 جزء الثانی صفحہ222 (خطبہ جمعہ 15اکتوبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 05نومبر 2021ء صفحہ5 تا9 جلد28 شمارہ89)
397 ماخوذ از سیرت عمر فاروقؓ مترجم صفحہ342-343
398 ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم صفحہ881-882
399 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد3 صفحہ145-146
400 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ273
401 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ279
402 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ274-275
403 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ267
404 خطبات محمود جلد10 صفحہ24
405 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ279 تا281، اسد الغابہ جلد4 صفحہ166

406 سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ مترجم 867-868، الفاروق صفحہ 169
407 ملفوظات جلد 8 صفحہ 124
408 سرّ الخلافہ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 346۔ اردو ترجمہ سرّ الخلافہ صفحہ 78
409 انوار العلوم جلد 10 صفحہ 262
410 تاریخ طبری مترجم جلد 3 حصہ 1 صفحہ 211، اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 166، البدایۃ والنھایہ جزء 10 صفحہ 192 تا 194، ریاض النظرۃ صفحہ 418-419، تاریخ الخلفاء مترجم صفحہ 168
411 صحیح مسلم حدیث 6091، سنن ترمذی حدیث 3653
412 صحیح البخاری حدیث 3685
413 طبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 282
414 سیرۃ عمر بن الخطاب صفحہ 212
415 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 283
416 اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 651
417 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 285
418 طبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 282
419 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 284
420 سنن ابی داؤد حدیث 4628
421 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 285
422 الخلفاء الرشدون صفحہ 100، الفاروق صفحہ 404، اسد الغابہ جلد 7 صفحہ 53
423 The decline and fall of the Roman empire, Edward Gibbon V 3 p 178. London
424 The 100 by Michael H. Hart pages 271 to 275
425 History of The Arabs by Philip K. Hitti page 175
(خطبہ جمعہ 22 اکتوبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 12 نومبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 91)
426 صحیح بخاری حدیث 3693
427 سنن ترمذی حدیث 3747
428 صحیح بخاری حدیث 3242
429 سنن ابوداؤد حدیث 3987
430 سنن ترمذی حدیث 3694
431 سنن ترمذی حدیث 3664
432 حلیۃ الاولیاء جلد 6 صفحہ 309 روایت 8950
433 سنن ترمذی حدیث 3686
434 صحیح مسلم حدیث 7373
435 سنن ترمذی حدیث 3693
436 صحیح بخاری حدیث 3689
437 فتح اسلام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 11 حاشیہ
438 تذکرہ صفحہ 82 ایڈیشن چہارم

439 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ29اکتوبر2021ءحضرت عمرؓ کے تذکرہ میں
440 ماخوذ از صحیح بخاری حدیث4679
441 انوار العلوم جلد20صفحہ429
442 صحیح بخاری حدیث نمبر402
443 صحیح مسلم حدیث6206
444 صحیح مسلم حدیث6207
445 سنن ترمذی حدیث3049
446 تاریخ الخلفاء صفحہ98
447 ازالہ اوہام حصہ اول،روحانی خزائن جلد3صفحہ219
448 صحیح مسلم حدیث139
449 صحیح بخاری حدیث2982
450 انوار العلوم جلد23صفحہ282
451 سنن ترمذی حدیث189
452 صحیح بخاری حدیث2610
453 صحیح بخاری حدیث540
454 صحیح بخاری حدیث92
455 صحیح بخاری حدیث93
456 صحیح مسلم حدیث2747
457 صحیح بخاری حدیث2468
458 چشمہ معرفت،روحانی خزائن جلد23صفحہ299-300
459 سنن ابوداؤد حدیث1498
460 صحیح بخاری حدیث3667،3668
461 انوار العلوم جلد2صفحہ128
462 سنن ابن ماجہ حدیث2945
463 صحیح بخاری1597
464 تفسیر کبیر جلد14صفحہ456-457
465 صحیح مسلم حدیث4294
466 السیرۃ الحلبیہ مترجم جلد3صفحہ440-441
467 ملفوظات جلد1صفحہ455
468 انوار العلوم جلد3صفحہ28
469 صحیح بخاری حدیث3682
470 صحیح بخاری حدیث82
471 یوحنا باب16آیت12-13
472 صحیح بخاری مترجم جلد1صفحہ156-157
473 خطبات محمود جلد23صفحہ467

474 صحیح بخاری حدیث 3691
475 سنن ابن ماجہ حدیث 154
476 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 161
477 مصنف ابن ابی شیبہ جلد 11 صفحہ 120 حدیث 32546
478 مصنف ابن ابی شیبہ جلد 11 صفحہ 121 حدیث 32548
479 مصنف ابن ابی شیبہ جلد 11 صفحہ 580-581 حدیث 34427، تاج العروس زیر مادہ سنبل
480 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 249 (خطبہ جمعہ 29 اکتوبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 19 نومبر 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 93)
481 طبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 148
482 تاریخ الخلفاء صفحہ 101
483 ماخوذ از خطبات محمود جلد 15 صفحہ 426
484 ماخوذ از خطبات محمود جلد 5 صفحہ 3،4
485 ماخوذ از سیرت امیر المومنین عمر بن خطاب صفحہ 424 تا 425
486 سیرت عمر بن خطاب صفحہ 122
487 طبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 202، فتح الباری جلد 2 صفحہ 144
488 حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 326
489 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 130-131
490 کنز العمال جلد 6 روایت 35624
491 خطبات محمود جلد 27 صفحہ 313-314
492 صحیح بخاری روایت 6905، 6906
493 سنن ترمذی حدیث 2690
494 صحیح مسلم حدیث 147
495 صحیح بخاری حدیث 3683
496 سنن ترمذی حدیث 3691
497 سنن ترمذی حدیث 3690
498 روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 143
499 سنن ترمذی حدیث: 3682
500 سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ 21
501 کنز العمال جلد 6 جزء 12 روایت 35870
502 انوار العلوم جلد 24 صفحہ 260-261
503 سنن ابو داؤد حدیث 3987
504 صحیح بخاری حدیث 4358، فرہنگ سیرت صفحہ 152
505 سنن ترمذی حدیث 3668
506 سنن الترمذی حدیث 3669
507 سنن ترمذی حدیث 3671

508 سنن ترمذی حدیث3684
509 سنن ترمذی حدیث3692
510 سنن ترمذی عمر حدیث3694
511 سنن ترمذی حدیث3664
512 سنن ترمذی حدیث3662
513 سنن ترمذی حدیث3680
514 سنن ترمذی حدیث3663
515 سنن ابوداؤد حدیث4634-4635، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جزء12 صفحہ387، 388
516 حلیۃ الاولیاء از امام اصفہانی جلد7 صفحہ205 حدیث10323
517 حلیۃ الاولیاء از امام اصفہانی جلد 7 صفحہ 205 حدیث 10325 (خطبہ جمعہ 12 نومبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 03 دسمبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 97)
518 انوار العلوم جلد4 صفحہ38-39
519 سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ 140
520 الطبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ232
521 مؤطا امام مالک صفحہ 601روایت1867
522 الاستیعاب جلد3 صفحہ236
523 صحیح بخاری کتاب الاذان باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ
524 ماخوذ از خطبات طاہر جلد13 صفحہ248-249
525 صحیح بخاری حدیث4160، 4161
526 سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ 58
527 ماخوذ از البدایۃ والنھایۃ جزء10 صفحہ185-186
528 ماخوذ از تاریخ الطبری جزء5 صفحہ62
529 انوار العلوم جلد22 صفحہ596
530 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم جلد3 صفحہ276 تا278
531 ماخوذ از ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مترجم جلد3 صفحہ281-282
532 سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ 98
533 تفسیر کبیر جلد15 صفحہ100
534 تفسیر الطبری جزء6 صفحہ127
535 صحیح بخاری حدیث5729، طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ214-215، معجم البلدان جلد3 صفحہ239، جلد4 صفحہ177-178
536 سیر اعلام النبلاء جلد1 صفحہ18-19
537 ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از ہیکل۔ مترجم صفحہ 413
538 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ487
539 انوار العلوم جلد21 صفحہ104
540 کنز العمال جلد4 جزء8 حدیث23533
541 تاریخ الخلفاء از سیوطی، صفحہ100

542 ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم از ہیکل مترجم صفحہ 673
543 تاریخ طبری جلد2 صفحہ 553-554
544 ماخوذ از براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد1 صفحہ 654 حاشیہ در حاشیہ نمبر 4
545 انوار العلوم جلد19 صفحہ 536-537
546 تفسیر کبیر لامام رازی جلد1 صفحہ 143
547 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 177
548 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 162
549 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 237
550 حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 482
551 صحیح بخاری حدیث 470
552 سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 165
553 صحیح بخاری حدیث 2737
554 ماخوذ از خطبات محمود جلد10 صفحہ 24
555 خطبہ جمعہ 19 نومبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 10 دسمبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 99
556 صحیح بخاری حدیث 4642
557 حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 122
558 سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 165
559 صحیح بخاری حدیث 3039
560 مؤطا امام مالک حدیث 31
561 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 147
562 ماخوذ از اسد الغابہ جلد3 صفحہ 667
563 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد11 صفحہ 460
564 مؤطا امام مالک روایت 1425
565 کنز العمال جلد6 روایت نمبر 36005
566 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 97
567 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 106
568 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 107
569 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 222
570 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 107
571 سیرت عمر بن خطاب از علی محمد صلابی صفحہ 107
572 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 107
573 ماخوذ از تاریخ طبری جلد2 صفحہ 512-513
574 ماخوذ از سیدنا عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 101
575 ماخوذ از سیدنا عمر بن خطابؓ شخصیت اور کارنامے از صلابی مترجم صفحہ 184
576 سیرت عمر بن خطاب از صلابی صفحہ 171

577 طبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 217
578 کنز العمال جلد 6 صفحہ 287 روایت 35966
579 کنز العمال جلد 3 صفحہ 303 حدیث 14303
580 تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 201
581 حلیۃ الاولیاء جلد 4 صفحہ 304-305۔ روایت 5841
582 تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر مجلد 11 جزء 21 صفحہ 128
583 سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 217
584 سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 217
585 تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 577
586 سیرۃ عمر بن الخطاب، شخصیت اور کارنامے مترجم از صلابی صفحہ 333
587 ماخوذ از سیرۃ عمر بن الخطاب شخصیت اور کارنامے مترجم از صلابی صفحہ 336
588 ماخوذ از الفاروق صفحہ 330 تا 333
589 ماخوذ از الفاروق صفحہ 345
590 ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 265
591 مکتوباتِ احمد جلد دوم صفحہ 151 مکتوب نمبر 2
592 سر الخلافہ اردو ترجمہ صفحہ 25-26
593 ماخوذ از سر الخلافۃ اردو ترجمہ صفحہ 28 تا 30
594 سر الخلافۃ اردو ترجمہ صفحہ 37 تا 39
595 سر الخلافۃ اردو ترجمہ صفحہ 77 تا 79
596 ملفوظات جلد 6 صفحہ 129
597 ملفوظات جلد 1 صفحہ 297-298 (خطبہ جمعہ 26 نومبر 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 17 دسمبر 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 101)
598 الاصابہ جزء 4 صفحہ 377، سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ صفحہ 15، سیر الصحابہ جلد 1 صفحہ 154، طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 182، 183
599 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ صفحہ 15
600 الاصابہ جزء 4 صفحہ 377
601 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ صفحہ 16
602 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ صفحہ 16
603 الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 31، معجم البلدان صفحہ 320، معجم البلدان جلد 3 صفحہ 472
604 الطبقات الکبریٰ جزء 3 صفحہ 31
605 شرح علامہ زرقانی جزء 4 صفحہ 322، 323
606 المعجم الکبیر للطبرانی جزء 1 صفحہ 76 حدیث 98
607 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 237-238
608 مجمع الزوائد ومنبع الفوائد جزء 9 صفحہ 58 حدیث نمبر 14498
609 المستدرک جزء 4 صفحہ 414 حدیث 6999

610 السیرة النبویۃ لابن ہشام صفحہ 265-266
611 سیر الصحابہ جلد اوّل (خلفائے راشدین) صفحہ 178
612 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 31
613 سیرت خاتم النبیین صفحہ 146 تا 152
614 الطبقات الکبریٰ جزء الثالث صفحہ 31
615 الطبقات الکبریٰ جزء الثالث صفحہ 38
616 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 32
617 سنن ابن ماجہ حدیث 110
618 سیرة امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ و عصرہ صفحہ 41
619 سیرة امیر المؤمنین عثمان بن عفان شخصیتہ و عصرہ صفحہ 42
620 صحیح البخاری حدیث 1342 مترجم صحیح البخاری جلد 2 صفحہ 663
621 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 32
622 کنز العمال جزء 13 صفحہ 21 حدیث 36201
623 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 22 جنوری 2021ء الفضل انٹرنیشنل 12/ فروری 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 13
624 الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جزء3 صفحہ 41، سیرت خاتم النبیین صفحہ 463
625 سیرت خاتم النبیین صفحہ 463
626 ماخوذ از شرح العلامہ الزرقانی جزء2 صفحہ 418-419
627 سیرت خاتم النبیین صفحہ 493-494
628 شرح العلامۃ الزرقانی جزء3 صفحہ 169-170، 222
629 ماخوذ از سیرت خاتم النبیین صفحہ 749 تا 769
630 ماخوذ از دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 307-308 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 29 جنوری 2021ء الفضل انٹرنیشنل 16 تا 22 فروری 2021ء (خصوصی اشاعت برائے یوم مصلح موعود) صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 14-15)
631 سیرت ابن ہشام صفحہ 614 تا 615، الطبقات الکبری جزء2 صفحہ 280
632 صحیح البخاری حدیث: 4128
633 السیرة النبویۃ لابن ہشام صفحہ 614، الطبقات الکبری جزء2 صفحہ 280، صحیح البخاری حدیث: 4128
634 سنن النسائی حدیث: 4072، سنن ابو داؤد حدیث 4358-4359
635 تفسیر کبیر جلد 8 صفحہ 285
636 السیرة الحلبیہ جلد 3 صفحہ 132-133
637 شرح الزرقانی جلد 4 صفحہ 66، 68 تا 71، سنن الترمذی حدیث 3701، 3700
638 خطبات محمود جلد 19 صفحہ 98-99
639 خطبات محمود جلد 19 صفحہ 100
640 خطبات ناصر جلد 2 صفحہ 341
641 ماخوذ از تاریخ دمشق الکبیر جلد 1 جز 2 صفحہ 46
642 کنز العمال جلد 3 جز 5 صفحہ 248 حدیث: 14089
643 سیرة امیر المؤمنین عثمان بن عفان صفحہ 51-52

644 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان صفحہ 53
645 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان صفحہ 54
646 ابی داؤد حدیث:4634
647 ابی داؤد حدیث:4636
648 ابی داؤد حدیث:4637
649 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 34-35
650 صحیح البخاری حدیث:3700
651 انوار العلوم جلد15 صفحہ 484-485
652 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ 35
653 تاریخ طبری جلد5 صفحہ 87
654 ماخوذ از سیر الصحابہ جلد1 صفحہ 165 تا 168، البدایۃ والنہایۃ جلد10 صفحہ 237، تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 625 و صفحہ 632، بر صغیر میں اسلام کے اولین نقوش صفحہ 65،63
655 البدایۃ والنہایۃ جزء7 صفحہ 147-148
656 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 96، البدایۃ والنہایۃ جزء7 صفحہ 148-149 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 5 فروری 2021ء الفضل انٹرنیشنل 26/ فروری 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 17)
657 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 102-103
658 تاریخ ابن خلدون جزء2 صفحہ 575، النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ، جلد1 صفحہ 80
659 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 115
660 ماخوذ از تاریخ طبری جلد5 صفحہ 116، ماخوذ از البدایۃ والنہایۃ جزء7 صفحہ 152-153
661 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 118
662 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 123
663 البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جزء7 صفحہ 155
664 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 630، سیر الصحابہ جلد1 صفحہ 168
665 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 130
666 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 130-131
667 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 131، معجم البلدان جلد1 صفحہ 568
668 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 131
669 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 132
670 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 132-133
671 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ 132
672 کتاب الخراج صفحہ 218
673 بر صغیر میں اسلام کے اولین نقوش صفحہ 63
674 بر صغیر میں اسلام کے اولین نقوش بھٹی صفحہ 65
675 سنن الترمذی ابواب حدیث 3705
676 سنن ابن ماجہ حدیث 112

677 سنن ابن ماجہ حدیث 111
678 سنن ابن ماجہ حدیث 113 معہ حاشیہ
679 انوار العلوم جلد4 صفحہ 249
680 انوار العلوم جلد4 صفحہ 253-254
681 انوار العلوم جلد4 صفحہ 262-263
682 انوار العلوم جلد4 صفحہ 282-283
683 ماخوذ از انوار العلوم جلد4 صفحہ 293 تا 296 (خطبہ جمعہ 26 فروری 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 19 تا 29 مارچ 2021ء (خصوصی اشاعت برائے یوم مسیح موعود) صفحہ 5 تا 8 جلد 28 شمارہ 23 تا 25)
684 ماخوذ از انوار العلوم جلد4 صفحہ 314 تا 327 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 05 مارچ 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 19 تا 29 مارچ 2021ء (خصوصی اشاعت برائے یوم مسیح موعود) صفحہ 11 تا 15 جلد 28 شمارہ 23 تا 25)
685 ماخوذ از اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 285-286
686 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 38
687 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 39
688 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 39
689 ماخوذ از اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 327 تا 331
690 ماخوذ از رپورٹ مجلس مشاورت 11، 12 اپریل 1925ء صفحہ 32-33
691 ماخوذ از خلافت راشدہ، انوار العلوم جلد 15 صفحہ 536-537
692 ماخوذ از نبوت اور خلافت اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جاتی ہے، انوار العلوم جلد 18 صفحہ 246
693 اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 251 تا 253
694 الاستیعاب جز3 صفحہ 159
695 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 43
696 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 43
697 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 42-43، الاصابہ جلد5 صفحہ 468
698 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ 687
699 اسد الغابہ جلد3 صفحہ 586 (خطبہ جمعہ بیان 12 مارچ 2021ء الفضل انٹرنیشنل 02 اپریل 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 27)
700 ماخوذ از اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 333
701 صحیح بخاری حدیث 3695
702 صحیح بخاری حدیث 3699
703 سنن ترمذی حدیث 3708
704 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ 42، فرہنگ سیرت صفحہ 130
705 ماخوذ از اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 294
706 ماخوذ از اسلام میں اختلافات کا آغاز، انوار العلوم جلد4 صفحہ 329
707 الاصابہ جز4 صفحہ 378
708 الاصابہ جز4 صفحہ 378

709 الاستیعاب جز3 صفحہ156
710 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ32تا34
711 مجمع الزوائد و منبع الفوائد جز9 صفحہ57 حدیث نمبر14493
712 صحیح بخاری حدیث5875
713 صحیح بخاری حدیث5879، تاریخ الطبری جلد5 صفحہ111، 112
714 سنن ابی داؤد حدیث4649
715 خطبہ جمعہ 12 مارچ 2021ء
716 سنن ترمذی حدیث3698
717 مجمع الزوائد و منبع الفوائد جز9 صفحہ66 حدیث14528
718 اسد الغابہ جلد3 صفحہ483، 484
719 ماخوذ از صحیح بخاری حدیث3698
720 مجمع الزوائد جز9 صفحہ65 حدیث14524
721 سنن النسائی حدیث3638
722 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ430
723 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ432
724 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ435
725 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ437، 438
726 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ446، 447
727 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ459
728 ماخوذ از جستجوئے مدینہ صفحہ463 تا465، اردو لغت تاریخی اصولوں پر جلد18 صفحہ492، زیر لفظ مقصورہ
729 ملفوظات جلد8 صفحہ117
730 ملفوظات جلد6 صفحہ275-276
731 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ92
732 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ97
733 مجمع الزوائد و منبع الفوائد جز9 صفحہ58 حدیث14500
734 الطبقات الکبریٰ جز3 صفحہ32
735 مجمع الزوائد و منبع الفوائد جز9 صفحہ58 حدیث14501 (خطبہ جمعہ 19 مارچ 2021ء الفضل انٹرنیشنل 9 اپریل 2021ء صفحہ5 تا10 جلد28 شمارہ29)
736 ابن ماجہ حدیث154
737 ترمذی حدیث3790
738 سنن ابن ماجہ حدیث311
739 صحیح مسلم روایت6209، مجمع الزوائد جلد9 صفحہ59-60 حدیث14504
740 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد11 صفحہ381-382
741 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ33
742 طبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ39

743 مجمع الزوائد جلد9 صفحہ65 حدیث نمبر14525
744 اسد الغابہ جلد3 صفحہ489
745 مجمع الزوائد جلد9 صفحہ64، حدیث14520، 14523
746 البدایۃ والنہایۃ جلد4 جزء7 صفحہ206
747 البدایۃ النہایۃ جلد4 جزء7 صفحہ206-207
748 البدایۃ النہایۃ جلد4 جزء7 صفحہ208
749 صحیح بخاری حدیث3717
750 کنز العمال جلد7 جزء13 صفحہ23، حدیث36217
751 صحیح بخاری حدیث4986، 4987
752 سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان صفحہ 231-232
753 تفسیر کبیر جلد12 صفحہ69-70
754 حقائق الفرقان جلد4 صفحہ272
755 تفسیر کبیر جلد 13 صفحہ 71 تا75 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 2 اپریل 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 23/ اپریل 2021ء صفحہ5 تا9 جلد28 شمارہ33)
756 صحیح بخاری حدیث3655
757 صحیح بخاری حدیث3697
758 ابی داؤد حدیث4629
759 ترمذی حدیث3709
760 صحیح بخاری حدیث3696
761 اردو ترجمہ صحیح بخاری جلد7 صفحہ192
762 صحیح بخاری حدیث159
763 صحیح البخاری حدیث912
764 فقہ احمدیہ (عبادات) صفحہ122
765 نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری جلد2 صفحہ837 حدیث912
766 صحیح بخاری حدیث5571-5572
767 فقہ احمدیہ (عبادات) صفحہ177
768 خطباتِ طاہر جلد6 صفحہ374
769 صحیح مسلم حدیث1956
770 سیر الصحابہؓ خلفائے راشدینؓ جلد1 صفحہ204
771 مسند احمد بن حنبل جلد1 صفحہ201 حدیث نمبر415
772 تاریخ الطبری جلد5 صفحہ200، سیرۃ امیر المؤمنین عثمان بن عفان صفحہ 17
773 ماخوذ از حقائق الفرقان جلد3 صفحہ223
774 لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد20 صفحہ294
775 مکتوباتِ احمد جلد دوم صفحہ151 مکتوب نمبر2
776 سر الخلافۃ، اردو ترجمہ صفحہ28-29

777 ملفوظات جلد6 صفحہ129
778 حجۃ اللہ۔ روحانی خزائن جلد12 صفحہ184-185
779 سر الخلافۃ، اردو ترجمہ صفحہ25، 26(خطبہ جمعہ 9 اپریل 2021ء، الفضل انٹرنیشنل 30 اپریل 2021ء صفحہ 5تا8 جلد28 شمارہ35)
780 الاصابہ جلد4 صفحہ464، اسد الغابہ جلد4 صفحہ87، 88، الاستیعاب جلد3 صفحہ218
781 تاریخ الخمیس جلد1 صفحہ295تا297 وجلد2 صفحہ421
782 اسد الغابہ جلد4 صفحہ88، صحیح البخاری حدیث441
783 صحیح بخاری حدیث441
784 تاریخ الطبری جلد2 صفحہ225
785 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ111
786 اسد الغابہ جلد4 صفحہ88-89
787 الاستیعاب جلد03 صفحہ200
788 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ121
789 انوار العلوم جلد19 صفحہ127-128
790 تاریخ الطبری جزء2 صفحہ225
791 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ127
792 سبل الہدیٰ والرشاد جلد2 صفحہ324، لغات الحدیث جلد2 صفحہ648
793 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ128-129
794 انوار العلوم جلد25 صفحہ187-188
795 تفسیر کبیر جلد9 صفحہ268-269
796 الطبقات الکبریٰ جلد01 صفحہ176
797 تاریخ طبری جلد2 صفحہ256
798 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ348
799 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ236-237
800 تفسیر کبیر جلد12 صفحہ193-194
801 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد9 صفحہ269-270
802 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 27 نومبر 2020ء الفضل انٹرنیشنل 18/ دسمبر 2020ء صفحہ 5 تا9 جلد27 شمارہ 101
803 اسد الغابہ جلد4 صفحہ88
804 الطبقات الکبریٰ جزء3 صفحہ16
805 ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جزء8 صفحہ410-411 حدیث نمبر3937
806 اسد الغابہ جلد04 صفحہ92
807 اسد الغابہ جلد04 صفحہ93
808 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 329، لغات الحدیث جلد3 صفحہ110-111، السیرۃ الحلبیۃ جلد2 صفحہ 175، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد5 صفحہ460
809 مسند احمد جلد06 صفحہ261 حدیث18511

810 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 330
811 الطبقات الکبریٰ جزء2 صفحہ 253
812 طبقات الکبریٰ جزء2 صفحہ 256، سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 349
813 الطبقات الکبریٰ جزء2 صفحہ 257
814 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 4 مئی 2018ء حضرت حمزہؓ کے تذکرہ میں
815 سنن ابو داؤد حدیث 2665
816 مسند احمد جلد 1 صفحہ 338-339 حدیث 948
817 المستدرک جزء3 صفحہ 345
818 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 361
819 شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 357 تا 367، ابن ماجہ حدیث 1911، تاریخ الخمیس جزء2 صفحہ 77، الطبقات الکبریٰ جزء8 صفحہ 19، لغات الحدیث جلد 1 صفحہ 172
820 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 455-456
821 صحیح مسلم حدیث نمبر 6915، 6918
822 ماخوذ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 544-545
823 صحیح البخاری حدیث 1127
824 انوار العلوم جلد 20 صفحہ 389-390
825 ماخوذ از انوار العلوم جلد 1 صفحہ 588 تا 590 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 4 دسمبر 2020ء الفضل انٹرنیشنل 22 تا 31 دسمبر 2020ء (خصوصی اشاعت برائے جلسہ سالانہ) صفحہ 5 تا 9 جلد 27 شمارہ 102 تا 104)
826 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 529
827 شرح زرقانی جلد 2 صفحہ 409، تاریخ الطبری جلد 3 صفحہ 68
828 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 94
829 صحیح البخاری حدیث 4075
830 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 93
831 انوار العلوم جلد 19 صفحہ 59
832 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 573، طبقات الکبریٰ جزء2 صفحہ 283، البدایہ والنھایہ جلد 2 جزء4 صفحہ 115
833 ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 588-589
834 البدایۃ والنہایۃ جلد 2 جزء4 صفحہ 116
835 صحیح البخاری حدیث 2698، مترجم جلد 5 صفحہ 12-13
836 خطبات محمود جلد 20 صفحہ 379 تا 381
837 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 837، صحیح مسلم حدیث 4678، مترجم صحیح مسلم جلد 9 صفحہ 240 مع حاشیہ
838 خطبات محمود جلد 19 صفحہ 614
839 انوار العلوم جلد 20 صفحہ 325-326
840 تفسیر کبیر جلد 12 صفحہ 37
841 انوار العلوم جلد 6 صفحہ 327
842 انوار العلوم جلد 16 صفحہ 74

843 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 832
844 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 21 اگست 2020ء حضرت زبیر بن العوامؓ کے تذکرہ میں
845 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 840، ماخوذ از صحیح البخاری حدیث 3007، مترجم جلد 5 صفحہ 350 تا 352
846 انوار العلوم جلد 24 صفحہ 262-263
847 خطبات محمود جلد 4 صفحہ 182، 183
848 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 744
849 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 743-744
850 السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 131
851 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 840، طبقات الکبریٰ جزء 2 صفحہ 325
852 السیرۃ الحلبیۃ جلد 3 صفحہ 158
853 طبقات الکبریٰ جزء 2 صفحہ 331
854 سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 842، صحیح البخاری حدیث 4416
855 انوار العلوم جلد 15 صفحہ 579
856 الکامل فی التاریخ جلد 2 صفحہ 168، غزوات و سرایا صفحہ 550
857 ابو داؤد حدیث 3582
858 مسند احمد جلد 5 صفحہ 478-479 حدیث 16056
859 السیرۃ النبویۃ لابن ہشام صفحہ 867-868 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 11 دسمبر 2020ء الفضل انٹرنیشنل یکم جنوری 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 1)
860 صحیح بخاری حدیث 665
861 صحیح البخاری حدیث 4447 مترجم جلد 9 صفحہ 337-338
862 صحیح بخاری مترجم جلد 9 صفحہ 337
863 ابو داؤد حدیث 3209
864 سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب شخصیتہ و عصرہ صفحہ 119، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر صفحہ 693
865 تاریخ الطبری جزء 3 صفحہ 257
866 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر صفحہ 694
867 ماخوذ از ملفوظات جلد 10 صفحہ 150
868 صحیح البخاری حدیث 4240
869 سنن الکبریٰ للبیہقی حدیث 12732
870 سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب شَخْصِيَّتُهٗ وَعَصْرُهٗ صفحہ 121
871 السیرۃ النبویۃ لابن کثیر صفحہ 694
872 سر الخلافہ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 349 تا 351۔ اردو ترجمہ ماخوذ از سر الخلافہ صفحہ 86 تا 91
873 البدایۃ والنہایۃ جزء 7 صفحہ 307-308
874 تاریخ الخلفاء صفحہ 61
875 انوار العلوم جلد 9 صفحہ 383-384
876 انوار العلوم جلد 22 صفحہ 56-57

877 ماخوذ از سیر الصحابہ جلد 1 صفحہ 207-208
878 تاریخ الخلفاء صفحہ 123-124
879 ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ جلد 3 صفحہ 68-69
880 البدایۃ والنہایۃ جزء 7 صفحہ 174
881 انوار العلوم جلد 4 صفحہ 299
882 خطبہ جمعہ 26 فروری 2021ء حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں
883 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 107
884 انوار العلوم جلد 4 صفحہ 635-637
885 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 197-198
886 ماخوذ از خطبات محمود جلد 18 صفحہ 300-302
887 خطبات محمود جلد 26 صفحہ 385
888 انوار العلوم جلد 2 صفحہ 318-319
889 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 دسمبر 2020ء الفضل انٹرنیشنل 8/ جنوری 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 3
890 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 171
891 ماخوذ از الکامل فی التاریخ از ابن الاثیر جلد 3 صفحہ 99 تا 149
892 انوار العلوم جلد 15 صفحہ 485-486
893 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 198 تا 201
894 تاریخ الطبری جلد 3 صفحہ 60-61
895 انوار العلوم جلد 21 صفحہ 149-150
896 ماخوذ از الکامل جلد 3 صفحہ 161 تا 201، لغات الحدیث جلد دوم صفحہ 608
897 ماخوذ از انوار العلوم جلد 15 صفحہ 486 تا 488
898 معجم البلدان جلد 5 صفحہ 375
899 ماخوذ از الکامل جلد 3 صفحہ 212 تا 223، تاریخ المسعودی حصّہ دوم صفحہ 342
900 مستدرک جلد 3 صفحہ 129 حدیث 4611 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 25 دسمبر 2020ء الفضل انٹرنیشنل 15 جنوری 2021ء صفحہ 5 تا 9 جلد 28 شمارہ 5)
901 انوار العلوم جلد 3 صفحہ 202
902 الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 25 تا 27
903 تاریخ الطبری جلد 3 صفحہ 158
904 المستدرک جزء 3 صفحہ 327 حدیث 4648
905 الاستیعاب جلد 3 صفحہ 219
906 خطبات محمود جلد 16 صفحہ 428
907 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 114-115
908 الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 28، الاصابہ جلد 4 صفحہ 468
909 ماخوذ از انوار العلوم جلد 7 صفحہ 348
910 اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 115
911 البدایۃ والنہایۃ جلد 4، جزء 7 صفحہ 316-317، تاریخ طبری جلد 3 صفحہ 477

912 ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا سیرت صحابہ کرامؓ جلد1 صفحہ 436
913 المنتظم جلد5 صفحہ 178
914 طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 14، سیدنا علی بن ابی طالب صفحہ 82-83
915 المستدرک جزء3 صفحہ 339
916 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد10 صفحہ 67
917 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 97، طبقات الکبریٰ جلد3 صفحہ 22، لغات الحدیث جلد4 صفحہ 613
918 ترمذی حدیث 3874
919 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 93
920 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 98، معجم البلدان جلد3 صفحہ 188
921 کنز العمال جلد13 صفحہ 109 حدیث 36356
922 ترمذی حدیث 3446
923 تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر جلد3 صفحہ 132
924 مسند احمد بن حنبل جلد5 صفحہ 107
925 المستدرک علی الصحیحین جزء3 صفحہ 348 حدیث 4724
926 المستدرک علی الصحیحین جزء3 صفحہ 349-350
927 اسد الغابہ جلد4 صفحہ 96، 97
928 انوار العلوم جلد2 صفحہ 254
929 ترمذی حدیث 3757
930 ملفوظات جلد7 صفحہ 316
931 ملفوظات جلد9 صفحہ 121-122
932 انوار العلوم جلد16 صفحہ 132 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ یکم جنوری 2021ء الفضل انٹرنیشنل 22 جنوری 2021ء صفحہ 5 تا 10 جلد 28 شمارہ 7)
933 ملفوظات جلد6 صفحہ 220
934 انوار العلوم جلد21 صفحہ 623
935 تفسیر کبیر جلد7 صفحہ 22
936 ماخوذ از تفسیر کبیر جلد7 صفحہ 21
937 تفسیر کبیر جلد11 صفحہ 376
938 انوار العلوم جلد18 صفحہ 404
939 انوار العلوم جلد20 صفحہ 429
940 خطبات محمود جلد33 صفحہ 259-260
941 خطبات محمود جلد25 صفحہ 299
942 خطبات محمود جلد25 صفحہ 752
943 تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد15 صفحہ 199
944 خطبات محمود جلد33 صفحہ 357
945 ماخوذ از درس القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیان فرمودہ 16 فروری 1994ء

946 انوار العلوم جلد18 صفحہ464
947 مجمع الزوائد جلد9 صفحہ126 حدیث14757
948 صحیح مسلم حدیث240
949 مسند احمد بن حنبل جلد1 صفحہ439
950 استیعاب جلد3 صفحہ1111 تا1113، لغات الحدیث جلد3 صفحہ575
951 انوار العلوم جلد2 صفحہ176
952 انوار العلوم جلد23 صفحہ363
953 انوار العلوم جلد5 صفحہ95
954 تفسیر کبیر جلد3 صفحہ237-238
955 تفسیر کبیر جلد6 صفحہ493
956 انوار العلوم جلد25 صفحہ416-417
957 صحیح بخاری حدیث4481
958 اسد الغابہ جلد4 صفحہ100
959 کنز العمال جلد13 صفحہ107 حدیث36349
960 استیعاب جلد3 صفحہ1107-1108
961 تفسیر کبیر جلد3 صفحہ148-149
962 تفسیر کبیر جلد6 صفحہ339
963 خطبات محمود جلد16 صفحہ516
964 سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد8 صفحہ350، سر الخلافہ مترجم صفحہ89-90
965 لیکچر لدھیانہ، روحانی خزائن جلد20 صفحہ294
966 تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد15 صفحہ422 حاشیہ
967 سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد8 صفحہ352-353، سر الخلافہ مترجم صفحہ95-96
968 مکتوباتِ احمد جلد2 صفحہ151 مکتوب نمبر2
969 سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد8 صفحہ358-359، سر الخلافہ مترجم صفحہ108 تا112 (خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 15 جنوری 2021ء الفضل انٹرنیشنل 5 فروری 2021ء صفحہ5 تا10 جلد28 شمارہ11)

انڈیکس

آیات قرآنیہ.......... 3

احادیث نبویہ ﷺ.......... 5

مضامین.......... 9

اسماء.......... 12

مقامات.......... 46

کتابیات.......... 52

ببلیوگرافی.......... 54

آیات

سورۃ البقرۃ

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (6) 398

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (126) 253

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (138) 364

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا...... شَهِيْدًا (144) 56

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (157)

223، 364، 358، 443

وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (194) 478

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ (220) 254

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (257) 294

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (286) 398

سورۃ آل عمران

رَافِعُكَ اِلَيَّ (56) 54

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (60) 177

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (93) 50

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (104) 352

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (135) 290

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (141) 127

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (145) 52، 54تا56، 259

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (156)

315

سورۃ النساء

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى (44) 254

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (59)

65، 66

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (159) 54

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (172، 173) 177

سورۃ المائدۃ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (4) 295، 296

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ (92) 254

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ (25) 25

سورۃ الانعام

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (39) 51

سورۃ الاعراف

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (200)

290

سورۃ الانفال

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (6) 25

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا (68) 79

سورۃ التوبہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (33) 157

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (80) 254

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (84) 254

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ (108) 99

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ (111) 183

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (128) 59

سورۃ ھود

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (86، 87)

476، 477

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ (90) 360

سورۃ یونس

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (58) 476

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ (91) 18

سورۃ یوسف

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (19) 154

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (87) 278

سورۃ النحل

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (90) 51

سورۃ الکہف

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا(46،47) 338

وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا (55) 419

سورۃ مریم

كٓهٰيٰعٓصٓ(2) 472

سورۃ طٰہٰ

طٰهٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى(2تا9) 3

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ(15) 10

سورۃ المومنون

ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ(15) 328

سورۃ النور

اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ(49) 398

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ(56) 235،351

سورۃ الفرقان

وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ يُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ يَقۡتُرُوۡا(68) 265

سورۃ الشعراء

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ(215) 404

سورۃ القصص

اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِيۡنُ(27) 94

سورۃ الزمر

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمۡ مَّيِّتُوۡنَ(31) 52

اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ(37) 403

سورۃ المومن

يٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى النَّجٰوةِ(42) 357

سورۃ الزخرف

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ(14،15) 468

سورۃ الدخان

كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ (26،29) 128

سورۃ الفتح

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ(11) 352

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا(2تا4) 42

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ(19) 323

وَهُوَ الَّذِیۡ كَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ (25) 321

سورۃ الحجرات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا(7) 352

سورۃ التحریم

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا مِّنۡكُنَّ(6) 253

سورۃ الحاقہ

اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ (41،42) 11

وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ...... مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ(43تا48) 11

يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ (19) 263

سورۃ المزمل

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَيۡكَ قَوۡلًا ثَقِيۡلًا (6) 387

سورۃ مطففین

عَلَى الۡاَرَآئِكِ يَنۡظُرُوۡنَ(24) 292

سورۃ الاعلیٰ

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى(7) 388

سورۃ الکوثر

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (2) 228

سورۃ الکافرون

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ(2) 228

احادیث

اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ 6

اَللّٰهُمَّ أَيِّدِ الدِّيْنَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ 7

اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً 7

لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ 51

اَنَّ النَّبِيَّ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اَمَرَ بِالتَّارِيْخِ 100

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ 208

أُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ 208

ذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ 245

لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ 258

اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ 271

مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ 330

مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ 330

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ........ 330

اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّيْ عَنْهُ رَاضٍ 330

انت ولی فی الدنیا وولی فی الآخرة 374

اَللّٰهُمَّ أَعْطِ عُثْمَانَ، اَللّٰهُمَّ افْعَلْ بِعُثْمَانَ 386

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ 415

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ شَمْلِهِمَا 415

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا نَسْلَهُمَا 417

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا، فَمَنْ أَرَادَ الْمَدِيْنَةَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ 466

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا 467

اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى 434

احادیث بالمعنیٰ

ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک میں تمہارے نفس سے زیادہ تمہیں محبوب نہ ہو جاؤں 22

میرے رونے کی وجہ یہ ہے جو تمہارے ساتھیوں نے میرے سامنے ان سے فدیہ لینے کی تجویز پیش کی تھی 26

رسول اللہ ﷺ اور حضرت حفصہؓ کی شادی 28،29

لوگ باتیں نہ کرنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے 37

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز تاخیر سے پڑھی 37،38

اللہ ان کافروں کے لیے ان کے گھر اور ان کی قبریں آگ سے بھر دے 38

تمہیں کیا علم کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا جو بدر میں شریک ہوئے 48

جو شخص کسی مقتول کے متعلق یہ ثبوت پیش کر دے کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے تو اس مقتول کا سامان اس کے قاتل کا ہو گا 48

نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اپنی نذر پوری کرنے کا ارشاد فرمایا 48،49

اپنے اہل کے لیے کیا باقی چھوڑ آئے ہو؟ 49

آؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے 50

میرے پاس کوئی لکھنے کا سامان لاؤ تا میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم بھولو نہیں 50

نئے کپڑے پہنو اور قابلِ تعریف زندگی گزارو اور شہیدوں کی موت پاؤ 220

اُحد! ٹھہر جا 220

عالمِ اسلام حضرت عمرؓ کی وفات پر روئے گا 220

حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو جنت کی بشارت 250،251

عشرہ مبشرہ 251

میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا 251

عمر بن خطابؓ اہلِ جنت کے چراغ ہیں 251

عِلّیّین والوں میں سے کوئی شخص جنت والوں پر جھانکے گا تو 251

تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آ رہا ہے 251

ابوبکرؓ اور عمرؓ جنت کے اوّلین اور آخرین کے تمام بڑی عمر

کے لوگوں کے سردار ہیں 251
میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ضرور عمر بن خطاب ہوتے
251
یقیناً پہلی امتوں میں محدثین ہوتے تھے اور اگر میری امت
میں کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہیں 252
تم سے پہلے جو امتیں تھیں ان میں ایسے لوگ تھے جو محدث
ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں سے کوئی ایسا ہے تو وہ
عمرؓ ہیں 252
اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے 254
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں
اللہ کا رسول ہوں 255
لوگوں میں منادی کرو کہ سب اپنا بچا ہوا زادِ راہ لے آئیں
256،255
پس تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے 256
عبد اللہ! یہ اب تمہارا ہی ہے اس سے تم جو چاہو کام لو
257
جو کچھ بھی مجھ سے پوچھو گے مَیں تمہیں بتاؤں گا 257
پوچھو مجھ سے جس کے متعلق بھی چاہو 257
تمہارا باپ حذافہ ہے 257
وہ ایسے لوگ ہیں جن کو جلدی سے اس دنیا کی زندگی میں ہی
ان کے مزے کی جو چیزیں تھیں دی گئی ہیں 258
اے عمر! یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں 259
جاؤ اور ایک دن کا اعتکاف کرو 260
خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ میں ایک کنویں پر کھڑا ڈول سے
جو چرخی پر رکھا ہوا تھا پانی کھینچ کر نکال رہا ہوں 262
ایک بار میں سویا ہوا تھا کہ اس اثنا میں میرے پاس دودھ کا
ایک پیالہ لایا گیا 262
مَیں سویا ہوا تھا مَیں نے لوگوں کو دیکھا کہ میرے سامنے
پیش کیے گئے ہیں 263
میری امت میں سے اللہ کے دین میں سب سے زیادہ
مضبوط عمرؓ ہیں 263
اے ابوہریرہ! میرے یہ دونوں جوتے لے جاؤ اور جو کوئی
اس باغ کے پرے تمہیں ملے اور یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ
کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں اور دل سے اس بات پر یقین
رکھتا ہو تو اسے جنت کی بشارت دے دو 272،271
شیطان جب کبھی بھی تمہارے راستے پر چلتے ہوئے ملا ہے تو
ضرور ہی اس نے اپنا وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ لیا ہے
272
نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ایک حبشی عورت کا کرتب
دکھایا 273،272
اے عمر! شیطان بھی تجھ سے ڈرتا ہے 273
اللہ نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری کر دیا 273
سکینت حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری ہوتی ہے
273
علیین والوں میں سے کوئی شخص جنت والوں پر جھانکے گا تو
اس کے چہرہ کی وجہ سے جنت جگمگا اٹھے گی 274
آپ کو کون زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہ 274
اسی طرح ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے 275
یہ دونوں کان اور آنکھ ہیں 275
ہے کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو
275
میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین شق ہو گی 275
تمہارے پاس جنت والوں میں سے ایک شخص آ رہا ہے
275
یہ دونوں جنت کے اوّلین اور آخرین کے تمام بڑی عمر کے
لوگوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء اور مرسلین کے
275
میرے بعد ان دونوں ابو بکر اور عمر کی پیروی کرنا 275
زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابو بکر اور عمر ہیں
275

تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے 276

یہ نبوت کی خلافت ہے۔ اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا 276

جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں کوئی وبا پھوٹ پڑی ہے تو وہاں مت جاؤ 283

اگر تم چاہو تو اصل زمین وقف کر دو اور اس کی آمدنی غرباء پر خرچ کرو 289

یہ میرے صحابہ میں اخلاق کے لحاظ سے مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں 306

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے اہل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہے 307

اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم کا نکاح رُقَیّہ جتنے حق مہر پر اور اس سے تمہارے حسن سلوک پر تمہارے ساتھ کر دیا ہے 312

اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور ایک ایک کر کے فوت ہو جاتیں 313

ان چار کو قتل کر دو خواہ تم انہیں کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے پاؤ 327

تم میں سے کسی نے خواب دیکھی ہے 334

آج کی رات ایک صالح شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ حضرت ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ سے جوڑ دیا گیا ہے 334

اے عثمان! ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے 342

منافق تم سے چاہیں کہ تم اپنی قمیص کو جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو تو تم اسے نہ اتارنا 342

یہ شخص اس دن ہدایت پر ہو گا جب یہ فتنہ ہو گا 342

میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس بعض صحابہ ہوں 342

حضرت عثمانؓ کو رؤیا میں فرمایا آج رات روزہ ہمارے ساتھ کھولنا 363

حضرت عثمانؓ کی طبیعت میں حیا بہت ہے 368

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو جنت کی بشارت دی 370

تم پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں 371

یہ شخص اس فتنہ میں حالت مظلومیت میں مارا جائے گا 371

دس آدمی جنت میں جائیں گے 373

ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے 373

یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے 375

اے ثبیر ٹھہر جا 376

جو مسجد بناتا ہے اللہ اس کو جنت میں ایک گھر عطا فرماتا ہے 377

جو مسجد بناتا ہے اللہ اس کیلئے جنت میں ایک محل تعمیر کروائے گا 377

اخلاق کے لحاظ سے آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ 381

میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکرؓ ہیں 382

کیا میں اس سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں 383

اے عثمانؓ! لکھ 387

یہ شخص عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا 393

جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر اس طرح دو رکعتیں پڑھیں کہ ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کیں تو جو گناہ بھی اس سے پہلے ہو چکے ہیں ان سب سے اس کی مغفرت کی جائے گی 394

جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو چاہیے کہ وہ غسل کرے 396

کیا میں تمہیں دو بدبخت ترین آدمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں 411

اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص انہیں خیر بھلائی کی نصیحت کر سکتا ہے تو وہ سرخ اونٹ والا شخص ہے 414

تم دونوں میں سے ایک کے دائیں جانب حضرت جبرئیل ہیں اور دوسرے کے دائیں جانب حضرت میکائیل ہیں 414

جب تم دونوں اپنے بستروں پر لیٹو تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہو 418

کیا تم دونوں نماز نہیں پڑھتے 419

معاہدہ حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ مٹانے کے لئے کہا 425

میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے یا اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں 428

اس نے تم سے سچ بیان کیا ہے 431

کہ تمہارا مقام مجھ سے وہی ہے جو ہارون کا موسیٰ سے تھا مگر یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں 433

اللہ تیرے دل کو ضرور ہدایت دے گا اور تیری زبان کو ثبات بخشے گا 434

جس نے علیؓ کو اذیت دی تو اس نے مجھے اذیت دی 435

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتا دیا تھا کہ تمہیں اس اس جگہ پر زخم آئیں گے 463

تم میرے بھائی اور میرے ساتھی ہو 468

یقیناً تیرا رب اپنے بندے سے بہت خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ بخش دے 468

ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا 469

جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اور وہ ہیں علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ 469

تیرے لیے جنت میں اس سے بھی زیادہ خوبصورت باغ ہے 469

ٹھہر اے حرا! یقیناً تجھ پر ایک نبی یا صدیق یا شہید ہے 470

اے علیؓ! اگر تیری تبلیغ سے ایک آدمی بھی ایمان لے آئے تو یہ تیرے لئے 476

جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی 476

کہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ کی سی ہے جن سے یہودیوں نے اتنا بغض کیا کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھ دیا............ 476

اے اللہ! تُو مجھے موت نہ دینا جب تک کہ تو مجھے علیؓ کو دکھا نہ دے 479

اللہ اور اس کا رسول اور جبرئیل تجھ سے راضی ہیں 479

سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں 479

مضامین

اجماع
آنحضرتؐ کی وفات پر صحابہؓ کا اجماع...وفات مسیح پر 52
اخلاق
جنگ میں مسلمانوں کی دانشمندی اور اخلاقی برتری 203
اذان
اذان کی ابتداء اور حضرت عمرؓ کا خواب 256
اذان کی ابتداء کی تفصیلات اور حضرت عمرؓ کا رؤیا 24
جمعہ کے روز دوسری اذان کی ابتداء 394
حضرت بلالؓ کا ایک لمبے عرصہ بعد پھر اذان دینا 194
اسلام / مسلمان
اسلام کے بعد حضرت عمرؓ پر مصائب اور ابتلاء 15
مردوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا 402
اسلامی مساوات اور حضرت عمرؓ کا انصاف 77
مسلمان کمانڈر کا جزیہ واپس کرنا...خدا تم کو واپس لائے 174
اموال غنیمت کی تقسیم پر حضرت عمرؓ کا خطاب کہ امت مسلمہ کی تباہی کا اندیشہ مسلمانوں سے ہی ہے 157، 158
حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام میں اختلافات کا آغاز اور اس کی وجوہات 343
حضرت عمرؓ پر اسلام قبول کرنیکی وجہ سے سختی اور ایک رئیس کا پناہ دینا 20
حضرت عمرؓ کا قبول اسلام روایات اور آنحضورؐ کی دعائیں 2
جنگوں کے دوران مسلمانوں کی عبادات کا رنگ 212
مسلمان عورتوں کی بہادری کے کارنامے 181
مسلمانوں کی تباہی کے اسباب 448
مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح نامہ 191
اطاعت
امیر کے حکم کی اطاعت کی ایک عمدہ مثال 148
اعتراض
منافقین کے اعتراض حضرت عثمانؓ کے بارہ میں 374
اعتکاف
حضرت عمرؓ کی اعتکاف کی نذر 48
الہام
یاسارِیۃ الجبل 161
امت
اموال غنیمت کی تقسیم پر حضرت عمرؓ کا خطاب کہ امت مسلمہ کی تباہی کا اندیشہ مسلمانوں سے ہی ہے 157، 158
امیر
امیر کے حکم کی اطاعت کی ایک عمدہ مثال 148
اہل بیت
اہل بیت سے حضرت عمرؓ کی عقیدت و محبت 67
اولاد
اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لئے لوگ کیا معیار رکھتے ہیں 281
اولیات فاروقی
اولیات فاروقی 101
انگوٹھی
آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی 372
برکت
حضرت عمرؓ کی ٹوپی کی برکت اور قیصر روم 287
بیعت
بیعت رضوان 323
حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنا 436
بیماری
نبیؐ کی بیماری میں وصیت کا اظہار اور صحابہ کا رد عمل 50
تاریخ
حضرت مصلح موعودؓ کو تاریخ پر بڑا عبور تھا 185
ایسا نمونہ جو تاریخ میں کسی بادشاہت نے نہیں دکھایا 184
تہجد
حضرت علیؓ کو نماز تہجد کی تلقین 419
ٹوپی
حضرت عمرؓ کی ٹوپی کی برکت اور قیصر روم 287
جزیہ
مسلمان کمانڈر کا جزیہ واپس کرنا...خدا تم کو واپس لائے 175

جماعت
جماعت کو نصیحت 213
جمع قرآن 58
جمعۃ المبارک
جمعہ کے روز دوسری اذان کی ابتداء 394
جنگ
جنگوں کے دوران مسلمانوں کی عبادات کا رنگ 212
جنگ فجار اور اس کی تفصیل 1
جنگ میں مسلمانوں کی دانشمندی اور اخلاقی برتری 203
جنگ نمارق / کسکر 107
جنگ سَقَاطِیَہ 108
جنگ بَارُوسَمَا 108
جنگ جِسر 109
جنگ بویب / یوم الاعشار 111
جنگ قادسیہ 113
جنگ مدائن 126
جنگ جَلُولَاء 128
جنگ مَاسَبَذَان 130
جنگ خُوزَستَان 131
جنگ اَھوَاز 132
جنگ رَامَھُرمُز اور تُستُر 132
جنگ جندی سابور 138
جنگ نِہَاوَند / فتح الفتوح 140
جنگ اصفہان 149
جنگ ھَمَذَان 150
جنگ رَے 151
جنگ قُومِیس اور جُرجَان 151
جنگ آذربائیجان 152
جنگ آرمینیا 153
جنگ خُرَاسَان 154
جنگ اِصطَخر 158
جنگ فَسَا اور دَارَابجِرد 159
جنگ کَرمَان 161
جنگ سجِستَان 162
جنگ مُکرَان 162
جنگ بقاع 163
جنگ فِحل 164
جنگ طَبَرِیَّہ 166
جنگ حِمص 166
جنگ مَرجُ الرُّوم 167
جنگ لَاذِقِیَّہ 168
جنگ قِنِّسرِین 169
جنگ قَیسَارِیّہ 170
جنگ یرموک 173
جنگ بیت المقدس 186
جنگ بِلبِیس 202
جنگ اُمِّ دُنَین 203
جنگ عَینُ الشَّمس 205
جنگ بَابِلیُون یافُسطَاط 205
جنگ اسکندریہ 206
جنگ بَرقہ وطرابلس 211
جھنڈا / پرچم
غزوات میں سب سے پہلی مرتبہ پرچم غزوہ خیبر میں لہرایا گیا اس سے قبل صرف جھنڈے ہوتے تھے 45
جوش
نبی ﷺ کی وفات اور حضرت عمرؓ کا جوش 51
حکومت
حضرت عمرؓ اور انتظام حکومت مختلف شعبہ جات 86 تا 95
حضرت عمرؓ کا اپنی رعایا اور مجاہدین کا خیال رکھنا 69 تا 76
حضرت عمرؓ کے عہد میں رفاہ عامہ کے کام اور تعمیرات 95
خلافت / خلفاء
حضرت ابو بکرؓ اور انتخاب خلافت 56
حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارہ میں مشاورت 59
حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتوحات 104
خلافت کے بعد حضرت عمرؓ کا پہلا خطاب 63
حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام میں اختلافات کا آغاز اور اس کی وجوہات 343
خلفاء پر کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی جس سے انہوں نے خوف کھایا ہو 235
خلفائے راشدین کے دور کی جنگیں اور حضرت مصلح موعودؓ کا اقتباس 213

دعا
دعا کی قبولیت کے چند واقعات، حضرت عمرؓ کی 285
آنحضرت ﷺ کا حضرت عمرؓ کو دعا کے لئے کہنا
259
حضرت عمرؓ کی شہادت کے لئے آپ ﷺ کی دعا 220
رشتہ
اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لئے لوگ کیا معیار رکھتے ہیں 281
رؤیا
حضرت عمرؓ کی وفات اور صحابہؓ کے رؤیا 222
اذان کی ابتداء کی تفصیلات اور حضرت عمرؓ کا رؤیا 24
شہادت
حضرت عمرؓ کی شہادت کی تفصیل 224
حضرت عمرؓ کی شہادت کے لئے آپ ﷺ کی دعا 220
حضرت عمرؓ کی شہادت میں ہرمزان کا ہاتھ تھا؟ 136
صلح حدیبیہ
مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح نامہ 191
صلح حدیبیہ کی تفصیل اور حضرت عمرؓ کا جوش 39
صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر حضرت عمرؓ کے بھی دستخط تھے 43
عبادت
جنگوں کے دوران مسلمانوں کی عبادات کا رنگ 212
عورت
مسلمان عورتوں کی بہادری کے کارنامے 181
ایک جنگ میں مسلمان خواتین کی ہمت و دلیری 113
عیسائی
مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلح نامہ 191
اموال غنیمت
اموال غنیمت کی تقسیم پر حضرت عمرؓ کا خطاب کہ امت مسلمہ کی تباہی کا اندیشہ مسلمانوں سے ہی ہے 157،158
فتوحات
حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتوحات 104
فرعون
ابوجہل فرعون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر 18
قحط
قحط اور حضرت عمرؓ کی بے تابی اور حسنِ انتظام 79
قرآن
جمع قرآن 58
قیدی
بدر کے قیدیوں کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا مشورہ اور روایات میں ایک ابہام اور اس کا حل 26
لائبریری
اسکندریہ کی لائبریری جلائے جانیکی حقیقت 208
مالی قربانی / زکوٰۃ
حضرت عمرؓ کا گھر کا آدھا مال پیش کرنا اور...... 49
مانعین زکوٰۃ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی گفتگو 57
مردم شماری
مردم شماری اور راشننگ سسٹم 84
مستشرق
مستشرقین کا حضرت عمرؓ کی تعریف کرنا 247
مسجد
مسجد نبوی کی توسیع عہد عثمانؓ میں 376
مسجد نبوی میں توسیع کی تفصیل 83
مشورہ
بدر کے قیدیوں کے بارہ میں حضرت عمرؓ کا مشورہ اور روایات میں ایک ابہام اور اس کا حل 26
معاہدہ
آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے ابوجہل کے ساتھ حضرت عمرؓ کا معاہدہ...... واقعہ جو قبولیت اسلام کا باعث بنا 16
منافق
منافقین کے اعتراض حضرت عثمانؓ کے بارہ میں 374
غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر منافقین کی ایک شرارت 37
مؤاخات
دو مرتبہ ہوئی ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں 23
نصیحت
جماعت کو نصیحت 213
نماز
جنگ خندق اور نمازوں کو جمع کرنے کی بابت روایات 38
وصیت
نبیؐ کی بیماری میں وصیت کا اظہار اور صحابہ کا ردعمل 50
ہجرت / ہجری
ہجرت حبشہ 306
حضرت عمرؓ کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا 22
ہجری کیلنڈر کی ابتداء 99

اسماء

آذِیْن بن ھُرْمُزَان کا ایرانی لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کرنا 130
ابانْ جَاذَوَیْہ، رے کا حاکم 154
ابان بن سعید 332،184
اَبان، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
ابجر بن جر موز 477
حضرت ابراہیمؑ 438،404،307،252
کُوٹی میں آپ کو نمرود نے قید کیا 127
ابن ابی سفیان 482
ابن اثیر 465،457،455،450،188،،110،109
ابن ازہر 395
ابن اسحاق
401،369،307،306،304،144،57،46
ابن التین علامہ 387
حضرت ابن ام مکتومؓ، مدینہ کی طرف ہجرت 23
ابن آثال، عمرؓ کے دور میں وزیر خزانہ تھا 98
ابن تیمیہ امام 466
ابن جریر 385
ابن جوزی علامہ 466
ابن حجر عسقلانی 100،36
اسلامی کیلنڈر کے محرم سے آغاز کے بارے میں رائے 101
ابن حجر علامہ، بخاری کے شارح 228
ابن حجر، ایک روایت کو معضل قرار دینا 100
ابن حنفیہ 459
ابن خلدون 339،209،192،109
ابن سعد علامہ 369،337
ابن سعید بن یربوع 385
ابن شہاب 395،291،100،46
ابن عامر 386
ابن قمئہ 422،315،32،31
حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کرنا 30
ابن قناطیر 182
ابن کثیر 438،437
ابنِ لَبِیْبَہ 312
حضرت ابن مسعودؓ کا حفظ قرآن ثابت ہے 253
ابن ملجم حضرت علیؓ کا قاتل 463،460،459
ابن نبّاح، حضرت علیؓ کا موذن 461
اِبنِ ہُذَیْل 130
ابو الاشہب سعدی 340
ابو الحسن، حضرت علیؓ کی کنیت
480،443،435،400،76
ابو العاص بن امیہ، حضرت عثمانؓ کا چچا جو آپ پر ظلم کرتا
304
ابو الفرج ملطی 209،208
ابو القاسم، رسول اللہ ﷺ کی کنیت 462،110
حضرت ابو امامہؓ 355
حضرت ابو ایوب انصاریؓ 458
ابو بحر 467
حضرت ابو بردہؓ 223
ابو بشیر عابدی 369
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
،190،173،121،64،61،60،56،55،52،49،44،29،23
،246،245،244،243،235،234،223،214،213،191
،273،271،270،269،268،265،262،259،248،247
،324،313،307،303،302،301،300،298،276
،367،366،363،377،376،351،342،332،331
482،480،478،476،475،375،373،371،370،368
اسلام کے آدم ثانی 398،299
دمشق کا محاصرہ 163
_ جنت کی بشارت ملنا 370
_ حضرت عمرؓ کا ابو بکرؓ کو قرآن کی ترتیب پر آمادہ کرنا
103

_ حضرت عمرؓ کے ساتھ مواخات 410
_ احد پہاڑ پر چڑھنا اور اس کا ہلنا 220
_ آپؓ کی تبلیغ سے حضرت عثمانؓ کا قبول اسلام 367، 368
_ بڑے نرم طبیعت کے مالک 274
_ بڑوں میں سب سے پہلے اسلام لانا 402
_ جنت میں تمام بڑی عمر کے لوگوں کے سردار 251
حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمرؓ کے درمیان مؤاخات 23
_ ایک اہم وصیت 105
_ بدر کے موقع پر مشورہ 25
_ اصحاب کے ہمراہ بدر میں اونٹ پر باری باری سوار ہونا 25
_ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں مشورہ دینا 26
_ غزوہ اُحد میں ابوسفیان کا ابو بکرؓ و عمر کے نام لے کر پکارنا...32
_ صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر دستخط 42
_ ابوسفیان کا صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید چاہنا اور آنحضرتؐ کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ کے پاس آنا 44
_ حضرت علیؓ نے فرمایا ابو بکرؓ سب سے زیادہ بہادر ہیں 475، 476
_ حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست کرنا 414
_ آپؓ کی وفات کے وقت سُنح میں تھے 51، 52
_ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ردعمل 105
_ یہ نظریہ پیش کرنا کہ باقی سب انبیاء فوت ہو چکے ہیں 55
_ رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی ابو بکرؓ کے ہاتھ میں 373
_ زمین پر رسولِ کریم ﷺ کے وزیر 275
_ صحابہ میں سب سے دلیر ابو بکرؓ ہیں 466، 467
_ عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373، 469
_ علیّین میں سے 251
_ عمرؓ کا آپؓ کو جمع قرآن کی تجویز دینا 58، 103، 252، 253
_ آپ ﷺ کے حکم میں ذرا تاخیر نہ کرنا 105
_ حضرت ابو بکرؓ کا بیمار ہونا 105
_ حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام جانے کا حکم دینا 106
_ حضرت عمرؓ کو بلا کر وصیت کرنا 105
_ فارس کے ساتھ جنگ ہونا 105
_ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کی وصیت 105
_ فتوحات ایران و عراق کے بارہ میں وصیت 105
_ مسجد نبوی کو نبیؐ کے زمانہ کے مطابق رہنے دینا 83
_ خیبر کے باغات کا معاملہ آنحضرتؐ کے مطابق رکھا 46
_ حضرت عمرؓ کا کہنا کہ آپ لوگوں سے کیسے لڑیں گے جبکہ وہ لا الٰہ الّا اللّٰہ کا اقرار کریں 57
_ آپ کے دور میں جمع کیا جانے والا قرآن بعد میں کس کس کے پاس رہا، تفصیل 59
_ حضرت حفصہؓ کے رشتہ سے انکار اور وجہ 28
_ خلافت کے لئے ابو عبیدہؓ اور عمرؓ کا نام پیش کرنا 57
_ عثمانؓ سے عمرؓ کی خلافت کی بابت وصیت لکھوانا 60، 61
_ مختلف صحابہ سے عمرؓ کی خلافت کی بابت مشورہ 59
_ دنیا کا آخری اور آخرت میں جانے کا پہلا عہد 61
_ اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کے وقت عمرؓ کو اپنے پاس روکنا 58
_ مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اور اس کا سدباب 57، 58
_ مسجد نبوی کی توسیع کی بنیاد میں اینٹ رکھنا 375
_ آپؓ کے دور میں اسلامی جنگوں اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہونا 104
_ امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے 382
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
_ یورپین مصنفین کا آنحضورؐ پر اعتراض مگر ابو بکرؓ و عمرؓ کے ذکر پر ان کی محنت اور قربانی کو تسلیم کرنا 66
_ آنحضورؐ کا قریش کے متعلق حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ 34
__ وفات و تدفین 105
__ تدفین کے بعد آپؓ کی قبر سے عمرؓ کا مٹی جھاڑنا 63
حضرت عمرؓ کا آپؓ کی وصیت پر عمل کرنا 105
سقیفہ بنو ساعدہ کے واقعہ کی تفصیلات 56، 57
_ عمرؓ کا ابو بکرؓ کی رقیق القلبی اور نرم مزاجی کا ذکر کرنا 65
_ وہ مال جو ابو بکرؓ نے وفات کے وقت عمرؓ کو دے دیا 62
_ حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارہ میں ابو بکرؓ کی وصیت کا پڑھ

کرسنایا جانا اور ابو بکرؓ کی صحابہ اور عمرؓ کو نصیحت 61، 62
_لوگوں کے عمرؓ کے غصہ کا اظہار اور ابو بکرؓ کا جواب 63
ابو بکر بن عبد الرحمٰن 45
ابو بکر عیسیٰ 94
حضرت ابو بکرہؓ 276، 334
ابو تراب، حضرت علیؓ کی کنیت 467
ابو جحیفہ 276
ابو جعفر محمد بن علی 429
ابو جعفر 69، 335
ابو جہم بن حذیفہ 369
حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ کی حبشہ کی طرف ہجرت 308
حضرت ابو درداءؓ 339
حضرت ابو ذر غفاریؓ 339
ذات الرقاع میں ابو ذر غفاریؓ کو مدینہ کا امیر بنانا 326
ابو زَہر اُقَیشِری 164
ابو سَبْرَہ بن رُھْم کا سَاسَانی بستیوں کو فتح کے کرنا 138
ابو سبطین، حضرت علیؓ کی کنیت 400
حضرت ابو سعیدؓ
251، 255، 263، 270، 271، 274، 275، 384، 435
ابو سعید مقبری 189
ابو سعید، حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ 384
ابو سفیان 39، 44، 164، 291، 322
ابو سفیان کا غزوہ اُحد میں ابو بکرؓ و عمر کے نام لے کر پکارنا... 32
غزوہ حمراء الاسد کے موقع پر ابو سفیان کے دل میں رعب 34
فتح مکہ کے موقع پر عمرؓ کا ابو سفیان کی گردن مارنے کی اجازت مانگنا 45
ابو سفیان کو ہند کا غیرت دلانا 181
ابو سفیان کا اپنے بیٹے یزید کو شجاعت دکھانے کی نصیحت 183
ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 308
ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ رسول کریم ﷺ کے رضائی بھائی 411

ابو سنان 463
ابو سہلہ حضرت عثمان کے آزاد کردہ 342، 374
ابو طالب 411، 413، 424
_حضرت علیؓ کے والد 400، 401
_بیٹے کا نام علی رکھنا 400
_رسولِ کریم ﷺ کے چچا 306، 404
_رسول کریم ﷺ کی حمایت کرنا 404
ابو طالب، عبدِ مناف کی کنیت 400
ابو طلحہ 246، 335
ابو عبادہ سعد بن عثمان، حضرت عثمانؓ سے مواخات 311
ابو عبد اللہ، حضرت عثمانؓ کی کنیت 304، 306، 381
ابو عبید، ابن ازہر کا آزاد کردہ 395
حضرت ابو عُبَیدؓ ثقفی رضی اللہ عنہ
_لشکر لیے ہوئے خَفَّان میں حضرت مُثَنّٰی سے ملنا 107
_جَابَانْ کو گرفتار کرکے ابو عُبَید کے پاس لایا جانا 108
_جالینوس کو شکست دینا 109
_نَرْسِیْ کو سَقَاطِیَہ کے میدان میں شکشت دینا 108
_جالینوس کے لشکر کی اطلاع ملنا 108
_جہاد کے لئے اَنَا لِھٰذَا کا نعرہ مارنا 105
_جنگ جسر میں لشکر کے سپہ سالار 109
_ہاتھی کے پاؤں کے نیچے آکر شہید ہونا 109
_بیوی کا خواب اس کی تعبیر شہادت 110
_رائے کہ مسلمانوں کی فوج دریا عبور کرے 109
_حضرت عمرؓ کا امیر لشکر بنانا 106
حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ
164 تا 168، 170، 171، 174، 176، 177، 178، 179، 184 تا 189، 192، 195، 196، 198، 199، 200، 283، 284، 285، 325، 332
_اس امت کے امین 382
_عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373، 468
_صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر دستخط تھے 42
_خلافت کے لئے ابو عبیدہؓ اور عمرؓ کا نام پیش ہونا 57
_حضرت خالد بن ولیدؓ کو بقاع کی مہم پر روانہ کرنا 163

_ دِمشق پر یزید بن ابوسفیانؓ کو اپنا قائم مقام بنانا 164
_ زبردست جنگی حکمت عملی 169
_ حضرت عمرؓ کی ضیافت نہ کرنا 193
_ حمص میں باغیوں کا چاروں طرف سے گھیر لینا 197
_ حضرت عمرؓ کا ابوعبیدہؓ کی سادگی پر فرمانا تم میرے بھائی ہو 193
_ طاعون کی وجہ سے وفات 284
_ حمص چھوڑتے ہوئے وصول شدہ جزیہ واپس کرنا 175
ابوعبیدہ بن عبداللہ 38
ابوعثمان نہدی 369،469،289
حضرت ابوقتادہ انصاریؓ، 258
حضرت ابوقحافہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے والد 291
ابولہب رسول کریم ﷺ کے چچا 407،405 306،305
ابولؤلؤہ فیروز، حضرت عمرؓ کو شہید کرنے والا 228 تا 233
ابولیلیٰ کندی 360
ابومخلد 246
ابومریام، اہل بلبیس کے راہب 202
ابومریم، اہل بلبیس کے راہب 202
ابومعشر 369،339،224
ابو ملیح 375
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ
370،298،257،250،133،102،99،95
_ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان حکم 455تا457
_ حضرت عمرؓ کے بارے خواب دیکھنا 223
_ بصرہ کے علاقے کے امیر مقرر ہوئے 131
_ شہر سُوْس کی طرف روانہ ہونا 132
_ مَاسَبَذَان کو بغیر لڑائی کے فتح کرنا 131
_ نہر تِیرِیٰ کو اَہْوَاز کے ساتھ فتح کرنا 132
_ غزوہ خیبر کے بعد مسلمان ہونا 326
_ دربار حضرت عمرؓ میں تین بار اجازت لینا 271،270
حضرت ابوہریرہؓ 57، 251، 252، 255،
418،396،381،361،312،272،271
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
_ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
_ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرنے والوں میں شامل 357
ابووائل 246
ابویقظان، حضرت عمار بن یاسرؓ کی کنیت 411
ابویوسف امام 341
اَبُو الْاَعْوَر سُلَمِی 164
اَبُو الْاَعْوَر، سعید بن زید کی کنیت 247،183،166
ابوالبختری کا بدر میں قتل نہ کئے جانے کا حکم 2
حضرت ابوالدرداءؓ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
اَبُو الْفَرْخَان زَیْنَبِی ایرانی سردار مسلمانوں سے مصالحت کرنا 151
اَبُو الْفَرْخَان زَیْنَبِی کا خفیہ راستے سے شہر کے اندر جانا 151
ابوجعفر 69
حضرت ابوجندلؓ کا صلح حدیبیہ کے موقع پر بیڑیوں میں آنا، تفصیل 40
ابوجہل 423،414،329،328،327،321،318،182
_ قبول اسلام کے لئے آنحضرتؐ کی دعا 6
_ رسول ﷺ کو گالیاں دینا اور حمزہؓ کا کمان مارنا 2
_ فرعون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے 18
_ حضرت عمرؓ کی والدہ کی رشتہ داری 1
_ آنحضورؐ کے قتل کا اعلان اور انعام 17،16،7
_ حضرت عمرؓ کا اپنے قبول اسلام کے بارہ میں بتانا... 19
ابوحذیفہ بن عتبہؓ کا ایک کلمہ کی وجہ سے بے چین اور شہادت 2
ابوحفص، عمرؓ کی کنیت 1
ابوحنیفہ دِیْنَوَرِی کتاب اَخْبَارُ الطِّوَال کے مصنف 133،106
ابوحنیفہ 141
حضرت ابوذر غفاریؓ کو غزوہ بنو مصطلق پر مدینہ کا امیر مقرر کرنا 35
اَبُو سَبْرَہ بن رُھْم دو لشکروں کے کمانڈر 133
حضرت ابوسعید خدریؓ 83،425تا437

ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن 75
ابو سلمہ 37
ابو طاہر محمش 100
ابو عثمان 274
ابو عمر 1
ابو عمرو، عاص بن وائل کی کنیت 20
حضرت ابو قتادہؓ کا حنین کے موقع ایک مشرک کو قتل کرنا 48
ابو الحسن 480
سعد بن ابی وقاصؓ نے اَبُو مُفَزِّر اَسْوَدْ کے ہاتھ قیدی بھجوائے 129
حضرت ابی بن کعبؓ 220
_بہتر قرآن پڑھنے والے 479
_سب سے زیادہ قرآن جاننے والے ہیں 382
_عمرؓ کے ساتھ جھگڑا جس کا فیصلہ زید بن ثابتؓ نے کیا 91
_حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے ممبر 88
_حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
احمد امام 100
احمد ﷺ، مکہ میں ظاہر ہو چکا ہے 305
احنف بن قیس 134، 156، 295، 340، 341
اَحْنَف بن قیس اہل مشرق کے سردار 156
_حضرت عمرؓ کو ایران میں پیش قدمی پر امادہ کرنا 140
_بلخ میں کامیابی 157
_خُرَاسَان کا جھنڈا اَحْنَف بن قَیس کے سپرد 149
_مِہرجان قَذَق پر قبضہ کرنا 155
_یَزْدَجَرد کی افواج سے مقابلہ ہونا 155
احیمر، حضرت صالح کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا 412
ارطبون 202، 204
ارطبون کا جنگ بلبیس میں مارا جانا 203
حضرت ارقم بن ارقمؓ کا مکان اسلام کا مکہ میں مرکز تھا 10
ارمانوسہ مقوقس کی لڑکی 203
حضرت اروىٰ بنت کریزؓ، حضرت عثمانؓ کی والدہ 304
اروىٰ بنت کریزؓ کا صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لانا 304
ازدی 184
حضرت اسامہ بن زیدؓ 58، 82، 91، 346، 436
_لشکر صحابہ کے اجماع کے بعد گیا 55
_روانگی کے وقت ابو بکرؓ کا عمرؓ کو اپنے پاس روک لینا 58
_امیر لشکر بننے پر لوگوں کے اعتراضات 346
_رسول کریم ﷺ کو غسل دینا اور قبر میں اتارنا 436
اسامہ بن زید بن اسلم 82
اُسْتَنْدَار، اصفہان میں ایرانی سپہ سالار 150
اُسْتَنْدَار کا حضرت عبد اللہ بن عبد اللہؓ سے مصالحت کرنا 150
اسحٰق بن عبد اللہ 335
حضرت علیؓ کی والدہؓ نے آپ کا نام اسد رکھا 400
اِسْفَنْدِیَاذْ بن فَرُّخْزَاذ کا مسلمانوں سے صلح کرنا 152
اِسْفَنْدِیَاذْ بن فَرُّخْزَاذ رستم کا بھائی 152
بَہْرَام، اسفندیاذ کا بھائی 152
اسلم کا عمرؓ کے ساتھ جانا اور بھوکے بچوں کو کھانا کھلانا 70
اسلمؓ، حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ، 73، 75، 80، 281، 295
اسماعیل پروفیسر 209
حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ 307
اسماء بنت عمیس 466، 485
اسماء بنت عمیس کا حضرت عمرؓ کی رؤیا کی تعبیر کرنا 223
اشتر 349
اَشْرَس بن عَوف 133، 134
اَشْعَث بن قَیس کِندی کا ایک ہزار سات سو یمنی سپاہیوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہونا 116
اشعث بن قیس 296، 460
اَشق، حضرت عمرؓ کا عیسائی غلام 294
اصحمہ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا نام 308
اصمعی 386
اطربون، عربی کتب میں ارطبون لکھا ہے 189
اعمش 255
افرودین، ایران میں غیر مسلم فوجی افسر 98

افروزین 98
افلح بن حمید 378
اقرع بن حابس 340
ام ابان، حضرت عثمانؓ کی بیٹی 397
اُمّ البَنِین بنت حِزَام بن خالد، حضرت علیؓ کی زوجہ
466
ام البنین بنت عُیَیْنَہ بن حِصْن فزاریہؓ، حضرت عثمانؓ کی
زوجہ 397
حضرت ام ایمنؓ 415
ام ایمن رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم ؓ کو شادی والے دن
تیار کیا 313،312
ام جعفر، حضرت علیؓ کی لونڈی 459
حضرت ام حبیبہؓ کا رسول کریم ﷺ سے عشق کا واقعہ
350
حضرت ام حبیبہؓ کا حضرت عثمان کی مدد کے لیے آنا
351،350
امّ حرام بنت ملحانؓ کو رسول کریمؐ کا شہادت کی خبر دینا
339
ام حکیم بنت حارث، حضرت عمرؓ کی بیوی 247
ام حکیم بَیْضَاء بنت عبد المطلب، نبی کریم ﷺ کی
پھوپھی 304
اُمّ سعید بنت عُرْوَۃ بن مسعود ثَقَفِی، حضرت علیؓ کی زوجہ
466
ام سعید، حضرت عثمانؓ کی بیٹی 397
امّ سلمہ، ابو سلمہؓ کی زوجہ، حبشہ کی طرف ہجرت کرنا
308
حضرت ام سلمہؓ، ام المؤمنین 458،415،317
حضرت امّ سلیطؓ، جنگ احد کے دن مشکیں اٹھانا 278
ام عبد اللہ بن ابو حثمہؓ، کی اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت
کا واقعہ 4
امّ عطیّہ 479
حضرت ام عمرو، حضرت عثمانؓ کی بیٹی 397
ام عمرو بنت جندب ازدیہ، حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397
حضرت ام کلثوم بن علیؓ، عمرؓ کی اہلیہ جو ایک خیمہ میں دردِزہ
میں مبتلا خاتون کے پاس گئیں 75
ام کلثوم بنت ثمامہ 386
حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ
432،381،305،304
_ حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397،312
_ آپؓ کا حضرت ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ شادی
کا ارادہ 29
_ 9ھ میں وفات 313
ام کلثوم بنت علی بن ابو طالبؓ، حضرت عمرؓ کی بیوی
463،278،247
حضرت ام ہانیؓ، حضرت علیؓ کی بہن 472،432
ام ہانی بنت ابی طالبؓ کا فتح مکہ کے دن لوگوں کو امان دینا
432
اُمَامَہ بنت ابو العاص بن ربیع زینبؓ کی بیٹی نبی ﷺ کی
نواسی 466
اُمَامَہ بنت ابو العاص بن ربیع حضرت علیؓ کی زوجہ 466
حضرت انس بن مالکؓ 220،134،
275،274،264،257،251،246،245،223،
371،358،355،335،313،306،292،277،
469،414،410،382،381،373،372
انس بن نضر انصاریؓ، غزوہ احد میں فدائیت کا انداز 31
اوس بن ثابت 311
ایڈورڈ گبن، حضرت عمرؓ کی تعریف میں لکھنا 247،209
ایوب بن موسیٰ 4
باہان، رومی سپہ سالار 177
جنگ سے قبل مسلمانوں کو انعام پیش کرنا 179،178
بٹلر پروفیسر، یوحنا النحوی کے بارے تحقیق کرنا 209
امام بخاری 262،145،104
_ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کے متعلق لکھنا 104
بخت نصر 218
بدر بن عثمان 338
بدیل بن ورقا 321،319،318

حضرت براء بن عازبؓ 23، 404، 425
براء بن معرور 291
برک بن عبد اللہ تمیمی کی معاویہؓ کو قتل کرنے کی کوشش
460
بریدہ اسلمی 45
حضرت بریدہ بن حصیبؓ کو بنو مصطلق کی طرف حالات کے
علم کے لئے روانہ کیا جانا 35
حضرت بریدہؓ 27
البزار 475
بسبس بن عمروؓ کا بدر کے وقت مشرکین کی خبر دریافت
کرنے جانا 412
بسر بن سفیانؓ کا حدیبیہ سے پہلے مدینہ خبر رسانی کے لیے
بھیجنا 317
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ
24تا30، 32تا36، 39، 42، 126، 254، 308، 310،
314تا316، 401، 402، 405، 411، 412، 414، 424
بشیر بن خَصَاصِیَّہ کو حضرت مثنّیٰ کا اپنا جانشین مقرر
کرنا 117
بطریق، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا 177
حضرت بُکیر بن عبد اللہؓ 152، 153
_اہلِ موقان کو صلح کی تحریر دینا 154
_موقان بھیجنا 153
_حضرت عمرؓ کا آذربائیجان کی مہم کے لیے بھیجنا 152
_آرمینیا کی طرف بڑھنا 153
_آذربائیجان کا جھنڈا سپرد کرنا 149
بلاذری
106،، 109، 131، 132، 150، 163، 171، 184، 191
حضرت بلالؓ کا اذان کے الفاظ سیکھنا 24
حضرت بلالؓ کا حضرت عمرؓ کے اصرار پر اذان دینا
194، 195
بلالؓ کا اذان دینا اور غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازوں کی
ادائیگی 38
بلال 256
بِنْدَوَیہ، ایرانی لشکر کے ایک بازوں کا کمانڈر 108
بَهْمَن جَاذُوَیہ کا ایرانی اراکین سلطنت میں باہمی اختلاف
کی وجہ سے واپس جانا 110
بَهْمَن جَاذُوَیہ کو حضرت قعقاعؓ کا قتل کرنا 121
بَهْمَن جَاذُوَیہ، جنگ جسر میں ایرانیوں کے لشکر کے سپہ
سالار 109
بَیْرُوز کا عہد شکنی کرکے بغاوت کرنا 131
بیہقی امام 161، 437
پلوٹارک(Plutarch) 210
تمیم داری 103
تُوذَرَا بِطْرِیق 167، 168
تِیْرَوَیہ، ایرانی لشکر کے ایک بازوں کا کمانڈر 108
تیمور 218
تیوفل، ایک پادری 209
تھیوفلس(Theophilus) اسکندریہ کا بشپ 211
ثعلبہ بن ابو مالک 278، 411، 467
ثمامہ بن حزن قشیری 375
جَابَانْ 107
جَابَانْ ایک بوڑھا تجربہ کار ایرانی سپہ سالار 107
جَابَانْ کی مدد کے لیے رستم کا جالینوس کو بھیجنا 108
جَابَانْ، جنگ نمارق میں آپ کا زندہ گرفتار ہونا 108
حضرت جابر بن عبد اللہؓ
37، 275، 334، 373، 393، 468
جاحظ 298
جارج کا مسلمان ہونا 177، 178
جارج، عربی کتب میں اس کا نام جرجہ بیان ہوا ہے 177
جارج کا ابو عبیدہؓ سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق پوچھنا
177، 178
جالینوس ایرانی کمانڈر جس کو رستم نے جابان کی مدد کے لئے
بھیجا 108
جالینوس کا بَارُوسَمَا کے علاقے میں لشکر انداز ہونا 109
جالینوس کا شکست کے بعد میدان سے بھاگنا 109
جالینوس کو رستم کا فوج کا سپہ سالار مقرر کرنے کا بادشاہ کو
مشورہ 118

جامع بن شداد 64،63
جبار بن صخر، اہل مدینہ کے لئے محاسب تھے 47
جبّار، بنو ثعلبہ کا بدوی 314
حضرت جبرئیل
7، 220، 275، 386، 414، 422، 464، 479
جَبْر بن ابو عُبَید کا دومہ کی خواب میں مشروب پینا 110
جبلہ بن ایہم کا اپنی قوم سمیت مرتد ہونا 78
جبلہ بن ایہم کا ایک مسلمان کو حج کے دوران تھپڑ مارنا اور عمرؓ کا عدل و انصاف 77
حضرت جبیر بن مطعمؓ کا حضرت عثمانؓ کی نماز جنازہ پڑھانا 369
جبیر بن نفیر 269
جعدہ بن ہبیرہ، حضرت علیؓ کا بھانجا 465
جَرِیْر بن عبدُاللہ بَجَلّی 144
جُشْنَس مَاہ کا جنگ نمارق میں ایرانی لشکر کے بازوؤں کی کمان کرنا 107
حضرت جعفر بن ابو طالبؓ 379
جعفر بن محمد 246
جعفر صادق امام 465
حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ کا بھائی 400، 401
جفینہ 229، 231، 232، 233
جفینہ حیرہ کے نصاریٰ میں سے ایک نصرانی 230
جفینہ کو عبید اللہ بن عمر کا قتل کرنا 230
جمانہ حضرت علیؓ کی بہن اسلام قبول نہیں کیا 400
جمیع بن عمیر 467
جمیل بن معمر جمحی قریش میں سب سے زیادہ باتیں پھیلانے والا 19
جمیلہ بنت ثابت کا نام عَاصِیَہ تھا آنحضور ﷺ نے تبدیل کر کے جَمِیلَہ رکھ دیا تھا حضرت عمرؓ کی بیوی 247
جُنْدُبْ 152
جولیس سیزر 211، 250
جویریہ ابوسفیان کی بیٹی امیر معاویہؓ کی بہن 180
چنگیز خاں 215، 218، 219
حارث بن ابی ضرار کا مدینہ پر حملہ کا ارادہ 35
حَارِث بن حسان کو سَرَخَس کی طرف بھیجا جانا 155
حارث بن مرّہ 458
حَارِث بن ہشام 166
حارث بن ہشامؓ کی طاعون کی وجہ سے وفات 284
حضرت حارثہ بن نعمانؓ 417
حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ 430
حضرت حاطبؓ کا خفیہ طور پر اہل مکہ کو خط...... 47
حضرت حباب بن منذرؓ کو جھنڈا دیا جانا 46
حبّاس بن قیس کا جنگ میں پاؤں کا کٹنا اور پتہ بھی نہ چلنا 184
حبیب بن ابو ثابت 436
حبیب بن مَسْلَمَہ کو تَفْلِیْس بھیجنا 153
حبیب بن مسلمہ، افسر خزانہ 174
حبیب بن مسلمہ کے ہاتھ آرمینیا کی فتح 340
حذافہ 257
حضرت حذیفہؓ، نبی کریم ﷺ کا رازدار 261
حُذَیفہ بن اُسَید کو لَانْ بھیجنا 153
حُذَیْفَہ بن اُسَیْد غِفَارِی 153
حُذیفہ بن مِحْصَنؓ 119
حضرت حُذَیْفَہ بن یَمَانؓ
144، 147، 184، 224، 247، 268، 275، 387، 388
_ بازوؤں کی کمان کرنا 145
_ حضرت نعمانؓ کے جانشین 147
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
حُرّ بن قیس 290
حزام بن ہشام 79
حسّان بن ثابت 311
حضرت امام حسنؓ
263، 358، 442، 443، 459، 463، 465
_ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد خطبہ دینا 464
_ حضرت علیؓ کا بیٹا 466
_ حضرت علیؓ کی نماز جنازہ پڑھائی 464
_ حضرت عثمانؓ کے گھر کا پہرا دینا 442، 443
_ عمرؓ کا حسنؓ اور حسینؓ کو سوار کرنا اور ان کو حُلّے عطا کرنا

69
_حضرت عمرؓ کا حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کا اظہار 68
حضرت امام حسینؓ
485،484،472،471،465،459
_حضرت علیؓ کا بیٹا 466
_حضرت عثمانؓ کے گھر کا پہرا دینا 443،442
_عمرؓ کا حسنؓ اور حسینؓ کو سوار کرنا اور ان کو حلے عطا کرنا 69
_حضرت علیؓ سے سوال 471
حسن (راوی) 372،63
حسن ابراہیم حسن ڈاکٹر 209
حسن بصری 296
حُصین مری 64
حُطیئہ، مشہور ہجو گو جس کو حضرت عمرؓ نے قید کیا 298
حضرت حفصہؓ ام المومنینؓ 233،226،221،
388،387،379،265،264،247،239،234
_آنحضرتؐ سے شادی 28
_آپؓ کے پاس حضرت ابو بکرؓ والا قرآن رہا 59
حکم بن ابو العاص، حضرت عثمان بن ابو العاصؓ کے بھائی 159
حکم بن صلت 372
حکم بن عمرو 163
حکم بن عمرو کے ہاتھوں مکران کی فتح 162،149
حکیم بن جبلہ 447،349
حضرت حکیم بن حزامؓ 369
حلیس بن علقمہ کا صلح حدیبیہ کے وقت مذاکرات کرنے آنا
320
حمران، حضرت عثمان کے آزاد کردہ غلام 394
حمران بن ابان 396،345
حضرت حمزہؓ نے عمرؓ سے تین روز قبل اسلام قبول کیا 2
حضرت حمزہؓ کا دار ارقم میں عمرؓ کے آنے پر رد عمل
14،10
حمزہ بن عبد المطلبؓ کا بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 413
ابو جہل کا رسول ﷺ کو گالیاں دینا اور حمزہؓ کا کمان مارنا 2
حضرت حمزہؓ، رسول کریم ﷺ کے چچا 405

حضرت حمزہؓ ابتدائے اسلام میں بہادر سمجھے جانے والوں میں سے
15
حمید بن ہلال 63
حنتمہ بنت ہاشم حضرت عمرؓ کی والدہ 1
حنظلہ بن ربیع 355
حویرث بن نقید کو حضرت علیؓ کا قتل کرنا 433
حویرث بن نقید کا فتح مکہ کے موقع پر قتل کیا جانا 432
خارجہ بن حذافہ 204
خارجہ بن زید بن ثابتؓ 379،376
خارجہ 355
خاقان، ایک ترک سردار 156
خاقان سے یزدجرد کا امداد کی درخواست کرنا 155
خالد، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
حضرت خالد بن ولیدؓ 105،165،167،168،169،170،
174،177،178،179،181،182،183،187،188،
189،190،192،196،197،199،**298**،314،318،
434،440
_جنگ اُحد میں مسلمانوں پر حملہ 30
_حضرت ابو عُبیدہؓ کا بقاع کی مہم پر روانہ کرنا 163
_بقاع کو فتح کرنا 164
_حضرت ابو بکرؓ کا شام جانے کا حکم دینا 106
_عراقی افواج کی کمان 106
خالد بن ہلال کا جنگ بویب میں شہید ہونا 112
حضرت خبابؓ کا حضرت عمرؓ کی آواز سن کر چھپنا 9
حضرت خدیجہؓ ام المومنین 402، 403، 416
حضرت خراش بن امیہؓ کا صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی طرف سے مذاکرات کرنے جانا 321
حضرت خزیمہ انصاریؓ کے پاس سورۃ توبہ کی دو آیات کا ملنا
59
خسرو پرویز 124،215،216
خُسرَو شَنُوم، ایرانی سردار 148
خسرو، ایران میں غیر مسلم فوجی افسر 98
خُسرُو شنُوم کا حُلوان سے شکست کھا کر بھاگنا 130
خطاب، حضرت عمرؓ کے والد 1، 258،267،272،290

خفاف بن ایماء غفاری، حدیبیہ میں نبی کریم صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ
279
خلید بن عبد اللہ حنفی 341
خنیس بن حذافہ سہمی، حفصہؓ کے پہلے خاوند، ان کی وفات
28، 29، 30
خوات بن جبیر 285
حضرت خولہؓ کا جنگ کے دوران شعر پڑھنا 181
خولہ بنتِ جعفر بن قیس، حضرت علیؓ کی زوجہ 466
حضرت داؤدؑ 367
دِحیہ بن خَلیفہ 164
درنجار، رومی سپہ سالار 182
دعثور بن حارث 314
دَوْمہ، حضرت ابو عُبَیدؓ کی بیوی 109
دَوْمہ کا حضرت ابو عُبَیدؓ کی شہادت سے قبل خواب دیکھنا
110
امام رازیؒ کا بدر کے قیدیوں سے فدیہ کی بابت مؤقف
28
رِبعی بن عامر 119، 156
ربیع، حضرت مُہَاجِر بن زِیادؓ کا بھائی 132
ربیع بن مالک 369
ربیعہ 412، 413
رستم، مشہور ایرانی پہلوان
107، 108، 111، 118، 119، 120، 162
_ اراکین سلطنت کی بغاوت 110
_ اہل فارس کا سردار 112
_ حضرت مُثَنّیٰؓ کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کرنا 107
_ **بُوْرَان** کو معزول کر کے **یَزْدَجَرْد** کو تخت پر بٹھانا 112
_ حضرت مغیرہؓ کی بات سن کر سخت برہم ہونا 119
_ خراسان کے گورنر فَرُّخ زَاذ کا بیٹا 107
_ قادسیہ میں قتل ہونا 122
_ دربار میں حضرت رِبعیؓ بن عامرؓ کا بطور ایلچی جانا 119
حضرت رفاعہ بن عبد المنذرؓ کے ہاں عمرؓ کا قبا میں قیام 23
حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ 304، 313، 381
_ حضرت **رقیہ** رضی اللہ عنہ کی شادی 305، 397
_ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت 306، 307، 308
_ حضرت **رقیہ** رضی اللہ عنہ کی وفات 312
رُقَیّہ بنت عمر، حضرت عمرؓ کی بیٹی 247
رَمْلَہ بنت شَیْبَہ بن رَبِیعہؓ، حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397
حضرت زبیر بن العوامؓ
80، 204، 205، 244، 305، 335، 349، 354، 356، 357، 361، 373، 386، 412، 430، 440، 444، 445، 446، 447، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 470
_ عبد اللہ بن مسعودؓ کے ساتھ مواخات 410
_ عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373
_ بدر کے وقت مشرکین کی خبر دریافت کرنے جانا 412
_ خیبر کے اموال کی طرف جانا اور ایک ساتھی پر حملہ 47
_ آپؓ کہنا کہ جان اللہ کے راستے ہبہ کرنے جا رہا ہوں 206
_ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 308
_ حضرت عمرؓ کی خلافت کمیٹی میں شامل
335، 336، 337
_ خلافت کمیٹی کے ممبر 227
زہری امام 10، 46، 52، 341، 395، 463، 437
امام ابن شہاب کا کہنا کہ آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے تاریخ لکھنے کا ارشاد فرمایا 100
زِیاد بن ابو سُفْیَان، 129
زید اصغر، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
زید اکبر، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
زید بن اسلم 69، 82، 243، 278، 291، 335
حضرت زید بن ثابتؓ 252، 253، 361
_ جمع قرآن کا واقعہ 58، 59
_ حضرت ابی بن کعبؓ کا عمرؓ کے ساتھ جھگڑے کا فیصلہ کرنا
91
_ عثمانؓ کے کہنے پر قرآن کریم کی نقول تیار کرنا 387
_ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے ممبر 88، 89
_ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
_ فرائض کو جاننے والے 382
حضرت زید بن حارثہؓ 412

_ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لانا 403
_ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آنا 312
_ غزوہ بنو مصطلق کے موقع پر مدینہ کا امیر مقرر کیا جانا 35
حضرت زید بن خطابؓ 298
زید بن وہب 246
زین العابدین ولی اللہ شاہ 21، 50، 262، 394، 436
زینب بنت عمر، حضرت عمرؓ کی بیٹی 247
زینب بنت مظعون، حضرت عمرؓ کی بیوی 247
سَارِیہ بن زُنَیم کے ہاتھ فَسَا اور دَارَا بجِرْد کا جھنڈا
149
اچانک یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل کی آواز آنا 159، 160، 161
سالم بن عبد اللہ 295
حضرت سالمؓ کا حفظ قرآن ثابت ہے 253
سالم، شیبہ کا آزاد کردہ 257
حضرت سائب بن یزیدؓ 289، 394، 395
سپرنگر (Springer) کا حفاظتِ قرآن کا اقرار کرنا 388
سُرَاقہ بن مالکؓ کی سرکردگی میں حضرت عمرؓ کا لشکر بھجوانا
153
سعد بن ابی سرح 327، 340
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
115، 117، 119، 124، 129، 130، 133، 144، 154، 167،
197، 198، 230، 231، 233، 240، 244، 263، 272، 307،
325، 337، 354، 373، 412، 440، 463، 464
_ صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر دستخط تھے 42
_ عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373
_ حضرت عمرؓ کا معزول کرنا 141
_ قحط کے سال غلہ بھجوانا 80
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
_ حضرت عمرؓ کا مدینہ میں لشکر بھیجنے کے بارے میں لکھنا
111
_ خلافت کمیٹی کے ممبر 227
_ حضرت عمرؓ کا آپ کو رستم کے پاس دعوت دینے کے لیے لکھنا
118
_ مجاہدین کے ساتھ ایران کی طرف بھیجنا 116
_ بیماری کے باوجود لشکر کی کمان 120
_ عبد الرحمٰنؓ کا آپ کو کمانڈر بنانے کے بارے حضرت عمرؓ کو بتانا
115
_ محلات کو سنسان دیکھ کر آیت پڑھنا 128
_ سپاہیوں کی دیانتداری پر حیرت کا اظہار 128
_ مسلمانوں کو سورۂ انفال پڑھنے کا حکم دینا 120
_ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا 127
_ جنگ کے لیے قادسیہ کا میدان منتخب کرنا 124
_ حضرت ابراہیمؑ جہاں قید ہوئے اس قید خانہ کو دیکھنا 127
_ ساری رات جاگنا اور اللہ کے حضور دعائیں 122
_ مدائن کی فتح کا وعدہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھوں پورا ہوا 126
سعد بن مالکؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا دوسرا نام
115، 373
حضرت سعد بن عبادہؓ 46، 411، 467
حضرت سعد بن عبادہؓ کا کہنا کہ ایک امیر ہم میں اور ایک تم میں
سے 56
حضرت سعد بن عُبَیدؓ کا اپنے آپ کو جہاد کے لئے پیش کرنا
105
سعد بن مالکؓ حضرت عمرؓ کی خلافت کمیٹی میں شامل
115، 335، 373
حضرت سعد بن معاذؓ 31
سَعْد بن عُبَید 106
سعید، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
سعید بن ابو ہلال کا حضرت عمرؓ کی شہادت کے بارے خواب
دیکھنا 223
سعید بن حریثؓ 327
حضرت سعید بن زیدؓ 182، 183، 332
_ عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373
_ حضرت عمرؓ کی وفات پر رونا 247
_ حضرت عمرؓ کو قبر میں اتارنے والے 244
حضرت سعید بن عاصؓ 339

سعید بن عاصؓ کا عثمانؓ کے کہنے پر قرآن کریم کی نقول تیار کرنا 387
حضرت سعید بن عامرؓ 176،175
سعید بن مسیب 52، 75، 230، 231، 292، 423
سکندر 215، 218، 219
سَلْمَان بن رَبیعه 153
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علیؓ، عمارؓ، سلمانؓ 469
سلمہ بن اکوع 255، 426
سَلِیط بن قَیس 106
سَلِیط بن قَیس کا اپنے آپ کو جہاد کے لئے پیش کرنا 105، 106، 109
سلیم ابو عامر 372
حضرت سلیمانؑ 52، 367، 380
سِمَاكُ بِن خَرَشَةَ 152، 153
حضرت سماک حنفیؓ 243
سمرہ بن جندب 334
سِنَان 163
حضرت سہل بن حنیفؓ کی حضرت علیؓ سے مواخات 410
حضرت سہل بن سعدؓ 99، 400، 423
سُهَيل بِن عَدِى 162، 163، 198
سُهَيل بن عَدِى کے ہاتھوں کَرْمَان کی فتح 149، 161
سہیل بن عمروؓ کا طاعون کی وجہ سے وفات 284
سُہیل بن عمرو 40، 42، 166
سہیل بن عمرو کا حدیبیہ کے وقت مشرکین کی طرف سے مذاکرات کرنے آنا 320، 324، 325، 326
سہیلی امام 99
سودان حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے والا 364
سُوَید بن مُقَرِّن کا بازوؤں کی کمان کرنا 145
سُوَيد بن مُقَرِّن کا جرجان والوں سے صلح کرنا 151، 152
سُوَيد بن مُقَرِّن کا قومیس والوں سے صلح کرنا 151
سیاہ، ایران میں غیر مسلم فوجی افسر 98
سِيَاوَخش بن مِهْرَان بن بَهْرَام شُوبِين رَے کا حاکم 151
سینٹ کرائے کا اسکندریہ کے کتب خانہ کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھنا 210
علامہ سیوطی 255
شارلیمن (Charlemagne) 250
شِبْل بن مَعْبَد بَجَلِّی 159
شبلی نعمانی علامہ 97، 98، 101، 103، 104، 163، 201
_ برصغیر کے معروف سیرت نگار 298
_ بدر کے قیدیوں سے فدیہ کی بابت مؤقف 28
_ اپنی کتاب الفاروق میں اولیات عمر لکھنا 101
_ حضرت عمرؓ کی فتوحات کا ذکر کرنا 104
_ اپنی کتاب میں حضرت عمرؓ کی فتح کے اسباب کا ذکر 214 تا 220
شبیب بن بجرہ کا حضرت علیؓ کے قتل میں ملوث ہونا 460، 461
حضرت شداد بن اوسؓ 339، 443
حضرت شداد بن اوسؓ حضرت اوس بن ثابت کے بیٹے 311
شُرَحْبِيل بن حسنہؓ 166، 171، 174، 175، 180، 182، 183
حضرت شُرَحْبِيل بن حَسَنَہؓ کا اردن پر قبضہ کرنا 164
شعبی امام 296
حضرت شعیبؑ 94
شَنَس 167، 168
شِهَاب بِن مُخَارِق 162
شَهْرَبَرَاز جَاذَوَيْه کو عبداللہ بن وَرْقَاء کا قتل کرنا 150
شَهْرَبَرَاز حاکم آرمینیا 153
شَهْرَبَرَاز کا حضرت سراقہؓ کے ساتھ فوجی امداد پر مصالحت کرنا 153
شہرستانی 53
شَهْرَك کا بغاوت کرنا 159

شَھْرَکُ کو حکم بن ابو العاص کا قتل کرنا 159
شہرویہ ایران میں غیر مسلم فوجی افسر 98
شہریار، ایران میں غیر مسلم فوجی افسر 98
شیبہ 413
شیبہ بن مالک 422
حضرت صالحؑ 360، 412، 459، 481
صُحَار بِنْ فُلَان عَبْدِی 155، 162
صفرنیوس عربی کتب میں صفرونیوس لکھا ہے 189
صَھْبَاء اُمّ حبیب بنت رَبِیعہ، حضرت علیؓ کی زوجہ 466
صہیب بن سنانؓ حضرت عمرؓ کو قبر میں اتارنے والے 244
صہیبؓ نے حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ پڑھائی 244
صہیبؓ کا عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد امام الصلوٰۃ بننا، 335، 337
ضرار بن ازد 182، 184
ضِرَار بن خَطَّاب کی سرکردگی میں ایک لشکر مقابلہ کے لیے بھیجنا 130
ضرار بن خطاب خندق کو پار کرنے والے 423
ضرار صدائی 479، 480
طالب حضرت علیؓ کا بھائی اسلام قبول نہیں کیا 467
حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ
41، 278، 395، 474، 475
امام طبری 106، 109، 131، 132، 136، 144، 148، 150، 163، 184، 187، 188، 244، 247
طلحہ بن ابو طلحہ احد میں مشرکین کے علمبردار 422
طلحہ (راوی) 446
حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ 10، 60، 142، 244، 279، 305، 312، 332، 349، 354، 356، 357، 373، 385، 440، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 470
_عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373
_ایک جہنمی قتل کرے گا 454
_حفظ قرآن ثابت ہے 253
_حضرت عمرؓ کی خلافت کمیٹی میں شامل 335، 336، 337
_خلافت کمیٹی کے ممبر 227
_کی جنگ جمل میں شہادت 453، 454
طُلَیحہ بن خُوَیلَد اَسدی 144، 146، 440
طُلَیحہ بن خُوَیلَد عرب کا شہسوار مگر کسی کام میں افسر نہ بنا 145
عاتکہ بنت زید حضرت عمرؓ کی بیوی 247
عاص بن وائل کا حضرت عمرؓ کو لوگوں سے بچانا 15، 20
عاص بن وائل کا قریش میں مقام و مرتبہ 21
عاص ابو عمرو کنیت 20
حضرت عاصم بن ثابتؓ بدری صحابی 247
عاصم بن عمر 119، 120، 121، 281
عاصم بن عمر، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
عاصم بن عَمرو کا سجستان کو فتح کرنا 149، 162
عامر بن ربیعہؓ، اپنی اہلیہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کا واقعہ 4
عامر 282، 436
حضرت عامرؓ کا مرحب کے ساتھ لڑتے ہوئے اپنی ہی تلوار لگنے سے شہید 426، 427
حضرت عائشہؓ 51، 61، 227، 244، 252، 259، 272، 273، 274، 312، 342، 351، 365، 371، 382، 383، 385، 386، 387، 415، 417، 418، 435، 446، 449، 454تا
_عائشہؓ کی چادر سے بنایا گیا پرچم 46
_آنحضورؐ سے محبت کا انداز، باریک آٹے والا واقعہ 67
_آپ کا قول کہ نبیؐ کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے 57
_عمرؓ کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن کی اجازت لینا 226
_عثمانؓ زیادہ صلح رحمی کرنے والے اور تقویٰ اختیار کرنے والے 371
_قاتلین عثمانؓ کا اپنی بد تہذیبی میں حضرت عائشہؓ پر تبصرے کرنا 365
عائشہ حضرت عثمانؓ کی بیٹی 397
حضرت عباد بن بشرؓ 317
حضرت عبادہ بن صامتؓ
204، 206، 207، 339، 355
_12 نقیبوں میں سے کم عمر 172
_جنگ قیساریہ میں بہادری کا واقعہ 172
_شہادت کی دعا مانگنا 172

حضرت عباسؓ 185، 199، 260، 405، 432، 435
_رسول کریم ﷺ کے چچا 248، 401
_بدر میں قتل نہ کئے جانے کا حکم 2
_اسلام لانے پر عمرؓ کا خوشی کا اظہار 45
_سفر شام میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ 189
_عباسؓ کا واسطہ دے کر عمرؓ کا بارش کے لئے دعا کرنا 82
_عمرؓ نے وظیفہ کے وقت سب سے پہلے ان کا حصہ مقرر کیا 69
_فتح مکہ کے موقع پر عباسؓ کا ابوسفیان کو امان طلب کرنے کا مشورہ 44
عباس بن کِلَابِیَہ، حضرت علیؓ کا بیٹا 466
عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ 230، 231، 232، 233
عبدالرحمٰن بن اخنس 373
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ 59، 73، 88، 115، 176، 192، 239، 244، 251، 283، 325، 354، 440
_عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 373، 470
_حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 308
_حضرت عثمانؓ سے مواخات 311، 410
_دو اصحاب کے ہمراہ جنگ بدر میں اونٹ پر باری باری سوار ہونا 25
_صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر دستخط تھے 42
_رسول کریم ﷺ کو غسل دینا اور قبر میں اتارنا 436
_حضرت عمرؓ پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنا 112
_حضرت عمرؓ کو فارس جانے سے روکنا 112
_حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد نماز مکمل کروانا 225، 228
_خلافت کمیٹی کے ممبر 227، 335، 336، 337
_حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کرنا 336، 337
_رات بھر خمس کی حفاظت کرنا 129
_عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
_حضرت عمر کی شہادت سے قبل چھری دیکھنا 231، 232، 233
عبداللہ بن شدّاد 278
عبداللہ بن عتبان 198

عبدالملک بن مروان سب سے پہلے اسلامی سکے جاری کرنا 101
عبد مناف 400
عبد مناف پر جا کر حضرت عثمانؓ کا شجرہ نسب رسولِ کریم ﷺ سے ملتا ہے 304
عبدالرحمٰن اصغر، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
عبدالرحمٰن اکبر، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
عبدالرحمٰن اَوْسَط، حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
عبدالرحمٰن بن ابوزناد 372
عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، کے کوفہ گورنر بھجوانے جانے والا واقعہ 90
عبدالرحمٰن بن اسود 393
عبدالرحمٰن بن جندب 447
عبدالرحمٰن بن حارث 19
عبدالرحمٰن بن حارثؓ نے حضرت عثمانؓ کے کہنے پر قرآن کریم کی نقول تیار کیں 393
عبدالرحمٰن بن حاطب 396
عبدالرحمٰن بن رَبِیْعَہ 153
عبدالرحمٰن بن سعید 335
عبدالرحمٰن بن سفینہ 378
عبدالرحمٰن بن عثمانؓ قرشی 306، 381
حضرت عبدالکریم سیالکوٹیؓ 302
حضرت عبداللہؓ 374
عبداللہ الاصغر، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
عبداللہ بن ابراہیم 83
حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ 355
عبداللہ بن ابی بن سلول 254
عبداللہ بن ابی بن سلول، کا کہنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور معزز ترین شخص ذلیل ترین کو وہاں سے نکال دے گا 37
عمرؓ کا رئیس المنافقین کی نماز جنازہ سے آنحضرتؐ کو روکنا 37
عمرؓ کا عبداللہ بن ابی بن سلول کی گردن مارنے کی اجازت طلب کرنا 37

عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی کو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا چادر دینا 254
عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، فتح مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم 327
عبد اللہ بن ابی سرح کاتب وحی مرتد ہوا بعد میں پھر بیعت کر لی 38
عبد اللہ بن ارقم، رات بھر خمس کی حفاظت کرنا 129
عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو صلح حدیبیہ کے لیے امام الصلوٰۃ بنانا 317
عبد اللہ بن بُدَیل کے ہاتھوں کَرْمَان کی فتح 161، 162
عبد اللہ بن بُدَیل کا صِفِّین کی جنگ میں قتل ہونا 150
حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے حضرت علیؓ کو غسل دیا 464
عبد اللہ بن حذافہ سہمی 257
عبد اللہ بن حنطب 275
عبد اللہ بن خازم 341
عبد اللہ بن خالد بن اسید 380
عبد اللہ بن خباب کو خوارج کا شہید کرنا 458
عبد اللہ بن خطل کو فتح مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم 327
عبد اللہ بن رواحہؓ کا خیبر کے پھلوں کی زکوۃ وصول کرنے جانا 46
حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ 358، 361، 395، 396، 443
حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کے کہنے پر قرآن کریم کی نقول تیار کیں 387
حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کی اذان کے بارہ میں رؤیا 24
عبد اللہ بن زید بن اسلم 80، 256
حضرت عبد اللہ بن سائبؓ کا حفظ قرآن ثابت ہے 253
عبد اللہ بن سبا 362، 451
عبد اللہ بن سبا کا یہودی ہو کر اسلام کا اظہار کرنا 364
عبد اللہ بن سبا فتنہ حضرت عثمان کا بانی مبانی 349
حضرت عبد اللہ بن سلامؓ 246، 360، 362، 363
عبد اللہ بن عامر 340، 341
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ 2، 22، 50، 53، 56، 224، 225، 228، 243، 245، 273، 283، 290، 296، 297، 313، 327، 328، 332، 333، 435، 460، 466، 468، 479
حضرت عبد اللہ بن عباس کو حضرت عثمانؓ کا امیر حج بنانا 353
عبد اللہ بن عباسؓ کا کہنا کہ جب ابو بکرؓ نے آپؐ کی وفات بارے آیت پڑھی تو یوں معلوم ہوا جیسے یہ ابھی نازل ہوئی 52، 56
عبد اللہ بن عباسؓ کا حفظ قرآن ثابت ہے 253
عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ 371
عبد اللہ بن عبد اللہ 149، 150، 162
عبد اللہ بن عبد اللہ سے اُسْتَنْدَار کا مصالحت کرنا 150
عبد اللہ بن عبد المطلب رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے والد 304
عبد اللہ بن عثمان، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
حضرت عبد اللہ بن عمرؓ 6، 7، 18، 19، 20، 28، 47، 48، 69، 79، 81، 161، 144، 180، 220، 234، 247، 253، 254، 256، 257، 259، 260، 261، 262، 265، 275، 288، 289، 293، 371، 374، 375، 377، 392، 443، 478
_حفظ قرآن ثابت ہے 253
_حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
_حضرت عمرؓ کو غسل دینا 244
_حضرت عمرؓ کو قبر میں اتارنا 244
_کمیٹی میں شامل لیکن خلیفہ نہیں 336، 337
حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عثمانؓ 369
عبد اللہ بن قمئہ 315
عبد اللہ بن قیس جاسی 381
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ 19، 21، 251، 275، 281، 337، 384، 440
_حضرت زبیرؓ کے ساتھ مواخات 410
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے حضرت عمرؓ کا قراءتِ قرآن کے حوالے سے جھگڑا 391
_عمرؓ کا بغیر اجازت فتویٰ دینے پر باز پرس کرنا 92
_عمرؓ کی وفات پر فرمایا علم کے دس میں سے 9 حصے جاتے رہے 246
عبد اللہ بن مَعْمَرؓ 159
عبد اللہ بن مکنف بن حارثہ 47، 312
عبد اللہ بن نافع بن حصین 339
عبد اللہ بن نافع بن عبد قیس 339

عبداللہ بن نُمیر، سجستان کو فتح کرنا 162
حضرت عبداللہ بن ہشامؓ 21
عبداللہ بن وَرْقَاء اَسَدِی کا بازوؤں کی کمان کرنا 149
عبداللہ بن وَرْقَاء رِیَاحِی ہراول دستوں کا کمانڈر 149
عبداللہ بن وَرْقَاء کا ایرانی افسر شَھْرَ بَرَازْ جَاذَوَیْہ کو قتل کرنا 150
عبداللہ بن وَھْب رَاسِبِی 130
عبداللہ بن وہب خوارج کا امام 458
عبداللہ حضرت رقیہؓ کے بطن سے حضرت عثمانؓ کے بیٹے 304
عبد المطلب بن ہاشم 400
عبد الملک، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
عبد الملک بن مروان، آپ نے سب سے پہلے سکہ جاری کیا 101
عبدِ خیر 276
عبید اللہ بن عمرؓ 233، 241، 242، 247، 341
_ بلا تحقیق جوش میں ہرمزان کو قتل کرنا 136، 137
_ ابولؤلؤہ فیروز کی بیٹی کو قتل کرنا 231
_ ہرمزان اور جفینہ کو قتل کرنا 230
_ حضرت عثمانؓ سے الجھنا 240
عبید اللہ بسمل کی کتب شیعہ مدرسوں میں پڑھائی جانا 474، 475
عبید اللہ بسمل چوٹی کے شیعہ عالم احمدی ہوگئے 474، 475
حضرت عبید اللہ بن زبیرؓ 361
عبید اللہ بن عبد اللہ 50، 435
حضرت عبید اللہ خولانیؒ 378
عبیدہ بن حارثؓ کا بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 413
عتبان بن مالکؓ کی عمرؓ کے ساتھ مؤاخات 24
عتبہ 305، 306، 412، 413، 414
حضرت عتبہ بن سہیلؓ کی طاعون کی وجہ سے وفات 284
عُتْبَہ بن غَزْوَان کی سرکردگی میں ایک شکر خُوْزِسْتَان روانہ 131
عُتْبَہ بن فَرْقَد کے سپرد آذربائیجان کا جھنڈا 149
عُتْبَہ بن فَرْقَد کا آذربائیجان کے باشندوں کو صلح نامہ دینا 152
عتیبہ 306

حضرت عثمان بن عفانؓ 39، 42، 49، 59، 60، 61، 93، 94، 137، 157، 159، 189، 213، 214، 219، 220، 230، 233، 238، 239، 240، 241، 242، 248، 273، 276، 291، 292، 299، 300، 306، 307، 309، 312، 315، 316، 326، 327، 332، 335، 337، 338، 342، 347، 348، 372، 377، 382، 385، 386، 394
_ آپؓ کے والد زمانۂ جاہلیت میں فوت ہوگئے تھے 304
_ رسولِ کریم ﷺ سے 5 سال چھوٹے 305
_ اسلام لانے والوں میں سے چوتھے 384
_ قبولِ اسلام کے بعد آپ پر ظلم 305
_ آپؓ کے اخلاق میں سب سے زیادہ مشابہت عثمانؓ کو ہے 381
_ تہجد میں زیادہ تلاوت کی وجہ سے ذوالنورین کہا جاتا 304
_ ذوالنورین کہا جاتا 304
_ قحط کے دنوں میں تجارت کا پورا قافلہ صدقہ دینا 333
_ مکہ اور طائف میں پیدائش کی روایات 305
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
_ حلیہ اور لباس 372
_ کتابتِ وحی کا موقع ملنا 386
_ عفت اور حیا بہت تھی 381، 382
_ حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ سے شادی 305
_ آپؐ کا ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ شادی کا ارادہ 29
_ حضرت امّ کلثوم بنت محمد ﷺ سے شادی 312
_ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا اگر کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو آپ کے ساتھ شادی کر دیتا 313
_ اگر سو بیٹیاں بھی ہوتیں تو عثمانؓ کے ساتھ بیاہ دیتا 313
_ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 308
_ دوبارہ حبشہ ہجرت کرنے کے حوالے سے روایت 307
_ حضرت لوطؑ کے بعد پہلے جس نے اہل کے ساتھ ہجرت کی 307
_ ہجرت کے بعد اوس بن ثابت کے گھر ٹھہرنا 311
_ نبی کریم ﷺ سے مواخات 312
_ حضرت اوس بن ثابتؓ سے مواخات 311
_ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ سے مواخات 311، 479
_ ابو عبادہ سعد بن عثمان سے مواخات 311
_ عبد اللہ بن ابی سرح کو پناہ دینا 328

_جنت خرید لی 331
_عشرہ مبشرہ میں سے ہونا 251، 368، 373
_غزوات میں شمولیت 313
_بدر میں شامل نہیں ہوئے لیکن غنیمت میں حصہ ملا 304
_غزوہ احد میں شمولیت 314
_آپؓ کا عثمانؓ سے بغض رکھنے والے کا جنازہ نہ پڑھنا 393
_مکہ جانا اور بیعتِ رضوان 321تا325
_حدیبیہ کے موقع پر قتل ہونے کی افواہ 322
_رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بیعت رضوان میں بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے 323، 331، 375
_حضرت عثمانؓ کو ذات الرقاع میں مدینہ کا امیر بنانا 326
_حضرت حفصہؓ کے رشتہ سے انکار اور وجہ 28
_آپؓ کو ایک مصیبت کے بعد جنت کی بشارت ملنا 370
_خلافت کی بابت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیشگوئی 334
_دورِ خلافت کی فتوحات 338، 339
_دور خلافت میں اشاعت قرآن 387
_فتنہ کی بابت رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیشگوئیاں 342
_زمانہ میں مسجد نبوی کی توسیع زیادہ ہوئی 376
_آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نظر میں حضرت عثمانؓ کا مقام 385
_بیعت کے بعد شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے نہ چھونا 384
_پہلا اسلامی بیڑا عثمانؓ کے دور میں 380
_جب خلیفہ بنے اس وقت عرب میں سب سے زیادہ مالدار اور اب صرف دو اونٹ 346
_جمعہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ کرنا 394
_جو قمیص اللہ نے مجھے پہنائی ہے کس طرح اتاروں 348، 349، 352
_حضرت معاویہ کا فتنہ بڑھنے کی صورت میں 4 تجاویز دینا جسے منظور نہ فرمانا 359، 366
_خلافت کمیٹی کے ممبر 227
_اپنے بھائی کو درے لگوانا 393، 394
_اختلافات کا آغاز و جوہات 343، 344، 345
_آپؓ دور میں اسلام کی ہندوستان میں آمد 339، 341
_مسجد حرام کی توسیع 380
_انتخاب خلافت کے لیے مجلس شوریٰ 334
_حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں کردار 331، 332
_فرشتے حیا کرتے ہیں 382
_حضرت ابوبکرؓ کا عمرؓ کی خلافت کی بابت مشورہ 59، 60
_حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں کردار 333
_حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے ممبر 88
_عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
_حضرت عمر کو مشورہ دینا 142
_حضرت عمرؓ کی خلافت کمیٹی میں شامل 335، 336، 337
_حضرت عمرؓ کو قبر میں اتارنا 244
_مردم شماری کروانے کا مشورہ 334
_مضبوط عزم و ہمت 359، 360
_آٹھ شادیاں 397
_تواضع اور سادگی 383
_جرأت و بہادری 365
_زمین خرید کر مسجد نبوی کی توسیع کے لیے دینا 375، 376، 377
حضرت عثمانؓ کی سخاوت اور فیاضی، انفاق فی سبیل اللہ 384
_عید کے روز جمعہ کی نماز سے رخصت 395
_حضرت جبیر بن مطعمؓ کا عثمانؓ کی نماز جنازہ پڑھانا 369
_اپنی وفات سے ایک سال قبل آخری حج کرنا 359
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی انگوٹھی کا گم ہو جانا 373
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمانا کہ ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہے 373
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حضرت عثمانؓ کا بہت احترام فرمانا 368
_زمانہ جاہلیت میں بھی زنا نہ کرنا 368، 384
_آپؓ دورِ خلافت میں میں سب سے پہلے اپنا سکّہ استعمال ہونا 101
_خواب میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمانا عثمانؓ آج شام روزہ ہمارے ساتھ کھولنا 363
_باغیوں کا عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ 349، 375، 408، 442
_شہادت کے بعد کے واقعات 444
_شہادت کا دردناک واقعہ 362تا365
_مفسدین کا تین روز تک عثمانؓ کی تدفین نہ ہونے دینا 369

_تجہیز و تکفین 369

_حشِّ کوکب میں تدفین، بعد میں جنت البقیع کا حصہ بن گیا 369، 370

_جو ترکہ چھوڑا اس کا ذکر 371

_آپؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی بیعت 444

_حضرت عثمانؓ کا اور علیؓ کا عمرؓ کو القوی الامین کہنا 94

حضرت عثمان بن ابو العاصؓ کا اِصطَخر کو فتح کرنا 149، 158

عثمان بن ابو العاصؓ کا شَهرَك کے مقابلہ کے لیے جانا 159

عثمان بن اخنس 224

عثمان بن حنیف 224، 449

حضرت عثمان بن طلحہؓ 478

حضرت عثمان بن مظعونؓ 247، 308

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 308

عثمان بن موھب 374

عدل بن عثمان 480

عروہ بن خالد 372

حضرت عروہ بن زبیرؓ 51، 267

عروہ بن مسعود کا صلح حدیبیہ میں مذاکرات کرنے آنا 319، 320

عروہ 463

عزرائیل 222

عِصْمَہ بن عبد اللہ، بازوؤں کی کمان کرنا 149

عطا بن یزید 394

عطاء بن ابی رباح 395

عقبہ بن عامر 252

حضرت عقبہ بن عمروؓ 355

عقیل بن ابو طالب سے ابو طالب کو محبت 401

عقیل، حضرت علیؓ کا بھائی 467

عکرمہ بن ابو جہل 182، 318، 327، 328، 329، 423

_فتح مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم 327

_قبول اسلام کا واقعہ 328، 329

_ایمان لانے سے پیشگوئی پوری ہونا 329

_400 بہادر لے کر حملہ کرنا 185، 186

_بے مثال شجاعت و شہادت 182

_اپنی جان پر دوسروں کو ترجیح عظیم نمونہ 186

عکرمہ بن خالد 264

عَلاء بن حَضرَمی کا حضرت عمرؓ کے دور میں **اِصْطَخر** کو فتح کرنا 159

رسول کریم ﷺ کا بحرین والوں پر گورنر بنانا 332

علقمہ بن حکیم، فلسطین کا حاکم 192

علقمہ بن مجزز، فلسطین کا حاکم 192

علقمہ بن وقاص 383

حضرت علی بن ابو طالبؓ 22، 94، 240، 246، 247، 281، 335، 339، 400، 401، 410، 411، 413، 419، 424، 425، 429، 435، 437، 440، 460، 461، 477، 478، 479، 481، 482، 483، 484، 485

_آنحضور ﷺ کی کفالت میں 400

_عشرہ مبشرہ میں سے 251، 373

_حفظ قرآن ثابت ہے 253

_قبول اسلام 401، 434

_آپؓ کے ساتھ مکہ میں آنحضرتؐ کی مؤاخات 23

_آپ ﷺ کی ہجرت کے وقت علیؓ کی قربانی 476، 477، 478

_بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 413

_غزوہ احد میں سولہ زخم لگے 423

_بدر سمیت تمام غزوات میں سوائے تبوک کے شامل 411

_دشمن پر قابو پانا اور اس کے تھوکنے پر چھوڑ دینا 428، 470

_غزوہ عشیرہ میں شرکت 480، 481

_بہتر فیصلہ کرنے والے 479

_جس نے علیؓ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی 435

_صلح حدیبیہ پر معاہدہ لکھنے والے 426

_صلح نامہ سے رسول اللہ کا نام نہ مٹانا 426

_لڑائی کے وقت رسول کریمؐ کے علمبردار 411، 467

_سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات کا حج کے موقع پر اعلان 429

_صحابہ کا حضرت علیؓ سے کھجور کھاتے ہوئے مذاق کرنا 473
_استاد کو خاتِم کی بجائے خاتَم پڑھانے کی نصیحت 472، 473
_قرآن کے حافظ 473
_کے ہاتھوں خیبر کے موقع پر فتح 46
_آپ ﷺ کا معجزہ علیؓ کی آنکھیں ٹھیک ہونا 427، 428، 429
_آپؐ نے علیؓ سے فرمایا لکھو ہجرت کے بعد پانچواں سال 100
_مکہ بھیجے گئے خط کو لے جانے والی خاتون کو پکڑنا 47، 430، 431
_خیبر میں حضرت علیؓ کی بہادری 473، 474
_میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے 426، 427
_رسول اللہ ﷺ کا تبوک کے وقت علیؓ کو اپنا قائمقام بنانا 433
_اللہ اور اس کا رسول اور جبرئیل تجھ سے راضی ہیں 479
_جس درجہ میں میں ہونگا اس میں علیؓ اور فاطمہؓ ہونگے 469
_جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علیؓ، عمارؓ، سلمانؓ 469
_رسول اللہ ﷺ کا دو دفعہ بھائی قرار دینا 410
_رسول کریم ﷺ کا تہجد کی تلقین کرنا 419
_رسول کریم ﷺ کا علیؓ کو خانہ کعبہ کی چابیاں نہ دینا 432
_رسول کریم ﷺ کا علیؓ کی شہادت کی پیشگوئی 459
_رسول کریم ﷺ کا متبرک مشک علیؓ کی میت کو لگایا 465
_رسول کریم ﷺ کو غسل دینا اور قبر میں اتارنا 436
_رسول کریم ﷺ کے سیکرٹری 324
_میں علم کا شہر اور علیؓ اس کا دروازہ 466، 467
_رسول کریم ﷺ کا حضرت علیؓ کو یمن بھیجنا 434
_جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی 476
_صحابہ میں سب سے دلیر حضرت ابو بکرؓ ہیں 466، 467
_ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت علیؓ نے اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دیا 136
_حضرت عمرؓ کی خلافت کمیٹی میں شامل 335، 336، 337
_حضرت عمرؓ کو بیت المقدس جانے کا مشورہ دینا 187
_حضرت عمرؓ کا مدینہ کا امیر مقرر کرنا 187
_حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو مدینہ کا امیر بنانا 440، 441
_حضرت عمرؓ کو مشورہ دینا 142، 143
_حضرت عثمانؓ اور علیؓ کا عمرؓ کو القوی الامین کہنا 94
_معاویہؓ کے درمیان تحکیم 455تا457
_حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے ممبر 88
_حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
_حویرث بن نقید کو قتل کرنا 432، 433
_خوارج کے ساتھ نہروان کی جنگ 457، 458
_عبید اللہ بن عمر کو قتل کرنے کا مشورہ 240
_ان اصحاب میں جنہیں خلیفہ منتخب کرنے کا ابو بکرؓ نے فرمایا تھا 61
_سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنا 335
_آٹھ شادیاں 466
_آپ کے چودہ لڑکے اور انیس لڑکیاں 466
_حضرت علیؓ کی روح اس رات نکلی جس رات عیسیٰؑ کی نکلی تھی 464
_حضرت علیؓ کی مثال عیسیٰؑ کی طرح ہے 476
_حضرت حسنؓ نے علیؓ کی نماز جنازہ پڑھائی 464
_حضرت علیؓ کا مزار 465
_قضائی فیصلے 480، 481
علی بن ربیعہ 468
علی بن محمد مدائنی 339
ڈاکٹر علی محمد صلابی 44، 165، 297، 437
عمار بن خزیمہ کے باپ کو عمرؓ کا درخت لگانے کا حکم دینا 74
حضرت عمار بن یاسرؓ 141، 327، 411، 469
حضرت عمار بن یاسرؓ کا باغیوں کے ساتھ مل جانا 348
حضرت عمر بن خطابؓ 4، 11، 12، 16، 27، 31، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 40، 41، 44، 46، 48، 55، 56، 63، 65، 67، 69، 72، 73، 75، 76، 78، 79، 80، 81، 86، 91، 92، 95، 100، 102، 104، 106، 110، 111، 116، 117، 118، 123، 132، 149، 158، 159، 162، 164، 165، 166، 167، 171، 172، 176، 182، 185، 188، 189، 195، 196، 198، 200، 201، 204، 206، 207، 209، 210، 211، 223، 230، 231، 234، 236، 237، 238، 239، 241، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 257، 258، 261، 271، 272، 274، 276، 277، 278، 279، 284، 296، 297، 298، 313، 316، 322، 324، 334، 335، 336، 341، 342، 344، 346، 351، 367، 368، 369، 376، 381، 410، 414، 416، 427، 428،

483،482،479،478،470،469،441،440،439
_ تعلق بنو عدی بن کعب بن لؤی سے تھا 1
_ تاریخ پیدائش کے بارہ میں مختلف اقوال 1
_ والدین کا ذکر اور والدہ کی ابوجہل سے رشتہ داری 1
_ کنیت ابو حفص تھی 1
_ قبول اسلام کی متعدد روایات 7تا13
_ قبول اسلام کا عام اعلان اور مخالفت 19
_ اسلام لانے پر قریش کا ردعمل 15
_ اسلام قبول کرنے کا واقعہ 3
_ اپنی بہن اور بہنوئی کو زدوکوب کرنا 13،10،9
_ اسلام لانے کے نتیجہ میں کھل کر عبادت کی جاتی 19
_ دارارقم میں آخری اسلام لانے والے تھے 13،11
_ قبول اسلام کے وقت قبیلہ بنو عدی کے رئیس تھے 12
_ قبول اسلام کے لئے آنحضورؐ کی دعائیں 18،7،6
_ قبول اسلام کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد 13
_ فاروق کا لقب دیا جانا، اس کا پس منظر 4،2
_ مدینہ کی طرف ہجرت 22
_ بیس افراد کے ساتھ ہجرت مدینہ 23
_ مدینہ میں مؤاخات 24
_ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مواخات 410
_ غزوات و سرایا میں شمولیت 25
_ غزوات میں مشورہ دینا 256،255
_ دو اصحاب کے ہمراہ جنگ بدر میں اونٹ پر باری باری سوار ہونا 25
_ بدر کے موقع پر مشورہ 25
_ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں مشورہ 26
_ جنگ اُحد میں کردار 30
_ غزوہ اُحد میں ابوسفیان کا ابو بکرؓ و عمر کے نام لے کر پکارنا...32
_ صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ کا کردار 39
_ صلح حدیبیہ کے معاہدہ پر دستخط تھے 42
_ حنین سے واپسی پر اعتکاف کی جاہلیت کی نذر کو پورا کرنا 49،48
_ غزوہ تبوک کے موقع پر مالی قربانی 49
_ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرتؐ نے جھنڈا عمرؓ کو دیا 46
_ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کا ابوسفیان کی گردن مارنے کی آپؐ سے اجازت مانگنا 45
_ آپ ﷺ کا آپ کو شہادت کی دعا دینا 220
_ اپنی بیٹی کے منہ سے بیت المال کا درہم نکالنا... 94، 95
_ بیٹی حضرت حفصہؓ کی آنحضرتؐ سے شادی 28
_ اذان کے متعلق ایک رؤیا 24، 256
_ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے 221
_ رسولِ کریم ﷺ کا فرمانا عالم عمرؓ کی وفات پر روئے گا220
_ بے آباد زمینوں کو آباد کروانا اور نہریں بنوانا 91
_ سب سے پہلا باریک آٹا عائشہؓ کی خدمت میں بھیجنا 67
_ بچوں کا بھوک سے رونا اور عمرؓ کا خود چیزیں اٹھا کر لانا 71،70
_ کم ریٹ پر انگور بیچنے والے کو ڈانٹنا 99
_ آنحضورؐ فوت نہیں ہوئے 53
_ یا رسول اللہؐ آپ مجھے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں22
_ آنحضرتؐ کی وفات پر زمین پر گر جانا 52،51
_ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت 227
_ حضرت ابو بکرؓ کا آپ کو بلا کر وصیت کرنا 105
_ حضرت ابو بکرؓ کو قرآن کی ترتیب پر آمادہ کرنا 103
_ حضرت ابو بکرؓ کی وصیت پر عمل کرنا 105
_ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا ہے 62
_ جمع قرآن کے واقعہ کی تفصیلات اور عمرؓ کی ابو بکرؓ کے ساتھ مفصل گفتگو 58
_ حضرت ابو بکرؓ سے کسی بات پر تکرار 270،269
_ تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے 50
_ احد پہاڑ پر چڑھنا اور اس کا ہلنا 220
_ حالت کو ترک نہ کرنا جس پر دونوں ساتھیوں کو چھوڑا 190
_ حفظ قرآن ثابت ہے 253
_ شاعرانہ ذوق 296
_ عجز و انکسار 243،242

_حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کے وقت ابو بکرؓ کا عمرؓ کو اپنے پاس روک لینا 58
_حضرت ابو بکرؓ کا خلافت کے لئے ابو عبیدہؓ اور عمرؓ کا نام پیش کرنا 57
_حضرت ابو بکرؓ کا عثمانؓ سے عمرؓ کی خلافت کی وصیت لکھوانا 61،60
_حضرت ابو بکرؓ کا وفات کے قریب مختلف صحابہ سے عمرؓ کی خلافت کی بابت مشورہ 59
_حضرت ابو بکرؓ کی تدفین کے بعد ان کی قبر سے عمرؓ کا مٹی جھاڑنا 63
_ابو سفیان کا مدینہ آنا اور صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید چاہنا اور آنحضرتؐ کے علاوہ ابو بکرؓ، عمرؓ کے پاس آنا... 44
_حضرت ابو عبیدہؓ کا حضرت ابو بکر و عمرؓ کے ہمراہ انصار کی طرف جانا، سقیفہ بنو ساعدہ کی تفصیل 57
_اسکندریہ کی لائبریری جلانے کا الزام 208
_اگر میں دن کو سوؤں تو بارِ خلافت کون اٹھائے 207
ایڈورڈ گبن کا حضرت عمرؓ کی تعریف میں لکھنا 248،247
_قادسیہ کے مقام پر جنگ کا ہونا 112
_ملک فتح ہوئے آج بھی اسلام کے قبضہ میں 218
_جنگ رَے ہوئی 151
_مالی قربانی 290،289
_بارش کے بعد قحط زدہ کو غلہ اور سواریاں دے کر روانہ کرنا 82
_بیت المال کی سیکیورٹی کا خصوصی انتظام کرنا 93
_حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو سوار کرنا اور ان کو حُلّے عطا کرنا 69
_عیسائیوں کے گرجے میں نماز نہ پڑھنا 193
_خلافت کے بارہ میں ابو بکرؓ کی وصیت کا پڑھ کر سنایا جانا 62،61
_تاریخ تقویم ہجری کا آغاز 100
_دور حکومت میں غیر مسلم اور غیر اقوام کے لوگ بڑے عہدوں پر فائز رہے 97
_رعب سے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں لرزہ بر اندام رہتی تھیں 72
_مختلف تعمیرات 95
_بیت المال کا قیام 93
_نہریں تعمیر کروائی گئیں 95
_راشننگ سسٹم اور مردم شماری کے رواج کا آغاز 84
_زمانہ میں شوریٰ کا قیام، ممبران اور انعقاد کا طریق 88
_زمانہ میں محاصل کا نظام 91
_زمانہ میں محکمہ پولیس کا اجرا 92
_زمانہ میں مقبوضہ ممالک کی آٹھ صوبوں میں تقسیم 88
_عاملین کی تقرری کا طریق اور ان کو دی جانے والی ہدایات 89
_عدل و انصاف کی مثال دنیا میں بہت کم ہے 66
_محکمہ قضاء کا اجرا کرنا 91
_سب سے پہلے سکہ جاری کیا 101
_یہودِ خیبر کو جلا وطن کرنا 46
_رسول کریم ﷺ کا جنت میں حضرت عمرؓ کا محل دیکھنا 251
_دورِ خلافت میں ہونے والی فتوحات کی تفصیلات 104
_منبر پر وہاں بیٹھنا جہاں ابو بکرؓ کے پاؤں ہوتے تھے 64
_فضائل 251
_حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کا اظہار 68
_دودھ پیتے بچے کا وظیفہ مقرر کرنا 87،73
_محکمہ افتاء جاری کرنا، آپ کے مقرر کردہ مفتی 92
_نظام تعلیم کو ترقی دینا 99
_ایک وقت میں عاص بن وائل کی پناہ کو رد کرنا 21
_نماز میں میں لشکر تیار کرتا ہوں 104
_پرائس کنٹرول کرنا، واقعات 98
_جِسر کی جنگ میں شکست سے آپ کو سخت تکلیف پہنچنا 111
_رات کو ایک عورت کے عشقیہ شعر سننا اور حکم دینا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے 74
_رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی آپؓ کے ہاتھ میں 373
_حضرت ساریہؓ کا آپ کی آواز سننا 286،285
_شہروں کی آباد کاری کا انتظام 95
_عمارتوں کی تعمیر میں کفایت شعاری سے کام لینا 93
_قادسیہ میں شریک لوگوں کے زیادہ وظیفے مقرر کرنا 124
_رقت قلبی کی ایک مثال 4
_محکمہ فوج کا قیام کرنا اور اس بارہ میں اصلاحات 95
_مدینہ میں بیٹھ کر لشکروں کی ترتیب یوں دینا جیسے اس جگہ

وہ خود موجود ہوں 104
_ہجری کیلنڈر کا آغاز کرنا، اس کی تفصیل 99
_اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود گویا ہر فتح کے وقت
مسلمانوں کے لشکر میں موجود ہونا 104
_اچانک یَاسَارِیَ الْجَبَلَ کی آواز دینا
159،160،161
_اسلام کے پھیلاؤ میں اہم کردار 249،250
_اسلامی سلطنت کا دائرہ 212
_افسران کو حفاظت نہ کر سکنے کی وجہ سے جزیہ واپس کرنے
کی تلقین 175
_افسروں کو اعلیٰ لباس میں دیکھ کر غصہ فرمانا 190
_اللہ کوفہ والوں کو جزائے خیر دے 199
_اللہ کے دین میں سب سے مضبوط عمرؓ ہیں 263،382
_امیر المؤمنین کا لقب خلیفۂ وقت کے لیے اختیار کرنا 102
_اہل ایلیا سے صلح کرنا 191،192
_اہل جنت کے چراغ 251
_اہل عجم کے بادشاہوں کا مقابلہ عربوں کے امراء اور
بادشاہوں سے کرانا 114
_اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لیے آپ کا معیار 281
_اولیات فاروقی؛ یہ کہ حضرت عمرؓ نے کون کون سی باتیں
شروع کیں 101 تا 103
_آپؓ کے دور میں مسجد نبوی کی دوسری توسیع 377
_آپ سے ڈر کر شیطان بھی بھاگتا ہے 272، 273
_بہتر قرآن پڑھنے والے حضرت اُبَی بن کعبؓ ہیں اور ہم
میں سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں 479
_مدینہ میں بیٹھ کر لشکروں کو ترتیب دینے کی ہدایات دینا 104
_جانشین مقرر نہ کرنا 234،235
_لوگوں کو عراق کی جنگوں کے لئے نام پیش کرنے کی
دعوت دینا 106
_آپ کا مشورہ کرنا 112
_میں اپنے لشکر کو تیار کرتا ہوں اور میں نماز میں ہوتا ہوں 104
_لشکر کی کمان خود سنبھالنا 112
_ازواج و اولاد 247
_انگوٹھی پر کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یَا عُمَرُ کندہ تھا 278
_ٹوپی کی برکت 287
_حضرت سعدؓ کو نصیحت 115، 116
_آپؓ کی دعائیں 288
_آپؓ کے دور خلافت میں حضرت عثمان کا کردار 333
_مسلمان جنگ میں بھی تہجد پڑھتے 213
_شام جانے کی وجہ 187
_آذر بائیجان کی مہم کا جھنڈا عُتْبَہ بن فَرْقَدْ اور بُکَیر بن
عبد اللہ کو دیا جانا 152
_آپؓ کی غیرت 291
_فتوحات میں قانون اور انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا 218
_فضائل و مناقب 299، 300، 301، 302، 303
_آپ کی موافقات قرآنی وحی سے 253، 254
_آپؓ میں وسعتِ حوصلہ 293
_بازار کی قیمتیں مقرر کرنا 282
_بچوں کی تربیت 290
_بصرہ اور کوفہ آباد کرنے کا حکم 197
_بلال کی اذان سن کر بیتاب ہونا 194
_بیت المال کے اموال کی حفاظت و نگرانی 291، 292
_بیت المقدس تشریف لانا 192
_جانوروں پر شفقت و رحم دلی 295
_جبلہ بن ایہم کا ایک مسلمان کو حج کے دوران تھپڑ مارنا اور
عمرؓ کا عدل و انصاف 77
_جنت کی بشارت ملنا 370
_جنت میں تمام بڑی عمر کے لوگوں کے سردار 251
_جنگ کے لیے قادسیہ کا میدان پسند کرنا 124
_جنگ نِہَاوَنْد سے قبل مجلس مشاورت منعقد کرنا
141،142
_چھیاسی ہزار درہم کا قرض 226
_حبشی کے معاہدہ جو کر چکا ہے اس کو برقرار رکھنا 139
_حج سے واپس تشریف لانا 112
_حج کے لیے روانہ ہونا 112
_حجر اسود کو چومنا اور کہنا تو ایک پتھر ہے 260
_حضرت ام سلمہؓ کا اپنے بیٹے عمر کو حضرت علیؓ کے ہمراہ
بھیجنا 458

_حضرت سُراقَہ بن مالِک بن عَمروؓ کی سرکردگی میں لشکر بھجوانا 153
_حضرت سراقہؓ کا صلح کی رپورٹ بھیجنا 153
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کرنا 141
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا آپ کی ہدایت پر نعمان بن مُقَرِّن کو لشکر کا سردار بنانا 133
_حضرت سعدؓ کا ہاشم بن عُتبہ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ آپ کے حکم پر ایرانی لشکر سے مقابلے کے لیے بھیجنا 128
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو آپ کا ہدایت فرمانا کہ مُغیرہ بن شعبہ کے دستہ کو اپنی کمان میں رکھنا 117
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا آپؓ کو خط بھیجنا 115
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایرانی لشکر کی رپورٹ بھجوانا 130
_حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو آپ کا خط 116
_حضرت عائشہؓ سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت لینا 226
_حضرت عبد الرحمٰنؓ کا آپؓ کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کمانڈر بنانے کے بارے بتانا 115
_حضرت عثمانؓ کا آپ کو مشورہ دینا 142
_حضرت علیؓ کا آپ کو مشورہ دینا 142
_حضرت علیؓ کا مشورہ ماننا 143
_حضرت علیؓ کو مدینہ میں امیر مقرر کر کے روانہ ہونا اور صِرار میں پڑاؤ ڈالنا 112
_دربار میں علم رکھنے والوں کا مقام 290
_دریائے نیل کا جاری ہونا 285،286
_دکھاوے اور شان وشوکت والے لباس کے خلاف 266
_رسول اللہؐ پر اسلام لانے کے بعد صحابہ میں تبدیلی 16
_رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چٹائی پر دیکھ کر رونا 258
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ادب واحترام 256،257
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عاشقانہ تعلق 259
_رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا آپ کو محدث کہنا 252
_حضرت رفاعہ بن عبد المنذرؓ کے ہاں عمرؓ کا قبا میں قیام 23
_روزانہ صبح قادسیہ کے بارے پوچھنا 122
_زمین پر رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وزیر 275
_سب سے پہلی خوشخبری فتح دمشق کی ملنا 173
_سپاہیوں کا کھانا مقرر کرنا 194
_سپہ سالاروں سے خط وکتابت روزانہ کی بنیاد پر جاری رہنا 104
_شراب کی حرمت کے بارے وحی سے موافقت 254،255
_طاعون کے وقت لوگوں کی جان کی فکر 282،283
_عاجزی اور تقویٰ کے معیار 267
_عاجزی وانکساری 269
_عاملین کی شکایت دور کرنے کا طریق 90
_حضرت عباسؓ کا واسطہ دے کر عمرؓ کا بارش کے لئے دعا کرنا 82
_حضرت عباسؓ کے اسلام لانے پر عمرؓ کا خوشی کا اظہار 45
_حضرت عبد الرحمٰنؓ کا آپؓ کو فارس جانے سے روکنا 112
_حضرت عبد الرحمٰنؓ کا آپ پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنا 112
_حضرت عبد الرحمٰنؓ کا آپؓ کو مشورہ دینا 112
_حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ کو آپؓ کا خط 149
_عبد اللہ بن مسعودؓ سے قراءتِ قرآن کے حوالے سے جھگڑا 391
_عثمان اپنے غلام کے ہمراہ عالیہ مقام میں تھے کہ شدید گرمی میں ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ ہانک رہا تھا، دیکھا تو عمر تھے...... 93
_حضرت عثمانؓ اور علیؓ کا عمرؓ کو القوی الامین کہنا 94
_عراق میں دوسرا فرنٹ کھولنا 131
_عرب میں چاروں طرف نقیب بھیجنا 112
_عشرہ مبشرہ میں سے 250،251،373
_حضرت علیؓ کا آپ کو بیت المقدس جانے کا مشورہ دینا 187
_علیّین میں سے 251
_عمار بن خزیمہ کے باپ کو حضرت عمرؓ کا درخت لگانے کا حکم دینا اور خود مل کر ساتھ لگانا 74
_عمرؓ تم کو سلام کہتا ہے 175
_عیسائیوں کا شرط رکھنا کہ خود آکر صلح کریں 186
_عیسائیوں کا شہر کی چابیاں پیش کرنا 193
_فتح اسکندریہ کا سن کر سجدہ شکر 207

_ فتوحاتِ فاروقی کی وسعت، حدود واربعہ 215
_ فتوحات فاروقی کی آخری حد مکران 163
_ فتوحات کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کے دور کی خاص بات جو حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلافت سے نمایاں تھی 104
_ فلسطین پر دو حاکم مقرر کرنا 192
_ قبولیت دعا کے واقعات 285
_ قحط کے ایام میں عشاء کے بعد سے لے کر آخر شب تک نماز پڑھتے رہتے، پھر چکر لگاتے 81
_ قحط کے خاتمہ کے لئے خواب میں ایک شخص کو نبیؐ نے دعا کی طرف توجہ دلائی اور حضرت عمرؓ کا نمازِ استسقاء ادا کرنا 82
_ قحط کے سال سارے عرب سے لوگ مدینہ آئے اور عمرؓ نے حکم دیا کہ ان کا انتظام کریں اور انہیں کھانا کھلائیں 82
_ قحط کے سال حضرت عمرؓ کی رنگت کا سیاہ ہونا 81
_ قرض کے لیے اپنے گھر کو بیچنا 240
_ قیدیوں کو کہا مسلمان ہو جائیں ورنہ جزیہ 207
_ رفاہِ عامہ کے لئے کئے گئے کام 95
_ لڑائی کی رات بے چین رہنا 148
_ لوگوں کے سامنے مشورہ کو قبول کرنے کے بارے تقریر کرنا 115
_ مدائن کی فتح کا وعدہ آپ کے دورِ خلافت میں حضرت سعدؓ کے ہاتھوں پورا ہوا 126
_ مدینہ میں عجمی کو لانے کی ممانعت کرنا 232
_ مذہبی آزادی کے بارے محتاط ہونا 294
_ مساوات کا قیام 292
_ مسجد نبوی اور نماز کے آداب کا خیال رکھنا 289
_ مسجد نبوی کی توسیع کی بنیاد میں اینٹ رکھنا 375
_ مسجد نبوی میں توسیع 83
_ مسجد نبوی میں سب سے پہلے عمرؓ نے چٹائیاں بچھوائیں 83
_ مسجد نبوی میں نماز جنازہ ادا کی گئی 244
_ معذور اور ضرورت مند لوگوں کا خیال رکھنا 279، 280، 281
_ مغیرہ کے غلام کا دھمکی دینا 229
_ مکران کی زمین کے بارے استفسار کرنا 163
_ میر محمود احمد ناصر کا آپؓ کے دَورِ خلافت پر ایک مقالہ 104
_ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں بچا ہوا دودھ آپ کو دینا 262، 263
_ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو ظاہراً پورا کرنا 261، 262
_ نبی کے شہر میں وفات کی دعا 221
_ ہرمزان کا دو ہزار وظیفہ مقرر کرنا 135
_ یاقوت، زَبَرْجد اور بیش قیمت جواہرات دیکھ کر رونا 129
_ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن نہ سونا 184
_ یورپین لوگوں کا تسلیم کرنا کہ سب سے پہلی مردم شماری عمرؓ نے کروائی جس کا مقصد ان کی غذا کا انتظام کرنا تھا 85، 87
_ یورپین مصنفین کا آنحضورؐ پر اعتراض مگر ابو بکرؓ و عمرؓ کے ذکر پر ان کی محنت اور قربانی کو تسلیم کرنا 66
_ ابتدائے اسلام میں دو بہادر سمجھے جانے والوں میں سے ایک 15
_ اگر اللہ قحط رفع نہ کرتا تو عمرؓ مسلمانوں کی فکر میں ہی مر جاتے 80، 82
_ اگر بکری کا بچہ بھی دریائے فرات کے کنارے ضائع ہو گیا تو قیامت کے دن عمر سے مؤاخذہ ہوگا 76
_ امام بخاری کا صحیح بخاری میں آپ کے متعلق لکھنا 104
_ آپؓ کا لشکر کو عراق روانہ کرنا 111
_ آپؓ کا امیر لشکر کے لیے کسی دھیمے شخص کی ضرورت کا اظہار کرنا 106
_ آپؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابہ کی قدیمی خدمات اور گذشتہ تجربات کو نظر انداز نہ کرنا 106
_ آپ کا خود کمانڈر بن کر جنگ میں جانے کا فیصلہ 111
_ آپ کا لشکر کے کمانڈروں کے ساتھ رابطہ میں رہنا 104
_ آپؓ کے دور خلافت میں فتوحات 104
_ آپؓ کے دور میں سب سے پہلے اسلامی سکے جاری ہونا 101
_ آپؓ کی فتوحات کے اسباب و عوامل 214
_ دنیا سے بے رغبتی اور زہد 264، 265
_ حضرت علیؓ کا عمرؓ کو اونٹ کا پالان اٹھائے دیکھنا کیونکہ صدقہ کا اونٹ بھاگ گیا تھا 76
_ عیسائی مؤرخ حضرت عمرؓ کی تعریف کرنے پر مجبور 67
_ قحط کے ایام میں قسم کھانا کہ نہ وہ گوشت چکھیں گے نہ

گھی، یہاں تک کہ لوگ خوشحال ہو جائیں 81
_لوگوں کے عمرؓ کے غصہ کا اظہار اور ابو بکرؓ کا جواب 63
_مدینہ کے گردونواح میں سخت قحط اور حضرت عمرؓ کی بے چینی اور تکلیف 79
_وہ مال جو ابو بکرؓ نے وفات کے وقت عمرؓ کو دے دیا 62
_آپؓ کے قتل کا ذکر 228
_آپؓ کی شہادت سازش یا ذاتی عناد 228،229
_آپؓ کی شہادت کے واقعہ کی تفصیل 224،225
_آپؓ کی شہادت 224
_آپ ﷺ کے منبر اور روضہ کے درمیان نمازِ جنازہ ادا کی گئی 244
_آخری بیماری اور آنے والے خلیفہ کو نصائح 335
_آنحضور ﷺ کے روضہ میں تدفین 244
_تدفین اور جنازہ 244
_آنحضور ﷺ کے قدموں میں جگہ ملنے کی حسرت 245
_وفات پر بعض صحابہ کا رؤیا 222
_آپ کی وفات پر صحابہ کے تأثرات 245
_خدمات کے باوجود اللّٰھم لا علیّ ولا لی کہنا 41، 67، 243
عمر، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
عمر بن عبد العزیز 281
عمر بن نافع 94
حضرت عمران بن حصینؓ 355
عمر بن عمیرہ، حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ 335
حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰنؓ 458
حضرت عَمْرو بن العاصؓ 164، 166، 171، 173، 174، 175، 180، 182، 187، 188، 192، 204، 206، 207، 208، 231، 240، 274، 284، 285، 292، 293، 294، 286، 456 تا 459
_احسان کے طور پر مقوقس کی لڑکی کو واپس کرنا 203
_اسکندریہ کی کتابوں کو بھٹیوں پر جلانے کا الزام 209
_فسطاط شہر کی وجہ تسمیہ 205
_مصر کی طرف کوچ کرنا 201
_بلبیس کو فتح کرنا 202، 203
_فرما پر قبضہ 201
_فیوم کے علاقے پر فتح 205
_قلعہ بابلیون کی فتح 206
_بحیرہ روم اور قلزم کو آپس میں ملانے کا ارادہ 95
_فُسطاط کی آباد کاری کرنا 97
_آپؓ کی قیادت میں بیت المقدس کا محاصرہ 186
_برقہ وطرابلس کو فتح کرنا 211، 212
_حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان حکم مقرر 457
_نماز پڑھتے وقت پہرے کا انتظام کرنا 238
عمرو بن بکیر تمیمی کی عمرو بن عاصؓ کو قتل کرنے کی کوشش 460
عمرو بن تَغْلِبِیّہ، حضرت علیؓ کا بیٹا 466
عَمرو بن ثُبَیّن کا جنگ نہاوند سے قبل مجلس شوریٰ میں تجویز دینا 146
عمرو بن شاس اسلمی 434
عمرو بن طفیل عرب میں بہادری کے لحاظ سے مشہور 176، 182
عمرو بن عبد ودّ، حضرت علیؓ کا آپ کو قتل کرنا 423 تا 425
عمرو بن عبد اللہ 372
عمرو بن عبد اللہ جمحی 422
عمرو بن عبد المسیح کا فرمانا کہ اللہ کے لشکر کی خواتین کو یہی زیبا ہے 112
عَمرو بن مَعْدِیکَرِبْ 144، 146
عمرو بن معدی کرب، جنگ میں تین ہزار آدمیوں کے برابر 200
عرب کا شہسوار مگر کسی کام میں افسر نہ بنا 145
عمرو بن میمون 224، 225، 288
عمرو بن ہشام، (ابو جہل کا نام) 6، 7، 18
عَمرو بن ھَیْثَم جنگ نمارق میں میسرہ کی کمان کا سپرد ہونا 107
عمرو ذی مر 463
عمرو، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
عمیر بن سعد انصاری 173
عنبسہ، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
عوف بن حارث 79، 269
عوف بن مالک، حضرت عمرؓ کے بارے خواب دیکھنا

223،222
حضرت عوفؓ کا بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 412
حضرت عویم بن ساعدہؓ کی عمرؓ کے ساتھ مؤاخات 23
عیاض بن غنم 198
عیاض حضرت عمرؓ کا بیٹا 247
حضرت عیسیٰؑ 302،262،259،244،216،181
_صحابہ اس بات کے قائل کہ آسمان پر ان کا رفع نہیں ہوا 54،53
_آسمان پر جانے کے عقیدہ کی نفی 56
_جارج کا ابو عبیدہؓ سے آپ کے متعلق پوچھنا 178،177
_حضرت علیؓ کی مثال حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہے 476
عیینہ بن حصن 290
غافقی 349
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
،380،367،303،299،287،286،273،261،63
،474،471،470،449،439،438،437،399،398
484،483،482،481،477،475
_حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنا 436تا439
_خلفائے ثلاثہ کو خراجِ عقیدت 399
_الہام فِيكَ مَادَّةٌ فَارُوقِيَّةٌ 255،252
_احباب جماعت کو صحابہ کی روشنی میں مالی قربانی کی طرف توجہ دلانا 49
_آپؑ کا تمام روایات کو ضعیف قرار دینا جن میں خندق کے موقع پر چار نمازوں کی ادائیگی کا ذکر ہے 38
_آنحضرتؐ کی وفات پر صحابہ کا اجماع 259،53،52
_حضرت عمرؓ کا آپ ﷺ کو چٹائی پر دیکھ کر رونا 258
_حضرت عمرؓ کے قبول اسلام لانے کا واقعہ کا بیان 16
_صلحاء کے پہلو میں دفن بھی ایک نعمت 244
_عثمانؓ کو تو میں حضرت سلیمانؑ سے تشبیہ دیتا ہوں 380
_حضرت علیؓ کا مقام و مرتبہ 483
_حضرت علیؓ کے فضائل 482،481
_کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ جیسا رنگ پیدا نہ ہو 482،398
_(علیؓ) آپ کے دونوں بیٹوں سے محبت کرتا ہوں 485
_حق علیؓ کے ساتھ تھا 483
_حضرت علیؓ کا آپ کو تفسیر دینا 484
_حضرت ساریہؓ والا واقعہ بیان کرنا 161
_سستی اور کسل مندی سے بچنے کا طریق 74
_شیعوں کی بات کارد 302،301،300
_علیؓ متلاشیانِ حق کی امید گاہ 482
فاختہ بنت غزوانؓ، حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397
فاذوسفان کی حضرت عبد اللہ بن عبد اللہؓ سے مبارزت 150
فاطمہ بنت اسد، حضرت علیؓ کی والدہ 400
فاطمہ بنتِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
484،469،467،466،465،438،400
_رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس درجہ میں میں ہونگا اس میں علیؓ اور فاطمہؓ ہونگے 467
_رسول کریم ﷺ کا زخم دھونا 467
_حضرت علیؓ سے شادی 414تا422، 466
_رسول کریم ﷺ کے چھ ماہ بعد وفات 437
فاطمہ بنت عمر، حضرت عمرؓ کی بیٹی 247
فاطمہ بنت ولید مخزومیہؓ، حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397
فخر الدین رازیؒ امام رَے کے رہنے والے تھے 151
فَرُّخ زَاذ خراسان کا گورنر 107
فرعون، ابو جہل فرعون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے 18
حضرت فضل بن عباسؓ 273
_رسول کریم ﷺ کو غسل دینا اور قبر میں اتارنا 436
_یرموک میں شہادت 186
فکیہہ، حضرت عمرؓ کی بیوی 247
فلپ۔کے۔ہٹی (Philip K. Hitti) کا حضرت عمرؓ کے بارے لکھنا 250
فَیْرُزَان اہل فارس کا سردار 113
فَیْرُزَان کا بُوْرَان کو معزول کر کے یَزْدَجَرْد کو تخت پر بٹھانا 113
فیروز سے ہُرمُزَان کا خنجر جس سے حضرت عمرؓ شہید ہوئے کے بارے دریافت کرنا 137
فیروز، حضرت عمرؓ کا قاتل 241،136

قباث بن اشیم 183،176
قبیصہ بن جابر 296
قثم، حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ 460
قرطبی علامہ 388
قُرَیْبَہ بنتِ ابو امیہ مخزومی، ایمان نہیں لائی حضرت عمرؓ کی
بیوی 247
قسطلانی 410،53
قسطنطین بن ہرقل 203
_ہرقل کا بیٹا 198
_مسلمانوں کے خلاف 500 بحری جہاز لے کر نکلنا 340
_ہرقل کی وفات کے بعد بادشاہ 207
قُضَاعِی بِن عَمْرو دُؤَلِی 129
قطام بنت شجنہ 460
قطن بن عوف ہلالی 386
حضرت قعقاع بن عمروؓ 199،198،197،145،121
_حُلوان کی طرف جانا 130
_بَہْمَن جَاذُوَیہ کو آپ کا قتل کرنا 121
_حضرت ابو بکرؓ کا ایک قول ہے کہ وہ لشکر ناقابل شکست
ہوتا ہے جہاں ان جیسے شخص موجود ہوں 121
_حضرت سعدؓ نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ ایرانیوں کے
سفید ہاتھی سے میرا پیچھا چھڑاؤ 121
_کمک کے امیر 121
_مُجَرَّدَہ کے افسر 145
قُمَاذُبَان بن ہرمزان 241،136
قیس بن حجاج 285
قَیس بن مَکشُوح مُراد 144
قیس بن ہبیرہ 183،177
قیس بن ہبیرہ عرب میں بہادری کے لحاظ سے مشہور 176
قیس بن ہیثم 341
قیس 342
قیصر روم 287،220،216
_حضرت عمرؓ کی ٹوپی سے برکت لینا 288،287
_حضرت عمرؓ کے رعب سے قیصر و کسریٰ کی حکومتیں لرزہ

براندام رہتی 280،72
کارڈینل جیمینیز (Cardinal Jimenez) 211
کرز بن جابر، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرنا 412
کسریٰ 213،127،86،72
کعب بن عجرہ 342
کوکب، ایک انصاری کا نام 369
گبن 247،209
لائٹنر (Dr. Leitner) سِنین الاسلام کا مصنف 211
لُہیّہ، حضرت عمرؓ کی بیوی 247
حضرت لوطؑ 360،307
حضرت لوطؑ بعد حضرت عثمانؓ پہلا شخص جس نے اہل کے
ساتھ ہجرت کی 307
لیلیٰ بنت مسعود بن خالد، حضرت علیؓ کی زوجہ 466
مالک اشتر 447
مالک بن ابو عامر 369
مالک بن مغول 263
مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب میں پہلے نمبر پر حضرت محمد
مصطفیٰ ﷺ کو لیا 248
مائیکل ایچ ہارٹ کا حضرت عمرؓ کے بارے لکھنا 249،248
متمم بن نویرہ کے بھائی کا غلطی سے قتل 298
حضرت مثنّیٰ بن حارثہؓ
_حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا 105
_بشیر بن خَصَاصِیَّہ کو اپنا جانشین مقرر کرنا 117
_جنگ نمارق میں رسالہ کے نگران 107
_ذُوقَار مقام پر مسلمانوں کی کمک کا انتظار کرنا اور وفات
پانا 117
_رستم کا آپ کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کرنا 107
_اہل فارس کی سرگرمیوں سے حضرت عمرؓ کو مطلع کرنا
114،113
_جنگ جسر میں مردانگی سے لڑنا اور زخمی ہونا 110
_حضرت عمرؓ کو جنگ کے بارے میں اطلاع 111
_شہدائے جنگ بویب کا جنازہ پڑھانا 112
_عراق کے سرحدی مقامات سے فوج اکٹھی کرنا 111

_ لشکر لے کر کچھ پیچھے ہٹنا اور حیرہ کو چھوڑ کر خَفَّانْ میں قیام کرنا 107
_ واپس حِیْرہ جانا اور اپنی فوج سمیت پیچھے ہٹنا 107
_ عراق کی اسلامی فوج کی کمان کرنا 106
_ مدینہ تشریف لانا 106
_ جنگ کی ترتیب اور ہدایات دینا 112،111
_ حضرت عمرؓ کا آپ کو عجمی علاقے سے نکل کر ساحلی علاقوں میں آنے کا حکم دینا 114
مجاشع بن مسعود 341،149
_ اَرْدَشِیْر اور سَابُور کا جھنڈا آپ کے سپرد 149
_ لشکر کے پچھلے حصہ کے نگران 145
مجاہد 360،359،296
مجاہد بن جبر 400
مجمع تمیمی 477
مُحَلَّم، نوشیرواں کے ملبوسات اس کو پہنائے گئے 128
محمد بن ابراہیم بن حارث 60
محمد بن ابی بکر 363،351
محمد بن ابو بکر کا باغیوں کے ساتھ مل جانا 348
محمد بن جعفر بن زبیر 311
محمد بن حنفیہ 392
محمد بن حَنَفِیَّہ، حضرت علیؓ کا بیٹا 466
محمد بن سیرین 361،99
محمد بن طلحہ 443،442،358
محمد بن عبد اللہ بن زید 256،24
محمد بن عبید 21
محمد بن عمر 372
حضرت محمد بن مسلمہؓ 270
محمد بن ہلال 385
محمد بن یحییٰ بن حبان 81
محمد بن یوسف 100
محمد حسین ہیکل 286،232،191،187
_ حضرت عمرؓ کی سیرت و سوانح لکھنے والے 166
_ حضرت عمرؓ کی مدینہ ہجرت کے بارہ میں مؤقف 22
_ حضرت عمرؓ کے سفر شام پر تبصرہ 189، 188
محمد رضا، مصر کے عالم 229،208
محمد (راوی) 467،474
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ 3،7،8،9،10،13،20،31، 32،33،34،37،52،54،55،61،81،136،248،249، 250،257،258،276،287،288،291،297،300،303، 306،315،319،320،325،327،329،331،350،356، 361،364،372،373،382،388،389،393،398،402، 403،404،406،409،410،412،422،425،426،431
_ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ علیّین میں سے 274،251
_ حضرت ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ کو جنت کی بشارت دینا 370
_ زمین پر دو وزیر ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں 275
_ امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکرؓ 382
_ آپؐ 21 سال کے تھے جب عمرؓ پیدا ہوئے 1
_ حضرت عمرؓ کو محدث کہنا 252
_ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے 255،251
_ اللہ کے دین میں سب سے مضبوط عمرؓ ہیں 382،263
_ اللہ نے حق کو عمر کی زبان اور دل پر جاری کر دیا 273
_ آپ ﷺ کا حضرت عمرؓ کو شہادت کی دعا دینا 220
_ اللہ کا عثمانؓ کا صدقہ قبول کرنا اور جنت میں شادی کرنا 333
_ اگر تیسری بیٹی ہوتی تو عثمانؓ کے ساتھ شادی کر دیتا 367،313
_ ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ کے ساتھ شادی کا ارادہ 29
_ آپؐ کے اخلاق میں سب سے زیادہ مشابہت عثمانؓ کو ہے 381
_ آپؐ کی نظر میں حضرت عثمانؓ کا مقام 393
_ ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کی قربانی 407 تا 410
_ اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت فرمائی 190
_ حضرت علیؓ کی آنکھیں ٹھیک کرنے کا معجزہ 427 تا 429
_ تبوک کے وقت حضرت علیؓ کو اپنا قائمقام بنانا 433
_ ابو طالب کا آپؐ کی حمایت 404
_ تم مصر کو فتح کرو گے 202
_ مقوقس کا آپؐ کو ہدیہ بھیجنا 203
_ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض 208
_ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اس امت کے امین 382
_ ابو جہل کا رسول ﷺ کو گالیاں دینا اور حمزہؓ کا کمان مارنا 2
_ ابو جہل کا آنحضورؐ کے قتل کا اعلان اور انعام مقرر کرنا 17،16،7
_ ام حرامؓ کو شہادت کی خبر دینا 339

_ آپ ﷺ کی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش تھا 372
_ آپ ﷺ کی آمد نے نقشہ ہی بدل دیا 145
_ آپ ﷺ کا جانشین مقرر نہ کرنا 234، 235
_ محرم کے مہینہ میں ہجرت مدینہ کے عزم کا ارادہ 100
_ آپؐ کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع ہوئی 376
_ آپؐ کے زمانہ میں مردم شماری 88
_ آپؐ کی زیادہ شادیوں کی حکمت 30
_ مدینہ کب تشریف لائے، مختلف آراء 101
_ بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ اور آیت کا نزول 26
_ بدر کے لئے آنحضرتؐ کی روانگی اور صحابہ سے مشورہ 25
_ بدر میں شاملین سے اللہ کے درگزر کرنے کا ذکر فرمانا 48
_ آپؐ کی غزوہ اُحد میں شہادت کا اعلان اور صحابہ پر اثر 31
_ احد پہاڑ پر چڑھنا اور اس کا ہلنا 220، 371
_ احد میں زخمی ہونا 422، 423
_ غزوہ اُحد میں گھاٹی میں آنحضورؐ کی دعا 31، 32
_ خندق کھودتے ہوئے پیشگوئی کرنا 126
_ آخری بیماری میں حضرت علیؓ کی خدمت 435
_ آنحضرت ﷺ کو دکھایا گیا تھا کہ مدائن فتح ہوگا 126
_ حدیبیہ میں 20 روز قیام، مدینہ واپسی اور سورۃ فتح کا نزول 42
_ غزوہ بنو غطفان، حضرت عثمانؓ کو مدینہ کا امیر بنانا 314
_ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرتؐ نے جھنڈا عمرؓ کو دیا 46
_ غزوہ تبوک کے موقع پر چندے کی تحریک اور صحابہ کی قربانیاں 49
_ وفات کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا ردعمل 105
_ خواب میں بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو دینا 262، 263
_ حضرت عمرؓ کا آپ ﷺ کا ادب واحترام کرنا 256، 257
_ عالم عمرؓ کی وفات پر روئے گا 220، 221
_ حضرت عمرؓ اہل جنت کے چراغ 251
_ حضرت عمرؓ کا آپؐ کو چٹائی پر دیکھ کر رونا 258
_ عمرؓ کا کہنا کہ آنحضورؐ فوت نہیں ہوئے 53
_ عمرؓ کے قبول اسلام کے لئے آنحضورؐ کی دعائیں 6، 7، 10، 18
_ حضرت عثمانؓ سے بغض رکھنے والے کا جنازہ نہ پڑھنا 393
_ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فتنہ کی بابت پیشگوئیاں 342
_ حضرت عثمانؓ سے فرشتے حیا کرتے ہیں 382
_ حضرت عثمانؓ سے مواخات 312
_ حضرت عثمانؓ کی خلافت کی بابت پیشگوئی 334
_ رسول کریم ﷺ حضرت عثمانؓ کا بہت احترام فرمانا 368
_ حقیقی حیا والے عثمانؓ ہیں 382
_ حضرت علیؓ آپ کے سیکرٹری 324
_ حضرت علیؓ کو نماز تہجد کی تلقین 419
_ حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشگوئی 459
_ حضرت علیؓ کو جاسوس عورت سے خط لینے بھیجنا 47، 430تا432
_ حضرت علیؓ کی کفالت 400، 401
_ دو دفعہ حضرت علیؓ کو بھائی قرار دیا 410
_ علیؓ کو فرمایا تم میرے بھائی اور ساتھی ہو 468
_ حضرت علیؓ کو یمن بھیجنا 434
_ حضرت فاطمہؓ کا رشتہ رب کا حکم 415
_ فرمایا حق مہر کے لیے پہلے انتظام کرو 414، 415
_ حلال و حرام کو جاننے والے حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں 382
_ سب سے زیادہ قرآن جاننے والے ابی بن کعبؓ ہیں 474
_ فرائض کو جاننے والے حضرت زید بن ثابتؓ 382
_ سفر میں آپ کا معجزہ 255، 256
_ سورۃ فتح کے نزول کے بعد لوگوں کا اعتراض 43، 44
_ شادی کے بعد فاطمہؓ کے گھر کو برکت دینا 415، 416
_ حضرت طلحہؓ کو ایک جہنمی قتل کرے گا 448
_ عشرہ مبشرہ کی خوشخبری دینا 251
_ عکرمہ بن ابوجہل کے ایمان لانے سے پیشگوئی پوری ہونا 329
_ قرآن اپنی اصلی حالت میں محفوظ 388
_ مُعَاہِد کافر کو قتل کرنے والا مسلمان آپؐ کی خدمت میں 136
_ مکہ پر امن ارادے سے عمرہ کرنے جانا 322
_ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے 251
_ میں علم کا شہر اور علیؓ اس کا دروازہ 466، 467
_ ہجرت مدینہ کے بارے میں مختلف آرا 101
_ ہر نبی کا رفیق ہوتا ہے میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہے 373
_ حضرت علیؓ کو ابوتراب بلانا 400

_واقعہ قرطاس کی تفصیل 50، 51
_وحی نازل ہوتے وقت شدید بوجھ 387
_آپ ﷺ کی پیشگوئی پوری ہونا 127
_آپؐ کی آخری بیماری میں وصیت اور صحابہ کا ردعمل 50
_آپؐ کے پرچم اور جھنڈے کی تفصیلات 46
_آپؐ کے حکم میں حضرت ابوبکرؓ کا ذرا تاخیر نہ کرنا 105
_آپؐ کی وفات کے بعد اسلام کا غیر قوموں میں پھیلنا 85
_آپؐ نے علیؓ سے فرمایا لکھو ہجرت کے بعد پانچواں سال 100
_آنحضرتؐ کا حرم میں رات کو عبادت کرنا اور عمرؓ کا سننا اور دل پگھلنا 8
_آنحضرتؐ کی بنو مصطلق کی طرف روانگی 35
_آنحضرتؐ کی حضرت حفصہؓ سے شادی 28، 29
_مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے تاریخ لکھنے کا ارشاد فرمایا 100
_حضرت ام حبیبہؓ کا آپ سے عشق کا واقعہ 350
_رسول اللہؐ پر اسلام لانے کے بعد صحابہ میں تبدیلی 15
_رسول اللہؐ کے کعبہ کی بجائے گھر میں نماز پڑھنے کی حکمت 15
_عمرؓ کا کہنا کہ کوئی شخص آپؐ کی نرمی اور رحمدلی تک نہیں پہنچ سکتا 64
_یورپین مصنفین کا آنحضورؐ پر اعتراض مگر ابوبکرؓ و عمرؓ کے ذکر پر ان کی محنت اور قربانی کو تسلیم کرنا 66
محمد بن حذیفہ، باغیوں کے ساتھ مل جانا 348
حضرت محمود بن لبیدؓ 372، 378
مرحب 472
مَرْدَان شاہ کا جنگ نمارق میں ایرانی لشکر کے دونوں بازوؤں کی کمان کرنا 107
مَرْضِی بن مُقَرِّن 153
مروان بن حکم 477، 378
حضرت مریمؑ 178
مریم، حضرت عثمانؓ کی بیٹی 397
حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
_آج کل فوجی تجارتوں میں مصروف ہیں اور ان کی پلاٹوں پر نظر 96
_پاکستان میں احمدیوں کو فوج سے نکالے جانے کا کہنا جبکہ احمدی فوجیوں نے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں 97
_حضرت اقدسؑ کا بیان تاکہ لوگوں کے ذہن سے عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر جانے کے تصور کو ختم کیا جائے 56
_عمرؓ کے گھر میں خوفزدہ ہو کر بیٹھنے والی بات صحیح نہیں لگتی 21
_آل ذریح والی روایت اگر صحیح ہے تو کوئی کشفی نظارہ ہو گا 8
_عمرؓ کے قبول اسلام کی روایات پر محاکمہ 18
_قرآن کو بیض عثمانی کہنا غلط ہے 390، 391
مسعود بن حارثہ کا جنگ بویب میں شہید ہونا 112
مسلمہ بن مخلّد 204
مسور بن مخرمہؓ 235، 334، 393
مسیح 251
مصعب بن سعد 327، 433
حضرت مصعب بن عمیرؓ 23، 30، 315، 422
_پہلے مہاجر صحابی 23
_آپؓ کی شہادت 30
_حبشہ کی طرف ہجرت کرنا 306تا308
_آپ کا ڈیل ڈول رسول کریم ﷺ سے ملتا 315
حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ
5، 6، 13، 15، 24، 27، 28، 44، 49، 63، 65، 67، 71، 72، 73، 76، 77، 78، 79، 84، 86، 88، 90، 92، 94، 97، 98، 99، 110، 124، 125، 136، 138، 161، 184، 185، 196، 200، 212، 213، 214، 221، 222، 235، 236، 237، 238، 241، 242، 244، 253، 254، 256، 259، 260، 261، 263، 265، 266، 268، 273، 276، 277، 287، 292، 296، 325، 328، 330، 331، 336، 343، 345، 359، 361، 365، 367، 370، 382، 388، 389، 403، 406، 407، 409، 418، 419، 420، 423، 425، 427، 428، 429، 431، 433، 440، 441، 444، 445، 446، 447، 448، 454، 456، 460، 463، 464، 466، 468، 469، 471، 472، 474، 476، 477، 478، 480، 481
_آپ کو تاریخ پر بڑا عبور تھا 185
_اپنے خطبہ میں ایک وصیت 221
_حضرت عکرمہؓ کا واقعہ بیان کرنا 185
_حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو چوم کر کہنا تو ایک پتھر ہے 260
_حضرت عمرؓ کی شہادت کی دعا پر تبصرہ 221، 222
_خلفائے راشدین کے دور میں ہونے والی جنگوں کا ذکر 213، 214
_فتنہ کے وقت چند آدمیوں کا نماز کے وقت پہرا 238

_اسلامی حکومت کا کام کہ ہر ایک کی روٹی کا انتظام کرے
88،86
_اسلامی حکومت کے نظم و نسق کی تبدیلیاں 84
_بدر کے قیدیوں کے فدیہ کی بابت رائے صحیح لگتی ہے 27
_اشاعت قرآن کے بارے تبصرہ 480،387
_اونٹوں کا چرانے والا شخص عظیم الشان بادشاہ بن گیا268
_آپ کا جنگ جسر پر تبصرہ 110
_جنگ قادسیہ کا ذکر 124
_جنگ کے دوران مسلمانوں کے عبادت کے رنگ
213،212
_حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط والا واقعہ 431،430
_حضرت ساریہؓ والا واقعہ بیان کرنا 161
_حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ 343
_حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد 370، 443،444،446
_حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے زیادہ لوگوں کو محبوب344
_حضرت عثمانؓ کی جرأت و بہادری 365
_حضرت علیؓ کی ایک ایمان افروز داستان 475
_حضرت علیؓ کے عمل سے عمدہ مثال 481
_حضرت عمرؓ کے یروشلم جانے پر تبصرہ 196،195
_حضرت عمرؓ کی حضرت ابو بکرؓ سے کسی بات پر تکرار 270،269
_حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ 237
_حضرت عمرؓ کے قبولیت اسلام کا واقعہ 277
_حضرت عمرؓ کی وفات پر حضرت عثمان کا خلیفہ بننا 336
_حضرت فاطمہؓ کا چکی پیسنے تکلیف، غلام کا مطالبہ 418،417
_حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرے تو بیمہ کی ضرورت ہی نہ رہے 86
_رسول کریم ﷺ سے مشورے سے قبل صدقہ کرنا
473
_رسولِ کریم ﷺ کا زمانہ خوف و خطر کا زمانہ
265
_رسولِ کریم ﷺ کی وفات پر صحابہ کا اجماع 259،56
_شہادتِ عثمانؓ سے قبل کی تفصیلات 361
_عبید اللہ بن عمر کا ہرمزان کے بیٹے کے حوالے کیا جانا
137،136
_علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان ہونے والی تحکیم پر تبصرہ
455تا457
_عمرؓ کے قبول اسلام کے متعلق حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد 13
_قاتلین عثمانؓ کی بد تہذیبی کا ذکر 365
_قرآنی تعلیم نے ان (مسلمانوں) کے اخلاق اور ان کی عادات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا 125
_مسلمانوں کا وصول شدہ ٹیکس واپس کرنا ایسا نمونہ جو کسی بادشاہ نے نہیں دکھایا 185،184
_مسلمانوں کی تباہی کے اسباب 449،448
_مِکْنَفْ غلام کے عہد کا واقعہ بیان کرنا 139،138
_مومن سے اگر کوئی چیز کھوئی جائے تو یہ دیکھا چاہیے کہ کس کے لئے کھویا، پریشانی کی ضرورت نہیں 77
_نبی کریم ﷺ کا تین موقع پر فرمانا عثمانؓ نے جنت خرید لی
331
_ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کی قربانی 408،407
_یورپ میں غلامی کا رواج انیسویں صدی تک رہا 79
_حضرت عمرؓ کی وفات پر بعض صحابہ کا رؤیا 222
_عمرؓ کی اہل بیت سے عقیدت کے اظہار کے سبب کا بیان
67
_لین دین کے بارہ میں اسلامی احکام کا ذکر 99
مُضَارِب بن فُلان عِجْلِی 130
مَطَر بن فِضَّہ کا جابان کو زندہ گرفتار کرنا 108
مُطَرِّف بن عبد اللہ بن شِخِّیْر کو نیشاپور کی طرف بھیجا جانا
155
حضرت معاذ بن جبلؓ 175، 176، 181، 284
_آپؓ کا سفارت کے لیے جانا 165
_حلال و حرام کو جاننے والے ہیں 382
_طاعون کی وجہ سے وفات 284
_کی مجلس شوریٰ کے ممبر 88
_حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ مفتی تھے 92
حضرت معاذ بن عفراءؓ کی عمرؓ کے ساتھ مؤاخات 24

حضرت معاذؓ کا بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 412
حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ 162، 172، 174، 180، 192، 240، 340، 369، 370، 380، 467، 472، 475، 477، 478، 479، 482
_آپؓ کے ہاتھ قبرص کی فتح 339
_پہلی اسلامی بحری جنگ کرنے والے 380، 381
_حضرت عثمانؓ کو فتنہ بڑھنے کی صورت میں 4 تجاویز 359، 366
_حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان تحکیم 455 تا 457
_قیساریہ کا امیر بنایا جانا 171
معبد، غزوہ حمراء الاسد کے موقع پر رئیس خزاعہ معبد کا ابوسفیان کے دل میں رعب ڈالنا 34
مَعْقِل کا فتح کے بعد حضرت نعمانؓ کو فتح کی خوشخبری دینا 148
معمر 10، 393
حضرت معوذؓ، بدر میں مبارزت کے لیے نکلنا 412
حضرت مغیرہ بن الاخنسؓ 357
مغیرہ بن الاخنسؓ کا حضرت عثمانؓ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہونا 358
مُغِیرہ بن زُرَارَہ کا بادشاہ ایران سے بات کرنا اور بادشاہ کا مٹی کا ٹوکرہ منگوا کر آپ کو دینا 118
مُغِیرہ بن زُرَارَہ یَزْدَجَرْد کے دربار میں، ہم وحشی تھے خدا نے رسول ﷺ کے ذریعے ہمیں ہدایت دی 125
حضرت مُغِیرہ بن شُعْبَہؓ 120، 144، 270
_حضرت نعمانؓ کی وفات کو مخفی رکھنے کی وجہ 147، 148
_آپؓ کا بے قرار ہونا 147
_**اَھْوَاز** کو فتح کرنا 131
_آپؓ پر جو اخلاقی الزام لگا تھا وہ غلط ثابت ہوا 131
_دربار میں بطور ایلچی جانا 119
_رستم کا آپؓ کی بات سن کر سخت برہم ہونا 119
_نجف میں مشہد کے مقام پر آپؓ کا مزار 466
_والیٔ کوفہ 229
_ایرانی دربار میں گفتگوں کے لیے جانا 145
_آپؓ کے غلام کا حضرت عمرؓ کو شہید کرنا 225، 228
حضرت مقداد بن اسودؓ 47، 204، 337، 339، 430
حضرت مقدادؓ 25، 180
مقوقس 202، 203، 205، 206
مقیس بن صبابہ فتح مکہ کے موقع پر قتل کرنے کا حکم 327
مکرز بن حفص 320
مِکْنَف، ایک غلام تھا جس نے ایک قوم سے معاہدہ کر لیا 138
مُلَیْکَہ بنت جَرْوَل 247
مُنْذِر بن عَمْرو، نُعَیْم بن مُقَرِّن کے بھتیجے 151
مُہَاجِر بن زیاد 132
مہران 111، 112
موسیٰ بن طلحہ 372
موسیٰ بن محمد 305، 311
حضرت موسیٰؑ 25، 403، 433
میر محمود احمد ناصر 132
_جنگ نمارق پر تبصرہ 108
_حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت پر ایک مقالہ 104
میسرہ بن مسروق، عرب میں بہادری کے لحاظ سے مشہور 176، 177
میکائیلؑ 275، 464
میمون بن مہران 99
مِینَاس ہِرَقل کے بعد روم کا سب سے بڑا سپہ سالار **169**
مِینَاس کا قتل ہونا **170**
نادر شاہ 218
حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ 331
نافع 230، 231، 289، 392
نائلہ بنت فَرَافِصَۃ بِنْ اَحْوَصیہ، حضرت عثمانؓ کی زوجہ 397
نائلہ کی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت انگلیوں کا کٹنا 362 تا 365
نائلہ بنت فَرَافِصَۃ بِنْ اَحْوَصیہ پہلے نصرانی تھیں لیکن رخصتی سے پہلے اسلام قبول کیا 397
نَرْسِی 107، 108، 109
نزّال بن سبرہ 337

نُسَیر بن عمرو عِجلی، فتح کرمان میں ہراول دستہ کا نگران
161

حضرت نُعمان بن مُقرّن
_آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابی 144
_نہاوند کے اہم ترین محاذ کی کمان آپ کے سپرد 143، 144
_آپؓ کا جاسوس بھیجنا 145
_جنگ نہاوند سے قبل مجلس شوریٰ منعقد کرنا 145، 146
_حضرت عمرؓ کا آپ کو خط اور ہدایت 144
_سعد بن ابی وقاصؓ کا آپ کو خراج کی وصولی پر لگانا 144
_عاشقِ رسول 146
_گھوڑے پر سوار ہو کر پر جوش تقریر کرنا 147
_بادشاہ ایران سے بات کرنا 118
_زخمی ہو کر گرنا 147
_شہادت کی دعا کرنا 147
_یَزْدَجَرْد کے دربار میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرنا 124
_شہادت پر حضرت عمرؓ کو صدمہ 148
_حضرت مُغیرہ بن شعبہؓ کا آپ کی وفات کو مخفی رکھنا
147، 148
_میں قتل بھی ہو جاؤں تو لڑائی چھوڑ کر میرے پاس نہ آنا
148
حضرت نُعَیم بن مُقرّن ؓ، اسلامی لشکر کے مقدمہ پر مقرر ہونا 145
_حضرت نعمانؓ کے زخمی ہونے کے بعد جھنڈے کو تھامنا
147
_حضرت عمرؓ کا آپ کو ھَمَدَان فتح کرنے کے لیے بھیجنا
150
_اپنے بھائی سُوَیْد بن مُقرّن کو قُوْمِیس کی فتح کے لیے بھیجا 151
نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو کُوثٰی میں قید کیا 127
نمیلہ بن عبد اللہؓ، صلح حدیبیہ کے لیے آپ کو مدینہ کا امیر بنانا 317
حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ
63، 267، 290

_اسکندریہ کی لائبریری جلائے جانے کے اعتراض 210
_حضرت عمرؓ کے دربار کا واقعہ 290
_حضرت عثمانؓ شائع کنندہ قرآن 397
_حضرت علیؓ سے قرآن کے معارف سیکھے 397
_حضرت عمرؓ کے یروشلم جانے پر تبصرہ 195، 196
نوشیر واں 215
مُحَلِّم نامی شخص کو نوشیر وان کے ملبوسات پہنائے گئے 128
نوفل بن عبد اللہ، خندق کو پار کرنے والے 423
نولڈکے (Theodor Noldeke) کا حفاظتِ قرآن کا اقرار کرنا 388
نیار بن مکرم 369
واقد بن ابو یاسر 372
واقدی 339، 340
وَالِق بن جِیْدَارَہ جنگ نمارق میں میمنہ کی کمان سپرد ہونا
107
ولید بن عتبہ 412
ولید بن عقبہ 398
ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کا بھائی 393، 394
ولید بن مغیرہ 10
ولید، حضرت عثمانؓ کے بیٹے 397
ولیم ڈریپر (John William Draper) 211
ولیم میور (William Muir) کا حفاظتِ قرآن کا اقرار
388، 389
ہاشم بن ابی وقاص حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی
127
حضرت ہاشم بن عتبہؓ 121، 128، 176
حضرت ہاشم بن عُتبہؓ، جَلُولَاء کے معرکے میں امیر لشکر
130
ہاشم 1
ہبیرہ بن ابو وہب، خندق کو پار کرنے والے 423
ہرقل 164، 165، 167، 169،
173، 188، 196، 198، 206، 213
_20ھ کو فوت ہونا 199
_انطاکیہ کی طرف فوج روانہ کرنا 197
_مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری و وفات 207
ہرمز 297

ھُرْمُزَان 267،266،242،241،232،231
_اسلام قبول کرنے سے پہلے خُوْزَسْتَان صوبہ کا گورنر 131
_ایرانیوں کا آپ کی قیادت میں رَامَھُرْمُزْ میں جمع ہونا 133
_شکست کھا کر تُسْتَر کی طرف بھاگنا 133
_عبید اللہ بن عمر کا آپ کو قتل کرنا 230
_اسلام قبول کرنا اور مدینہ میں رہائش اختیار کرنا
136،135
_آپ کا گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کے دربار خلافت میں پیش ہونا 134
_حضرت عمرؓ کی آپ سے گفتگو 135
_حضرت عمرؓ کو دیکھ کر کہنا کہ یہ شخص نبی معلوم ہوتا ہے
134
_ایک شبہ کہ حضرت عمرؓ کی شہادت میں ھُرْمُزَان کا ہاتھ تھا 136
_حضرت عمرؓ کی شہادت میں ملوث ہونے کا شبہ
230،229،228
_مسلمانوں کے ساتھ وفا کے بندھن توڑنا 154
ہُشام بن عاصی 184
حضرت ہشام بن عامرؓ 355
ہشام بن عروہ 263
ہشام 386
ہلال 385،313،122
ہند ابو سفیان کو غیرت دلانا 181
ہند کی بہادری 181
ہند زوجہ ابو سفیان 180
ہیڈن(Haydn) 211
یحیٰ بن سعید بن مسیب 288،78
یحیٰ بن عبد الرحمٰن 381،267
یحییٰ بن یعمر 468
یَرفا، حضرت عمرؓ کا غلام 295،81
یَزْدَجَرْد 196،154،132
_حضرت نعمان بن مُقَرِّنؓ 124
_خسرو پرویز کا پوتا 124
_عرب وحشی اور مُردار خور قوم 124
_اَحْنَف بن قیس سے مقابلہ اور شکست 156،155
_خَاقَانْ سے امداد کی درخواست کرنا 155
_ہمسایہ ممالک کو مدد کے لیے بلانا 156
_حاکم چین کا مسلمانوں کی خصوصیات کے بارے اقرار 57
_ہر سال فوج کو بھیج کر جنگ کی آگ بھڑکانا 149
_اگر قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو تم سب کو قتل کر دیتا 118
_ایران کا بادشاہ 118
_بڑی سرگرمی سے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے لشکر جمع کرنا 141
_خوف کے مارے حاکموں سے امداد کی درخواست کرنا
155
_رستم کو بلانا اور اس کا بہانے کرنا 118
_رستم کو جنگ کرنے کی تاکید کرنا 119
_لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے غیرت دلانا
133
یزدگرد 216
حضرت یزید بن ابو سفیانؓ
194،190،183،182،180،175،174،168
_دمشق جانا اور وفات 171
_طاعون کی وجہ سے وفات 284
_ابو سفیان کا آپ کو شجاعت دکھانے کی نصیحت 183
_حضرت ابو عُبَیدہؓ کا دِمَشق پر آپ کو اپنا قائم مقام بنانا
164
یزید بن ابو عبید 255
یزید بن ثابت 47
یزید بن رومان 305
یزید اسلام کی تاریخ میں جو بدنام یزید 168
یوحنا النحوی 209،208
یوسف بن یعقوب 290
یولیوس قیصر،(جولیس قیصر، جولیس سیزر) 210،209

مقامات

ابرشہر 340
اَبطح 288،76
ابی سینیا 308
ابی ورد 340
اثریب 205
احد پہاڑ 220
احمر (بحیرۂ) 311،308
اذرعات 264
اَردَشیر 149
اردن (دریا) 175،164
اردن 305،188،175،166،165،164،97
ارض سواد 109
اَرمَن 153
ازبکیہ 203
اساودہ 339
اسکندریہ 206،205،203،198،196،
339،294،211،210،209،208،207
اصبہان 155،154
اصطخر 218،159،158،149،133
اصفہان 216،154،150،149،141،131
افریقہ 311،308،212
افریقہ (شمالی) 249
افریقیہ 341تا338
افغانستان 341،340،213
اکسوم 311،308
ام دنین 205،204،203
امریکہ 479
اندلس 340،339،338
انطاکیہ 197،196،188،184،174،173،170،169
اہواز 139،132،131
ایتھوپیا 308
ایران ،111،105،104،67
،143تا139،131،129،125،118،116،113
441،340،262،249،217،216،154،149
ایشیائے کوچک 218،212
ایلہ 264
ایلیا 194،193،192،191،189،187،171
آذربائیجان 387،153،152،150،149،104
آرمینیا 387،340،338،212،174،153،104
بابلیون 206،205،204،202
باقسیاثا 109
بَاب 153
بابل 126
باذغیس 341
باروسما 109،108
بازنطین 207
بَتَنِیّہ 164
بحرالکاہل 212
بحرین 477،332،93،85
بخارا 213،155
بدر 424،412،314،312،291،32،25
برصغیر (پاک و ہند) 342،341،298
برقہ 211
بصرہ ،131 ،109 ،107 ،102 ،97 ،96 ،95 ،89 ،88
458،451،449،363،355،349،،197،142،141،133
بصریٰ 131
بطحا 416،288
بطحان 38،37
بَعلَبَک 164،163
بغداد 457،128،127،113،107
بِقاع 164،163
بقیع 465،275

مقام	صفحات
بلبیس	202،203،204
بلخ (دریا)	341
بلخ	155،156،162،339،340،341
بلقاء	165
بلوچستان	104،163،342
بنو طی	433
بنی ساعدہ	56
بہُرسِیر	127
بویب	111
بیت اللہ	21،41،43،260،316،317،،320،322،324،429،430
بیت المقدس	8،186،187،188،189،192،195،201،282
بیروت	164
بیسان	166
پاکستان	97،342
پلوزی	200
تبوک	410
تدُمُر	164
تُربہ	45
ترکمانستان	340
ترکی	249
تُستُر	133،229،266
تفلیس	153
تکریت	113
تیونس	212
تھانہ	163
ثمخ	81
جابیہ	188،189،190،191،195،198،199
جِبال	154
جبل احمر	204
جدہ	95
جُرجان	141،151
جَرمیذان	152
الجزائر	338،339
جزیرہ	88،174،196،197،198،199،220
جسر	111
جعرانہ	260
جلُولاء	128،129،130،133،141
جُندی سابور	138
جَور	158
جوزجان	339،340
جوسیہ	167
جیّ	150،155
جیحون (دریا)	155،156،212
جِیرفُت	161
جیزہ	102
چین	155،157،208
حاضر	169
حبشہ	4،5،142،272،306،307،308،309،310،311
حجاز	34،142،283،305،371،411
حدیبیہ	40، 41، 42، 43، 279، 316، 318، 320، 321، 322، 331
حرا (پہاڑ)	470
حرّان	198
حرّۃ الوبرہ	70
حرم	8،318،321،323،324
حرمین	275
حرۂ واقم	69،70
حرّہ واقم کو حرہ بنو قریظہ بھی کہتے ہیں	70
حلب	164،166،169،188،196
حماۃ	168،196
حمراء الاسد	33،34
حمص	97، 163، 164، 166، 167، 168، 169، 170، 173، 174، 175، 184، 188، 196، 197، 198، 199، 220

حنین 48
حوران 164
حیرہ 107، 111، 230، 233
خانہ کعبہ 2، 8، 14، 15، 16، 17، 18، 19، 21، 22، 39، 41، 44، 64، 77، 195، 296، 309، 317، 320، 327، 408، 432
خراسان 104، 107، 128، 141، 149، 151، 154، 155، 156، 162، 338، 340، 341
خفّان 107
خلیج تراجان 203
خوزستان 104، 131، 133، 138
خیبر 45، 46، 47، 218، 289، 371، 426تا429، 467
دارابجرد 149، 159، 286
دارارقم 3، 10تا14، 305
دارالامارۃ 465
دارالدّقیق 70
دارالاسلام 10
دجلہ 107، 113، 127
دجلہ (دریا) 95
دریائے عتیق 120، 122
دَستبی 148
دمشق 97، 101، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 173، 174، 175، 217، 249، 379
دُنْیاوَنْد 141، 151
دوزخ 18، 358، 454
دیبل 163
دینوری قُم 141
ذَفِران 25
ذوخشب 444
ذُوالکلاع 167
ذوقار 117
ذوالحلیفہ 317
ذوالمروۃ 411، 444
ذی امر 314
رَامھُرمُز 133
رفح 201
رقہ 198
رملہ 171، 192، 282
روحاء 34
روضہ خاخ 430
روم (بلاد) 338، 340
روم 171، 174، 182، 214، 215، 216، 258، 263، 294، 349، 478
روم (بحیرہ) 95، 200، 203
رَے 130، 132، 150، 151، 154، 196
رھاء 167، 188، 198
زرقاء 305
زَرَنج 162
زَنجان 154
زوراء 394
ساباط 113، 119
سابُور 149، 467
سائپرس 338
سبستیہ 171
سپین 200، 211، 338، 339
سَجستان 149، 162، 342
اس سَجستان کو ایرانی سِیستان کہتے ہیں 162
سرخس 155، 340
سرغ 283
سسلی 200
سفوان 412
سقاطیہ 108
سلطیس 206
سَلَمْیَہ 168
سمرقند 155
سَنح 51

سندھ 141،162،163،341
سندھ (دریا) 212
سوادِ عراق 113،129
سُوس 132
سویت رشیا 87
سویز 95،203
شام (صحرائے) 188
شام 8، 77، 86،88، 89، 91، 93، 104، 106، 111، 120، 126، 142، 143، 164، 166، 167، 168، 170، 171، 173، 175، 177، 182، 184، 187 تا 190، 196 تا 200، 202، 216 تا 218، 223، 249، 263، 264، 266، 280، 283 تا 285، 305، 330، 332، 333، 339، 341،355،359،366،387،388،441،446،454،458
شراف 115،116،117
شعیبہ 308
شمام 358
شہرَستان 155
شیر 161
شیراز 159،467
شیزر 168
صرار 70،71،114،357
صُغد 155
صفا (پہاڑ) 10
صفراء (وادی) 25
صفین 454،455
صنعاء 126
صواری 338،339
صور 218
ضجنان 267
طالقان 156،339،340
طائف 260،289،305،389
طبرِستان 141،151،338،339
طبریّہ 164،166
طبریّہ (بحیرہ) 164
طَبَس 155
طبَسان 155
طبسین 162
طخارستان 156،339،340
طرابلس 211،212
طرنوط 206
طوس 340
عالیہ 93
عدوا 308
عذیب القوادس 116
عذیب الھجانات 116
عراق 91،104،105،106،107،111،113، 121، 124، 126، 127، 128، 131، 139، 140، 143، 149، 154، 167، 196، 197، 198، 217، 219،220،224،249،295،387،388،405،454
عرب 4،6،13،27،28،34،46، 47، 78، 82، 96، 101، 102، 103، 111، 112، 114، 122، 143، 145، 156، 174، 175، 176، 178، 179، 180، 190، 200، 216، 223، 232، 246، 249، 298، 308، 317، 346، 350، 358، 367،368،390،398،405،423،440،441
عربسوس 218
عرفات 296
عریش 201
عسفان 42،317
عشیرہ 411
عقیق 83
عکاظ 4
عمان 143
عمواس 282،283،285
عین الشمس 205
عین الشہداء 164
غار ثور 408
غرناطہ 211
غزہ 171،173
فارس 104،105،114،126،131، 155، 158، 159، 165، 214، 215، 216، 217، 218،220،249،258،294،349،354،467

فاریاب 339، 340
فحل 164، 166، 167
فرات 76، 107، 109، 110، 111، 118، 120، 277، 455
فرما 95، 200، 201، 202
فسا 149، 159، 286
فسطاط 95، 96، 97، 102، 202، 205، 206
فلسطین 88، 97، 164، 171، 174، 189، 192، 195، 196، 201، 249
فیروزان 154
فیوم 205
قادسیہ 113، 116، 117، 118، 119، 123، 120، 124، 126، 141، 217، 220
قادیان 77
قاہرہ 203
قبا 23، 408
قبح 154
قبرص 338، 339
قبّہ 94
قدیس 120
قرسیسیا 198
قزوین 151، 154
قسطنطنیہ 174، 184، 207، 189، 340
قصرِ شیریں 130
قطر 477
قلزم (بحیرۂ) 95، 264
قم 141
قنسرین 169، 170، 196
قوادس 113
قومس 141، 151
قومیس 151
قیساریہ 170، 171، 172، 173
کابل 341
کراع الغمیم 42
کرمان 104، 149، 154، 161، 162، 386
کرمان شاہ 141
کریون 206
کسکر 107، 108، 144
کوثیٰ 127
کوفہ 88، 89، 90، 91، 96، 97، 102، 107، 109، 111، 113، 117، 133، 141، 142، 143، 144، 149، 155، 156، 197، 198، 199، 229، 349، 355، 405، 455، 458، 460، 465، 477، 478
لاذقیہ 168، 169
لان 153
لد 171، 192
ماسبذان 130، 141
ماہین 141
مدائن 68، 110، 113، 117، 118، 119، 125، 126، 127، 128، 130
مدینہ 20، 22، 23، 25، 28، 29، 32، 33، 34، 35، 37، 44، 47، 51، 67، 68، 70، 72، 73، 75، 79، 81، 82، 83، 84، 85، 88، 93، 95، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 104، 105، 106، 107، 110، 111، 114، 116، 123، 124، 128، 131، 134، 135، 136، 141، 144، 148، 149، 160، 161، 187، 188، 195، 197، 198، 199، 204، 207، 219، 221، 222، 224، 225، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 235، 236، 239، 240، 241، 248، 250، 267، 274، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 288، 290، 304، 307، 311، 312، 313، 314، 315، 316م، 317، 321، 324، 326، 332، 333، 337، 344، 345، 347، 349، 350، 351، 353، 355، 356، 357، 359، 362، 363، 366، 370، 371، 375، 389، 390، 394، 395، 407، 408، 410، 411، 412، 423، 428، 432، 433، 434، 440، 441، 443، 444، 445، 446، 449، 465، 467، 469
مرار 71
مراکش 211، 338، 339
مرّالظّہران 44
مَرْجُ الروم 167، 168
مَرْو 141، 154، 155، 156
مروروذ 155، 156، 338، 340
مَرْو شاہ جہان 155

مریسیع 35

مسجد اقصیٰ 193

مسجد حرام 2، 4، 13، 42، 43، 260، 380، 432

مسجد نبوی 83، 89، 195، 207، 244، 247، 289، 349، 375تا379، 443

مشہد النجف 465، 466

مصر 88، 95، 97، 104، 200تا207، 209، 211، 212، 216، 217، 238، 249، 285، 286، 341، 349، 355

معان 305

مغیثه 116

مکران 104، 149، 162، 163، 341

مکہ 5، 6، 10، 13، 14، 15، 18، 20، 23، 25، 27، 33، 34، 35، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 47، 70، 76، 88، 95، 101، 102، 114، 215، 248، 267، 274، 275، 283، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 316، 317، 318، 319، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 346، 350 353، 355، 389، 398، 401، 404، 406، 407، 408، 410، 411، 412، 425، 426، 430، 431، 432، 433، 446، 449، 450، 460

مَناذِر 132

منوف 205

منوفیہ 205

منیٰ 76، 288، 346، 429

مِہرجان قذق 155

موصل 97، 102، 113، 149

مُوقان 153، 154

مَیسَنون 163

نابلس 171

نجد 93، 115، 314، 326، 389، 440

نجران 78، 100

نجف 465، 466

نسا 340

نصیبین 198

نقیوس 206

نمارق 107، 108

نہاوند 140، 141، 144، 145، 148، 149، 150، 220

نہر ابو موسیٰ 95

نہر امیر المومنین 95

نَہْر تِیْرِیٰ 132

نہر سویز 95

نہر معقل 95

نہروان 457، 458

نوبہ 212

نیشاپور 151، 155، 156

نیل (دریا) 95، 200، 203، 204، 205، 285، 286، 289

ہرات 155، 339، 341

ھَمدان 141

ہمدان 434، 480

ھَمَذان 141، 148، 150، 154، 155

ہند (بلاد) 341

ہند 163

ھَنْدَف 130

ہندوستان 210

وادیٔ القریٰ 274، 371

وادیٔ تبوک 283

واسط 107، 131، 457

یافا 171

یرموک 175، 176، 184، 216، 217

یروشلم 184، 195، 196، 249، 379

یمامہ 252، 440

یمن 8، 69، 78، 79، 99، 100، 126، 142، 329، 389، 390، 434

ینبع 411، 467

یورپ 79، 200، 221، 268

کتابیات

ابن اثیر 109، 110، 188، 209، 224،
450، 455، 457، 465
اخبار الطوال 106، 133، 148
الاستیعاب 372
اسد الغابہ 245، 402
الاکتفاء اسلامی جنگوں پر مشتمل ایک کتاب ہے 201
الاکلیل 100
البدایہ والنھایہ 229، 245، 339
بیاض عثمانی 390، 399
البیان والتبیین 298
بھگوت 210
پستک 210
تاریخ ابن خلدون 109، 192، 209، 339
تاریخ ابن عبد الحکم 209
تاریخ اسلام بعہد حضرت عمرؓ (مقالہ سید میر محمود احمد ناصر صاحب)
104
تاریخ الخلفاء 245
تاریخ بلاذری 106، 109، 131،
132، 150، 163، 171، 184، 191، 209
تاریخ طبری 60، 82، 106، 107،
109، 110، 114، 115، 116، 117، 122، 127،
131، 132، 136، 144، 145، 148، 150، 159،
163، 184، 187، 188، 191، 209، 224، 230،
231، 241، 286، 339، 344، 347، 348، 370،
401، 404، 436، 441، 446، 453، 480
تاریخ عمرو بن عاصؓ 209
تحفہ غزنویہ 55
تصدیق براہین احمدیہ 210
تفسیر الجامع الاحکام للقرطبی 388
تفسیر طبری 27
تفسیر کبیر (امام رازیؒ) 28
تفسیر کبیر 98
تفسیر حضرت مصلح موعود (غیر مطبوعہ) 27
دلائل النبوۃ 159
دی کران (القرآن) 388
ڈکشنری (dictionary of dates relating to all ages)
211
رامائن 210
سبل الھدیٰ والرشاد 100
سر الخلافۃ 438
سنن ابن ماجہ 342
سنن الترمذی 245، 254، 342، 343
سنن الکبریٰ للبیہقی 161، 437
سنن نسائی 327، 328
سنین الاسلام 211
سیدنا عمر بن خطاب شخصیت اور کارنامے از صلابی 297
السیرۃ النبویہ لابن کثیر 437، 438
سیرۃ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب 437
سیرۃ النبی (شبلی) 28
سیرت ابن ہشام 22، 23، 37، 57
سیرت حلبیہ 7، 8
سیرت خاتم النبیین
29، 36، 37، 42، 126، 315، 405، 408، 416
سیرت عمر فاروق از محمد رضا 208، 229
الشروط 100
صحاح ستہ 253، 255
صحیح البخاری 11، 12، 20، 28، 36، 38، 50، 56،
78، 99، 104، 145، 224، 225، 226، 227، 228، 253،
255، 257، 258، 262، 263، 272، 283، 290، 309،
313، 326، 328، 335، 375، 392، 394، 395، 396،

437،436،435،420،418،410،400
صحیح مسلم 26،36،50،234،235،245،253،254،
255،271،328،346،382،396،418،426،427
الطبقات الکبریٰ 7
العقد الفرید 135
عمدة القاری 226
الفاروق (شبلی) 98،101،171،298
فتح الباری 39،78
فتوح البلدان 133
فقہ احمدیہ 394،395
قسطلانی شرح بخاری 53،410
کتاب الخراج 341
کتاب اللہ 51،94،290،296،387
کندی 209
گیتا 210
لائف آف سیزر 211
لائف آف محمدؐ 389
لنگ پران 210
مارکنڈی 210
مختصر الدول 208
مسند احمد بن حنبل 38،411،435
مسند البزار 475
ملل و النحل 53
مہابھارت 210
نعمة الباری 395
وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ 239
یعقوبی 209
Conflict between religion and science 211
History of the Arabs 250
The Hundred 248

ببلیو گرافی

1 **اٹلس سیرت نبویؐ** از ڈاکٹر شوقی ابو خلیل ترجمہ حافظ محمد امین مطبوعہ دار السلام الریاض1424ھ

2 **الاخبار الطوال** از ابی حنیفہ احمد بن داوٗد الدینوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2001ء

3 **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور مطبوعہ عالمین پبلیکیشنز پریس ہجویری پارک لاہور2002ء

4 **اردو لغت** (تاریخی اصول پر) زیر اہتمام ترقی اردو لغت بورڈ کراچی2006ء

5 **ارشاد الساری شرح بخاری** از ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، دار الفکر بیروت2010ء

6 **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء** از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اردو ترجمہ اشتیاق احمد قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

7 **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب** از ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر قرطبی، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2002ء / 2010ء

8 **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ** از عزّ الدین بن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد جزری، دار الفکر بیروت، 2003ء / دار الکتب العلمیۃ بیروت، 2003ء / 2008ء / 2016ء

9 **الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ** از شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، مطبوعہ دار الفکر بیروت 2001ء / دار الکتب العلمیہ بیروت 2005ء

10 **الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللّٰہ والثلاثۃ الخلفاء** از ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ کلاعی اندلسی، مطبوعہ عالم الکتب بیروت1997ء

11 **انسائیکلوپیڈیا سیرت صحابہ کرامؓ** از مطبوعہ دار السلام ریاض سعودی عرب1438ھ

12 **انوار العلوم**، از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ والمصلح الموعودؓ، شائع کردہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ، رقیم پریس، اسلام آباد ٹلفورڈ یوکے

13 **البدایۃ والنہایۃ** از حافظ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی، مطبوعہ دار ہجر بیروت 1999ء / دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2001ء

14 **برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش** از محمد اسحاق بھٹی، مطبوعہ مکتبہ السلفیہ لاہور1990ء

15 **تاج العروس من جواہر القاموس** از محب الدین ابی فیض محمد مرتضیٰ حسینی، دار الفکر بیروت1994ء

16 **تاریخ ابن خلدون** (**المسمٰی کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر**) از عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون، دار الکتب العلمیۃ بیروت2016ء / مترجم اردو دار الاشاعت کراچی2003ء

17 **تاریخ اسلام بعہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ** از مکرم سید میر محمود احمد ناصر صاحب غیر مطبوعہ مقالہ

18 **تاریخ اسلام کی بہادر خواتین** از ثناء اللہ سعد شجاع آبادی، مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی 2011ء

19 **تاریخ الخلفاء** از عبد الرحمٰن بن ابو بکر جلال الدین السیوطی، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت1999ء / مترجم از اقبال الدین احمد، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی1983ء

20 تاریخ الخلفاء الراشدین الفتوحات والانجازات السیاسیۃ از محمد سہیل طقوش، دار النفائس بیروت 2011ء

21 **تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس** از حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان2009ء

22 **تاریخ الطبری** (**تاریخ الامم والملوک**) از ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیۃ بیروت 1987ء / 2012ء / دار الفکر بیروت 2002ء / مترجم اردو از عبد اللہ العمادی، دار الاشاعت کراچی 2003ء

23 **تاریخ المسعودی** مروج الذہب ومعادن الجواہر از ابو الحسن بن حسین بن علی المسعودی کا اردو ترجمہ از پروفیسر کوکب شادانی، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی نومبر 1985ء

24 **تاریخ دمشق الکبیر** از ابو عبد اللہ علی عاشور الجنوبی (ابن عساکر) مطبع دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء

25 **تذکرہ** مجموعہ الہامات، کشوف ورؤیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، ضیاء الاسلام پریس ربوہ ایڈیشن چہارم 2004ء

26 **تفسیر الطبری** (جامع البیان عن تاویل آی القرآن) از ابی جعفر محمد بن جریر طبری، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان 2001ء

27 **تفسیر القرآن العظیم** از عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 1998ء

28 **تفسیر کبیر** از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ و المصلح الموعودؓ، شائع کردہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لندن 2023ء

29 **التفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب** از امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی التیمی البکری الرازی الشافعی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء

30 **تفسیر القرطبی (الجامع لاحکام القرآن)** از علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی مطبوعہ دار ابن حزم بیروت 2004ء

31 **جستجوئے مدینہ** از عبد الحمید قادری مطبوعہ اورینٹل پبلی کیشنز لاہور پاکستان 2007ء

32 **حقائق الفرقان**، از حضرت مولوی نور الدین صاحب بھیرویؓ خلیفۃ المسیح الاوّلؓ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ پاکستان

33 **حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء** از حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی، مکتبۃ الایمان المنصورہ 2007ء

34 **خطابات طاہر** (تقاریر جلسہ سالانہ قبل از خلافت) از حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ شائع کردہ طاہر فاؤنڈیشن ربوہ پاکستان

35 **خطباتِ طاہر** از حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ شائع کردہ طاہر فاؤنڈیشن ربوہ پاکستان

36 **خطبات محمود**، از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ و المصلح الموعودؓ، شائع کردہ فضل عمر فاؤنڈیشن مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ پاکستان

37 **خطبات ناصر** از حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

38 **الخلفاء الرشدون** از محمد رضا، ناشر دار الکتاب العربی بیروت لبنان 2004ء

39 **خلفائے راشدین** از حکیم محمود ظفر، مطبوعہ تخلیقات اکرم آرکیڈ لاہور 1998ء

40 **دلائل النبوۃ** از ابی بکر احمد بن حسین بیہقی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، 1988ء / 2002ء

41 **رپورٹ مجلس مشاورت** جماعت احمدیہ از سیکرٹری مجلس مشاورت شائع کردہ صدر انجمن احمدیہ

42 **روحانی خزائن** از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی المسیح الموعودؑ، شائع کردہ نظارت اشاعت، مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

43 **الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ** از شیخ احمد بن عبد اللہ، الشہیر بالمحب طبری، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2014ء

44 **سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد** از محمد بن یوسف صالحی الشامی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 1993ء

45 **سر الخلافۃ** از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی المسیح الموعودؑ، مترجم اردو شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

46 **سنن ابن ماجہ** از ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، مطبوعہ دار السلام ریاض، 2009ء

47 **سنن ابو داؤد** از ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، مطبوعہ دار السلام ریاض، 2009ء

48 **سنن الترمذی الجامع الصحیح** از ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت لبنان، 2002ء
49 **السنن الکبریٰ** از ابی بکر احمد بن حسین خراسانی بیہقی، مطبوعہ مکتبۃ الرشد ناشرون 2004ء
50 **سنن النسائی** از ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب ابن علی بن سنان النسائی، مطبوعہ دار السلام ریاض، 2009ء
51 **سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ** از محمد حسین ہیکل ترجمہ حبیب اشعر اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور
52 **سیر اعلام النبلاء** از شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، مطبوعہ الرسالۃ العالمیۃ دمشق 2014ء
53 **سیر الصحابہ** (خلفائے راشدین) از معین الدین ندوی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور
54 **السیرة الحلبیہ (انسان العیون فی سیرة الامین والمأمون)** از ابی الفرج نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد حلبی الشافعی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2002ء / 2008ء / اردو ترجمہ از محمد اسلم قاسمی، دار الاشاعت کراچی 1999ء
55 **السیرة النبویۃ لابن کثیر** از ابی الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2005ء
56 **السیرة النبویۃ لابن ہشام** از ابی محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری معافری مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2001ء / دار ابن حزم بیروت لبنان 2009ء
57 **سیرة امیر المومنین عمر بن خطابؓ شخصیتہ وعصرہ** از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، دار المعرفہ بیروت لبنان 2007ء / اردو ترجمہ از شمیم احمد خلیل سلفی، مکتبہ الفرقان خان گڑھ مظفر گڑھ پاکستان
58 **سیرة امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ شخصیتہ وعصرہ** از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، دار المعرفہ بیروت لبنان 2006ء
59 **سیرة امیر المومنین علی بن ابی طالب شخصیتہ وعصرہ** از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان 2006ء
60 **سیرت النبی ﷺ** از علامہ شبلی نعمانی ناشر مکتبہ رحمانیہ مطبع لٹل سٹار پرنٹرز لاہور
61 **سیرت خاتم النبیینؐ** از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے مطبوعہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ اسلام آباد ٹلفورڈ یوکے 1996ء
62 **سیرت خلفائے راشدین** از محمد الیاس عادل مطبوعہ، مشتاق بک کارنر لاہور
63 **سیرت عمر فاروقؓ** از محمد رضا اردو ترجمہ از محمد سرور گوہر، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور 2010ء
64 شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ از علامہ قسطلانی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1996ء
65 **صحیح البخاری** از ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری جعفی، مطبوعہ دار السلام ریاض، 1999ء / مترجم اردو شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ پاکستان
66 **صحیح مسلم** از ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، ناشر دار السلام ریاض، 2000ء / مترجم اردو، شائع کردہ نور فاؤنڈیشن ربوہ پاکستان
67 **الطبقات الکبریٰ** از محمد بن سعد بن منیع الہاشمی النصری المعروف بابن سعد مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء / 2012ء / 2017ء / داراحیاء التراث العربی بیروت 1996ء / مترجم اردو از عبد العمادی نفیس اکیڈمی کراچی
68 **عمدة القاری شرح صحیح البخاری** از بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء / داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان 2003ء
69 **عون المعبود شرح سنن ابی داؤد** از ابی الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2002ء
70 **غزوات وسرایا** از محمد اظہر فرید شاہ، ناشر فریدیہ پبلشرز ساہیوال 2018ء
71 **الفاروق** سوانح عمری حضرت عمر فاروقؓ از شبلی نعمانی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات 2004ء / مکتبۃ الحرمین اردو بازار لاہور 1437ھ / دار الاشاعت کراچی 1991ء

72 **الفاروق عمرؓ** از محمد حسین ہیکل، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2007ء
73 **فتح الباری شرح صحیح البخاری** از احمد بن علی بن حجر عسقلانی، مطبوعہ دار الریان للتراث قاہرۃ 1986ء / قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی
74 **فتوح البلدان** از احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، مطبوعہ مؤسسۃ المعارف بیروت 1987ء / دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2000ء
75 **فتوحات شام** از مولانا فضل محمد یوسف زئی ناشر مکتبہ ایمان ویقین 2011ء
76 **فتوح الشام** از محمد بن عمر بن واقد السہمی ابو عبد اللہ الواقدی، مطبوعہ المکتبۃ التوفیقیۃ مصر 2008ء / اردو ترجمہ غلام نصیر الدین گولڑوی، ناشر مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور ستمبر 2008ء
77 **فرہنگ سیرت** از سید فضل الرحمٰن ناشر زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی 2003ء
78 **فقہ احمدیہ** (حصہ عبادات) پیشکش تدوین فقہ کمیٹی، مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ پاکستان
79 **فیروز اللغات اردو** از مولوی فیروز الدین، نظر ثانی، ادارہ تصنیف و تالیف فیروز سنز مطبوعہ فیروز سنز لاہور پانچویں اشاعت 2012ء
80 **الکامل فی التاریخ** از عزّ الدین ابی الحسن علی بن محمد ابن اثیر جزری مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت 1997ء / دار الکتب العلمیۃ بیروت 2003ء / 2006ء
81 **کتاب الخراج** از قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، مطبوعہ المکتبہ التوفیقیہ 2013ء
82 **کتاب العقد الفرید** از احمد بن محمد بن عبد ربہ اندلسی، مطبوعہ دار ارقم بیروت لبنان 1999ء
83 **کتاب المغازی** از ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء / 2013ء
84 **کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال** از علاء الدین علی بن حسام الدین الہندی، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ 1985ء / دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء
85 **لسان العرب** از ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت لبنان 2005ء
86 **لغات الحدیث** از وحید الزمان مطبوعہ نعمانی کتب خانہ لاہور 2005ء
87 **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد** از نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المصری مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2001ء
88 **مجموعہ اشتہارات**، از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی المسیح الموعودؑ، شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ
89 **المستدرک علی الصحیحین** از ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1990ء / مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز الریاض 2000ء
90 **مسند (الامام احمد بن حنبل)** از امام احمد بن حنبل، مطبوعہ عالم الکتب 1998ء / دار الحدیث قاہرہ 2012ء
91 **المصنف لابن ابی شیبۃ** از ابی بکر عبد بن محمد بن ابراہیم ابی شیبہ العبسی، الفاروق الحدیثہ قاہرہ 2008ء / مترجم محمد اویس سرور مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 2014ء
92 **معجم البلدان** از شہاب الدین ابی عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی الرومی البغدادی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان / دار صادر بیروت 1977ء / المکتبۃ العصریۃ بیروت لبنان 2014ء
93 **المعجم الکبیر** از ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی 2002ء
94 **مکتوبات احمد** از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی المسیح الموعودؑ، شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ پاکستان

95 **ملفوظات** از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی المسیح الموعودؑ، شائع کردہ اسلام انٹر نیشنل پبلیکیشنز لندن 2022ء
96 **مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ** از ابی الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی، ناشر دار الکتاب العربی بیروت لبنان 2004ء
97 **المنتظم فی تاریخ الملوک والامم** از ابی الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد ابن الجوزی، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان 2012ء
98 **المنہاج بشرح صحیح مسلم بن حجاج** از محی الدین بن یحییٰ بن شرف النووی، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت لبنان 2002ء
99 **کتاب المؤطا** از امام مالک بن انس مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان 2002ء
100 **کتاب مقدس** یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ از پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور پاکستان 2019ء
101 **النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ** از جمال الدین ابی المحاسن یوسف، دار الکتب المصریۃ بالقاہرہ 1929ء
102 **نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری** از غلام رسول سعیدی، ناشر فرید بک سٹال اردو بازار مطبع رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور 2013ء
103 **وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ** از علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی، مطبوعہ مکتبۃ الحقانیۃ پشاور پاکستان
104 **History of The Arabs** by Philip K. Hitti, 10th edition, Machillan Education LTD. London 1989
105 The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History by Michael H. Hart, Golden Books centre SDN. BHD. 2008
106 **The Decline and Fall of the Roman Empire**. by Edward Gibbon. Everyman's Library London 1910